بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح الخالق

شرح اردو

کنز الدقائق

مولانا عبدالرحمن بن خواجہ ان کاکری
استاذ الحدیث جامعہ رحیمیہ نیلا گنبد کوئٹہ

انعام عطا کردہ و تقریظ شدہ

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جلد سوم

مکتبہ رشیدیہ
شیخ محل روڈ لاہور سرکی روڈ کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح الخالق

شرح اردو

کنز الدقائق

مولانا عبدالرحمن بن خواجہ الکاکری

استاذ الحدیث جامعہ رحیمیہ نیلا گنبد کوئٹہ

انعام عطا کردہ و تقریظ شدہ

شیخ الاسلام حضرت قدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جلد سوم

مکتبہ رشیدیہ
سرکی روڈ، کوئٹہ
081-2662263, 0333-7825484

مکتبہ رشیدیہ
۳ شیش محل روڈ، لاہور
042-37364516, 0332-4763355

نام کتاب ———— فتح الخالق شرح اردو کنز الدقائق

تالیف ———— حافظ الحق والملة والدين وارث الأنبياء والمرسلين
أبي البركات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفي

شارح ———— مولانا عبد الرحمن بن جوا لصد الکاری

پسند فرمودہ ———— شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

طابع ———— مکتبہ رشیدیہ

تعداد ———— 1100

سن اشاعت ———— 2023

ناشر ———— مکتبہ رشیدیہ لاہور 0312-8359764
کوئٹہ 0333-7825484

قیمت ———— /-

مکتبہ رشیدیہ
۳۔ شیش محل روڈ، لاہور
042-37364516, 0332-4763366

مکتبہ رشیدیہ
سرکی روڈ، کوئٹہ
081-2662263, 0333-7825484

مَا شَاءَ اللّٰهُ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عنوانات

﴿بَابُ الِاسْتِثْنَاءِ، وَمَا فِي مَعْنَاهُ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الاستثناء، وما في معناه. یعنی یہ باب استثناء کے احکام کے بیان میں ہے، اور جو استثناء کے معنی میں ہو۔ استثناء باب استفعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: نکال دینا، پاک کرنا، بری کرنا۔ فقہاء کی اصطلاح میں استثناء کی کئی قسمیں ہیں:

◈ استثناء لفظي: متعدد چیزوں میں سے بعض کو إِلّا کے ذریعے، یا اس کے ہم معنی کسی اور لفظ کے ذریعے نکالنا۔ اس کو استثناء حقیقی بھی کہتے ہیں۔

◈ استثناء معنوي: الفاظِ استثناء (إلّا وغیرہ) کے بغیر کسی اور طریقہ سے متعدد چیزوں میں سے بعض کو نکالنا، مثلاً یوں کہے: هذه الدار له، وهذا البيت منها لي (یہ گھر فلاں آدمی کا ہے، اور اس میں سے یہ کمرہ میرا ہے)، یہاں ایک کمرے کو گھر کے مجموعہ سے نکال دیا گیا، مگر لفظِ استثناء کا استعمال نہیں کیا۔

◈ استثناء عرفي: اگر متکلم نے اپنے کلام میں آخر میں إن شاء الله کہا تو اس کو استثناء عرفی کہا جاتا ہے۔

وہ چیز جو استثناء کے معنی میں ہے وہ تخصیص اور شرط ہے، یعنی عام سے بعض افراد کو خاص کر دینا استثناء کی طرح نکال دینا ہے۔ اور حکم کے ساتھ کوئی شرط لگانے سے بھی وہ حکم ثابت ہونے سے رک جاتا ہے، جیسے استثناء کی وجہ سے بعض افراد پر حکم ثابت نہیں ہوتا۔

مصنفؒ نے اس باب میں استثناء اور جو اس کے معنی میں ہے سے متعلق بائیس (۲۲) مسائل جمع کیے ہیں۔

> ❶ صَحَّ اِسْتِثْنَاءُ بَعْضِ مَا أَقَرَّ بِهِ مُتَّصِلًا ❷ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي ❸ لَا اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ ❹ وَ صَحَّ اِسْتِثْنَاءُ الْكَيْلِيِّ، وَالْوَزْنِيِّ مِنَ الدَّرَاهِمِ ❺ لَا غَيْرِهِمَا ❻ وَلَوْ وَصَلَ بِإِقْرَارِهِ: إِنْ شَاءَ اللهُ: بَطَلَ إِقْرَارُهُ.

ترجمہ: اور صحیح ہے استثناء کرنا بعض اُس کا جس کا اِقرار کیا ہے، کہ متصل ہو۔ اور مُقِر پر باقی لازم ہوگا۔ نہ کہ کُل کا استثناء کرنا۔ اور صحیح ہے کیلی اور وزنی کا استثناء دراہم سے۔ نہ کہ ان دو کے علاوہ سے۔ اور اگر اپنے اِقرار سے ملایا "ان شاء اللہ" تو اس کا اِقرار باطل ہوگیا۔

تشریح:

❶ صحّ استثناء بعض ما أقرّ به متصلا: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اوپر کسی چیز کا اِقرار کیا، اور اس

کے متصل بعد بعض کا استثناء کیا تو صحیح ہے، مثلاً کہا: لفلان عليّ عشرة دراهم إلّا أربعة. تو یہ صحیح ہے، لہٰذا مُقِر پر باقی چھ دراہم لازم ہوں گے، کیونکہ استثناء کا وضع اسی لئے ہوا ہے کہ متعدد میں سے بعض کو نکال لیا جائے۔

متصلًا حال ہے، یعنی استثناء اسی وقت صحیح ہوگا جب مستثنٰی منہ سے متصل ہو، لہٰذا اگر مستثنٰی اور استثناء کے درمیان فاصلہ آ گیا تو یہ صحیح نہ ہوگا، اور مُقِر پر ساری چیز لازم ہو جائے گی، مثلاً لفلان عليّ عشرة دراهم کے بعد مُقِر کچھ دیر کیلئے خاموش رہا، اور پھر کہا: إلّا أربعة، تو یہ استثناء صحیح نہ ہوگا، کیونکہ استثناء غیر مستقل کلام ہے، اور یہ اسی وقت معنی کا فائدہ دیتا ہے جب مستثنٰی منہ سے متصل ہو۔

❷ ولزمهُ الباقي: «ہ» کا مرجع مُقِر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ استثناء کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ مُقِر پر لازم ہوگا، خواہ کم ہو یا زیادہ ہو، مثلاً مذکورہ مثال میں دس میں سے چار کے استثناء کے بعد مُقِر پر چھ دراہم لازم ہوں گے، اور اگر زیادہ کا استثناء کر کے کہتا ہے کہ إلّا ستة، تو اس پر چار دراہم لازم ہوں گے۔

❸ لا استثناء الكلّ: أي: لا يصحّ استثناء الكلّ. کُل کو استثناء کرنا صحیح نہیں ہے، مثلاً یوں کہے: عليّ عشرة دراهم إلّا عشرة (میرے اوپر دس دراہم ہیں سوائے دس کے) یہ استثناء صحیح نہ ہوگا، لہٰذا مُقِر پر کُل دس دراہم لازم ہوں گے، کیونکہ استثناء کا وضع متعدد سے بعض کو نکالنے کیلئے ہوا ہے، نہ کہ کُل سے کُل کو نکالنے کیلئے، بلکہ کُل سے کُل کو نکالنا در حقیقت اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے، اور اقرار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔

❹ وصحّ استثناء الكيليّ، والوزنيّ من الدراهم: دراہم سے کیلی یا وزنی چیز کو استثناء کرنا صحیح ہے، مثلاً اگر کسی نے کہا: لفلان عليّ مائة دراهم إلّا قفيز حنطة (میرے ذمے فلاں آدمی کے سو دراہم ہیں، سوائے ایک پیمانہ گندم کے)[1] تو گندم کو دراہم سے استثناء کرنا صحیح ہے، لہٰذا سو دراہم سے ایک پیمانہ گندم کی قیمت کو نکال کر باقی دراہم مُقِر پر لازم ہوں گے۔ یہ شیخینؒ کا مسلک ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک یہ استثناء درست نہیں ہے، کیونکہ استثناء یہ ہے کہ متعدد میں سے بعض کو نکال دیا جائے، اور نکالنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ بعض متعدد کے اندر داخل ہو، حالانکہ گندم دراہم میں داخل نہیں ہے، تو استثناء کے ذریعے نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟

شیخینؒ کہتے ہیں کہ گندم معنوی طور پر دراہم میں داخل ہے، کیونکہ دراہم اور گندم دونوں میں ثمنیت کا وصف[2] موجود ہے، بلکہ ہر کیلی اور وزنی میں یہ وصف موجود ہوتا ہے، تو گویا گندم اور دراہم کی جنس ایک ہے، اور ایک دوسرے میں داخل ہے، لہٰذا استثناء صحیح ہوگا۔

قول راجح:

حضرات شیخینؒ کا قول راجح ہے۔ [درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام:۴/۱۴۰، المادۃ:۱۵۸۸]

---

① وزنی چیز کی مثال یہ ہے: لفلان عليّ مائة درهم إلا دينار (میرے ذمے فلاں آدمی کے سو دراہم ہیں سوائے ایک دینار کے) دینار وزنی چیز ہے، تو دراہم سے اس کو استثناء کرنا صحیح ہے، لہٰذا ایک دینار کے جتنے دراہم ہوں گے ان کو سو دراہم سے نکال کر باقی دراہم مُقِر پر لازم ہوں گے۔

② ثمنیت کے وصف کا مطلب یہ ہے کہ مبیع میں اس کو بطور ثمن مقرر کیا جا سکتا ہے، اور انسان کے ذمہ پر دین بن کر لازم ہو جاتا ہے۔

❺ لا غيرهما: أي: لا يصحّ استثناء غير الكيلي والوزني من الدراهم. یعنی کیلی اور وزنی کے علاوہ کسی اور چیز کو دراہم سے استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا، مثلاً کسی نے کہا: لفلان عليّ مائة درهم إلّا ثوب (میرے ذمے فلاں آدمی کے سو دراہم ہیں، سوائے ایک کپڑے کے) یہاں ثوب نہ کیلی ہے نہ وزنی، لہٰذا دراہم سے اس کو استثناء کرنا صحیح نہ ہوگا، ایسی صورت میں اِقرار صحیح ہوگا، اور مُقِر سے کہا جائے گا کہ اپنی بات کی وضاحت کرے۔ [ردالمحتار:۷/۴۲۹]

امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں استثناء صحیح ہے، کیونکہ مستثنیٰ (ثوب) اور مستثنیٰ منہ (دراھم) دونوں مال ہیں، تو مالیت کے اعتبار سے دونوں کی جنس ایک ہے، گویا ایک دوسرے کے اندر داخل ہے، اس لئے استثناء صحیح ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کی قیمت لگا کر اس کو دراہم سے نکال دیا جائے گا، اور باقی دراہم مُقِر پر لازم ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ جنس متحد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دو چیزوں کا وصف[1] ایک ہو، اور وہ وصف ثمنیت ہے، حالانکہ ثوب میں ثمنیت کا وصف نہیں ہے، تو ثوب اور دراہم کی جنس ایک نہیں ہوئی، اور نہ ہی ثوب دراہم میں داخل ہے، اور جو چیز مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو اس کو استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

❻ ولو وصل بإقراره: إن شاء الله: بطل إقراره: اگر کسی شخص نے اِقرار کیا، اور اس کے ساتھ متصل إن شاء الله کہا، تو اِقرار باطل ہوگیا، مثلاً یوں کہا: لفلان عليّ مائة درهم إن شاء الله. کیونکہ اِقرار تملیک (دوسرے کو مالک بنانا) ہے، اور تملیک شرط کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے، جیسا کہ كتاب البيوع/ باب المتفرقات مسئلہ نمبر (۱۳) میں تفصیل سے بیان ہوا۔

نیز إن شاء الله ایسی شرط ہے جس پر انسان واقفیت حاصل نہیں کر سکتا، لہٰذا ایسی شرط پر معلق کرنے کی وجہ سے ہر معاملہ باطل ہو جاتا ہے۔[2]

❼ وَلَوْ اِسْتَثْنَى الْبِنَاءَ مِنَ الدَّارِ: فَهُمَا لِلْمُقَرِّ لَهُ ❽ وَإِنْ قَالَ: بِنَاؤُهَا لِي، وَالْعَرْصَةُ لَكَ: فَكَمَا قَالَ ❾ وَلَوْ قَالَ: عَلَيَّ أَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ لَمْ أَقْبِضْهُ، فَإِنْ عَيَّنَ الْعَبْدَ، وَسَلَّمَهُ إِلَيْهِ: لَزِمَهُ الْأَلْفُ ❿ وَإِلَّا: لَا ⓫ وَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ: لَزِمَهُ الْأَلْفُ ⓬ كَقَوْلِهِ: مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ، أَوْ خِنْزِيرٍ ⓭ وَلَوْ قَالَ: مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ، أَوْ أَقْرَضَنِي وَهِيَ زُيُوفٌ، أَوْ نَبَهْرَجَةٌ: لَزِمَهُ الْجِيَادُ ⓮ بِخِلَافِ الْغَصْبِ، وَالْوَدِيعَةِ.

ترجمہ: اور اگر عمارت کا استثناء کیا گھر سے تو وہ دونوں مُقَر لہٗ کے ہوں گے۔ اور اگر کہا کہ گھر کی عمارت میری ہے، اور صحن

---

① یہاں وصف سے مراد وصفِ قریب ہے، یعنی ثمنیت، وصفِ بعید یعنی مالیت مراد نہیں ہے۔

② اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اِقرار کو ایسی شرط پر معلق کر دیا جس کے وجود اور عدم دونوں کا امکان ہو، تو شرط کی وجہ سے اِقرار باطل ہو جائے گا، اور اگر اِقرار کو ایسی شرط پر معلق کر دیا جس کا وجود یقینی ہے تو اِقرار صحیح ہے، اور مُقِر پر فی الحال مال لازم ہو جائے گا۔ [درر الحکام:۴/۱۰۹، المادۃ:۵۸۴]

تیز اہے، تو (ایسا ہی ہوگا) جیسے اس نے کہا۔ اور اگر کہا کہ میرے اوپر ہزار ہیں اُس غلام کے ثمن میں سے جس پر میں قبضہ نہیں کیا ہے، تو اگر غلام کو معیّن کردیا، اور (مُقَرلہٗ نے) وہ غلام مُقِر کے حوالہ کردیا، تو اس پر ہزار لازم ہوگئے۔ ورنہ نہیں۔ اور اگر معیّن نہیں کیا تو اس پر ہزار لازم ہوں گے۔ جیسے اس کا کہنا کہ: (میرے اوپر ہزار ہیں) شراب یا خنزیر کے ثمن میں سے۔ اور اگر کہا کہ سامان کے ثمن میں سے ہیں، یا مجھے قرض دیا تھا اور وہ کھوٹے یا بے رواج تھے، تو اس پر کھرے لازم ہوں گے۔ برخلاف غصب اور ودیعت کے۔

لغات:

زیوف: جمع ہے زائف کی بمعنی کھوٹا، جعلی، وہ دراہم جن کو بیت المال رد کردے، مگر تجار کے ہاں چلتے ہوں۔ نبھرجة: غیر مروّج، بے کار دراہم، جن کو تجار بھی رد کردیں۔

تشریح:

⑦ ولو استثنى البناء من الدراهم: فهما للمقرله: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اِقرار کیا کہ: هذه الدار لفلان إلّا بناؤها (یہ گھر فلاں آدمی کا ہے سوائے اس کی عمارت کے) تو یہ اِستثناء صحیح نہیں ہے، لہٰذا گھر اور عمارت دونوں مُقَرلہٗ کو مل جائیں گے، کیونکہ گھر میں عمارت تبعاً داخل ہوتی ہے، ایسا گھر نہیں ہوتا جس میں عمارت نہ ہو، لہٰذا گھر کے اِقرار میں عمارت کا بھی اِقرار ہوگیا، تو بعد میں عمارت کا اِستثناء کرنا گویا اپنے اِقرار سے انکار کرنا ہے، اور اِقرار کے بعد انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔

⑧ وإن قال: بناؤها لي، والعرصة لک: فكما قال: اگر مُقِر نے کہا کہ اس گھر کی عمارت میری ہے اور صحن تمہارا ہے، تو اس کا یہ قول صحیح ہے، اور فیصلہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس نے کہا ہے، یعنی مُقَرلہٗ کو خالی صحن مل جائے گا، کیونکہ یہاں مُقِر نے مُقَرلہٗ کیلئے صحن کا اِقرار کیا ہے، اور صحن خالی زمین کو کہا جاتا ہے، جس میں عمارت وغیرہ نہ ہو، لہٰذا صحن کے اِقرار میں عمارت تبعاً داخل نہ ہوگی۔

⑨ ولو قال: عليّ ألف من ثمن عبد لم أقبضه...إلخ: سلّم کے اندر ضمیر مستتر کا مرجع مقرله ہے، اور «ه» کا مرجع معیّن غلام ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ میرے ذمے زید کے ہزار روپے ہیں، اور یہ اُس غلام کا ثمن ہے جس کو میں نے زید سے خریدلیا ہے، مگر اس پر ابھی تک قبضہ نہیں کیا، تو اگر مُقِر نے کسی معیّن غلام کو ذکر کیا اور پھر مُقَرلہٗ (زید) نے وہ معیّن غلام مُقِر کے حوالہ کردیا، تو مُقِر پر ہزار روپے لازم ہوگئے، کیونکہ مُقِر کا مطلب یہی ہے کہ میرے اوپر ہزار روپے اس وقت لازم ہیں کہ میں غلام پر قبضہ کرلوں، تو جب اس نے غلام پر قبضہ کرلیا تو اس کا مطلب پورا ہوا، لہٰذا اس پر ہزار روپے (ثمن) لازم ہوگئے۔

⑩ وإلّا: لا: أي: وإن لا يسلّمه: لا يلزمه. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مُقَرلہٗ (زید) نے وہ معیّن غلام مُقِر کے حوالہ نہیں کیا، تو مُقِر پر ہزار روپے لازم نہیں ہوں گے، کیونکہ مُقِر کا مطلب (یعنی غلام پر قبضہ) پورا نہیں ہوا۔

⑪ وإن لم يعيّن: لزمه الألف: یعنی مسئلہ نمبر (۹) کی صورت میں اگر مُقِر نے غلام کو معیّن نہیں کیا، اور کہا کہ میرے ذمے زید کے ہزار روپے ہیں، اور یہ اُس غیر معیّن غلام کا ثمن ہے جس کو میں نے زید سے خریدلیا ہے، اور ابھی تک اس پر قبضہ

نہیں کیا ہے، تو مُقِر پر فی الحال ہزار روپے لازم ہیں، غلام پر قبضہ نہ کرنے میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اپنے اوپر ہزار روپے لازم کردیے، اور پھر جب اس کو غیر معیّن غلام کا ثمن کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر لازم نہیں ہیں، کیونکہ غیر معیّن مبیع کا ثمن مشتری پر لازم نہیں ہوتا، تو گویا اِقرار کرنے کے بعد اس سے انکار کیا، اور یہ انکار صحیح نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک اگر مُقِر نے اِقرار کے بعد متصل کہا کہ یہ ہزار روپے غیر معیّن غلام کا ثمن ہے، تو اس کی بات مانی جائے گی، اور اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس نے اپنی پہلی بات (کہ میرے اوپر ہزار روپے ہیں) کو تغییر دی، تو یہ استثناء کی طرح ہوگیا، جس کو اگر متصل ذکر کیا جائے تو درست ہے۔

قول راجح:

امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفي: وإن لم يعيّن العبد: لزمه الألف مطلقاً وصل أم فصل. [الدر المختار: ۷/۴۳۲۔ درر الحکام: ۴/۱۲۱۔ المادۃ: ۱۵۸۸]

⑫ كقوله: من ثمن خمر، أو خنزير: یعنی ماقبل مسئلے کی طرح یہ صورت بھی ہے کہ مُقِر یوں کہے: لفلان عليّ ألف من ثمن خمر، أو خنزير (میرے ذمے فلاں آدمی کے ہزار روپے ہیں شراب یا خنزیر کے ثمن میں سے) یہاں بھی مُقِر پر ہزار روپے لازم ہوں گے، اور اس کا یہ کہنا کہ: "شراب یا خنزیر کے ثمن میں سے" معتبر نہیں ہے، کیونکہ ایک مرتبہ اپنے اوپر ہزار روپے لازم کررہا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ وہ شراب یا خنزیر کا ثمن ہے، یعنی مجھ پر لازم نہیں ہے، کیونکہ مسلمان پر شراب اور خنزیر کا ثمن لازم نہیں ہوتا، تو گویا اس نے ایک مرتبہ اِقرار کیا، اور پھر انکار کیا، اور یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں بھی صاحبینؒ کا وہی اختلاف ہے۔

⑬ ولو قال: من ثمن متاع، أو أقرضني وهي زيوف ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ: مجھ پر زید کے ہزار دراہم ہیں، اور یہ اُس سامان کا ثمن ہے جو میں نے زید سے خریدلیا تھا اور یہ کھوٹے ہیں، یا غیر مروّج ہیں، یا اس نے کہا کہ زید نے مجھے ہزار دراہم قرض پر دیے تھے اور وہ کھوٹے ہیں، یا غیر مروّج ہیں، اس کے جواب میں مُقَرلہٗ (زید) نے کہا کہ نہیں، وہ دراہم کھرے ہیں، تو مُقِر پر کھرے ہی لازم ہوں گے، کیونکہ اس نے ایک مرتبہ صحیح عقد (بیع یا قرض) کے ذریعے اپنے اوپر دراہم لازم کردیے، اور ہر عقد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عیب سے پاک ہو، لہٰذا یہاں بھی عقد کا تقاضا یہ ہے کہ مُقِر پر جو دراہم لازم ہیں وہ عیب سے پاک کھرے دراہم ہیں، مگر بعد میں جب وہ کہتا ہے کہ وہ کھوٹے ہیں تو گویا اِقرار کے بعد انکار کررہا ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ یہاں بھی صاحبینؒ کا وہی اختلاف ہے جو مسئلہ نمبر (۱۱) میں بیان ہوا۔

⑭ بخلاف الغصب، والوديعة: یعنی پچھلے مسئلے کا حکم غصب اور ودیعت کے برخلاف ہے، مثلاً کسی نے کہا کہ: میں نے زید کے ہزار دراہم غصب کیے ہیں، اور وہ کھوٹے ہیں، یا کہا کہ: زید نے میرے پاس ہزار دراہم امانت رکھے ہیں، اور وہ کھوٹے ہیں، زید نے کہا کہ نہیں وہ دراہم کھرے ہیں، تو بات مُقِر کی معتبر ہوگی، اور اس پر کھوٹے ہی لازم ہوں گے، کیونکہ غصب اور

امانت عیب سے پاک ہونے کا تقاضا نہیں کرتے، کیونکہ غاصب اور چور جو پاتے ہیں لوٹ لیتے ہیں، کھرے کھوٹے کو نہیں دیکھتے، اسی طرح انسان کے پاس جو زائد از ضرورت مال آجاتا ہے اس کو حفاظت کی خاطر کسی کے پاس امانت رکھوا دیتا ہے، خواہ کھرا ہو یا کھوٹا، تو مُقِر کا یہ کہنا کہ: ''وہ کھوٹے ہیں'' اپنی پہلی بات کا انکار کرنا نہیں ہے، اور نہ پہلی بات کے تقاضے کے خلاف ہے۔

۱۵ وَلَوْ قَالَ: إِلَّا أَنَّهُ يَنْقُصُ كَذَا، مُتَّصِلًا: صُدِّقَ ۱۶ وَإِلَّا: لَا ۱۷ وَمَنْ أَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ، وَجَاءَ بِمَعِيبٍ: صُدِّقَ ۱۸ وَإِنْ قَالَ: أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفًا وَدِيعَةً، وَهَلَكَتْ، وَقَالَ: غَصْبًا: فَهُوَ ضَامِنٌ ۱۹ وَإِنْ قَالَ: أَعْطَيْتَنِيهَا وَدِيعَةً، وَقَالَ: غَصَبْتَنِيهَا: لَا ۲۰ وَإِنْ قَالَ: هٰذَا كَانَ وَدِيعَةً لِي عِنْدَكَ، فَأَخَذْتُهُ، فَقَالَ: هُوَ لِي: أَخَذَهُ.

ترجمہ: اور اگر (مُقِر نے) کہا کہ مگر وہ اتنے کم ہیں، متصلاً، تو تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔ اور جس نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا، اور کوئی معیوب کپڑا لایا، تو تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے تجھ سے ہزار ودیعت لئے تھے، اور وہ ہلاک ہوگئے، اور (مُقَر لہٗ نے) کہا کہ تو نے غصباً لئے تھے، تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اگر کہا کہ تو نے مجھے ہزار ودیعت دیئے، اور (مُقَر لہٗ نے) کہا کہ تو نے مجھ سے غصب کئے تو (ضامن) نہیں۔ اور اگر کہا کہ یہ چیز میری ودیعت تھی تمہارے پاس، پس میں نے وہ لے لی، (دوسرے نے) کہا کہ وہ میری ہے، تو وہ اس چیز کو لے لے گا۔

تشریح:

۱۵ ولو قال: إلّا أنه ينقص كذا، متصلا: صدّق: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اقرار کیا کہ میرے ذمے فلاں آدمی کے ہزار روپے ہیں، مگر ان میں سے سو کم ہیں، تو اگر اس نے کمی کی بات متصل کہی تو اس کی تصدیق کی جائے گی، لہٰذا مذکورہ صورت میں اس پر نوسو روپے لازم ہوں گے، کیونکہ یہ بعینہٖ استثناء ہے، اور مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوا مستثنیٰ اگر مستثنیٰ منہ کے متصل ہو تو صحیح ہے۔

۱۶ وإلّا: لا: أي إن لا يقل متصلاً: لا يصدّق. یعنی مذکورہ صورت میں اگر کمی کی بات متصل نہیں کہی، بلکہ کچھ دیر بعد کہا کہ: مگر ان میں سے سو کم ہیں، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ مستثنیٰ کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ سے متصل ہو۔

۱۷ ومن أقرّ بغصب ثوب، وجاء بمعيب: صدّق: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں آدمی سے کپڑا غصب کیا ہے، اور پھر اس نے ایک معیوب کپڑا لاکر حاضر کر دیا جبکہ مُقَر لہٗ (مغصوب منہ) کہتا ہے کہ غاصب نے مجھ سے صحیح سالم کپڑا غصب کیا ہے، تو اس میں غاصب کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ مسئلہ نمبر (۱۴) میں بیان ہوا کہ غصب عیب سے پاک ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ غاصب جو پاتا ہے غصب کر لیتا ہے۔

۱۸ وإن قال: أخذتُ منک ألفا وديعة، وهلكتْ، و.... الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے

سے کہا: ''میں نے تجھ سے ہزار روپے لئے تھے بطور ودیعت اور وہ ہلاک ہوگئے''، اس کے جواب میں دوسرے (مُقَرلہٗ) نے کہا کہ تو نے مجھ سے ہزار روپے غصب کئے ہیں، تو مُقَرلہٗ کی بات معتبر ہوگی، لہٰذا مُقِر ہزار روپے کا ضامن ہے، کیونکہ اس نے ایک مرتبہ خود کہا کہ میں نے تجھ سے لے لئے، اور دوسرے کا مال لینا ضمان کا سبب ہے، اور پھر ضمان سے انکار کرکے ودیعت کا دعویٰ کرتا ہے، جبکہ مُقَرلہٗ ودیعت کا منکر ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات معتبر ہوگی، لہٰذا یہاں بھی مُقَرلہٗ کی بات مانی جائے گی۔

⑲ وإن قال: أعطيتنيها وديعة، وقال: غصبتنيها: لا: أي: لا يضمن المقر. اگر مُقِر نے دوسرے سے کہا کہ: ''تو نے مجھے ہزار روپے دیے تھے بطور ودیعت اور وہ ہلاک ہوگئے'' مُقَرلہٗ نے کہا کہ تو نے مجھ سے غصب کئے تھے، تو مُقِر ضامن نہ ہوگا، کیونکہ یہاں مُقِر نے ضمان کے سبب (یعنی لینے) کا اِقرار نہیں کیا، بلکہ مُقَرلہٗ کی طرف نسبت کرکے کہا کہ تو نے مجھے دیئے، اور مُقَرلہٗ اس پر غصب کا دعویٰ کر رہا ہے، جس کا مُقِر انکار کر رہا ہے، اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے۔

⑳ وإن قال: هذا كان وديعة لي عندك، فأخذته....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے احمد سے کہا کہ یہ چیز میری ہے، جو تمہارے پاس ودیعت تھی، اب میں نے تجھ سے لے لی، احمد نے کہا کہ نہیں، یہ میری ہے، تو نے مجھ سے چھین لی ہے، تو یہاں مُقَرلہٗ (احمد) کی بات معتبر ہوگی، لہٰذا وہ اس چیز کو زید سے لے لے گا، کیونکہ زید نے خود اس بات اِقرار کیا کہ اس چیز پر پہلے احمد کا قبضہ تھا اور ساتھ ہی ودیعت کہہ کر اپنا حق ثابت کر رہا ہے، جبکہ احمد اس کے حق کا منکر ہے، اور بات منکر ہی کی معتبر ہوگی مع الیمین۔

> ㉑ وَإِنْ قَالَ: آجَرْتُ بَعِيرِي، أَوْ ثَوْبِي هٰذَا فُلَانًا، فَرَكِبَهُ، أَوْ لَبِسَهُ، فَرَدَّهُ: فَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ ㉒ وَلَوْ قَالَ: هٰذَا الْأَلْفُ وَدِيعَةُ فُلَانٍ، لَا، بَلْ وَدِيعَةٌ لِفُلَانٍ: فَالْأَلْفُ لِلْأَوَّلِ، وَ عَلَى الْمُقِرِّ مِثْلُهُ لِلثَّانِي.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ میں نے اپنا اونٹ، یا اپنا یہ کپڑا فلاں کو کرایہ پر دیا، پس وہ اس (اونٹ) پر سوار ہوا، یا اس (کپڑے) کو پہن لیا، اور پھر اس کو واپس کر دیا، تو بات مُقِر کی (معتبر) ہے۔ اور اگر کہا کہ یہ ہزار فلاں کی ودیعت ہیں، نہیں، بلکہ فلاں کی ودیعت ہیں، تو ہزار پہلے کے ہوں گے، اور مُقِر پر اس کی مثل دوسرے کیلئے ہوں گے۔

تشریح:

㉑ وإن قال: آجرت بعيري، أو ثوبي هذا ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ میں نے اپنا یہ اونٹ احمد کو کرایہ پر دیا تھا، جس پر وہ سوار ہوگیا اور پھر مجھے واپس لوٹا دیا، یا کہا کہ میں نے اپنا یہ کپڑا احمد کو کرایہ پر دیا تھا، جس کو اس نے پہن لیا اور پھر مجھے واپس لوٹا دیا، اس کے جواب میں احمد نے کہا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، اونٹ یا کپڑا میرا ہے، تو نے مجھ سے غصب کر لیا ہے، تو اس میں مُقِر (زید) کی بات معتبر ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک مسئلہ نمبر (۲۰) کی طرح یہاں بھی احمد (مُقرّ لہ) کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہاں بھی مُقِر اِقرار کررہا ہے کہ اونٹ اور کپڑے پر پہلے احمد کا قبضہ تھا، اور ساتھ ہی اپنا حق بھی ثابت کررہا ہے، جبکہ احمد اس کا منکر ہے، اور بات منکر کی معتبر ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں احمد کو جو قبضہ حاصل ہے وہ زید کی طرف سے دیا گیا ہے، لہٰذا اس قبضے کی نوعیت کے بارے میں بھی زید ہی کی بات معتبر ہوگی، وہ یہ کہ احمد کا قبضہ کرایہ کا قبضہ ہے، نہ کہ ملکیت کا۔ اس کے برخلاف مسئلہ نمبر (۲۰) میں مُقِر یہ نہیں کہتا کہ مُقرّ لہ کو میں نے قبضہ دیا تھا، ہوسکتا ہے کہ مُقرّ لہ کو کسی اور ذریعے سے قبضہ حاصل ہوگیا ہو، لہٰذا وہاں قبضے کی نوعیت کے بارے میں مُقِر کی بات معتبر نہیں ہوگی، تو اس مسئلے کو پچھلے پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

(۲۲) **ولو قال: هذا الألف وديعة فلان، لا ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مُقِر کہتا ہے کہ یہ ہزار روپے میرے پاس زید کی ودیعت ہیں، پھر فوراً کہتا ہے کہ نہیں، زید کی نہیں، بلکہ خالد کی ودیعت ہیں، تو اس پر لازم ہے کہ یہ ہزار تو زید کو دیدے، اور اس کی مثل دوسرے ہزار خالد کو ادا کرے، کیونکہ پہلی مرتبہ زید کیلئے جو اِقرار کیا وہ صحیح ہے، اور آخر میں خالد کیلئے جو اِقرار کیا وہ بھی صحیح ہے، اور درمیان میں زید کے اِقرار سے جو رجوع کیا وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اِقرار ایسا قول ہے جس سے رجوع نہیں ہوسکتا۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

هو السميع العليم

﴿بَابُ إِقْرَارِ الْمَرِيضِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام إقرار المريض. یعنی یہ باب مریض کے اِقرار کے احکام کے بیان میں ہے۔اس سے پہلے تندرست شخص کے اِقرار کے احکام بیان ہورہے تھے،اب یہاں سے مریض کے اِقرار سے متعلق احکام بیان ہوں گے۔مریض وہ شخص ہے کہ بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کی موت کا یقین ہوجائے،اور پھر اسی حالت میں مرجائے۔شرعاً کسی شخص کو مریض قرار دینے کیلئے تین شرطیں ہیں: (۱) بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کی موت کا یقین ہوجائے۔(۲) خطرے کی یہ حالت موت تک برقرار رہے۔(۳) اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوجائے۔

مریض شخص اگر کسی کیلئے مال کا اِقرار کرتا ہے تو اس پر یہ شک کیا جائے گا کہ وہ اپنے ورثہ کو میراث سے محروم کرنا چاہتا ہے،اس لئے شریعت نے اس کیلئے ایسے قواعد واصول رکھے ہیں کہ ایک مقررہ اندازہ تک مریض کا اِقرار بھی صحیح ہوجائے،اور اس کے ورثہ بھی میراث سے محروم نہ ہوں،اسی کو کہتے ہیں شریعت کا اِنصاب واعتدال۔والحمد لله على نعمة الإسلام.

اس باب میں مریض کے اِقرار سے متعلق بائیس (۲۲) مسائل ہیں۔

> ❶ دَيْنُ الصِّحَةِ، وَمَا لَزِمَهُ فِي مَرَضِهِ بِسَبَبٍ مَعْرُوفٍ: قُدِّمَ عَلَى مَا أَقَرَّ بِهِ فِي مَرَضِهِ ❷ وَ أُخِّرَ الْإِرْثُ عَنْهُ ❸ وَإِنْ أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِوَارِثِهِ: بَطَلَ ❹ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ الْبَقِيَّةُ ❺ وَ إِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ: صَحَّ وَإِنْ أَحَاطَ بِمَالِهِ ❻ وَ إِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ، ثُمَّ أَقَرَّ بِبُنُوَّتِهِ: ثَبَتَ نَسَبُهُ، وَ بَطَلَ إِقْرَارُهُ.

ترجمہ: تندرستی کا دَین،اور وہ دَین جو اس کے اوپر لازم ہوگیا ہے اس کی بیماری میں کسی معروف سبب سے مقدّم کردیا جائے گا اس دَین پر جس کا اِقرار کیا ہے اپنی بیماری میں۔اور میراث کو مؤخر کردیا جائے گا اس سے۔اور اگر بیمار نے اِقرار کیا اپنے وارث کیلئے تو باطل ہے۔مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کریں۔اور اگر اِقرار کیا کسی اجنبی کیلئے تو صحیح ہے،اگرچہ گھیر لے اس کے (سارے) مال کو۔اور اگر اِقرار کیا کسی اجنبی کیلئے،پھر اِقرار کیا اس کے بیٹے ہونے کا،تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا،اور اس کا اِقرار باطل ہوگا۔

تشریح:

❶ دين الصحة، وما لزمه في مرضه ....إلخ: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مریض شخص نے صحت کے زمانہ میں کچھ دَین لیا ہے،اور پھر بیماری کے زمانہ میں اس پر کچھ ایسا دَین لازم ہوگیا جس کا سبب معلوم ہے،مثلاً نکاح کا مہر ہے،یا مبیع کا ثمن ہے،اور

پھر اسی بیماری میں اقرار کیا کہ میرے ذمے زید کا ہزار روپے دَین ہے، تو ان کا حکم یہ ہے کہ صحت کے زمانے کا دَین اور بیماری کے زمانے کا وہ دَین جس کا سبب معلوم ہے، وہ اقرار کے دَین سے مقدم ہوں گے، لہٰذا مریض جب مرجائے تو اس کے مال سے سب سے پہلے صحت کا دَین اور معلوم سبب کا دَین ادا کیا جائے گا، اگر کچھ بچا تو اس سے اقرار کا دَین ادا کر دیا جائے گا، ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تمام دیون برابر ہیں، خواہ صحت کے زمانے کے ہوں یا بیماری کے، اور خواہ ان کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ تمام دیون عاقل بالغ کے اقرار سے ثابت ہیں، لہٰذا صحت یا بیماری وغیرہ کے سبب سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہم کہتے ہیں کہ اقرار سے اگرچہ دَین ثابت ہو جاتا ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے کا حق باطل نہ ہوتا ہو، جبکہ یہاں اقرار کی وجہ سے صحت کا دَین اور معلوم سبب کا دَین باطل ہو جاتے ہیں، کیونکہ مریض کے مال کے ساتھ سب سے پہلے صحت کا دَین اور معلوم سبب کا دَین متعلق ہو گئے ہیں، یہ دونوں قوی دیون ہیں، اب اگر بیماری کے اقرار کو بھی ان کے برابر مان لیں تو اس کی وجہ سے وہ دونوں دیون باطل ہو جائیں گے، اس لئے ہم نے کہا کہ وہ دونوں دیون اقرار سے مقدم ہوں گے۔

❷ **وأخر الإرث عنه:** «ہ» کا مرجع وہ دَین ہے جس کا اقرار حالتِ مرض میں کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مریض نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں آدمی کا دَین ہے، اس کے علاوہ اور دَین اس پر نہیں ہے، اس کے بعد وہ مرگیا، تو میراث کو اس دَین سے مؤخر کر دیا جائے گا، لہٰذا مریض کے ترکہ سے سب سے پہلے اقرار کے دَین کو ادا کیا جائے گا، اس کے بعد اگر کچھ بچا تو اس میں میراث جاری ہوگی، کیونکہ میراث میں ورثہ کا حق اس وقت بنتا ہے جب ترکہ دَین سے فارغ ہو، اگر ترکہ میں دَین ہو تو ورثہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

❸ **وإن أقر المريض لوارثه: بطل:** مسئلہ یہ ہے کہ مریض نے اپنے کسی وارث کیلئے اقرار کیا کہ میرے ذمے اُس کا دَین ہے، تو یہ اقرار باطل ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وارث کیلئے اقرار کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ ایک عاقل بالغ شخص کا اقرار ہے، لہٰذا جس طرح اجنبی شخص کیلئے صحیح ہے، اپنے وارث کیلئے بھی صحیح ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وارث کیلئے وصیت نہیں ہے، اور اس کیلئے اقرار نہیں ہے۔ [دار قطنی] اور ایک وارث کیلئے اقرار کرنے کی وجہ سے دیگر ورثہ کا حق میراث میں باطل ہو جاتا ہے، اور مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوا کہ جس اقرار کی وجہ سے دوسرے کا حق باطل ہو جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

❹ **إلا أن يصدقه البقية:** یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وارث کیلئے مریض کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہے، مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی تصدیق کریں، ایسی صورت میں اقرار صحیح ہو جائے گا، کیونکہ اقرار صحیح نہ ہونے کی وجہ دیگر ورثہ کا حق ہے، جب انہوں نے خود تصدیق کی تو وہ اپنا حق ساقط ہونے پر راضی ہو گئے، اس لئے اقرار صحیح ہو گیا۔

❺ **وإن أقر لأجنبي: صح وإن أحاط بماله:** اگر مریض نے کسی اجنبی شخص کیلئے اقرار کیا کہ میرے اوپر اُس کا دَین ہے، تو یہ اقرار صحیح ہے، اگرچہ وہ اقرار سارے مال کو گھیر لے، یعنی مریض کا سارا مال ہی اس میں چلا جائے، اس لئے کہ مریض کو بھی خرید و فروخت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اس کا اقرار صحیح نہ مانا جائے تو لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرنا ہی چھوڑ دیں گے، جس کی وجہ

سے مریض کو ضرر لاحق ہوگا، تو دیگر ضروریات کو پورا کرنے کی طرح دَین ادا کرنا بھی ایک حاجت ہے، لہٰذا اس کا اِقرار صحیح ہوگا۔

❼ **وإن أقرّ لأجنبيّ، ثم أقرّ ببنوّته: ثبت ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اِقرار کیا کہ میرے ذِمے زید کا دَین ہے، اور اس کے بعد دوسرا اِقرار کیا کہ زید میرا بیٹا ہے، تو بیٹے ہونے کے اِقرار سے زید کا نسب① مُقر سے ثابت ہو گیا، اور اس کیلئے دَین کا اِقرار باطل ہو جائے گا، کیونکہ نسب ثابت ہونا حوائجِ اصلیہ میں سے ہے جس سے چارہ نہیں ہے، اور اِقرار اس لئے باطل ہوا کہ معلوم ہوا کہ مُقر نے اپنے وارث کیلئے اِقرار کیا ہے، اور مسئلہ نمبر (۳) میں ثابت ہوا کہ وارث کیلئے اِقرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

ⓗ وَإِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيَّةٍ، ثُمَّ نَكَحَهَا: صَحَّ ❽ بِخِلَافِ الْهِبَةِ، وَالْوَصِيَّةِ ❾ وَإِنْ أَقَرَّ لِمَنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيهِ: فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنَ الْإِرْثِ وَالدَّيْنِ ❿ وَ إِنْ أَقَرَّ بِغُلَامٍ مَجْهُولٍ يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ أَنَّهُ اِبْنُهُ، وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ: ثَبَتَ نَسَبُهُ وَلَوْ مَرِيضًا ⓫ وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ.

ترجمہ: اور اگر اِقرار کیا اجنبیہ عورت کیلئے، پھر اس سے نکاح کیا، تو صحیح ہے۔ برخلاف ہبہ اور وصیت کے۔ اور اگر اِقرار کیا اس عورت کیلئے جس کو تین طلاقیں دی ہیں مرض میں، تو اس کیلئے کمتر ہے میراث اور دَین میں سے۔ اور اگر اِقرار کیا مجہول لڑکے کا، کہ پیدا ہو سکتا ہے اس کی مثل مُقر کی مثل سے، کہ وہ اس کا بیٹا ہے، اور لڑکے نے مُقر کی تصدیق کر دی، تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اگرچہ (مُقر) مریض ہو۔ اور (وہ لڑکا میراث میں) شریک ہوگا ورثہ کے ساتھ۔

تشریح:

ⓗ **وإن أقرّ لأجنبية، ثم نكحها: صحّ:** اگر کسی مریض شخص نے اجنبیہ عورت کیلئے اِقرار کیا کہ میرے ذِمے اُس کا دَین ہے، اور پھر مریض نے اُس عورت سے نکاح کیا، تو جو اِقرار اس نے کیا ہے وہ صحیح ہے، کیونکہ اِقرار کرنے کے وقت عورت مُقر کی وارث نہیں تھی، بعد میں نکاح کی وجہ سے وارثہ بن گئی، تو یہ اِقرار وارث کیلئے نہیں، بلکہ اجنبی کیلئے ہے، لہٰذا صحیح ہے۔

❽ **بخلاف الهبة، والوصيّة:** ماقبل مسئلے کا حکم ہبہ اور وصیت کے برخلاف ہے۔ یعنی اگر مریض نے کسی اجنبیہ عورت کو کوئی چیز ہبہ کر دی، یا اس کیلئے وصیت کی، اور پھر اسی عورت سے نکاح کیا، تو ہبہ اور وصیت باطل ہیں۔

وصیت اس لئے باطل ہوئی کہ وصیت کا حکم② موت کے بعد ثابت ہوتا ہے، اور مُقر کی موت کے بعد وہ عورت وارثہ ہے، اور وارث کیلئے وصیت صحیح نہیں ہے۔ اور مرض میں ہبہ کرنا بھی وصیت کے حکم میں ہے، یہی وجہ ہے کہ وصیت کی طرح مرض میں ہبہ کرنا بھی مال کی تہائی سے زائد میں صحیح نہیں ہوتا، تو جس طرح وارث کیلئے وصیت صحیح نہیں اسی طرح مرض میں وارث کیلئے ہبہ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔

---

① زید کا نسب اُس وقت مُقر سے ثابت ہو جائے گا جب وہ مجہول النسب ہو، اگر زید کا نسب پہلے سے کسی اور شخص سے ثابت ہو تو مُقر کے اِقرار سے اس کا نسب مُقر سے ثابت نہیں ہوگا۔ ② وصیت کا حکم تملیک ہے، یعنی جس کیلئے وصیت کی ہے اس کو وہ چیز دے دینا، اور اس کے سپرد کر دینا۔

⑨ وإن أقرّ لمن طلّقها ثلاثا فيه: فلها.....إلخ: «ہ» کا مرجع مرض ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مریض شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر مغلظہ کر دیا، اور پھر اس کیلئے اقرار کیا کہ میرے ذمے اس عورت کا دَین ہے، اور اس کے بعد مُقِر مر گیا، تو اب حکم یہ ہوگا کہ اس عورت کے حصہ میراث اور دَین کے درمیان موازنہ کریں گے، ان دو میں سے جو کمتر ہوگا وہی عورت کو ملے گا، مثلاً عورت کا حصہ میراث دس ہزار روپے ہے، اور مُقِر نے جس دَین کا اقرار کیا ہے وہ بارہ ہزار روپے ہے، تو عورت کو حصہ میراث کے مطابق دس ہزار ملیں گے، اور اگر اس کے برعکس ہے تو دَین کے مطابق دس ہزار ملیں گے، اس لئے کہ یہاں اس بات کا اندیشہ ہے کہ شوہر اور بیوی نے ساز باز کر کے یہ منصوبہ بنالیا ہو کہ تین طلاقوں کے ذریعے عورت کو میراث کے کم حصہ سے محروم کرے، اور اقرار کے ذریعے زیادہ مال سے نوازے، اس خفیہ ساز باز کے سدّ باب کی خاطر شریعت نے حکم دیا کہ عورت کو میراث اور دَین میں سے کمتر ملے گا۔

⑩ وإن أقرّ بغلام مجهول يُولد مثله لمثله .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مجہول النسب لڑکے کیلئے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اور وہ لڑکا اتنی عمر کا ہے کہ اس کی مثل مُقِر کی مثل سے پیدا ہو سکتا ہے، یعنی مُقِر کم از کم لڑکے سے بارہ سال بڑا ہے، اور لڑکے نے بھی تصدیق کر دی کہ ہاں! میں مُقِر کا بیٹا ہوں، تو لڑکے کا نسب مُقِر سے ثابت ہو جائے گا، اگرچہ مُقِر مریض ہو، کیونکہ نسب انسان کے حوائج اصلیہ میں سے ہے، جس سے کوئی چارہ نہیں ہے، لہٰذا ہر وقت اس کا اقرار کرنا صحیح ہے۔

اگر لڑکا معلوم النسب ہو، تو مُقِر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر لڑکا اتنی بڑی عمر کا ہے کہ اس کی مثل مُقِر سے پیدا نہیں ہو سکتا، تو اس صورت میں بھی اس کا نسب مُقِر سے ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ مُقِر کا اقرار جھوٹا ہے۔ اور اگر لڑکے نے مُقِر کی تصدیق نہیں کی تو بھی اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ سمجھدار انسان خود اپنے قبضہ میں ہوتا ہے، اس پر کسی شخص کا اقرار اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ خود اس اقرار کی تصدیق کرے۔ ہاں! اگر لڑکا ناسمجھ بچہ ہے تو جس کے ہاتھ میں ہے اس کا اقرار اس پر صحیح ہوگا۔

آخر میں ولو مريضاً کہہ کر بتا دیا کہ مرض کی وجہ سے نسب کا اقرار باطل نہیں ہوگا، کیونکہ نسب حوائج اصلیہ میں سے ہے، لہٰذا مرض کی حالت میں بھی اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اور اگر صحت کی حالت میں اقرار کرے تو بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔

⑪ ويشارك الورثة: مذکورہ صورت میں اگر مُقِر مر جائے تو وہ لڑکا دیگر ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا، کیونکہ مُقِر سے جب اس کا نسب ثابت ہو گیا تو مُقِر کی میراث میں اس کو حصہ ملنا لازم ہے۔

⑫ وَصَحَّ إِقْرَارُهُ بِالْوَلَدِ، وَالْوَالِدَيْنِ، وَالزَّوْجَةِ، وَالْمَوْلَىٰ ⑬ وَإِقْرَارُهَا بِالْوَالِدَيْنِ، وَالزَّوْجِ، وَالْمَوْلَىٰ ⑭ وَبِالْوَلَدِ إِنْ شَهِدَتْ قَابِلَةٌ، أَوْ صَدَّقَهَا زَوْجُهَا ⑮ وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِ هٰؤُلَاءِ ⑯ وَصَحَّ التَّصْدِيقُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُقِرِّ ⑰ لَا تَصْدِيقُ الزَّوْجِ بَعْدَ مَوْتِهَا.

ترجمہ: اور صحیح ہے مرد کا اقرار بچے کا، ماں باپ کا، بیوی کا اور مولیٰ کا۔ اور عورت کا اقرار (صحیح ہے) ماں باپ کا، شوہر کا اور

مولیٰ کا۔ اور بچے کا، بشرطیکہ دائی گواہی دے، یا اس کی تصدیق کرے اس کا شوہر۔ اور ضروری ہے ان (سب) کا تصدیق کرنا۔ اور تصدیق کرنا صحیح ہے مُقِر کی موت کے بعد۔ مگر شوہر کی تصدیق (صحیح نہیں) عورت کی موت کے بعد۔

تشریح:

⑫ وصحّ إقراره بالولد، والوالدين، و.... إلخ: «ہٗ» کا مرجع رجل ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اِقرار کیا کہ فلاں میرا بیٹا ہے، یا میرا باپ ہے، یا میری ماں ہے، یا میری بیوی ہے، یا میرا مولیٰ (آزاد کرنے والا) ہے، تو یہ اِقرار صحیح ہے، کیونکہ اس میں مُقِر خود اپنے اوپر نسب کو لازم کر رہا ہے، دوسرے پر کوئی الزام نہیں کرتا، اور اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر کے اِقرار کرنا صحیح ہے۔

⑬ و إقرارها بالوالدين، و.... إلخ: أي: صحّ إقرارها... «ها» کا مرجع إمرأة ہے۔ عورت کا اِقرار کرنا کہ فلاں میرا باپ ہے، یا میری ماں ہے، یا میرا شوہر ہے، یا میرا مولیٰ ہے، صحیح ہے۔ دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

⑭ وبالولد إن شهدت قابلة، أو صدقها زوجها: أي: صحّ إقرارها بالولد إن... اگر عورت نے اِقرار کیا کہ فلاں میرا بیٹا ہے، تو یہ اِقرار اس وقت صحیح ہوگا کہ یا تو دائی گواہی دے کہ یہ بچہ اس عورت سے پیدا ہوا، کیونکہ عورت اِقرار کر کے خود اپنے اوپر بچے کا نسب ثابت نہیں کر رہی، بلکہ اپنے شوہر پر لازم کر رہی ہے، اور دوسرے پر لازم کرنے کیلئے دلیل پیش کرنا ضروری ہے، اور دلیل دائی کی گواہی ہے، جیسا کہ كتاب الشهادة مسئلہ نمبر (۸) میں گزر چکا ہے۔ اور یا شوہر خود عورت کی تصدیق کرے کہ یہ بچہ میری بیوی سے پیدا ہوا ہے، اس صورت میں تصدیق کر کے شوہر نے خود اپنے اوپر بچے کا نسب لازم کر دیا۔

⑮ ولا بدّ من تصديق هؤلاء: هؤلاء سے اشارہ ہے مُقَرلهم کی طرف۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ مسائل میں جن اشخاص کیلئے نسب کا اِقرار کیا گیا اُن کا نسب ثابت ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ لوگ مُقِر کی تصدیق کریں، ان کی تصدیق کے بغیر مُقِر سے اُن کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ ان لوگوں کو خود اپنی ذات پر قبضہ و اختیار حاصل ہے، لہٰذا اگر ان کی تصدیق کے بغیر محض مُقِر کے اِقرار سے ان کا نسب ثابت کر دیا جائے، تو یہ ان پر زبردستی ہوگی، اور نسب و رشتہ زبردستی سے ثابت نہیں ہو سکتے۔

⑯ وصحّ التصديق بعد موت المُقِر: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اِقرار کیا کہ فلاں میرا بیٹا ہے، پھر مُقِر مر گیا، اس کے بعد مُقَرلہٗ نے تصدیق کی کہ ہاں! میں مُقِر کا بیٹا ہوں، تو یہ تصدیق صحیح ہے، کیونکہ نسب موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا، ہمیشہ باقی رہتا ہے، لہٰذا مُقِر کی موت کے بعد بھی اس کی تصدیق کرنا صحیح ہے۔

⑰ إلاّ تصديق الزوج بعد موتها: یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت نے اِقرار کیا کہ فلاں آدمی میرا شوہر ہے، پھر عورت مر گئی، اس کے بعد مُقَرلہٗ نے تصدیق کی کہ ہاں! میں اُس عورت کا شوہر ہوں، تو یہ تصدیق صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ عورت کی موت کی وجہ سے نکاح بالکل ختم ہو گیا اور عورت اجنبیہ[①] ہو گئی، اور جو چیز ختم ہو کر کالعدم ہو جائے اس کے ثبوت کی تصدیق

① یہی وجہ ہے کہ بیوی کی موت کے بعد شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا۔

کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر مرد نے اقرار کیا کہ فلاں عورت میری بیوی ہے، پھر وہ شخص مرگیا، اس کے بعد عورت نے اس کی تصدیق کرلی، تو صحیح ہے، کیونکہ شوہر کی موت کی وجہ سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوتا، اسی نکاح کا اثر ہے کہ عورت عدّت گزارتی ہے، اور اس کیلئے جائز ہے کہ اپنے شوہر کو غسل دے۔

⑱ وَإِنْ أَقَرَّ بِنَسَبٍ، نَحْوِ الْأَخِ، وَالْعَمِّ: لَمْ يَثْبُتْ ⑲ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ غَيْرُهُ، قَرِيبٌ أَوْبَعِيدٌ: وَرِثَهُ ⑳ وَإِنْ كَانَ: لَا ㉑ وَمَنْ مَاتَ أَبُوهُ، فَأَقَرَّ بِأَخٍ: شَرِكَهُ فِي الْإِرْثِ، وَلَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ ㉒ وَإِنْ تَرَكَ ابْنَيْنِ، وَلَهُ عَلَى آخَرَ مِائَةٌ، فَأَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِقَبْضِ أَبِيهِ خَمْسِينَ مِنْهَا: فَلَا شَيْءَ لِلْمُقِرِّ، وَلِلْآخَرِ خَمْسُونَ.

ترجمہ: اور اگر نسب کا اقرار کیا جیسے بھائی اور چچا تو (اس کا نسب) ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر مُقِر کا کوئی وارث نہیں ہے مُقَرلہ کے علاوہ، نہ نزدیک نہ دُور، تو مُقَر کا وارث ہو جائے گا۔ اور اگر (کوئی وارث) ہو، تو نہیں۔ اور جس کا باپ مرگیا، پس اس نے بھائی کا اقرار کیا تو (وہ) اس کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا، اور اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر (میت نے) دو بیٹے چھوڑے، اور میت کے دوسرے پر سو (روپے) ہیں، پس ان دو (بیٹوں) میں سے ایک نے اقرار کیا باپ کے پچاس (روپے) قبض کرنے کا سو میں سے، تو مُقِر کیلئے کچھ بھی نہ ہوگا، اور دوسرے کیلئے پچاس ہیں۔

تشریح:

⑱ وإن أقرّ بنسب، نحو الأخ....الخ: اگر کسی نے ایسے نسب کا اقرار کیا جس میں دوسرے پر الزام ہے، مثلاً اس نے کہا کہ فلاں میرا بھائی ہے، یا میرا چچا ہے، تو اس اقرار سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ کسی کو اپنا بھائی کہہ کر اقرار کرنا اپنے باپ پر نسب لازم کرنا ہے، کہ وہ آدمی میرے باپ کا بیٹا ہے، اور چچا کہہ کر اقرار کرنا اپنے دادا پر نسب لازم کرنا ہے، کہ وہ میرے دادا کا بیٹا ہے، اور اقرار میں دوسرے پر الزام نہیں لگایا جاسکتا، جیسا کہ کتاب البیوع/ باب الاستحقاق مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا۔

⑲ فإن لم يكن له وارث غيره، قريب أوبعيد: ورثه: ورثہ میں ضمیر مستتر کا مرجع مُقَرلہ ہے، اور «ہ» کا مرجع مُقِر ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر مُقِر مرگیا، اور مُقَرلہ (بھائی یا چچا) کے علاوہ اس کا اور کوئی وارث نہیں تھا، نہ نزدیک[1] اور نہ دُور، تو مُقَرلہ اس کا وارث بن جائے گا، کیونکہ وارث نہ ہونے کی صورت میں مُقِر کی میراث کا مال بیت المال میں چلا جائے گا، اور ایسی صورت میں وہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنا سارا مال کسی کیلئے وصیت کردے، تو جس کیلئے اس نے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے گویا اسی کیلئے سارے مال کی وصیت کردی، تو نسب ثابت ہونے میں اگرچہ اس کے اقرار کو رد کردیا گیا، لیکن مال دینے کے بارے میں

① نزدیک وارث جیسے ذوی الفروض اور عصبہ، اور دور وارث جیسے ذوی الارحام۔

اس کا اِقرار معتبر مانا گیا، لہٰذا مُقِر کی موت کے بعد اس کا مال بیت المال میں نہیں جائے گا، بلکہ مُقَر لہٗ کو دیا جائے گا۔

⑳ وإن کان: لا: أي: إن کان له وارث غیره: فلا یرثه. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مُقِر کا مُقَر لہٗ کے علاوہ کوئی اور وارث موجود ہو، تو مُقَر لہٗ وارث نہیں بنے گا، کیونکہ اس کا نسب ہی ثابت نہیں، لہٰذا وہ ثابت النسب وارث کا مقابلہ نہیں کر سکتا، تو میراث کا مال ثابت النسب وارث کو ملے گا، مُقَر لہٗ کو میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

㉑ ومن مات أبوه، فأقرّ بأخ: شرکه في.....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کا باپ مر گیا، اس کے بعد زید نے اِقرار کیا کہ شریف خان میرا بھائی ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ شریف خان زید کے ساتھ میراث میں شریک ہو جائے گا، مگر زید کے باپ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ زید کا اِقرار دو چیزوں کو متضمن ہے: ایک یہ کہ اِقرار کی وجہ سے شریف خان زید کے ساتھ میراث میں شریک ہو جائے، اس اعتبار سے زید کے اپنے حق میں اس کا اِقرار صحیح ہے، کیونکہ اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ مال میں شریک کرلے۔ اور دوسرا یہ کہ شریف خان زید کا بھائی ہو کر اس کے باپ کا بیٹا بن جائے، اس اعتبار سے زید کا اِقرار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں دوسرے (یعنی باپ) پر نسب لازم کرنا ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۸) میں بیان ہوا۔

㉒ وإن ترک ابنین، وله علی آخر مائة، فأقرّ.....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید مر گیا، اس نے دو بیٹے چھوڑے اور زید کے کسی آدمی پر سو روپے دَین ہیں، اب زید کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے نے اِقرار کیا کہ ہمارے والد (زید) نے مدیون سے پچاس روپے وصول کر لئے تھے، لہٰذا مدیون پر صرف پچاس روپے باقی ہیں، لیکن زید کا دوسرا بیٹا انکار کر کے کہتا ہے ہمارے والد نے کچھ بھی وصول نہیں کیا، اور مدیون پر پورے سو روپے باقی ہیں، تو اس کا حکم یہ ہے کہ مُقِر کے اِقرار کی وجہ سے اس کا اپنا حصہ ساقط ہو گیا، لہٰذا دَین میں سے اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اس کے اِقرار کے مطابق مدیون پر جو پچاس روپے باقی ہیں، وہ سب منکر بیٹے کو ملیں گے، کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مُقِر کا اِقرار خود اس کے اپنے حق میں حجت ہے، دوسرے کے حق میں دلیل نہیں ہے، لہٰذا یہاں اِقرار کی وجہ سے مُقِر کا اپنا حق (پچاس روپے) ساقط ہو گیا، منکر بیٹے پر اس اِقرار کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الصُّلْحِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان احكام الصلح. یعنی یہ کتاب صلح کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے اِقرار کے بعد كتاب الصلح قائم فرمائی، اس لئے کہ جس طرح اِقرار کرنے سے نزاع ختم ہوجاتا ہے اسی طرح صلح کرنے سے بھی ختم ہوجاتا ہے۔ صلح اسم ہے، یہ نام ہے مصالحت (صلح کرنے کے عمل) کا۔ صلح کے لغوی معنی ہیں: صلح، مصالحت، امن کا معاہدہ، سلامتی۔ صلح کی ضد فساد (بگاڑ) ہے۔ صلح کے اصطلاحی معنی یہ ہیں: یہ ایسا عقد ہے جس کے ذریعے نزاع و جھگڑے کو ختم کیا جاسکے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔ صلح کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ. [نساء:۱۲۸] ''اور صلح کرنا بہتر ہے''۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے، مگر ایسی صلح جو حرام کو حلال کردے، یا حلال کو حرام کردے۔ [ابوداؤد] صلح اپنی ذات کے اعتبار سے مندوب ومستحب ہے۔ اگر صلح میں کوئی عام مصلحت وفائدہ ہو تو واجب ہے۔ اور اگر صلح کی وجہ سے فساد لازم آتا ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ صلح کی چند قسمیں ہیں:

① مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلح۔ ② عادل حکمران اور باغیوں کے درمیان صلح۔ ③ شوہر اور بیوی کے درمیان صلح۔ ④ مال کے علاوہ کسی اور چیز میں لڑنے والوں کے درمیان صلح، جس کا بیان قصاص اور دیات میں ہوتا ہے۔ ⑤ مال میں لڑنے والوں کے درمیان صلح۔ فقہ کی کتابوں میں كتاب الصلح میں اسی آخری قسم کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ [الموسوعة الفقهية]

صلح کرنے والے کو مُصالح کہتے ہیں، جس چیز پر صلح کی جائے اس کو مُصالَح عليه، اور جس چیز کی طرف سے صلح ہوجائے اس کو مُصالَح عنه کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے اگلے باب تک صلح سے متعلق اٹھائیس (۲۸) مسائل ذکر کئے ہیں۔

> ❶ هُوَ عَقْدٌ يَرْفَعُ النِّزَاعَ ❷ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِقْرَارٍ، وَسُكُوتٍ، وَإِنْكَارٍ ❸ فَإِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ بِإِقْرَارٍ: أُعْتُبِرَ بَيْعًا ❹ فَيَثْبُتُ فِيهِ الشُّفْعَةُ، وَالرَّدُّ بِالْعَيْبِ، وَخِيَارُ الرُّؤْيَةِ، وَالشَّرْطِ ❺ وَتُفْسِدُهُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ ❻ لَا جَهَالَةُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ.

ترجمہ: صلح ایسا عقد ہے جو جھگڑے کو ختم کردیتا ہے۔ اور وہ جائز ہے اِقرار، سکوت اور انکار کے ساتھ۔ پس اگر (صلح) واقع ہوئی مال سے مال کے عوض اِقرار کے ساتھ، تو (اس کو) بیع اعتبار کیا جائے گا۔ تو اس میں ثابت ہوجائے گا شفعہ، عیب کی وجہ سے رد کرنا، خیارِ رؤیت اور (خیار) شرط۔ اور صلح کو فاسد کردیتی ہے عوض کی جہالت۔ نہ کہ مصالح عنہ کی جہالت۔

تشریح: ❶ هو عقد يرفع النزاع: یہ صلح کی اصطلاحی تعریف ہے۔ یعنی صلح مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان ایسا عقد

ہے جو نزاع و جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلح کرنے کیلئے پہلے سے نزاع کا واقع ہونا ضروری ہے، اگر نزاع کا وجود ہی نہ ہو تو صلح نہیں ہو سکتی۔ حضرات مالکیہؒ کے نزدیک نزاع سے پہلے اس کو روکنے اور اس سے بچنے کے عقد کو بھی صلح کہا جاتا ہے۔

❷ **وهو جائز باقرار، وسكوت، وانكار:** صلح کی تین قسمیں ہیں: **صلح باقرار. صلح بسكوت. صلح بانكار.** ان اقسام کو خوب یاد کریں بہت سارے مسائل ان پر تفریع ہوں گے۔

◎ **صلح باقرار** یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ اس بات کا اقرار کرے کہ یہ چیز مدعی کی ہے، اور پھر صلح کر کے کچھ مال دے کر مدعی کو راضی کر لے۔ ◎ **صلح بسكوت** یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ خاموش رہے، نہ مدعی کے دعوے کی تصدیق کرے اور نہ انکار کرے، اور اسی خاموشی میں مدعی کو کچھ مال دے کر صلح کر لے۔ ◎ **صلح بانكار** یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ مدعی کے دعوے کا انکار کرے، اور پھر اس کا منہ بند کرنے کیلئے کچھ مال دے کر صلح کرے۔ احنافؒ کے نزدیک تینوں طریقوں پر صلح کرنا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اقرار کی صورت میں صلح کرنا جائز ہے، انکار اور سکوت کی صورتوں میں جائز نہیں ہے، کیونکہ ان دو صورتوں میں مدعیٰ علیہ کا گمان یہ ہے کہ مدعی صلح کا مال مجھ سے ناحق لے رہا ہے، اور ناحق مال لینا دینا رشوت ہے، جو حرام ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ ناحق مال نہیں دیتا، بلکہ اپنے آپ سے خصومت دفع کرنے کیلئے دے رہا ہے، اور مدعی بھی ناحق نہیں لے رہا، بلکہ اس کا گمان یہ ہے کہ یہ مال میرے حق کا عوض ہے، میں نے اپنا حق چھوڑا اور اس کے عوض میں مال وصول کیا۔

❸ **فان وقع عن مال بمال باقرار: اعتبر بيعًا:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ میری ہے، مدعیٰ علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں! یہ چیز مدعی کی ہے، اس کے بعد مدعیٰ علیہ نے مدعی کو کچھ مال دے کر صلح کی، تو اب حکم یہ ہے کہ چونکہ یہ صلح اقرار کے ساتھ مال سے مال کے عوض واقع ہوئی ہے، لہٰذا یہ بیع معتبر ہوگی، یعنی اس صلح پر بیع کے احکام جاری ہوں گے، کیونکہ اس پر بیع کی تعریف صادق آتی ہے، وہ یہ کہ آپس کی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ ہو جائے۔

❹ **فيثبت فيه الشفعة، والرد بالعيب، وخيار ....الخ:** یہ ماقبل پر تفریع ہے، یعنی مذکورہ صورت میں کہ اقرار کے ساتھ مال سے مال کے عوض صلح کرنا بیع کے حکم میں ہے، تو اس میں شفیع کو حقِ شفعہ بھی ثابت ہوگا، اور خیار عیب کی وجہ سے رد بھی ہو جائے گا، اور خیار رویت اور خیار شرط بھی ثابت ہو جائے گا، مثلاً مصالح عنہ، یا مصالح علیہ اگر زمین ہے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے زمین کو مال کے عوض خرید لے، یا فروخت کر دے، لہٰذا اس کے پڑوسی کو حقِ شفعہ ثابت ہوگا۔ اور اسی طرح مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں عیب کی وجہ سے خیار رویت اور خیار شرط کی وجہ سے اس مال کو ایک دوسرے پر واپس بھی کر سکتے ہیں، جیسے بیع میں مبیع اور ثمن واپس کر سکتے ہیں۔

❺ **وتُفسده جهالةُ البدل:** یہ عطف ہے **يثبت** پر۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صلح چونکہ بیع کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر صلح کا بدل (مصالح علیہ) مجہول ہو تو اس کی وجہ سے صلح فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسی بیع کے اندر ثمن مجہول ہو، یا مبیع مجہول ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بیع فاسد ہو جاتی ہے، تو مصالح علیہ کی جہالت سے بھی صلح فاسد ہو جائے گی۔

❻ لا جهالةُ المصالَح عنه: أي: لا تُفسده جهالةُ المصالَح عنه. یعنی مذکورہ صلح میں اگر مصالح عنہ (جس چیز سے صلح ہو رہی ہے) مجہول ہو تو اس کی جہالت صلح کو فاسد نہیں کرے گی، کیونکہ اس چیز کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ اس کو بدستور مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے گا، لہٰذا اس کی جہالت کی وجہ سے نزاع و جھگڑے کا اندیشہ نہیں ہے۔

❼ وَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ، أَوْ كُلُّهُ: رَجَعَ الْمُدَّعِى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ، أَوْبِكُلِّهِ ❽ وَلَوِ اسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ، أَوْبَعْضُهُ: رَجَعَ بِكُلِّ الْمُصَالَحِ عَنْهُ، أَوْ بِبَعْضِهِ ❾ وَإِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنْفَعَةٍ: اُعْتُبِرَ إِجَارَةً ❿ فَيُشْتَرَطُ التَّوْقِيتُ ⓫ وَ يَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر بعض مصالح عنہ کسی اور کا نکل آیا، یا سارا، تو مدعیٰ علیہ رجوع کرے گا اس کے حصے کے بقدر عوض میں سے، یا سارے عوض کے ساتھ۔ اور اگر کسی اور کا نکل آیا (سارا) مصالح علیہ، یا اس کا بعض حصہ، تو (مدعی) رجوع کرے گا سارے مصالح عنہ، یا اس کے بعض حصہ کے ساتھ۔ اور گر (صلح) واقع ہوئی مال سے منفعت کے عوض تو (اس کو) اِجارہ اعتبار کیا جائے گا۔ پس اس میں وقت لگانا شرط ہے۔ اور باطل ہو جائے گی دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے۔

تشریح:

❼ وإن استُحق بعضُ المصالح عنه .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں جو زمین ہے وہ میری ہے، مدعیٰ علیہ نے اِقرار کر لیا کہ ہاں! یہ زمین مدعی کی ہے، پھر مدعیٰ علیہ نے مدعی کو سو کلو گندم دے کر اس سے صلح کی، اس کے بعد زمین (مصالح عنہ) کا کوئی مستحق (حقدار) نکل آیا، اس نے مدعیٰ علیہ سے ساری زمین لے لی، یا اس کا کچھ حصہ لے لیا، تو اب حکم یہ ہوگا کہ مصالح عنہ کا جس قدر حصہ مستحق نے لے گا مدعیٰ علیہ اسی کے بقدر عوض (گندم) مدعی سے لے گا، لہٰذا اگر مستحق نے ساری زمین مدعیٰ علیہ سے لی، تو مدعیٰ علیہ سارے عوض (پورے سو کلو گندم) مدعی سے لے گا، اور اگر مستحق نے نصف زمین لی، تو مدعیٰ علیہ عوض کا نصف (پچاس کلو گندم) مدعی سے وصول کرے گا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا کہ یہ صلح بیع کے حکم میں ہے، اور بیع میں اگر مبیع کا کوئی مستحق نکل آئے تو مشتری اسی کے بقدر بائع پر رجوع کر کے ثمن وصول کرے گا۔

❽ ولو استُحق المصالحُ عليه، أوبعضُه: رجع .... إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مصالح علیہ (گندم) کا کوئی مستحق نکل آیا، اور اس نے سارا مصالح علیہ یا اس کا کچھ حصہ مدعی سے لے لیا، تو مدعی اسی کے بقدر مدعیٰ علیہ پر رجوع کرے گا، مثلاً پہلی صورت میں مدعی ساری زمین مدعیٰ علیہ سے لے گا، اور دوسری صورت میں زمین کا اس قدر حصہ لے جس قدر مستحق نے مصالح علیہ لیا ہے، جیسے بیع میں ثمن کا کوئی مستحق نکل آ کر بائع سے لے لے، تو وہ اسی کے بقدر مشتری پر رجوع کر کے مبیع وصول کرے گا۔

⑨ وإن وقع عن مال بمنفعة: أعتبر إجارة: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ میرا ہے، مدّعیٰ علیہ نے اس کا اقرار کرلیا، پھر مدّعیٰ علیہ نے مدّعی کو اپنا مکان رہائش کرنے کیلئے دے کر صلح کی، یعنی مال کے عوض میں گھر کی منفعت (رہائش) پر صلح ہوئی، تو یہ صلح اِجارہ (کرایہ داری) معتبر ہوگی، لہٰذا اس پر اِجارہ کے احکام جاری ہوں گے، کیونکہ اس پر اِجارہ کی تعریف صادق آتی ہے، وہ یہ کہ کسی کو مال کے عوض منافع کا مالک بنادیا جائے۔

⑩ فيشترط التوقيت: یہ پچھلے مسئلے پر تفریع ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں چونکہ صلح اِجارہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس میں وقت مقرر کرنا شرط ہے، کہ مدّعی کب تک مکان میں رہائش اختیار کرکے نفع لیتا رہے گا، کیونکہ اِجارہ میں وقت مقرر کرنا شرط ہے، ورنہ نزاع و جھگڑا کھڑا ہو جائے گا، جس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

⑪ ويبطل بموت أحدهما: یہ بھی مسئلہ نمبر (۹) پر تفریع ہے۔ یعنی چونکہ منفعت کے عوض صلح کرنا اِجارہ کے حکم میں ہے، لہٰذا مدّعی اور مدّعیٰ علیہ میں سے اگر کوئی ایک مرگیا تو صلح باطل ہوگئی، کیونکہ اِجارہ موت کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے، جیسا کہ كتاب الإجارة/ باب فسخ الإجارة مسئلہ نمبر (۳) میں آئے گا۔ إن شاء الله تعالیٰ

⑫ وَالصُّلْحُ عَنْ سُكُوتٍ، أَوْ إِنْكَارٍ: فِدَاءٌ لِلْيَمِينِ فِي حَقِّ الْمُنْكِرِ، وَمُعَاوَضَةٌ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي⑬ فَلَا شُفْعَةَ إِنْ صَالَحَ عَنْ دَارٍ بِهِمَا⑭ وَتَجِبُ لَوْ صَالَحَ عَلَى دَارٍ بِهِمَا.

ترجمہ: اور صلح کرنا سکوت اور انکار سے قسم کا فدیہ ہے منکر کے حق میں، اور معاوضہ ہے مدّعی کے حق میں۔ پس شفعہ نہیں ہوتا اگر صلح کی گھر سے ان دونوں (سکوت اور انکار) کے ساتھ۔ اور (شفعہ) ثابت ہوگا اگر صلح کی گھر پر ان دونوں کے ساتھ۔

تشریح:

⑫ والصلح عن سكوت، وإنكار: فداء .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ میرا ہے، مدّعیٰ علیہ خاموش رہ کر کچھ نہیں کہتا، یا اس نے انکار کر کے کہا کہ یہ چیز مدّعی کی نہیں ہے، تو اب ظاہر ہے کہ اگر مدّعی گواہ پیش نہ کرے تو مدّعیٰ علیہ کو قسم دی جائے گی، مگر اس نے کچھ مال دے کر مدّعی سے صلح کرلی، تو صلح کا مال مدّعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ ہے، یعنی اس نے مال دے کر قسم کو اپنے آپ سے دفع کردیا۔ اور مدّعی کے حق میں یہ مال اپنے حق کا عوض ہے، یعنی مدّعی نے اپنا حق مدّعیٰ علیہ کے پاس چھوڑ کر اس کا عوض لے لیا، گویا مدّعی نے اپنا حق مدّعیٰ علیہ کے ہاتھ فروخت کر کے ثمن وصول کیا۔

⑬ فلا شفعة إن صالح عن دار بهما: «هما» کا مرجع سكوت اور إنكار ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر مدّعی نے گھر کا دعویٰ کیا، اور پھر مدّعیٰ علیہ نے سکوت یا انکار کے ساتھ گھر سے ایک لاکھ روپے پر صلح کی، تو پڑوسی کو اس گھر میں حقِ شفعہ ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ مدّعیٰ علیہ کا گمان یہ ہے کہ میں نے مدّعی کو صلح میں جو مال دیا ہے وہ گھر کے عوض میں نہیں ہے، بلکہ قسم کے فدیہ میں

دیا ہے، لہٰذا مدعیٰ علیہ کے گمان کے مطابق اس نے گھر کو مال کے عوض حاصل نہیں کیا، بلکہ اپنی سابقہ ملک پر برقرار ہے، اور پڑوسی کو حقِ شفعہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ گھر کو مال کے عوض حاصل کیا جائے۔

⑭ وتجب لو صالح علی دار بهما: ماقبل مسئلے کے برعکس اگر مدعی نے ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا، اور پھر مدعیٰ علیہ نے سکوت یا انکار کے ساتھ ایک لاکھ روپے سے گھر پر صلح کی، یعنی مدعیٰ علیہ نے مدعی کو ایک لاکھ روپے کے عوض گھر دیا، تو پڑوسی کیلئے حقِ شفعہ ثابت ہوگا، کیونکہ مدعی کا گمان یہ ہے کہ میں نے اپنے حق (ایک لاکھ روپے) کے عوض میں گھر حاصل کیا ہے، اور مال کے عوض میں گھر لینا بیع ہے، اور بیع میں حقِ شفعہ ثابت ہوتا ہے۔

⑮ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ: رَجَعَ الْمُدَّعِي بِالْخُصُومَةِ، وَرَدَّ الْبَدَلَ ⑯ وَلَوْ بَعْضُهُ: فَبِقَدْرِهِ ⑰ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ، أَوْ بَعْضُهُ: رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى فِي كُلِّهِ، أَوْ بَعْضِهِ ⑱ وَهَلَاكُ بَدَلِ الصُّلْحِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ كَاسْتِحْقَاقِهِ فِي الْفَصْلَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر کسی اور کی نکل آئی متنازع فیہ چیز تو مدعی دعویٰ کے ساتھ رجوع کرے گا، اور بدل کو واپس کرے گا۔ اور اگر اس کا بعض حصہ (کسی اور کا نکل آیا) تو اس کے اندازے کے مطابق (رجوع کرے)۔ اور اگر مصالح علیہ کسی اور کا نکل آیا، یا اس کا بعض (کسی اور کا نکل آیا) تو (مدعی) سارے (متنازع فیہ) میں دعوے کی طرف رجوع کرے گا، یا اس کے بعض حصہ میں۔ اور بدلِ صلح کی ہلاکت تسلیم کرنے سے پہلے جیسے اس کا مستحق نکل آنا، دونوں صورتوں میں۔

تشریح:

⑮ ولو اُستحق المتنازع فيه: رجع ....الخ: اس سے پہلے مسئلہ نمبر (۷) اور (۸) میں اقرار کے ساتھ صلح کرنے میں استحقاق کا بیان تھا، اب یہاں سے سکوت اور انکار کے ساتھ صلح کرنے میں استحقاق کا بیان ہوگا۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں جو گھر ہے وہ میرا ہے، مدعیٰ علیہ خاموش رہا، یا انکار کیا، اور پھر مدعیٰ علیہ نے مدعی کو ایک لاکھ روپے دے کر صلح کی، اس کے بعد ایک اور شخص نے گھر کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ کے ہاتھ سے گھر لے لیا، تو اب حکم یہ ہے کہ مدعی صلح کا بدل (ایک لاکھ روپے) مدعیٰ علیہ کو واپس کردے، کیونکہ مستحق نکل آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مدعی نے ناحق دعویٰ کیا تھا، اور ناحق ایک لاکھ روپے وصول کیے تھے، لہٰذا وہ واپس کردے، اب اگر مدعی چاہے تو مستحق کے خلاف دعویٰ کرے۔

⑯ ولو بعضه: فبقدره: أي: لو اُستحق بعض المتنازع فيه: فيرجع المدعي بقدره. یعنی اوپر صورت میں اگر گھر کا بعض، مثلاً آدھا حصہ مستحق کا نکل آیا، تو مدعی اسی کے بقدر صلح کا آدھا بدل (پچاس ہزار روپے) مدعیٰ علیہ کو واپس کرے، کیونکہ کُل بدل کُل گھر کے مقابلے، اور بعض بدل بعض گھر کے مقابلے میں ہے، اب اگر مدعی چاہے تو مستحق پر آدھے گھر کا دعویٰ کردے۔

⑰ ولو أستحق المصالَحُ عليه، أو بعضُه: رجع .....الخ: کلّہ اور بعضہ میں ضمائر کا مرجع متنازع فیہ (مصالح عنہ) ہے۔ یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر مدعی نے ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا، اور پھر مدعیٰ علیہ نے اس کو گھر دے کر صلح کی، اس کے بعد ایک اور شخص گھر کا مستحق (حقدار) نکل آیا اور سارا گھر یا اس کا بعض حصہ مدعی سے لے لیا، تو مدعی کو حق حاصل ہے کہ واپس جا کر پورے ایک لاکھ روپے میں دعویٰ کرے، اگر مستحق سارا گھر لے گیا ہے، یا ایک لاکھ کے بعض حصے میں دعویٰ کرے، اگر مستحق گھر کا بعض حصہ لے گیا ہے، کیونکہ مدعی نے ایک لاکھ روپے میں اپنا حق اسی لئے چھوڑا تھا کہ اس کا بدل (گھر) اس کے ہاتھ میں صحیح سالم رہے، لیکن اب جب گھر مدعی کے ہاتھ میں سالم نہ رہا تو اس کا دعویٰ واپس لوٹ آیا۔

⑱ وهلاك بدل الصلح قبل التسليم كاستحقاقه.....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان صلح ہوئی، اور مدعی کو بدلِ صلح (مصالح علیہ) تسلیم کرنے سے پہلے مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، تو دونوں صورتوں میں (خواہ اقرار کے ساتھ صلح ہوئی ہو، یا سکوت اور انکار کے ساتھ ہوئی ہو) اس کا حکم مستحق نکل آنے کا ہے، لہٰذا جس طرح بدلِ صلح کے مستحق نکل آنے سے مدعی واپس دعویٰ کرے گا، بالکل اسی طرح بدلِ صلح کی ہلاکت کی صورت میں بھی مدعی واپس اپنے دعوے کی طرف رجوع کرے گا، کیونکہ مستحق نکل آنے اور ہلاک ہونے دونوں صورتوں میں مدعی کیلئے بدل سالم نہ رہا، لہٰذا اس کا دعویٰ واپس لوٹ آئے گا۔

☆☆☆

فَصْلٌ

أي: هذا فصل في بيان مايجوز عنه الصلح، ومالايجوز. یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن کی طرف سے صلح کرنا جائز ہے اور جن کی طرف سے جائز نہیں، یعنی کونسی چیزیں مصالح عنہ بن سکتی ہیں اور کونسی نہیں؟ اس فصل میں دس (۱۰) مسائل ہیں۔

> ⑲ اَلصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَى الْمَالِ، وَالْمَنْفَعَةِ، وَالْجِنَايَةِ ⑳ بِخِلَافِ الْحَدِّ ㉑ وَمِنَ النِّكَاحِ، وَالرِّقِ، فَكَانَ خُلْعًا، وَعِتْقًا عَلَى مَالٍ ㉒ وَإِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَأْذُوْنُ رَجُلًا عَمْدًا: لَمْ يَجُزْ صُلْحُهُ عَنْ نَفْسِهِ ㉓ وَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا، فَصَالَحَ عَنْهُ: جَازَ.

ترجمہ: صلح جائز ہے مال، منفعت اور جنایت کے دعوے سے۔ برخلاف حد کے۔ اور نکاح اور غلامی (کے دعوے) سے، تو (یہ صلح) خلع اور مال پر آزادی ہوگی۔ اور اگر قتل کردیا ماذون غلام نے کسی آدمی کو قصداً، تو جائز نہیں ہے اس کی اپنی طرف سے صلح کرنا۔ اور اگر قتل کردیا ماذون کے غلام نے کسی آدمی کو قصداً، پھر (ماذون نے) اپنے غلام کی طرف سے صلح کی، تو جائز ہے۔

تشریح: ⑲ الصلح جائز من دعوى المال .....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ مال کے دعوے، منفعت کے دعوے، اور جنایت

کے دعوے میں صلح کرنا جائز ہے۔ مال کی صورت یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ میرا ہے، مدّعیٰ علیہ نے اس کو کچھ مال دے کر صلح کی، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ صلح اگر اقرار کے ساتھ ہو تو یہ بیع کے حکم میں ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا، اور جس چیز کی بیع جائز ہے اس کی صلح بھی جائز ہوگی۔ اور اگر سکوت یا انکار کے ساتھ صلح ہو جائے تو یہ مدّعی کے حق میں بیع کے حکم میں ہے، اور مدّعیٰ علیہ کے حق میں قسم سے فدیہ دینا ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۲) میں بیان ہوا، اور بیع کرنا اور قسم کا فدیہ دینا دونوں جائز ہیں۔

منفعت کے دعوے کی صورت یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ زید کے باپ نے میرے لئے اس گھر کی رہائش کی وصیت کی ہے، زید اس کا اقرار کر رہا ہے، یا سکوت اور یا انکار کر رہا ہے، اور پھر رہائش کی منفعت کے بدلے میں مدّعی کو کچھ مال دے کر صلح کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ منفعت ایسی چیز ہے کہ عقد اجارہ کے ذریعے اس کا عوض لینا دینا جائز ہے، تو صلح کے ذریعے بھی جائز ہوگا۔

جنایت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا، خواہ عمداً ہو یا خطاءً، اور پھر قاتل نے مقتول کے ورثہ کو کچھ مال دے کر اپنی جنایت سے صلح کر لی، تو یہ جائز ہے، آیت کریمہ میں ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ. [بقرہ: ۱۷۸] ''پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے، تو معروف طریقے کے مطابق مطالبہ ہے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [ہدایہ]

⑳ بخلاف الحدّ: یعنی ماقبل مسئلے کا حکم حد کے برخلاف ہے، حد کے دعوے سے صلح کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے شرابی کو پکڑ لیا، شرابی نے پکڑنے والے کو کچھ مال دے صلح کی کہ مجھے قاضی کے پاس مت لے جاؤ، تو یہ صلح باطل ہے، خواہ شرابی کو حد لگے یا نہ لگے پکڑنے والا صلح کا مال واپس کر دے، کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور بندہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کا عوض لے۔

㉑ ومن النكاح، والرق، فكان خلعا، وعتقا على مال: أي: الصلح جائز من النكاح و... نکاح اور آزادی سے بھی صلح کرنا جائز ہے۔ نکاح کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں عورت میری بیوی ہے، عورت نے انکار کیا، اور پھر عورت نے کچھ مال دے کر اس آدمی سے صلح کی، تا کہ وہ نکاح کا دعویٰ چھوڑ دے، تو یہ جائز ہے، یہ صلح مرد کے حق میں خلع ہے، گویا شوہر نے بیوی سے مال لے کر اس کو نکاح سے آزاد کر دیا، اور بیوی کے حق میں قسم کا فدیہ ہے۔ آزادی کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میرا غلام ہے، اس نے انکار کر دیا، پھر مدّعیٰ علیہ نے کچھ مال دے کر مدّعی سے صلح کر لی، تو یہ جائز ہے، یہ صلح مدّعی کے حق میں مال پر آزاد کرنا ہے، گویا مولیٰ نے غلام سے مال لے کر اس کو آزاد کر دیا، اور مدّعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ ہے۔

㉒ وإن قتل العبد المأذون رجلا عمدا: لم يجز .....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے غلام کو ماذون بنا کر اُسے تجارت کرنے کی اجازت دی، ماذون نے کسی شخص کو قصداً قتل کر دیا، تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنی جان کے عوض مال دے کر صلح کرے، کیونکہ مولیٰ نے اُسے صرف تجارت کرنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا ماذون صرف وہ تصرف کر سکتا ہے جس میں تجارت ہو، اور ظاہر ہے کہ اپنی جان کی طرف سے صلح کرنا تجارت نہیں ہے، کیونکہ اس کی جان مالِ تجارت میں سے نہیں ہے۔

⊙ وإن قتل عبد له رجلا عمدا، فصالح.....إلخ: لہ میں ضمیر کا مرجع ماذون ہے۔حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں ماذون نے تجارت کرتے ہوئے کوئی غلام خریدا، اور پھر اُس غلام نے کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا، تو ماذون کیلئے جائز ہے کہ اپنے غلام کی طرف سے صلح کرے، کیونکہ یہ غلام مالِ تجارت میں سے ہے، اور ماذون مالِ تجارت میں تصرف کر سکتا ہے، لہٰذا اپنے غلام کو چھڑا کر اس کی طرف سے صلح بھی کر سکتا ہے۔

⊙ وَلَوْ صَالَحَ عَنِ الْمَغْصُوبِ الْمُتْلَفِ بِمَازَادَ عَلَى قِيمَتِهِ، أَوْ عَلَى عَرْضٍ: صَحَّ ⊙ وَلَوْ أَعْتَقَ مُوسِرٌ عَبْدًا مُشْتَرَكًا، فَصَالَحَهُ الشَّرِيكُ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيمَتِهِ: لَا ⊙ وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ، فَصَالَحَ: لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَاصَالَحَ عَلَيْهِ، مَالَمْ يَضْمَنْهُ، بَلْ يَلْزَمُ الْمُوَكِّلَ.

ترجمہ: اور اگر صلح کی مغصوب ہلاک شدہ (چیز) سے اس کی قیمت سے زائد پر، یا سامان پر، تو صحیح ہے۔ اور اگر مالدار نے آزاد کر دیا مشترک غلام کو، پھر شریک نے اس سے صلح کی آدھی قیمت سے زیادہ پر، تو (صحیح) نہیں۔ اور جس نے کسی آدمی کو وکیل بنایا اس کی طرف سے صلح کرنے کا، پس اس نے صلح کر لی، تو وکیل پر لازم نہیں ہوگی وہ چیز جس پر صلح کی ہے، جب تک اس کا ضامن نہ بنے، بلکہ موکل پر لازم ہوگی۔

تشریح:

⊙ ولو صالح عن المغصوب المتلف بما.....إلخ: صالح میں ضمیر کا مرجع غاصب ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا، جس کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، پھر وہ غلام غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، اس کے بعد غاصب نے مغصوب منہ (مالک) کے ساتھ قیمت سے زیادہ، مثلاً پندرہ سو روپے پر صلح کی، یا کسی سامان پر صلح کی جس کی قیمت غلام کی قیمت سے زائد ہے، تو دونوں صورتوں میں صلح صحیح ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مغصوب غلام کی قیمت سے زائد پر صلح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مغصوب منہ کا حق صرف ہزار روپے قیمت میں ہے، اور ہزار روپے کے عوض میں پندرہ سو وصول کر رہا ہے، جو حرام ہے، اس لئے یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مغصوب منہ (مالک) کا حق قیمت میں نہیں ہے، بلکہ مغصوب غلام میں ہے[1]، یہی وجہ ہے کہ غلام کی ہلاکت کے بعد اس کی تجہیز وتکفین کا خرچہ مغصوب منہ پر ہوگا، تو مغصوب منہ اپنے غلام کا جتنا بھی عوض وصول کرے اس کیلئے جائز ہے، اس میں کوئی ربا نہیں ہے۔ اگر صلح سامان پر ہوئی تو اس میں صاحبینؒ کے نزدیک بھی ہر صورت میں صلح صحیح ہے، اگر چہ سامان کی

① البتہ اگر قاضی نے مالک کیلئے قیمت (ہزار روپے) کا فیصلہ کر دیا، تو اس کے بعد قیمت سے زیادہ پر صلح کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

قیمت غلام کی قیمت سے زیادہ ہو۔

قول راجح:

امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔قال في الهندية: والصحيح مذهب أبي حنيفة ؒ. كذا في خزانة الفتاوى. [هندية: ۲۴۱/۴۔درر الحكام شرح مجلة الأحكام:مادة:۱۵۵۲]

⑮ ولو أعتق موسر عبدا مشتركا، فصالحه الشريك على أكثر من نصف قيمته: لا: أي: لا يصح.
صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، غلام کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، پانچ سو کا مالک ایک ہے اور پانچ سو کا دوسرا ہے، پھر ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا، اور آزاد کرنے والا مالدار ہے①، تو اب حکم یہ ہے کہ غلام کا آدھا حصہ آزاد ہونے کی وجہ سے پورا غلام آزاد ہوا، کیونکہ آزادی تقسیم قبول نہیں کرتی، کہ آدھا آزاد ہو آدھا غلام ہو۔اس میں ظاہر ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ بھی خطرے میں پڑ گیا، لہٰذا آزاد کرنے والے شریک پر واجب ہے کہ دوسرے شریک کے حصے کا تاوان ادا کرے، پھر دوسرے شریک نے آزاد کرنے والے کے ساتھ آدھی قیمت (۵۰۰ روپے) سے زیادہ، مثلاً چھ سو روپے پر صلح کی، تو یہ صلح بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک تو وہی وجہ ہے جو پچھلے مسئلے میں بیان ہوئی۔امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دوسرے شریک کا حق یقیناً غلام میں نہیں، بلکہ اس کی آدھی قیمت (۵۰۰ روپے) میں ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آزاد کرنے والے پر آدھی قیمت واجب ہے، تو ظاہر بات ہے کہ ۵۰۰ سے ۶۰۰ پر صلح کرنا ربا ہے، جو حرام ہے، لہٰذا آدھی قیمت سے زیادہ پر صلح صحیح نہ ہوگی۔

⑯ ومن وكل رجلا بالصلح عنه، فصالح ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عمداً قتل کیا، پھر قاتل نے کسی آدمی کو وکیل بنایا کہ میری طرف سے مقتول کے ورثہ کے ساتھ ایک لاکھ روپے پر صلح کرو، وکیل نے صلح کرلی، تو جس چیز (ایک لاکھ روپے) پر صلح ہوئی ہے وہ وکیل پر لازم نہیں ہوگی، یعنی ورثہ وکیل سے مطالبہ نہیں کرسکتے، بلکہ صلح کا عوض موکل (قاتل) پر لازم ہوگا، کیونکہ قتل عمد کی صلح میں تمام حقوق موکل کی طرف راجع ہوں گے، وکیل صرف سفیر اور رسول کا کام کرتا ہے، جیسا کہ کتاب الوكالة مسئلہ نمبر (۱۶) میں گزر چکا ہے۔البتہ اگر وکیل بدلِ صلح (ایک لاکھ روپے) کا ضامن بن گیا تو ضمان لینے کی وجہ سے بدلِ صلح اس پر لازم ہو جائے گا۔

اگر قتل عمد کے ماسوا کسی مال سے صلح کرنے کیلئے وکیل بنایا، تو اگر وہ صلح اقرار کے ساتھ ہو، تو بدلِ صلح وکیل پر لازم ہوگا، کیونکہ اقرار کے ساتھ صلح کرنا بیع کے حکم میں ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۳) میں گزر چکا، اور بیع میں تمام حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، جیسا کہ کتاب الوكالة مسئلہ نمبر (۱۱) میں گزر چکا ہے۔اور اگر سکوت یا انکار کے ساتھ صلح ہوئی، تو بدلِ صلح موکل پر لازم ہوگا، جیسا کہ کتاب الوكالة مسئلہ نمبر (۱۶) میں گزر چکا ہے۔

---

① اگر آزاد کرنے والا شریک مفلس ہو تو اس پر دوسرے شریک کے حصے کا تاوان ادا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ غلام سے مزدوری کروائی جائے گی، تاکہ دوسرے حصے کا تاوان پورا ہو جائے۔

﴿۲۷﴾ وَإِنْ صَالَحَ عَنْهُ بِلَا أَمْرٍ: صَحَّ إِنْ ضَمِنَ الْمَالَ، أَوْ أَضَافَ إِلَى مَالِهِ، أَوْ قَالَ: عَلَى أَلْفٍ، وَسَلَّمَ ﴿۲۸﴾ وَإِلَّا تَوَقَّفَ، فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ: جَازَ، وَإِلَّا: بَطَلَ.

ترجمہ: اور اگر (فضولی نے) مدّعیٰ علیہ کی طرف سے صلح کی اس کے حکم کے بغیر، تو صحیح ہے، بشرطیکہ مال کا ضامن بنے، یا نسبت کرے اپنے مال کی طرف، یا کہے کہ ہزار روپے پر، اور تسلیم کردیئے۔ ورنہ (صلح) موقوف ہوگی، پس اگر مدعیٰ علیہ نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہے، ورنہ باطل ہوگی۔

تشریح:

﴿۲۷﴾ وإن صالح عنه بلا أمر: صحّ إن.....إلخ: عنه میں ضمیر کا مرجع مدعیٰ علیه ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ پر میرے دو ہزار روپے ہیں، اس کے بعد ایک فضولی آدمی نے آکر مدعیٰ علیہ کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے مدّعی کے ساتھ صلح کی، تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں:

① ...... فضولی نے ہزار روپے کے عوض صلح کی، اور مدّعی سے کہا کہ بدلِ صلح (ہزار روپے) کا ضامن میں ہوں، یہ صلح صحیح ہے، کیونکہ اس میں مدّعیٰ علیہ مفت میں بری ہوگیا، اور بغیر کسی نزاع و جھگڑے کے صلح ہوگئی۔

② ...... فضولی نے مدّعی کے ساتھ ہزار روپے پر صلح کی، اور صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کی، مثلاً فضولی نے مدّعی سے کہا: ''میں تم سے اپنے ان ہزار روپوں پر صلح کرتا ہوں''، یہ صلح بھی صحیح ہے، کیونکہ مدّعیٰ علیہ نے جب اپنے مال کی طرف نسبت کی تو گویا وہ بدلِ صلح کا ضامن بن گیا، لہٰذا یہ پہلی صورت کی طرح ہوگیا۔

③ ...... فضولی نے مدّعی کے ساتھ مطلقاً ہزار روپے پر صلح کی، نہ ضامن بنا اور نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی، مگر صلح کی مجلس میں مدّعی کو ہزار روپے تسلیم کردیئے، یہ صلح بھی صحیح ہے، کیونکہ مدّعی کا مقصد بھی پورا ہوا، اور مدّعیٰ علیہ بھی مفت میں بری ہوگیا۔

چوتھی صورت کا حکم اگلے مسئلے میں ہے۔

﴿۲۸﴾ وإلّا: توقّف، فإن أجازه المدعیٰ علیه: جاز.....إلخ:

④ ...... چوتھی صورت یہ ہے کہ فضولی نے مدّعی سے مطلقاً یوں کہا: ''میں تم سے ہزار روپے پر صلح کرتا ہوں''، اس میں نہ تو فضولی ضامن بنتا ہے، نہ صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کرتا ہے اور نہ مدّعی کو ہزار روپے تسلیم کرتا ہے، تو ایسی صلح مدّعیٰ علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی، اگر اس نے اجازت دی تو صحیح ہوگی، ورنہ باطل ہوجائے گی، کیونکہ مدّعیٰ علیہ اصیل ہے، اور جھگڑا اسی وقت ختم ہوگا کہ وہ اجازت دے، لہٰذا یہ صلح بے فائدہ اور باطل ہوجائے گی۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ الصُّلْحِ فِي الدَّيْنِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الصلح في الدين. یعنی یہ باب دَین میں صلح کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔

اس سے پہلے مطلق صلح کا بیان تھا، یہاں سے خاص طور پر دَین میں صلح کا بیان ہوگا۔ دَین میں صلح یہ ہے کہ مثلاً دائن کا مدیون پر ہزار روپے ادھار ہے، پھر دائن نے اس سے کہا کہ ہزار میں سے مجھے پانچ سو دے دو، باقی پانچ سو تمہیں معاف ہیں۔ دَین میں صلح کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دائن کی طرف سے احسان کا معاملہ کیا جائے تو یہ صلح ہے، اور اگر مدیون کی طرف سے احسان کیا جائے، یا دائن اور مدیون دونوں کی طرف سے احسان کیا جائے تو یہ صلح نہیں، بلکہ معاوضہ (بیع) ہے۔ اس قاعدہ کو خوب یاد رکھیں، بعد میں کام آئے گا۔

مصنفؒ نے اس باب میں انیس (۱۹) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

● اَلصُّلْحُ عَمَّا اُسْتُحِقَّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ: أَخْذٌ لِبَعْضِ حَقِّهِ، وَإِسْقَاطٌ لِلْبَاقِي، لَا مُعَاوَضَةٌ ❷ فَلَوْ صَالَحَ عَنْ أَلْفٍ عَلَى نِصْفِهِ ❸ أَوْ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ: جَازَ ❹ وَعَلَى دَنَانِيرَ مُؤَجَّلَةٍ ❺ أَوْ عَنْ أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ، أَوْ سُودٍ عَلَى نِصْفٍ حَالٍّ، أَوْ بِيضٍ: لَا.

ترجمہ: صلح کرنا اس چیز سے جس کا حقدار نکل آئے عقدِ مداینت کے ذریعے، اپنا بعض حق لینا ہے اور باقی کو ساقط کرنا ہے، معاوضہ نہیں ہے۔ پس اگر صلح کی ہزار سے اس کے نصف پر۔ یا ہزار مؤجل پر تو جائز ہے۔ اور مؤجل دنانیر پر (صلح کرنا)۔ یا ہزار مؤجل سے، یا (ہزار) کالے سے فی الحال نصف پر (صلح کرنا)، یا سفید پر (صلح کرنا صحیح) نہیں۔

تشریح:

❶ الصلح عمّا استُحِق بعقد المداينة....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دائن نے مدیون کو ہزار روپے ادھار دیا، تو دائن عقدِ مداینت[1] کے ذریعے ہزار روپے کا مستحق (حقدار) ہوگیا، اب دائن اس ہزار روپے سے مدیون کے ساتھ صلح کرکے کہتا ہے کہ: "ہزار روپے کی جگہ مجھے پانچ سو روپے دے دو، تو یہ جائز ہے، کیونکہ دائن نے اپنا بعض حق لے لیا، اور بعض کو چھوڑ دیا، اور ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ اپنے حق میں سے جتنا چاہے لے لے اور جتنا چاہے چھوڑ دے۔

اس صلح کو معاوضہ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ پانچ سو کو ہزار کے عوض میں قرار دینا سود ہے، جو حرام ہے، لہٰذا ایک مسلمان کے

---

① مداینت مفاعلہ کا باب ہے، بمعنی دین لینا دینا۔ عقد مداینت وہ عقد ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو ادھار دے، مثلاً بائع نے مبیع کو ادھار بیچا، تو مشتری کے ذمے ثمن دین ہوگیا، یہ عقد مداینت ہے۔ یا ایک شخص نے دوسرے کو نقد روپے قرض پر دیئے، یہ بھی عقد مداینت ہے۔

معاملہ کی صحیح توجیہ کرنی چاہئے، اور صحیح توجیہ یہی ہے کہ دائن نے معاوضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا بعض حق لیا اور بعض کو چھوڑا۔

② **فلو صالح عن ألف علی نصفه:** یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں جاز اس کی جزاء ہے۔ یہ عبارت ماقبل مسئلے پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر دائن نے مدیون کے ساتھ ہزار روپے سے اس کے نصف (پانچ سو) پر صلح کی تو یہ جائز ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ یہاں دائن نے مدیون کے ساتھ احسان کرتے ہوئے اپنا بعض حق چھوڑ دیا۔

③ **أو علی ألف مؤجل: جاز:** أي: لو صالح علی ألف مؤجل: جاز. مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر ہزار روپے معجّل[1] دین ہیں، فی الحال ادا کرنا لازم ہے، مگر دائن نے اس کے ساتھ مؤجل پر صلح کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے معجّل ہزار کی جگہ ایک مہینہ تک مؤجل ہزار ادا کرو"، تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ یہاں بھی دائن احسان کا معاملہ کرتے ہوئے اپنا حق ایک مہینہ تک مؤخر کر رہا ہے۔

④ **وعلی دنانیرَ مؤجّلة:** أي: لو صالح علی دنانیر مؤجلة. یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں لا (اي: لا یصحّ الصلح) اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر ہزار دراہم معجّل ادا کرنا لازم ہیں، دائن نے اس کے ساتھ صلح کرتے ہوئے کہا کہ ان معجّل دراہم کی جگہ مجھے ایک مہینہ تک ہزار دینار مؤجل دے دو، تو یہ صلح جائز نہیں ہے، کیونکہ دراہم کی جگہ دینار لینا دائن کی طرف سے کوئی احسان نہیں ہے، لہٰذا یہ صلح نہیں، بلکہ معاوضہ ہے، اور نقد دراہم کے عوض مؤجل (ادھار) دینار کی بیع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیعِ صرف ہے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے، جیسا کہ کتاب الصرف مسئلہ نمبر (۴) اور (۵) میں گزر چکا ہے۔

⑤ **أو عن ألف مؤجّل، أو سود علی نصف حالّ، أو بیض: لا.** اس عبارت میں دو مسئلے ہیں:

➤ پہلے مسئلے کی تقدیرِ عبارت یہ ہے: لو صالح عن ألف مؤجّل علی نصف حالّ: لا یصحّ. اس کی صورت یہ ہے کہ مدیون پر ہزار دراہم مؤجل ادا کرنا لازم ہیں، دائن نے نصف پر صلح کرتے ہوئے اس سے کہا کہ ایک ہزار مؤجل کی جگہ مجھے پانچ سو فی الحال دے دو، تو یہ صلح جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں دائن اور مدیون دونوں کی طرف سے احسان ہو رہا ہے، لہٰذا یہ صلح نہیں، بلکہ معاوضہ ہے، دائن کی طرف سے احسان یہ ہے کہ اس نے ہزار کی جگہ پانچ سو کا مطالبہ کیا، اور مدیون کی طرف سے احسان یہ ہے کہ مؤجل کی جگہ فی الحال ادا کر رہا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ ہزار کا پانچ سو سے معاوضہ کرنا سود ہے، جو حرام ہے۔

➤ دوسرے مسئلے کی تقدیرِ عبارت یہ ہے: لو صالح عن ألف سود علی نصف بیض: لا یصحّ. اس کی صورت یہ ہے کہ مدیون پر ہزار کالے دراہم ادا کرنا لازم ہیں، دائن نے نصف پر صلح کرتے ہوئے اس سے کہا کہ مجھے ہزار کالے دراہم کی جگہ پانچ سو سفید دے دو، تو یہ صلح بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں بھی دونوں طرف سے احسان ہو رہا ہے، دائن ہزار کی جگہ پانچ سو پر راضی ہوا، اور مدیون کالے کی جگہ سفید دینے پر راضی ہوا، تو یہ صلح نہیں، معاوضہ ہے، اور ہزار کا پانچ سو سے معاوضہ جائز نہیں ہے، خواہ کالے ہوں یا سفید ہوں۔

---

① معجّل باب تفعیل (تعجیل) کا اسم مفعول ہے، جلدی ادا کیا ہوا، فی الحال ادا کیا ہوا۔ اور مؤجّل باب تفعیل (تاجیل) کا اسم مفعول ہے، مؤخر کیا ہوا، ملتوی کیا ہوا۔

❻ وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفٌ، فَقَالَ: أَدِّ غَدًا نِصْفَهُ عَلَى أَنَّكَ بَرِيْءٌ مِنَ الْفَضْلِ، فَفَعَلَ: بَرِئَ ❼ وَإِلَّا: لَا ❽ وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ: لَا أُقِرُّ لَكَ بِمَا لَكَ حَتّٰى تُؤَخِّرَهُ عَنِّي، أَوْ تَحُطَّ، فَفَعَلَ: صَحَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جس کے دوسرے پر ہزار ہوں، پس اس نے کہا کہ کل اس کا آدھا (مجھے) ادا کر دو، اس شرط پر کہ تم زیادتی سے بری ہو، پس (مدیون نے) ایسا ہی کیا، تو بری ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور جس نے دوسرے سے کہا کہ میں تمہارے لئے اقرار نہیں کروں گا اس دَین کا جو تمہارے لئے ہے، یہاں تک کہ تم اس کو مجھ سے مؤخر کر دو، یا کم کر دو، پس (دائن نے) ایسا کر دیا، تو اس پر لازم ہو گیا۔

تشریح:

❻ ومن له علی آخر ألف، فقال: أدّ غدا ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر ہزار روپے دَین ہیں، دائن نے اس سے کہا کہ کل مجھے ہزار کا نصف (پانچ سو) ادا کر دو اس شرط پر کہ باقی زیادتی سے تم بری ہو، پس مدیون نے اس کے مطابق عمل کر کے آئندہ کل پانچ سو ادا کر دیئے، تو وہ باقی پانچ سو سے بری ہو جائے گا، کیونکہ یہاں دائن نے پانچ سو سے بری کرنے کو مقید کر دیا ہے آئندہ کل ادائیگی کی شرط کے ساتھ، اور اِبراء (بری کرنے) کو شرط سے مقید کرنا صحیح ہے[①]، لہٰذا دائن کے کہنے کے مطابق اگر مدیون نے آئندہ کل پانچ سو ادا کر دیئے تو باقی پانچ سو سے بری ہو جائے گا۔

❼ وإلّا: لا: أي: وإن لا يفعل: لا يبرأ. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مدیون دائن کے کہنے کے مطابق عمل نہیں کرتا اور آئندہ کل پانچ سو ادا نہیں کرتا، تو باقی پانچ سو سے بری نہیں ہو گا۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدیون خواہ آئندہ کل ادا کرے یا نہ کرے وہ پانچ سو سے بری ہو گیا، کیونکہ دائن کے کلام میں علی عوض کیلئے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ کل پانچ سو ادا کر دو، اس کے عوض میں تم پانچ سو سے بری ہو، اور ظاہر ہے کہ ادا کرنا اِبراء کا عوض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اِبراء کے بغیر بھی مدیون پر ادائیگی لازم ہے، تو اِبراء بلا عوض ہو گیا، لہٰذا مدیون اگر آئندہ کل ادائیگی نہ بھی کرے تب بھی باقی پانچ سو سے بری ہو گیا۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ دائن کے کلام میں علی شرط کیلئے ہے، یعنی دائن نے اِبراء کو پانچ سو کی ادائیگی سے مشروط کر دیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر مدیون آئندہ کل پانچ سو ادا کرے گا تو باقی پانچ سو سے بری ہو جائے گا، ورنہ بری نہ ہو گا، اور عاقل بالغ انسان

---

① کتاب البیوع کے آخر باب المتفرقات مسئلہ نمبر (۱۳) میں گزر گیا ہے کہ اِبراء کو شرط سے معلق کرنا صحیح نہیں ہے، اور یہاں فرمایا کہ اِبراء کو شرط سے مقید کرنا صحیح ہے، تو سمجھ لیں کہ ایک ہے شرط سے معلق کرنا، اور دوسرا ہے شرط سے مقید کرنا۔ فرق یہ ہے کہ اگر کلام میں حرف شرط، جیسے إن، إذا وغیرہ کو استعمال کیا گیا ہو تو یہ تعلیق ہے، اور اگر حرف شرط کو نہیں لایا تو یہ تقیید ہے، اِبراء میں تعلیق جائز نہیں، تقیید جائز ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: ہدایہ: ۳/۳۵۰/حاشیہ: ۱۶ اور ۱۷۔

بلا وجہ مدیون کو بری نہیں کرتا، لہٰذا اس کی بات کا یہی مطلب لینا مناسب ہے۔

❽ ومن قال لآخر: لا أقرّ لک بمالک حتی ... إلخ: علیہ میں ضمیر کا مرجع دائن ہے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدیون نے دائن سے کہا کہ میں تیرے لئے تمہارے مال کا اقرار نہیں کروں گا، جب تک تم مجھے مہلت دے کر اُسے مؤخر نہ کرو، یا کچھ کم نہ کردو، دائن نے یہ کام کر دیا، یعنی مدیون کو مہلت دے دی، یا دین میں سے کچھ کم کر کے معاف کر دیا، تو دائن پر یہ فیصلہ لازم ہو گیا، لہٰذا مہلت دینے کی صورت میں وہ وقت سے پہلے مطالبہ نہیں کرسکتا، اور کم کرنے کی صورت میں وہ معاف کی ہوئی مقدار کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ مدیون نے دائن کو مجبور نہیں کیا ہے، بلکہ دائن اپنی خوشی سے مہلت دے رہا ہے، یا کم کر رہا ہے، اور مدیون نے جو دھمکی دی ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ دھمکی کے باوجود دائن اس پر گواہ پیش کر کے یا اس کو قسم دے کر اپنا حق ثابت کرسکتا ہے۔

☆☆☆

فصل

أي: هذا فصل في الدين المشترك. یعنی یہ فصل مشترک دین کے بارے میں ہے۔ مشترک دین وہ ہے جو دو افراد کیلئے ایک سبب سے ثابت ہو جائے، مثلاً دو شریکوں نے مشترک سامان ایک عقد میں بیچا، تو مشتری پر دونوں کا مشترک دین ثابت ہوا، یا مثلاً باپ نے زید کو دین دیا، باپ کے مرنے کے بعد وہ دین سب ورثہ میں مشترک ہے۔اس فصل میں گیارہ (۱۱) مسائل ہیں۔

❾ دَيْنٌ بَيْنَهُمَا، صَالَحَ أَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيبِهِ عَلٰى ثَوْبٍ: لِشَرِيكِهِ أَنْ يَتَّبِعَ الْمَدْيُوْنَ بِنِصْفِهِ، أَوْ يَأْخُذَ نِصْفَ الثَّوْبِ مِنْ شَرِيكِهِ ❿ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ رُبُعَ الدَّيْنِ ⓫ وَلَوْ قَبَضَ نَصِيبَهُ: شَرِكَهُ فِيهِ، وَرَجَعَا بِالْبَاقِي عَلَى الْغَرِيمِ ⓬ وَلَوْ اشْتَرٰى بِنَصِيبِهِ شَيْئًا: ضَمَّنَهُ رُبُعَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: دو آدمیوں کا دین ہے، ان میں سے ایک نے صلح کی اپنے حصہ سے کپڑے پر، تو اس کے شریک کیلئے (اختیار) ہے کہ مدیون کے پیچھے پڑے اپنے نصف حصہ کے ساتھ، یا آدھا کپڑا لے لے اپنے شریک سے۔ مگر یہ کہ (شریک) ضامن ہو جائے دین کی چوتھائی کا۔ اور اگر (ایک شریک نے) قبض کیا اپنا حصہ تو (دوسرا) اس کے ساتھ شریک ہوگا اس میں، اور دونوں مدیون پر رجوع کریں باقی دین کے ساتھ۔ اور اگر (ایک شریک نے) خرید لی اپنے حصے سے کوئی چیز، تو (دوسرا شریک) اس کو ضامن بنادے دین کی چوتھائی کا۔

تشریح:

❾ دين بينهما، صالح أحدهما عن نصيبه ... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شریکوں زید اور شریف خان کا کسی

شخص پر ہزار روپے مشترک دَین ہے، زید نے مدیون کے ساتھ اپنے حصے (۵۰۰ روپے) سے کپڑے پر صلح کی، تو دوسرے شریک (شریف خان) کو اختیار ہے، چاہے مدیون کا پیچھا کر کے اس سے دَین کا اپنا حصہ وصول کرلے، کیونکہ اس کا حصہ اب بھی مدیون کے ذمہ پر لازم ہے، زید نے تو اپنے ہی حصے سے صلح کر کے کپڑا لیا ہے، اور اگر چاہے تو زید سے آدھا کپڑا لے لے، کیونکہ زید نے اگرچہ کپڑے کو اپنے ہی حصے کے عوض میں لیا ہے، مگر چونکہ ابھی تک دَین کی تقسیم نہیں ہوئی، لہٰذا جس طرح دَین کے ہر ہر جزء میں زید اور شریف خان دونوں شریک ہیں اسی طرح اس کے عوض (کپڑے) میں بھی دونوں شریک ہوں گے، لہٰذا شریف خان زید سے آدھا کپڑا لے سکتا ہے۔

⑩ إلّا أن يضمن ربعَ الدين: يضمن کی ضمیر صلح کرنے والے شریک (زید) کی طرف راجع ہے۔ یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے، وہاں فرمایا تھا کہ شریف خان زید سے آدھا کپڑا لے سکتا ہے، اب فرما رہے ہیں کہ اگر زید شریف خان کیلئے چوتھائی دَین (۲۵۰ روپے) کا ضامن ہوگیا تو شریف خان اس سے آدھا کپڑا نہیں لے سکتا، کیونکہ آدھا کپڑا ابھی چوتھائی دَین (۲۵۰ روپے) کے مقابلے میں ہے، تو جب شریف خان کو چوتھائی دَین مل جائے تو زید سے کپڑا لینے کی کیا ضرورت ہے؟

⑪ ولو قبض نصيبَه: شركه فيه، ورجعا .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشترک دَین کے دو شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ نقد وصول کرلیا، مثلاً مسئلہ نمبر (۹) کی صورت میں زید نے پانچ سو روپے وصول کرلئے، تو شریف خان اس کے ساتھ شریک ہوگا، لہٰذا ڈھائی سو اس کو ملیں گے، اور مدیون پر جو پانچ سو باقی رہے اس میں دونوں کا حق ہے، دونوں مدیون پر رجوع کر کے اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں، کیونکہ دَین میں ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی، لہٰذا دَین کے ہر ہر جزء میں دونوں شریکوں کا حق ہے، تو زید نے جو کچھ وصول کیا ہے اس میں شریف خان برابر کا شریک ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر زید نے اپنے حصہ سے کپڑے پر صلح کی تو اس میں شریف خان کا شریک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ کپڑا دَین نہیں ہے، بلکہ دَین کا عوض ہے۔

⑫ لو اشترى بنصيبه شيئا: ضمّنه ربعَ الدين: یعنی مذکورہ صورت میں اگر زید نے اپنے حصے (۵۰۰ روپے) کے عوض مدیون سے کوئی چیز خرید لی، تو شریف خان زید سے چوتھائی دَین (۲۵۰) کا ضمان[1] لے لے، اور مدیون پر جو پانچ سو رہ گئے اس میں دونوں کا حق ہے۔ شریف خان کو یہ اختیار بھی ہے کہ زید سے چوتھائی دَین نہ لے بلکہ مدیون سے اپنا پورا حصہ (۵۰۰ روپے) لے لے۔

☆☆☆

① یہاں یہ بات خوب سمجھ لیں کہ مسئلہ نمبر (۹) کی صورت میں جب زید اپنے حصہ سے کپڑے پر صلح کرے تو اس پر چوتھائی دَین (۲۵۰ روپے) کا ضمان دینا لازم نہیں ہے، چاہے شریف خان کو آدھا کپڑا دے اور چاہے اس کو چوتھائی دَین کا ضمان دے، مگر اس مسئلہ میں کہ زید اپنے حصے کے عوض کوئی چیز خرید لے تو اس پر لازم ہے کہ شریف خان کو چوتھائی دَین کا ضمان دے، وجہ یہ ہے کہ صلح تساہل اور نرمی کی بنیاد پر ہوتی ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ زید نے صلح کر کے اپنا پورا حق (۵۰۰ روپے) وصول نہیں کیا، بلکہ نرمی کر کے کچھ چھوڑ دیا ہوگا، اب اگر اس پر چوتھائی دَین کا ضمان لازم کر دیا جائے تو شاید اس کو نقصان پہنچ جائے۔ اس کے برخلاف بیع کی بنیاد کھینچاتانی پر ہے، اس میں مشتری کوشش کرتا ہے کہ اپنا پورا حق وصول کرلے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ زید نے مبیع کو خرید کر اپنا پورا حق (۵۰۰ روپے) وصول کرلیا ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ شریف خان کو چوتھائی دَین (۲۵۰ روپے) ادا کرے، اس میں اُسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

⑬ وَبَطَلَ صُلْحُ أَحَدِ رَبَّيِ السَّلَمِ مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى مَا دَفَعَ ⑭ وَإِنْ أَخْرَجَتِ الْوَرَثَةُ أَحَدَهُمْ عَنْ عَرْضٍ، أَوْ عَقَارٍ بِمَالٍ ⑮ أَوْ عَنْ ذَهَبٍ بِفِضَّةٍ، أَوْ بِالْعَكْسِ: صَحَّ، قَلَّ أَوْ كَثُرَ.

ترجمہ: اور صلح باطل ہے دو ربّ السلم میں سے ایک کی اپنے حصے سے اُس رأس المال پر جو (مسلم إلیہ کو) دیا ہے۔ اور اگر ورثہ نے نکال دیا اپنے میں سے ایک کو سامان یا جاگیر سے مال کے عوض۔ یا سونے سے (نکال دیا) چاندی کے عوض، یا (اس کے) برعکس، تو صحیح ہے، کم ہو یا زیادہ ہو۔

تشریح:

⑬ **وبطل صلح أحد ربّي السلم من نصيبه على ما دفع:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شریکوں نے پانچ پانچ سو روپے جمع کیے، اور پھر مل کر ہزار روپے کے عوض سو کلو گندم میں عقدِ سلم کیا، مسلم إلیہ کو ہزار روپے دیدیئے، مسلم إلیہ ان کو سو کلو گندم دے گا، اس کے بعد دونوں ربّ السلم (شریکوں) میں سے ایک نے اپنے رأس المال (پانچ سو روپے) پر مسلم إلیہ کے ساتھ صلح کی، یعنی اس نے مسلم إلیہ سے اپنے پانچ سو روپے لے لئے، اور اپنے حصے کی گندم (پچاس کلو) کو چھوڑ دیا، تو حضرات طرفین ؒ کے نزدیک اس طرح صلح کرنا باطل ① اور ناجائز ہے۔

امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں کہ یہ صلح جائز ہے، کیونکہ جس طرح دیگر دیون میں ایک شریک اپنے حصے سے صلح کر سکتا ہے اسی طرح عقد سلم میں بھی ایک شریک کا اپنے حصے سے صلح کرنا جائز ہونا چاہیے۔

طرفین ؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس صلح کو جائز قرار دیا جائے تو مسلم إلیہ پر جو دَین ہے وہ تقسیم ہو جائے گی، کہ ایک شریک اپنا حصہ قبض کرتا ہے، اور دوسرے شریک کا حصہ ابھی تک مسلم إلیہ پر دَین ہے، حالانکہ دَین پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔

⑭ **وإن أخرجت الورثةُ أحدَهم عن عرض، أو عقار بمال:** إن أخرجت... شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں صحّ اس کی جزاء ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مر گیا، اس نے اپنے چار ورثہ کیلئے سامان یا جاگیر چھوڑی، چار ورثہ میں سے تین نے مل کر ایک وارث کو کچھ مال دے کر اس کو سامان یا جاگیر سے نکال دیا، تو اس طرح صلح کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ حقیقت میں بیع ہے، گویا ایک وارث نے اپنا حصہ دیگر ورثہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن ② بن عوف رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی ایک بیوی تُماضِر کو اسی ہزار دینار ③ دے کر اس کو میراث سے خارج کر دیا۔ [ہدایہ]

---

① باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صلح دوسرے شریک کی اجازت پر موقوف رہے گی، اگر اس نے اجازت دی تو صحیح ہو جائے گی۔

② ان کی زندگی کے حالات جلد اول صفحہ ۵۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

③ اسی ہزار دینار، یعنی تقریباً ساڑھے تین سو (۳۵۰) کلو سونا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں، جب ایک بیوی کے ساتھ اس کے حصہ میراث سے ساڑھے تین سو کلو سونے پر صلح ہوئی، تو اس سے اندازہ لگایا جائے کہ وہ کس قدر مالدار تھے؟

⑮ أو عن ذهب بفضة، أو بالعكس: صحّ قلّ أو كثر: تقدیرِ عبارت یوں ہے: إن أخرجت الورثة أحدهم عن ذهب بفضة، أو بالعكس یہ شرط ہے، صحّ قلّ أو كثر اس کی جزاء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر میت نے ترکہ میں سونا چھوڑا، پھر تین ورثہ نے ایک وارث کو چاندی دے کر سونے سے نکال دیا، یا اس کے برعکس میت نے چاندی چھوڑی، پھر تین ورثہ نے ایک وارث کو سونا دے کر چاندی سے نکال دیا، تو اس طرح صلح کرنا بھی جائز ہے، خواہ خارج ہونے والے وارث کو کم عوض دیا جائے یا زیادہ، کیونکہ یہ صلح بھی حقیقت میں بیع ہے، گویا ایک وارث نے اپنے سونے کے حصے کو چاندی کے عوض فروخت کردیا، یا چاندی کے حصہ کو سونے کے عوض فروخت کردیا، اور اس طرح بیع کرنا جائز ہے۔

⑯ وَعَنْ نَقْدَيْنِ وَغَيْرِهِمَا بِأَحَدِ النَّقْدَيْنِ: لَا، مَالَمْ يَكُنِ الْمُعْطَىٰ أَكْثَرَ مِنْ حَظِّهِ مِنْهُ ⑰ وَلَوْ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَأَخْرَجُوهُ لِيَكُونَ الدَّيْنُ لَهُمْ: بَطَلَ ⑱ وَإِنْ شَرَطُوا أَنْ يَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ مِنْهُ: صَحَّ ⑲ وَلَوْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُحِيطٌ: بَطَلَ الصُّلْحُ، وَالْقِسْمَةُ.

ترجمہ: اور (اگر ایک وارث کو نکال دیا) سونے چاندی اور ان کے علاوہ سے، سونے چاندی میں سے کسی ایک کے عوض، تو (صحیح) نہیں، جب تک کہ دیا ہوا (عوض) زیادہ نہ ہو اس (وارث) کے حصہ سے، اسی (جنس) میں سے۔ اور اگر ترکہ میں دَین ہو لوگوں پر، پس ورثہ نے نکال دیا ایک وارث کو تاکہ دَین ان کا ہو جائے، تو (یہ صلح) باطل ہے۔ اور اگر انہوں نے شرط لگائی کہ (وہ ایک وارث) قرضداروں کو بری کرے گا دَین سے، تو صحیح ہے۔ اور اگر میت پر گھیر لینے والا دَین ہو، تو صلح اور تقسیم (میراث) باطل ہوگی۔

تشریح:

⑯ وعن نقدين وغيرهما بأحد النقدين... إلخ: یہ عطف ہے عن عرض پر، أي: وإن أخرجت الورثة أحدهم عن نقدين وغيرهما... صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سونا، چاندی اور دیگر ساز وسامان ہیں، اب تین ورثہ چاہتے ہیں کہ چوتھے وارث کو سونے چاندی میں سے کسی ایک جنس (مثلاً سونے) کے عوض باقی چیزوں سے نکال دیں، تو یہ صلح اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک خارج وارث کو اسی جنس (سونے) میں سے اس کے حصہ سے زیادہ نہ دیا جائے، جب اس کے حصے سے زیادہ دیا جائے تو صلح صحیح ہو جائے گی، مثلاً سونے میں خارج وارث کا اپنا حصہ ۱۵ گرام بنتا ہے، تو صلح اس وقت صحیح ہوگی جب اُس کو اس سے زیادہ، مثلاً ۱۶ گرام دیا جائے، تاکہ ۱۵ گرام سونا ۱۵ گرام سونے کے مقابل ہو جائے، اور ایک گرام زائد چاندی اور دیگر ساز وسامان کے عوض میں ہو جائے۔ اگر خارج وارث کو صرف ۱۵ گرام یا اس سے بھی کم سونا دے کر فارغ کر دیا تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی، اس میں سود لازم آئے گا، کیونکہ چاندی اور دیگر ساز وسامان بلاعوض رہ گئے۔

⑦ **ولو في التركة دين على الناس، فأخرجوه ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت نے ایسا ترکہ چھوڑا جس میں لوگوں پر دَین بھی ہے، اور کچھ دیگر سامان بھی ہے، اب تین ورثہ چاہتے ہیں کہ چوتھے وارث کو کچھ نقد روپے دے کر اس کو ترکہ سے نکال دیں، تاکہ سارا دَین ان کو ملے، تو اس طرح صلح کرنا باطل ہے، کیونکہ اس میں خارج وارث کا دَین میں جو حصہ بنتا ہے اس نے اپنے اس حصے کے مالک تین ورثہ کو بنایا، حالانکہ وہ دَین تین ورثہ پر نہیں، بلکہ قرضداروں پر ہے۔ حاصل یہ کہ خارج وارث نے دَین کا مالک ان لوگوں کو بنایا جن پر دَین نہیں ہے، اس کو "تملیکُ الدَّینِ مِن غیرِ مَن علیہِ الدینُ" کہتے ہیں، اور یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں غَرر اور دھوکے کا اندیشہ ہے، ہوسکتا ہے کہ قرضدار دَین کا انکار کریں اور تین ورثہ کو وہ دَین ملے ہی نہیں۔

⑧ **وإن شرطوا أن يبرأ الغرماء منهُ: صح:** منهُ میں ضمیر کا مرجع دَین میں سے خارج وارث کا حصة ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر تین ورثہ نے صلح میں یہ شرط لگادی کہ چوتھا وارث کا دَین میں جو حصہ بنتا ہے وہ قرضداروں کو اپنے اس حصے سے بری کردے، تو یہ صلح صحیح ہے، کیونکہ اس میں خارج وارث دَین میں سے اپنا حصہ معاف کررہا ہے، اور صلح میں دَین معاف کرنا صحیح ہے۔

⑩ **ولو على الميت دين محيط: بطل الصلح، والقسمة:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت پر اتنا دَین ہے کہ سارے ترکہ کو گھیر لیتا ہے، یعنی دَین کی ادائیگی میں سارا ترکہ چلا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں ورثہ کا آپس میں صلح کرکے ایک وارث کو نکال دینا، یا آپس میں ترکہ تقسیم کرنا باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں ورثہ اس ترکہ کے مالک ہی نہیں ہیں، لہٰذا ترکہ میں ان کا کوئی اختیار اور تصرف نہیں چلتا۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام المضاربة. یعنی یہ کتاب مضاربت کے احکام کے بیان میں ہے۔ مضاربة مفاعلة کا وزن ہے، ضَرب في الأرض سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: زمین میں چلنا، سفر کرنا، آیت کریمہ میں ہے: وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ. [مزمل:۲۰] ''اور دوسرے ایسے ہوں گے جو زمین میں سفر کررہے ہوں گے''۔

فقہ کی اصطلاح میں مضاربت وہ عقد ہے جس میں ایک شخص مال فراہم کرے اور دوسرا شخص اس مال کو تجارت میں لگا کر محنت و کمائی کرے، اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ پہلے شخص کو ربّ المال اور دوسرے کو مضارب اور عامل کہا جاتا ہے۔ اور ربّ المال جو مال دیتا ہے اس کو رأس المال کہتے ہیں۔

مضاربت کا عقد مشروع اور جائز ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کسی کو مضاربت پر مال دیتے اور اس پر یہ شرط لگاتے کہ مال لے کر سمندر میں سفر نہ کرنا، ورنہ تو خود ضامن ہوگا، انہوں نے اپنی یہ شرط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی، تو آپ نے اس کی اجازت دی۔ [بیہقی] نیز عہدِ رسالت سے لے کر آج تک ہر دور میں عقدِ مضاربت کی مشروعیت پر ساری امت کا اجماع ہے، اور کوئی اس کا منکر نہیں ہے۔ مصنفؒ نے اگلے باب تک مضاربت سے متعلق تیس (۳۰) بنیادی مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

① هِيَ شِرْكَةٌ بِمَالٍ مِنْ جَانِبٍ، وَعَمَلٍ مِنْ جَانِبٍ ② وَالْمُضَارِبُ أَمِيْنٌ ③ وَبِالتَّصَرُّفِ وَكِيْلٌ ④ وَبِالرِّبْحِ شَرِيْكٌ ⑤ وَبِالْفَسَادِ أَجِيْرٌ ⑥ وَبِالْخِلَافِ غَاصِبٌ ⑦ وَبِاشْتِرَاطِ كُلِّ الرِّبْحِ لَهُ مُسْتَقْرِضٌ ⑧ وَبِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ مُسْتَبْضِعٌ.

ترجمہ: مضاربت شرکت ہے مال کے ساتھ ایک جانب سے، اور عمل کے ساتھ دوسری جانب سے۔ اور مضارب امین ہے۔ اور تصرف کرنے میں وکیل ہے۔ اور نفع میں شریک ہے۔ اور فاسد ہونے سے مزدور ہے۔ اور مخالفت کرنے سے غاصب ہے۔ اور سارے نفع کی شرط لگانے سے مضارب کیلئے قرض لینے والا ہے۔ اور سارے نفع کی شرط لگانے سے ربّ المال کیلئے مستبضع ہے۔

تشریح:

① هي شركة بمال من جانب، وعمل من جانب: یہ مضاربت کی اصطلاحی تعریف ہے۔ یعنی عقد مضاربت نفع میں شرکت ہے کہ سرمایہ ایک شخص کی طرف سے ہو، اور عمل و محنت دوسرے کی طرف سے ہو۔ اگر نفع میں دونوں شریک نہ ہوں، بلکہ سارا نفع ایک کو ملے تو یہ مضاربت نہیں ہے۔ اور اگر دونوں عمل کریں تو یہ بھی مضاربت نہیں ہے۔ تفصیل مسائل میں آرہی ہے۔

② **والمضارب أمين:** مسئلہ یہ ہے کہ جب ربّ المال نے مضارب کو رأس المال دے دیا تو مضارب تصرف اور عمل کرنے سے پہلے اس میں اَمین ہے، یعنی وہ مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر ضائع ہوا تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ مضارب نے وہ مال ربّ المال کی اجازت سے لیا ہے، اس کا نہ کوئی عوض ہے، اور نہ بطورِ رہن ہے، اور ایسا مال امانت ہی ہوتا ہے۔

③ **وبالتصرف وكيل:** یعنی مضارب جب رأس المال میں عمل وتصرف شروع کرے تو وہ ربّ المال کا وکیل بن جاتا ہے، کیونکہ مضارب ربّ المال کیلئے اسی کے حکم سے عمل کرتا ہے، اور ایسا عمل کرنے والا وکیل ہی ہوتا ہے، لہٰذا مضارب کو جو بھی مسئلہ پیش آئے اس کا ذمہ دار ربّ المال ہے۔

④ **وبالربح شريك:** اگر مضاربت میں نفع ہوگیا تو مضارب ربّ المال کا شریک ہوجاتا ہے، کیونکہ نفع مضارب کے عمل اور ربّ المال کے سرمایہ دونوں کا نتیجہ ہے، لہٰذا دونوں اس میں شریک ہوں گے۔

⑤ **وبالفساد أجير:** اگر مضاربت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو مضارب مزدور ہوجاتا ہے، لہٰذا ربّ المال اس کو اس کی محنت کی مزدوری دے دے، خواہ نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، کیونکہ فساد کی وجہ سے عقدِ مضاربت اِجارہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، تو جس طرح عقدِ اِجارہ میں اَجیر کو مزدوری ملتی ہے اسی طرح فاسد مضاربت میں بھی مضارب کو مزدوری ملے گی، اس کو أجر المثل کہتے ہیں۔

⑥ **وبالخلاف غاصب:** مخالفت کرنے کی وجہ سے مضارب غاصب بن جاتا ہے، یعنی عقدِ مضاربت میں ربّ المال نے جو شرطیں لگائی ہیں اگر مضارب نے ان کی مخالفت کی تو وہ غاصب شمار ہوگا، کیونکہ وہ دوسرے کے مال میں اس کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے، اور یہ غصب ہی ہے، لہٰذا نقصان کی صورت میں ساری ذمہ داری مضارب پر عائد ہوگی۔

⑦ **وباشتراط كلّ الربح لهٗ مستقرض:** «هٗ» کا مرجع مضارب ہے۔ اگر عقدِ مضاربت میں شرط لگائی گئی کہ سارا نفع مضارب کا ہوگا، تو مضارب قرض لینے والا ہوجائے گا، اس نے ربّ المال سے قرض لیا، لہٰذا یہ مضاربت کا عقد نہیں رہا، کیونکہ نفع سرمایہ کا تابع ہے، تو جب سارا نفع مضارب کا ہوا تو سارے سرمائے کا مالک بھی وہی ہوگا، اور مضارب اسی وقت سرمایہ کا مالک ہوسکتا ہے کہ اس کو قرض لینے والا شمار کیا جائے، لہٰذا نفع ونقصان دونوں کا تعلق مضارب سے ہوگا، ربّ المال کو بعد میں اپنا قرض ملے گا۔

⑧ **وباشتراطه لربّ المال مستبضع:** «هٖ» کا مرجع كلّ الربح ہے۔ اگر مضاربت میں شرط لگائی گئی کہ سارا نفع ربّ المال کا ہوگا، تو مضارب مستبضع ہوگا۔ مستبضع اس آدمی کو کہتے ہیں جو دوسرے کیلئے مفت میں کام کرے، لہٰذا اس صورت میں عقدِ مضاربت ختم ہوکر بِضاعت میں بدل گیا، اور نفع ونقصان دونوں کا تعلق ربّ المال سے ہوگا، مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، کیونکہ مضاربت اسی وقت باقی رہے گی کہ نفع میں دونوں شریک ہوں۔

⑨ **وَإِنَّمَا تَصِحُّ بِمَا تَصِحُّ بِهِ الشِّرْكَةُ** ⑩ **وَيَكُوْنُ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا**

مُشَاعًا ⑪ فَإِنْ شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا زِيَادَةُ عَشَرَةٍ: فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ ⑫ وَلَا يُجَاوِزُ عَنِ الْمَشْرُوطِ ⑬ وَكُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جَهَالَةَ الرِّبْحِ: يُفْسِدُهَا ⑭ وَإِلَّا: لَا، وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ كَشَرْطِ الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمُضَارِبِ.

ترجمہ: اور مضاربت صحیح ہوتی ہے اس مال میں جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے۔ اور نفع دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ پس اگر شرط لگائی گئی دونوں میں سے ایک کیلئے دس (روپے) کی زیادتی کی، تو مضارب کیلئے اجر مثل ہوگا۔ اور (اجر مثل کو) نہیں بڑھایا جائے گا مشروط (نفع) سے۔ اور ہر وہ شرط جو نفع کی جہالت پیدا کرے مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے۔ ورنہ نہیں، اور شرط (خود) باطل ہوگی، جیسے نقصان کی شرط لگانا مضارب پر۔

تشریح:

⑨ **وإنما تصح بما تصح به الشركة:** «ما» سے مراد مال ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مضاربت اسی مال میں صحیح ہوگی جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے، یعنی دراہم، دنانیر، سونا چاندی کے ٹکڑے اور رواجی پیسے، لہٰذا ربّ المال مضارب کو سرمایہ میں یہی چیزیں دے دے، اگر ان کے علاوہ کوئی سامان دے دیا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر ربّ المال نے مضارب کو کوئی سامان مثلاً ایک لاکھ روپے کی گاڑی دی، تو وہ گاڑی مضارب کے ضمان (ذمہ داری) میں داخل نہیں ہوگی، یعنی مضارب پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، اب اگر مضارب اس گاڑی میں مضاربت کرتے ہوئے اس کو ایک لاکھ دس ہزار میں بیچے، اور پھر دس ہزار میں سے پانچ ہزار نفع خود لے، تو اس نے ایسی چیز پر نفع کمایا جو اس کے ضمان میں داخل نہیں ہے، اور حدیث میں ہے کہ جو چیز تمہارے ضمان میں داخل نہ ہو اس کا نفع لینا جائز نہیں ہے۔ [أبوداؤد] اس کے برخلاف اگر ربّ المال نے مضارب کو دراہم، دنانیر یا روپے دے دیئے، اور مضارب نے اس سے کوئی سامان خریدا، تو مضارب پر اس کا ثمن ادا کرنا لازم ہوگا، تو گویا وہ ثمن مضارب کے ضمان میں داخل ہوگیا، اور مضارب اپنے ضمان وذمہ داری سے ثمن ادا کرتا ہے، لہٰذا بعد میں اگر مضارب اس سامان پر نفع کرے گا تو ایسی چیز پر نفع کرے گا جو اس کے ضمان میں داخل ہے، اور یہ جائز ہے۔ اس مسئلہ کی کچھ تفصیل كتاب الشركة مسئلہ نمبر (۱۰) میں بیان ہوگئی ہے۔

⑩ **ويكون الربح بينهما مشاعا:** مسئلہ یہ ہے کہ مضاربت میں جو نفع حاصل ہوگا وہ ربّ المال اور مضارب کے درمیان مشاع (مشترک) ہوگا، کسی ایک کیلئے خاص نہ ہوگا، لہٰذا اگر نفع میں سے معین مقدار کو کسی ایک کیلئے خاص کر دیا تو اس سے مضاربت فاسد ہوجائے گی، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

⑪ **فإن شرط لأحدهما زيادة عشرة: فله أجر مثله:** یعنی اگر یہ شرط لگائی گئی کہ نفع میں سے دس روپے خاص طور پر کسی ایک کو زائد ملیں گے، تو اس سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ نفع کی اس مقدار میں شرکت ختم ہوئی، ہوسکتا ہے کہ سارا نفع

دس روپے ہوجائے، تو دوسرے کو کچھ بھی نہیں ملا، اور جب نفع میں شرکت باقی نہ رہی تو اس سے مضاربت فاسد ہو جائے گی، اور ایسی صورت میں مضارب کو اجرِ مثل (محنت کی مناسب مزدوری) ملے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا۔

⑫ **ولا يجاوز عن المشروط:** لا يجاوز میں ضمیر کا مرجع أجر المثل ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مضاربتِ فاسدہ میں جب مضارب کو اجرِ مثل دیا جائے گا تو وہ اتنا ہوگا کہ نفع کی مشروط مقدار سے تجاوز نہیں کرے گا، لہٰذا حساب لگا کر نفع میں مضارب کیلئے جس مقدار کی شرط لگائی گئی ہے، اجرِ مثل اس سے کم یا اس کے برابر ہی ہوگا، زیادہ نہ ہوگا، کیونکہ مضاربتِ فاسدہ اِجارہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور اِجارہ کا حکم یہی ہے کہ فاسد ہونے کی صورت میں اجیر کو اتنی ہی اُجرت ملے گی جو اس کیلئے مقرر مقدار سے زائد نہ ہو، جیسا کہ کتاب الإجارة/باب الإجارة الفاسدة مسئلہ نمبر (۲) میں آئے گا۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

⑬ **وكلّ شرط يوجب جهالةَ الربح يُفسدها:** ها کا مرجع مضاربة ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کی وجہ سے نفع میں جہالت پیدا ہو وہ مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے، مثلاً ربّ المال نے شرط لگائی کہ مضارب اپنا گھر مجھے ایک مہینہ تک رہائش کیلئے دے دے، تو اس کی وجہ سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ مضارب کو جو نفع ملے گا اس کا کچھ حصہ گھر کا کرایہ ہے، اور کچھ حصہ اس کی محنت کا نفع ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ کتنا حصہ کرایہ اور کتنا حصہ محنت کے مقابلے میں ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات نزاع و جھگڑا بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

⑭ **وإلّا: لا، ويبطل الشرط، كشرط الوضيعة على المضارب:** أي: وإن لا يوجب جهالةَ الربح لا يفسدها، ويبطل... یعنی اگر مضاربت میں ایسی شرط لگائی جس سے نفع میں جہالت نہیں آتی، تو وہ مضاربت کو فاسد نہیں کرتی، بلکہ وہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے، جیسے یہ شرط لگانا کہ نقصان مضارب پر ہوگا، اس شرط سے نفع میں جہالت پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی وجہ سے مضاربت فاسد نہ ہوگی، بلکہ یہ شرط خود باطل ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ مضاربت دو قسم کی شرطوں سے فاسد ہو جاتی ہے: ایک وہ شرط جس کی وجہ سے نفع میں شرکت ختم ہو جائے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۱) میں بیان ہوا۔ اور دوسری وہ شرط جس کی وجہ سے نفع میں جہالت پیدا ہو جائے۔ ان کے علاوہ باقی شرطیں خود باطل ہو جاتی ہیں، ان کی وجہ سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی۔

> ⑮ وَيَدْفَعُ الْمَالَ إِلَى الْمُضَارِبِ ⑯ وَيَبِيعُ بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ، وَيَشْتَرِي وَيُوَكِّلُ، وَيُسَافِرُ، وَيُبْضِعُ، وَيُودِعُ ⑰ وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَلَا أَمَةً ⑱ وَلَا يُضَارِبُ ⑲ إِلَّا بِإِذْنٍ، أَوْ بِإِعْمَلْ بِرَأْيِكَ ⑳ وَلَمْ يَتَعَدَّ عَمَّا عَيَّنَهُ مِنْ بَلَدٍ، وَسِلْعَةٍ، وَوَقْتٍ، وَمُعَامِلٍ، كَمَا فِي الشَّرِكَةِ.

ترجمہ: اور (ربّ المال) سرمایہ مضارب کو دے دے۔ اور (مضارب) فروخت کرے گا نقد اور ادھار کے ساتھ، خریدے

گا اور وکیل بنائے گا اور سفر کرے گا اور بضاعت پر دے گا، اور ودیعت رکھے گا۔ اور نکاح نہیں کرائے گا غلام کا نہ باندی کا۔ اور نہ مضاربت کرے گا۔ مگر اجازت سے، اور "اپنی رائے پر عمل کرو" (کہنے) سے۔ اور تجاوز نہ کرے اس سے جس کو (رب المال نے) متعین کر دیا ہے، یعنی شہر، سامان، وقت اور معاملہ کرنے والے سے، جیسے شرکت میں۔

تشریح:

⑮ ويدفع المال إلى المضارب: مسئلہ یہ ہے کہ عقدِ مضاربت میں صحت کی شرط یہ ہے کہ ربّ المال سرمایہ (رأس المال) مضارب کے سپرد کر دے، تاکہ مضارب اس میں تصرف کر کے نفع کمائے، اگر سرمایہ مضارب کو نہیں دیا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ ایسی صورت میں مضارب کیلئے عمل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

⑯ ويبيع بنقد، ونسيئة، ويشتري، ويوكّل و ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضاربت مطلق ہو، اس میں کوئی قید وشرط نہ ہو، تو مضارب وہ تمام کام کر سکتا ہے جن کی تجار کے ہاں عادت ہو، مثلاً نقد اور ادھار خرید وفروخت کر سکتا ہے، کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے، سفر کر سکتا ہے، کسی کو بضاعت① پر مال دے سکتا ہے، کسی کے ہاں ودیعت وامانت رکھ سکتا ہے، کیونکہ یہ تمام ایسے کام ہیں جن کی تجارت اور لین دین میں ضرورت پڑتی ہے، اور تجار کے ہاں ان کی عام عادت ہے۔

⑰ ولا يزوّج عبدا، ولا أمة: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضارب نے مضاربت کے مال سے کوئی غلام خریدا، یا باندی خریدی، تو ان کا نکاح نہیں کرا سکتا، کیونکہ نکاح کرانا تجارت میں سے نہیں ہے، اور نہ تجارت میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور نہ تجار کے ہاں اس کی عام عادت ہے۔

⑱ ولا يضارب: مضارب مضاربت نہیں کر سکتا، یعنی اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ مضاربت کا مال دوسرے شخص کو مضاربت پر دے دے، کیونکہ اس میں سرمایہ کا کچھ نفع دوسرا مضارب لے جائے گا، جس پر ربّ المال راضی نہیں ہوگا۔

⑲ إلّا بإذن، أو بـاعمل برأيك: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر ربّ المال کی طرف سے اجازت ہو، یا اس نے مضارب سے کہا کہ: "تم اپنی رائے کے مطابق عمل کرو"، تو ایسی صورت میں مضارب دوسرے شخص کے ساتھ مضاربت کر سکتا ہے، کیونکہ ربّ المال اس بات پر راضی ہے کہ نفع کا کچھ حصہ دوسرا مضارب لے جائے۔

⑳ ولم يتعدّ عمّا عيّنه من بلد، وسلعة ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ربّ المال نے مضارب کیلئے کوئی خاص شہر متعین کر دیا کہ صرف اسی شہر میں تجارت کرو، یا کوئی سامان متعین کر دیا کہ صرف اسی کی خرید وفروخت کرو، یا کوئی وقت متعین کر دیا کہ فلاں وقت تک کاروبار کرو، یا کوئی عامل (کاریگر) متعین کر دیا کہ صرف فلاں آدمی کے ساتھ کاروبار کرو، تو یہ تمام شرطیں صحیح ہیں، لہٰذا مضارب ان سے تجاوز نہیں کر سکتا، ورنہ تاوان کا ذمہ دار وہی ہوگا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا کہ مضارب وکیل ہے، اور موکل اختیار رکھتا ہے

① بضاعت پر مال دینا یہ ہے کہ مضارب دوسرے شخص سے کہے میرا یہ مال فلاں جگہ مفت لے جاؤ، اس میں لے جانے والے کو کوئی نفع اور مزدوری نہیں ملتی۔

کہ وکیل پر اس طرح کی شرطیں لگائے۔ نیز یہ شرطیں مفید بھی ہیں، ہوسکتا ہے کہ رب المال یہ شرطیں لگا کر اپنے سرمایے کو محفوظ کرنا چاہتا ہے، جیسے شرکت میں ایک شریک دوسرے شریک پر اس طرح کی شرطیں لگائے، تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

۲۱ وَلَمْ يَشْتَرِ مَنْ يَعْتِقُ عَلَى الْمَالِكِ ۲۲ أَوْ عَلَيْهِ إِنْ ظَهَرَ رِبْحٌ ۲۳ وَضَمِنَ إِنْ فَعَلَ ۲۴ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ رِبْحٌ: صَحَّ ۲۵ فَإِنْ ظَهَرَ: عَتَقَ حَظُّهُ ۲۶ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ ۲۷ وَسَعَى الْمُعْتَقُ فِي قِيمَةِ نَصِيبِ رَبِّ الْمَالِ.

ترجمہ: اور (مضارب) نہ خریدے وہ غلام جو مالک پر آزاد ہو جائے۔ یا (خود) مضارب پر (آزاد ہو جائے)، بشرطیکہ نفع ظاہر ہو گیا ہو۔ اور ضامن ہوگا اگر ایسا کیا۔ اور اگر نفع ظاہر نہ ہوا ہو تو صحیح ہے۔ اور اگر (نفع) ظاہر ہو گیا تو آزاد ہو جائے گا مضارب کا حصہ۔ اور ضامن نہ ہوگا رب المال کیلئے۔ اور آزاد شدہ غلام سعی کرے رب المال کے حصہ کی قیمت میں۔

تشریح:

۲۱ ولم يشتر من يعتق على المالك: مسئلہ یہ ہے کہ مضارب مضاربت میں ایسا غلام نہ خریدے جو رب المال پر آزاد ہو جاتا ہو، جیسے اس کا باپ، ماں، بیٹا، بیٹی وغیرہ قریبی محرم رشتہ دار، کیونکہ سرمایہ رب المال کا ہے، لہٰذا غلام کا مالک بھی وہی بنے گا، اور رب المال غلام کا مالک بن کر فوراً اس پر آزاد ہو جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے محرم رشتہ دار کا مالک بنا وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ [ابوداؤد] اور یہ مضاربت کے مقصد وغرض کے خلاف ہے، کیونکہ رب المال نے نفع کمانے کی غرض سے مضارب کو سرمایہ دیا ہے، نہ کہ غلام آزاد کرنے کیلئے۔ اگر مضارب نے ایسا کر ہی دیا تو یہ غلام اسی کا ہو جائے گا، مضاربت میں سے نہ ہوگا، اور غلام کا ثمن اپنی جیب سے ادا کرے۔ مسئلہ نمبر (۲۳) میں اسی کا بیان ہے۔

۲۲ أو عليه إن ظهر ربح: أي: لم يشتر من يعتق عليه إن ظهر ربح. «ہ» کا مرجع مضارب ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ رب المال نے مضارب کو مضاربت کیلئے ہزار روپے دیدیئے، مضارب نے اس پر دوسو روپے نفع کمایا، تو جب نفع ظاہر ہوا تو مضارب بارہ سو روپے سے ایسا غلام نہ خریدے جو خود اس پر آزاد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اگر اس نے اپنا محرم رشتہ دار خرید لیا تو نفع میں جتنا حصہ مضارب کا بنتا ہے اس کے بقدر غلام اس پر آزاد ہو جائے گا، اور جب غلام کا ایک حصہ (یعنی مضارب کا حصہ) آزاد ہوا تو اس سے سارا غلام آزاد ہو جائے گا، اور یہ مضاربت کے مقصد وغرض کے خلاف ہے۔

۲۳ وضمن إن فعل: حاصل یہ ہے کہ اگر مضارب نے ایسا غلام خرید لیا جو رب المال پر آزاد ہو جاتا ہے، یا نفع ظاہر ہونے کی صورت میں ایسا غلام خریدا جو خود مضارب پر آزاد ہو جاتا ہے، تو دونوں صورتوں میں وہ رب المال کو تاوان ادا کرے گا، یعنی خریدا گیا غلام مضارب ہی کا ہوگا، اور غلام کا جو ثمن اس نے رأس المال سے ادا کیا ہے اس کا تاوان اپنی جیب سے رب المال کو دے دے،

کیونکہ اس نے ایسا کام کیا جو مضاربت کے مقصد کے خلاف ہے، جس کا اُسے اختیار نہیں ہے۔

⑩ فإن لم يظهر ربح: صح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر سرمایہ میں ابھی تک نفع ظاہر نہیں ہوا ہے، تو مضارب کیلئے جائز ہے کہ اپنا محرم رشتہ دار خرید لے، کیونکہ نفع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کا کوئی حصہ نہیں ہے، لہٰذا اپنا محرم رشتہ دار خریدنے سے نہ تو مضارب اس کا مالک بنتا ہے، اور نہ غلام کا کوئی حصہ اس پر آزاد ہوگا، اس لئے مضاربت میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

⑮ فإن ظهر: عتق حظّه: مسئلہ یہ ہے کہ مال میں ابھی تک نفع ظاہر نہیں ہوا ہے، اور مضارب نے ہزار روپے سے اپنا محرم رشتہ دار خرید لیا، اس کے بعد غلام کی قیمت بڑھ کر بارہ سو ہوگئی، تو ظاہر ہے کہ غلام میں مضارب کا بھی حصہ آ گیا، لہٰذا مضارب کے حصے کے بقدر غلام اس پر آزاد ہوگیا، کیونکہ وہ اپنے محرم رشتہ دار کے ایک حصے کا مالک بن گیا، اور ماقبل میں حدیث گزر چکی کہ اگر کوئی شخص اپنے محرم رشتہ دار کا مالک بن گیا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ [ابوداؤد] اور جب غلام کا ایک حصہ آزاد ہوگیا تو پورا آزاد ہو جائے گا۔

⑯ ولم يضمن لربّ المال: یعنی مذکورہ صورت میں جب پورا غلام آزاد ہوا، اور ربّ المال کا حصہ بھی خطرے میں پڑ گیا، تو مضارب ربّ المال کو تاوان نہیں دے گا، کیونکہ غلام کی قیمت بڑھ کر آزاد ہونے میں مضارب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور مضارب نے ایسا کوئی غلط کام نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے ہم اس سے تاوان لیں۔

⑰ وسعى المعتق في قيمة نصيب ربّ المال: یعنی مذکورہ صورت میں جب غلام میں مضارب کا حصہ آزاد ہونے سے پورا غلام آزاد ہوگیا، تو ظاہر ہے کہ اس میں ربّ المال کا بڑا نقصان ہوگیا، لہٰذا آزاد شدہ غلام پر لازم ہے کہ اس میں ربّ المال کا جتنا حصہ آزاد ہوگیا ہے اس کے بقدر وہ مزدوری کمائی کر کے ربّ المال کو ادا کرے، تا کہ اس کے نقصان کا ازالہ کیا جا سکے۔

⑱ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ، فَاشْتَرَى بِهِ أَمَةً قِيمَتُهَا أَلْفٌ، فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِي أَلْفًا، فَادَّعَاهُ مُوسِرًا، فَبَلَغَتْ قِيمَتُهُ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ: سَعَى لِرَبِّ الْمَالِ فِي أَلْفٍ وَرُبْعِهِ ⑲ أَوْ أَعْتَقَهُ ⑳ فَإِنْ قَبَضَ الْأَلْفَ: ضَمَّنَ الْمُدَّعِيَ نِصْفَ قِيمَتِهَا.

ترجمہ: مضارب کے پاس ہزار ہیں نصف کے ساتھ، پس اس سے باندی خرید لی، جس کی قیمت ہزار ہے، پھر (باندی نے) بچہ جنا جو ہزار کے برابر ہے، پھر (مضارب نے) اس کا دعویٰ کیا مالدار ہونے کی حالت میں، پھر بچے کی قیمت ایک ہزار پانچ سو کو پہنچ گئی، تو ربّ المال کیلئے سعی کرے ایک ہزار اور اس کی چوتھائی میں۔ یا (ربّ المال) اس کو آزاد کردے۔ پس اگر (ربّ المال نے) ہزار قبض کر لئے تو مدّعی سے ضمان لے باندی کی نصف قیمت کا۔

تشریح:

⑱ معه ألف بالنصف، فاشترى به أمة.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب کے پاس ہزار روپے ہیں، اس

شرط پر کہ نفع آدھا آدھا ہوگا، مضارب نے ہزار روپے سے باندی خریدی، پھر باندی نے بچہ جنا، جس کی قیمت ہزار روپے کے برابر ہے، پھر مضارب نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے①، اور مضارب مالدار ہے، اس کے بعد بچے کی قیمت بڑھ کر پندرہ سو ہوگئی، تو اب حکم یہ ہے کہ بچے کی قیمت میں چونکہ نفع ظاہر ہوا، لہٰذا نفع میں مضارب کا جتنا حصہ بنتا ہے اس کے بقدر بچہ اس پر آزاد ہوگیا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۵) میں بیان ہوا۔ اور جب بچے کا ایک حصہ آزاد ہوگیا تو پورا آزاد ہو جائے گا۔ بچے کی قیمت (۱۵۰۰) میں سے ہزار روپے ربّ المال کا سرمایہ ہے، اور پانچ سو آدھا آدھا کر کے نفع ہے، تو ربّ المال کا حصہ ساڑھے بارہ سو بنتا ہے، لہٰذا بچے پر لازم ہے کہ ہزار اور ہزار کی چوتھائی (۲۵۰ روپے) یعنی بارہ سو میں مزدوری کمائی کر کے ربّ المال کو دے دے۔

یہاں اہم بات یہ ہے کہ مضارب پر مالدار ہونے کے باوجود کوئی ضمان نہیں آتا، کیونکہ بچہ اس کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آزاد ہوا، اور نسب ثابت ہو کر آزاد ہونے میں مضارب کا کوئی جرم اور عمل دخل نہیں ہے۔ اگر مضارب فقیر ہو تو بطریقِ اولیٰ اس پر ضمان نہ ہوگا۔

⑳ او اعتقه: «ہ» کا مرجع ولد ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں ربّ المال کو یہ اختیار بھی ہے کہ غلام سے مزدوری کمائی نہ کروائے، بلکہ اُسے مفت آزاد کر دے۔

⑳ فإن قبض الألف: ضمن المدعي نصف قيمتها: مدعي سے مراد مضارب ہے، کہ اس نے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر ربّ المال نے بارہ سو میں سے ہزار روپے بچے سے لے لئے، تو اس کے فوراً بعد ربّ المال کو حق حاصل ہو جائے گا کہ مضارب سے باندی کی قیمت (یعنی ہزار) کا آدھا لے لے، کیونکہ ربّ المال نے جب بچے سے ہزار روپے وصول کر لئے تو اس کے بعد یہ یقین ہوگیا کہ باندی کی ساری قیمت نفع میں ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا آدھا ربّ المال کا حق بنتا ہے، اور وہ مضارب سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، خواہ مضارب مالدار ہو یا فقیر ہو۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

---

① مضارب کے دعوے کی صحت کیلئے ہم یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مضارب نے پہلے اس باندی سے نکاح کر کے وطی کر لی ہو، اور اس کے بعد مضاربت کے مال سے خرید لی ہو، لہٰذا جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ ناجائز وطی سے نہیں ہے، بلکہ نکاح کی جائز وطی سے ہے۔

﴿بَابُ الْمُضَارِبِ يُضَارِبُ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام المضارب يضارب. یعنی یہ باب مضارب کے احکام کے بیان میں ہے، جو مضاربت کر رہا ہو۔عبارت میں المضارب موصوف، اور یضارب اس کی صفت ہے۔المضارب نکرہ کے حکم میں ہے، کیونکہ اس میں الف لام جنس کیلئے ہے، تعریف کا فائدہ نہیں دیتا، اس لئے جملہ (یضارب) اس کی صفت بن گیا۔ كذا في حاشية إعزاز علي: ۲/ ۲۳۸
اس باب میں یہ بیان کریں گے کہ اگر مضارب مضاربت کا مال دوسرے شخص کو دے کر مضاربت کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ کن صورتوں میں جائز اور کن میں ناجائز ہوگا؟ اور نفع کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ پہلے مضارب کو مضاربِ اول کہتے ہیں، اور دوسرے مضارب کو مضارب ثانی کہتے ہیں، اس سے پہلے مضارب اول کا بیان تھا، اس باب میں مضارب ثانی کے احکام بیان ہوں گے۔ مصنفؒ نے بھی اول کے احکام پہلے اور دوسرے کے احکام بعد میں بیان فرمائے۔ اس باب میں کُل اکتالیس (۴۱) مسائل ہیں۔

❶ فَإِنْ ضَارَبَ الْمُضَارِبُ بِلا إِذْنٍ: لَمْ يَضْمَنْ مَا لَمْ يَعْمَلِ الثَّانِي ❷ فَإِنْ دَفَعَ بِإِذْنٍ بِالثُّلُثِ، وَ قِيلَ لَهُ: مَارَزَقَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ: فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ، وَلِلْأَوَّلِ السُّدُسُ، وَلِلثَّانِي الثُّلُثُ ❸ وَلَوْ قِيلَ لَهُ: مَا رَزَقَكَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ: فَلِلثَّانِي ثُلُثُهُ، وَ الْبَاقِي بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْأَوَّلِ نِصْفَانِ.

ترجمہ: اگر مضارب نے مضاربت کی بغیر اجازت، تو ضامن نہیں ہوگا جب تک دوسرا (مضارب) عمل نہ کرے۔اور اگر اجازت سے دیا تہائی (نفع) کے ساتھ، اور اس سے کہا گیا تھا کہ جو نفع اللہ نے دیا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہے تو مالک کیلئے آدھا ہے، اور پہلے (مضارب) کیلئے چھٹا ہے، اور دوسرے (مضارب) کیلئے تہائی ہے۔اور اگر اس سے کہا گیا تھا کہ جو نفع اللہ نے تمہیں دیا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہے، تو دوسرے (مضارب) کیلئے نفع کی تہائی ہے، اور باقی مالک اور پہلے (مضارب) کے درمیان آدھا آدھا ہے۔

تشریح:

❶ فإن ضارب المضارب .....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب نے دوسرے آدمی کے ساتھ مضاربت کی اور رأس المال اس کو دے دیا، تو محض مال دینے سے پہلا مضارب ضامن نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر دوسرا مضارب کام شروع کرے تو پہلا مضارب ضامن ہو جائے گا، اس لئے کہ جب تک دوسرا مضارب کام شروع نہ کرے رأس المال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، اور امانت دینے کی وجہ سے پہلے مضارب پر ضمان نہیں آتا۔ البتہ دوسرا مضارب جب کام شروع کرے تو اب دوسری

مضاربت ثابت ہوگئی، اور پہلے مضارب کو اس کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا وہ ربّ المال کو تاوان دینے کا ضامن ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر دوسرا مضارب کام شروع کرے تب بھی پہلے مضارب پر ضمان نہیں آئے گا، ضمان اس وقت آئے گا کہ دوسرا مضارب نفع کمائے۔ مگر فتویٰ اُس قول پر ہے جس کو متن کی عبارت میں ذکر فرمایا۔ [تقریرات الرافعی علی ہامش ردالمحتار: ۸/۵۰۹]

❷ فإن دفع بإذن بالثلث، وقيل له: ما رزقك الله ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب نے ربّ المال سے اجازت لے کر دوسرے آدمی کو مضاربت پر مال دے دیا، اور دوسرے مضارب کیلئے ایک تہائی نفع کی شرط لگائی، اور ربّ المال کی طرف سے پہلے مضارب کو کہا گیا ہے کہ جو نفع اللہ نے دیا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اب تقسیم اس طرح ہوگی کہ دوسرے مضارب کو جو نفع ہوگا اس کا آدھا حصہ ربّ المال کو ملے گا، کیونکہ اس نے پہلے مضارب کو یہی کہا ہے کہ جو نفع ہوگا وہ آدھا آدھا ہوگا، اور دوسرے مضارب کو نفع کا تہائی حصہ ملے گا، کیونکہ اس کیلئے اسی کی شرط لگائی گئی ہے، اور باقی چھٹا حصہ پہلے مضارب کیلئے بچے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سارے نفع کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے، پھر چھ کا آدھا (تین حصے) ربّ المال کو دیا جائے، اور چھ کی تہائی (دو حصے) دوسرے مضارب کو دی جائے، اور چھ کا چھٹا (ایک حصہ) پہلے مضارب کیلئے بچے گا۔

❸ ولو قيل له: ما رزقك الله فبيننا نصفان ....إلخ: یعنی اگر ربّ المال کی طرف سے پہلے مضارب کو کہا گیا تھا کہ جو نفع اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہے، تو دوسرا مضارب جو نفع کرے گا اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ شرط کے مطابق تہائی حصہ اسی کو ملے گا، اور باقی پہلے مضارب اور ربّ المال کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں ربّ المال نے اپنے لئے کُل نفع کا آدھا حصہ مقرر نہیں کیا، بلکہ پہلے مضارب کو جو ملے اس کا آدھا اپنے لئے مقرر کیا ہے، لہٰذا دوسرا مضارب جب نفع کی ایک تہائی لے جائے تو جو باقی بچے گا وہ ربّ المال اور پہلے مضارب کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔ مثلاً کُل نفع کے چھ حصے کرکے ایک تہائی (دو حصے) دوسرا مضارب لے گیا، اور باقی چار حصے آدھا آدھا کرکے دو ربّ المال کو اور دو پہلے مضارب کو ملیں گے۔

❹ وَلَوْ قِيلَ لَهُ: مَا رَبِحتَ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ، وَدَفَعَ بِالنِّصْفِ: فَلِلثَّانِي النِّصْفُ، وَ اسْتَوَيَا فِيمَا بَقِيَ ❺ وَلَوْ قِيلَ لَهُ: مَا رَزَقَ اللهُ فَلِي نِصْفُهُ، أَوْ: مَا كَانَ مِنْ فَضْلٍ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ، فَدَفَعَ بِالنِّصْفِ: فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ، وَ لِلثَّانِي النِّصْفُ، وَلَا شَيْءَ لِلْأَوَّلِ ❻ وَ لَوْ شَرَطَ لِلثَّانِي ثُلُثَيْهِ: ضَمِنَ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسًا.

ترجمہ: اور اگر مضارب سے کہا گیا کہ جو کچھ نفع تجھے حاصل ہو وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہے، اور (پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کو) آدھے پر دیا، تو دوسرے کیلئے نصف ہے، اور (ربّ المال اور پہلا مضارب) برابر ہوں گے باقی میں۔ اور اگر مضارب سے کہا گیا: جو کچھ اللہ نے دیا میرے لئے اس کا آدھا ہے، یا (کہا گیا کہ:) جو نفع ہو وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہے، پھر (پہلے مضارب نے

دوسرے مضارب کو) آدھے پر دیا، تو مالک کیلئے آدھا ہے، اور دوسرے مضارب کیلئے (بھی) آدھا ہے، اور پہلے مضارب کیلئے کچھ بھی نہیں۔

اور اگر دوسرے مضارب کیلئے شرط لگائی نفع کی دو تہائی کی، تو (پہلا مضارب) ضامن ہوگا دوسرے کیلئے چھٹے حصے کا۔

تشریح:

④ ولو قيل له: ماربحت فبيننا نصفان ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ربّ المال کی طرف سے مضارب کو کہا گیا کہ جو کچھ تم نفع کماؤ گے وہ ہمارے مابین آدھا آدھا ہوگا، پھر مضارب نے دوسرے آدمی کو مضاربت پر مال دیا، اور اس کیلئے آدھے نفع کی شرط لگائی، تو دوسرا مضارب جتنا نفع کمائے گا شرط کے مطابق اس کا آدھا حصہ دوسرے مضارب کو ملے گا، اور باقی نصف میں ربّ المال اور پہلا مضارب برابر شریک ہوں گے، کیونکہ ربّ المال نے پہلے مضارب سے یہی کہا تھا کہ جو کچھ تم کماؤ گے وہ آدھا آدھا ہوگا، اور پہلے مضارب نے آدھا نفع کمایا، لہٰذا وہ آدھا نفع ربّ المال اور پہلے مضارب کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کُل نفع کے چار حصے ہوں گے، دو حصے دوسرا مضارب لے جائے گا، اور باقی دو حصوں میں سے ایک ربّ المال کو اور ایک پہلے مضارب کو ملے گا۔

⑤ ولو قيل له: مارزق الله فلي نصفه، أو....إلخ: اگر ربّ المال کی طرف سے مضارب کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نفع دے گا میرے لئے اس کا آدھا ہوگا، یا کہا گیا کہ جو کچھ زائد نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا، پھر مضارب نے دوسرے آدمی کے ساتھ مضاربت کی، اور اس کو آدھے نفع کی شرط پہ مال دے دیا، تو اس صورت میں شرط کے مطابق کُل نفع کا آدھا حصہ دوسرے مضارب کو ملے گا، اور دوسرا آدھا حصہ ربّ المال کو ملے گا، کیونکہ اس نے اپنے لئے اسی کی شرط لگائی تھی کہ جو کچھ نفع ہوگا اس کا آدھا میرا ہے، اور پہلے مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ آدھا نفع دوسرا مضارب اور آدھا ربّ المال لے گیا، باقی کچھ بھی نہ بچا۔

⑥ ولو شرط للثاني ثلثيه: ضمن الأول للثاني سدسًا: یعنی مذکورہ صورت میں اگر پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کیلئے دو تہائی نفع کی شرط لگائی، تو پہلا مضارب چھٹے حصے کا ضامن ہو کر اپنی جیب سے دوسرے مضارب کو دے دے، تا کہ اس کی دو تہائی مکمل ہو جائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کُل نفع کے چھ حصے کیے جائیں، پھر آدھا نفع (تین حصے) ربّ المال کو دیا جائے، اور باقی تین حصے دوسرے مضارب کو دیے جائیں، اور پہلا مضارب اپنی جیب سے ایک اور حصہ بھی دوسرے مضارب کو دے دے، اس طرح ربّ المال کو آدھا نفع (تین حصے) ملا، اور دوسرے مضارب کو دو تہائی نفع (چار حصے) ملا، اور پہلے مضارب کو چھٹے حصے کا نقصان ہو گیا۔

> ⑦ وَإِنْ شَرَطَ لِلْمَالِكِ ثُلُثَهُ، وَلِعَبْدِهِ ثُلُثَهُ عَلَى أَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ، وَلِنَفْسِهِ ثُلُثَهُ: صَحَّ ⑧ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ⑨ أَوْ بِلُحُوقِ الْمَالِكِ مُرْتَدًّا ⑩ وَيَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ إِنْ عَلِمَ ⑪ وَإِنْ عَلِمَ وَالْمَالُ عُرُوضٌ: بَاعَهَا ⑫ ثُمَّ لَا يَتَصَرَّفُ فِي ثَمَنِهَا.

ترجمہ: اور اگر (مضارب نے) مالک کیلئے شرط لگائی نفع کی تہائی کی، اور اس کے غلام کیلئے نفع کی تہائی کی، اس شرط پر کہ وہ

کام کرے گا مضارب کے ساتھ، اور اپنے لئے (شرط لگائی) نفع کی تہائی کی، تو صحیح ہے۔ اور (مضاربت) باطل ہو جائے گی ان دونوں میں سے ایک کی موت سے۔ یا مالک کے دارالحرب چلے جانے سے مرتد ہو کر۔ اور (مضارب) معزول ہو جاتا ہے مالک کے معزول کر دینے سے، بشرطیکہ (مضارب کو) علم ہو جائے۔ اور اگر علم ہو گیا اور مال سامان ہے تو اس کو فروخت کر دے۔ پھر اس کے ثمن میں تصرف نہ کرے۔

تشریح:

❼ وإن شرط للمالک ثلثه، ولعبده ثلثه....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب نے ربّ المال کیلئے تہائی نفع کی شرط لگائی، اور ربّ المال کے غلام کیلئے اس شرط پر تہائی نفع کی شرط لگائی کہ غلام مضارب کے ساتھ کام کرے گا، اور مضارب نے اپنے لئے بھی تہائی نفع کی شرط لگائی، تو ایسا کرنا صحیح ہے، کیونکہ ربّ المال کے غلام کیلئے نفع کی شرط لگانا بعینہ ربّ المال کیلئے لگانا ہے، تو گویا ربّ المال کیلئے دو تہائی نفع کی شرط لگائی گئی۔ اور غلام کے کام کرنے کی شرط لگانا بھی صحیح ہے، کیونکہ مولیٰ کی اجازت سے غلام میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ مولیٰ کے مال میں کام کرے۔

❽ وتبطل بموت أحدهما: مسئلہ یہ ہے کہ ربّ المال یا مضارب میں سے کسی ایک کی موت سے مضاربت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ مضاربت حقیقت میں وکالت ہے، جیسا کہ کتاب المضاربة مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا، اور وکالت موت کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے، جیسا کہ کتاب الوکالة/باب عزل الوکیل مسئلہ نمبر (۲) میں گزر چکا ہے۔

❾ أو بلحوق المالک مرتدا: یہ عطف ہے بموت پر، أي: تبطل بلحوق المالک مرتدا. یعنی اگر ربّ المال مرتد ہو کر (العیاذ باللہ) دارالحرب چلا گیا تو اس سے بھی مضاربت ختم ہو جائے گی، کیونکہ مرتد ہو کر دارالحرب جانا موت کے حکم میں ہے، جیسا کہ کتاب الجهاد/باب المرتدین مسئلہ نمبر (۱۰) میں گزر گیا ہے۔

مضارب کے مرتد ہو کر دارالحرب جانے سے مضاربت باطل نہیں گی، کیونکہ رأس المال مضارب کی ملک میں نہیں ہے، بلکہ ربّ المال کی ملک میں ہے، لہٰذا اسی کے ارتداد کی وجہ سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔

❿ وینعزل بعزله إن علم: اگر ربّ المال نے مضارب کو معزول کر دیا تو وہ معزول ہو جائے گا، بشرطیکہ مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہو جائے، لہٰذا اس کے بعد وہ رأس المال میں تصرف نہیں کر سکتا، کیونکہ مضارب حقیقت میں وکیل ہے، اور وکیل معزول کر دینے سے معزول ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر ربّ المال نے مضارب کو معزول کر دیا، مگر مضارب کو اپنی معزولی کا علم نہ ہوا تو وہ معزول نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے بعد اگر اس نے کوئی تصرف کیا تو صحیح ہے۔

⓫ وإن علم والمال عروض: باعها: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہو گیا مگر اس کے پاس جو مال موجود ہے وہ سامان ہے، تو معزولی کے باوجود وہ اس سامان کو فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ نفع میں مضارب شریک ہے، اور نفع معلوم کرنے کیلئے فروخت کرنا ضروری ہے۔

⑫ ثم لا يتصرّف في ثمنها: یعنی مذکورہ صورت میں جب مضارب نے سامان کوفروخت کر دیا تو اس کے ثمن میں تصرف نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ معزول ہوگیا ہے، اور تصرف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

⑬ وَلَوْ اِفْتَرَقَا وَفِي الْمَالِ دُيُوْنٌ، وَرِبْحٌ: أُجْبِرَ عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُوْنِ ⑭ وَإِلَّا: لَا يَلْزَمُهُ الْاِقْتِضَاءُ ⑮ وَيُوَكِّلُ الْمَالِكَ عَلَيْهِ ⑯ وَالسِّمْسَارُ يُجْبَرُ عَلَى التَّقَاضِي ⑰ وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ: فَمِنَ الرِّبْحِ ⑱ فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ: لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ:

ترجمہ: اور اگر (رب المال اور مضارب) الگ ہو گئے، اور مال میں دیون اور نفع ہیں، تو (مضارب کو) مجبور کیا جائے گا دیون وصول کرنے پر۔ ورنہ اس پر لازم نہیں ہوگا وصول کرنا۔ اور (مضارب) مالک کو وکیل بنائے وصول کرنے پر۔ اور دلّال کو مجبور کیا جائے گا وصول کرنے پر۔ اور جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال میں سے وہ نفع میں سے ہوگا۔ اور اگر ہلاک ہونے والا مال بڑھ گیا نفع سے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح:

⑬ ولو افترقا وفي المال ديون.... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب المال اور مضارب نے مضاربت کو ختم کر کے الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا، اور مضاربت کے مال میں لوگوں پر دیون بھی ہیں اور نفع بھی ہوا ہے، تو مضارب کو مجبور کیا جائے گا کہ لوگوں سے دیون وصول کرلے، کیونکہ مضارب کو جو نفع ملتا ہے وہ گویا اس کی مزدوری ہے، اور مزدور پر لازم ہے کہ کام کو مکمل کر دے، اور مضاربت کا کام اسی وقت مکمل ہوگا کہ لوگوں سے دیون کو وصول کرلیا جائے، لہٰذا یہ مضارب کی ذمہ داری ہے کہ دیون وصول کرے۔

⑭ وإلّا: لايلزمه الاقتضاء: أي: وإن لا يربح: لا يلزمه الاقتضاء. یعنی اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا، تو مضارب کو دیون وصول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایسی صورت میں مضارب کو نفع نہیں ملتا، لہٰذا وہ مزدور کے حکم میں نہیں ہے، بلکہ کام کرنے میں محض وکیل اور متبرع ہے، اور وکیل پر جبر نہیں کیا جاسکتا کہ لوگوں سے دیون وصول کرے۔

⑮ ويوكّل المالك عليه: یعنی مذکورہ صورت میں (کہ مضارب کو دیون وصول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو) دیون وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مضارب رب المال کو اپنا وکیل بنائے، اور پھر رب المال خود جا کر لوگوں سے دیون وصول کرے۔ وکیل بنانا اس لئے ضروری ہے کہ اصل عاقد مضارب ہے، اسی نے لوگوں کو دیون دیئے ہیں، رب المال عقد سے اجنبی ہے، وہ لوگوں سے دَین کا مطالبہ نہیں کرسکتا، لیکن جب مضارب رب المال کو وکیل بنادے تو رب المال وکیل بن کر لوگوں سے دَین وصول کرسکتا ہے۔

⑯ والسمسار يُجبر على التقاضي: سمسار کے معنی ہیں: دلّال، یہ وہ شخص ہے جو بائع و مشتری کے درمیان ہوتا ہے، ایک کو دوسرے سے ملاتا ہے، ان کا سودا کرواتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر دلّال نے کسی چیز کو ادھار پر فروخت کر دیا تو بائع

اس کو دَین وصول کرنے پر مجبور کرسکتا ہے، کیونکہ عام طور پر دلّال اپنے کام کی اُجرت لیتا ہے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ اپنا کام مکمل کردے، اور کام اس وقت مکمل ہوجائے گا کہ وہ مشتری سے دَین وصول کرکے بائع کو سپرد کردے۔

⑰ وما هلك من مال المضاربة فمن الربح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضاربت کے مال میں سے کچھ ہلاک ہو گیا، یا نقصان ہوگیا، تو وہ نفع سے ہلاک ہوگا، نہ کہ رأس المال سے، کیونکہ رأس المال اصل ہے، اور نفع اس کا تابع ہے، اور نقصان کو تابع کی طرف پھیرا جائے گا، تاکہ اصل محفوظ رہے۔

⑱ فإن زاد الهالك على الربح: لم يضمن المضارب: اگر مضاربت کے مال میں ہلاکت یا نقصان نفع سے بڑھ گیا، اور رأس المال بھی اس میں چلا گیا، تو مضارب پر اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ مضارب نے مال پر جو قبضہ کیا ہے وہ امانت کا قبضہ ہے، اور امانت کے قبضہ میں اَمین پر ضمان نہیں آتا۔

⑲ وَإِنْ قُسِمَ الرِّبْحُ، وَبَقِيَتِ الْمُضَارَبَةُ، ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ، أَوْ بَعْضُهُ: تَرَادَّا الرِّبْحَ؛ لِيَأْخُذَ الْمَالِكُ رَأْسَ مَالِهِ ⑳ وَمَا فَضَلَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا ㉑ وَإِنْ نَقَصَ: لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ ㉒ وَإِنْ قُسِمَ الرِّبْحُ، وَ فُسِخَتْ ثُمَّ عَقَدَاهَا، فَهَلَكَ الْمَالُ: لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْأَوَّلَ.

ترجمہ: اور اگر نفع کو تقسیم کردیا گیا اور مضاربت باقی رہی، پھر مال ہلاک ہوگیا، یا اس کا بعض (ہلاک ہوگیا) تو دونوں نفع لوٹائیں تاکہ مالک اپنا رأس المال لے لے۔ اور جو بچ جائے وہ دونوں کے درمیان (تقسیم) ہوگا۔ اور اگر کم پڑ گیا تو مضارب ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر نفع کو تقسیم کردیا گیا اور (مضاربت کو) فسخ کردیا گیا، پھر دونوں نے مضاربت کا عقد کیا، پھر مال ہلاک ہوگیا، تو دونوں پہلا نفع نہ لوٹائیں۔

تشریح:

⑲ وإن قُسم الربح، وبقيت المضاربة....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ربّ المال اور مضارب نے نفع کو آپس میں تقسیم کردیا اور مضاربت کو باقی رکھا، اس کے بعد سارا رأس المال یا اس کا بعض حصہ ہلاک ہوگیا، تو اب حکم یہ ہے کہ ان دونوں نے جو نفع وصول کیا ہے وہ واپس لاکر مال میں شامل کریں، تاکہ سب سے پہلے ربّ المال اپنا رأس المال پورا لے لے، کیونکہ رأس المال اصل ہے، لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ رأس المال میں نقصان ہوجائے اور نفع ان کی جیب میں صحیح سالم رہے، تو جو نفع وہ لے گئے ہیں وہ واپس لاکر میدان میں رکھ دیں، تاکہ ربّ المال کو اپنا رأس المال پورا مل جائے، اس کے بعد اگر کچھ بچ گیا تو اس نفع کو آپس میں تقسیم کریں۔

⑳ وما فضل فهو بينهما: یعنی ماقبل صورت میں جب دونوں نے نفع واپس لاکر مال میں شامل کردیا، اور ربّ

المال نے اپنا پورا رأس المال وصول کرلیا، اس کے بعد جو کچھ نفع بچ جائے تو وہ آپس میں تقسیم کریں۔

㉑ وإن نقص: لم يضمن المضارب: یعنی ماقبل صورت میں جب دونوں نے نفع واپس لاکر شامل کردیا اس کے بعد بھی رأس المال پورا نہیں ہوا، اس میں کمی رہی، تو اس نقصان کا تاوان مضارب پر نہیں آئے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۸) میں بیان ہوا۔

㉒ وإن قسم الربح، وفسخت، ثم عقداها.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ربّ المال اور مضارب نے نفع کو آپس میں تقسیم کرکے مضاربت ختم کردی، اس کے بعد دوسرا عقدِ مضاربت کیا، پھر دوسری مضاربت میں رأس المال ہلاک ہوگیا، تو پہلی مرتبہ جو نفع لے گئے ہیں وہ واپس لاکر شامل نہ کریں، اس لئے کہ پہلی مضاربت انتہاء کو پہنچ کر ختم ہوگئی، دوسرے عقد کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا، لہٰذا دوسرے عقد کی کمی کو پہلے عقد کے نفع سے پورا نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

☆☆☆

﴿فَصْلٌ﴾

أي: هذا فصل في ما يفعله المضارب. یعنی یہ فصل ان تصرفات کے بارے میں ہے جن کو مضارب انجام دیتا ہے۔

مضارب جو تصرفات وافعال کرتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں: ﴿۱﴾ پہلی قسم وہ تصرفات ہیں جو مطلق عقد کی وجہ سے مضارب کیلئے جائز ہوجاتے ہیں، یہ وہ تصرفات ہیں جو تجارت میں تجار کے ہاں معروف ومعتاد ہیں۔ ﴿۲﴾ دوسری قسم وہ تصرفات ہیں جو مضارب کیلئے جائز نہیں ہیں، مگر یہ کہ ربّ المال اس سے کہے کہ: ''تم اپنی رائے کے مطابق عمل کرو''، جیسے دوسرے آدمی کے ساتھ مضاربت کرنا، شرکت کرنا وغیرہ۔ ﴿۳﴾ تیسری قسم وہ تصرفات ہیں کہ مضارب کی طرف سے ''تم اپنی رائے پر عمل کرو'' کہنے سے بھی مضارب کیلئے کرنا جائز نہیں ہوتے، جیسے دَین لینا، غلام آزاد کرنا، قرض دینا وغیرہ۔ مصنفؒ نے مضارب کے ان مختلف تصرفات سے متعلق بعض مسائل اس سے پہلے بیان فرمائے، اب چند مسائل یہاں بیان فرمائیں گے۔ اس فصل میں کُل انیس (۱۹) مسائل بیان فرمائے ہیں۔

㉓ وَلَا تَفْسُدُ الْمُضَارَبَةُ بِدَفْعِ الْمَالِ إِلَى الْمَالِكِ بِضَاعَةً ㉔ فَإِنْ سَافَرَ: فَطَعَامُهُ، وَشَرَابُهُ، وَكُسْوَتُهُ، وَرُكُوبُهُ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ ㉕ وَإِنْ عَمِلَ فِي الْمِصْرِ: فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ، كَالدَّوَاءِ ㉖ فَإِنْ رَبِحَ: أَخَذَ الْمَالِكُ مَا أَنْفَقَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ.

ترجمہ: اور مضاربت فاسد نہیں ہوگی مالک کو مال دینے سے بطور بضاعت۔ اور اگر (مضارب) سفر کرے تو اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کا کپڑا اور اس کی سواری مضاربت کے مال میں سے ہوں گے۔ اور اگر شہر کے اندر کام کرے تو اس کا خرچہ اپنے مال سے

ہوگا، جیسے دوائی۔اور اگر نفع کرے تو مالک لے لے جس قدر (مضارب نے) خرچ کیا ہے رأس المال سے۔

تشریح:

⑥ **ولا تفسد المضاربة بدفع المال ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضارب نے مضاربت کا مال ربّ المال کو بضاعت کے طور پر دے دیا تو اس سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی۔ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مضاربت فاسد ہو کر ختم ہو جائے گی، کیونکہ ربّ المال خود مال میں تصرف کرنے لگا، جس کی وجہ سے مضارب کا تصرف ختم ہو گیا، حالانکہ تصرف کرنا مضارب کا کام ہے، نہ کہ ربّ المال کا۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ربّ المال بضاعت کے طور پر جو تصرف کر رہا ہے وہ مضارب کا وکیل بن کر اس کی رضامندی سے کر رہا ہے، لہٰذا ربّ المال کے تصرف سے مضارب کا تصرف ختم نہیں ہوتا، اس لئے مضاربت کا عقد صحیح و برقرار ہے۔

⑥ **فإن سافر: فطعامه، وشرابه، وكسوته ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضارب تجارت کرنے کیلئے سفر کرتا ہے تو سفر میں اس کا کھانا پینا، اس کے کپڑے اور سواری وغیرہ تمام خرچے مالِ مضاربت سے ہوں گے، کیونکہ خرچہ ونفقہ احتباس (روکنے) اور مشغولیت کی بنیاد پر ملتا ہے، جیسے قاضی عام لوگوں کے کام میں مشغول ہوتا ہے، تو اس کا نفقہ بھی عام لوگوں کے مال (بیت المال) میں سے ہوگا، بالکل اسی طرح مضارب ربّ المال کے مال میں مشغول ومحبوس ہوتا ہے، لہٰذا اس کا نفقہ خرچہ بھی مضاربت کے مال سے ہوگا۔

⑥ **وإن عمل في المصر: فنفقته في ماله، كالدواء:** اگر مضارب اپنے شہر میں رہ کر کاروبار کرتا ہے تو اس کا نفقہ خرچہ اپنے مال سے ہوگا، مضاربت کے مال سے نہ ہوگا، کیونکہ اپنے شہر میں وہ اپنی اصلی سکونت سے رہتا ہے، مضاربت کی خاطر محبوس (روکا ہوا) ومشغول نہیں ہے، لہٰذا خرچہ بھی اپنے مال سے کرے، جیسے دوائی اور علاج معالجہ کا خرچہ مضارب کے اپنے مال سے ہوگا، خواہ سفر میں ہو یا اپنے شہر میں، کیونکہ علاج انسانی عوارض کی وجہ سے ہوتا ہے، مضاربت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

⑥ **فإن ربح: أخذ المالكُ ما أنفق من رأس المال:** أنفق میں ضمیر کا مرجع مضارب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضارب کو کاروبار میں نفع ہو جائے تو اس نے رأس المال سے جس قدر خرچہ کیا ہے ربّ المال سب سے پہلے وہ خرچہ نفع سے لے کر اپنا رأس المال مکمل کر کے وصول کرے، اس کے بعد جو بچ جائے وہ نفع ہے، اس کو آپس میں تقسیم کریں، مثلاً رأس المال دس ہزار روپے ہے، مضارب نے ایک ہزار کا خرچہ کیا، اور پھر دو ہزار کا نفع ہوا، تو ربّ المال سب سے پہلے نفع سے اپنا رأس المال پورا کر کے لے لے، اس کے بعد ایک ہزار روپے جو بچ جائیں وہ صافی نفع ہیں، اس کو آپس میں تقسیم کریں۔[1]

☆☆☆

---

① مضارب کا خرچہ نفقہ ایسا ہے جیسے مال ہلاک ہو جائے، اور مسئلہ نمبر (۱۷) میں بیان ہوا کہ ہلاک شدہ مال کو نفع سے پورا کیا جائے گا، لہٰذا یہاں بھی خرچے کو نفع سے لے کر رأس المال کو مکمل کیا جائے گا، اس کے بعد جو بچ جائے اس کو نفع میں تقسیم کیا جائے گا۔

⑫ فَإِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً: حُسِبَ مَا أَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ، لَا عَلَى نَفْسِهِ
⑬ وَلَوْ قَصَرَهُ، أَوْ حَمَلَهُ بِمَالِهِ، وَقِيلَ لَهُ: اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ: فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ
⑭ وَإِنْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ: فَهُوَ شَرِيكٌ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ⑮ وَلَا يَضْمَنُ.

ترجمہ: اور اگر سامان کو فروخت کر دیا نفع پر، تو جو خرچ کیا ہے سامان پر اس کو شمار کیا جائے گا، نہ کہ اپنے آپ پر۔ اور اگر (کپڑا) دُھلوایا، یا اس کو اٹھوایا اپنے مال سے اور اس سے کہا گیا تھا کہ: ''اپنی رائے پر عمل کرو''، تو وہ اِحسان کرنے والا ہے۔ اور اگر کپڑے کو سُرخ رنگ دیا، تو وہ شریک ہوگا جس قدر رنگ نے اس میں زیادتی کی ہے۔ اور ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح:

⑫ **فإن باع المتاع مرابحة: حسب**.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب نے ہزار روپے میں کپڑا خریدا، سو روپے اس پر خرچ کر کے اُسے رنگایا، اور سو روپے اپنے کھانے پینے پر خرچ کیے، اب اگر مضارب اس کپڑے کو نفع پر بیچنا چاہے تو کپڑے کی رنگائی پر جو خرچ آیا ہے اس کو حساب میں لگا کر گیارہ سو پر نفع کمائے، یعنی لوگوں سے کہے کہ یہ کپڑا مجھے گیارہ سو میں پڑا ہے، گیارہ سو پر جتنا نفع کمانا چاہے کما سکتا ہے۔ مضارب نے اپنے کھانے پینے پر جو خرچ کیا ہے اس کو حساب میں نہ لگائے، اس لئے کہ رنگائی کی وجہ سے کپڑے کی قیمت میں زیادتی آئی ہے، لہٰذا رنگائی کے خرچے کو حساب میں شامل کیا جائے گا، جبکہ کھانے پینے سے کپڑے میں کوئی زیادتی نہیں آتی، اس لئے اس خرچے کو حساب میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

⑬ **ولو قصره، أو حمله بماله، وقيل له: اعمل**.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ربّ المال کی طرف سے مضارب کو کہا گیا کہ: ''تم اپنی رائے پر عمل کرو''، پھر مضارب نے رأس المال سے کپڑا خریدا، اور اپنے شخصی مال سے کپڑے کو دھلوایا، یا اٹھوا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا،① تو اس خرچے میں مضارب اِحسان کرنے والا ہے، لہٰذا وہ اس خرچے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ مضارب جب از خود کوئی خرچہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ربّ المال پر دَین بڑھا رہا ہے، حالانکہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

اگر ربّ المال نے مضارب کو یہ نہیں کہا تھا کہ: ''اپنی رائے پر عمل کرو''، اور پھر مضارب نے اپنے مال سے دھلائی یا اٹھوانے کا خرچہ کیا، تو بطریقِ اولیٰ وہ اِحسان کرنے والا ہوگا۔

⑭ **وإن صبغه أحمر: فهو شريك بما زاد**.....إلخ: یعنی ماقبل مسئلے میں اگر مضارب نے اپنے مال سے کپڑے کو سرخ رنگ② سے رنگایا، تو رنگ کی وجہ سے کپڑے کی قیمت میں جتنی زیادتی ہوئی ہے اس کے بقدر مضارب ربّ المال کا شریک ہو جائے

---

① اس سے مراد ایسا خرچہ ہے جس کی وجہ سے کپڑے میں زیادتی نہیں آتی یعنی اس کی قیمت نہیں بڑھتی۔

② سرخ رنگ سے مراد ہر ایسا رنگ یا تصرف ہے جس کی وجہ سے کپڑے میں زیادتی آئے، اور قیمت بڑھ جائے۔

گا، مثلاً مضارب نے رأس المال کے ہزار روپے سے کپڑا خریدا، اور پھر اپنے مال سے سو روپے میں کپڑے کو سرخ رنگ دیا، جس کی وجہ سے کپڑے کی قیمت گیارہ سو روپے ہوگئی، تو مضارب کپڑے کے گیارہویں حصے میں ربّ المال کا شریک ہوگیا، کیونکہ رنگ مال ہے، جو کپڑے کے ساتھ متصل ہوگیا، اور اس کی وجہ سے کپڑے کی قیمت بڑھ گئی ہے، لہٰذا لازماً مضارب ربّ المال کا شریک ہو جائے گا۔

۞ **ولا یضمن:** یعنی مذکورہ صورت میں جب مضارب اپنے مال سے کپڑے کو سرخ رنگ دے تو وہ ربّ المال کو کپڑے کی قیمت کا تاوان نہیں دے گا، کیونکہ ربّ المال نے اس سے کہا ہے کہ: ''تم اپنی رائے پر عمل کرو''، لہٰذا مضارب کو اس طرح تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، اور اس نے کپڑے کو سرخ رنگ دے کر کوئی ناجائز عمل نہیں کیا ہے۔

۞ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ، فَاشْتَرٰى بِهٖ بَزًّا، وَبَاعَهُ بِأَلْفَيْنِ، وَاشْتَرٰى بِهِمَا عَبْدًا، فَضَاعَا: غَرِمَا أَلْفًا، وَالْمَالِكُ أَلْفًا ۞ وَرُبُعُ الْعَبْدِ لِلْمُضَارِبِ، وَبَاقِيهِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ ۞ وَرَأْسُ الْمَالِ أَلْفَانِ وَخَمْسُمِائَةٍ ۞ وَيُرَابِحُ عَلٰى أَلْفَيْنِ ۞ وَإِنْ اِشْتَرٰى مِنَ الْمَالِكِ بِأَلْفٍ عَبْدًا اِشْتَرَاهُ بِنِصْفِهٖ: رَابَحَ بِنِصْفِهٖ.

ترجمہ: مضارب کے پاس ہزار ہیں آدھے نفع پر، پھر اس سے کپڑا خریدا، اور اس کو فروخت کر دیا دو ہزار سے، اور ان سے غلام خریدا، پھر دونوں (ہزار) ضائع ہوگئے، تو (ربّ المال اور مضارب) دونوں ہزار کا تاوان دیں، اور مالک ہزار کا (تاوان دے)۔ اور غلام کی چوتھائی مضارب کی ہے، اور باقی مضاربت پر ہے۔ اور رأس المال دو ہزار پانچ سو ہے۔ اور نفع کرے دو ہزار پر۔ اور اگر (مضارب نے) مالک سے ہزار میں غلام خریدا جس کو (مالک نے) ہزار کے نصف میں خریدا تھا، تو (مضارب) نفع کرے ہزار کے نصف پر۔

تشریح:

۞ **معه ألف بالنصف، فاشترٰی به بزًّا ....إلخ:** بزّ کپڑوں کی ایک خاص قسم کو کہتے ہیں، یہاں مطلق کپڑا مراد ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ربّ المال نے مضارب کو ہزار روپے آدھے نفع پر دے دیئے، مضارب نے اس رقم سے کپڑا خریدا، اور پھر اس کو دو ہزار میں فروخت کر دیا، ایک ہزار نفع میں سے پانچ سو ربّ المال کے اور پانچ سو مضارب کے حصہ میں آئیں، پھر مضارب نے ان دو ہزار سے ایک غلام خریدا اور اس کا ثمن ادا کرنے سے پہلے ہی وہ دو ہزار روپے ضائع ہوگئے، تو اب غلام کا ثمن ادا کرنے کیلئے ربّ المال اور مضارب دونوں مل کر ایک ہزار کا تاوان دیں، پانچ سو ربّ المال اور پانچ سو مضارب دے۔ اور پھر ربّ المال اکیلا ہزار روپے کا تاوان دے، تو غلام کے ثمن میں ربّ المال نے پندرہ سو دیئے، اور مضارب نے پانچ سو دیئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا جب دو ہزار میں فروخت ہوا تو اس میں ربّ المال کا حصہ پندرہ سو تھا، ہزار رأس المال اور پانچ سو نفع، اور مضارب کا حصہ پانچ سو تھا، اور پھر انہیں دو ہزار سے غلام خریدا گیا، تو ضائع ہونے کی صورت میں ہر ایک پر اپنے حصے کے بقدر تاوان ادا کرنا لازم ہے۔

۲۲ وربع العبد للمضارب، وباقیه علی المضاربة: یعنی مذکورہ صورت میں جب غلام کا ثمن ادا کر دیا گیا تو اس کا چوتھا حصہ مضارب کا ہوگا، اور باقی تین حصے مضاربت پر رہ کر رب المال کے ہوں گے، کیونکہ ثمن میں سے چوتھا حصہ (۵۰۰ روپے) مضارب نے ادا کر دیا، اور تین حصے (۱۵۰۰ روپے) رب المال نے دیئے، لہٰذا ہر ایک ثمن کے ادا کردہ حصے کے بقدر غلام کا مالک ہوگا۔

۲۳ ورأس المال ألفان، وخمسمائة: یعنی مذکورہ صورت میں مضاربت کا رأس المال دو ہزار پانچ سو روپے ہوگا، کیونکہ رب المال نے ہزار روپے شروع میں دیئے تھے، اور پندرہ سو بعد میں غلام کے ثمن میں دیئے، یہ کل پچیس سو ہو گئے، اور یہ سب رأس المال میں سے ہوں گے۔

۲۴ ویرابح علی ألفین: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مضارب غلام فروخت کرے گا تو دو ہزار پر نفع کمائے، یعنی لوگوں سے کہے کہ یہ غلام مجھے دو ہزار میں پڑا ہے، پھر اس پر جتنا نفع کمانا چاہے کمائے، کیونکہ مضارب نے یہ غلام دو ہزار میں خریدا ہے، لہٰذا لوگوں کو دو ہزار ہی بتا کر نفع کمائے۔

۲۵ وإن اشتری من المالک بألف عبدا اشتراه ....إلخ: عبدا موصوف ہے اور اشتراہ اس کی صفت ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ رب المال نے پانچ سو روپے میں غلام خریدا، اور پھر مضارب نے وہ غلام رب المال سے ہزار روپے میں خرید لیا، اب اگر مضارب اس غلام پر نفع کمانا چاہے تو پانچ سو پر کمائے، یعنی لوگوں سے کہے کہ یہ غلام مجھے پانچ سو میں پڑا ہے، پھر اس پر جتنا کمانا چاہے کمائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مضارب نے رب المال کا غلام رب المال کے ہزار روپے سے خریدا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے رب المال خود اپنے آپ سے خرید لے، ظاہر ہے کہ اس طرح خریدنے کا اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا مضارب کا رب المال سے خریدنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ رب المال نے جتنے ثمن میں خریدا ہے وہ لوگوں کو بتا کر نفع کمائے، تاکہ معاملہ خیانت اور جھوٹ سے پاک رہے۔

> ۲۶ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ، فَاشْتَرَىٰ بِهِ عَبْدًا قِيمَتُهُ أَلْفَانِ، فَقَتَلَ رَجُلًا خَطَأً: فَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى الْمَالِكِ، وَرُبُعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ ۲۷ وَالْعَبْدُ يَخْدُمُ الْمَالِكَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَالْمُضَارِبَ يَوْمًا ۲۸ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَىٰ بِهِ عَبْدًا، فَهَلَكَ الثَّمَنُ قَبْلَ النَّقْدِ: دَفَعَ الْمَالِكُ أَلْفًا آخَرَ، ثُمَّ، وَثُمَّ ۲۹ وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا دَفَعَ.

ترجمہ: مضارب کے پاس ہزار ہیں آدھے نفع پر، پھر (مضارب نے) اس سے ایک غلام خریدا جس کی قیمت دو ہزار ہے، پھر (غلام نے) ایک آدمی کو خطاءً قتل کر دیا، تو فدیہ کی تین چوتھائیاں مالک پر ہیں، اور اس کی ایک چوتھائی مضارب پر ہے۔ اور غلام مالک کی خدمت کرے گا تین دن اور مضارب کی ایک دن۔ مضارب کے ساتھ ہزار ہیں، پھر اس سے ایک غلام خریدا، پھر ثمن ادا کرنے سے پہلے ہلاک ہو گیا، تو مالک اور ہزار دے، پھر دے، پھر دے۔ اور رأس المال کل رقم ہے جو اس نے دی ہے۔

تشریح:

⑩ معه ألف بالنصف، فاشترى به عبدا.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ رب المال نے مضارب کو ہزار روپے آدھے نفع پر دے دیئے، مضارب نے اس رقم سے غلام خریدا جس کی قیمت دو ہزار روپے ہے①، پھر غلام نے ایک آدمی کو خطاءً قتل کر دیا، تو مقتول کا فدیہ (دیت) رب المال اور مضارب پر ان کی ملکیت کے بقدر لازم ہوگا، یعنی غلام میں ہر ایک کی جتنی ملکیت ہے اسی کے بقدر وہ فدیہ ادا کرے، لہٰذا فدیہ کی تین چوتھائیاں رب المال پر ہیں، اور ایک چوتھائی مضارب ادا کرے، اس لئے کہ غلام کی قیمت (دو ہزار) میں رب المال کی تین چوتھائیاں (پندرہ سو) ہیں، ایک ہزار رأس المال اور پانچ سو نفع، اور مضارب کی ایک چوتھائی (پانچ سو نفع) ہے، لہٰذا ان پر مقتول کا فدیہ بھی اسی حساب سے لازم ہوگا، کیونکہ فدیہ ملکیت کا خرچہ ہے، تو جس قدر ملکیت ہوگی اسی قدر فدیہ لازم ہوگا۔

⑪ والعبد يخدم المالک ثلاثة أيام، والمضارب يوما: مذکورہ صورت میں جب غلام کی جنایت کے فدیہ میں رب المال نے تین حصے اور مضارب نے ایک حصہ ادا کر دیا، تو اسی کے بقدر دونوں غلام کے مالک ہوگئے، لہٰذا غلام کے تین حصوں کا مالک رب المال اور ایک حصے کا مالک مضارب ہے، لہٰذا غلام تین دن رب المال کی خدمت کرے گا، اور ایک دن مضارب کی، یعنی غلام میں ہر ایک کی جتنی ملکیت ہوگی اسی کے بقدر وہ غلام سے خدمت لے۔

⑫ معه ألف، فاشترى به عبدا، فهلک الثمن قبل.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مضارب کے پاس ہزار روپے رأس المال ہیں، اس نے اس رقم سے ایک غلام خریدا، اور ثمن ادا کرنے سے پہلے ہی وہ ہزار روپے مضارب کے پاس ضائع ہوگئے، تو رب المال پھر ہزار روپے دے دے، اگر ثمن ادا کرنے سے پہلے وہ بھی مضارب کے پاس ہلاک ہوگئے تو رب المال پھر ہزار روپے اُسے دے دے۔ حاصل یہ کہ جتنی مرتبہ مضارب کے پاس مال ہلاک ہو جائے اتنی مرتبہ رب المال پر ادا کرنا لازم ہوگا، مضارب پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ وہ وکیل ہے، اور مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، اور وکیل پر ضمان نہیں آتا۔

⑬ ورأس المال جميع ما دفع: یعنی مذکورہ صورت میں رب المال جتنی مرتبہ ہزار ہزار روپے دے گا وہ سب رأس المال شمار ہوگا، لہٰذا اگر دس مرتبہ ہزار ہزار روپے دے دیئے، تو رأس المال کُل دس ہزار روپے ہوگا، کیونکہ رب المال ہر مرتبہ مضاربت کی نیت سے دیتا ہے، اور رب المال کا مضاربت کی نیت سے مال دینا رأس المال ہی ہے۔

> ⑭ مَعَهُ أَلْفَانِ، فَقَالَ: دَفَعْتَ إِلَيَّ أَلْفًا، وَرَبِحْتُ أَلْفًا، وَقَالَ الْمَالِكُ: دَفَعْتُ أَلْفَيْنِ: فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ ⑮ مَعَهُ أَلْفٌ، فَقَالَ: هُوَ مُضَارَبَةٌ

---

① یعنی مضارب نے تو غلام کا ثمن ایک ہزار روپے ادا کیا ہے، مگر بازار میں اس کی قیمت دو ہزار روپے ہے، جب غلام کی قیمت ایک ہزار روپے بڑھ گئی تو اس میں نفع ظاہر ہوگیا، جس میں سے آدھا رب المال کا اور آدھا مضارب کا ہوگا۔

بِالنِّصْفِ، وَقَدْ رَبِحَ أَلْفًا، وَقَالَ الْمَالِكُ: بِضَاعَةٌ: فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ.

ترجمہ: مضارب کے پاس دوہزار ہیں پس اس نے (رب المال سے) کہا کہ تم نے مجھے ہزار دیئے تھے اور میں نے ہزار کمالئے ہیں، اور مالک نے کہا کہ میں نے دوہزار دیئے تھے، تو بات مضارب کی (معتبر) ہوگی۔ مضارب کے پاس ہزار ہیں، اور اس نے کہا کہ یہ مضاربت (کے) ہیں آدھے نفع پر، اور (مضارب نے) ہزار کمالئے ہیں، اور مالک نے کہا کہ (یہ بضاعت کے) ہیں، تو بات مالک کی (معتبر) ہوگی۔

تشریح:

⑳ **معه ألفان، فقال: دفعتَ إليّ ألفاً ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب کے پاس دوہزار روپے ہیں، اس نے رب المال سے کہا کہ تم نے مجھے ایک ہزار روپے دیئے ہیں اور ایک ہزار میں نے کمالئے ہیں، ربّ المال نے کہا کہ نہیں، میں نے تجھے دوہزار دیئے ہیں، تو اس اختلاف میں مضارب کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ یہاں دراصل رأس المال کی مقبوض مقدار میں اختلاف ہے، مضارب کہتا ہے کہ میں نے ایک ہزار پر قبضہ کیا ہے، اور ربّ المال کہتا ہے کہ تو نے دوہزار پر قبضہ کیا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں بھی مقبوض کی مقدار میں اختلاف ہو وہاں قابض کا قول معتبر ہوگا، اور قابض مضارب ہے، لہٰذا اُسی کا قول مانا جائے گا۔

㉑ **معه ألف، فقال: هو مضاربة بالنصف، قد ربح....إلخ:** ربح میں ضمیر کا مرجع مضارب ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مضارب کے پاس ہزار روپے ہیں، اس نے کہا کہ یہ مضاربت کی رقم ہے، ربّ المال نے مجھے آدھے نفع کی شرط پر دی ہے، اور ایک ہزار روپے اس نے نفع کمالیے ہیں، ربّ المال کہتا ہے کہ نہیں، تمہارے پاس یہ مال بطورِ بضاعت ہے، یعنی تم مفت میں میرے لئے کام کرتے ہو، لہٰذا سارا نفع میرا حق بنتا ہے، تو اس اختلاف میں ربّ المال کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ مضارب نفع میں شرکت کا دعویٰ کررہا ہے، اور ربّ المال اس کا انکار کررہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مدّعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کا قول معتبر ہوگا۔

والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْوَدِيْعَةِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الوديعة. یعنی یہ کتاب ودیعت کے احکام کے بیان میں ہے۔ودیعة لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو بطورِ امانت کسی کے پاس رکھا جائے، خواہ مال ہو یا غیر مال ہو۔ اصطلاح میں ودیعة وہ مال ہے جس کو حفاظت کیلئے دوسرے کے پاس رکھا جائے۔ ودیعت رکھنے کے عمل کو إیداع اور استیداع کہا جاتا ہے۔ ودیعت رکھنے والے کو مودِع اور مستودِع کہتے ہیں، اور جس کے پاس ودیعت رکھی جائے اس کو مودَع اور مستودَع کہتے ہیں۔

أمانة عام ہے ودیعة سے، ودیعت وہ مال ہے جس کو قصداً حفاظت کیلئے کسی کے پاس رکھا جائے، اس کو امانت بھی کہتے ہیں۔ اور وہ مال جو بلاقصد کسی کے پاس چلا جائے، مثلاً ہوا نے کسی کا کپڑا کسی اور کے گھر میں ڈال دیا تو یہ امانت ہے، ودیعت نہیں ہے۔

ودیعت اور امانت کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا. [النساء:۵۸] ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو''۔ آیت کریمہ کے الفاظ تمام امانتوں میں عام ہیں۔ حدیث میں ہے: أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ. [ترمذی] ''جس نے تجھے امین بنایا ہے اس کو امانت ادا کرو''۔ نیز ودیعت اور امانت کے جواز پر تمام امت کا اجماع ہے۔ ودیعت کے حکم کے بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی کی ودیعت اور امانت قبول کر کے اپنے پاس رکھنا مستحب ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کی مدد واعانت کرنا ہے، اور دوسرے کی مدد کرنا مستحب ہے۔ [الموسوعۃ الفقہیۃ]

مصنفؒ نے مضاربت کے بعد ودیعت کے احکام بیان فرمائیں، اس لئے کہ مضارب کے پاس جو مال مضاربت (رأس المال) ہے وہ ودیعت وامانت ہے۔ مصنفؒ نے ودیعت سے متعلق تحیس (۲۳) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ اَلْإِيْدَاعُ تَسْلِيْطُ الْغَيْرِ عَلَى حِفْظِ مَالِهِ ❷ وَالْوَدِيْعَةُ مَا يُتْرَكُ عِنْدَ الْأَمِيْنِ ❸ وَهِيَ أَمَانَةٌ، فَلَا يَضْمَنُ بِالْهَلَاكِ ❹ وَلِلْمُوْدَعِ أَنْ يَحْفَظَهَا بِنَفْسِهِ، وَبِعِيَالِهِ ❺ فَإِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ: ضَمِنَ ❻ إِلَّا أَنْ يَخَافَ الْحَرَقَ، أَوِ الْغَرَقَ، فَيُسَلِّمُهَا إِلَى جَارِهِ، أَوْ فُلْكٍ آخَرَ.

ترجمہ: ودیعت رکھنا مسلط کرنا ہے غیر کو اپنے مال کی حفاظت پر۔ اور ودیعت وہ چیز ہے جس چھوڑا جائے امین کے پاس۔ اور ودیعت امانت ہے، پس (مودَع) ضامن نہ ہوگا ہلاکت کی وجہ سے۔ اور مودَع کیلئے (اختیار) ہے کہ ودیعت کی حفاظت خود کرے، اور اپنے عیال سے کروائے۔ اور اگر عیال کے علاوہ دوسرے سے حفاظت کروائی تو ضامن ہوگا۔ مگر یہ کہ آگ سے یا غرق ہونے سے ڈرے

اور ودیعت کوتسلیم کردے اپنے پڑوسی کو، یا دوسری کشتی کو۔

تشریح:

❶ الإيداع تسليط الغير على حفظ ماله: یہ ودیعت رکھنے کے اصطلاحی معنی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ودیعت رکھنا یہ ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مسلط کردیا جائے، یعنی حفاظت کا اختیار دیا جائے۔ یہ اختیار دینا خواہ صراحتاً ہو کہ کسی سے صراحتاً کہہ دے کہ میرے مال کی حفاظت کرو، یا دلالۃً ہو، مثلاً کسی سے راستے میں کوئی چیز گرگئی اور دوسرے نے اٹھالی، تو اٹھانے والے نے اس چیز کو اٹھا کر خود اپنے اوپر حفاظت لازم کردی، لہٰذا یہ چیز اس کے ہاتھ میں ودیعت ہے۔

❷ والوديعة ما يترك عند الأمين: یہ ودیعت کی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ودیعت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو امین (امانتدار) کے پاس حفاظت کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ اور اصطلاح میں ودیعت وہ مال ہے جس کو امین کے پاس حفاظت کیلئے چھوڑ دیا جائے۔

❸ وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك: يضمن میں ضمیر کا مرجع مودَع ہے۔ یہ ودیعت کا حکم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ودیعت مودَع کے ہاتھ میں امانت ہے، لہٰذا ہلاک ہونے کی صورت میں مودَع پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مودَع اگر خائن نہ ہو تو اس پر تاوان نہیں ہوگا۔ [دارقطنی] اگر مودَع خیانت اور تجاوز کرے تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

❹ وللمودَع أن يحفظها بنفسه، وبعياله: مسئلہ یہ ہے کہ مودَع کو اختیار حاصل ہے کہ ودیعت کی حفاظت خود کرے، یا اپنے اہل وعیال سے کروائے، کیونکہ مودَع ہر وقت ودیعت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، لہٰذا بعض اوقات اہل وعیال کو سپرد کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ اہل وعیال سے مراد وہ اہل خانہ ہیں جو مودَع کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں، مل جل کر رہتے ہیں۔

❺ فإن حفظها بغيرهم: ضمن: اگر مودَع نے ودیعت کی حفاظت اپنے اہل وعیال کے علاوہ کسی اجنبی شخص سے کروائی، اور پھر اس کے پاس ودیعت ہلاک ہوئی تو مودَع ضامن ہوگا، کیونکہ مودِع نے مودَع پر اعتماد کیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہیں کرتا، لہٰذا اجنبی کو ودیعت سپرد کرنا مودِع کی مرضی کے خلاف تجاوز کرنا ہے، جس کی وجہ سے مودَع پر تاوان آئے گا۔

❻ إلا أن يخاف الحرق، أو الغرق .....إلخ: یہ ماقبل مسئلے سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مودَع اپنے عیال کے علاوہ کسی اجنبی سے حفاظت کروائے تو اس پر ضمان آئے گا، مگر یہ کہ مودَع کے گھر میں آگ لگ جائے، اس کو ودیعت جل جانے کا ڈر ہو، اور پھر حفاظت کی خاطر ودیعت اپنے پڑوسی کے حوالہ کردے، یا مودَع کشتی میں ہو اور وہ ڈوبنے لگی، مودَع نے جلدی میں ودیعت دوسری کشتی میں ڈال دی، اور پھر ودیعت پڑوسی کے ہاں، یا دوسری کشتی میں ضائع ہوگئی، تو مودَع پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ خطرے کی ایسی حالت میں حفاظت کا یہی ایک راستہ ہے، لہٰذا مودِع بھی اس پر راضی ہوگا، تو اس میں مودَع تجاوز کرنے والا نہیں ہوگا۔

☆☆☆

⑦ فَإِنْ طَلَبَ رَبُّهَا، فَحَبَسَهَا عَنْ رَبِّهَا قَادِرًا عَلَى تَسْلِيمِهَا ⑧ أَوْ خَلَطَهَا بِمَالِهِ حَتّٰى لَا يَتَمَيَّزُ: ضَمِنَهَا ⑨ وَإِنِ اخْتَلَطَ بِلَا فِعْلِهِ اشْتَرَكَا ⑩ وَ لَوْ أَنْفَقَ بَعْضَهَا، فَرَدَّ مِثْلَهُ، فَخَلَطَهُ بِالْبَاقِي: ضَمِنَ الْكُلَّ.

ترجمہ: اور اگر مطالبہ کیا ودیعت کے مالک نے، پھر (مودَع نے) ودیعت کو روک لیا اس کے مالک سے قدرت رکھتے ہوئے اس کو تسلیم کرنے پر۔ یا ودیعت کو خلط کردیا اپنے مال سے یہاں تک کہ الگ نہیں کیا جاسکتا، تو اس کا تاوان دے گا۔ اور اگر مل گیا اس کے فعل کے بغیر تو دونوں شریک ہوں گے۔ اور اگر (مودَع نے) خرچ کردیا بعض ودیعت کو، پھر اس کی مثل واپس کردی، اور اس کو ملا دیا باقی کے ساتھ، تو سب کا ضمان دے گا۔

تشریح:

⑦ فإن طلب ربُّها، فحبسها عن ربِّها قادرا .... إلخ: یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں ضمنها اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ودیعت کے مالک (مودِع) نے مودَع سے اپنی ودیعت کا مطالبہ کیا مگر مودَع نے دینے سے انکار کیا اور ودیعت اپنے پاس روک لی، حالانکہ وہ دینے پر قادر بھی ہے، اور پھر ودیعت مودَع کے پاس ضائع ہوگئی، تو وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ مودَع پر واجب ہے کہ ودیعت مالک کو سپرد کردے، لہٰذا روک لینے سے وہ تجاوز کرنے والا ہوگا، اور تجاوز کرنے والے پر تاوان آئے گا۔

⑧ أو خلطها بماله حتى لايتميز: ضمنها: أي: إن خلطها .... یہ شرط ہے، اور ضمنها اس کی جزاء ہے۔ اگر مودَع نے ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح خلط ملط کردیا کہ تمیز نہیں ہوسکتی، یعنی ودیعت کو مودَع کے مال سے الگ نہیں کیا جاسکتا، تو مودَع پر ضمان آئے گا، کیونکہ خلط کردینا ہلاک کرنے کے حکم میں ہے، جس کی وجہ سے مودِع بعینہ اپنا حق حاصل نہیں کرسکتا۔

⑨ فإن اختلط بلا فعله: اشتركا: اگر ودیعت کا مال مودَع کے فعل کے بغیر اس کے مال میں خلط ملط ہوگیا، مثلاً ودیعت کی گندم کی بوری پھٹ گئی اور مودَع کی گندم میں مل گئی، تو مخلوط مال میں مودَع اور مودِع دونوں شریک ہوں گے، مودَع پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ ضمان تجاوز کرنے کی وجہ سے آتا ہے، اور یہاں مودَع نے کوئی تجاوز نہیں کیا۔

⑩ ولو أنفق بعضها، فرد مثله، فخلط بالباقي: ضمن الكلّ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مودَع کے پاس ودیعت کی بیس کلو گندم ہے، اس نے پانچ کلو اپنی ضرورت میں خرچ کردی، اور پھر اپنی طرف سے اس کی مثل پانچ کلو واپس لاکر باقی پندرہ کلو میں خلط کردی، تو مودَع کُل بیس کلو کا ضامن ہوگا، یعنی اس پر لازم ہے کہ مودِع کو بیس کلو گندم کا تاوان ادا کرے، پانچ کلو کا ضمان تو خرچ کرنے کی وجہ سے آیا، اور باقی پندرہ کلو کا ضمان اس لئے آیا کہ مودَع نے اپنے پانچ کلو اس میں خلط کردیئے، اور مسئلہ نمبر (۸) میں بیان ہوا کہ اگر مودَع نے اپنا مال ودیعت کے ساتھ ملایا تو وہ ضامن ہوگا۔

⑪ وَإِنْ تَعَدّٰى فِيهَا، ثُمَّ أَزَالَ التَّعَدِّيَ: زَالَ الضَّمَانُ ⑫ بِخِلَافِ الْمُسْتَعِيرِ، وَالْمُسْتَأْجِرِ ⑬ وَإِقْرَارِهِ بَعْدَ جُحُودِهِ ⑭ وَلَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهَا عِنْدَ عَدَمِ النَّهْيِ، وَالْخَوْفِ ⑮ وَلَوْ أَوْدَعَا شَيْئًا: لَمْ يَدْفَعِ الْمُودَعُ إِلَى أَحَدِهِمَا حَظَّهُ حَتّٰى يَحْضُرَ الْآخَرُ.

ترجمہ: اوراگر(مودَع نے)ودیعت میں تجاوز کیااور پھر تجاوز ختم کردیا توضمان (بھی) ختم ہوگیا۔ برخلاف مستعیر اور مستأجر کے۔اور(برخلاف) مودَع کے اِقرار کرنے کے اُس کے انکارکرنے کے بعد۔اور مودَع کواختیار ہے کہ ودیعت کوسفر میں لے جائے،منع کرنے اورڈرنہ ہونے کے وقت۔اوراگر دوآدمیوں نے ودیعت رکھی تو مودَع نہ دے ان میں سے ایک کواس کا حصہ،یہاں تک کہ دوسراحاضر ہوجائے۔

تشریح:

⑪ **وإن تعدّیٰ فیها، ثم أزال التعدّي ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگرمودَع نے ودیعت میں تعدّی (تجاوز) کی،مثلاً ودیعت سائیکل ہے،مودَع اس پر سوار ہوگیا،اور پھر تعدّی کو ختم کردیا،توضمان بھی ختم ہوگیا،لہٰذا اگراس کے بعد ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع پر تاوان نہیں ہوگا۔یہ احناف ؒ کامسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تعدّی ختم کرنے کے بعد بھی مودَع پرضمان آئے گا،اس لئے کہ اس نے جب ایک مرتبہ تعدّی کرلی تو ودیعت کاعقد ختم ہوگیااورضمان واجب ہوگیا،اب اگرچہ تعدّی کو ختم کردے عقد واپس نہیں لوٹے گا،لہٰذا بہرصورت ضمان واجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ مودِع نے مطلقاً ہر وقت مودَع کو اپنا نائب بناکراس کوحفاظت کاحکم دیاہے،لہٰذا مودَع جب تعدّی ختم کردے توحفاظت کاحکم واپس لوٹے گا،اور مودَع مودِع کانائب ہوکر حفاظت کرے گا،جیسے تعدّی سے پہلے وہ حفاظت کرتا تھا،لہٰذا جس طرح تعدّی سے پہلے ہلاک ہونے سے مودَع پرضمان نہیں آتا اسی طرح تعدّی ختم ہونے کے بعد بھی اس پرضمان نہیں آئے گا۔

⑫ **بخلاف المستعیر، والمستأجر:** ماقبل مسئلے کاحکم مستعیر ،اورمستأجر کے برخلاف ہے۔یہاں دومسئلے ہیں:

پہلامسئلہ یہ ہے کہ مستعیر (عاریت پر مانگنے والے) نے کسی سے عاریتاً ایک دن پہننے کیلئے کپڑا لے لیا،اور پھر تعدّی کرکے دودن پہن لیا،اور پھر کپڑا اتار کرتعدّی ختم کردی،اس کے بعد کپڑا اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا،تومستعیر پرضمان آئے گا،کیونکہ مستعیر نے قبضہ اپنے لئے کیاہے،مالک کانائب ہوکرنہیں کیاہے،لہٰذا مستعیر کی تعدّی اس وقت ختم ہوگی کہ کپڑا مالک کوواپس کردے،اگر مالک کو واپس نہیں کرے گا تو بظاہر اگرچہ تعدّی ختم ہوگئی ہے مگرحکماً موجود ہے،لہٰذا ہلاک ہونے سے تاوان آئے گا۔

اس کے برخلاف مودَع اگرتعدّی ختم کرے تواس پرضمان نہیں آئے گا،کیونکہ اس نے قبضہ اپنے لئے نہیں کیاہے،بلکہ مالک

(مودِع) کا نائب ہو کر کیا ہے، تو تعدّی ختم ہونے کے بعد اگر چہ ودیعت مودَع کے ہاتھ میں ہو مگر چونکہ وہ مالک کا نائب ہے تو گویا ودیعت اس کو واپس مل گئی، اس لئے بعد میں ہلاک ہونے سے مودَع پر ضمان نہیں آئے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر (کرایہ پر لینے والے) نے کوئی اونٹ گاڑی کرایہ پر لی کہ اس پر دو بوری گندم لاد کر لے جائے گا، اور پھر تعدّی کر کے اونٹ پر پانچ بوریاں ڈال دیں، اور پھر تعدّی ختم کر کے بوریاں اتار دیں، اس کے بعد اونٹ ہلاک ہو گیا، تو مستأجر پر ضمان آئے گا۔ دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ مستأجر نے قبضہ اپنے لئے کیا ہے، مالک کا نائب ہو کر نہیں کیا ہے۔

⑬ وإقرارِه بعد جحودِه: یہ عطف ہے المستعير پر، أي: بخلاف إقرارِه بعد جحودِه. «ہ» ضمائر کا مرجع مودَع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مسئلہ نمبر (۱۱) کا حکم مودَع کے انکار اور اس کے بعد اقرار کرنے کے برخلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مودِع نے مودَع سے اپنی ودیعت کا مطالبہ کیا، مودَع نے انکار کیا کہ تمہاری ودیعت میرے پاس نہیں ہے، اس کے بعد اقرار کیا کہ ہاں! تمہاری ودیعت میرے پاس محفوظ ہے، اور ودیعت اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی، تو مودَع پر ضمان آئے گا، کیونکہ مودِع نے جب مطالبہ کیا تو اس نے مودَع کو حفاظت کرنے سے معزول کر دیا، لہٰذا اس کے بعد مودَع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ودیعت کو اپنے پاس روکے رکھے، اب وہ غاصب سمجھا جائے گا، خواہ اقرار کرے یا نہ کرے، اس لئے ہلاک ہونے سے لازماً اس پر ضمان آئے گا۔

⑭ وله أن يُسافر بها عند عدم النهي، والخوفِ: مسئلہ یہ ہے کہ مودَع ودیعت کو اپنے ساتھ سفر پر لے جا سکتا ہے، بشرطیکہ مودِع کی طرف سے منع نہ کیا گیا ہو، اور سفر میں ودیعت کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ ان کے نزدیک مودَع کو مطلقاً سفر میں لے جانے کا اختیار ہے، خواہ ودیعت ہلکی چیز ہو یا وزنی چیز ہو، جس کے لے جانے پر خرچہ آتا ہو، کیونکہ مودِع نے مطلقاً حفاظت کا حکم دیا ہے، خواہ گھر میں ہو یا سفر میں ہو۔

صاحبینؒ کے نزدیک اگر ودیعت وزنی چیز ہو تو مودَع اس کو اپنے ساتھ سفر پر نہیں لے جا سکتا، کیونکہ اس پر خرچہ آتا ہے، اور یہ خرچہ مودِع پر آئے گا، اور وہ اس پر راضی نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خواہ ہلکی چیز ہو یا وزنی، مودَع اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا، کیونکہ مودَع کو عرف ورواج کے مطابق حفاظت کرنے کا حکم ہے، اور عرف یہ ہے کہ شہر کے اندر حفاظت کرے، باہر نہ لے جائے۔

⑮ ولو أودعا شيئا: لم يدفع المودَعُ إلى أحدهما ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے مل کر اپنی ایک مَن گندم مودَع کے پاس ودیعت رکھی، پھر ان دونوں میں سے ایک آکر مودَع سے اپنا حصہ (آدھا مَن) مانگنے لگا، تو مودَع اس کو اس کا حصہ نہ دے یہاں تک کہ وہ دوسرا بھی حاضر ہو جائے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مودَع پر لازم ہے کہ حاضر مودِع کو اس کا حصہ دے دے، کیونکہ حاضر اپنا حصہ مانگ رہا ہے، دوسرے شریک کے حصہ میں تصرف نہیں کر رہا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حاضر اپنا حصہ مانگ کر در حقیقت دوسرے شریک کے ساتھ تقسیم کر رہا ہے، اور تقسیم کرنا مودَع کا کام نہیں ہے، جب تک دونوں مودِع حاضر نہ ہوں اس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتی۔

⑰ وَإِنْ أَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ مِمَّا يُقْسَمُ: اِقْتَسَمَاهُ، وَحَفِظَ كُلٌّ نِصْفَهُ ⑱ وَلَوْ دَفَعَ إِلَى الْآخَرِ: ضَمِنَ ⑱ بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ ⑲ وَلَوْ قَالَ لَهُ: لَا تَدْفَعْ إِلَى عِيَالِكَ، أَوْ احْفَظْ فِي هٰذَا الْبَيْتِ، فَدَفَعَهَا إِلَى مَنْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ، أَوْ حَفِظَهَا فِي بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ: لَمْ يَضْمَنْ ⑳ وَإِنْ كَانَ لَهُ مِنْهُ بُدٌّ، أَوْ حَفِظَهَا فِي دَارٍ أُخْرَى: ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر کسی آدمی نے ودیعت رکھی دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے، تو دونوں اس کو آپس میں تقسیم کریں، اور ہر ایک حفاظت کرے اس کے نصف کا۔ اور اگر (ایک نے) دوسرے کو دے دیا تو ضمان دے گا۔ برخلاف اس چیز کے جس کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر (مودِع نے) مودَع سے کہا کہ اپنے عیال کو نہ دینا، یا (کہا کہ) اس کمرے میں حفاظت کرو، پس (مودَع نے) ودیعت دے دی ایسے شخص کو جس سے اس کو چارہ نہیں ہے، یا اس کی حفاظت کی دوسرے کمرے میں اسی گھر کے، تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کو اس سے چارہ ہو، یا ودیعت کی حفاظت کی دوسرے گھر میں، تو ضمان دے گا۔

تشریح:

⑰ وإن أودع رجل عند رجلين ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز ودیعت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہے، مثلاً بیس کلو گندم رکھی، تو دونوں مودَع اس چیز کو آپس میں تقسیم کرلیں، ہر ایک نصف نصف کی حفاظت کرے۔ یہ امام عالی مقام صاحبؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کی اجازت سے ساری ودیعت کی حفاظت کرسکتا ہے، کیونکہ مودِع نے دونوں پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا دونوں مل کر بھی حفاظت کر سکتے ہیں، اور تنہا ایک بھی ساری چیز کی حفاظت کرسکتا ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مودِع نے جب دونوں کو مودَع بنایا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دونوں کی حفاظت کرنے سے تو راضی ہے، تنہا ایک کی حفاظت کرنے سے راضی نہیں ہے، اور دونوں کی حفاظت کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ودیعت کو آپس تقسیم کر کے ہر ایک آدھی چیز کی حفاظت کرے۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ قال التمرتاشي: فإن أودع رجل عند رجلين ما يُقسم: اقتسماه، و حفظ كلٌّ نصفه. [الدر علی ہامش رد المحتار: ۵۴۲/۸۔ درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۷۸۳]

⑱ ولو دفع إلى الآخر: ضمن: یعنی مذکورہ صورت میں اگر ایک مودَع نے ودیعت کا اپنا نصف حصہ دوسرے مودَع کو دے دیا، اور اس کے پاس ہلاک ہوگیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک دینے والا تاوان دے گا، کیونکہ اس نے ودیعت میں اپنا

تصرف کیا ہے جس سے مودِع راضی نہیں ہے۔

⑱ **بخلاف ما لا يقسم:** یعنی مسئلہ نمبر (۱۶) کا حکم اس صورت کے برخلاف ہے کہ ودیعت ایسی چیز ہو جس کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، مثلاً مودِع نے سائیکل دو آمیوں کو ودیعت رکھی، تو ایک مودَع دوسرے کو حفاظت کیلئے دے سکتا ہے، کیونکہ سائیکل ایسی چیز ہے جس کو آدھا آدھا کر کے تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ دونوں مودَع ہر وقت اس کو اپنے پاس رکھیں، لہٰذا لازماً ایک کی اجازت سے دوسرا حفاظت کرے گا، اور مودِع بھی اس پر راضی ہوگا۔

⑲ **ولو قال له: لا تدفع إلى عيالك، أو احفظ ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مودِع نے مودَع پر شرط لگائی کہ ودیعت اپنے اہل وعیال کو مت دینا، یا یہ شرط لگائی کہ ودیعت کو خاص اس کمرے میں رکھ کر حفاظت کرو، مگر مودَع نے شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ودیعت کو اپنے عیال میں سے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیا جس سے چارہ نہیں ہے، مثلاً اپنی بیوی کو دیا، اور اس کے ہاتھ میں ودیعت ضائع ہوگئی، یا اسی گھر کے دوسرے کمرے میں محفوظ کر دیا اور وہاں ضائع ہوگئی، تو دونوں صورتوں میں مودَع پر تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ پہلی شرط پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ مودَع ہر وقت گھر میں بیٹھ کر ودیعت کی حفاظت نہیں کرسکتا، لہٰذا گھر سے نکلنے کے وقت وہ مجبور ہو جائے گا کہ اپنے عیال میں سے کسی کو سپرد کر دے، تو مودِع کی طرف سے لگائی گئی شرط لغو ہو جائے گی۔ اور دوسری شرط بھی لغو ہے، کیونکہ عام طور پر حفاظت کے اعتبار سے ایک گھر کے سارے کمرے برابر ہوتے ہیں، تو مودِع کی طرف سے کسی خاص کمرے میں حفاظت کی شرط لگانا بے فائدہ اور لغو ہے، اور مودَع خواہ کسی بھی کمرے میں محفوظ کرے اس پر ضمان نہیں آئے گا۔

⑳ **وإن كان له منه بد، أو حفظها في ....إلخ:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر مودَع نے ودیعت کسی ایسے شخص کو دی جس سے اس کو چارہ ہے، یا ودیعت کو اس گھر سے نکال کر دوسرے گھر میں رکھ دیا، اور ودیعت ضائع ہوگئی، تو دونوں صورتوں میں مودَع پر ضمان آئے گا، کیونکہ پہلی صورت میں اُسے مجبوری نہیں ہے، بلا وجہ شرط کی مخالفت کر رہا ہے، اور یہ تعدی (تجاوز) ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ودیعت دوسرے گھر میں منتقل کر دے، کیونکہ حفاظت کے اعتبار سے ایک گھر دوسرے گھر سے بہت مختلف ہوتا ہے، لہٰذا مودِع کی طرف سے لگائی گئی شرط بے فائدہ نہیں ہے، اور اس کے خلاف عمل کرنے سے مودَع پر ضمان آئے گا۔

㉑ وَمُوْدَعُ الْغَاصِبِ ضَامِنٌ ㉒ لَا مُوْدَعُ الْمُوْدَعِ ㉓ مَعَهُ أَلْفٌ، ادَّعٰى رَجُلَانِ كُلٌّ أَنَّهُ لَهُ، أَوْدَعَهُ إِيَّاهُ، فَنَكَلَ لَهُمَا: فَالْأَلْفُ لَهُمَا، وَ عَلَيْهِ أَلْفٌ آخَرُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: غاصب کا مودَع ضامن ہوگا۔ نہ کہ مودَع کا مودَع۔ مودَع کے پاس ہزار ہیں، دو آدمیوں نے دعویٰ کیا کہ یہ اسی کے ہیں جن کو ودیعت رکھا ہے مودَع کے پاس، پس (مودَع نے) دونوں کیلئے قسم کھانے سے انکار کیا، تو یہ ہزار دونوں (مدعیوں) کیلئے ہیں، اور مودَع پر اور ہزار ہیں جو اُن کے درمیان (تقسیم) ہوں گے۔

تشریح:

㉑ ومودع الغاصب ضامن: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کوئی چیز غصب کی، اور پھر غاصب نے اس چیز کو کسی اور آدمی کے پاس بطور ودیعت رکھا، اور پھر وہ چیز مودَع کے پاس ہلاک ہوگئی، تو مودِع اس کا ضامن ہوگا، لہٰذا مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے تاوان لے، چاہے مودَع سے لے۔ غاصب سے تو اس لئے ضمان لے سکتا ہے کہ اس نے غصب کیا ہے، اور مودَع سے اس لئے ضمان لے سکتا ہے کہ اس نے اصل مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے، گویا اس نے غاصب کی مدد کی۔ پھر اگر مالک نے مودَع سے تاوان لیا، اور مودَع کو غاصب کے غصب کا علم نہیں تھا، تو بعد میں وہ غاصب پر رجوع کر کے اس سے تاوان کا عوض لے سکتا ہے، اور اگر مودَع کو غصب کا علم تھا تو غاصب پر رجوع نہیں کر سکتا۔

㉒ لا مودَع المودَع: أي: لا يضمن مودَع المودَع. صورت مسئلہ یہ ہے کہ مودِع نے مودَع کے پاس ودیعت رکھی، پھر مودَع نے بغیر اجازت دوسرے مودَع کے حوالہ کردی، اور اس کے پاس ودیعت ہلاک ہوگئی، تو مودَع کے مودَع پر ضمان نہیں ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مودَع المودَع ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے اصل مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے، اور یہ غصب کے حکم میں ہے، لہٰذا مودِع کو اختیار ہے چاہے مودَع سے تاوان لے، چاہے مودَع المودَع سے لے، لیکن اگر مودَع المودَع سے لیا تو وہ مودَع پر رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ اسی نے مودَع المودَع کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مودَع المودَع نے تعدّی نہیں کی، کیونکہ اس نے ایک أمین (امانتدار) شخص کے ہاتھ سے اس کی رضامندی سے ودیعت پر قبضہ کیا ہے، اور ایسا قبضہ کرنا نہ غصب کے حکم میں ہے اور نہ غاصب کی مدد کرنا ہے، لہٰذا اس پر ضمان نہیں ہوگا۔

㉓ معه ألف، ادّعى رجلان كلّ أنه له، أودعهُ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ہزار روپے ہیں، دو آدمیوں نے اس پر دعویٰ کیا، ہر ایک کہتا ہے کہ یہ ہزار روپے میں نے اس کو ودیعت دیئے ہیں، مدّعیوں کے پاس گواہ نہیں ہیں، اس لئے قاضی نے مدّعیٰ علیہ (مودَع) کو قسم دی، مگر اس نے دونوں مدّعیوں کیلئے قسم کھانے سے انکار کردیا، تو اب حکم یہ ہے کہ اس کے پاس جو ہزار ہیں وہ دونوں مدّعیوں کے درمیان تقسیم ہوں گے، اور اس کے علاوہ مدّعیٰ علیہ پر ایک ہزار اور لازم ہیں، وہ بھی مدّعیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوں گے، تاکہ ہر مدّعی کو مکمل ہزار ہزار روپے مل جائیں، اس لئے کہ مدّعیٰ علیہ نے جب قسم کھانے سے انکار کیا تو گویا اس نے دونوں مدّعیوں کیلئے اقرار کیا کہ ان کا دعویٰ صحیح ہے، لہٰذا اب دونوں کو ہزار ہزار روپے ادا کرے۔

اگر مدّعیٰ علیہ نے دونوں مدّعیوں کیلئے قسم کھالی تو ان کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اگر ایک کیلئے قسم کھائی تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور جس کیلئے قسم سے انکار کیا ہے اس کو ہزار روپے دینا لازم ہوں گے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

كِتَابُ الْعَارِيَةِ

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام العارية. یعنی یہ کتاب عاریت کے احکام کے بیان میں ہے۔ عارية اسم ہے، لغوی معنی ہیں: مانگنے کی چیز، وہ چیز جس کو کچھ مدت تک استعمال کیلئے مانگی جائے۔① عارية کی جمع عواري ہے۔

عاریت دینے کیلئے اِفعال کا باب استعمال ہوتا ہے، جیسے أعار يُعير إعارة، فهو مُعير وذاك مُعار. اور عاریت لینے کیلئے استفعال آتا ہے، جیسے استعار يستعير استعارة فهو مستعير وذاك مُستعار. اصطلاحی معنی مسئلہ نمبر(١) میں ہے۔

عاریت کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. [ماعون:٧] ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ مَاعُوْنَ سے مراد عواري ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: العارية مؤدّاة. [ترمذی] ”عاریت پر لی ہوئے چیز لوٹائی جائے گی“۔

عام حالات میں عاریت پر کوئی چیز دینا مستحب ہے، کیونکہ اس میں کسی کے ساتھ احسان اور نیکی کا معاملہ کرنا ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے عاریت کو ودیعت کے بعد لایا، اس لئے کہ ودیعت میں مال کی ذات اور منفعت دونوں امانت ہیں، جبکہ عاریت میں ذات امانت ہے اور منفعت کی تملیک ہوتی ہے۔ مصنفؒ نے عاریت سے متعلق بائیس (٢٢) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

> ❶ هِيَ تَمْلِيْكُ الْمَنْفَعَةِ بِلَا عِوَضٍ ❷ وَتَصِحُّ بِـ: أَعَرْتُكَ، وَ: أَطْعَمْتُكَ أَرْضِي، وَ: مَنَحْتُكَ ثَوْبِي، وَ: حَمَلْتُكَ عَلٰى دَابَّتِي، وَ: أَخْدَمْتُكَ عَبْدِي، وَ: دَارِي لَكَ سُكْنِي، وَ: دَارِي لَكَ عُمْرٰى سُكْنٰى ❸ وَيَرْجِعُ الْمُعِيْرُ مَتٰى شَاءَ ❹ وَلَوْ هَلَكَتْ بِلَا تَعَدٍّ: لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: عاریت منفعت کا مالک بنانا ہے بغیر عوض کے۔ اور صحیح ہو جاتی ہے (ان الفاظ سے:) ”میں نے تجھے عاریت پر دیا، میں نے تجھے کھلائی اپنی زمین، میں نے تجھے اپنا کپڑا دے دیا، میں نے تجھے سوار کیا اپنے دابہ پر، میں نے تمہاری خدمت کرائی اپنے غلام سے، میرا گھر تمہارا ہے رہائش کیلئے، میرا گھر تمہارا ہے عمر بھر رہائش کیلئے۔ اور معیر رجوع کر سکتا ہے جب بھی چاہے۔ اور اگر (عاریت) ہلاک ہوگئی کسی تجاوز کے بغیر تو (مستعیر) ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: ❶ وهي تمليك المنفعة بلا عوض: یہ عاریت کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اپنی چیز کی

---

① عارية کبھی فعل کے معنی میں بھی آتا ہے، یعنی ”عاریت پر دینا“۔

منفعت کا دوسرے شخص کو بلاعوض مالک بنانا عاریت ہے، مثلاً آپ کا گھر ہے اس کی منفعت رہائش ہے، آپ نے دوسرے آدمی کو مفت بلاعوض گھر میں رہائش دی، یعنی اس کو گھر کی رہائش کا مالک بنادیا، تو آپ نے اس کو گھر عاریت پر دیا۔

المنفعة کی قید سے احتراز کیا ہبہ سے، کیونکہ ہبہ میں دوسرے شخص کو بعینہ چیز کا مالک بنایا جاتا ہے، نہ کہ اس کی منفعت کا۔ اور بلاعوض کی قید سے احتراز کیا اِجارہ سے، کیونکہ اِجارہ میں دوسرے کو منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے عوض (کرایہ) سے، نہ کہ بلاعوض۔

② وتصح بـ: أعرتُكَ، و: أطعمتُكَ أرضي، و ... الخ: عاریت مندرجہ ذیل الفاظ سے صحیح ہوجاتی ہے:

أعرتُكَ هٰذا الشيءَ. میں نے یہ چیز تجھے عاریت پر دی۔ یہ لفظ عاریت میں بالکل صریح ہے۔

أطعمتُكَ أرضي. میں نے اپنی زمین تجھے کھلائی، یعنی میری زمین کاشت کر کے اس سے غلّہ کی منفعت حاصل کرو، کیونکہ زمین کھانے کھلانے کی چیز نہیں ہے، لہٰذا کھلانے سے غلّہ ہی مراد ہے، اور زمین کی عاریت میں ایسے ہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

منحتُكَ ثوبي. میں نے تجھے اپنا کپڑا دے دیا۔ مَنَحَ، يَمْنَحُ، مَنْحًا کے لغوی معنیٰ مطلق دینے کے ہیں، مگر عاریت میں بھی استعمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے: المِنحة مردودة. [ابوداؤد] یعنی عاریت واپس لوٹائی جائے گی؛ لہٰذا دینے والا اگر عاریت کی نیت کرے تو ان الفاظ سے عاریت صحیح ہوجائے گی۔

حملتُكَ علىٰ دابّتي. میں نے تجھے اپنے دابہ پر سوار کیا۔ یہ الفاظ بھی مطلق دینے اور عاریت دونوں کیلئے استعمال ہوتے ہیں، لہٰذا دینے والا اگر عاریت کی نیت کرے تو عاریت صحیح ہوجائے گی۔

أخدمتك عبدي. میں نے اپنے غلام سے تمہاری خدمت کروائی، یعنی تمہیں اجازت ہے کہ میرے غلام سے خدمت لو۔

داري لكَ سُكنىٰ. میرا گھر تمہارا ہے رہائش کیلئے، یعنی میرے گھر کی رہائش تمہاری ہے۔

داري لكَ عُمرىٰ سكنىٰ. میرا گھر عمر بھر تمہارا ہے رہائش کیلئے۔ عُمرىٰ عمر بھر کیلئے دینے کو کہتے ہیں، اور سکنیٰ کے معنی ہیں: رہائش، یعنی میرے گھر کی رہائش عمر بھر تمہاری ہے۔ یہاں سکنیٰ کے لفظ سے واضح ہوا کہ گھر دینا مراد نہیں، بلکہ اس کی منفعت (رہائش) دینا مقصود ہے، اس لئے یہ عاریت ہے۔

③ ويرجع المعير متىٰ شاء: معیر جب بھی چاہے رجوع کر کے مستعیر سے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے، کیونکہ معیر نے مستعیر کو منافع کا مالک بنایا تھا، اور منافع ہر ہر سیکنڈ وجود میں آتے رہتے ہیں، تو جو منافع وجود میں آچکے ہیں وہ مستعیر کے قبضہ میں آکر وہ ان کا مالک ہوگیا، اور جو منافع ابھی تک وجود میں نہیں آئے وہ نہ مستعیر کے قبضہ میں آئے ہیں اور نہ وہ ان کا مالک بنا ہے، لہٰذا معیر کو حق حاصل ہے کہ اپنی چیز واپس لے کر مستعیر کو آئندہ منافع پر قبضہ کرنے سے منع کرے۔

④ ولو هلكت بلا تعدٍّ: لم يضمن: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عاریت کی چیز مستعیر کے ہاں بغیر کسی تعدی (تجاوز) کے ہلاک ہوگئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ مستعیر نے معیر کی اجازت سے اس پر قبضہ کیا ہے، لہٰذا وہ چیز مستعیر کے ہاتھ میں امانت

ہے،اور امانت کا تاوان نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر مستعیر نے کوئی تعدی کر کے عاریت کو ہلاک کر دیا تو اس پر ضمان ہوگا۔

⑤ وَلَا تُؤْجَرُ، وَلَا تُرْهَنُ، كَالْوَدِيعَةِ ⑥ فَإِنْ آجَرَ، فَعَطِبَتْ: ضَمِنَ ⑦ وَيُعِيرُ مَالَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ ⑧ فَلَوْ قَيَّدَهَا بِوَقْتٍ، أَوْ مَنْفَعَةٍ، أَوْ بِهِمَا: لَا يُجَاوِزُ عَمَّا سَمَّاهُ ⑨ وَإِنْ أَطْلَقَ: لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ أَيَّ نَوْعٍ، فِي أَيِّ وَقْتٍ شَاءَ ⑩ وَعَارِيَةُ الثَّمَنَيْنِ، وَالْمَكِيلِ، وَالْمَوْزُوْنِ، وَالْمَعْدُوْدِ: قَرْضٌ.

ترجمہ: اور (عاریت کو) کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا، اور رہن نہیں رکھا جا سکتا، ودیعت کی طرح۔ پس اگر کرایہ پر دے دی، اور ہلاک ہوگئی تو (مستعیر) ضمان دے گا۔ اور (مستعیر) عاریت پر دے سکتا ہے وہ چیز جو استعمال کرنے والے سے مختلف نہیں ہوتی۔ اور اگر (معیر نے) عاریت کو مقید کر دیا کسی وقت یا منفعت کے ساتھ، یا دونوں کے ساتھ، تو (مستعیر) تجاوز نہ کرے اس قید سے جس کو ذکر کیا ہے۔ اور اگر (معیر نے عاریت کو) مطلق کر دیا تو مستعیر کیلئے (جائز) ہے کہ فائدہ اٹھائے جس قسم اور جس وقت چاہے۔ اور دونوں ثمن، مکیلی، موزون اور معدود چیزوں کی عاریت قرض ہے۔

تشریح:

⑤ **ولا تؤجر، ولا ترهن، كالوديعة:** مسئلہ یہ ہے کہ مستعیر کیلئے جائز نہیں ہے کہ عاریت کی چیز کو کرایہ پر دے، یا رہن میں دے، جیسے ودیعت کو نہ کرایہ پر دیا جا سکتا ہے، اور نہ رہن میں رکھوایا جا سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر مستعیر نے عاریت کو کرایہ پر دے دیا تو اس پر عمل کرنا لازم ہو جائے گا، یعنی وقت پورا ہونے سے پہلے مستاجر سے واپس نہیں لے سکتا، اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے معیر کو ضرر لاحق ہوگا، کیونکہ اس کو ہر وقت واپس لینے کا حق ہے۔ اور اسی طرح اگر مستعیر نے عاریت کی چیز کو رہن میں دیا تو گویا اس نے اپنا دین عاریت کی چیز سے ادا کر دیا، حالانکہ دوسرے کے مال سے اپنا دین ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ودیعت کو اس لئے کرایہ پر دینا اور رہن میں دینا جائز نہیں کہ وہ امانت ہے، اور امانت میں تصرف کرنا تعدّی ہے، جو جائز نہیں ہے۔

⑥ **فإن آجر، فعطبت: ضمن:** یعنی اگر مستعیر نے عاریت کو کرایہ پر دے دیا اور وہ ہلاک ہوگئی، تو مستعیر ضامن ہوگا، کیونکہ اس کو کرایہ پر دینے کا اختیار نہیں ہے، مگر جب دے دیا تو یہ تعدّی ہے، اور تعدّی کرنے کا تاوان ہوگا۔

⑦ **ويعير ما لا يختلف بالمستعمل:** يعير میں ضمیر کا مرجع مستعیر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مستعیر کیلئے جائز ہے کہ عاریت کی چیز دوسرے کو عاریت پر دے، بشرطیکہ وہ ایسی چیز ہو کہ استعمال کرنے والے کی وجہ سے اس میں تغیر نہ آتی ہو، مثلاً مستعیر نے کتاب عاریت پر لی ہے، اور کتاب ایسی چیز ہے کہ خواہ کوئی بھی شخص اس کو استعمال کرے اس میں تغیر نہیں آتی، لہٰذا مستعیر دوسرے شخص کو عاریت پر دے سکتا ہے، کیونکہ مستعیر خود کتاب کے منافع کا مالک بن گیا ہے، تو وہ دوسرے کو بھی مالک بنا سکتا ہے۔

❽ فلو قيدها بوقت، أو منفعة، أو بهما: لا ....إلخ: اگر معیر نے عاریت کو خاص وقت کے ساتھ مقید کر دیا، مثلاً مستعیر سے کہا کہ صرف جمعہ کے دن استعمال کرو، یا خاص منفعت کے ساتھ مقید کر دیا، مثلاً مستعیر سے کہا کہ اس گاڑی میں صرف سواری کرو، سامان مت لادنا، یا وقت اور منفعت دونوں کے ساتھ مقید کر دیا، تو مستعیر ذکر شدہ قید سے تجاوز نہیں کر سکتا، کیونکہ معیر کو حق حاصل ہے کہ اپنی چیز کی حفاظت کیلئے قید و شرط لگا دے، اگر مستعیر نے اس کی مخالفت کی اور عاریت ہلاک ہوگئی، تو وہ ضامن ہوگا۔

❾ وإن أطلق: له أن ينتفع أيّ نوع في أيّ وقت شاء: اگر معیر نے مطلق استعمال کی اجازت دی، کوئی قید نہیں لگائی تو مستعیر کیلئے ہر قسم نفع اور ہر وقت نفع لینا جائز ہے، کیونکہ معیر مطلق اجازت دے کر ہر وقت ہر قسم نفع لینے پر راضی ہے۔

❿ وعارية الثمنين، والمكيل، والموزون....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزیں جیسے گندم وغیرہ، اور عددی چیزیں جیسے انڈے وغیرہ، ان کو عاریت پر لینا قرض پر لینے کے حکم میں ہے، کیونکہ عاریت ان چیزوں میں ہوتی ہے جن سے نفع اٹھایا جائے اور ان کی ذات باقی رہے، جبکہ ان چیزوں سے اس طرح نفع نہیں لیا جا سکتا کہ ان کی ذات باقی رہے، بلکہ نفع لینے سے ان کی ذات بھی ختم ہو جائے گی، لہٰذا یہ عاریت نہیں ہے، قرض ہے، اور ان پر قرض کے احکام جاری ہوں گے۔

⓫ وَإِنْ أَعَارَ أَرْضًا لِلْبِنَاءِ، أَوْ لِلْغَرْسِ: صَحَّ ⓬ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ، وَيُكَلِّفَ قَلْعَهُمَا ⓭ وَلَا يَضْمَنُ إِنْ لَمْ يُوَقِّتْ ⓮ وَإِنْ وَقَّتَ، وَرَجَعَ قَبْلَهُ: ضَمِنَ مَا نَقَصَ بِالْقَلْعِ ⓯ وَإِنْ أَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا: لَا تُؤْخَذُ حَتّٰى يَحْصُدَ، وَقَّتَ أَوْ لَا.

ترجمہ: اور اگر زمین عاریت پر دی عمارت بنانے یا درخت لگانے کیلئے، تو صحیح ہے۔ اور معیر کو اختیار ہے کہ رجوع کر کے (مستعیر کو) مکلّف کر دے ان دونوں کے اکھاڑنے پر۔ اور (معیر) ضامن نہیں ہوگا اگر وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ اور اگر وقت مقرر کیا تھا اور وقت سے پہلے رجوع کیا تو (معیر) تاوان دے گا اس نقصان کا جو اکھاڑنے سے ہو جائے۔ اور اگر زمین عاریت پر دی تاکہ اس کو کاشت کرے، تو نہیں لی جائے گی یہاں تک کہ (مستعیر اس کو) کاٹ لے، وقت مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

لغات:

غرس: باب ضرب کا مصدر ہے، درخت لگانا، پودا لگانا۔ قلع: باب فتح کا مصدر ہے، اکھاڑنا۔ يحصد: باب نصر کا مضارع ہے، کھیتی کو درانتی وغیرہ سے کاٹنا۔

تشریح:

⓫ وإن أعار أرضا للبناء، أو ....إلخ: اگر کسی نے زمین عاریت پر دی تاکہ مستعیر اس میں عمارت بنائے، یا درخت لگائے، تو یہ عاریت صحیح ہے، کیونکہ عمارت بنانا اور درخت لگانا ایک قسم کی منفعت ہے، جس کو زمین سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسے

گھر سے رہائش کی منفعت حاصل ہوتی ہے۔

⑫ وله أن يرجع، ويكلّف قلعهما: «هما» کا مرجع بناء اور غرس ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ عمارت بنانے اور درخت لگانے کیلئے زمین کو عاریت پر دینے کے بعد معیر کو ہر وقت اختیار ہوتا ہے کہ عاریت سے رجوع کرے اور مستعیر کو مکلف کرے کہ عمارت اور درخت اکھاڑ کر زمین کو فارغ کردے، کیونکہ عاریت کے عقد پر عمل کرنا لازم وضروری نہیں ہے، للہٰذا معیر ہر وقت عقد کو توڑ کر رجوع کرسکتا ہے، جیسے مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا۔

⑬ ولا يضمن إن لم يوقّت: یعنی مذکورہ صورت میں جب معیر نے مستعیر کو عمارت اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کردیا تو اس کی وجہ سے مستعیر کو جو نقصان ہوا اس کا تاوان معیر نہیں دے گا، بشرطیکہ عاریت میں کوئی خاص وقت مقرر نہ کیا ہو، کیونکہ معیر نے مستعیر کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے، بلکہ مستعیر نے خود دھوکا کھا کر دوسرے کی زمین میں عمارت اور درخت لگادیئے، حالانکہ وہ جانتا بھی ہے کہ معیر ہر وقت رجوع کر کے مجھ سے زمین واپس لے سکتا ہے۔

⑭ وإن وقّت، ورجع قبله: ضمن ما نقص بالقلع: یعنی مذکورہ صورت میں اگر معیر نے عاریت میں کوئی خاص وقت مقرر کردیا تھا، مثلاً مستعیر سے کہا تھا کہ میں تجھے دو سال کیلئے زمین عاریت پر دے رہا ہوں، اور پھر جب مستعیر نے عمارت اور درخت لگادیئے تو دو سال پورے ہونے سے پہلے معیر نے رجوع کیا اور مستعیر بے چارے کو اکھاڑنے پر مجبور کردیا، تو اس کی وجہ سے مستعیر کو جو نقصان ہوگا اس کا ضمان معیر دے گا، کیونکہ اس نے مستعیر کو دھوکا دیا۔

⑮ وإن أعارها ليزرعها: لا تؤخذ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر معیر نے کھیتی لگانے کیلئے زمین عاریت پر دی، تو جب تک مستعیر کھیتی نہ کاٹے اس وقت تک معیر اس سے زمین نہیں لے سکتا، خواہ کوئی وقت مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو، کیونکہ کھیتی پکنے اور اس کی کٹائی کا وقت معلوم ہے، للہٰذا معیر سے کہا جائے گا کہ اس وقت تک انتظار کرو۔[1] اس کے برخلاف عمارت اور درخت کی کوئی انتہاء معلوم نہیں ہے، للہٰذا معیر جب بھی مطالبہ کرے اسی وقت مستعیر کو مجبور کیا جائے گا کہ ان کو اکھاڑ کر زمین فارغ کردے۔

> ⑯ وَمُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ، وَالْمُوْدِعِ، وَالْمُؤْجِرِ، وَالْغَاصِبِ، وَالْمُرْتَهِنِ ⑰ وَإِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيْرُ الدَّابَّةَ إِلَى إِصْطَبَلِ مَالِكِهَا، أَوِ الْعَبْدَ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ: بَرِئَ ⑱ بِخِلَافِ الْمَغْصُوْبِ، وَالْوَدِيْعَةِ.

ترجمہ: اور واپس کرنے کا خرچہ مستعیر، مودِع، موجر، غاصب اور مرتہن پر ہے۔ اور اگر مستعیر نے دابہ واپس کردیا اس کے مالک کے اصطبل کو، یا غلام کو (واپس کردیا) مالک کے گھر کو، تو بری ہوگیا۔ برخلاف مغصوب اور ودیعت کے۔

---

① البتہ معیر کھیتی پکنے تک جتنی مدت انتظار کرے گا مستعیر اس مدت کا مناسب کرایہ ادا کرے، تاکہ دونوں کے حق کا خیال رکھا جائے۔

تشریح:

⑪ ومؤنة الردّ على المستعير، والمودِع ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ عاریت کی چیز کو واپس کرنے پر جو خرچہ آئے گا وہ مستعیر پر ہے، کیونکہ اسی نے عاریت سے فائدہ اٹھایا ہے، تو واپس کرنے کا خرچہ بھی وہی ادا کرے۔ اور ودیعت کو واپس کرنے کا خرچہ مودِع پر ہے، کیونکہ مودَع نے مفت میں جو حفاظت کی ہے اس کا فائدہ مودِع نے اٹھایا ہے، تو خرچہ بھی وہ برداشت کرے۔ کرایہ پر دی ہوئی چیز کو واپس کرنے پر جو خرچہ آئے گا وہ مواجر (کرایہ پر دینے والے، یعنی مالک) پر ہے، کیونکہ کرایہ وصول کرکے فائدہ اسی نے اٹھایا ہے، لہٰذا واپس کرنے کا خرچہ بھی وہی دے دے۔ غاصب نے جو چیز غصب کی ہے اس چیز کو مالک تک پہنچانے اور واپس کرنے کا خرچہ غاصب پر ہے، کیونکہ غاصب نے ناجائز عمل کیا ہے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ جہاں سے چیز اٹھائی ہے وہاں تک خود پہنچادے۔ مرہون چیز کو واپس کرنے کا خرچہ مرتہن پر ہے، کیونکہ اس نے اپنے دَین کو وصول کرنے کی خاطر مرہون پر قبضہ کیا ہے، تو قبضہ کرنے کا فائدہ مرتہن ہی کو پہنچا، لہٰذا واپس کرنے کا خرچہ بھی وہی ادا کرے۔

⑫ وإن ردّ المستعيرُ الدابةَ إلى إصطبل مالكِها ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی جانور عاریت پر لیا، اور پھر مالک (معیر) کے اصطبل میں پہنچادیا تو مستعیر بری ہوگیا، لہٰذا اس کے بعد اگر جانور ہلاک ہوگیا تو مستعیر پر تاوان نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر غلام کو عاریت پر لیا ہے اور پھر مستعیر نے مالک کے گھر میں پہنچادیا تو مستعیر بری ہوگیا، کیونکہ عرف ورواج یہی ہے کہ جانور کو اصطبل میں پہنچایا جاتا ہے، اور غلام کو گھر میں پہنچایا جاتا ہے، خاص طور پر مالک کو سپرد کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

مصنفؒ نے دابہ اور غلام کی مثال دے کر احتراز فرمایا جواہر اور سونے چاندی کے ہار وغیرہ جیسی قیمتی چیزوں سے، ایسی چیزوں کو محض مالک کے گھر میں پہنچادینا کافی نہیں ہیں، بلکہ خود مالک کو دینا لازم ہیں۔

⑬ بخلاف المغصوب، والوديعة: یعنی ماقبل مسئلے کا حکم مغصوب اور ودیعت کے برخلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ غاصب اگر مغصوب چیز کو واپس کرتا ہے تو مالک کو دینا ضروری ہے، محض اس کے گھر پہنچادینا کافی نہیں ہے، کیونکہ غاصب نے ناجائز عمل کرکے قبضہ کیا ہے، اور اس کا ناجائز قبضہ اسی وقت ختم ہوگا جب وہ مغصوب چیز مالک کے حوالہ کردے۔

اور اسی طرح مودَع اگر ودیعت کی چیز واپس کرتا ہے تو مالک (مودِع) کو دینا ضروری ہے، محض اس کے گھر پہنچادینا کافی نہیں ہے، کیونکہ مالک اپنے گھر والوں کو دینے پر راضی نہیں ہے، ورنہ تو مودَع کے پاس رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ لہٰذا جس طرح کسی اجنبی کے گھر میں پہنچانے سے مودَع بری نہیں ہوتا، اسی طرح مالک (مودِع) کے گھر میں پہنچانے سے بھی بری نہیں ہوگا۔

⑲ وَإِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيرُ الدَّابَّةَ مَعَ عَبْدِهِ، أَوْ أَجِيرِهِ مُشَاهَرَةً ⑳ أَوْ مَعَ عَبْدِ رَبِّ الدَّابَّةِ، أَوْ أَجِيرِهِ: بَرِئَ ㉑ بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ ㉒ وَيَكْتُبُ الْمُعَارُ: أَنَّكَ أَطْعَمْتَنِي أَرْضَكَ.

ترجمہ: اور اگر مستعیر نے جانور واپس کر دیا اپنے غلام کے ساتھ، یا اپنے ماہانہ مزدور کے ساتھ۔ یا جانور کے مالک کے غلام کے ساتھ، یا اس کے مزدور کے ساتھ، تو بری ہو جائے گا۔ برخلاف اجنبی کے۔ اور مُعار لکھے: "تو نے اپنی زمین مجھے کھلائی"۔

تشریح:

۱۹ وإن ردّ المستعيرُ الدابةَ مع عبده ... إلخ: یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں بریٔ اس کی جزاء ہے۔ اگر مستعیر نے عاریت کا جانور اپنے غلام کو دے کر واپس کر دیا، یا اپنے ماہانہ مزدور[1] کو دے کر واپس کر دیا، تو مستعیر بری ہو گیا، لہٰذا وہ جانور اگر راستہ میں یا معیر کے گھر پہنچانے کے بعد ہلاک ہو گیا تو مستعیر پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ مستعیر عاریت کی حفاظت اپنے غلام اور مزدور سے کرواسکتا ہے، تو ان کے ہاتھ میں دے کر واپس بھی کر سکتا ہے۔

۲۰ أو مع عبد ربّ الدابة، أو أجيره: بریٔ: أي: إن ردّ المستعيرُ الدابةَ مع عبد ربّ .... یعنی اگر مستعیر نے عاریت کا جانور جانور کے مالک (معیر) کے غلام کو دے کر واپس کر دیا، یا مالک کے مزدور کو دے کر واپس کر دیا، تو اس صورت میں بھی مستعیر بری ہو جائے گا، کیونکہ مالک عام طور پر جانور کی حفاظت اپنے غلام اور مزدور ہی سے کرواتا ہے، لہٰذا وہ اس بات پر راضی ہو گا کہ مستعیر عاریت کا جانور ان کے ہاتھ میں دے کر واپس کر دے۔

۲۱ بخلاف الأجنبيّ: یعنی مذکورہ صورت میں غلام اور مزدور کا حکم اجنبی کے برخلاف ہے، لہٰذا اگر مستعیر نے عاریت کا جانور کسی اجنبی شخص کو دے کر واپس کر دیا اور راستہ میں جانور ہلاک ہو گیا، تو مستعیر بری نہیں ہو گا، کیونکہ نہ تو مستعیر یہ اختیار رکھتا ہے کہ اجنبی آدمی سے جانور کی حفاظت کروائے، اور نہ معیر اس بات پر راضی ہو گا کہ مستعیر کسی اجنبی آدمی کو جانور حوالہ کر دے، لہٰذا ہلاک ہونے کی صورت میں مستعیر پر ضمان آئے گا۔

۲۲ ويكتب المعار: أنك أطعمتني أرضك: مسئلہ یہ ہے کہ معیر نے اپنی زمین مُعار کو کاشت کرنے کیلئے عاریت پر دی، تو معاہدہ کا خط لکھتے وقت مُعار ان الفاظ سے خط لکھے: إنك أطعمتني أرضك (تو نے اپنی زمین مجھے کھلائی)۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خط ان الفاظ سے لکھے: إنك أعرتني أرضك (تو نے اپنی زمین مجھے عاریت پر دی) کیونکہ یہ عاریت کا عقد ہے، اور اس کیلئے حقیقتاً أعرتني کا لفظ وضع ہوا ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ حقیقی لفظ کو استعمال کیا جائے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ أعرتني کا لفظ مطلق عاریت پر دلالت کرتا ہے، جس میں کاشت کرنا، عمارت بنانا، رہائش کرنا وغیرہ سب شامل ہیں، خاص طور پر کاشت کرنے پر دلالت نہیں کرتا، جبکہ أطعمتني کا لفظ خاص طور پر کاشت کرنے پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ أطعمتني کے لفظ سے خط لکھا جائے۔ والله أعلم بالصواب

---

[1] ماہانہ مزدور سے مراد وہ مزدور ہے جس کو ماہانہ تنخواہ پر رکھا گیا ہو، یہ مزدور گھر کے ایک فرد کی طرح ہوتا ہے، اس میں احتراز ہے اس مزدور سے جس کو روزانہ تنخواہ پر رکھا گیا ہو، یہ مزدور گھر کے ایک فرد کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اجنبی کی طرح ہوتا ہے، لہٰذا مستعیر اس کو جانور دے کر واپس نہیں کر سکتا، ورنہ ہلاک ہونے سے اس پر تاوان آئے گا۔

﴿كِتَابُ الْهِبَةِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الهبة. یعنی یہ کتاب ہبہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ هبة باب فتح (وَهَبَ يَهَبُ) کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: کسی کو بلاعوض کوئی مفید چیز دینا، خواہ مال ہو یا کچھ اور ہو۔ اور اصطلاح میں ہبہ یہ ہے کہ کسی کو بلاعوض مال کا مالک بنادیا جائے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

ہبہ قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے: فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا. [نساء:۴] ''اگر عورتیں خود مہر کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اُسے خوشگواری اور مزے سے کھالو''۔ یہاں چھوڑ دینے سے مراد ہبہ کرنا ہے۔ اور حدیث میں ہے: تَهَادَوْا تَحَابُّوْا. [موطا مالک] ایک دوسرے کو ہدیہ① (ہبہ) دو، آپس میں محبت کرو۔

ہبہ دینا بالاجماع مستحب ہے، بشرطیکہ کسی ناجائز غرض ومقصد کیلئے نہ ہو۔ ہبہ کا رکن ایجاب وقبول ہے، اور شرائط یہ ہیں کہ واہب عاقل، بالغ اور مالک ہو، اور موہوب چیز غیر مشاع، غیر مشغول اور الگ کردی گئی ہو۔ [البحر الرائق: ۷/۴۸۳]

ہبہ دینے والے کو واهب، اور جس کو دیا جائے اس کو موهوب له، اور جو چیز دی جائے اس کو موهوب کہا جاتا ہے۔

مصنفؒ نے عاریت کو ہبہ سے مقدم کردیا، اس لئے کہ عاریت میں صرف منفعت کی تملیک ہوتی ہے، جبکہ ہبہ میں ذات اور منفعت دونوں کی تملیک ہوتی ہے، تو یہ ترقی من الادنیٰ إلی الاعلیٰ ہے۔ اگلے باب تک ہبہ سے متعلق اکیس (۲۱) مسائل ہیں۔

> ① هِيَ تَمْلِيْكُ الْعَيْنِ بِلَا عِوَضٍ ② وَتَصِحُّ بِإِيْجَابٍ ③ كَ: وَهَبْتُ، وَ: نَحَلْتُ، وَ: أَطْعَمْتُكَ هٰذَا الطَّعَامَ، وَ: جَعَلْتُهُ لَكَ، وَ: أَعْمَرْتُكَ هٰذَا الشَّيْءَ، وَ: حَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذَا الدَّابَّةِ نَاوِيًا بِهِ الْهِبَةَ، وَ: كَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ، وَ: دَارِيْ لَكَ هِبَةً تَسْكُنُهَا ④ لَا: هِبَةُ سُكْنٰى، أَوْ: سُكْنٰى هِبَةً.

ترجمہ: ہبہ مالک بنانا ہے عین کا بغیر عوض۔ اور صحیح ہوجاتا ہے ایجاب کے ساتھ، جیسے: میں نے ہبہ کردیا، اور میں نے دے دیا، اور میں نے تجھے کھلایا یہ کھانا، اور میں نے اس کو کردیا تیرے لیے، اور میں نے عمر بھر تجھے دے دی یہ چیز، اور میں نے تجھے سوار کرایا اس جانور پر، ہبہ کی نیت کرتے ہوئے، اور میں نے تجھے پہنایا یہ کپڑا، اور میرا گھر تیرے لئے ہے بطور ہبہ جس میں تو رہائش کرو۔ نہ

---

① ہبہ اور ہدیہ کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ ہبہ میں دینے والا جب ایجاب کرے تو اس کے بعد قبول کرنا ضروری ہے، جبکہ ہدیہ میں قبول کرنا ضروری نہیں ہے، صرف ایجاب سے بھی ہوجاتا ہے۔ [الموسوعة الفقهية: ۴۲/۱۳۹]

کہ (میرا گھر تیرے لئے ہے) بطورِ ہبہ بطورِ رہائش، یا بطورِ رہائش بطورِ ہبہ (کہنے سے)۔

تشریح:

❶ **هي تمليك العين بلا عوض:** یہ ہبہ کی اصطلاحی تعریف ہے۔یعنی ہبہ یہ ہے کہ کسی شخص کو بغیر کسی عوض عین (مال) کا مالک بنادیا جائے۔عین کی قید میں احتراز کیا عاریت سے، کیونکہ اس میں دوسرے کو منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے، نہ کہ عین چیز کا۔اور بلا عوض کی قید میں احتراز کیا بیع سے، کیونکہ اس میں دوسرے کو عین چیز کا مالک بنایا جاتا ہے عوض (ثمن) کے ساتھ۔

بعض اوقات ہبہ میں بھی عوض ہوتا ہے، ایسا ہبہ اگر چہ لفظ کے اعتبار سے تو ہبہ ہے، مگر حقیقت میں بیع ہے، جیسا کہ باب الرجوع في الهبة مسئلہ نمبر (۲۱) میں آئے گا۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

❷ **وتصح بإيجاب:** مسئلہ یہ ہے کہ ہبہ ایجاب وقبول سے صحیح ہو جاتا ہے، یعنی ہبہ کرنے کیلئے واہب کی طرف سے ایجاب اور موہوب لہٗ کی طرف سے قبول اور پھر قبضہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ ہبہ بھی دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے، اور عقد منعقد ہونے کیلئے ایجاب وقبول ضروری ہیں۔مزید تفصیل مسئلہ نمبر (۵) میں ہے۔

❸ **ک: وهبت، و: نحلت، وأطعمتک هذا الطعام....إلخ:** یہاں اُن الفاظ کو بیان فرما رہے ہیں جن کے ذریعے واہب ایجاب کر سکتا ہے، وہ یہ ہیں کہ واہب موہوب لہٗ سے کہے:

◈ **وهبت لک هذا الشيء:** میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کر دی۔یہ لفظ ہبہ میں صریح ہے، لہٰذا اس سے ایجاب ہو جاتا ہے۔

◈ **نحلتک هذا الشيء:** میں نے یہ چیز تجھے دی ہے۔ نَحَلَ يَنْحَلُ نُحْلًا کا لفظ بھی ہبہ میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے دریافت فرمایا: أكلَّ أولادِک نحلت مثلَ هذا؟ [ترمذی] یعنی کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح ہبہ کیا ہے؟① لہٰذا نحلت کے لفظ سے بھی ہبہ کا ایجاب ہو جاتا ہے۔

◈ **أطعمتک هذا الطعامَ:** میں نے تجھے یہ غلّہ کھلایا۔إطعام (کھلانے) کی نسبت جب کھانے کی چیز کی طرف کی جائے تو اس سے مراد تملیک ہوتی ہے، لہٰذا أطعمتک هذا الطعامَ کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے تجھے غلّے کا مالک بنا دیا، اور یہ ہبہ ہی ہے۔

◈ **جعلته لک:** میں نے یہ چیز تیرے لئے کر دی۔یہاں لَکَ میں لام تملیک کیلئے ہے، یعنی میں نے تجھے اس چیز کا مالک بنا دیا، لہٰذا اس سے بھی ہبہ کا ایجاب ہو جاتا ہے۔

◈ **أعمرتک هذا الشيءَ:** میں یہ چیز تجھے عمر بھر کیلئے دی۔أعمر کے معنی ہیں: عمر بھر کیلئے دینا، یہ لفظ بھی ہبہ کیلئے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَن أعمر عمریٰ فهي للمُعمَرِله، ولورثته من بعده. [ابوداؤد] یعنی جس نے

---

① اس کا واقعہ یہ ہے کہ نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا غلام ہبہ کیا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی تمام اولاد کو اس کی مثل ہبہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو واپس کر لو۔

عمر بھر کیلئے کوئی چیز دے دی تو وہ معمر لہٗ کی ہوگی، اور اس کے بعد اس کے ورثہ کی ہوگی۔

◈ وحملتک علیٰ هٰذا الدابة ناويا به الهبة: میں نے تجھے اس جانور پر سوار کردیا، اور یہ کہتے ہوئے اس نے ہبہ کی نیت کی، تو اس سے ہبہ ہوجاتا ہے۔ نیت کرنا اس لئے شرط ہے کہ یہ الفاظ عاریت کیلئے بھی استعمال ہوسکتے ہیں، مگر جب اس نے ہبہ کی نیت کی تو عاریت کا احتمال ختم ہوگیا۔

◈ كسوتک هذا الثوب: میں نے یہ کپڑا تجھے پہنایا۔ اس سے بھی ہبہ کا ایجاب ہوجاتا ہے، کیونکہ محاورہ میں یہ الفاظ تملیک کیلئے استعمال ہوتے ہیں، یعنی میں نے تجھے کپڑے کا مالک بنادیا۔

◈ داري لک هبة تسكنها: میرا گھر تمہارا ہے بطور ہبہ جس میں تو رہائش کرے۔ اس سے بھی ہبہ ہوجاتا ہے، کیونکہ لک میں لام تملیک کیلئے ہے، اور هبة اس کی تمیز ہے۔ تسكنها مشورہ کیلئے ہے، یعنی میرا مشورہ ہے کہ اس گھر میں رہائش کرو، هبة کیلئے تفسیر نہیں ہے، کیونکہ فعل سے اسم کی تفسیر نہیں ہوسکتی۔

❹ لا: هبة سكنى، أو سكنى هبة: أي: لا تصح بقوله: داري لک هبة.... حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا: داري لک هبة سكنى (میرا گھر تمہارا ہے بطور ہبہ، بطور رہائش)، یا یوں کہا: داري لک سكنى هبة (میرا گھر تمہارا ہے بطور رہائش، بطور ہبہ) تو اس سے ہبہ کا ایجاب صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں سكنى اور هبة دونوں اسم ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کیلئے تفسیر بن سکتے ہیں، اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہنے والا ہبہ کررہا ہے، یا صرف رہائش کیلئے عاریت پر دے رہا ہے۔

❺ وَقَبُولٍ، وَقَبْضٍ فِي الْمَجْلِسِ بِلَا إِذْنِهِ ❻ وَبَعْدَهُ: بِهِ ❼ فِي مَحُوزٍ، مَقْسُومٍ ❽ وَمُشَاعٍ لَا يُقْسَمُ ❾ لَا فِيمَا يُقْسَمُ ❿ فَإِنْ قَسَمَهُ، وَسَلَّمَهُ: صَحَّ ⓫ وَإِنْ وَهَبَ دَقِيقًا فِي بُرٍّ: لَا وَإِنْ طَحَنَ، وَسَلَّمَ ⓬ وَكَذَا الدُّهْنُ فِي السِّمْسِمِ، وَالسَّمْنُ فِي اللَّبَنِ.

ترجمہ: اور (ہبہ صحیح ہوجاتا ہے) قبول کے ساتھ، اور مجلس میں قبضہ کرنے کے ساتھ، واہب کی اجازت کے بغیر۔ اور مجلس کے بعد اس کی اجازت سے۔ اکھٹی کی ہوئی اور تقسیم کی ہوئی چیز میں۔ اور غیر تقسیم شدہ چیز میں جس کو تقسیم نہ کیا جاسکتا ہو۔ نہ کہ اس چیز میں جس کو تقسیم کیا جاسکے۔ پس اگر اس کو تقسیم کردیا اور موہوب لہٗ کو تسلیم کردیا تو صحیح ہوجائے گا۔ اور اگر آٹے کو ہبہ کیا گندم میں تو (صحیح) نہیں، اگرچہ پیس دے اور تسلیم کردے۔ اور اسی طرح ہیں تیل تل میں، اور گھی دودھ میں۔

لغات:

محوز: جیسے مقول باب نصر (حاز يحوز حيازة) سے اسم مفعول ہے، بمعنی اکھٹا کیا ہوا، الگ کیا ہوا۔ مشاع: جیسے مقام باب إفعال (أشاع يشيع إشاعة) سے اسم مفعول ہے، محوز کی ضد ہے، بمعنی پھیلا ہوا، مشترک، غیر تقسیم شدہ۔ طحن: فتح کے باب

سے فعل ماضی ہے، پیسنا۔ الدھن: تیل۔ السمسم: تل۔ السمن: گھی۔

تشریح:

❺ وقبول، وقبض في المجلس بلا إذنه: «ہ» کا مرجع واھب ہے۔ یہ عبارت عطف ہے مسئلہ نمبر (۲) میں إیجاب پر، أي: وتصح بقبول، وقبض... مسئلہ یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہوجاتا ہے واہب کی طرف سے ایجاب اور موہوب لہٗ کی طرف سے قبول اور قبضہ کرنے کے ساتھ، اس کے بعد موہوب لہٗ کیلئے موہوب چیز کی ملک ثابت ہوجائے گی۔

امام مالکؒ کے نزدیک قبضہ کے بغیر ملک ثابت ہوجائے گی، جیسے بیع میں ایجاب وقبول کرنے سے مشتری کیلئے ملک ثابت ہو جاتی ہے، اگرچہ اس نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہبہ صحیح نہیں ہوتا مگر قبضہ کے ساتھ۔ [ہدایہ] نیز ہبہ تبرع کا عقد ہے جو غیر لازم اور کمزور ہے، لہٰذا اس میں ملک ثابت ہونے کیلئے قبضہ ضروری ہے تاکہ اس میں قوت پیدا ہوجائے۔

پھر موہوب لہٗ اگر اسی مجلس میں قبضہ کرتا ہے تو اس کیلئے واہب کی طرف سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے، بغیر اجازت بھی قبضہ کرسکتا ہے، کیونکہ واہب نے جب ایجاب کیا تو گویا قبضہ کرنے کی اجازت بھی دی، یعنی اس کا ایجاب اجازت کے مرتبہ میں ہے۔

❻ وبعدهٗ به: أي: وتصح بقبض بعدهٗ به: یعنی اگر موہوب لہٗ مجلس ختم ہونے کے بعد قبضہ کرتا ہے تو واہب کی اجازت سے قبضہ صحیح ہوگا، اس کی اجازت کے بغیر قبضہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ مجلس ختم ہونے کے بعد واہب کا ایجاب بھی ختم ہوگیا، تو اجازت بھی نہ رہی، لہٰذا مجلس کے بعد موہوب لہٗ نہ قبول کرسکتا ہے، اور نہ قبضہ۔

❼ في محوز، مقسوم: جار مجرور کا تعلق مسئلہ نمبر (۲) میں تصح سے ہے، أي: تصح في محوز، مقسوم.
مسئلہ یہ ہے کہ ہبہ ایسی چیز میں صحیح ہوگا جس کو اکٹھا کردیا گیا ہو اور تقسیم کرکے الگ کردیا گیا ہو۔

محوز میں احتراز ہوا اس صورت سے کہ واہب درخت پر لگے ہوئے پھل کو ہبہ کردے، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کو اکٹھا نہیں کیا گیا ہے۔ اور مقسوم میں احتراز ہوا اس صورت سے کہ اپنی ہزار فٹ زمین میں سے دوسو کو ہبہ کردے، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کو تقسیم نہیں کیا گیا ہے۔ غیر محوز اور غیر مقسوم چیز کا ہبہ اس لئے صحیح نہیں کہ وہ واہب کی ملک کے ساتھ متصل ہے، مثلاً مذکورہ صورت میں پھل درخت کے ساتھ متصل ہے، اور دوسو فٹ باقی آٹھ سو فٹ کے ساتھ متصل ہے، جس کی وجہ سے موہوب لہٗ اس چیز پر قبضہ نہیں کرسکتا، حالانکہ مسئلہ نمبر (۵) میں ثابت ہوا کہ قبضہ کرنا ضروری ہے۔

❽ ومشاع لا یُقسم: أي: تصح في مشاع لا یقسم. مسئلہ یہ ہے کہ وہ چیز جس کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا جیسے غلام، کنواں وغیرہ، اس میں مشاع (غیر تقسیم شدہ) ہبہ بھی صحیح ہے، لہٰذا اگر کسی نے آدھا غلام دوسرے کو ہبہ کردیا، یا آدھا کنواں ہبہ کردیا تو صحیح ہے، کیونکہ ایسی چیز میں ہبے کا آدھا حصہ الگ نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اس میں مجبوری کی وجہ سے ناقص قبضہ بھی کافی ہے۔ ناقص قبضہ یہ ہے کہ غلام ایک دن واہب کی خدمت کرے ایک موہوب لہٗ کی، یا کنویں سے ایک دن واہب پانی لیا کرے ایک دن موہوب لہٗ۔

⑨ لا فيما يُقسم: أي: لا تصح في مشاع يُقسم. یعنی وہ مشاع چیز جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے اس میں تقسیم کے بغیر ہبہ صحیح نہیں ہوگا، مثلاً ہزار فٹ زمین میں سے دوسوفٹ کا حصہ مشاع ہے، اور اس کو تقسیم کر کے الگ بھی کیا جاسکتا ہے، لہٰذا تقسیم کے بغیر اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۷) میں بیان ہوا۔

⑩ فإن قسمهٔ، وسلّمهٔ: صح: «ہٗ» کی دونوں ضمیروں کا مرجع مشاع ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر واہب نے مشاع چیز کو ہبہ کیا، مثلاً ہزار فٹ زمین میں سے دوسو کو ہبہ کر دیا، اور پھر تقسیم کر کے اس کو الگ کر دیا اور موہوب لہٗ کو تسلیم کر دیا، تو ہبہ صحیح ہو گیا، کیونکہ ہبہ قبضہ کرنے سے تام ہو جاتا ہے، اور یہاں اگر چہ ایجاب وقبول کے وقت وہ چیز (دوسوفٹ) مشاع ہے، مگر تسلیم کرنے اور قبضہ کرنے کے وقت مشاع نہیں ہے، لہٰذا واہب نے جب دوسوفٹ کو الگ کر دیا اور موہوب لہٗ نے اس پر قبضہ کر لیا تو ہبہ صحیح ہو گیا۔

⑪ وإن وهب دقيقا في برّ: لا، وإن طحن وسلّم: اگر کسی شخص نے گندم کی طرف اشارہ کیا اور اس میں موجود آٹا کسی کو ہبہ کر دیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، اگر چہ بعد میں گندم پیس کر آٹا بنائے اور موہوب لہٗ کو تسلیم کر دے، کیونکہ ہبہ کرنے کے وقت موہوب چیز (آٹے) کا وجود ہی نہیں، اور بعد میں جب آٹا وجود میں آیا تو اس کیلئے نئے سرے سے عقد کرنا ضروری ہے، سابقہ عقد باطل ہو گیا۔

⑫ وكذا الدهن في السمسم، والسّمن في اللبن: یعنی ماقبل صورت کی طرح ہبہ صحیح نہیں ہوگا اگر تل میں موجود تیل کو ہبہ کر دیا، اگر چہ بعد میں تل سے تیل نکال کر موہوب لہٗ کو تسلیم کر دے، یا دودھ میں موجود گھی کو ہبہ کر دیا، اگر چہ بعد میں دودھ سے گھی نکال کر تسلیم کر دے، وجہ وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی، کہ ہبہ کے وقت موہب چیز (تیل، یا گھی) کا وجود ہی نہیں۔

> ⑬ وَمَلَكَ بِلَا قَبْضٍ جَدِيْدٍ لَوْ فِي يَدِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ ⑭ وَهِبَةُ الْأَبِ لِطِفْلِهٖ تَتِمُّ بِالْعَقْدِ ⑮ وَإِنْ وَهَبَ لَهٗ أَجْنَبِيٌّ: تَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهٖ ⑯ وَأُمِّهٖ، وَأَجْنَبِيٍّ لَوْ فِي حِجْرِهِمَا ⑰ وَبِقَبْضِهٖ إِنْ عَقَلَ ⑱ وَلَوْ وَهَبَ إِثْنَانِ دَارًا لِوَاحِدٍ: صَحَّ ⑲ لَا عَكْسُهٗ ⑳ وَصَحَّ تَصَدُّقُ عَشْرَةٍ، وَهِبَتُهَا لِفَقِيْرَيْنِ ㉑ لَا لِغَنِيَّيْنِ.

ترجمہ: اور مالک ہو جائے گا نئے قبضے کے بغیر اگر (ہبہ کی چیز) موہوب لہٗ کے ہاتھ میں ہو۔ اور باپ کا ہبہ اپنے چھوٹے بچے کیلئے تام ہو جاتا ہے عقد سے۔ اور اگر بچے کیلئے ہبہ کر دیا کسی اجنبی نے، تو تام ہو جاتا ہے اس کے ولی کے قبضہ سے۔ اور اس کی ماں اور اجنبی کے قبضہ سے بشرطیکہ (بچہ) ان کی پرورش میں ہو۔ اور خود بچے کے قبضہ سے (ہبہ تام ہو جاتا ہے) بشرطیکہ وہ سمجھتا ہو۔ اور اگر دو آدمیوں نے گھر ہبہ کر دیا ایک آدمی کو، تو صحیح ہے۔ نہ کہ اس کے برعکس۔ اور صحیح ہے دس (دراہم) کو صدقہ کرنا اور ان کو ہبہ کرنا دو فقیروں کو۔ نہ کہ دو مالداروں کو۔

تشریح: ⑬ وملك بلا قبض جديد ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر موہوب چیز پہلے سے ہی موہوب لہٗ کے ہاتھ میں

ہو اور پھر واہب نے وہ چیز اُسی کو ہبہ کردی تو ایجاب وقبول سے موہوب لہ مالک ہو جائے گا، نئے قبضے کی ضرورت نہیں ہے، موہوب لہ کو①
پہلے سے جو قبضہ حاصل تھا وہ ہبہ کے قبضے کا قائم مقام ہے، کیونکہ ہبہ میں اصل شرط قبضہ ہے، اور وہ موہوب لہ کو پہلے سے حاصل ہے۔

⑭ وهبة الأب لطفله تتم بالعقد: اگر باپ نے اپنے نابالغ بچے کو کوئی چیز ہبہ کردی تو محض عقد کرنے سے ہبہ تام ہوکر بچہ اس چیز کا مالک ہو جائے گا، مثلاً جب باپ نے کہا کہ میں نے یہ چیز اپنے بچے کو ہبہ کردی، تو بچہ مالک ہو گیا، نہ قبول کی ضرورت ہے اور نہ قبضے کی، کیونکہ بچہ باپ کی پرورش میں ہے، تو باپ کی رضامندی بچے کے قبول کے قائم مقام ہے، اور باپ کا قبضہ بچے کے قبضے کا قائم مقام ہے۔ یہی حکم ہر اس شخص کا ہے کہ بچہ اس کی پرورش میں ہو۔ [الدر علی ہامش رد المحتار: ۸/۵۸۰]

⑮ وإن وهب له أجنبيّ: تتم بقبض وليه: اگر کسی اجنبی آدمی نے بچے کو ہبہ دیا، تو بچے کے ولی (سرپرست) کے قبضہ کرنے سے ہبہ تام ہو جاتا ہے، کیونکہ ولی کو بچے پر ولایت (اختیار) حاصل ہے، لہٰذا ولی کا قبضہ بچے کے قبضے کا قائم مقام ہے، اگرچہ بچہ ولی کی پرورش میں نہ ہو۔ ولی سے مراد ہے باپ، پھر باپ کا وصی، پھر دادا، پھر دادا کا وصی پھر حاکم، پھر قاضی، پھر قاضی کا وصی۔ [ایضاً]

⑯ وأمه، وأجنبيّ لو في حجرهما: یہ عطف ہے ولیہ پر۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی آدمی نے بچے کو ہبہ دیا، اور بچے کی ماں نے اس چیز پر قبضہ کیا، یا کسی اور اجنبی نے قبضہ کیا تو ہبہ تمام ہوا، اور بچہ اس چیز کا مالک ہو گیا، بشرطیکہ بچہ ماں کی پرورش میں ہو، یا اُس قبضہ کرنے والے اجنبی کی پرورش میں ہو، کیونکہ پرورش کی وجہ سے ماں اور اجنبی کو بچے پر ولایت حاصل ہے، لہٰذا ماں اور اجنبی آدمی ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس میں بچے کا فائدہ ہو، اور ہبہ قبضہ کرنے میں بچے کا فائدہ ہے، تو ماں اور اجنبی کا قبضہ بچے کے قبضے کا قائم مقام ہے۔ ہاں! اگر بچہ ماں یا اجنبی کی پرورش میں نہ ہو تو وہ بچے کیلئے ہبہ قبض نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کو بچے پر ولایت نہیں ہے۔

⑰ وبقبضه إن عقل: أي: تتم بقبضه إن عقل. «ہ» کا مرجع طفل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر بچہ سمجھدار ہو تو خود اس کے قبضہ کرنے سے بھی ہبہ تام ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں بچے کا فائدہ ہی فائدہ ہے، اور ہر وہ کام جس میں بچے کا یقینی فائدہ ہو اس میں وہ بالغ مرد کی طرح ہے۔ اگر بچہ سمجھدار نہ ہو تو اس کے قبضہ کرنے سے ہبہ تام نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس چیز کو سنبھال نہیں سکتا، لہٰذا یہ ایسا ہے جیسے واہب کسی چیز کو زمین پر پھینک دے اور بچہ اس کو اٹھا لے۔

⑱ ولو وهب إثنان دارا لواحد: صحّ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، دونوں نے مل کر یکبارگی کسی شخص کو ہبہ کر دیا اور اس نے بھی یکبارگی دونوں سے قبول کر لیا، تو ہبہ صحیح ہو گیا، یہاں اگرچہ ہبہ کرنے والوں میں سے ہر ایک کا حصہ مشاع ہے، مگر پھر بھی ہبہ اس لئے صحیح ہوا کہ واہبین نے بیک مرتبہ ایجاب کیا اور موہوب لہ نے بیک مرتبہ قبول کیا، لہٰذا مشاع ہونے کا اثر ظاہر نہیں ہوا، تو گویا ایک واہب نے سارا گھر ہبہ کر دیا۔

⑲ لا عكسه: أي: لا يصح عكسه. یعنی ماقبل مسئلے کے برعکس ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، وہ یہ کہ گھر ایک آدمی کا

---

① خواہ امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہو، یا غصب کیا ہو، یا کسی اور طریقے سے اس کے ہاتھ میں آیا ہو۔

ہے، اس نے دو آدمیوں کو ہبہ کر دیا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ موہوب لہما میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا حصہ ہبہ ہوا، اور آدھا حصہ مشاع ہے، اور مسئلہ نمبر (۹) میں بیان ہوا کہ مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح ہے، کیونکہ واہب نے یکبارگی دونوں کو ہبہ کر دیا، لہٰذا ماقبل مسئلے کی طرح اس میں بھی مشاع ہونے کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

قول راجح:

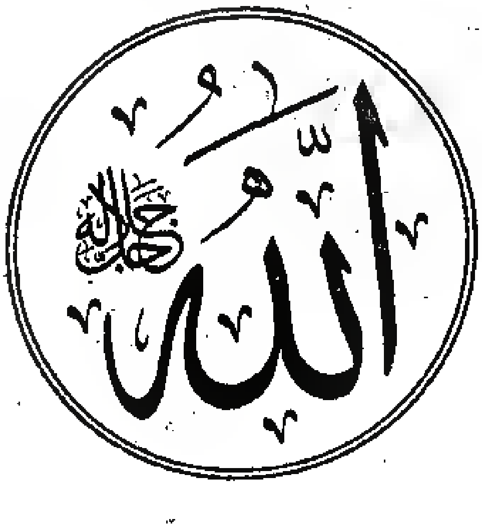
امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔ وفي الغياثية: وهو المختار. [ہندیہ: ۴/۴۰۰۔ تاتارخانیہ: ۱۴/۴۲۴۔ بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/۴۰۰]

⑳ وصح تصدق عشرة، وهبتها لفقيرين: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مشاع (غیر تقسیم شدہ) طور پر دس دراہم دو فقیروں کو صدقہ کر دیئے، یا ان کو ہبہ کر دیئے، تو یہ صحیح ہے، یہاں اگرچہ مشاع کا ہبہ یا صدقہ ہو رہا ہے، مگر صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فقیروں کو خواہ صدقہ دیا جائے یا ہبہ دیا جائے اس کا مقصد اللہ کی رضا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد لاشریک ہے، اس میں مشاع وغیر مشاع کا سوال ہی نہیں ہوتا، تو گویا یہ دس دراہم اللہ تعالیٰ کو دیئے، اس لئے مشاع طور پر بھی صحیح ہے۔

㉑ لا لغنيين: أي: لا يصح تصدق عشرة، وهبتها لغنيين. یعنی مذکورہ صورت کے برخلاف اگر کسی نے مشاع طور پر دس دراہم دو مالداروں کو صدقہ کر دیئے، یا ہبہ کر دیئے، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مالداروں کو صدقہ دینے یا ہبہ دینے کا مقصود غرض مالدار کی رضا ہوتی ہے، اور وہ دو ہیں، لہٰذا مشاع طور پر ان کو نہ صدقہ دینا صحیح ہوگا اور نہ ہبہ، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۹) میں بیان ہوا۔

والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆



﴿بَابُ الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الرجوع في الهبة. یعنی یہ باب ہبہ میں رجوع کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔

رجوع کے معنی ہیں: واپس لینا۔ اس باب میں یہ بیان کریں گے کہ واہب کن صورتوں میں ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے، اور کن میں نہیں لے سکتا۔ ماقبل میں مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا کہ ہبہ غیر لازم اور کمزور عقد ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ میں موہوب لہٗ کو ایسی ملک ثابت ہوجاتی ہے جو لازم و مضبوط نہیں ہے، لہٰذا واہب کو حق ہوتا ہے کہ اپنی چیز واپس اس سے لے لے، مگر بعض صورتوں میں ایسی رکاوٹ پیش آجاتی ہے کہ واہب رجوع نہیں کرسکتا۔

مصنفؒ نے اس باب میں واہب کے رجوع کرنے اور نہ کرنے اور استثناء سے متعلق پینتیس (۳۵) مسائل ذکر کئے ہیں۔

① صَحَّ الرُّجُوعُ فِيهَا ② وَمَنَعَ الرُّجُوعَ: دَمْعُ خَزَقَهْ ③ فَالدَّالُ الزِّيَادَةُ الْمُتَّصِلَةُ كَالْغَرْسِ، وَالْبِنَاءِ، وَالسِّمَنِ ④ وَالْمِيمُ: مَوْتُ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ ⑤ وَالْعَيْنُ: الْعِوَضُ، فَإِنْ قَالَ: خُذْهُ عِوَضَ هِبَتِكَ، أَوْ: بَدَلَهَا، أَوْ بِمُقَابَلَتِهَا، فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ: سَقَطَ الرُّجُوعُ.

ترجمہ: رجوع کرنا صحیح ہے ہبہ میں۔ اور رجوع کو منع کردیتے ہیں دمع خزقه (کے حروف)۔ پس دال (سے مراد) متصل زیادتی ہے، جیسے درخت لگانا، عمارت بنانا اور موٹاپا۔ اور میم (سے مراد) موت ہے عاقدین میں سے ایک کی۔ اور عین (سے مراد) عوض ہے، تو اگر (موہوب لہٗ نے واہب سے) کہا کہ اس (چیز) کو لے لو اپنے ہبہ کے عوض میں، یا اس کے بدلے میں، یا اس کے مقابلے میں، اور واہب نے اس (چیز) پر قبضہ کرلیا، تو رجوع ساقط ہوگیا۔

تشریح:

① صح الرجوع فيها: مسئلہ یہ ہے کہ اگر واہب کسی کو کوئی چیز ہبہ کردے، اور موہوب لہٗ اس پر قبضہ بھی کرے، تو واہب کو اس میں رجوع کرکے واپس لے لینا صحیح ہے، اگرچہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا اپنی قے کو چاٹنے والے کی طرح ہے۔ [بخاری] یہ احنافؒ کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ہبہ اگر اجنبی کو دیا جائے تو اس میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے، اور اگر باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کرے تو اس میں رجوع کرسکتا ہے، دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: واہب ہبہ میں رجوع نہیں کرسکتا، مگر یہ کہ والد اپنے بیٹے کو ہبہ کرے۔ [ابوداؤد]

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: واہب اپنے ہبے کا زیادہ حقدار ہے، جب تک اُسے عوض نہ دیا جائے۔[دارقطنی] امام شافعیؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ واہب رجوع کرنے میں خودمختار نہیں ہے، بلکہ اس کیلئے موہوب لہٗ کا راضی ہونا یا قاضی کا فیصلہ شرط ہے، اس تأویل سے دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔

② **ومنع الرجوع دمعٌ خزقه:** یعنی سات چیزیں ایسی ہیں جو رجوع کرنے کو منع کردیتی ہیں، ان میں سے اگر ایک چیز موجود ہوئی تو واہب ہبہ میں رجوع نہیں کرسکتا، مصنفؒ نے ان سات چیزوں کی طرف دمع خزقه کے حروف سے اشارہ فرمایا ہے۔ تفصیل آنے والے مسائل میں ہے۔ دمعٌ خزقه کا لغوی ترجمہ ہے: آنسوؤں نے اس کو زخمی کردیا۔

③ **فالدال: الزيادة المتصلة كالغرس، والبناء، والسمن:** دمع خزقه میں سے پہلے حرف دال سے مراد زیادتی ہے①، ایسی زیادتی جو موہوب چیز کے ساتھ متصل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ واہب نے موہوب لہٗ کو کوئی چیز ہبہ کردی، اس کے بعد موہوب چیز میں ایسی زیادتی آئی جس کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ گئی، اور وہ زیادتی اس چیز کے ساتھ متصل ہے، الگ نہیں ہوسکتی، مثلاً واہب نے زمین ہبہ کردی، پھر موہوب لہٗ نے اس میں درخت لگائے، یا عمارت بنائی، یا واہب نے کوئی جانور ہبہ کردیا، بعد میں وہ موہوب لہٗ کے ہاں موٹا تازہ ہوگیا، تو ایسی صورت میں واہب کیلئے اس ہبہ میں رجوع کرنا منع ہوگیا، اس لئے کہ واہب اگر رجوع کرتے ہوئے زیادتی کو بھی لے لیتا ہے تو یہ اس کیلئے جائز نہیں ہے، کیونکہ زیادتی ہبہ میں داخل نہیں ہے، اور اگر زیادتی کو چھوڑ کر اصل چیز لینا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ زیادتی اصل چیز کے ساتھ ایسی متصل ہے کہ الگ نہیں ہوسکتی۔

④ **والميم: موت أحد المتعاقدين:** دوسرے حرف میم سے موت مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عاقدین (واہب اور موہوب لہٗ) میں سے کوئی ایک مرگیا تو واہب کا رجوع کرنا منع ہوگیا، اس لئے کہ اگر وہ مرگیا تو اس کا وارث عقد سے اجنبی ہے، اور اجنبی کو رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور اگر موہوب لہٗ مرگیا تو موہوب چیز اس کے ورثہ کو منتقل ہوگئی، اور وہ ورثہ بھی عقد سے اجنبی ہیں، لہٰذا واہب ان سے نہیں لے سکتا۔

⑤ **والعين: العوض فإن قال: خذه عوض هبتك، أو ....إلخ:** تیسرے حرف عین سے مراد عوض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر موہوب لہٗ نے واہب کو عوض دیا، مثلاً اس کو کوئی چیز دے کر کہا کہ یہ چیز اپنے ہبے کے عوض میں لے لو، یا اس کے بدلے میں لے لو، یا اس کے مقابلے میں لے لو، اور واہب نے بھی اس چیز پر قبضہ کرلیا تو اس کا رجوع منع ہوگیا، کیونکہ واہب کو جب ہبے کا عوض مل گیا تو اس کا مقصود حاصل ہوگیا، گویا اس نے عوض کے بدلے موہوب چیز کو فروخت کردیا، اور ظاہر بات ہے کہ فروخت شدہ چیز میں بائع کو رجوع کا حق نہیں ہے، لہٰذا عوض لے کر واہب کو بھی رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

---

① زيادة کا پہلا حرف اگرچہ زاء ہے، مگر مصنفؒ نے اس کی طرف دال سے اشارہ فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر زاء سے اشارہ فرماتے تو وہ حروف زمع خزقه بن جاتے، اس میں ایک تو زاء مکرر ہوجاتی، اور دوسرے یہ کہ لغوی معنی بھی خراب ہوجاتے۔

❻ وَصَحَّ عَنْ أَجْنَبِيٍّ ❼ وَإِنْ اُسْتُحِقَّ نِصْفُ الْهِبَةِ: رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ ❽ وَبِعَكْسِهِ: لَا حَتّٰى يَرُدَّ مَا بَقِيَ ❾ وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ: رَجَعَ بِمَا لَمْ يُعَوِّضْ ❿ وَالْخَاءُ: خُرُوْجُ الْهِبَةِ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ ⓫ وَبِبَيْعِ نِصْفِهَا رَجَعَ فِي النِّصْفِ، كَعَدَمِ بَيْعِ شَيْءٍ.

ترجمہ: اور (عوض دینا) صحیح ہے اجنبی کی طرف سے۔اور اگر آدھا ہبہ کسی اور کا نکلا تو رجوع کرے آدھے عوض کے ساتھ۔ اور اس کے عکس میں (رجوع) نہیں، یہاں تک کہ باقی کو لوٹادے۔اور اگر عوض دے دیا آدھے کا تو رجوع کرے اس حصے کا جس کا عوض نہیں دیا۔اور خـاء (سے مراد) ہبہ کا نکل جانا ہے موہوب لہٗ کی ملک سے۔اور آدھے ہبہ کو فروخت کرنے سے رجوع کرے (دوسرے) آدھے میں، جیسے کچھ بھی فروخت نہ کرنا۔

تشریح:

❻ وصحّ عن أجنبي: صورت مسئلہ یہ ہے کہ واہب نے موہوب لہٗ کو ہبہ دیا، پھر ایک اجنبی آدمی نے واہب کو ہبہ کا عوض دیا، اور واہب نے اس کو قبول کر لیا، تو یہ صحیح ہے، لہٰذا واہب کا حقِ رجوع ساقط ہوگیا، جیسے موہوب لہٗ خود عوض دے، کیونکہ عوض قبول کرنے سے واہب کا مقصود پورا ہوگیا، خواہ موہوب لہٗ کی طرف سے عوض دیا گیا ہو، یا اجنبی کی طرف سے، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

❼ وإن استُحق نصفُ الهبة: رجع بنصف العوض: مسئلہ یہ ہے کہ واہب نے موہوب لہٗ کو چار ہزار فٹ زمین ہبہ کر دی، اس کے عوض میں موہوب لہٗ نے اس کو سو من گندم دی، اس کے بعد آدھی زمین (دو ہزار فٹ) کا کوئی حقدار نکل آیا، اس نے دعویٰ کر کے موہوب لہٗ سے آدھی زمین لے لی، تو اب موہوب لہٗ آدھے عوض (پچاس من گندم) میں رجوع کر کے واہب سے لے سکتا ہے، کیونکہ موہوب لہٗ نے اسی غرض سے عوض دیا تھا کہ زمین اس کیلئے صحیح سالم رہے، لیکن جب مستحق نے آدھی زمین موہوب لہٗ سے لے لی تو اس کیلئے زمین سالم نہ رہی، لہٰذا جس قدر زمین موہوب لہٗ کے ہاتھ سے نکل جائے اسی کے بقدر وہ عوض میں رجوع کر سکتا ہے۔

❽ وبعكسه: لا حتى يردّ مابقي: أي: وبعكسه: لا يرجع حتى يردّ مابقي. لا يرجع اور يردّ میں ضمائر کا مرجع واہب ہے۔یعنی ماقبل صورت کے برعکس اگر نصف عوض (پچاس من گندم) کا کوئی حقدار نکل آیا، اور اس نے دعویٰ کر کے پچاس من گندم واہب سے لے لی، تو واہب موہوب لہٗ پر رجوع نہیں کر سکتا، اور اس سے آدھی زمین نہیں لے سکتا، اس لئے کہ موہوب لہٗ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو شروع ہی سے پچاس من گندم عوض میں دی ہے، نہ کہ سو من، اور وہ پچاس من گندم واہب کے ہاتھ میں صحیح سالم ہے، لہٰذا اس کو رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

البتہ اگر واہب نے باقی پچاس من گندم بھی موہوب لہٗ کو واپس کر دی تو اس کے بعد وہ مکمل موہوب (چار ہزار فٹ زمین) میں

رجوع کرسکتا ہے، کیونکہ واہب نے کیلئے پورا عوض (سومن گندم) سالم نہیں رہا، آدھا مستحق لے گیا اور باقی آدھا اس نے موہوب لہٗ کو واپس کردیا، تو اب اُسے دوبارہ موہوب چیز میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگیا۔

⑨ ولو عوّض النصف: رجع بما لم يعوّض: عوّض اور يعوّض میں ضمائر کا مرجع موهوب له ہے۔ اور رجع کی ضمیر واهب کی طرف راجع ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موہوب لہٗ نے واہب کو آدھے ہبے کا عوض دیا، تو واہب دوسرے نصف حصے میں رجوع کرسکتا ہے جس کا عوض موہوب لہٗ نے نہیں دیا، کیونکہ ہبہ کے پہلے نصف میں واہب کا مقصد پورا ہو کر اس کا حق رجوع ساقط ہوگیا، جبکہ دوسرے نصف کا اس نے عوض نہیں لیا ہے، لہٰذا اس کا حق رجوع باقی ہے۔

⑩ والخاء: خروج الهبة من ملك الموهوب له: دمع خزقه میں تیسرے حرف خاء سے مراد ہے: موہوب لہٗ کی ملک سے ہبہ کا نکل جانا۔ یعنی اگر موہوب چیز موہوب لہٗ کی ملک سے نکل گئی، مثلاً اس نے دوسرے کو ہبہ کردی یا بیچ دی، تو اس کی وجہ سے واہب کا رجوع کرنا منع ہوگیا، کیونکہ وہ چیز موہوب لہٗ کی ملک میں رہی نہیں، تو واہب رجوع کر کے کیا لے گا؟ اور موہوب لہٗ کو یہ اختیار بھی واہب نے دیا ہے کہ اس نے موہوب چیز کو اپنی ملک سے نکال دیا، لہٰذا واہب اس سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا۔

⑪ وببيع نصفها: رجع في النصف، كعدم بيع شيء: «ها» کا مرجع هبة ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موہوب لہٗ نے آدھے ہبے کو فروخت کر کے اپنی ملک سے نکال دیا، تو واہب باقی ماندہ آدھے میں رجوع کرسکتا ہے، کیونکہ یہ آدھا ابھی تک موہوب لہٗ کی ملک سے نہیں نکلا، لہٰذا رجوع کرنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، جیسے موہوب لہٗ نے ابھی تک کچھ بھی فروخت نہ کیا ہو، یعنی اگر موہوب لہٗ نے ہبہ میں سے کچھ بھی فروخت نہ کیا ہو تو واہب کو آدھے ہبہ میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، تو اگر موہوب لہٗ نے آدھا فروخت کیا تو بھی واہب کو باقی ماندہ آدھے میں رجوع کا حق ہوگا۔

⑫ وَالزَّاءُ: الزَّوْجِيَّةُ ⑬ فَلَوْ وَهَبَ، ثُمَّ نَكَحَهَا: رَجَعَ ⑭ وَبِالْعَكْسِ: لَا ⑮ وَالْقَافُ: الْقَرَابَةُ، فَلَوْ وَهَبَ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ: لَا يَرْجِعُ فِيهَا ⑯ وَالْهَاءُ: الْهَلَاكُ ⑰ فَلَوْ ادَّعَاهُ: صُدِّقَ ⑱ وَإِنَّمَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ بِتَرَاضِيهِمَا، أَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ.

ترجمہ: اور زاء (سے مراد) زوجیت ہے۔ پس اگر (کسی عورت کو) ہبہ دیا، پھر اس سے نکاح کیا تو رجوع کرسکتا۔ اور اس کے برعکس نہیں (کرسکتا)۔ اور قاف (سے مراد) قرابت ہے، پس اگر ہبہ دیا اپنے ذی رحم محرم کو تو رجوع نہیں کرسکتا اس میں۔ اور ھاء (سے مراد) ہلاک ہونا ہے۔ پس اگر ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو تصدیق کی جائے گی۔ اور رجوع کرنا صحیح ہے دونوں کی رضامندی سے، یا حاکم کے فیصلے سے۔

تشریح: ⑫ والزاء: الزوجية: دمع خزقه میں سے پانچویں حرف زاء سے زوجیت مراد ہے۔ یعنی اگر شوہر نے

بیوی کو ہبہ دیا، یا بیوی نے شوہر کو دیا تو زوجیت کی وجہ سے واہب کا اپنے ہبہ میں رجوع کرنا منع ہے، کیونکہ زوجین کا ایک دوسرے کو ہبہ دینے کا مقصد احسان کا معاملہ کرنا ہوتا ہے، اور یہ مقصد واہب کو حاصل ہو گیا، تو گویا اس کو ہبہ کا عوض مل گیا، لہٰذا رجوع نہیں کر سکتا۔

⑩ فلو وهب، ثم نكحها: رجع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو ہبہ دیا، اور پھر اس عورت سے نکاح کر لیا، تو واہب ہبہ میں رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ ہبہ دینے کے وقت عورت کے ساتھ زوجیت کا تعلق نہیں تھا، اور اصل اعتبار ہبہ دینے کے وقت کا ہے، بعد میں خواہ وہ تعلق باقی رہے یا نہ رہے، اس کا اعتبار نہیں ہے۔

⑪ وبالعكس: لا: أي: لا يرجع. یعنی مذکورہ صورت کی برعکس صورت میں رجوع نہیں ہوگا، وہ یہ کہ شوہر نے بیوی کو ہبہ دیا اور پھر طلاق دے کر اُسے بائنہ کر دیا، تو شوہر ہبہ میں رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ دینے کے وقت زوجیت کا تعلق قائم تھا۔

⑫ والقاف: القرابة، فلو وهب لذي رحم محرم....إلخ: دمع خزقه میں سے چھٹے حرف قاف سے قرابت (رشتہ داری) مراد ہے، یعنی اگر کسی شخص نے اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ دیا تو بعد میں رجوع کرنا منع ہو گیا، کیونکہ رشتہ دار کو ہبہ دینے کا مقصد وغرض صلہ رحمی کرنا ہے، اور یہ مقصد واہب کو حاصل ہو گیا، تو گویا اس کو عوض مل گیا۔

⑬ والهاء: الهلاك: ساتویں حرف هاء سے مراد ہلاک ہونا ہے، یعنی اگر موہوب چیز موہوب لہٗ کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو اس کی وجہ سے واہب کا رجوع کرنا منع ہو گیا، کیونکہ بعینہٖ وہ چیز واپس دینا تو ممکن نہیں، اور اس کی مثل یا تاوان دینا بھی موہوب لہٗ پر لازم نہیں، کیونکہ، ہبہ کا ضمان نہیں ہوتا۔

⑭ فلو ادّعاهُ: صُدِّق: «هٗ» کا مرجع هلاک ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ واہب نے ہبہ میں رجوع کر کے موہوب لہٗ سے موہوب چیز مانگ لی، اس پر موہوب لہٗ نے دعویٰ کیا کہ وہ چیز ہلاک ہو گئی تو اس کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ وہ واہب کے حقِ رجوع کا انکار کر رہا ہے، اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے۔ یہاں موہوب لہٗ کو قسم کھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ [بحر: ۷/۵۰۰]

⑮ وانما يصح الرجوع بتراضيهما، أو بحكم الحاكم: مسئلہ یہ ہے کہ واہب اگر ہبہ میں رجوع کر کے اپنی چیز واپس لے لیتا ہے تو اس کا رجوع دو طریقوں سے صحیح ہوگا: ایک یہ کہ واہب اور موہوب لہٗ دونوں رضامند ہوں، اور دوسرا یہ کہ قاضی فیصلہ کرے، اگر موہوب لہٗ راضی نہ ہو اور قاضی نے فیصلہ بھی نہ کیا ہو، تو واہب رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ کا عقد صحیح ہو گیا ہے، اور موہوب لہٗ کو ملک بھی حاصل ہو گئی ہے، اور جو عقد صحیح ثابت ہو جائے اس کو وہی لوگ فسخ کر سکتے ہیں جن کو اختیار حاصل ہو، اور فسخ کا اختیار یا عاقدین کے پاس ہے، یا قاضی کے پاس۔

⑯ فَإِنْ تَلِفَتِ الْمَوْهُوبَةُ، وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ، وَضَمِنَ الْمَوْهُوبُ لَهُ: لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِمَا ضَمِنَ ⑰ وَالْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ: هِبَةٌ

اِبْتِدَاءً، فَيُشْتَرَطُ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ، وَتَبْطُلُ بِالشُّيُوْعِ ㉑ بَيْعٌ اِنْتِهَاءً، فَتُرَدُّ بِالْعَيْبِ، وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ، وَتُؤْخَذُ بِالشُّفْعَةِ.

ترجمہ: اور اگر موہوب چیز ہلاک ہوگئی اور کوئی مستحق اس کا حقدار ثابت ہوا اور موہوب لہٗ نے تاوان دے دیا، تو واہب پر رجوع نہیں کرسکتا جو تاوان دیا ہے۔ اور ہبہ دینا عوض کی شرط کے ساتھ ابتداءً ہبہ ہے، للہٰذا شرط ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا، اور باطل ہوجائے گا شیوع سے۔ انتہاءً بیع ہے، للہٰذا رد کیا جاسکتا ہے عیب اور خیار رؤیت کی وجہ سے، اور لیا جائے گا شفعہ ہے۔

تشریح:

⑲ فإن تلفت الموهوبة، واستحقها ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موہوب لہٗ کے ہاتھ میں موہوب چیز ہلاک ہوگئی، اس کے بعد کسی مستحق نے اس چیز کے حقدار ہونے کا دعویٰ کیا، کہ وہ چیز میری ہے، اور اس نے اپنے دعوے کو ثابت بھی کیا، اور پھر موہوب لہٗ نے مستحق کو اس چیز کا تاوان دیا، تو اب حکم یہ ہے کہ موہوب لہٗ نے جو تاوان ادا کیا ہے وہ واہب پر رجوع کر کے اس سے نہیں لے سکتا، کیونکہ واہب نے تبرع واحسان کر کے ہبہ دیا ہے، اور تبرع کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں آتا، اسی لئے فقہاءؒ نے فرمایا ہے کہ عقد تبرع میں سلامتی کی شرط نہیں ہوتی۔

⑳ والهبة بشرط العوض هبة ابتداء، فيشترط ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ واہب نے موہوب لہٗ سے کہا کہ میں تمہیں ہبہ دیتا ہوں شرط یہ ہے کہ تم مجھے اس کا عوض دو گے، موہوب لہٗ نے اس کو قبول کرلیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ شروع شروع میں یہ لینا دینا ہبہ ہے، للہٰذا اس پر ہبہ کے احکام جاری ہوں گے، وہ یہ کہ دونوں عوضوں (ہبہ اور اس کے عوض) پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے، کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر نہیں ہوتا، جیسا کہ کتاب الهبة مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا، اور اگر اس عقد میں مشاع چیز دی تو شیوع کی وجہ سے ہبہ باطل ہوجائے گا، جیسا کہ کتاب الهبة مسئلہ نمبر (۹) میں بیان ہوا۔ یہ عقد ابتداء میں اس لئے ہبہ ہے کہ عاقدین نے اس کو هبة کے نام سے منعقد کیا ہے، للہٰذا اس پر ہبہ کے احکام جاری ہوں گے۔

㉑ بيع انتهاء، فترد بالعيب، وخيار ....إلخ: یعنی مذکورہ عقد (کہ عوض کی شرط پر ہبہ کرے) انتہاء میں بیع ہے، گویا بیع کا عقد ہوا ہے، للہٰذا اس پر بیع کے احکام جاری ہوں گے، وہ یہ کہ اگر کسی ایک عوض میں عیب پایا گیا تو اس کو واپس کیا جاسکتا ہے، اور خیار رؤیت کی وجہ سے بھی ایک دوسرے پر واپس کرسکتے ہیں، اور اگر اس عقد میں زمین کا ہبہ ہوا تو اس میں حق شفعہ بھی جاری ہوجائے گا۔ اس عقد پر آخر میں بیع کے احکام اس لئے جاری ہوئے کہ اس پر بیع کی تعریف صادق آتی ہے، یعنی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الشَّرْطِ وَالِاسْتِثْنَاءِ﴾

أي: هٰذا فصل في بيان أحكام الهبة بالشرط، والاستثناء. یعنی یہ فصل شرط اور استثناء کے ساتھ ہبہ کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ مثلاً کوئی شخص ہبہ کرے اور ساتھ ہی اس کو کسی شرط کے ساتھ معلق کردے، یا کسی چیز کو ہبہ کردے اور اس میں سے بعض کو استثناء کردے۔ مصنفؒ نے اس فصل میں شرط اور استثناء سے متعلق چودہ (۱۴) متفرق مسائل جمع فرمائے ہیں۔

۲۲ وَمَنْ وَهَبَ أَمَةً إِلَّا حَمْلَهَا ۲۳ أَوْ عَلٰى أَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ ۲۴ أَوْ يُعْتِقَهَا، أَوْ يَسْتَوْلِدَهَا ۲۵ أَوْ دَارًا عَلٰى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا ۲۶ أَوْ يُعَوِّضَهُ شَيْئًا مِنْهَا: صَحَّتِ الْهِبَةُ، وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ، وَالشَّرْطُ.

ترجمہ: اور جس نے باندی ہبہ کردی، سوائے اس کے حمل کے۔ یا اس شرط پر (ہبہ کردی) کہ باندی کو واپس کرے گا اس پر۔ یا اس کو آزاد کرے گا، یا اس سے بچہ جنوائے گا۔ یا گھر کو (ہبہ کیا) اس شرط پر کہ گھر میں سے کچھ حصہ اس پر واپس کرے گا۔ یا اس کو عوض دے گا ہبہ میں سے بعض، تو (تمام صورتوں میں) ہبہ صحیح ہے، اور استثناء اور شرط باطل ہیں۔

تشریح:

۲۲ ومن وهب أمة إلّا حملها: یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۵) میں صحت الهبة، وبطل الاستثناء اس کی جزاء ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے یوں کہا: میں یہ باندی تجھے ہبہ کرتا ہوں، سوائے اس کے حمل کے، تو اس میں باندی کا ہبہ صحیح ہے اور حمل کا جو استثناء کیا ہے وہ باطل ہے، لہٰذا باندی اور حمل دونوں موہوب لہٗ کو ملیں گے، کیونکہ حمل باندی کے بدن کا ایک جزء ہے، جیسے ہاتھ پاؤں، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کو تنہا ہبہ نہیں کیا جاسکتا اس کو عقدِ ہبہ سے استثناء کرنا بھی درست نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ تنہا حمل یا ہاتھ پاؤں کو ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، لہٰذا ہبہ سے اس کو استثناء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ عقد سے حمل کو استثناء کرنے کی صورتیں باب البيع الفاسد مسئلہ نمبر (۴۱) میں بیان ہوگئی ہیں، وہاں دیکھ لیں۔

۲۳ أو على أنه يردّها عليه: «هٗ» اور يردّ میں ضمیر کا مرجع موهوب له ہے، اور «ہ» کا مرجع واهب ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے: من وهب على أنه يردّها عليه، یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۵) میں صحت الهبة، وبطل الشرط اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر واہب نے ہبہ دیتے ہوئے موہوب لہٗ پر یہ شرط لگائی کہ ہبہ مجھے واپس کروگے، تو ہبہ صحیح ہوگیا اور شرط باطل ہے، شرط اس لئے باطل ہے کہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اور جو شرط عقد کے تقاضے کے خلاف ہو وہ باطل اور لغو ہوگی، اور ہبہ

اس لئے صحیح ہے کہ وہ فاسد شرط کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ تفصیل كتاب البيوع/باب المتفرقات مسئلہ نمبر (۱۴) میں گزر چکی ہے۔

㉔ أو يُعتقها، أو يستولدها: یہ عطف ہے يردها پر، أي: من وهب أمة على أن يُعتقها، أو يستولدها، یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۵) میں صحت الهبة، وبطل الشرط اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر واہب نے موہوب لہ کو باندی ہبہ کرتے ہوئے اس پر یہ شرط لگائی کہ تم اس کو آزاد کرو گے، یا یہ شرط لگائی کہ تم باندی سے بچہ جنوا کر اُسے اُم ولد بناؤ گے، تو ہبہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، دلیل اوپر بیان ہوئی۔

㉕ أو دارا على أن يرد عليه شيئا منها: یہ عطف ہے أمة پر، أي: من وهب دارا على أن... یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں صحت الهبة، وبطل الشرط اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو گھر ہبہ کر دیا، اور ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ گھر میں سے کچھ حصہ مجھے واپس کرو گے، تو ہبہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، دلیل اوپر بیان ہوئی۔

㉖ أو يعوضه شيئا منها: صحت الهبة، وبطل...إلخ: یہ عطف ہے يرد عليه پر، أي: من وهب دارا على أن يعوضه شيئا منها، یہ شرط ہے، اور صحت... اس کی جزاء ہے۔ یعنی اگر گھر کو ہبہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ گھر کا کچھ حصہ مجھے عوض میں دو گے، تو اس صورت میں بھی ہبہ صحیح اور شرط باطل ہے۔ یہ مسئلہ اور ماقبل والے مسئلہ کے الفاظ متغایر ہیں، مگر حاصل و مطلب دونوں کا ایک ہے۔ اگر اس گھر کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض کی شرط لگائی تو ہبہ اور شرط دونوں صحیح ہیں، جیسا کہ باب الرجوع في الهبة مسئلہ نمبر (۲۰) میں بیان ہوا۔

> ㉗ وَمَنْ قَالَ لِمَدْيُونِه: إِذَا جَاءَ غَدٌ، فَهُوَ لَكَ ㉘ أَوْ: أَنْتَ بَرِيءٌ مِنْهُ ㉙ أَوْ إِنْ أَدَّيْتَ إِلَيَّ نِصْفَهُ، فَلَكَ نِصْفُهُ ㉚ أَوْ: أَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ النِّصْفِ الْبَاقِي: فَهُوَ بَاطِلٌ.

ترجمہ: اور جس نے اپنے مدیون سے کہا کہ جب کل آجائے تو دَین تمہارا ہے۔ یا تم اس سے بری ہو۔ یا اگر تم نے مجھے ادا کر دیا اس کا آدھا تو آدھا تمہارا ہے۔ یا تم بری ہو باقی آدھے سے، تو یہ (سب) باطل ہیں۔

تشریح:

㉗ ومن قال لمديونه: إذا جاء غد، فهو لك...إلخ: یہ شرط ہے، اور فهو باطل اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دائن نے اپنے مدیون سے کہا کہ جب کل آجائے تو دَین تمہارا ہے، تو اس کا یہ کہنا باطل ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں دائن اپنے مدیون کو دَین کا ہبہ کر رہا ہے، اور ہبہ کو شرط سے معلق کر رہا ہے، اور دائن کو دَین ہبہ کرنا اِبراء (یعنی اس کو دَین سے بری کرنا) ہے، اور اِبراء ایک لحاظ سے تملیک ہے، یعنی دائن مدیون کو دَین کا مالک بناتا ہے، اور دوسرے لحاظ سے اِسقاط ہے، یعنی دائن مدیون سے دَین کو ساقط کر دیتا ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ اِبراء ایک لحاظ سے تملیک ہے، اور دوسرے لحاظ سے اِسقاط ہے، تو اب یہ سمجھ لیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز جس میں خالص اِسقاط ہو جیسے طلاق (اس میں نکاح کو ساقط کرتا ہے)، اور عتاق (اس میں غلامی کو ساقط کرتا ہے) اس کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔ اور جس چیز میں تملیک ہو اس کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا①، اور اِبراء میں بھی چونکہ ایک لحاظ سے تملیک کے معنی موجود ہیں، لہٰذا اس کو بھی شرط سے معلق کرنا باطل ہوگا۔

㉘ أو: أنت بريء منه: أي: إذا جاء غد فأنت بريء منه یا دائن نے مدیون سے کہا کہ جب کل آجائے تو تم دَین سے بری ہو۔ یہ بھی ماقبل صورت کی طرح دَین کو ہبہ کرنا ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے۔

㉙ أو: إن أديت إلي نصفه، فلك نصفه: یا دائن نے مدیون سے کہا کہ اگر تم نے مجھے آدھا دَین ادا کر دیا تو آدھا تمہارا ہے۔ یہ بھی ماقبل صورت کی طرح دَین کو ہبہ کرنا ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے۔

㉚ أو: أنت بريء من النصف الباقي، فهو باطل: أي إن أديت إلي نصفه، فأنت بريء.... یا دائن نے مدیون سے کہا کہ اگر تم نے مجھے آدھا دَین ادا کر دیا تو باقی آدھے سے تم بری ہو، یہ بھی دَین کو ہبہ کرنا ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے۔

㉛ وَصَحَّ الْعُمْرٰى لِلْمُعْمَرِ حَالَ حَيَاتِهِ، وَلِوَرَثَتِهِ بَعْدَهُ ㉜ وَهِيَ أَنْ يَجْعَلَ دَارَهُ لَهُ عُمْرَهُ، فَإِذَا مَاتَ: تُرَدُّ عَلَيْهِ ㉝ لَا: الرُّقْبٰى، أَيْ: إِنْ مِتُّ فَهُوَ لَكَ ㉞ وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ، لَا تَصِحُّ إِلَّا بِالْقَبْضِ، وَلَا فِي مُشَاعٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ㉟ وَلَا رُجُوعَ فِيهَا.

ترجمہ: اور عمریٰ صحیح ہے معمر لہ کیلئے اس کی زندگی کی حالت میں، اور اس کے ورثہ کیلئے اس کے بعد۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے گھر کو اس کیلئے کر دے اس کی عمر بھر، اور جب مر جائے تو واپس لوٹا دیا جائے مالک پر۔ نہ کہ رقبیٰ، یعنی اگر میں مر گیا تو گھر تمہارا ہے۔ اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے، صحیح نہیں ہوگا مگر قبضہ کے ساتھ، اور نہ ایسے مشاع میں (صحیح ہوگا) جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔ اور رجوع نہیں ہوگا صدقہ میں۔

تشریح:

㉛ وصح العمرىٰ للمعمر حال حياته....إلخ: عمریٰ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں یہ چیز تیری عمر بھر تجھے دوں گا اور تیرے مرنے کے بعد میں لوں گا۔ عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ عمریٰ کا معاملہ صحیح ہے، لہٰذا مُعْمَر (موہوب چیز) مُعْمَر لہٗ (موہوب لہٗ) کی زندگی میں اسی کی ہوگی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گی، اس سے معلوم ہوا کہ مُعْمِر (واہب) نے جو شرط

① تملیک کو شرط پر معلق کرنا اس وجہ سے صحیح نہیں کہ تملیک یہ ہے کہ دوسرے کو مالک بنایا جائے، اور اس کیلئے رضامندی شرط ہے، اور رضامندی کیلئے جزم ویقین (یقینی فیصلہ) ضروری ہے، جبکہ شرط پر معلق کرنے میں یقین نہیں ہوتا، تو تملیک اور تعلیق ایک دوسرے کی ضد ہوئی۔

لگائی تھی کہ معمرلہ کی موت کے بعد واپس میں لوں گا وہ باطل ہے، کیونکہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں ایسی شرط لگانا باطل ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا۔ حدیث میں ہے کہ جس نے عمر بھر کیلئے کوئی چیز دی تو وہ معمرلہ کی ہوگی اور اس کے بعد اس کے ورثہ کی ہوگی۔ [ابوداؤد]

⓬ وهي أن يجعل داره له عمره، فإذا مات: ترد عليه: عمریٰ یہ ہے کہ اپنا گھر دوسرے کو عمر بھر کیلئے دے، اور جب وہ شخص (معمرلہ) مرجائے تو گھر اصل مالک کو لوٹا دیا جائے۔ اس کا حکم اوپر بیان ہوا۔

⓭ لا: الرقبیٰ، أي: إن متُّ فهو لک: أي: لا يصح الرقبیٰ... رقبیٰ مشتق ہے مراقبة سے، اس کے لغوی معنی ہیں: انتظار کرنا۔ مسئلہ یہ ہے کہ رقبیٰ کا معاملہ صحیح نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میرا گھر تمہارا ہے، اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے تو یہ مکان مجھے واپس لوٹ آئے گا، اور اگر میں تجھ سے پہلے مرگیا تو تیرے لئے اور تیرے ورثہ کیلئے ہوگا، تو گویا ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کررہا ہوتا ہے۔ طرفینؒ کے نزدیک ایسا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عمریٰ کو جائز قرار دیا اور رقبیٰ کو باطل کردیا۔ [ابوداؤد بحوالہ البحر: ۵۰۴/۷] امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عمریٰ کی طرح رقبیٰ بھی جائز ہے۔

⓮ والصدقة كالهبة، لا تصح إلا بالقبض، ولا في مشاع يحتمل القسمة: صدقہ ہبہ کی طرح ہے، کیونکہ صدقہ بھی تبرع اور احسان کا معاملہ ہے، لہٰذا ہبہ کی طرح صدقہ میں بھی متصدَّق علیہ کو ملک اس وقت حاصل ہوگی جب وہ قبضہ کرلے، اور اسی طرح وہ چیز جو قابلِ تقسیم ہو اس میں مشاع طور پر صدقہ صحیح نہیں ہوگا، جیسے ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔

⓯ ولا رجوع فيها: یہ ہبہ اور صدقہ کے درمیان فرق کا بیان ہے۔ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہبہ میں رجوع ہوسکتا ہے، جبکہ صدقہ کرنے کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا، کیونکہ صدقہ ثواب حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے، اور صدقہ کرنے والے کو اپنی نیت کے مطابق ثواب حاصل ہوگیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہبہ میں واہب کو عوض مل جائے، اور باب الرجوع في الهبة مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا کہ اگر واہب عوض وصول کرلے تو وہ رجوع نہیں کرسکتا، لہٰذا صدقہ میں بھی جب صدقہ کرنے والے کو ثواب مل گیا تو وہ رجوع نہیں کرسکتا۔ واللہ أعلم

☆☆☆

الحِیَلُ الأَیْمَانُ

﴿كِتَابُ الْإِجَارَةِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الإجارة. یعنی یہ باب اِجارہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ إجارة کے لغوی معنی ہیں: مزدوری، اُجرت، کرایہ داری۔① اصطلاحی معنی ہیں: معلوم اُجرت کے عوض معلوم منفعت کوفروخت کرنا۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اِجارہ ایسا عقد ہے جس میں کسی چیز کی منفعت وفائدہ کوفروخت کیا جاتا ہے۔ ظاہرِ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا عقد جائز نہ ہو، کیونکہ عقد کے وقت منفعت نامعلوم ہوتی ہے، اس کا وجود ہی نہیں ہوتا، اور معدوم چیز کوفروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن شریعت نے انسانوں کی ضرورت کے پیشِ نظر اِجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔

اِجارہ کا جواز قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشادِالٰہی ہے: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ. [الطلاق:٦] ”پھر اگر وہ تمہارے لئے (بچے کو) دودھ پلائیں توان کوان کی اُجرتیں ادا کرو“۔ اور حدیث میں ہے: أعط الأجير أجره قبلَ أن يَجف عرقه. [بیہقی] ”مزدور کواس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو“۔

کتاب الإجارۃ سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل اصطلاحات کوذہن نشین کرنا ضروری ہیں:

⊙ أجرة/أجر: مزدوری، کرایہ۔ ⊙ آجر/مؤاجر: مزدور رکھنے والا، خدمت لینے والا، کرایہ پر دینے والا۔ ⊙ مستأجر: مزدوری پر لینے والا، کرایہ پر لینے والا، کرایہ دار۔ ⊙ مستأجَر/ماجور: جس کوکرایہ پرلیا جائے، جس کومزدوری پر رکھا جائے، جس کومزدور بنایا جائے۔ ⊙ أجیر: مزدور، کام کرنے والا، کاریگر۔

مصنفؒ نے اگلے باب تک اِجارہ سے متعلق پچیس (۲۵) بنیادی مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① هِيَ بَيْعُ مَنْفَعَةٍ مَعْلُومَةٍ بِأَجْرٍ مَعْلُومٍ ② وَمَا صَحَّ ثَمَنًا صَحَّ أُجْرَةً

ترجمہ: اِجارہ فروخت کرنا ہے معلوم منفعت کومعلوم اُجرت کے عوض۔ اور جس چیز کا ثمن ہونا صحیح ہے اس کا اُجرت بننا (بھی) صحیح ہے۔

تشریح: ① هي بيع منفعة معلومة بأجر معلوم: یہ اِجارہ کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اِجارہ معلوم

---

① أجَرَ يَأجُرُ أجْرًا کے معنی ہیں: مزدوری کرنا، مزدور کومزدوری دینا۔
آجَرَ يُؤجِرُ إيجَارًا کے معنی ہیں: کرایہ پر دینا۔
آجَرَ يُؤجِرُ مُؤاجرَةً کے معنی ہیں: کسی کومزدور بنانا۔
اِستأجَرَ يَستأجِرُ اِستِئجَارًا کے معنی ہیں: کرایہ پر لینا، کسی کومزدور بنانا۔ ان استعمالات کویادرکھیں، بہت کام آئیں گے۔

منفعت کومعلوم اُجرت کے عوض فروخت کرنا ہے، مثلاً گھر کو ہزار روپے کرایہ پر دیا، تو گھر کی منفعت کو معلوم کرایہ کے عوض فروخت کر دیا۔

بیع کے لفظ سے احتراز ہوا عاریت سے، کیونکہ اس میں کسی چیز کی منفعت کو فروخت نہیں کیا جاتا، بلکہ مفت دی جاتی ہے۔

منفعة کے لفظ سے احتراز ہوا عین کی بیع سے، کیونکہ اس میں منفعت کو نہیں بلکہ عین چیز کو فروخت کیا جاتا ہے۔

معلومة کی قید کا مطلب یہ ہے کہ کرایہ پر دی ہوئی چیز کی منفعت کا معلوم ہونا ضروری ہے، کہ کرایہ دار کتنی منفعت حاصل کرے گا؟ اگر منفعت معلوم نہ ہو تو اس میں دھوکہ اور جھگڑے کا امکان ہے، جس سے اِجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اُجرت وکرایہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ اس میں بھی جھگڑے وفساد کا امکان ہے۔

② **وما صح ثمنا صح أجرة:** مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن (یعنی عوض) بن سکتی ہے وہ اِجارہ میں اُجرت بھی بن سکتی ہے، کیونکہ منفعت کا عوض اُجرت ہے، لہٰذا اس کو مبیع کے عوض (ثمن) پر قیاس کیا جائے گا، تو جو چیز مبیع کا عوض بنے وہ منفعت کا عوض بھی بن سکتی ہے۔ مگر اس کا عکس لازم نہیں ہے، یعنی جو چیز منفعت کا عوض بنے لازم نہیں ہے کہ وہ مبیع کا بھی عوض بنے، مثلاً ایک منفعت دوسری منفعت کا عوض بن سکتی ہے، مگر مبیع کا عوض نہیں بن سکتی۔

③ وَالْمَنْفَعَةُ تُعْلَمُ بِبَيَانِ الْمُدَّةِ، كَالسُّكْنَى، وَالزِّرَاعَةِ ④ فَتَصِحُّ عَلَى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ، أَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ ⑤ وَلَمْ تُزَدْ فِي الْأَوْقَافِ عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ ⑥ أَوْ بِالتَّسْمِيَةِ، كَالْاِسْتِئْجَارِ عَلَى صِبْغِ الثَّوْبِ، وَخِيَاطَتِهِ ⑦ أَوْ بِالْإِشَارَةِ، كَالْاِسْتِئْجَارِ عَلَى نَقْلِ هٰذَا الطَّعَامِ إِلَى كَذَا.

ترجمہ: اور منفعت معلوم ہوتی ہے مدت بیان کرنے سے، جیسے رہائش اور زراعت۔ پس (اِجارہ) صحیح ہوگا معلوم مدت پر، جو بھی مدت ہو۔ اور (مدت کو) زیادہ نہیں کیا جائے گا اوقاف میں تین سالوں پر۔ یا نام لینے سے، جیسے مزدور بنانا کپڑے کے رنگنے پر، اور اس کی سلائی پر۔ یا اشارہ کرنے سے، جیسے مزدور بنانا اس غلہ کو نقل کرنے پر فلاں (جگہ) تک۔

تشریح:

③ **والمنفعة تعلم ببيان المدة، كالسكنى، والزراعة:** یعنی مستأجر جو منفعت حاصل کرے گا اس کو متعین کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ وقت اور مدت کو بیان کیا جائے، مثلاً گھر کو کرایہ پر دے کر اس میں رہائش اختیار کرنے کیلئے مدت بیان کی جائے، یا زمین کو کرایہ پر دے کر اس میں کاشت کرنے کیلئے مدت بیان کی جائے، تو اس سے منفعت معلوم ہو جائے گی کہ مستأجر گھر سے یا زمین سے کتنی منفعت حاصل کرے گا؟

④ **فتصح على مدة معلومة، أي مدة كانت:** مسئلہ یہ ہے کہ اِجارہ میں جب مدت متعین ہوئی تو اِجارہ صحیح

ہو جائے گا، خواہ کوئی بھی مدت ہو، کم ہو یا زیادہ ہو۔

⑤ ولم تُزد في الأوقاف على ثلاث سنين: مسئلہ یہ ہے کہ اگر وقف کی کوئی زمین وغیرہ ہو اور اس کو کرایہ پر دینا ہو تو تین سال سے زائد مدت کو مقرر نہ کیا جائے، کیونکہ وقف کی چیز کسی خاص شخص کی ملک میں نہیں ہوتی، لہٰذا اگر تین سال سے بھی لمبی مدت کیلئے کرایہ پر دی جائے تو اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ مستأجر اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ ہی کرے، اس لئے فقہاءؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ وقف چیز کے اِجارہ میں اتنی لمبی مدت مقرر نہ کی جائے۔

⑥ أو بالتسمية، كالاستئجار على صبغ ....إلخ: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۳) میں ببيان المدة پر، أي: و المنفعة تُعلم بالتسمية. منفعت معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ نام لینا ہے، یعنی مستأجر جو منفعت حاصل کرے گا عقد میں اس کا نام لیا جائے، مثلاً مستأجر نے کسی کو کپڑا رنگنے کیلئے مزدور بنایا، یا کپڑے کی سلائی کیلئے مزدور بنایا، تو کپڑے کو رنگ دینا یا سلائی کرنا نام لینے سے معلوم و متعین ہو گیا، اور عقد صحیح ہو گیا۔

⑦ أو بالإشارة، كالاستئجار على نقل هذا الطعام ....إلخ: یہ بھی ببيان المدة پر عطف ہے۔ منفعت معلوم کرنے کا تیسرا طریقہ اشارہ کرنا ہے، مثلاً کسی کو مزدور بنایا کہ اس غلہ کو یہاں سے لے کر فلاں جگہ تک لے جانا ہے، تو غلہ کو اشارہ کرنے اور اُس جگہ کو ذکر کرنے سے منفعت معلوم ہو گئی، لہٰذا عقد صحیح ہو گیا۔

> ⑧ وَالْأُجْرَةُ لَا تُمْلَكُ بِالْعَقْدِ، بَلْ بِالتَّعْجِيلِ، أَوْ بِشَرْطِهِ، أَوْ بِالْاِسْتِيفَاءِ، أَوْ بِالتَّمَكُّنِ مِنْهُ ⑨ فَإِنْ غُصِبَ مِنْهُ: سَقَطَ الْأُجْرَةُ.

ترجمہ: اور اُجرت ملک میں نہیں آتی عقد کرنے سے، بلکہ پیشگی دینے سے، یا اس کی شرط لگانے سے، یا نفع حاصل کر لینے سے، یا اس پر قدرت پا لینے سے۔ پس اگر (کرایہ کی چیز) مستأجر سے غصب کر لی گئی تو اُجرت ساقط ہو گئی۔

تشریح:

⑧ والأجرة لا تُملك بالعقد، بل بالتعجيل، أو ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اِجارہ میں محض عقد کرنے سے اُجرت ملک میں نہیں آتی، لہٰذا عقد کے فوراً بعد کرایہ و مزدوری کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اُجرت منفعت کا عوض ہے، تو جب تک منفعت وجود میں نہ آئے تب تک اس کا عوض ثابت نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ محض عقد کرنے سے منفعت وجود میں نہیں آتی، لہٰذا اُجرت بھی فوراً ثابت نہیں ہوگی، بلکہ چار طریقوں میں سے کسی ایک سے اُجرت ملک میں آ جائے گی، وہ یہ ہیں:

① عقد کے بعد اور منفعت حاصل کرنے سے پہلے پیشگی اُجرت دی جائے، مثلاً گھر کرایہ پر دیا، اور مستأجر نے گھر سے نفع لینے سے پہلے پیشگی کرایہ دے دیا، تو مواجر کرایہ کا مالک ہو گیا، مستأجر واپس لینے کا حق نہیں رکھتا، کیونکہ منفعت اگرچہ ابھی تک وجود میں نہیں

آئی، مگر مستأجر نے خود پیشگی اُجرت دے کر مواجر کو مالک بنادیا۔

② یا پیشگی اُجرت کی شرط لگائی، مثلاً عقد میں شرط لگائی کہ کرایہ پیشگی ادا کیا جائے گا، تو اِس سے بھی مواجر اُجرت (کرایہ) کا مالک ہوجائے گا، لہٰذا مستأجر پر لازم ہے کہ ادا کردے، کیونکہ مستأجر نے شرط مان لی، لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگیا۔

③ یا منفعت حاصل کرلی جائے، مثلاً مستأجر نے گھر کرایہ پر لے کر اس سے نفع حاصل کرلیا، تو مواجر کرایہ کا ملک بن گیا، کیونکہ منفعت وجود میں آگئی، لہٰذا اس کا عوض بھی ثابت ہوجائے گا۔

④ یا نفع اٹھانے پر قدرت حاصل ہوجائے، مثلاً مواجر نے اپنا گھر کرایہ پر دے کر گھر کا قبضہ مستأجر کو دے دیا، اور مستأجر کو نفع اٹھانے پر قدرت حاصل ہوگئی، تو جب مدّت پوری ہوجائے تو مواجر کرایہ کا مالک ہوجائے گا، اگرچہ مستأجر گھر سے نفع نہ اٹھائے، کیونکہ مستأجر جب نفع اٹھانے پر قادر ہوگیا تو گویا اس نے نفع اٹھالیا، لہٰذا اس کا عوض (اُجرت) بھی ثابت ہوگیا۔

⑨ فإن غُصِب منه: سقط الأجرة: غُصب میں ضمیر کا مرجع مستاجر ہے، یہ تفریع ہے أو بالتمكّن منه پر۔ یعنی اگر کرایہ پر لی ہوئی چیز (مثلاً گاڑی) مستأجر سے غصب کرلی گئی، اور اس کو نفع حاصل کرنے پر قدرت نہ رہی، تو کرایہ ساقط ہوگیا، کیونکہ اُجرت اس وقت ثابت ہوگی جب مستأجر کو نفع پر قدرت حاصل ہو، جبکہ یہاں قدرت نہ رہی، تو اُجرت بھی نہیں رہے گی۔

⑩ وَلِرَبِّ الدَّارِ وَالْأَرْضِ طَلَبُ الْأَجْرِ كُلَّ يَوْمٍ ⑪ وَلِلْجَمَّالِ كُلَّ مَرْحَلَةٍ ⑫ وَلِلْقَصَّارِ، وَالْخَيَّاطِ بَعْدَ الْفَرَاغِ عَنْ عَمَلِهِ ⑬ وَلِلْخَبَّازِ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْخُبْزِ مِنَ التَّنُّورِ ⑭ فَإِنْ أَخْرَجَهُ فَاحْتَرَقَ: لَهُ الْأَجْرُ ⑮ وَلَا ضَمَانَ ⑯ وَلِلطَّبَّاخِ بَعْدَ الْغَرْفِ ⑰ وَلِلَّبَّانِ بَعْدَ الْإِقَامَةِ.

ترجمہ: اور گھر اور زمین کے مالک کیلئے (جائز) ہے طلب کرنا ہر دن کے کرایہ کو۔ اور اونٹ والے کیلئے (جائز) ہے (کہ کرایہ طلب کرے) ہر مرحلہ پر۔ اور دھوبی اور خیاط کیلئے (کرایہ طلب کرنا جائز) ہے اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد۔ اور نان بائی کیلئے (طلب کرنا جائز) ہے روٹی کو تنور سے نکالنے کے بعد۔ پس اگر روٹی کو نکال لیا، پھر جل گئی، تو اس کیلئے مزدوری ہے۔ اور (اس پر) تاوان نہیں ہوگا۔ اور باورچی کیلئے (کرایہ طلب کرنا جائز) ہے (سالن کو) نکالنے کے بعد۔ اور اینٹ بنانے والے کیلئے (جائز) ہے (اینٹوں کو) کھڑا کرنے کے بعد۔

لغات:

الجمّال: اونٹ والا، ساربان۔ مرحلة: منزل، مرتبہ۔ قصّار: دھوبی، کپڑے کو سفید کرنے والا۔ خبّاز: نان بائی۔
طبّاخ: باورچی۔ الغرف: باب ضرب کا مصدر ہے، کسی برتن سے پانی یا سالن وغیرہ کو نکالنا۔ لبّان: اینٹیں بنانے والا۔

تشریح:

⑩ ولربّ الدار والأرض طلبُ الأجر كلّ يوم: اگر کسی نے گھر یا زمین کرایہ پر لی، تو گھر یا زمین کے مالک کیلئے جائز ہے کہ روزانہ آکر مستأجر سے اس دن کا کرایہ طلب کرے، کیونکہ ہر دن (یعنی ۲۴ گھنٹے) کی رہائش مستقل منفعت ہے، لہٰذا مستأجر نے جب ایک دن کی منفعت حاصل کرلی تو مالک اس کا عوض بھی طلب کرسکتا ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے کہ کرایہ کیلئے کسی خاص وقت کو مقرر نہ کیا گیا ہو، اگر خاص وقت مقرر کردیا ہو، جیسے آج کل ایک مہینے کا وقت مقرر کیا جاتا ہے، تو مالک اسی وقت پر کرایہ کا مطالبہ کرے، اس سے پہلے مطالبہ نہیں کرسکتا۔

⑪ وللجمّال كلّ مرحلة: أي: وللجمّال طلب الأجرِ كلَّ مرحلة. اگر کسی نے سفر کیلئے اونٹ کرایہ پر لیا، تو سفر کے دوران جب اونٹ ایک مرحلہ[1] پر پہنچ جائے تو اونٹ کا مالک اس مرحلہ کے کرایہ کا مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ ہر ہر مرحلہ تک سفر کرنا مستقل منفعت ہے، لہٰذا مستأجر نے جب ایک مرحلہ تک سفر کرکے منفعت حاصل کرلی تو مالک اس کے عوض کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

آج کل عرف ورواج یہ ہے کہ بعض اوقات سفر شروع کرنے سے پہلے کرایہ لیا جاتا ہے، جیسے جہاز یا ٹرین وغیرہ کے سفر میں، اور بعض اوقات سفر کے آخر میں لیا جاتا ہے، عرف ورواج اور نظم وضبط میں سہولت کی خاطر دونوں صورتیں جائز ہیں۔

⑫ وللقصّار، والخيّاط بعد الفراغ عن عمله: یعنی دھوبی اور درزی کیلئے اُجرت طلب کرنے کا حق اس وقت ہے جب کام سے فارغ ہوجائیں، کام کے درمیان مطالبہ نہیں کرسکتے، کیونکہ فارغ ہونے سے پہلے مستأجر کو کوئی منفعت حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اُس سے اُجرت کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

⑬ وللخباز بعد إخراج الخبز من التنور: أي: وللخباز طلب الأجرة بعد... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نان بائی کسی کیلئے اُجرت پر روٹی پکائے، تو وہ روٹی کو تنور سے نکالنے کے بعد اُجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس سے پہلے نہیں کرسکتا، کیونکہ روٹی نکالنے سے پہلے اس کا کام مکمل نہیں ہوتا، اور مستأجر کو منفعت حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے اُجرت کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

⑭ فإن أخرجه، فاحترق: له الأجر: اگر نان بائی نے روٹی کو تنور سے نکال لیا، اس کے بعد روٹی از خود تنور میں گر کر جل گئی، تو نان بائی کو اُجرت ملے گی، کیونکہ اس نے روٹی نکال کر اپنا کام مکمل کرلیا، لہٰذا وہ اُجرت کا مستحق ہوگیا، اور روٹی کے جل جانے میں اس کی طرف سے کوئی جنایت نہیں پائی گئی۔

⑮ ولا ضمان: یعنی مذکورہ صورت میں نان بائی پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ نان بائی کے ہاتھ میں آٹا اور روٹی امانت ہیں، اور روٹی کے جلنے میں اس نے جنایت بھی نہیں کی، لہٰذا اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک نان بائی پر تاوان آئے گا، کیونکہ روٹی اس کے ہاتھ میں امانت نہیں ہے، بلکہ مضمون ہے۔ تفصیل باب

---

① مرحلہ سے مراد ایک دن کی مسافت ہے جو صبح سے زوال تک طے ہوتی ہے۔

ضمان الأجير مسئلہ نمبر (۳۔۱۱) میں آئے گی۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اب مستاجر کو اختیار ہے کہ یا تو نان بائی کو اُجرت نہ دے، اور اس سے آٹے کا تاوان لے، اور یا اس کو اُجرت دے کر اس سے پکی پکائی روٹی کا تاوان لے۔ [ہدایہ]

⑯ وللطباخ بعد الغرف: أي: وللطباخ طلب الأجر بعد الغرف: مسئلہ یہ ہے کہ اگر باورچی نے کسی کیلئے سالن پکایا، تو وہ سالن کو دیگ سے نکال کر پلیٹوں میں رکھنے کے بعد اُجرت کا مطالبہ کرے، اس سے پہلے نہیں کر سکتا، کیونکہ اُس کا کام اسی وقت مکمل ہوتا ہے کہ پلیٹیں بھر دے۔

⑰ وللّبان بعد الإقامة: أي: للّبان طلب الأجر بعد الإقامة. اگر اینٹیں بنانے والے نے کسی کیلئے اینٹیں بنائیں، تو جب اینٹیں نیم خشک ہو کر کھڑی کر دی جائیں اس کے بعد وہ اُجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، ان کے نزدیک اینٹ بنانے والے نے جب اینٹیں کھڑی کر دیں تو اس کا عمل مکمل ہو گیا، لہٰذا اس کے بعد وہ اُجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک محض کھڑی کر دینے سے اس کا عمل مکمل نہیں ہو گا، بلکہ اس کے بعد جب اینٹیں مکمل خشک ہوں، پھر ان کو تہہ بہ تہہ رکھ کر ترتیب سے لگا دے، تو اس کا عمل مکمل ہو کر وہ اُجرت کا مستحق بنے گا۔

قول راجح:

حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدينؒ: قولهما استحسان. زيلعي. ولعلّه سبب كونه المفتى به.

[ردالمحتار: ۹/] كذا في تبيين الحقائق: ۵/۱۰

⑱ وَمَنْ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ فِي الْعَيْنِ، كَالصَّبَّاغِ، وَالْقَصَّارِ: يَحْبِسُهَا لِلْأَجْرِ ⑲ فَإِنْ حَبَسَ، فَضَاعَ: فَلَا ضَمَانَ، وَلَا أَجْرَ ⑳ وَمَنْ لَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ، كَالْحَمَّالِ، وَالْمَلَّاحِ: لَا يَحْبِسُ لِلْأَجْرِ.

ترجمہ: اور جس کے عمل کا اثر ہو عین میں جیسے رنگریز اور دھوبی وہ عین کو روک سکتا ہے اُجرت کیلئے۔ پس اگر (عین کو) روک لیا اور پھر ضائع ہو گیا تو تاوان نہیں ہو گا، اور نہ اُجرت ہو گی۔ اور جس کے عمل کا اثر نہ ہو جیسے بوجھ اٹھانے والا اور کشتی ران، وہ (عین کو) نہیں روک سکتا اُجرت کیلئے۔

تشریح:

⑱ ومن لعمله أثر في العين ....إلخ: یہاں ایک قاعدہ بتا رہے ہیں، وہ یہ کہ ہر وہ اَجیر (مزدور) جس کے کام کا اثر عین چیز میں موجود ہو، جیسے رنگریز کہ کپڑے میں اس کی رنگائی کا اثر موجود ہے، اور جیسے دھوبی کہ کپڑے میں اس کی صفائی کا اثر موجود ہے، تو ایسا اَجیر جب کام سے فارغ ہو جائے تو جب تک اُسے اُجرت نہ ملے وہ اس چیز کو اُجرت کیلئے اپنے پاس روک سکتا ہے، کیونکہ اس کا

عمل ایسا وصف ہے جو عین (مثلاً کپڑے) کے ساتھ قائم ہے، لہٰذا وہ اپنے عمل کے عوض (اُجرت) وصول کرنے تک عین کو روک سکتا ہے۔

⑲ فإن حبس، فضاع: فلا ضمان، ولا أجر: یعنی مذکورہ صورت میں جب اُجیر نے عین کو اپنے پاس روک لیا اور وہ چیز اس کے پاس ضائع ہوگئی، تو اُجیر پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، اور اُسے اُجرت بھی نہیں ملے گی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اُجیر پر اس چیز کا ضمان آئے گا، کیونکہ روکنے سے پہلے وہ چیز اُجیر کے پاس مضمون تھی (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۵) میں صاحبینؒ کا مسلک بیان ہوا) تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہوگی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اُجیر نے اپنے حق وصول کرنے کیلئے وہ چیز روکی ہے، کسی زور زیادتی کیلئے نہیں روکی، لہٰذا جس طرح روکنے سے پہلے وہ چیز اُجیر کے ہاتھ میں امانت تھی روکنے کے بعد بھی امانت ہوگی، اور ضائع ہونے سے تاوان نہیں ہوگا۔

⑳ ومن لا أثر لعمله، كالحمّال، والملاح: لا يحبس للأجر: اس مسئلہ میں دوسرا قاعدہ بتا رہے ہیں، وہ یہ کہ ہر وہ اُجیر جس کے کام کا اثر عین میں نہ ہو، جیسے بوجھ اٹھانے والا کہ بوجھ میں اس کے اٹھانے کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، اور جیسے کشتی ران کسی چیز کو لے جائے، اس چیز میں کوئی اثر نہیں ہوتا، تو ایسا اُجیر اپنی اُجرت وصول کرنے کیلئے اس چیز کو اپنے پاس نہیں روک سکتا، ورنہ غاصب شمار ہوگا، کیونکہ اس کا عمل عین چیز کے ساتھ قائم نہیں ہے، تو اس چیز کو اپنے پاس روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

> ㉑ وَلَا يَسْتَعْمِلُ غَيْرَهُ إِنْ شَرَطَ عَمَلَهُ بِنَفْسِهِ ㉒ وَإِنْ أَطْلَقَ: فَلَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ غَيْرَهُ ㉓ وَإِنِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَجِيْءَ بِعِيَالِهِ، وَمَاتَ بَعْضُهُمْ، فَجَاءَ بِمَنْ بَقِيَ: فَلَهُ أَجْرُهُ بِحِسَابِهِ ㉔ وَلَا أَجْرَ لِحَامِلِ الْكِتَابِ لِلْجَوَابِ ㉕ أَوْ لِحَامِلِ الطَّعَامِ إِنْ رَدَّهُ لِلْمَوْتِ.

ترجمہ: اور (اُجیر) دوسرے سے کام نہ کرائے، اگر شرط لگائی گئی ہو خود اس کے کام کرنے کی۔ اور اگر مطلق چھوڑا تو اُجیر کیلئے جائز ہے کہ دوسرے کو مزدور بنائے۔ اور اگر کسی کو اُجرت پر لیا کہ اس کے گھر والوں کو لے آئے، اور ان میں سے بعض مر گئے تھے، پس (اُجیر) نے باقی کو لایا، تو اس کیلئے اُجرت ہے اسی حساب سے۔ اور اُجرت نہیں ہے خط لے جانے والے کیلئے۔ یا کھانا لے جانے والے کیلئے اگر اس کو واپس لوٹا دیا مر جانے کی وجہ سے۔

تشریح:

㉑ ولا يستعمل غيره إن شرط عمله بنفسه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقدِ اجارہ میں اُجیر پر شرط لگائی گئی کہ کام وہ خود ہی کرے، تو اُجیر دوسرے سے یہ کام نہیں کرا سکتا، اس پر لازم ہے کہ خود کام کرے، کیونکہ معقود علیہ اسی کا عمل ہے، اگر دوسرے سے کام کروایا تو اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

۶۲ وإن أطلق: فله أن يستاجر غيره: اگر متاجر نے اُجیر کو مطلق کام کرنے کا کہا، اس پر کوئی شرط نہ لگائی تو اُجیر خود بھی وہ کام کرسکتا ہے اور دوسرے سے بھی کرواسکتا ہے، کیونکہ معقود علیہ مطلق عمل ہے، خواہ کوئی بھی کرے۔

۶۳ وإن استأجره ليجيء بعياله، ومات بعضهم ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ متاجر نے اُجیر کو اُجرت پر لے کر اس سے کہا کہ میرے دس اہل وعیال کو ہزار روپے کے عوض کراچی سے لاہور لے آؤ، جب اُجیر کراچی پہنچا تو متاجر کے اہل وعیال میں سے تین افراد مرچکے تھے، اُجیر نے باقی سات افراد کو لاہور پہنچادیا، تو اس کو اسی حساب سے اُجرت ملے گی، یعنی سات سو روپے ملیں گے، کیونکہ اُجیر نے سات افراد لے آنے کا عمل کیا ہے، اور متاجر کو بھی سات افراد کا نفع حاصل ہوا، لہٰذا اُجرت بھی اسی حساب سے ہوگی۔ اگر افراد کی تعداد کو بیان نہیں کیا تھا اور اُجیر کی مشقت پر افراد کی بیشی کا فرق نہ پڑتا ہو، تو اُجیر کو پوری اُجرت ملے گی۔

۶۴ ولا أجر لحامل الكتاب للجواب: أي: ولا أجر لحامل الكتاب إن ردّه للموت. مسئلہ یہ ہے کہ متاجر نے اُجیر کو اُجرت پر لیا تاکہ وہ اس کا خط کراچی میں زید کے پاس لے جائے اور زید کا جواب لے آئے، اُجیر جب کراچی پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ زید مرچکا ہے، اس نے خط واپس لاکر متاجر کے حوالہ کردیا، تو اُجیر کو مزدوری نہیں ملے گی۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک اُجیر کو ایک طرف (یعنی لے جانے) کی اُجرت ملے گی، کیونکہ اصل معقود علیہ سفر کرنا ہے، اسی میں مشقت ہوتی ہے، نہ کہ خط لے جانے اور لے آنے میں، اور اُجرت مشقت ہی کا عوض ہوتی ہے، اور چونکہ اُجیر نے ایک طرف سے سفر کرکے خط پہنچادیا ہے اور دوسری طرف سے سفر کرکے جواب نہیں لایا، لہٰذا اس کو ایک طرف سفر کی اُجرت مل جائے گی۔

حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ اصل معقود علیہ زید تک خط پہنچانا اور اس کا جواب لانا ہے، اور اُجیر نے یہ کام نہیں کئے، لہٰذا اس کو کوئی اُجرت نہیں ملے گی۔

۶۵ أو لحامل الطعام إن ردّه للموت: أي: لا أجر لحامل... یعنی مذکورہ صورت میں اگر اُجیر سے کہا گیا کہ وہ کراچی میں زید کے پاس غلہ لے جائے، اُجیر جب کراچی پہنچا تو زید مرچکا تھا، اور پھر اُجیر نے وہ غلہ واپس لایا، تو اس صورت میں بالاتفاق اُجیر کو اُجرت نہیں ملے گی۔ شیخینؒ کے نزدیک تو غلہ بھی خط کی طرح ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں واپس لانے کی وجہ سے اُجرت نہیں ملے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک غلہ بھاری ہے، اس کے لے جانے میں مشقت ہے، لہٰذا یہاں اصل معقود علیہ سفر کرنا نہیں ہے، بلکہ غلہ لے جانا ہے، مگر اُجیر نے جب غلہ واپس لایا تو گویا وہ سرے سے گیا ہی نہیں، اس لئے اُسے اُجرت نہیں ملے گی۔

والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ مَايَجُوزُ مِنَ الْإِجَارَةِ، وَمَا يَكُونُ خِلَافًا فِيهَا﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام مايجوز من الإجارة، ومايكون خلافا فيها. یعنی یہ باب اس اِجارہ کے احکام کے بیان میں ہے جو جائز ہے، اور جس میں اختلاف ہے۔

اِجارہ کی تین قسمیں ہیں: جائز، مختلف فیہا اور فاسد۔ اس باب میں پہلی دو قسموں کے احکام بیان ہوں گے، اگلے باب میں تیسری قسم کا بیان ہوگا۔ مصنفؒ نے اس باب میں مذکورہ دو قسموں سے متعلق تیس (۳۰) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ صَحَّ إِجَارَةُ الدُّوْرِ، وَالْحَوَانِيْتِ بِلَا بَيَانِ مَا يَعْمَلُ فِيْهَا ❷ وَلَهُ أَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْءٍ ❸ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْكِنُ حَدَّادًا، أَوْ قَصَّارًا، أَوْ طَحَّانًا ❹ وَالْأَرَاضِي لِلزِّرَاعَةِ إِنْ بَيَّنَ مَايَزْرَعُ فِيْهَا ❺ أَوْ قَالَ: عَلَى أَنْ يَزْرَعَ مَاشَاءَ.

ترجمہ: صحیح ہے کرایہ پر دینا گھروں اور دکانوں کو، بیان کئے بغیر اس کام کو جو اُن میں کرے گا۔ اور مستأجر کیلئے (جائز) ہے کہ ہر چیز کا کام کرے۔ مگر وہ نہیں ٹھہرا سکتا لوہار، دھوبی اور آٹا پیسنے والے کو۔ اور زمینیں (کرایہ پر دینا صحیح ہیں) کاشتکاری کیلئے، بشرطیکہ بیان کیا جائے اس چیز کو جو کاشت کرے گا اس میں۔ یا کہے: اس شرط پر کہ کاشت کرے گا جو چاہے۔

لغات:

الدور: جمع ہے دار کی، گھر، مکان۔ الحوانیت: جمع ہے حانوت کی، بمعنی دکان۔ حدّاد: لوہار۔ قصّار: دھوبی، کپڑے صاف کرنے والا۔ طحّان: پیسائی کا کام کرنے والا۔

تشریح:

❶ صحّ إجارة الدور، والحوانيت بلا ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ گھروں اور دکانوں کو کرایہ پر لینا دینا صحیح ہے، اگرچہ عقد کے وقت یہ بیان نہ کرے کہ ان میں کیا کام کرے گا، کیونکہ عام طور پر گھروں میں رہائش ہی ہوتی ہے، اور دکانوں میں تجارت ہی ہوتی ہے، لہٰذا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

❷ وله أن يعمل كلّ شيء: یعنی مستأجر نے جب گھر یا دکان کو کرایہ پر لیا تو وہ اس میں ہر کام کرسکتا ہے، موآجر اس پر پابندی نہیں لگا سکتا، کیونکہ عقد مطلق ہوا ہے، کسی خاص عمل کو بیان نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا مستأجر بھی مطلقاً ہر کام کر سکے گا۔

❸ إلّا أنه لا يُسكن حدّادا، أو قصّارا، أو طحّانا: یہ ماقبل والے حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مگر

مستأجر گھر یا دکان میں لوہار، دھوبی اور چکی والے کو نہیں ٹھہرا سکتا، یعنی یہ کام نہیں کرسکتا، کیونکہ ان کی وجہ سے گھر یا دکان کی عمارت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، لہٰذا مستأجر کو ہر کام کرنے کا اختیار تو ہے، مگر ایسا کام نہیں کرسکتا جس سے عمارت کو نقصان پہنچتا ہو۔

④ والأراضي للزراعة إن بيّن ما يزرع ....إلخ: یہ عطف ہے الدور پر، أي: صح إجارة الأراضي... زمین کو کاشتکاری کیلئے کرایہ پر لینا دینا صحیح ہے، کاشتکاری کے ذریعے غلّہ اور پیداوار حاصل ہوتی ہے، اور یہ زمین کی منفعت ہے، جو کرایہ کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ اس چیز کو بیان کرے جس کو کاشت کرے گا، اگر بیان کئے بغیر زمین کرایہ پر لی تو عقد صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ زمین میں مختلف چیزیں کاشت کی جاسکتی ہیں، اور بعض چیزوں کی وجہ سے زمین کو نقصان بھی ہوسکتا ہے، جس سے مواجر اور مستأجر کے درمیان نزاع و جھگڑے پیدا ہونے کا امکان ہے، اس لئے اس چیز کو عقد میں بیان کرنا ضروری ہے۔

⑤ أو قال: علی أن يزرع ماشاء: یعنی زمین کو کرایہ پر لینا دینا صحیح ہے، بشرطیکہ اس چیز کو بیان کرے جس کو کاشت کرے گا، یا مستأجر اپنے لئے عام تام اختیار حاصل کرکے مواجر سے کہے کہ میں زمین کرایہ پر لیتا ہوں، اس شرط پر کہ جو چیز میں چاہوں اس کو کاشت کروں گا، اس صورت میں نزاع و جھگڑا نہیں ہوگا، لہٰذا عقد صحیح ہے۔

⑥ وَلِلْبِنَاءِ، وَالْغَرْسِ ⑦ فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ: قَلَعَهُمَا، وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً ⑧ إِلَّا أَنْ يَغْرَمَ الْمُؤْجِرُ قِيمَتَهُ مَقْلُوعًا، وَيَتَمَلَّكَهُ ⑨ أَوْ يَرْضَى بِتَرْكِهِ، فَيَكُونُ الْبِنَاءُ وَ الشَّجَرُ لِهٰذَا، وَالْأَرْضُ لِهٰذَا ⑩ وَ الرَّطْبَةُ كَالشَّجَرِ ⑪ وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ إِلَى أَنْ يُدْرِكَ.

ترجمہ: اور (زمین کو کرایہ پر دینا صحیح ہے) عمارت بنانے اور درخت لگانے کیلئے۔ پس اگر مدت گزرگئی تو (مستأجر) ان کو اکھاڑدے اور زمین تسلیم کردے کہ فارغ ہو۔ مگر یہ کہ موجر اس کا تاوان دے کہ اکھڑا ہوا ہو، اور اس کا مالک بن جائے۔ یا راضی ہوجائے اس کو چھوڑ دینے پر، تو عمارت اور درخت اِس کے ہوں گے، اور زمین اِس کی ہوگی۔ اور گھاس درخت کی طرح ہے۔ اور کھیتی کو چھوڑ دیا جائے گا اجرِ مثل پر یہاں تک کہ پک جائے۔

لغات:

البناء: ضرب کا مصدر ہے، عمارت بنانا۔ الغرس: بویا ہوا درخت، پودا۔ مقلوع: اسم مفعول ہے، اکھڑی ہوئی چیز۔

الرطبة: ہری گھاس، اسپست، پشتو میں شپیشتي۔

تشریح:

⑥ وللبناء، والغرس: یہ عطف ہے للزراعة پر، أي: صح إجارة الأراضي للبناء، والغرس. مسئلہ یہ

ہے کہ زمینوں کو عمارت بنانے اور درخت لگانے کیلئے اِجارہ پر دینا صحیح ہے، کیونکہ عمارت کھڑی کرنا اور درخت لگانا بھی ایک جائز منفعت ہے جس کو زمین سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

❼ **فإن مضت المدۃ: قلعھما، وسلّمھا فارغۃ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے دو سال کیلئے زمین کرایہ پر لی، اور زمین کے اندر عمارت اور درخت لگا دیئے، تو دو سال کی مدت پوری ہونے پر مستأجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر خالی زمین موجر کے حوالہ کردے، کیونکہ مدّت پوری ہونے کے بعد عقدِ اِجارہ ختم ہوگیا، اب مستأجر کیلئے مزید زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور عمارت اور درخت کی کوئی انتہاء بھی نہیں ہے جس تک انتظار کیا جائے، لہٰذا فی الحال زمین فارغ کردے۔

❽ **إلاّ أن یغرم المؤجر قیمتہ مقلوعا، ویتملّکہ:** یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مدّت پوری ہونے کے بعد مستأجر اپنی عمارت اور درخت اکھاڑ کر لے جائے، مگر یہ کہ موجر (زمین کا مالک) منہدم عمارت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت مستأجر کو دے اور مستأجر اس پر راضی ہوجائے، تو عمارت اور درخت کو اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور جب مستأجر کو منہدم عمارت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت مل جائے تو موجر ان کا مالک ہوجائے گا، چاہے اکھاڑ دے، چاہے رہنے دے۔

❾ **أو یرضی بترکہ، فیکون البناء والشجر... إلخ:** یہ عطف ہے یغرم پر، أي: إلاّ أن یرضی... یہ بھی مسئلہ نمبر (۷) کے حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مدّت پوری ہونے پر مستأجر عمارت اور درخت اکھاڑ کر لے جائے، مگر یہ کہ موجر عمارت اور درخت کو اپنی زمین میں باقی رکھنے پر راضی ہو، تو مستأجر کو اکھاڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہم نے موجر کے حق کی وجہ سے مستأجر کو اکھاڑنے کا حکم دیا تھا، اور جب موجر خود اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہے تو بلاوجہ مستأجر کو اکھاڑنے کا حکم دینے کا کیا فائدہ ہے؟ لہٰذا اب عمارت اور درخت مستأجر کی ملک میں ہوں گے، اور زمین موجر کی، گویا موجر نے اپنی زمین مستأجر کو عاریت پر دی۔

❿ **والرطبۃ کالشجر:** اگر مستأجر نے گھاس یا اسپست اُگانے کیلئے زمین کرایہ پر لی، اور کرایہ کی مدت ختم ہوگئی، تو اس کا حکم درخت کی طرح ہے، یعنی مستأجر سے کہا جائے گا کہ اسپست کا کھیت اکھاڑ کر زمین فارغ کردو، کیونکہ اسپست کی جڑیں لمبے عرصے تک موجود رہتی ہیں، کاٹنے کے بعد پھر اگ آتی ہیں، لہٰذا درخت کی طرح اسپست کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے، اور لمبے عرصے تک چھوڑنے میں موجر کا ضرر ہے، لہٰذا مدّت پوری ہونے کے فوراً بعد مستأجر اپنا کھیت اکھاڑ کر زمین فارغ کردے۔

⓫ **والزرع یُترک بأجر المثل إلی أن یدرک:** اگر مستأجر نے گھاس اور اسپست کے علاوہ کسی اور سبزی کی کھیتی لگائی، اور کھیتی پکنے سے پہلے کرایہ کی مدت ختم ہوگئی، تو مستأجر کو اکھاڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ کھیتی کو پکنے تک چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ سبزیوں کی انتہاء معلوم ہے، اس تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ مدّت ختم ہونے کے بعد جتنے عرصے تک کھیتی رہے گی اس کا اُجرِ مثل[1] موجر کو ملے گا۔ اس میں مستأجر اور موجر دونوں کا فائدہ ہے، مستأجر کی کھیتی پک جائے گی، اور موجر کو زائد مدّت کا کرایہ مل جائے گا۔

---

① اُجرِ مثل سے مراد یہ ہے کہ اس زمانہ اور اس جگہ کے عرف کے مطابق اس زمین کا جتنا مناسب کرایہ بنتا ہے وہ مستأجر پر لازم ہوگا۔

⑫ وَالدَّابَّةِ لِلرُّكُوبِ، وَالْحَمْلِ ⑬ وَالثَّوْبِ لِلُّبْسِ ⑭ فَإِنْ أَطْلَقَ: أَرْكَبَ، وَأَلْبَسَ مَنْ شَاءَ ⑮ وَإِنْ قَيَّدَ بِرَاكِبٍ، أَوْ لَابِسٍ، فَخَالَفَ: ضَمِنَ ⑯ وَمِثْلُهُ مَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ ⑰ وَمَا لَا يَخْتَلِفُ بِهِ: بَطَلَ تَقْيِيدُهُ كَمَا لَوْ شَرَطَ سُكْنَى وَاحِدٍ: لَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ.

ترجمہ: اور (صحیح ہے کرایہ پر دینا) جانور کو سواری کیلئے اور بوجھ لادنے کیلئے۔ اور کپڑے کو پہننے کیلئے۔ پس اگر مطلق چھوڑا تو سوار کرے اور پہنائے جس کو چاہے۔ اور اگر مقید کر دیا کسی سوار ہونے والے یا پہننے والے کے ساتھ اور پھر مخالفت کی تو تاوان دے۔ اور اسی کی مثل ہے وہ چیز جو مختلف ہو جاتی ہے استعمال کرنے والے سے۔ اور جو چیز مختلف نہیں ہوتی اس سے، تو اس کو مقید کرنا باطل ہے، جیسے شرط لگائے کسی ایک کی رہائش کی تو مستأجر کیلئے (جائز) ہے کہ دوسرے کو ٹھہرائے۔

تشریح:

⑫ والدابة للركوب، والحمل: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۱) میں الدورِ پر، أي: صح إجارة الدابة.... مسئلہ یہ ہے کہ جانور کو سواری کیلئے یا بار برداری کیلئے کرایہ پر دینا جائز ہے، کیونکہ سواری اور بار برداری ایسے منافع ہیں جو معلوم و معروف ہیں، اور جانور سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، لہٰذا ان منافع کے حصول کیلئے عقدِ اِجارہ کرنا صحیح ہے۔

⑬ والثوبِ للّبس: یہ بھی الدورِ پر عطف ہے، أي: صح إجارة الثوب للبس. یعنی کپڑے کو پہننے کیلئے کرایہ پر لینا دینا جائز ہے، کیونکہ پہننا ایسی معلوم منفعت ہے جس کو کپڑے سے حاصل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اس کیلئے عقد کرنا صحیح ہے۔

⑭ فإن أطلق: أركب، وألبس من شاء: اگر موجر نے مطلق[1] عقد کر کے جانور یا کپڑا مستأجر کو کرایہ پر دے دیا، تو مستأجر کو اختیار ہے کہ جسے چاہے جانور پر سوار کر سکتا ہے، اور جسے چاہے کپڑا پہنا سکتا ہے، کیونکہ مطلق عقد کر کے موجر اس پر راضی ہے۔

⑮ وإن قيد براكب، أولابس، فخالف: ضمن: اگر موجر نے عقد کو مقید کر دیا کسی خاص سوار کے ساتھ، یا کسی خاص پہننے والے کے ساتھ، مثلاً اس نے کہا کہ میں یہ جانور کرایہ پر دیتا ہوں بشرطیکہ اس پر صرف زید سواری کرے، یا اس کپڑے کو صرف زید پہن لے، اور پھر مستأجر نے شرط کی مخالفت کی، اور جانور یا کپڑا اہلاک ہو گیا، تو وہ تاوان دے گا، کیونکہ سواری کرنے اور کپڑا استعمال کرنے میں لوگوں میں بڑا فرق ہوتا ہے، لہٰذا موجر کی طرف سے قید (شرط) لگانا مفید ہے، اور مفید قید کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اور مستأجر نے قید کے مطابق عمل نہ کر کے تجاوز کیا، اور تجاوز کرنے سے جو نقصان ہو جائے اس کا تاوان دینا لازم ہے۔

⑯ ومثله ما يختلف بالمستعمل: «ہُ» کا مرجع ماقبل مسئلے کا حکم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو استعمال کرنے

---

① یہاں مطلق سے مراد عام ہے، یعنی موجر نے صراحتاً عام اِجازت دی۔ [البحر الرائق: ۵۲۳]

والے کے استعمال سے بدل جاتی ہے، کہ ایک شخص ایک طرح استعمال کرتا ہے اور دوسرا شخص دوسری طرح استعمال کرتا ہے، ایسی چیز میں اگر موجر کوئی قید و شرط لگادے اور پھر مستأجر اس کی مخالفت کرے اور وہ چیز ہلاک ہوجائے، تو ماقبل مسئلے کی طرح یہاں بھی مستأجر پر ضمان آئے گا، کیونکہ موجر نے جو قید لگائی ہے وہ مفید ہے، اور مفید قید پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ تاوان دینا پڑے گا۔

⑰ وما لا يختلف به: بطل تقييدهٗ، كما ....إلخ: «ه» کا مرجع مستعمل ہے۔یعنی ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے استعمال سے نہیں بدلتی، خواہ کوئی بھی استعمال کرے چیز میں فرق نہیں آتا، ایسی چیز میں اگر موجر قید و شرط لگادے تو وہ باطل ہے، لہٰذا اس شرط کی مخالفت کرنے کی وجہ سے مستأجر پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ یہ بے فائدہ شرط ہے، اور بے فائدہ شرط پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، مثلاً گھر کرایہ پر دے کر یہ شرط لگائی کہ اس میں صرف زید رہائش کرے، تو مستأجر کیلئے جائز ہے کہ شرط کی مخالفت کرتے ہوئے زید کے علاوہ کسی اور شخص کو گھر میں ٹھہرائے، کیونکہ رہائش کرنے سے گھر میں تبدیلی نہیں آتی، خواہ کوئی بھی شخص کرے۔

> ⑱ وَإِنْ سَمّٰى نَوْعًا، وَقَدْرًا كَكُرِّ بُرٍّ: لَهٗ حَمْلُ مِثْلِهٖ، وَأَخَفَّ ⑲ لَا أَضَرَّ، كَالْمِلْحِ ⑳ وَإِنْ عَطِبَتْ بِالْإِرْدَافِ: ضَمِنَ النِّصْفَ ㉑ وَبِالزِّيَادَةِ عَلَى الْحَمْلِ الْمُسَمّٰى: مَا زَادَ.

ترجمہ: اور اگر ذکر کیا کسی نوع اور مقدار کو، جیسے پیمانہ گندم، تو مستأجر کیلئے (جائز) ہے اس کی مثل لادنا، اور (اس سے) ہلکا۔ نہ کہ مضر جیسے نمک۔ اور اگر جانور ہلاک ہوگیا پیچھے سوار کرنے سے تو آدھے کا تاوان دے۔ اور اگر (ہلاک ہوگیا) ذکر شدہ بوجھ پر زیادتی کی وجہ سے، تو جو زیادتی کی (اس کا تاوان دے)۔

تشریح:

⑱ وإن سمّٰى نوعا، وقدرا، ككرّ ....إلخ: اگر جانور کو کرایہ پر لیتے وقت بوجھ کی نوع اور مقدار کو بیان کیا، مثلاً کہا کہ اس جانور پر ایک کُر گندم[1] لادی جائے گی، تو مستأجر کیلئے گندم کی مثل کوئی اور چیز لادنا بھی جائز ہے، جیسے جو، اور اسی طرح وہ چیز جو گندم سے بھی ہلکی ہو جیسے تِل، کیونکہ موجر جب ایک کُر گندم لادنے پر راضی ہے تو اس کی مثل یا اس سے ہلکی چیز لادنے پر بھی راضی ہوگا۔

⑲ لا أضرّ، كالملح: أي: ليس له حمل أضرّ، كالملح. یعنی مذکورہ صورت میں مستأجر جانور پر ایسی چیز نہیں لادسکتا جو گندم سے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہو، جیسے نمک[2] اور لوہا وغیرہ، جس سے جانور کی پشت زخمی ہونے کا اندیشہ ہو، کیونکہ موجر گندم جیسی چیز لادنے پر راضی ہے، نہ کہ اس سے مضر چیز پر۔

⑳ وإن عطبت بالإرداف: ضمن النصف: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے سواری کیلئے کوئی جانور کرایہ پر لیا، اور پھر ایک اور آدمی کو بھی اپنے پیچھے سوار کیا جس کی وجہ سے جانور مر گیا، تو مستأجر جانور کی آدھی قیمت کا تاوان دے، کیونکہ مستأجر نے

---

① کُر ایک پیمانہ کا نام ہے جو ساٹھ قفیز کے برابر ہے۔ ② نمک سے مراد وہ ٹھوس نمک ہے جو پتھر کی شکل میں ہوتا ہے۔

خود سوار ہو کر تجاوز نہیں کیا، مگر دوسرے آدمی کو سوار کر کے تجاوز کر لیا، اور ظاہر ہے کہ جانور دونوں کے وزن سے ہلاک ہو گیا ہے، لہٰذا آدھے وزن کے مطابق آدھی قیمت کا تاوان ادا کرے۔ یہاں مستاجر اور دوسرے آدمی کے حقیقی وزن اور بھاری پن کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ انسان کو صحیح طور پر تولا نہیں جا سکتا، بلکہ ان کی تعداد (عدد الرءوس) کو دیکھا جائے گا، ان کی تعداد دو ہے، ایک کی سواری میں تجاوز نہیں ہے اور دوسرے میں تجاوز ہے، لہٰذا آدھی قیمت کا ضمان نہ دے، آدھی کا ضمان دے۔

㉑ وبالزيادة على الحمل المسمّى: ما زاد: أي: إن عطبت بالزيادة على الحمل المسمّى: ضمن ما زاد المسمّى. صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستاجر نے پچاس کلو گندم لادنے کیلئے جانور کرایہ پر لے لیا، اور پھر اس پر زیادتی کر کے ساٹھ کلو لاد دیا، جس سے جانور ہلاک ہو گیا، تو مستاجر نے بوجھ میں جس قدر زیادتی کی ہے اسی قدر تاوان ادا کرے، مثلاً مذکورہ صورت میں جانور کی قیمت کو چھ حصوں پر تقسیم کر کے ایک حصے کا تاوان ادا کرے، کیونکہ پچاس کلو بوجھ رکھنے میں تجاوز نہیں پایا گیا، اور دس کلو میں تجاوز ہو گیا، لہٰذا تجاوز کے مطابق ایک حصے کا تاوان دے۔

> ㉒ وَبِالضَّرْبِ، وَالْكَبْحِ ㉓ وَنَزْعِ السَّرْجِ، وَالْإِيْكَافِ ㉔ أَوِ الْإِسْرَاجِ بِمَا لَا يُسْرَجُ بِمِثْلِهِ ㉕ وَسُلُوْكِ طَرِيْقٍ غَيْرِ مَاعَيَّنَهُ وَتَفَاوَتَا ㉖ وَحَمْلِهِ فِي الْبَحْرِ: الْكُلَّ ㉗ وَإِنْ بَلَغَ: فَلَهُ الْأَجْرُ.

ترجمہ: اور مارنے اور لگام کھینچنے کی وجہ سے۔ اور زین اتارنے اور پالان رکھنے کی وجہ سے۔ اور یا ایسے زین باندھنے کی وجہ سے کہ اس کی مثل زین نہیں باندھا جاتا۔ اور ایسے راستے پر چلنے کی وجہ سے جو غیر ہو اس راستے سے جس کو (موجر نے) متعین کر دیا ہے، اور دونوں (راستوں) میں فرق ہو۔ اور سمندر میں بوجھ اٹھانے کی وجہ سے سارا (تاوان ادا کرے)۔ اور اگر پہنچ گیا تو اس کیلئے اُجرت ہے۔

لغات:

الكبح: فتح کے باب کا مصدر ہے، لگام کھینچنا۔ السرج: زین۔ الإيكاف: اِفعال کا مصدر ہے، جانور پر پالان رکھنا، إكاف بمعنی پالان، وہ گدی جس کو گدھے کی پیٹھ پر ڈالا جاتا ہے۔ سرج اور إكاف کے درمیان فرق یہ ہے کہ إكاف بوجھ لادنے کیلئے گدھے کی پیٹھ پر ڈالا جاتا ہے، اور سرج بیٹھنے کیلئے اس کی پیٹھ پر رکھا جاتا ہے۔ [ہدایہ]۔ الإسراج: زین رکھنا۔

تشریح:

㉒ وبالضرب، والكبح: أي: إن عطبت بالضرب، والكبح. یہ شرط ہے، مسئلہ نمبر (۲۶) میں الكلّ اس کی جزاء ہے۔ اگر مستاجر نے جانور کو مارا، یا اس کی لگام کھینچی جس سے وہ مر گیا، تو کُل قیمت کا ضمان دے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر عادت کے مطابق مارا ہے یا لگام کھینچی ہے، تو تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ یہ عقد کے اندر داخل ہے، تو

گویا موجر نے صراحتاً اجازت دی ہے، اور اگر عادت کے خلاف سخت مارا، یا زور سے کھینچا تو تاوان آئے گا، کیونکہ یہ عقد میں داخل نہیں ہوگا، اور نہ موجر اس پر راضی ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مستأجر کو عادت کے مطابق مارنے اور لگام کھینچنے کی اجازت تو ہے، مگر سلامتی اور احتیاط کی شرط کے ساتھ، اور جانور کا ہلاک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے سلامتی واحتیاط کا خیال نہیں رکھا، اس لئے اس پر تاوان آئے گا، اگر چہ وہ احتیاط کا دعویٰ کرتا رہے۔

۲۳ ونزع السرجِ، والإيكافِ: أي: وإن عطبت بنزع السرج... یہ شرط ہے، مسئلہ نمبر (۲۶) میں الكلُّ اس کی جزاء ہے۔ اگر مستأجر نے زین سمیت جانور کرایہ پر لیا، اور پھر وہ زین اتار کر اس پر پالان رکھ دیا، جس سے جانور ہلاک ہو گیا، تو مستأجر کُل قیمت کا تاوان دے، کیونکہ بلا اجازت پالان رکھنا مستأجر کی طرف سے تجاوز ہے، جس کی وجہ سے ضمان واجب ہو جاتا ہے۔

۲۴ أو الإسراج بما لا يُسرج بمثله: أي: وإن عطبت بالإسراج بما... یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۲۶) میں الكلُّ اس کی جزاء ہے۔ یعنی اگر مستأجر نے جانور پر اتنا وزنی اور غیر مناسب زین رکھا جس کی مثل زین جانوروں پر نہیں رکھا جاتا اور پھر جانور مر گیا، تو مستأجر پر کُل قیمت کا ضمان ہے، کیونکہ ایسا زین رکھنا بھی تجاوز ہے۔

۲۵ وسلوك طريق غير ما عينه، وتفاوتا: أي: وإن عطبت بسلوك طريق... یہ شرط ہے، اور الكلُّ اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے اُجیر سے کہا کہ میرا یہ سامان فلاں راستے سے فلاں جگہ تک پہنچا دو، اُجیر نے سامان اٹھا کر اس معیّن راستے کے علاوہ دوسرے راستے سے سفر شروع کیا، اور ان دوراستوں کے درمیان بڑا فرق بھی ہے، اور پھر وہ سامان راستہ میں ہلاک ہو گیا، تو اُجیر پر کُل قیمت کا تاوان لازم ہو جائے گا، کیونکہ اس نے مستأجر کی طرف سے متعین کردہ راستہ کو چھوڑ کر پر خطر راستہ پر سفر کرنے میں تجاوز کیا، لہٰذا تاوان دینا لازم ہے۔ وتفاوتا کی قید میں اشارہ فرمایا کہ اُجیر پر تاوان اس وقت آئے گا کہ ان دوراستوں کے درمیان فرق ہو، لیکن اگر دونوں راستے ایک طرح ہوں، تو اُجیر پر تاوان نہیں آئے گا۔ [ہدایہ]

۲۶ وحمله في البحر: الكلَّ: أي: إن عطبت بحمله في البحر: ضمن الكلَّ. مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے اُجیر سے کہا کہ میرا یہ سامان فلاں جگہ تک خشکی کے راستے سے لے جاؤ، مگر اُجیر نے سمندر کے راستے سے سفر شروع کیا، اور پھر وہ سامان ہلاک ہو گیا، تو اُجیر پر کُل قیمت کا تاوان آئے گا، کیونکہ خشکی کے راستے اور سمندر کے راستے کے درمیان بڑا فرق ہے، لہٰذا اُجیر نے سمندر کے راستے لے جانے میں تجاوز کیا، جس کی وجہ سے اس پر ضمان واجب ہو جائے گا۔

۲۷ وإن بلغ: فله الأجر: یعنی مذکورہ مسائل میں اگر اُجیر کی طرف سے تجاوز کرنے کے باوجود سامان ہلاک نہیں ہوا اور منزلِ مقصود تک پہنچ گیا، تو اُجیر کو پوری مزدوری مل جائے گی، کیونکہ مستأجر کا مقصد پورا ہوا، لہٰذا اب اُسے اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۲۸ وَبِزَرْعِ رَطْبَةٍ، وَأُذِنَ بِالْبُرِّ: مَا نَقَصَ، وَلَا أَجْرَ ۲۹ وَبِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ،

وَأُمِرَ بِقَمِيصٍ: قِيمَةَ ثَوْبِهِ۞ وَلَهُ أَخْذُ الْقَبَاءِ، وَدَفْعُ أَجْرِ مِثْلِهِ.

ترجمہ: اور گھاس اگانے سے، جبکہ اس کو اجازت دی گئی ہے گندم کی (تاوان دے گا) جو نقصان ہوا، اور کرایہ نہیں ہے۔ اور چوغہ سینے سے، جبکہ اس کو حکم دیا گیا ہے قمیص کا (تاوان دے) اس کے کپڑے کی قیمت کا۔ اور مستأجر کیلئے (جائز) ہے چوغہ لینا، اور اس کا اُجر مثل دینا۔

تشریح:

۞ وبزرع رطبة، وأذن بالبرّ: ما نقص، ولا أجر: أي: يضمن بزرع رطبة... اگر موجر نے زمین کرایہ پر دے کر مستأجر کو گندم بونے کی اجازت دی، مگر اس نے گھاس (اسپست/شبیشتي) بوئی، تو اس کی وجہ سے زمین کو جو نقصان پہنچے گا مستأجر اس کا تاوان ادا کرے، کیونکہ اس نے موجر کے حکم کی مخالفت کر کے زمین کو نقصان پہنچایا ہے، گھاس کی جڑیں زمین کے اندر پھیل جاتی ہیں، اور کٹنے کے بعد پھر اگ آتی ہیں، جس کی وجہ سے زمین کمزور ہو جاتی ہے۔ مستأجر سے زمین کا کرایہ نہیں لیا جائے گا، کیونکہ مستأجر مخالفت کرنے کی وجہ سے مستأجر نہیں رہا، بلکہ غاصب ہو گیا اور غاصب سے تاوان لیا جاتا ہے، نہ کہ کرایہ۔

۞ وبخياطة قباء، وأمر بقميص: قيمة ثوبه: أي: يضمن بخياطة... مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے درزی کو کپڑا دے کر حکم دیا کہ اس سے قمیص سی دو، مگر درزی نے چوغہ سی دیا، تو درزی پر لازم ہے کہ مستأجر کو کپڑے کی قیمت ادا کرے، چوغہ اُجیر (درزی) کا ہو گیا، کیونکہ اُجیر نے حکم کی مخالفت کر کے گویا کپڑے کو بالکل ضائع کر دیا۔

۞ وله أخذ القباء، ودفع أجر مثله: «ه» کا مرجع خیاط ہے۔ مذکورہ صورت میں مستأجر کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہی چوغہ لے لے اور درزی کو اُجر مثل دیدے، یعنی اس درزی کی مثل چوغہ بنا کر جو اُجرت لیتا ہے وہ اس درزی کو دیدے، کیونکہ چوغہ ایک لحاظ سے قمیص کے مشابہ ہے، تو گویا درزی نے حکم کی مخالفت نہیں کی، اس لئے مستأجر کیلئے جائز ہے کہ قمیص کی جگہ چوغہ قبول کر لے۔

☆☆☆

﴿بَابُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الإجارة الفاسدة. یعنی یہ باب اِجارہ فاسدہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ بیع کی طرح اِجارہ کی بھی تین قسمیں ہیں: اِجارہ صحیحہ، اِجارہ فاسدہ، اِجارہ باطلہ۔ اِجارہ صحیحہ وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ عقد کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اِجارہ فاسدہ وہ ہے جو ذات کے اعتبار سے صحیح ہو، مگر خارجی وصف کی وجہ سے اس میں فساد آجائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مقرر شدہ اُجر نہیں ہوگا، بلکہ اُجر مثل ثابت ہوگا۔ اِجارہ باطلہ وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے ناجائز اور باطل ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ نہ عقد کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، اور نہ کوئی اُجر ہوگا۔

اس باب میں اِجارہ فاسدہ اور باطلہ دونوں کے احکام بیان ہوں گے، مگر مصنفؒ نے باب کے عنوان میں صرف فاسدہ ذکر کیا، اس لئے کہ اس کے مسائل زیادہ ہیں۔ اس باب میں کُل چھتیس (۳۶) مسائل ہیں۔

> ① يُفْسِدُ الْإِجَارَةَ الشَّرْطُ ② وَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ ③ لَا يُجَاوَزُ بِهِ الْمُسَمّٰى ④ فَإِنْ آجَرَ دَارًا، كُلُّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ: صَحَّ فِي شَهْرٍ فَقَطْ ⑤ إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ الْكُلَّ ⑥ وَكُلُّ شَهْرٍ سَكَنَ سَاعَةً مِنْهُ: صَحَّ فِيهِ.

ترجمہ: شرط اِجارہ کو فاسد کر دیتی ہے۔ اور اُس کیلئے اُجر مثل ہے، جس کو نہیں بڑھایا جائے گا مقرر شدہ سے۔ پس اگر گھر کو کرایہ پر دیا ہر مہینہ ایک درہم میں، تو صحیح ہے صرف ایک مہینہ میں۔ مگر یہ کہ سب (مہینوں) کو ذکر کرے۔ اور ہر وہ مہینہ جس میں رہائش کرے ایک گھڑی تو (اِجارہ) صحیح ہوا اُس میں۔

تشریح:

① يُفسد الإجارة الشرطُ: مسئلہ یہ ہے کہ شرط اِجارہ کو فاسد کر دیتی ہے۔ شرط سے مراد ایسی شرط یہ جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مثلاً یہ شرط لگائی کہ مستاجر (کرایہ دار) گھر کی مرمت کرے گا، ایسی فاسد شرط کی وجہ سے عقدِ اِجارہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ بیع کی طرح اِجارہ بھی معاوضہ (لین دین) کا عقد ہے، لہٰذا جس طرح بیع شرط کی وجہ سے فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اِجارہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ تفصیل کتاب البيوع/باب المتفرقات مسئلہ نمبر (۱۳) میں گزر گئی ہے۔

② ولهٗ أجر مثله، لا يجاوز به المسمّٰى: «هٗ» کا مرجع وہ شخص ہے جو اُجر کا مستحق ہوتا ہے، یعنی موجر یا اجیر۔ مثله میں ضمیر کا مرجع وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اُجرت ثابت ہو جاتی ہے، یعنی اَجیر کا عمل یا گھر وغیرہ۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب اِجارہ

فاسد ہوجائے تو اُجرِ مثل واجب ہوگا، مثلاً گھر کرایہ پر دیا اور عقد فاسد ہوگیا، تو موجر (مالک) کو اُجرِ مثل ملے گا، یعنی اس گھر کی مثل دوسرے گھر کا جتنا کرایہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔ یا مثلاً فاسد عقد کرکے مزدور (اُجیر) سے کوئی کام کروایا، تو مزدور کو اُجرِ مثل ملے گا، یعنی اس اُجیر کی مثل دوسرا اُجیر اس جیسا عمل جتنی مزدوری میں کرے وہ اُسے دی جائے گی۔

اِجارہ کے فاسد عقد میں اُجرِ مثل اس لئے واجب ہوگا کہ جب عقد فاسد ہوگیا تو اس میں مقرر شدہ اُجر بھی فاسد ہوکر ختم ہوگیا، ایسی صورت میں لازماً اُجرِ مثل واجب ہوگا، ورنہ عقد بغیر اُجر رہ جائے گا۔

③ لا يُجاوَز به المسمّى: «ہ» کا مرجع اجر المثل ہے۔ یعنی فاسد اِجارہ میں جب اُجرِ مثل ثابت ہوجائے تو اس کو مقرر اُجر سے نہیں بڑھایا جائے گا، لہٰذا اُجرِ مثل یا تو مقرر اُجر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اُجرِ مثل جہاں تک پہنچ جائے ثابت ہوجائے گا، خواہ مقرر اُجر سے کم ہو یا برابر ہو یا زیادہ ہو، وہ بیعِ فاسد پر قیاس کرتے ہیں، کہ بیع اگر فاسد ہوجائے تو مبیع کی قیمت واجب ہوگی، خواہ مقرر ثمن سے کم ہو یا زیادہ ہو یا برابر ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ عاقدین مقرر اُجر پر راضی ہوگئے ہیں، لہٰذا اُجرِ مثل کو اس سے بڑھانا گویا ان کی رضامندی کے خلاف کرنا ہے۔ اور اِجارہ کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع میں قیمت مبیع کے مقابلہ میں ہے، اور وہ موجود متقوم مال ہے، اس کے برخلاف اِجارہ میں اُجر منافع کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اور وہ موجود متقوم مال نہیں ہیں۔

④ فإن آجر دارا، كلَّ شهر بدرهم: صحّ في شهر فقط: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھر ہر مہینہ ایک درہم مقرر کرکے کرایہ پر دیا، مگر یہ معلوم نہیں کیا کہ ساری مدت کتنے مہینے ہے، تو اس صورت میں صرف ایک مہینے میں عقد صحیح ہوگا، کیونکہ وہ ایک مہینہ یقینی طور پر معلوم ہے، اور باقی مہینے چونکہ معلوم نہیں ہیں، لہٰذا ان میں عقد بھی صحیح نہ ہوگا[1]، اس کی مثال کتاب البیوع / مسئلہ نمبر (۱۴) میں بیان ہوگئی ہے۔

⑤ إلّا أن يسمّي الكلّ: ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ماقبل صورت میں صرف ایک مہینہ میں عقد صحیح ہوگا، مگر یہ کہ تمام مہینوں کی تعداد معلوم کرے تو سب میں عقد صحیح ہوجائے گا، کیونکہ اب جہالت نہیں رہی۔

⑥ وكلّ شهر سكن ساعة منه: صحّ فيه: یعنی مسئلہ نمبر (۴) کی صورت میں اگر مستاجر نے ایک مہینہ مکمل ہونے کے بعد دوسرے مہینے کی ایک گھڑی گھر میں سکونت کرلی تو اس میں بھی عقد صحیح ہوگیا، لہٰذا موجر مستاجر کو نہیں نکال سکتا۔ ایسی طرح ہر مہینہ کے شروع میں جب مستاجر ایک گھڑی گھر میں رہے تو عقد صحیح ہوجائے گا، کیونکہ مستاجر کا گھر میں رہنے اور موجر کے خاموش رہنے سے وہ مہینہ متعین ہوجاتا ہے، اور دونوں رضامند بھی ہوئے، لہٰذا لازماً عقد صحیح ہوجائے گا۔

---

① اس میں قاعدہ یہ ہے کہ کلّ کا کلمہ اگر ایسی متعدد چیزوں پر داخل ہوا جن کی مقدار و انتہاء معلوم نہ ہو تو ان میں سے صرف ایک پر عمل ہوگا، کیونکہ جہالت کی وجہ سے سب پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، مثلاً یہاں کلّ داخل ہے شھر پر، اور مہینوں کی انتہاء معلوم نہیں ہے، تو صرف ایک مہینہ میں عقد صحیح ہوگا۔

ⓖ وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا سَنَةً: صَحَّ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ أَجْرَ كُلِّ شَهْرٍ ⑧ وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ وَقْتُ الْعَقْدِ ⑨ فَإِنْ كَانَ حِيْنَ يُهَلُّ تُعْتَبَرُ الْأَهِلَّةُ، وَإِلَّا: فَالْأَيَّامُ.

ترجمہ: اور اگر گھر کرایہ پر لیا ایک سال تک تو صحیح ہے، اگر چہ بیان نہ کرے ہر مہینے کا کرایہ۔ اور مدت کی ابتداء عقد کے وقت سے ہے۔ پس اگر عقد ہو گیا جب چاند دیکھا گیا تو اعتبار کیا جائے گا چاندوں کا، ورنہ دنوں کا۔

تشریح:

ⓖ وإن استأجرها سنة: صحّ .....الخ: اگر کسی شخص نے گھر ایک سال کیلئے کرایہ پر لیا تو عقد صحیح ہو گیا، اگر چہ ہر مہینے کا کرایہ معلوم نہ کرے، کیونکہ اجارہ کی مدت معلوم ہے، لہٰذا کرایہ کو مہینوں پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے ایک مہینے کیلئے کرایہ پر لے اور ہر دن کا کرایہ معلوم نہ کرے۔

⑧ وا بتداء المدة وقت العقد: یعنی مذکورہ صورت میں کہ سال بھر کیلئے گھر کرایہ پر لیا تو سال کی ابتداء عقد کے وقت سے ہوگی، لہٰذا ایجاب وقبول کرتے ہی سال شروع ہو گیا، کیونکہ ابتداء کیلئے سارے اوقات برابر ہیں، کسی خاص وقت کو ترجیح حاصل نہیں ہے، مگر وہ وقت جو عقد کے ساتھ متصل ہے اس کو اتصال کی وجہ سے ترجیح حاصل ہوگئی، لہٰذا وہیں سے ابتداء ہوگی۔

⑨ فإن كان حين يهلّ: تُعتبر الأهلّة، وإلّا: فالأيام: مذکورہ صورت میں اگر عقد چاند دیکھنے کے وقت ہوا، یعنی مہینے کی پہلی تاریخ کو ہوا، تو سال کے تمام مہینوں کا حساب چاند سے ہوگا، جس کی وجہ سے کوئی مہینہ ۳۰ دن کا، اور کوئی ۲۹ کا ہو سکتا ہے، اور اگر مہینہ کی کسی اور تاریخ کو عقد ہوا تو تمام مہینوں کا حساب دنوں سے ہوگا، لہٰذا ہر مہینہ ۳۰ دن کا شمار ہوگا، کیونکہ مہینے میں اصل حساب چاند کا ہے، اور اگر کسی وجہ سے چاند کا حساب نہ ہو سکے تو پھر ہر مہینہ تیس دن کا شمار ہوگا۔

⑩ وَصَحَّ أَخْذُ أُجْرَةِ الْحَمَّامِ، وَالْحَجَّامِ ⑪ لَا أُجْرَةُ عَسْبِ التَّيْسِ ⑫ وَالْأَذَانِ، وَالْحَجِّ، وَ الْإِمَامَةِ ⑬ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ، وَالْفِقْهِ ⑭ وَالْفَتْوَى الْيَوْمَ عَلَى جَوَازِ الْإِسْتِئْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ، وَالْفِقْهِ ⑮ وَلَا يَجُوزُ عَلَى الْغِنَاءِ، وَالنَّوْحِ، وَالْمَلَاهِيْ.

ترجمہ: اور صحیح ہے اُجرت لینا حمام اور پچھنے لگانے والے کی۔ نہ کہ نر جانور کی جفتی کرانے کی اُجرت۔ اور اذان دینے، حج کرنے اور امامت کرنے کی (اُجرت)۔ اور قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کی (اُجرت)۔ اور آج کل فتویٰ اُجرت پر رکھنے کے جواز پر ہے تعلیم قرآن کیلئے۔ اور (عقدِ اجارہ) جائز نہیں ہے گانے، نوحہ کرنے اور گانے بجانے کے آلات پر۔

لغات: حمام: غسل خانہ۔ حجام: پچھنے لگانے والا۔ عسب: باب ضرب کا مصدر ہے، نر جانور (سانڈ) سے جفتی کرانا۔

التيس: بکرا، یہاں نر جانور اور سانڈ مراد ہے۔ الغناء: گانا، گیت۔ النوح: نصر کے باب سے مصدر ہے، نوحہ کرنا، میت پر واویلا کرنا۔

الملاهي: گانا بجانے کے آلات، لہو ولعب کا سامان، مفرد ملهاة ہے۔

تشریح:

⑩ وصح أخذ أجرة الحمّام، والحجّام: مسئلہ یہ ہے کہ غسل خانہ کو کرایہ پر دینا اور موجر کیلئے اس کا کرایہ لینا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جحفہ میں حمام میں داخل ہوئے۔ [رمز] نیز آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک حمام کی اُجرت لینے کا رواج ہے، اور اس کی کوئی ممانعت نہیں آئی۔ اور اسی طرح حجام کا کسی کو پچھنے لگانا اور اس کی اُجرت لینا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے پچھنے لگوا کر حجام کو اس کی مزدوری دی①۔ [بخاری]

⑪ لا أجرة عسب التيس: أي: لا يصحّ أخذ أجرة عسب التيس. یعنی نر کو مادہ پر چڑھانے اور جفتی کرانے کی اُجرت لینا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نر کو مادہ پر چڑھانے کی اُجرت لینا حرام ہے۔ [نسائی]

⑫ والأذان، والحجّ، والإمامة: أي: لا يصح أخذ أجرة الأذان، و.... اذان دینے، کسی کی طرف سے حج بدل کرنے اور امامت کرنے پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عبادت کے کام ہیں، اور عبادت پر مزدوری لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اجیر نے عبادت کا کام کر کے ثواب کما لیا، تو اپنے ثواب کمانے پر اُجرت کیسے لیتا ہے؟ اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جو مسلمان کے ساتھ خاص ہو اس پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ [ہدایہ] حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان② بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ اگر تمہیں مؤذن بنایا جائے تو اس پر اُجرت نہ لینا۔ [ابوداؤد]

⑬ وتعليم القرآن، والفقه: أي: لا يصح أخذ أجرة تعليم القرآن، والفقه. قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم دینے پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اذان وغیرہ کی طرح یہ بھی ثواب کا کام ہے، جس پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو، اور اُسے کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ [ترمذی]

⑭ والفتوى اليوم على جواز الاستئجار لتعليم القرآن: مسئلہ یہ ہے کہ علماء متاخرین نے آج کل فتویٰ دیا ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے کیلئے اُجرت لینا دینا جائز ہے، کیونکہ پہلے زمانے میں دینی تعلیم کا شوق زیادہ تھا، لوگ اخلاص وجذبہ کے ساتھ تعلیم وتعلم کرتے تھے، اور معلّمین کو بیت المال سے وظیفہ ملا کرتا تھا، جبکہ ہمارے زمانے میں لوگوں میں دینی وقرآنی تعلیم وتعلم کا شوق کم پڑ گیا ہے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کام کرنے کا جذبہ کم ہو گیا ہے، اور بیت المال سے معلّمین کا وظیفہ بند ہو گیا ہے، لہٰذا علماء نے

---

① یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس باب میں اجارہ فاسدہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں، اور حمام اور حجام کا اجارہ صحیح ہے، تو ان کا حکم یہاں کیوں بیان فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے حمام اور حجام کے اجارہ کو فاسد کہا ہے، اس اختلاف کی وجہ سے ان میں فساد کا شبہ پیدا ہوا، اس لئے مصنف نے ان کا حکم یہاں بیان فرمایا۔

② عثمان بن العاص صحابی ہیں، قبیلۂ ثقیف سے ان کا تعلق تھا، طائف میں پیدائش ہوئی، بصرہ میں سکونت کی، آپ ﷺ نے ان کو طائف کا عامل مقرر فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عمان کا گورنر بنایا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سن ۵۵ھ کے لگ بھگ بصرہ میں وفات پائی۔

قرآن اور فقہ کی تعلیم پر اُجرت لینے کو جائز ہونے کا فتویٰ دیا، ورنہ تعلیم دین کے سیکھنے سکھانے کا سلسلہ بالکل بند ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں اگرچہ صرف تعلیمِ قرآن کا ذکر ہے، مگر اذان اور امامت پر اُجرت لینے کا حکم بھی یہی ہے۔

⑮ ولا يجوز على الغناء، والنوح، والملاهي: گانا گانے اور نوحہ کرنے کیلئے کسی کے ساتھ اِجارہ کرنا اور گانے بجانے کے سامان کو کرایہ پر لینا دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ گناہ کے کام ہیں، اور گناہ کے کام پر اگر عقدِ اِجارہ ہو جائے تو عقد کے مطابق ان پر عمل کرنا لازم ہو جائے گا، حالانکہ گناہ پر شرعاً عمل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا ان پر اِجارہ کا عقد کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

⑯ وَفَسَدَ إِجَارَةُ الْمُشَاعِ ⑰ إِلَّا مِنَ الشَّرِيكِ ⑱ وَصَحَّ اسْتِئْجَارُ الظِّئْرِ بِأُجْرَةٍ مَعْلُومَةٍ، وَبِطَعَامِهَا، وَكُسْوَتِهَا ⑲ وَلَا يُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ وَطْئِهَا ⑳ فَإِنْ حَبِلَتْ، أَوْ مَرِضَتْ: فُسِخَتْ ㉑ وَعَلَيْهَا إِصْلَاحُ طَعَامِ الصَّبِيِّ ㉒ فَإِنْ أَرْضَعَتْهُ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا أَجْرَ.

ترجمہ: اور فاسد ہے مشاع کا اِجارہ۔ مگر اپنے شریک سے۔ اور صحیح ہے اِجارہ پر لینا دایہ کو، معلوم اُجرت کے عوض، اور اس کے کھانے اور اس کے کپڑے کے عوض۔ اور اس کے شوہر کو منع نہیں کیا جائے گا اس کو وطی کرنے سے۔ پس اگر حاملہ ہوگئی یا بیمار ہوگئی تو (اِجارہ کو) فسخ کر دیا جائے گا۔ اور دایہ پر ہے درست کرنا بچے کی خوراک کو۔ پس اگر اس کو پلایا بکری کا دودھ تو اُجرت نہیں ہوگی۔

تشریح:

⑯ وفسد إجارة المشاع: مسئلہ یہ ہے کہ مشاع (غیر تقسیم شدہ) چیز کو کرایہ پر دینا فاسد ہے، مثلاً زمین زید اور خالد کے درمیان مشترک ہے، زید نے تقسیم کئے بغیر اپنا حصہ دوسرے آدمی کو کرایہ پر دیا، تو یہ عقد فاسد ہے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک مشاع کا اِجارہ صحیح ہے، کیونکہ اِجارہ کا دارومدار نفع اٹھانے پر ہے، اور مشاع چیز سے نفع اٹھانا ممکن ہے، مثلاً مذکورہ صورت میں زید کے مشاع حصے سے مستأجر نفع اٹھا سکتا ہے، وہ اس طرح کہ مستأجر خالد کے ساتھ باری باری لگا کر زمین سے نفع اٹھائے، لہٰذا اِجارہ کا عقد صحیح ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِجارہ میں ضروری ہے کہ مستأجر مستأجَر پر قبضہ کرے، اور مشاع چیز پر قبضہ نہیں ہو سکتا، مثلاً مذکورہ صورت میں مستأجر زید کے حصے پر قبضہ نہیں کر سکتا، اس لئے عقدِ اِجارہ صحیح نہ ہوگا۔

قول راجح:

یہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے، قال ابن عابدين: وعليه الفتوى. [ردالمحتار: ۹/۶۵]

⑰ إلا من الشريك: یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مشاع چیز اِجارہ پر دینا فاسد ہے، مگر اپنے شریک کو دینا صحیح ہے، مثلاً مذکورہ صورت میں زید اپنا حصہ اپنے شریک خالد کو کرایہ پر دے سکتا ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، کیونکہ یہاں قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خالد پہلے سے ہی ایک حصے سے نفع لیتا رہا ہے، اب پوری زمین سے نفع لے گا۔

⑱ وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة، و ...إلخ: بچے کو دودھ پلانے کیلئے کسی دایہ کو اُجرت پر رکھنا صحیح ہے، خواہ اس کی اُجرت معلوم روپے ہو، یا اس کو کھانے پینے اور کپڑے کے عوض رکھا گیا ہو، آیت کریمہ میں ہے: فَـإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ. [الطلاق:٦] ”اور اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی مزدوری دے دو“۔

صاحبینؒ کے نزدیک کھانے پینے اور کپڑے کو عوض مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ کتنا کھائے گی؟ اور کیسا کپڑا پہنے گی؟ تو اس اُجرت میں جہالت ہے، جس کی وجہ سے عقد صحیح نہ ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ لوگ دایہ کے کھانے پینے اور کپڑوں میں تنگی نہیں کرتے، بلکہ ضرورت سے زیادہ دیتے ہیں، لہٰذا ایسی جہالت نزاع و جھگڑے کا باعث نہیں بنتی، اس لئے عقد صحیح ہے۔

قول راجح:

امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفي: وكذا بطعامها، وكسوتها، ولها الوسط، وهذا عند الإمام، لجريان العادة. [الدر علی ہامش رد المحتار:٩/٧٣]

⑲ ولا يمنع زوجها من وطئها: مستأجر دایہ کے شوہر کو دایہ کے ساتھ وطی کرنے سے منع نہیں کر سکتا، کیونکہ وطی شوہر کا حق ہے، لہٰذا عقدِ اِجارہ کی وجہ سے اس یہ کا حق باطل نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر کا حق ضائع ہو رہا ہے تو وہ اپنے حق کیلئے دایہ کا اِجارہ فسخ بھی کر سکتا ہے۔

⑳ فإن حبلت، أو مرضت: فسخت: اگر دایہ حاملہ ہوگئی یا بیماری ہوگئی تو اِجارہ کو فسخ کر دیا جائے گا، یعنی بچے کے اولیاء اس اِجارہ کو فسخ کر سکتے ہیں، کیونکہ حاملہ اور بیمار عورت کا دودھ بچے کی صحت کیلئے مضر ہے، لہٰذا بچے سے ضرر دفع کرنا ایک عذر ہے، اور اِجارہ کو عذر کی وجہ سے فسخ کیا جا سکتا ہے۔

㉑ وعليها إصلاح طعام الصبي: یعنی دایہ پر لازم ہے کہ بچے کی خوراک درست کرنے کا خیال رکھے، کوئی بھی ایسا عمل نہ کرے جس کی وجہ سے بچے کی خوراک کو نقصان پہنچے۔ اس بارے میں عرف و عادت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا عرف کے مطابق بچے کو کھانا کھلانا، اس کے کپڑے دھونا اور صفائی کرنا وغیرہ دایہ پر ہوگا۔ [ہدایہ]

㉒ فإن أرضعته بلبن شاة: فلا أجر: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دایہ نے اپنے دودھ کی بجائے بکری کا دودھ پلایا تو اس کو اُجرت نہیں ملے گی، کیونکہ اس پر لازم تھا کہ اپنا دودھ پلاتی، مگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو لازم تھا، لہٰذا اُجرت کی حقدار نہیں ہوگی۔

> ㉓ وَلَوْ دَفَعَ غَزْلًا لِيَنْسِجَهُ بِنِصْفِهِ ㉔ أَوِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَحْمِلَ طَعَامَهُ بِقَفِيزٍ مِنْهُ ㉕ أَوْ لِيَخْبِزَ لَهُ كَذَا الْيَوْمَ بِدِرْهَمٍ: لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر سوت دی تا کہ اُس کو بُن دے اُس کے نصف کے عوض۔ یا اس کو مزدور رکھا تا کہ اس کا غلہ اٹھائے اس

میں سے قفیز کے عوض۔ یا اس کیلئے پکائے اس قدر (آٹا) ایک درہم کے عوض، تو جائز نہیں ہے۔

لغات:

غزل: سوت، تاگا۔ ینسج: باب ضرب کا مضارع ہے، بُننا۔

تشریح:

⑳ ولو دفع غزلا لینسجه بنصفه: یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۲۵) میں لم یجز اس کی جزاء ہے۔ «ہ» کا مرجع بُنا ہوا کپڑا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جولاہے کو سوت دے کر کہا کہ اس سے میرے لئے کپڑا بُن دو، اور جو کپڑا تیار ہوگا اس کا آدھا تمہاری مزدوری ہے، تو اس طرح عقد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مزدور کو مزدوری میں وہ چیز دی جارہی ہے جو مزدور کے عمل سے وجود میں آئی ہے، یعنی جو کپڑا جولاہے کے عمل سے وجود میں آیا وہی کپڑا مزدوری میں دیا جارہا ہے، اور یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ [بیہقی] قفیز الطحان کی صورت یہ ہے کہ چکی والے کو گندم دے تاکہ اس کو پیس کر آٹا بنادے، اور پھر اسی آٹے میں سے ایک قفیز آٹا چکی والے کو مزدوری میں دیا جائے۔

㉑ أو استأجره لیحمل طعامه بقفیز منه: منه میں ضمیر کا مرجع طعام ہے، أي: لو استأجره... یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں لم یجز اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مستأجر نے مزدور سے کہا کہ میرا یہ غلہ یہاں سے فلاں جگہ تک لے جاؤ، اور عوض میں اسی غلہ میں سے ایک قفیز لے لو، تو یہ عقد بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی قفیز الطحان کے معنی میں ہے، کیونکہ مزدور جو غلہ اٹھائے گا اس میں اس کی مزدوری بھی ہے، تو گویا وہ اپنے لئے کام کرتا ہے، نہ کہ مستأجر کیلئے۔

㉕ أو لیخبز له كذا الیوم بدرهم: لم یجز: أي لو استأجره لیخبزله... یہ شرط ہے، اور لم یجز اس کی جزاء ہے۔ یعنی اگر مستأجر نے نان بائی سے کہا کہ میرے لئے ایک درہم کے عوض آج کے دن اس قدر آٹے کی روٹی پکادو، تو یہ عقد بھی جائز نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک یہ عقد جائز ہے، کیونکہ معقود علیہ عمل (روٹی پکانا) ہے، اور وقت (آج) کا جو ذکر کیا ہے وہ جلدی کرنے کیلئے ہے، لہٰذا نان بائی پر عمل کرنا لازم ہے، خواہ آج کرے یا کل کرے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عمل اور وقت دونوں کو ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا دونوں معقود علیہ بن سکتے ہیں، اگر عمل معقود علیہ ہو تو اس میں مستأجر کا فائدہ ہے، کہ نان بائی پر سارے آٹے سے روٹی پکانا لازم ہے، اگر آج فارغ نہ ہوا تو کل بھی کام کرے، اور اگر وقت کو معقود علیہ مانا جائے تو اس میں نان بائی کا فائدہ ہے کہ وہ آج ہی روٹی پکائے گا، اگر آٹا ختم نہیں ہوا تو کل اس پر عمل کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اس طرح عقد میں معقود علیہ مجہول ہونے کی وجہ سے دونوں کے درمیان نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہے، اس لئے یہ عقد فاسد ہوگا۔

☆☆☆

⑳ وَإِنْ اِسْتَأْجَرَ أَرْضًا عَلَى أَنْ يَكْرُبَهَا وَيَزْرَعَهَا ⑳ أَوْ يَسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا: صَحَّ ⑱ فَإِنْ شَرَطَ أَنْ يُثَنِّيَهَا، أَوْ يَكْرِيَ أَنْهَارَهَا، أَوْ يُسَرْقِنَهَا ⑳ أَوْ يَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ أُخْرَى: لَا ⑳ كَإِجَارَةِ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى.

ترجمہ: اور اگر زمین کرایہ پر لی اس شرط پر کہ اس کو جوتے گا اور اس کو کاشت کرے گا۔ یا اس کو پانی دے گا اور کاشت کرے گا تو صحیح ہے۔ اور اگر شرط لگائی کہ اس کو دوبارہ جوتے گا، یا اس کی نہروں کو کھودے گا، یا اس میں کھاد ڈالے گا۔ یا اس کو کاشت کرے گا دوسری زمین کی کاشت کے عوض، تو (صحیح) نہیں ہے، جیسے رہائش کا اجارہ کرنا رہائش کے عوض۔

لغات:

یکرب: نصر سے مضارع ہے، زمین میں ہل چلانا، جوتنا۔ **یسقي:** زمین کو پانی دینا۔ **یثني:** تفعیل کا باب ہے، دو مرتبہ کرنا، دوبارہ کرنا۔ **یکري:** باب ضرب سے مضارع ہے، کھودنا۔ **یسرقن:** رباعی مجرد مضارع ہے، زمین میں گوبر وغیرہ کا کھاد ڈالنا۔

تشریح:

⑳ **وإن استأجر أرضا علی أن یکربها، ویزرعها:** یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں صح اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زمین اس شرط پر کرایہ پر لی کہ اس میں پہلے ہل چلائے گا، پھر کاشت کرے گا، تو اس طرح عقد کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے مطابق ہے، کاشت کرنے کیلئے ہل چلانا ضروری ہے، خواہ شرط لگائے یا نہ لگائے۔ اس مسئلے کا حاصل یہ نکلا کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو وہ صحیح ہے، اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

⑳ **أو یسقیها ویزرعها: صحّ:** یہ عطف ہے یکربها پر، أي: إن استأجر أرضا علی أن یسقیها... یہ شرط ہے، اور صح اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زمین اس شرط پر کرایہ پر لی کہ زمین کو پانی دے اور پھر اس میں کاشت کرے، تو اس طرح عقد کرنا صحیح ہے، کیونکہ پانی دینے کی شرط بھی مقتضائے عقد کے مطابق ہے۔

⑱ **فإن شرط أن یثنیها، أو یکري أنهارها، أو یسرقنها:** یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں لا (أي: لا یجوز) اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موجر نے مستأجر پر شرط لگائی کہ کاشت کرنے کے بعد دوبارہ زمین میں ہل چلا کر میرے حوالہ کردو، یا شرط لگائی کہ نہروں کی کھدائی کرو، یا یہ شرط لگائی کہ گوبر اور کھاد ڈال دو، تو ایسی شرط سے عقد صحیح نہیں رہے گا، کیونکہ یہ شرط عقد کے تقاضے کے خلاف ہے، اور اس میں موجر کا فائدہ بھی ہے، کیونکہ دوبارہ ہل چلانے، نہریں کھودنے اور کھاد ڈالنے کا اثر عقد ختم ہونے کے بعد بھی دیر تک زمین میں باقی رہے گا، اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں ایک جانب کا فائدہ ہو اس کی وجہ سے عقدِ اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ تفصیل کتاب البیوع /باب المتفرقات مسئلہ نمبر (۱۴۳) میں گزر گئی ہے۔

⑳ أو يزرعها بزراعة أرض أخرى: لا: یہ عطف ہے یثنیھا پر،أي: فإن شرط أن یزرعها... یہ شرط ہے،اور لا (أي: لا یجوز) اس کی جزاء ہے۔یعنی اگر موجر نے اپنی زمین کاشت کرنے کیلئے مستأجر کو دی،اور شرط لگادی کہ اس کے عوض میں مستأجر اپنی زمین موجر کو کاشت کرنے کیلئے دے گا،یعنی ایک زمین کی کاشت کو دوسری زمین کی کاشت کا عوض قرار دیا،تو یہ جائز نہیں ہے،کیونکہ باب الربا میں گزر گیا ہے کہ اگر دو چیزوں کی جنس ایک ہو تو ایک کو دوسرے کے عوض ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے،اس میں ربا کا شبہ ہے،اور چونکہ ایک زمین کی کاشت دوسری زمین کی کاشت کی جنس ہے،لہٰذا ان کے آپس میں تبادلہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔

⑳ کإجارة السکنی بالسکنی: یعنی ایک زمین کی کاشت کے عوض میں دوسری زمین کاشت کرنا جائز نہیں ہے،جیسے ایک گھر کی رہائش دوسرے گھر کی رہائش کے عوض میں جائز نہیں ہے،مثلاً زید نے اپنے گھر میں خالد کو رہائش کیلئے دی اور اس کے عوض میں خالد نے اپنے گھر میں زید کو رہائش دی،اس کے عدمِ جواز کی بھی وہی دلیل ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

> ⑪ وَإِنْ اِسْتَأْجَرَهُ لِحَمْلِ طَعَامٍ بَيْنَهُمَا: فَلَا أَجْرَ لَهُ ⑫ كَرَاهِنٍ اِسْتَأْجَرَ الرَّهْنَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ ⑬ وَإِنْ اِسْتَأْجَرَ أَرْضًا، وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ يَزْرَعُهَا، أَوْ أَيُّ شَيْءٍ يَزْرَعُ، فَزَرَعَهَا، وَمَضَى الْأَجَلُ: فَلَهُ الْمُسَمّٰى.

ترجمه: اور اگر کسی کو اُجرت پر رکھا تا کہ غلّہ اٹھائے جو اُن کے درمیان (مشترک) ہے،تو اس کیلئے اُجرت نہیں ہے۔جیسے راہن رہن کو کرایہ پر لے مرتہن سے۔اور اگر زمین کرایہ پر لی اور یہ بیان نہ کیا کہ اس میں کاشت کرے گا،یا کس چیز کو کاشت کرے گا،پھر اس میں کاشت کیا اور مدّت گزر گئی،تو موجر کو مقرر شدہ (کرایہ) ملے گا۔

تشریح:

⑪ وإن استأجره لحمل طعام بينهما ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ سو کلو غلّہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے،پھر ایک شریک نے دوسرے سے کہا کہ میرے حصے (۵۰ کلو) کا غلّہ فلاں جگہ تک لے جاؤ،تم کو سو روپے مزدوری ملے گی،تو یہ عقد جائز نہیں ہے،اور اُجیر کو مزدوری نہیں ملے گی،کیونکہ شریکوں نے ابھی تک تقسیم نہیں کی،لہٰذا اُجیر جتنا غلّہ اٹھائے گا اس میں وہ اپنا حصہ بھی اٹھا کر لے جائے گا،تو گویا وہ اپنے لئے کام کرتا ہے،نہ کہ مستأجر کیلئے،اس لئے اُسے اُجرت نہیں ملے گی۔امام شافعیؒ کے نزدیک یہ عقد صحیح ہے۔

⑫ کراهن استأجر الرهن من المرتهن: یعنی مشترک غلّے میں اپنے شریک کو اُجیر بنانا جائز نہیں ہے،جیسے راہن کا مرتہن سے مرہون چیز کو کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے،مرتہن کے پاس جو مرہون چیز ہے وہ راہن ہی کی ملک میں ہے،اور ظاہر بات ہے کہ اپنی ہی چیز کو کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔

⑬ فإن استأجر أرضا، ولم يذكر أنه يزرعها، أو أيّ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے زمین کرایہ پر لی،

مگر یہ بیان نہیں کیا کہ کاشت کرے گا یا کسی اور مقصد کیلئے کرایہ پر لے رہا ہے، یا کاشتکاری کو تو بیان کیا، مگر یہ واضح نہیں کیا کہ کس چیز کو کاشت کرے گا؟ تو ظاہر ہے کہ جہالت کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہے۔ لیکن اگر اسی حالت میں مستأجر نے زمین کے اندر مثلاً گندم کو کاشت کیا، تو عقدِ اِجارہ استحساناً خود بخود صحیح ہو گیا، لہٰذا موجر کو مقرر شدہ کرایہ مل جائے گا۔

اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عقد صحیح نہ ہو، کیونکہ ابتداء میں فاسد ہو گیا ہے، لہٰذا بعد میں بھی صحیح نہیں ہو گا، امام زفرؒ اسی کے قائل ہیں۔ مگر استحساناً صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مستأجر نے گندم کاشت کی تو اس سے جہالت ختم ہو گئی، لہٰذا فساد بھی ختم ہو گیا، کیونکہ فساد جہالت ہی کی وجہ سے آیا تھا، جیسے عقدِ بیع میں فساد آ جائے اور پھر مجلس کے اندر ہی ختم کر دے، تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

﴿۳۴﴾ وَإِنْ اِسْتَأْجَرَ حِمَارًا إِلَى مَكَّةَ، وَلَمْ يُسَمِّ مَا يَحْمِلُ، فَحَمَلَ مَا يَحْمِلُ النَّاسُ، فَنَفَقَ: لَمْ يَضْمَنْ ﴿۳۵﴾ وَإِنْ بَلَغَ مَكَّةَ: فَلَهُ الْمُسَمّٰى ﴿۳۶﴾ فَإِنْ تَشَاحَّا قَبْلَ الزَّرْعِ وَ الْحَمْلِ: نَقَضْتُ الْإِجَارَةَ؛ دَفْعًا لِلْفَسَادِ.

ترجمہ: اور اگر گدھے کو کرایہ پر لیا مکہ تک اور اس چیز کو بیان نہیں کیا جو لادے گا، پھر ایسی چیز لاد دی جس کو لوگ لادتے ہیں، پھر (گدھا) ہلاک ہو گیا، تو تاوان نہیں دے گا۔ اور اگر مکہ تک پہنچ گیا تو موجر کیلئے مقررہ اُجرت ہے۔ اور اگر اختلاف کیا کاشت کرنے اور لادنے سے پہلے تو اِجارہ کو توڑ دیا جائے گا فساد کو دفع کرنے کی خاطر۔

تشریح:

﴿۳۴﴾ وإن استأجر حمارا إلى مكة، و.....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کا گدھا مکہ تک کرایہ پر لیا، اور یہ بیان نہیں کیا کہ وہ اس پر کیا چیز لادے گا، پھر مستأجر نے گدھے پر ایسی چیز لادی جسے عام طور پر لوگ لادتے ہیں، مثلاً گندم لادی، اور پھر گدھا راستے میں ہلاک ہو گیا، تو مستأجر پر ضمان نہیں ہو گا، کیونکہ اِجارہ اگر چہ ابتداءً جہالت کی وجہ سے فاسد تھا، مگر بعد میں جب مستأجر نے گندم لاد دی تو جہالت ختم ہو گئی اور اِجارہ صحیح ہو گیا، اور صحیح اِجارہ میں اگر مستأجر تجاوز نہ کرے تو اس پر تاوان نہیں آتا۔

﴿۳۵﴾ وإن بلغ مكة: فله المسمّٰى: یعنی مذکورہ صورت میں اگر گدھا صحیح سالم مکہ تک پہنچ گیا تو موجر کو مقرر کرایہ مل جائے گا، اس لئے کہ جب اِجارہ صحیح ہو گیا اور مستأجر نے گدھے سے نفع لے لیا، تو لازماً موجر کو کرایہ مل جائے گا۔

﴿۳۶﴾ فإن تشاحا قبل الزرع، والحمل.....الخ: یعنی اگر مسئلہ نمبر (۳۳) میں کاشت کرنے سے پہلے، اور مسئلہ نمبر (۳۴) میں گندم لادنے سے پہلے موجر اور مستأجر کے درمیان اختلاف ہو گیا، مثلاً موجر کہتا ہے کہ یہ چیز کاشت کرو، اور مستأجر کہتا ہے کہ نہیں، میں وہ چیز کاشت کروں گا، یا موجر کہتا ہے کہ یہ چیز لادو، اور مستأجر کہتا ہے کہ نہیں میں وہ چیز لادوں گا، تو ایسی صورت میں عقدِ اِجارہ کو توڑ دیا جائے گا، کیونکہ فساد اور اختلاف کو دفع کرنے کا یہی ایک راستہ ہے، ورنہ موجر اور مستأجر لڑتے رہیں گے۔

﴿بَابُ ضَمَانِ الْأَجِيرِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان ضمان الأجير. یعنی یہ باب اَجیر (مزدور) سے تاوان لینے کے بیان میں ہے۔ اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر اَجیر کے ہاتھ کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو کس صورت میں اس سے تاوان لیا جائے گا؟ اور کس صورت میں نہیں؟ مصنفؒ نے اِجارہ صحیحہ اور اِجارہ فاسدہ کے بعد ضمان کا باب قائم فرمایا، اس لئے کہ ضمان اِجارہ کے عوارض میں سے ہے، اور چیز کے عوارض چیز کے بعد ہوتے ہیں۔ اس باب میں کُل گیارہ (۱۱) مسائل ہیں۔

①اَلْأَجِيرُ الْمُشْتَرَكُ مَنْ يَعْمَلُ لِغَيْرِ وَاحِدٍ ②وَلَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ حَتّٰى يَعْمَلَ، كَالصَّبَّاغِ، وَالْقَصَّارِ ③وَالْمَتَاعُ فِي يَدِهٖ غَيْرُ مَضْمُونٍ بِالْهَلَاكِ ④وَمَا تَلَفَ بِعَمَلِهٖ، كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ، وَزَلَقِ الْحَمَّالِ، وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِي يَشُدُّ بِهِ الْحَمْلَ، وَغَرَقِ السَّفِينَةِ مِنْ مَدِّهٖ: مَضْمُونٌ ⑤وَلَا يَضْمَنُ بِهٖ بَنِي آدَمَ.

ترجمہ: اَجیر مشترک وہ ہے جو کام کرتا ہے کسی (خاص) ایک شخص کیلئے نہیں۔ اور (وہ) اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ کام کرے، جیسے رنگریز اور دھوبی۔ اور سامان اس کے ہاتھ میں مضمون نہیں ہے ہلاکت کی وجہ سے۔ اور جو چیز ہلاک ہو جائے اس کے عمل سے، جیسے کپڑے کا پھٹ جانا اس کے کوٹنے سے اور قلی کا پھسل جانا اور جس رسی سے بوجھ کو باندھا جاتا ہے اس کے ٹوٹ جانے سے اور کشتی کے ڈوب جانے سے اس کو کھینچنے سے، تو وہ مضمون ہے۔ اور تاوان نہیں دے گا اس کی وجہ سے انسان کا۔

لغات:

صبّاغ: رنگریز، رنگائی کا کام کرنے والا۔ قصّار: دھوبی۔ تخریق: تفعیل کا مصدر ہے، پھاڑ دینا، یہاں لازمی ترجمہ ہوگا، یعنی پھٹ جانا۔ دقّ: باب نصر کا مصدر ہے، کوٹنا۔ زلق: باب نصر کا مصدر ہے، پھسلنا۔ الحمّال: قلی، باربردار، بوجھ اٹھانے والا۔

تشریح:

① **الأجير المشترك من يعمل لغير واحد:** اَجیر (مزدور) کی دو قسمیں ہیں: اَجیر مشترک۔ اَجیر خاص۔
اَجیر مشترک وہ ہے جو خاص طور پر کسی ایک شخص کیلئے کام نہیں کرتا، بلکہ عام طور پر ہر شخص کا کام کرتا ہے، جیسے دھوبی، درزی وغیرہ۔ اَجیر خاص وہ ہوتا ہے جو کسی خاص آدمی کا کام کرتا ہے، اس وقت دوسرے لوگوں کا کام نہیں کر سکتا۔ مصنفؒ مسئلہ نمبر ایک سے اَجیر مشترک کے مسائل بیان فرماتے ہیں، اور مسئلہ نمبر (۹) سے اَجیر خاص کے احکام کا بیان ہوگا۔

❷ ولا يستحق الأجر حتى يعمل، كالصبّاغ والقصّار: اُجیر مشترک اس وقت تک اُجرت کا مستحق نہیں بنتا جب تک کام نہ کرے، کام مکمل کرنے کے بعد اُجرت کا مستحق بنے گا، جیسے رنگریز رنگائی کے بعد اور دھوبی کپڑے دھونے کے بعد اُجرت کے مستحق بنیں گے، کیونکہ اُجیر مشترک کا معقود علیہ اس کا عمل ہے، تو جب تک عمل کر کے مستاجر کو سپرد نہ کر دے اس کو اُجرت نہیں ملے گی۔

❸ والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك: پہلے یہ سمجھ لیں کہ اُجیر مشترک کے ہاتھ میں سامان ہلاک ہونے کی تین صورتیں ہیں: (۱) سامان اُجیر کے عمل سے ہلاک ہوا، تو بالاتفاق اس سے ضمان لیا جائے گا۔ اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔ (۲) سامان ایسی آفت سے ہلاک ہوا جس سے بچنا ممکن نہ ہو، تو بالاتفاق اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ (۳) سامان ایسی آفت سے ہلاک ہوا جس سے بچنا ممکن ہو، مگر اُجیر نے سستی کر کے نہیں بچایا، متن عبارت میں اسی صورت کا بیان ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی اُجیر پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ اُجیر نے مستاجر کی اجازت سے سامان پر قبضہ کیا ہے، اور یہ امانت کا قبضہ ہے، جس میں تاوان نہیں ہوتا۔ صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں اُجیر پر تاوان ہوگا، کیونکہ جس آفت سے بچنا ممکن ہو اس سے حفاظت کرنا اُجیر پر واجب ہے، اگر وہ سامان کی حفاظت نہ کرے تو عمل کیسے کرے گا؟ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اُجیر مشترک سے ضمان لیا ہے۔ [ہدایہ]

قول راجح:

صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ وبقولهما يفتى اليوم. [تبیین الحقائق: ۵/۱۳۵۔ البحر الرائق: ۸/۴۸۔ فتاوی محمودیہ: ۱۶/۵۲۹]

❹ وما تلف بعمله، كتخريق الثوب من دقه ...الخ: وہ چیز جو اُجیر مشترک کے عمل سے ہلاک ہو جائے، مثلاً دھوبی کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے، یا قلی کے پھسل کر گرنے سے مال ہلاک ہو جائے، یا جس رسی سے بوجھ باندھا ہے اس کے ٹوٹ جانے سے مال ہلاک ہو جائے، یا ملاّح کے کھینچنے سے کشتی ڈوب کر مال ہلاک ہو جائے، تو اس میں اُجیر مشترک سے تاوان لیا جائے گا۔ یہ جمہور احنافؒ کا مسلک ہے۔ امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں اُجیر پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ اس کو عمل کرنے کا حکم مستاجر (مالک) نے دیا ہے، لہٰذا اُجیر خواہ کسی بھی طرح عمل کرے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ مستاجر نے اس کو صحیح اور مصلح عمل کرنے کا حکم دیا تھا، جبکہ اس نے حکم کے برخلاف مفسد عمل کیا، لہٰذا حکم کی مخالفت کی وجہ سے اس پر ضمان آئے گا۔

❺ ولا يضمن به بني آدم: «ہ» کا مرجع مدّ السفينة (کشتی کھینچنا) ہے۔ یعنی اگر کشتی کھینچنے سے کوئی انسان ہلاک ہوا، تو اُجیر (ملاح) پر اس کا ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ انسان کا تاوان (دیت) جنایت کرنے سے واجب ہوتا ہے، جبکہ یہاں اُجیر نے کشتی کھینچ کر کوئی جنایت نہیں کی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مال کا تاوان عقدِ اجارہ پر صحیح عمل نہ کرنے کی وجہ سے واجب ہوا تھا، جبکہ انسان کا تاوان عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا، بلکہ جنایت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور جنایت یہاں نہیں ہے۔

❻ فَإِنْ انْكَسَرَ دَنٌّ فِي الطَّرِيقِ: ضَمِنَ الْحَمَّالُ قِيمَتَهُ فِي مَكَانٍ

حَمْلِهِ، وَلَا أَجْرَ لَهُ ۞ أَوْ فِي مَوْضِعِ اِنْكَسَرَ، وَأَجْرُهُ بِحِسَابِهِ ۞ وَلَا يَضْمَنُ حَجَّامٌ، أَوْ بَزَّاغٌ، أَوْ فَصَّادٌ إِنْ لَمْ يَتَعَدَّ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ.

ترجمہ: اور اگر مٹکا ٹوٹ گیا راستے میں تو اٹھانے والا تاوان دے گا اس کی قیمت کا، اس کے اٹھانے کی جگہ میں، اور اس کیلئے اُجرت نہیں ہے۔ یا جس جگہ میں ٹوٹ گیا ہے، اور اس کی اُجرت اسی حساب سے ہوگی۔ اور تاوان نہیں دے گا حجام یا نشتر لگانے والا یا رگ کھولنے والا، بشرطیکہ تجاوز نہ کیا ہو عادت کی جگہ سے۔

لغات:

دَنّ: مٹکا۔ حجّام: پچھنے لگانے والا، سینگی لگا کر خون نکالنے والا۔ بزّاغ: جانور کو نشتر لگانے والا۔ فصّاد: رگ کھولنے والا۔

تشریح:

❻ فإن انكسر دنّ في الطريق: ضمن ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اُجیر کو سرکہ وغیرہ کا بھرا ہوا مٹکا دے کر کہا کہ فلاں جگہ تک پہنچادو، راستے میں اُجیر کے ہاتھ سے مٹکا گر کر ٹوٹ گیا، تو مستأجر کو اختیار حاصل ہے کہ اُجیر نے جہاں سے مٹکا اٹھایا ہے وہیں قیمت لگا کر اُجیر سے اس کا تاوان لے لے، اور اُجیر کو اُجرت نہیں ملے گی۔ تاوان اس لئے ہوگا کہ یہ اُجیرِ مشترک ہے، اور مسئلہ نمبر (۴) میں بیان ہوا کہ اُجیر مشترک کے عمل سے جو چیز ہلاک ہوجائے اس کا ضمان ہوگا۔ اور جہاں سے اٹھایا ہے وہاں کی قیمت اس لئے معتبر ہوگی کہ اُجیر نے اٹھانے کی جگہ سے تجاوز شروع کیا ہے، لہٰذا وہیں مٹکے کی قیمت لگا کر تاوان ادا کردے۔ اور اُجرت اس لئے نہیں ملے گی کہ اُجیر نے جب اٹھاتے ہی تجاوز شروع کیا تو گویا اس نے اٹھایا ہی نہیں، لہٰذا اُجرت کا مستحق بھی نہ ہوگا۔

❼ أو في موضع انكسر، وأجره بحسابه: یعنی مذکورہ صورت میں مستأجر کو یہ اختیار بھی ہے کہ آدھے راستے میں جہاں مٹکا ٹوٹا ہے وہاں قیمت لگا کر اُجیر سے تاوان لے، اور اُجیر نے جتنا راستہ طے کیا ہے اسی کے حساب سے اُسے اُجرت دے۔ یہاں ٹوٹنے کی جگہ کی قیمت اس لئے معتبر ہوگی کہ اُجیر نے جہاں سے مٹکا اٹھایا وہاں سے تجاوز نہیں کیا، بلکہ جہاں مٹکا ٹوٹا ہے وہاں تجاوز کیا، لہٰذا وہیں قیمت لگا کر ضمان ہوگا۔ اور اُجیر کو آدھے راستے کے حساب سے اُجرت اس لئے ملے گی کہ آدھے راستے تک اس نے صحیح طریقہ پر اٹھا کر لایا ہے، لہٰذا جتنا صحیح عمل کیا ہے اس کے مطابق اُجرت کا مستحق ہوگا۔

❽ ولا يضمن حجّام، أو بزّاغ، أو فصّاد ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ حجام نے کسی کو سینگی لگا کر خون نکالا جس سے وہ آدمی مر گیا، یا نشتر لگانے والے نے کسی کے جانور کو نشتر لگا کر زخم سے دانہ وغیرہ نکالا جس سے جانور مر گیا، یا فصد لگانے والے نے کسی کی رگ کھولی جس سے وہ آدمی مر گیا، تو اگر لگانے والے نے معتاد جگہ سے تجاوز نہیں کیا ہے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ عقد کی وجہ سے جراح (طبیب) پر نشتر وغیرہ لگانا واجب ہے، اور جو عمل انسان پر واجب ہو اس کو بجالانے میں جو نقصان ہوجائے اس کا ضمان نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف مسئلہ نمبر (۴) کی صورت میں دھوبی پر کپڑا صاف کرنا تو واجب ہے، مگر کوٹنا پٹخنا واجب نہیں ہے، اور اسی طرح بوجھ اٹھانے والے پر اٹھانا تو واجب ہے، مگر پھسل جانا، یا رسی باندھنا، یا کشتی کھینچنا واجب نہیں ہیں، اور غیر واجب عمل کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہو جائے اس کا ضمان ہوگا۔

⑨ وَالْخَاصُّ يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ ⑩ كَمَنْ اُسْتُؤْجِرَ شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ، أَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ ⑪ وَلَا يَضْمَنُ مَا تَلَفَ فِي يَدِهِ، أَوْ بِعَمَلِهِ.

ترجمہ: اور اجیر خاص مستحق ہوگا اُجرت کا خود کو تسلیم کرنے سے، مدت کے اندر، اگرچہ کام نہ کرے۔ جیسے کسی کو اُجرت پر رکھا گیا ایک مہینہ خدمت کیلئے یا بکریاں چرانے کیلئے۔ اور تاوان نہیں دے گا اس چیز کا جو ہلاک ہو جائے اس کے ہاتھ میں، یا اس کے عمل سے۔

تشریح:

⑨ والخاص يستحق الأجر بتسليم .....إلخ: یہاں سے اُجیر خاص کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ اس کا ایک حکم یہ ہے کہ اُجیر خاص نے جب مدت کے اندر اپنے آپ کو مستاجر کے سپرد کر دیا، اور مدت گزر گئی، تو وہ اُجرت کا مستحق بن گیا، خواہ کام کرے یا نہ کرے، کیونکہ اُجیر پر یہی لازم تھا کہ مدت کے اندر اپنے آپ کو حاضر کر دے، اب اس سے کام لینا نہ لینا مستاجر کا کام ہے، اُجیر کی طرف سے کوئی کمی کوتاہی نہیں ہوئی، لہٰذا اُسے بہر صورت اُجرت مل جائے گی۔

⑩ كمن استؤجر شهرا للخدمة، أو لرعي الغنم: یہ اُجیر خاص کی ایک مثال ہے۔ اُجیر خاص جیسے وہ شخص جس کو ایک مہینہ خدمت کرنے کیلئے اُجرت پر رکھا گیا ہو، یا بکریاں چرانے کیلئے رکھا گیا ہو، تو اُجیر جب ایک مہینہ اپنے آپ کو سپرد کرے، خواہ مستاجر اس سے خدمت لے یا نہ لے، اور خواہ اس سے بکریاں چروائے یا نہ چروائے وہ اُجرت کا مستحق ہو جائے گا۔

⑪ ولا يضمن ما تلف في يده، أو عمله: اُجیر خاص کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں، یا اس کے عمل سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ اجیر خاص کے تمام منافع کا مالک مستاجر ہے،[1] لہٰذا اُجیر کا کام کرنا جیسے خود مستاجر کام کرے، اور ظاہر ہے کہ اگر خود مستاجر کے ہاتھ میں یا اس کے عمل سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہوگا، تو اُجیر خاص پر بھی ضمان نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف مسئلہ نمبر (۳) کی صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک اُجیر مشترک پر اس لئے ضمان ہوگا کہ اس کے تمام منافع کا مالک مستاجر نہیں ہے، لہٰذا اُجیر مشترک کا کام کرنا خود مستاجر کے کام کرنے کی طرح نہیں ہے۔ واللہ أعلم

① تمام منافع کے مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُجیر اس مدت میں صرف مستاجر کیلئے کام کرے گا، اس کے علاوہ کسی اور شخص کا کام نہیں کر سکتا۔

﴿بَابُ الْأُجْرَةِ عَلَى أَحَدِ الشَّرْطَيْنِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الأجرة على أحد الشرطين. یعنی یہ باب دو شرطوں میں سے ایک شرط پر اُجرت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے ایک شرط پر اجارہ کا بیان تھا، یہاں دو شرطوں پر اجارہ کے احکام بیان فرمائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ اجارہ میں دو اُجرتیں مقرر کی جائیں، کہ اگر اجیر اس طرح عمل کرے گا تو اُجرت ہزار روپے ہے، اور اگر اُس طرح عمل کرے تو اُجرت دو ہزار روپے ہے۔ اس باب میں چار (۴) مسائل ہیں۔

① وَصَحَّ تَرْدِيْدُ الْأَجْرِ بِتَرْدِيْدِ الْعَمَلِ فِي الثَّوْبِ نَوْعًا ② وَزَمَانًا فِيْ الْأَوَّلِ ③ وَفِي الدُّكَّانِ، وَالْبَيْتِ ④ وَالدَّابَّةِ مَسَافَةً، وَحَمْلًا.

ترجمہ: اور صحیح ہے اُجرت کی تردید کرنا عمل کی تردید سے، کپڑے میں نوع کے اعتبار سے۔ اور زمانہ کے اعتبار سے پہلے (دن) میں۔ اور دکان اور گھر میں۔ اور جانور میں مسافت اور بوجھ کے اعتبار سے۔

تشریح:

① وصحّ ترديد الأجر بترديد العمل ...إلخ: ترديد کے معنی ہیں: دو تین چیزوں میں سے ایک کیلئے حکم ثابت کرنا۔ مسئلہ یہ ہے کہ کپڑے کی سلائی میں نوع کے اعتبار سے عمل کی تردید کی وجہ سے اُجرت کی تردید بھی صحیح ہے، مثلاً مستاجر نے اَجیر (درزی) سے کہا کہ اگر میرے لئے رومی طرز پر کپڑا سیا تو سو روپے اُجرت ہوگی، اور اگر فارسی طرز پر سیا تو دو سو روپے اُجرت ہوگی، یہاں رومی طرز سینا اور فارسی طرز سینا عمل کی نوع میں تردید ہے، اور پھر اس کی وجہ سے اُجرت میں بھی تردید آئی، اب اَجیر کا اختیار ہے چاہے رومی طرز پر سی کر سو روپے اُجرت لے، اور چاہے فارسی طرز پر سی کر دو سو روپے لے۔ تردید کرنا لوگوں کی حاجت وضرورت کی وجہ سے صحیح ہے، جیسے بیع میں خیارِ تعیین حاجت کی وجہ سے صحیح ہے، اور تردید تین سے زائد چیزوں میں صحیح نہیں ہے، جیسے خیارِ تعیین تین سے زائد کے درمیان نہیں ہے۔ تفصیل كتاب البيوع/ باب خيار الشرط/ مسئلہ نمبر (۲۶) میں گزر گئی ہے۔

② وزمانًا في الأوّل: أي: في اليوم الأوّل. یہ عطف ہے نوعًا پر۔ یعنی کپڑے کی سلائی میں زمانہ کے اعتبار سے تردید کرنا صرف پہلے دن میں صحیح ہے، مثلاً مستاجر نے اَجیر سے کہا کہ اگر آج میرا کپڑا سیا تو دو سو اُجرت ہے، اور اگر کل سیا تو سو روپے ہے، تو آج سینا یا کل سینا زمانہ کے اعتبار سے تردید ہے، اب اگر اَجیر پہلے دن (آج) سی لے تو تردید صحیح ہے، لہٰذا مقررہ اُجرت (دو سو) ملے گی، اور اگر دوسرے دن سیا تو تردید صحیح نہ ہوگی، لہٰذا مقررہ اُجرت (سو روپے) نہیں ملے گی، بلکہ اَجرِ مثل ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا

قول ہے۔دلیل یہ ہے کہ ''آج'' کا ذکر صرف تعجیل (جلدی کرنے) کیلئے ہے①، تاقیت (وقت لگانے) کیلئے نہیں ہے، کیونکہ اس سے عمل اور وقت دونوں جمع ہوجائیں گے، جس سے عقد فاسد ہوجائے گا②، اور ''کل'' کا ذکر تعلیق (شرط لگانے) کیلئے ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اگر آج جلدی کپڑا سیا تو دوسو روپے ملیں گے، اور اگر آج نہیں سیا تو یہ دوسو روپے کل کے دن میں جمع ہوں گے، اور اُجیر جب کل کپڑا سیے گا تو اس کو ایک اُجرت دوسو کی اور ایک اُجرت سو روپے کی ملے گی، اور ایک عمل کیلئے دواُجرتیں مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے اُجر مثل ملے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک پہلے دن (آج) اور دوسرے دن (کل) دونوں کی تردید صحیح ہے، لہٰذا اگر آج کپڑا سیا تو دوسو روپے اُجرت ہوگی، اور اگر کل سیا تو سو روپے ہوگی۔ ان کے نزدیک ''آج'' کا ذکر تاقیت کیلئے ہے، اور ''کل'' کا ذکر تعلیق کیلئے ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اُجیر نے آج کپڑا نہیں سیا تو آج کی اُجرت بھی ختم ہوئی، لہٰذا کل اس کو صرف سو روپے اُجرت ملے گی۔

قول راجح: یہاں حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔[مجلۃ الأحکام: المادة: ۵۰۶۔ جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ: ۲۳۶]

③ وفي الدّكان، والبيت: یہ عطف ہے في الثوب پر، أي: صحّ ترديد الأجر بترديد العمل في الدكان، والبيت. دکان اور گھر میں عمل کی تردید کی وجہ سے اُجرت کی تردید صحیح ہے، مثلاً مؤجر نے مستأجر سے کہا کہ اگر اس گھر یا دکان میں تم خود ٹھہرتے ہو تو ماہانہ ہزار روپے کرایہ ہے، اور اگر دوسرے شخص کو ٹھہراتے ہو تو پندرہ سو کرایہ ہے، یہاں عمل (ٹھہرنے) کی تردید کی وجہ سے اُجرت میں تردید ہوئی جو صحیح ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک دکان اور گھر میں اس طرح تردید کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اگر مستأجر نے دکان اور گھر پر قبضہ تو کرلیا تو مگر اس میں نہ خود ٹھہرا اور نہ دوسرے کو ٹھہرایا اور مہینہ گزر گیا، تو معلوم نہیں کہ وہ ہزار روپے کرایہ دے گا یا پندرہ سو، لہٰذا جہالت کی وجہ سے نزاع وجھگڑے کا اندیشہ ہے، جس کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا③۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں دواُجرتوں میں سے کمتر اُجرت متعین ہے، لہٰذا کوئی نزاع نہیں ہوگا۔

قول راجح: یہاں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔[الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/ ۹۸۔ مجلۃ الأحکام: المادة: ۵۰۶]

④ والدابة مسافة، وحملا: یہ الدكان پر عطف ہے، أي: صحّ ترديد الأجر بترديد العمل في الدابة مسافة، وحملا. یعنی سواری کے جانور میں عمل کی تردید کی وجہ سے اُجرت کی تردید صحیح ہے مسافت (فاصلہ) اور بوجھ کے اعتبار سے، مثلاً مؤجر نے مستأجر سے کہا کہ اس جانور پر اگر بغداد تک سفر کیا تو ہزار روپے کرایہ ہے، اور اگر شام تک سفر کیا تو دوہزار روپے کرایہ ہے، یہاں بغداد اور شام کی مسافت کی تردید کی وجہ سے اُجرت میں بھی تردید آئی۔ اور بوجھ کے اعتبار سے تردید یہ ہے کہ مؤجر نے مستأجر سے کہا کہ اگر اس جانور پر گندم لادی تو ہزار روپے کرایہ ہے، اور اگر نمک لادا تو پندرہ سو کرایہ ہے، دونوں صورتیں صحیح ہیں۔

---

① جیساکہ باب الإجارة الفاسدة مسئلہ نمبر (۲۵) میں صاحبینؒ نے بھی یہی فرمایا تھا۔

② جیساکہ باب الإجارة الفاسدة مسئلہ نمبر (۲۵) میں امام صاحبؒ نے یہی فرمایا تھا۔

③ مستأجر کو جب نفع اٹھانے پر قدرت حاصل ہوئی تو اگرچہ گھر اور مکان سے فائدہ نہ اٹھائے تب بھی اس پر کرایہ لازم ہوجائے گا، جیساکہ كتاب الإجارة مسئلہ نمبر (۸) میں گزر چکا۔ مگر یہاں جہالت کی وجہ سے کرایہ معلوم نہیں ہے۔

﴿بَابُ إِجَارَةِ الْعَبْدِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام إجارة العبد. یعنی یہ باب غلام کے اِجارہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے آزاد انسان کے اِجارہ کے بعد غلام کے اِجارہ کا بیان شروع فرمایا، کیونکہ غلام کا مرتبہ آزاد انسان سے کم ہے۔

جس طرح گھر، مکان اور جانور کو کرایہ پر لیا جاتا ہے اسی طرح غلام کو بھی اِجارہ پر لیا جا سکتا ہے، اس باب میں غلام کو اِجارہ پر لینے دینے سے متعلق (۹) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

۱ وَلَا يُسَافِرُ بِعَبْدٍ اِسْتَأْجَرَهُ لِلْخِدْمَةِ بِلَا شَرْطٍ ۲ وَلَا يَأْخُذُ الْمُسْتَأْجِرُ مِنْ عَبْدٍ مَحْجُورٍ أَجْرًا دَفَعَهُ لِعَمَلِهِ ۳ وَلَا يَضْمَنُ غَاصِبُ الْعَبْدِ مَا أَكَلَ مِنْ أَجْرِهِ ۴ وَلَوْ وَجَدَهُ رَبُّهُ: أَخَذَهُ ۵ وَصَحَّ قَبْضُ الْعَبْدِ أَجْرَهُ.

ترجمہ: اور سفر میں نہ لے جائے اس غلام کو جس کو اِجارہ پر لیا ہے خدمت کیلئے بغیر کسی شرط کے۔ اور مستأجر نہ لے محجور غلام سے وہ اُجرت جو اُسے دی ہے اس کے عمل کی وجہ سے۔ اور ضمان نہیں دے گا غاصب اس کا جو اس نے کھالیا ہے غلام کی اُجرت میں سے۔ اور اگر اُجرت کو پالیا اس کے مالک نے تو اس کو لے لے۔ اور صحیح ہے غلام کا قبض کرنا اپنی اُجرت کو۔

تشریح:

۱ ولا يسافر بعبد استأجره للخدمة بلا شرط: مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے قید و شرط کے بغیر غلام کو خدمت کیلئے اِجارہ پر لیا، تو وہ اس غلام کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جا سکتا، کیونکہ مطلق عقد کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ غلام سے حضر میں خدمت لی جائے، نہ کہ سفر میں، لہٰذا مطلق عقد کرنے سے حضر کی خدمت متعین ہے، اور سفر کی خدمت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے سفر پر نہیں لے جا سکتا۔ اگر عقد میں سفر پر لے جانے کی شرط لگائی تھی تو مستأجر کو اختیار حاصل ہوگا کہ غلام کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔

۲ ولا يأخذ المستأجر من عبد محجور أجرا دفعه: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی محجور (پابند) غلام نے مولیٰ کی اجازت بغیر اپنے آپ کو کرایہ پر لگا دیا، مستأجر نے غلام سے خدمت لی اور غلام کو اُجرت بھی دی، تو مستأجر یہ اُجرت واپس غلام سے نہیں لے سکتا، اگرچہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر غلام کا اپنے آپ کو مزدوری پر لگانا صحیح نہیں ہے، لیکن جب اس نے مزدوری کر کے اُجرت حاصل کر لی تو اس میں مولیٰ کا نفع ہی نفع ہے، تو گویا مولیٰ کی طرف سے دلالۃً اجازت مل گئی، جیسے مولیٰ کی اجازت کے بغیر کسی سے ہدیہ و تحفہ قبول کر سکتا ہے اسی طرح اس کا یہ اُجرت قبول کرنا بھی صحیح ہو گیا، اس لئے مستأجر واپس نہیں لے سکتا۔

❸ ولا يضمن غاصبُ العبد ما أكل من أجره: «ہ» کا مرجع وہ غلام ہے جس نے اپنے آپ کو مزدوری پر لگایا ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا، پھر غلام نے خود ہی اپنے آپ کو مزدوری پر لگایا اور اُجرت بھی کمائی، اور پھر غاصب نے غلام کی اُجرت میں سے کھالیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غاصب ضامن ہے، کیونکہ غلام کی اُجرت اصل میں مولیٰ کا حق ہے، تو غاصب نے دوسرے کا حق اس کی اجازت کے بغیر کھالیا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ضمان اس مال کا ہوتا ہے جو محفوظ ہو، جبکہ یہاں غلام کے ہاتھ میں اُجرت کا جو مال ہے وہ محفوظ نہیں ہے، کیونکہ غلام بے چارہ خود اپنے آپ کی حفاظت نہیں کرسکتا تو اس کے ہاتھ میں مال کیسے محفوظ رہے گا؟

❹ ولو وجدهُ ربُّه: أخذهُ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر غلام کی اُجرت غاصب کے ہاتھ نہیں لگی، بلکہ مولیٰ نے پالی تو وہ اس کو لے لے، کیونکہ اس نے بعینہٖ اپنا مال پالیا، ظاہر بات ہے کہ غلام کی کمائی کا حقدار مولیٰ ہے۔

❺ وصحّ قبض العبد أجرَهُ: حاصل یہ ہے کہ وہ محجور غلام جو خود اپنے آپ کو مزدوری پر لگائے وہ اپنی اُجرت پر قبضہ کرسکتا ہے، کیونکہ مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا کہ غلام کا اس طرح اپنے آپ کو مزدوری پر لگانا اگر چہ صحیح تو نہیں ہے، مگر مزدوری سے فارغ ہو کر اُجرت قبض کرنے میں خالص نفع ہی نفع ہے، جیسے ہبہ قبول کرنا، تو گویا اس میں مولیٰ کی طرف سے دلالۃً اجازت موجود ہے۔

❻ وَلَوْ آجَرَ عَبْدَهُ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ: شَهْرًا بِأَرْبَعَةٍ، وَشَهْرًا بِخَمْسَةٍ: صَحَّ، وَالْأَوَّلُ بِأَرْبَعَةٍ ❼ وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي إِبَاقِ الْعَبْدِ، وَمَرَضِهِ: حُكِّمَ الْحَالُ ❽ وَالْقَوْلُ لِرَبِّ الثَّوْبِ فِي الْقَمِيصِ، وَالْقَبَاءِ، وَالْحُمْرَةِ، وَالصُّفْرَةِ ❾ وَالْأَجْرِ، وَعَدَمِهِ

ترجمہ: اور اگر اُجرت پر دیا اپنے غلام کو یہ دو مہینے، ایک مہینہ چار میں اور ایک مہینہ پانچ میں، تو صحیح ہے، اور پہلا مہینہ چار میں ہے۔ اور اگر اختلاف کیا غلام کے بھاگنے اور اس کے بیمار ہونے میں تو حکم بنایا جائے گا حال کو۔ اور بات کپڑے والے کی (معتبر) ہے قمیص اور چوغہ، سرخی اور زردی میں۔ اور اُجرت ہونے نہ ہونے میں۔

تشریح:

❻ ولو آجر عبده هٰذين الشهرين: شهرا.....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو دو مہینے کیلئے مزدوری پر دیا، ایک مہینہ چار ہزار روپے میں اور ایک مہینہ پانچ ہزار روپے میں، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عقد فاسد ہو، کیونکہ معلوم نہیں کہ کونسا مہینہ چار ہزار میں ہے اور کونسا پانچ ہزار میں ہے؟ لیکن متکلم کے کلام کو فساد سے بچانے کیلئے ہم کہتے ہیں کہ یہ عقد صحیح ہے، وہ اس طرح کہ متکلم کے کلام میں پہلے چار کا ذکر ہے، لہٰذا عقد کے بعد متصل جو مہینہ ہوگا وہ چار ہزار میں ہوگا، اور دوسرا مہینہ پانچ ہزار میں ہوگا۔

❼ ولو اختلفا في إباق العبد ومرضه: حُكِّمَ الحال: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے ایک مہینہ کیلئے غلام

کرایہ پر لیا، مہینہ گزرنے کے بعد مستأجر نے کہا کہ غلام مہینہ کے شروع ہی سے بھاگ گیا تھا، یا بیمار ہوگیا تھا، میں نے اس سے خدمت نہیں لی، لہٰذا میں اُجرت نہیں دوں گا، مؤجر نے کہا کہ نہیں، تم نے سارا مہینہ غلام سے خدمت لی ہے، مہینہ کے آخر میں وہ بھاگ گیا ہے یا بیمار ہوگیا ہے، لہٰذا اُجرت میرا حق بنتا ہے۔ تو اس اختلاف میں حال کو حکم بنا کر اسی پر فیصلہ کیا جائے گا، اگر فی الحال غلام بھاگا ہوا ہے یا بیمار ہے تو مستأجر کی بات معتبر ہے مع الیمین، اور اگر فی الحال غلام حاضر ہے یا تندرست ہے تو مؤجر کی بات معتبر ہوگی مع الیمین۔ حاصل یہ کہ حال کو دیکھ کر ماضی کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو استصحاب الحال کہتے ہیں، احناف ؒ کے نزدیک استصحاب حال کسی چیز کو ثابت کرنے کیلئے مستقل دلیل نہیں بن سکتا، البتہ اس کے ذریعے کسی ایک جانب کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

⑧ والقول لربّ الثوب في القميص، والقباء، والحمرة، والصفرة: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستأجر نے اُجیر کو سلائی کیلئے یا رنگائی کیلئے کپڑا دیا، بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، مستأجر کہتا ہے کہ میں نے تم کو قمیص کا کہا تھا اور تم نے چوغہ سیا ہے، یا میں نے سرخ رنگ کا کہا تھا اور تم نے زرد رنگ دیا ہے، اُجیر نے کہا کہ نہیں، میں نے وہی کام کیا ہے جو تم نے کہا تھا، تو اس اختلاف میں کپڑے والے (مستأجر) کی بات معتبر ہوگی مع الیمین، کیونکہ اصل اجازت مستأجر کی طرف سے ملتی ہے، مستأجر کی اجازت کے بغیر اُجیر کام نہیں کرسکتا، لہٰذا مستأجر اجازت کا جو وصف بیان کرے وہی معتبر ہوگا، چنانچہ اگر مستأجر نے سرے سے اجازت ہی کا انکار کیا کہ میں نے تم کو کسی بھی کام کا حکم نہیں دیا تھا، تو اس میں بھی مستأجر ہی کی بات معتبر ہوگی، تو اجازت کے وصف میں بھی اسی کی بات معتبر ہوگی۔ ہاں! اگر اُجیر گواہ پیش کرے تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔

⑨ والأجرِ، وعدمِه: أي: والقول لرب الثوب في الأجر، وعدمه. یعنی مذکورہ صورت میں اگر اُجرت ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہوا، مثلاً مستأجر کہتا ہے کہ تم نے یہ کپڑا مفت میں سیا ہے، میں اُجرت نہیں دوں گا، اور اُجیر کہتا ہے کہ میں نے اُجرت پر سیا ہے، تو اس میں بھی مستأجر کی بات معتبر ہوگی مع الیمین، کیونکہ اُجیر اس پر اُجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اور مستأجر انکار کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر مدّعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اُجیر اس میں مشہور ہے کہ وہ اُجرت لے کر کام کرتا ہے، اور اس کیلئے دکان کھولی ہوئی ہے، تو مذکورہ صورت میں اُجیر کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ ظاہر حال سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ فَسْخِ الْإِجَارَةِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام فسخ الإجارة. یعنی یہ باب فسخِ اِجارہ کے احکام کے بیان میں ہے۔اِجارہ بھی دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے،لہٰذا بعض صورتوں میں اس کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔مصنفؒ نے اس باب کو آخر میں لایا،کیونکہ فسخ عقد ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے اس باب میں فسخِ اِجارہ سے متعلق گیارہ (۱۱) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ وَتُفْسَخُ بِالْعَيْبِ ❷ وَخَرَابِ الدَّارِ، وَانْقِطَاعِ مَاءِ الضَّيْعَةِ وَالرَّحيٰ ❸ وَتَنْفَسِخُ بِمَوْتِ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ إِنْ عَقَدَهَا لِنَفْسِهِ ❹ وَإِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ: لَا، كَالْوَكِيلِ، وَالْوَصِيِّ، وَالْمُتَوَلِّيْ فِي الْوَقْفِ ❺ وَتُفْسَخُ بِخِيَارِ الشَّرْطِ، وَالرُّؤْيَةِ.

ترجمہ: اور (اِجارہ کو) فسخ کیا جائے گا عیب کی وجہ سے۔اور گھر ویران ہونے اور پانی بند ہونے کی وجہ سے زمین اور پن چکی کے۔اور فسخ ہو جائے گا متعاقدین میں سے ایک کی موت کی وجہ سے،بشرطیکہ اِجارہ کا عقد کیا ہو اپنے لئے۔اور اگر اس کا عقد کیا ہو دوسرے کیلئے تو (فسخ) نہیں ہوگا،جیسے وکیل وصی اور وقف میں متولی۔اور فسخ کیا جائے گا خیارِ شرط اور رویت کی وجہ سے۔

تشریح:

❶ **وتُفسخ بالعيب:** عقدِ اِجارہ کو عیب کی وجہ سے فسخ کیا جاسکتا ہے،مثلاً کسی شخص نے کوئی گھر کرایہ پر لیا،اس کے بعد گھر میں کوئی ایسا عیب نمودار ہوا جس کی وجہ سے گھر سے نفع نہیں لیا جاسکتا،تو مستاجر کو اختیار حاصل ہے کہ اِجارہ کو فسخ کردے،خواہ وہ عیب عقد سے پہلے پیدا ہوا ہو،یا عقد کے بعد۔

❷ **وخراب الدار، وانقطاع ماء الضيعة والرحى:** أي: وتُفسخ بخراب... یعنی اگر گھر کرایہ پر لیا اور پھر وہ گھر بالکل منہدم ہوگیا،یا زمین یا پن چکی کرایہ پر لی اور پھر اس کا پانی بالکل بند ہوگیا،تو مستاجر عقدِ اِجارہ کو فسخ کرسکتا ہے،کیونکہ گھر منہدم ہونے یا پانی منقطع ہونے کی وجہ سے معقود علیہ (منافع) بالکل ختم ہوگیا،اور یہ ایسا ہے جیسے قبض سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے۔

❸ **وتنفسخ بموت أحد المتعاقدين إن عقدها لنفسه:** اگر مؤجر اور مستاجر میں سے ایک مرگیا تو اس کی موت سے بھی اِجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا،اس لئے کہ اگر مؤجر (مالک) مرگیا تو مستاجَر چیز (مثلاً گھر) اس کے ورثہ کی ملک میں داخل ہوئی،اور ورثہ نے مستاجر کے ساتھ عقد نہیں کیا ہے،لہٰذا مستاجر کیلئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی ملک سے عقد کئے بغیر نفع اٹھائے۔اور اگر مستاجر مرگیا تو اس کا سارا مال اس کے ورثہ کی ملک داخل ہو جائے گا،اور ورثہ نے مؤجر کے ساتھ عقد نہیں کیا ہے،لہٰذا مؤجر کیلئے جائز

نہیں ہے کہ عقد کئے بغیر دوسرے کے مال سے اپنا کرایہ وصول کرے۔

إن عقدها لنفسه کی شرط کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین کی موت سے اس وقت اِجارہ فسخ ہو جائے گا کہ انہوں نے عقد اپنے لئے کیا ہو، اگر دوسرے کا وکیل بن کر عقد کیا ہو تو اس کی موت سے اِجارہ فسخ نہیں ہوگا، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

④ وإن عقدها لغيره: لا (اي لا تنفسخ) كالوكيل ....الخ: یعنی اگر عاقد نے عقدِ اِجارہ دوسرے کیلئے کیا ہے، تو عاقد کی موت سے عقدِ اِجارہ فسخ نہیں ہوگا، مثلاً وکیل نے موکل کیلئے عقد کیا، یا وصی نے یتیم بچے کیلئے عقد کیا، یا متولی نے وقف کی زمین کا عقدِ اِجارہ کیا، تو وکیل یا وصی یا متولی کی موت سے عقدِ اِجارہ فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں یہ خرابی نہیں آتی کہ دوسرے کی ملک سے نفع اٹھایا جائے، یا دوسرے کی ملک سے اُجرت وصول کی جائے۔

⑤ وتفسخ بخيار الشرط، والرؤية: عقدِ اِجارہ کو خیارِ شرط اور خیارِ رؤیت کی وجہ سے بھی فسخ کیا جاسکتا ہے، مثلاً عقد کے وقت مؤجر یا مستأجر نے کہا کہ مجھے تین دن تک خیار ہے چاہے عقد کو برقرار رکھوں یا فسخ کروں، تو یہ صحیح ہے۔ اور یا مستأجر نے بن دیکھے کوئی گھر کرایہ پر لیا تو دیکھنے کے بعد اس کو خیارِ رؤیت حاصل ہے، چاہے عقد برقرار رکھے چاہے فسخ کردے، کیونکہ بیع کی طرح اِجارہ بھی عقدِ معاوضہ ہے، لہٰذا جس طرح بیع خیارِ شرط اور خیارِ رؤیت کی وجہ سے فسخ ہوسکتی ہے اسی طرح اِجارہ بھی فسخ ہوسکتا ہے۔

⑥ وَبِالْعُذْرِ، وَهُوَ عَجْزُ الْعَاقِدِ عَنِ الْمُضِيِّ فِي مُوْجَبِهِ إِلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ زَائِدٍ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِهِ كَمَنْ اِسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَقْلَعَ ضِرْسَهُ، فَسَكَنَ الْوَجَعُ ⑦ أَوْ لِيَطْبَخَ لَهُ طَعَامَ الْوَلِيْمَةِ، فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ ⑧ أَوْ حَانُوْتًا لِيَتَّجِرَ فِيْهِ، فَأَفْلَسَ ⑨ أَوْ آجَرَهُ، وَلَزِمَهُ دَيْنٌ بِعِيَانٍ، أَوْ بِبَيَانٍ، أَوْ بِإِقْرَارٍ، وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهُ ⑩ أَوْ اِسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِلسَّفَرِ فَبَدَا لَهُ مِنْهُ رَأْيٌ ⑪ لَا لِلْمُكَارِي.

ترجمہ: اور عذر کی وجہ سے (اِجارہ فسخ کیا جائے گا) اور وہ عاقد کا عاجز ہونا ہے عمل کرنے سے عقد کے حکم میں، مگر ایسے ضرر کو برداشت کرنے سے جو عقد سے ثابت نہ ہو، جیسے وہ شخص کہ دوسرے کو اُجرت پر لے تا کہ اس کی داڑھ کو اکھاڑ دے، پھر درد ختم ہو گیا۔ یا تا کہ پکائے اس کے لئے ولیمے کا کھانا، پھر (بیوی نے) اس سے خلع کیا۔ یا دکان (کرایہ پر لی) تا کہ (اس میں) تجارت کرے، پھر مفلس ہو گیا۔ یا دکان کرایہ پر دی اور اس پر دین لازم ہو گیا مشاہدہ سے، یا گواہوں سے اور یا اقرار سے، اور اس کیلئے اور مال نہیں ہے دکان کے علاوہ۔ یا دابہ کرایہ پر لیا سفر کرنے کیلئے، پھر اس کی رائے بدل گئی سفر سے۔ نہ کہ کرایہ پر دینے والے کیلئے۔

لغات:

المضي: یہ ضرب (مَضٰی یَمْضِي) کا مصدر ہے، گزر جانا، عمل کرنا۔ موجَب: اِفعال (اِیجاب) کا اسم مفعول ہے، وہ چیز

جس کو ثابت اور واجب کردیا جائے، یعنی عقد کا حکم، کہ وہ بھی عقد سے ثابت ہو جاتا ہے۔ **يقلع**: اکھاڑنا۔ **ضرس**: داڑھ۔ **المكاري**: باِفعال (اِکراء) سے اسم فاعل ہے، کرایہ پر دینے والا۔ **مؤجر** اور **مكاري** کے درمیان فرق یہ ہے کہ **مؤجر** جانور وغیرہ کرایہ پر دے کر خود اس کے ساتھ نہیں جاتا، جبکہ **مكاري** ڈرائیور کی طرح خود بھی ساتھ جاتا ہے۔ **بدا**: بَدا يَبْدُو بُدُوًّا کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، بدا رأي معنى: رائے بدل گئی۔

تشریح:

❻ وبالعذر، وهو عجز العاقد عن المضيّ ....إلخ: أي تفسخ بالعذر... مسئلہ یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے بھی عقدِ اِجارہ کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔ عذر سے مراد یہ ہے کہ عاقد (مؤجر یا مستأجر) عقد کے حکم پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائے، اگر عمل کرے گا تو اس کو ایسا ضرر و نقصان پہنچے گا جو عقد کی وجہ سے ثابت نہیں ہے، مثلاً ایک شخص نے ڈاکٹر کو اُجرت پر لیا تا کہ اس کا دانت اکھاڑ دے، مگر عقد کرنے کے بعد مستأجر کے دانت کا درد ٹھیک ہو گیا، اب اگر مستأجر عقد پر عمل کرے گا تو اس کا صحیح دانت اکھڑ جائے گا، اور یہ ایسا ضرر ہے جو عقد کی وجہ سے اس پر لازم نہیں ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے عقدِ اِجارہ فسخ ہو جائے گا۔

❼ أو ليطبخ له طعام الوليمة، فاختلعت منه: یہ عطف ہے ليقلع پر، أي: كمن استأجر رجلا ليطبخ .... یہ عذر کی دوسری مثال ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر دعوت ولیمہ کیلئے باورچی کو اِجارہ پر لیا تا کہ اس کیلئے کھانا تیار کرے، مگر کھانا تیار کرنے سے پہلے اس عورت نے مستأجر کے ساتھ خلع کیا، اب وہ بے چارہ اگر لوگوں کو کھانا کھلائے گا تو یہ ولیمہ نہیں ہوگا، بلا وجہ مال ضائع ہو جائے گا، لہٰذا یہ ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے باورچی کے ساتھ عقدِ اِجارہ کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔

❽ أو حانوتا ليتّجر، فأفلس: یہ عطف ہے رجلا پر، أي: إن استأجر حانوتا... یہ عذر کی تیسری مثال ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے دکان کرایہ پر لی تا کہ اس میں کاروبار کرے، مگر کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی مستأجر مفلس ہو گیا، اس کے پاس کوئی مال نہیں بچا، اب اگر وہ عقدِ اِجارہ پر عمل کرے گا تو بلا وجہ کرایہ دے گا، لہٰذا اس عذر کی وجہ سے عقد کو فسخ کر سکتا ہے۔

❾ أو آجره، ولزمه دين بعيان، أو ببيان، أو ....إلخ: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۶) میں استاجر پر، أي: كمن آجره، و... یہ عذر کی چوتھی مثال ہے۔ وہ یہ کہ مؤجر نے اپنی دکان کرایہ پر دی اور پھر اس پر لوگوں کا اتنا بڑا دین لازم ہوا جس کو ادا کرنے کیلئے اس دکان کو بیچنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے، تو یہ ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے وہ دکان کا عقدِ اِجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

مؤجر پر جو دین آیا ہے وہ خواہ لوگوں کے سامنے مشاہدہ سے ثابت ہو، یا گواہوں سے ثابت ہو جائے، یا مؤجر خود اِقرار کر کے اپنے اوپر دین ثابت کر دے، تو خواہ کسی بھی طریقہ سے دین ثابت ہو جائے اس کو ادا کرنے کیلئے دکان کا عقدِ اِجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔

❿ أو استأجر دابة للسفر، فبدا له منه رأي: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۶) میں استأجر پر، أي: كمن استأجر... یہ عذر کی پانچویں مثال ہے، وہ یہ کہ ایک آدمی نے سفر کیلئے جانور کرایہ پر لیا، اور پھر سفر کرنے سے اس کی رائے بدل گئی، تو

وہ جانور کا عقدِ اِجارہ فسخ کرسکتا ہے، کیونکہ عقد پر عمل کر کے وہ بلا وجہ سفر کر کے کرایہ ادا کرے گا، اور یہ ایک ضرر ہے جو اُسے لاحق ہوگا۔

⑪ لا للمكاري: أي: لا يكون عذرا إن بدا للمكاري رأيٌ من السفر. یعنی اگر مکاری نے جانور کرایہ پر دیا اور خود بھی ساتھ جانے کا اِرادہ کیا، مگر بعد میں مکاری کی رائے بدل گئی، تو اس کی رائے کا بدل جانا عذر نہیں ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے وہ جانور کا عقدِ اِجارہ فسخ نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اس کیلئے یہ ممکن ہے کہ خود سفر پر نہ جائے، بلکہ جانور مستأجر کے حوالہ کردے، یا کسی اور ڈرائیور کو دے، اس میں مکاری کو کوئی ایسا ضرر لاحق نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ اِجارہ کو فسخ کردے۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ﴾

أي: هذه مسائل متفرقة من الإجارة. یعنی یہ کتاب اِجارہ میں سے چند متفرق مسائل ہیں۔ یہاں مصنفؒ چند ایسے مسائل بیان کریں گے جن کا خاص طور پر کسی ایک باب سے تعلق نہیں ہے، اس لئے ان کیلئے الگ عنوان قائم فرمایا، یہاں کُل سات (۷) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① وَلَوْ أَحْرَقَ حَصَائِدَ أَرْضٍ مُسْتَأْجَرَةٍ، أَوْ مُسْتَعَارَةٍ، فَاحْتَرَقَ شَيْءٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ: لَمْ يَضْمَنْ ② وَإِنْ أَقْعَدَ خَيَّاطٌ، أَوْ صَبَّاغٌ فِي حَانُوتِهِ مَنْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ بِالنِّصْفِ: صَحَّ ③ وَإِنِ اسْتَأْجَرَ جَمَلًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمِلًا وَرَاكِبَيْنِ إِلَى مَكَّةَ: صَحَّ، وَلَهُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ ④ وَرُؤْيَتُهُ أَحَبُّ ⑤ وَلِمِقْدَارِ زَادٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ: رَدَّ عِوَضَهُ.

ترجمہ: اور اگر کھیتی کی جڑیں جلائیں اِجارہ پر لی ہوئی زمین کی، یا عاریت پر لی ہوئی زمین کی، پس کوئی چیز جل گئی دوسرے کی زمین میں، تو تاوان نہیں دے گا۔ اور اگر بٹھا دیا درزی یا رنگریز نے اپنی دکان میں وہ شخص جس کو کام دیا جاتا ہے، نصف کے عوض، تو صحیح ہے۔ اور اگر اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ اس پر لادے ایک کجاوہ اور دو سوار (بٹھلائے) مکہ تک تو صحیح ہے، اور مستأجر کیلئے معتاد کجاوہ (رکھنا) ہے۔ اور اس کو دیکھ لینا زیادہ بہتر ہے۔ اور (اگر جانور کرایہ پر لیا) توشہ کی (خاص) مقدار کیلئے، پھر اس سے کچھ کھالیا تو اس کا عوض واپس کردے۔

تشریح:

① ولو أحرق حصائد أرض مستأجرة، أو ....إلخ: حصائد جمع ہے حصيدة کی کھیتی کاٹنے کے بعد

اس کی جڑوں اور کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کرایہ پر لی ہوئی زمین، یا عاریت پر لی ہوئی زمین میں کھیتی کاٹ کر اس کی جڑوں کو آگ لگادی اور اس سے دوسرے کی زمین میں کوئی چیز جل گئی، تو آگ جلانے والے (مستأجر یا مستعیر) پر اس کا تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ تاوان اس وقت ہوگا جب تجاوز کرے، اور اپنی کھیتی کو آگ لگانا تجاوز نہیں ہے، یہ تجاوز کے بغیر سبب بنتا ہے، جس سے ضمان نہیں آتا، جیسے ایک آدمی اپنی زمین میں کنواں کھودے، دوسرا آدمی آکر اس میں گر کر ہلاک ہوجائے تو کھودنے والا اگرچہ ہلاکت کا سبب بن گیا، مگر اس پر تاوان نہیں آئے گا۔ اگر اپنی ملکیتی زمین میں آگ لگادے تو بطریق اولیٰ اس پر ضمان نہیں آئے گا۔

❷ وإن أقعد خياط، أو صباغ في حانوته....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک درزی یا رنگریز نے اپنی دکان میں کوئی آدمی بٹھایا تاکہ وہ سلائی یا رنگائی کا کام کرے اور جو کمائی ہوگی وہ دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی، تو ایسا عقد کرنا صحیح ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ صحیح نہ ہو، کیونکہ کام کرنے والے کو جو عوض دیا جاتا ہے وہ اس کے اپنے عمل کی کمائی ہے، اور یہ قفیز الطحان والا معاملہ ہے، جیسا کہ باب الإجارة الفاسدة مسئلہ نمبر (۲۴) میں گزر چکا۔ لیکن استحساناً اس معاملہ کو درست قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ دراصل اجارہ نہیں ہے، بلکہ شركة الصنائع ہے، وہ یہ کہ دو آدمی مل کر لوگوں سے کام لیں اور کمائی آپس میں بانٹ لیں۔

❸ وإن استأجر جملا ليحمل عليه محملا....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ مکہ تک اس پر ایک کجاوہ رکھ کر دو آدمی سفر کریں، تو یہ اجارہ صحیح ہے، یہاں اگرچہ کجاوہ مجہول اور غیر معین ہے، مگر اس کی وجہ سے عقد میں فساد نہیں آئے گا، کیونکہ سفر میں اصل انسان کی سواری ہے، کجاوہ اس کا تابع ہے، وہ اگرچہ مجہول بھی ہو تو پرواہ نہیں ہے، لہٰذا مستأجر اونٹ پر ایک معتاد (عادت کے مطابق) کجاوہ رکھ کر سفر کرسکتا ہے۔

❹ ورؤيته أحبّ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مؤجر خود کجاوے کا معاینہ کرکے دیکھ لے تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ نزاع و جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

❺ ولمقدار زاد، فأكل منه: ردّ عوضه: أي: لو استأجر جملا لمقدار... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ اس پر ایک مَن توشہ لاد کر لے جائے، پھر مستأجر نے راستے میں اس توشہ میں سے کچھ کھالیا، تو بوجھ میں جتنی کمی ہوئی مستأجر اس کا عوض واپس بوجھ میں رکھ سکتا ہے، کیونکہ مستأجر کو حق حاصل ہے کہ سارے راستے میں ایک مَن بوجھ اونٹ پر لادے، لہٰذا ایک مَن میں سے جس قدر کم ہوجائے وہ اس کو پورا کرسکتا ہے۔

❻ وَتَصِحُّ الْإِجَارَةُ، وَفَسْخُهَا، وَالْمُزَارَعَةُ، وَالْمُعَامَلَةُ، وَالْمُضَارَبَةُ، وَالْوَكَالَةُ، وَ الْكَفَالَةُ، وَالْإِيْصَاءُ، وَالْوَصِيَّةُ، وَالْقَضَاءُ، وَالْإِمَارَةُ، وَالطَّلَاقُ، وَالْعِتْقُ، وَالْوَقْفُ مُضَافًا❼ لَا الْبَيْعُ، وَإِجَارَتُهُ، وَفَسْخُهُ، وَالْقِسْمَةُ، وَ

الشِّرْكَةُ، وَالْهِبَةُ، وَالنِّكَاحُ، وَالرَّجْعَةُ، وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ، وَإِبْرَاءُ الدَّيْنِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے اِجارہ، اس کو فسخ کرنا، مزارعت، معاملہ، مضاربت، وکالت، کفالت، وصی بنانا، وصیت کرنا، قاضی بنانا، امیر بنانا، طلاق دینا، آزاد کرنا اور وقف کرنا (آئندہ زمانہ کی طرف) منسوب کرتے ہوئے۔ نہ کہ بیع، اس کو اجازت دینا، اس کو فسخ کرنا، تقسیم، شرکت، ہبہ، نکاح، رجعت، مال سے صلح اور دین سے بری کر دینا۔

تشریح:

❶ **وتصح الإجارة، وفسخها، والمزارعة، و ....الخ:** یہاں چند ایسے عقود بتا رہے ہیں جن کو زمانۂ مستقبل کی طرف منسوب کرتے ہوئے معلّق کرنا صحیح ہے، مثالیں یہ ہیں:

① **الإجـارة:** اِجارہ کرنا، مثلاً مؤجر نے مستأجر سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ سے میں اپنا گھر تجھے کرایہ پر دیتا ہوں، مستأجر نے قبول کرلیا، تو یہ عقد صحیح ہے، کیونکہ اِجارہ میں گھر کے منافع پر عقد ہو رہا ہے، اور وہ منافع فی الحال موجود نہیں ہیں، بلکہ مستقبل میں تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے رہیں گے، تو عقدِ اِجارہ کی نسبت خواہ مستقبل کی طرف کی جائے یا نہ کی جائے منافع مستقبل میں حاصل ہوں گے، لہٰذا دونوں طریقوں سے صحیح ہوگا۔

② **وفسخها:** اِجارہ کو فسخ کرنا، مثلاً مؤجر نے مستأجر سے کہا کہ جو گھر میں نے کرایہ پر دیا ہے آئندہ پہلی تاریخ سے میں اس اِجارہ کو فسخ کرتا ہوں، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ فسخِ اِجارہ کو اِجارہ پر قیاس کیا جائے گا۔

③ **والمزارعة:** مزارعت کرنا، مثلاً زمیندار نے کاشتکار سے کہا کہ اگلی ایک تاریخ سے میں اپنی زمین تجھے مزارعت پر دیتا ہوں، کاشتکار نے قبول کرلیا، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ زمین کو مزارعت پر دینا بھی درحقیقت اِجارہ پر دینا ہے۔

④ **والمعاملة:** یعنی مساقات (اپنا باغ سیراب کرنے کیلئے کسی کو دینا) مثلاً باغ کے مالک نے مزدور سے کہا کہ میں آئندہ ایک تاریخ سے اپنا باغ تجھے مساقات پر دیتا ہوں، مزدور نے قبول کرلیا تو یہ صحیح ہے، کیونکہ یہ بھی درحقیقت باغ کو اِجارہ پر دینا ہے۔

⑤ **والمضاربة:** مضاربت کرنا، مثلاً ربّ المال نے مضارب سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ سے میں تجھے اپنا مال مضاربت پر دیتا ہوں، مضارب نے قبول کرلیا، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ مضاربت اِطلاقات[1] میں سے ہے، اور اِطلاقات کو زمانۂ مستقبل کی طرف منسوب کرنا اور شرط سے معلّق کرنا صحیح ہے۔

⑥ **والوكالة:** وکیل بنانا، مثلاً موکل نے وکیل سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ سے تم فلاں کام میں میرے وکیل ہو، وکیل نے قبول کرلیا، تو صحیح ہے، کیونکہ توکیل (وکیل بنانا) بھی اِطلاقات میں سے ہے۔

---

① اِطلاق کے معنی ہیں: کسی کو تصرف کی آزادی دینا، مثلاً مضاربت سے پہلے مضارب کو ربّ المال کے مال میں تصرف کا حق نہیں تھا، مضاربت کرنے کے بعد اس کو تصرف کی آزادی مل گئی۔

⑦ والکفالة: کفیل بنا، مثلاً کفیل نے مکفول لہ سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ سے میں مکفول عنہ کی طرف سے ذمہ دار ہوں، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ کفالت اپنے اوپر مال لازم کرنا ہے، اور انسان جس طرح فی الحال اپنے اوپر مال لازم کرسکتا ہے زمانہ مستقبل میں بھی لازم کرسکتا ہے، کتاب الکفالة مسئلہ نمبر (۴۰) میں گزر گیا ہے کہ کفالت کو شرط سے معلق کرنا صحیح ہے۔

⑧ والإیصاء: یعنی وصی مقرر کرنا، مثلاً موصی (وصی بنانے والے) نے کہا کہ میں فلاں شخص کو اپنی موت کے بعد اپنے مال میں وصی (نگراں) بناتا ہوں، وصی نے قبول کرلیا، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ ایصاء کی نسبت خواہ مستقبل (بعدالموت) کی طرف کی جائے یا نہ کی جائے وصی مستقبل ہی میں وصی بنے گا، لہٰذا دونوں طریقوں سے صحیح ہے۔

⑨ والوصیة: کسی کیلئے وصیت کرنا، مثلاً موصی نے کہا کہ میں میری موت کے بعد فلاں آدمی کیلئے دو ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں، تو یہ صحیح ہے، وصیت بھی ایصاء کی طرح مستقبل ہی میں ثابت ہوتی ہے، خواہ مستقبل (بعدالموت) کی طرف منسوب ہو یا نہ ہو۔

⑩ والقضاء: کسی کو قاضی بنانا، مثلاً امیر المؤمنین نے کسی آدمی سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ سے میں تمہیں قاضی مقرر کرتا ہوں، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ قضاء کام سپرد کرنا ہے، اور جس طرح فی الحال کام سپرد کیا جاسکتا ہے، مستقبل میں بھی سپرد کیا جاسکتا ہے۔

⑪ والإمارة: کسی کو امیر بنانا، یہ بعینہٖ قضاء کی طرح ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ[1] رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر بنا کر فرمایا کہ اگر وہ شہید ہوجائیں تو جعفر[2] (رضی اللہ عنہ) امیر ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ[3] (رضی اللہ عنہ) امیر ہوں گے۔ [بخاری] یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کو مستقبل کی طرف منسوب کرکے امیر مقرر فرمایا۔

⑫ والطلاق: شوہر نے بیوی سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ کو تجھے طلاق ہے، تو یہ صحیح ہے، اور پہلی تاریخ کو طلاق واقع ہوجا ئیگی، کیونکہ طلاق نکاح کی قید کو اٹھانے کا نام ہے، اور نکاح کی قید کو فی الحال بھی اٹھایا جاسکتا ہے اور زمانہ مستقبل میں بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔

⑬ والعتق: مولیٰ نے غلام سے کہا کہ آئندہ پہلی تاریخ کو تو آزاد ہے، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ عتق بھی غلام سے قید اٹھانا ہے۔

⑭ والوقف: وقف کرنا، مثلاً ایک آدمی نے کہا کہ میری موت کے بعد میری زمین مسجد کیلئے وقف ہے، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ

---

① زید بن حارثہ کی پیدائش حجاز میں ہوئی، بچپن میں اغوا کرکے غلام بنالئے گئے، آخر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملک میں آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردیا، ان کے والد (حارثہ) کو جب پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زید رضی اللہ عنہ کے عوض منہ مانگی قیمت کی پیشکش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو جانے کی اجازت دے، اور قیمت لینے سے انکار فرمایا، اور زید رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے ساتھ جانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے سے انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔ زید رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ موتہ میں امیر مقرر فرمایا، اور اسی غزوہ میں سن ۸ھ کو شہید ہوئے۔

② جعفر بن ابی طالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، پیدائش مکہ میں ہوئی، کفار کی تکلیفوں کی وجہ سے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، سن ۷ھ میں واپس مدینہ آئے، نہایت بہادر اور سخی آدمی تھے، سن ۸ھ میں غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے، ان کی شہادت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا۔

③ عبداللہ بن رواحہ کی پیدائش مدینہ میں ہوئی، قبیلۂ خزرج سے تعلق تھا، زبردست شاعر تھے، شاعر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور تھے، بڑی شان وشوکت والے تھے، سن ۸ھ کو غزوۂ موتہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ بالکل وصیت کے حکم میں ہے، اس صورت کے ماسوا وقف کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا یا شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے، مثلاً یوں کہے: ''اگلی ایک تاریخ سے میری زمین وقف ہے''، یہ صحیح نہیں ہوگا۔[اسلام کا نظام اوقاف:۲۶۵]

● لا البيع، وإجازته، وفسخه، والقسمة، و ..... إلخ: أي: لا يصح البيع، و..... مضافا. یہاں چند ایسے عقود بیان کررہے ہیں جن کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا اور شرط سے معلق کرنا صحیح نہیں ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

① البيع: بیع کرنا، مثلاً بائع نے مشتری سے کہا کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ اگلی ایک تاریخ کو فروخت کرتا ہوں، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع تملیک (دوسرے کو مالک بنانا) ہے، اور تملیک میں شرط لگانا یا مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ كتاب الهبة / فصل في الشرط والاستثناء مسئلہ نمبر (٦) میں گزر گیا ہے۔

② وإجازته: بیع کو اجازت دینا، مثلاً ایک فضولی آدمی نے زید کی چیز فروخت کردی، بعد میں زید نے کہا کہ اگلی ایک تاریخ کو میں اس بیع کو اجازت دے کر نافذ کرتا ہوں، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اجازت دینا بھی بعینہٖ بیع کے حکم میں ہے۔

③ وفسخه: بیع کو فسخ کرنا، مثلاً بائع ومشتری کے درمیان بیع ہوگئی، پھر دونوں نے کہا کہ اگلی ایک تاریخ کو بیع فسخ کرتے ہیں، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع کو فسخ کرنا جدید بیع کے حکم میں ہے۔

④ والقسمة: تقسیم کرنا، مثلاً دو آدمی زمین میں شریک ہیں، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگلی ایک تاریخ سے زمین آدھی آدھی تقسیم ہے، تو یہ تقسیم صحیح نہیں ہے، کیونکہ تقسیم میں بھی تملیک ہوتی ہے، گویا ہر شریک دوسرے کو کچھ دے رہا ہے کچھ لے رہا ہے۔

⑤ والشركة: شرکت کرنا، مثلاً ایک ہزار روپے زید کی طرف سے ہیں اور ایک ہزار خالد کی طرف سے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگلی ایک تاریخ سے ہم ایک دوسرے کے شریک ہیں، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ شرکت میں بھی تملیک کے معنی ہیں، ہر شریک دوسرے کو کچھ دے کر کچھ لے کر شریک بن جاتا ہے۔

⑥ والهبة: ہبہ کرنا، مثلاً ایک شخص نے ہبہ کرتے ہوئے دوسرے سے کہا کہ میں اس چیز کو اگلی ایک تاریخ سے تمہیں ہبہ کرتا ہوں، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہبہ میں بھی تملیک ہوتی ہے۔

⑦ والنكاح: نکاح کرنا، مثلاً مرد نے عورت سے کہا کہ اگلی ایک تاریخ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں، اور عورت نے قبول کرلیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نکاح میں بھی تملیک کے معنی موجود ہیں، یعنی عورت مرد کو اپنے منافع کا مالک بنا رہی ہے۔

⑧ والرجعة: رجوع کرنا، مثلاً شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے کہا کہ میں نے اگلے مہینے رجعت کرلی، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رجعت نکاح کو برقرار رکھنا ہے، لہٰذا یہ نکاح کے حکم میں ہوگئی۔

⑨ والصلح عن مال: مال سے صلح کرنا، مثلاً ایک شخص پر ہزار روپے دین ہیں، اس نے دائن کے ساتھ ایک بوری گندم پر صلح کرتے ہوئے کہا کہ اگلی ایک تاریخ کو میں نے تمہارے ساتھ ایک بوری گندم پر صلح کرلی، اور دائن نے قبول کرلیا، تو یہ صحیح نہیں ہے،

کیونکہ یہ بعینہٖ بیع کی طرح ہے، جیسے ہزار روپے میں گندم کو فروخت کر دیا، لہٰذا جس طرح بیع کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے اسی طرح مال سے صلح کرنے کو بھی منسوب کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

⑩ وإبراء الدين: دین سے بری کرنا، مثلاً دائن نے مدیون سے کہا کہ اگلی ایک تاریخ کو میں نے تجھے دین سے بری کر دیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابراء (بری کر دینے) میں تملیک کے معنی موجود ہے، گویا دائن نے مدیون کو دین کا مالک بنا دیا، اور تملیک کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆



كِتَابُ الْمُكَاتِبِ

أي: هذا كتاب في بيان أحكام المكاتب. یعنی یہ کتاب مکاتب کے احکام کے بیان میں ہے۔ اِجارہ اور کتابت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ اِجارہ میں منافع کے عوض مال ہوتا ہے، اور کتابت میں بھی آزادی کی منفعت کے عوض مال مقرر ہوتا ہے۔

مکاتَب مفاعلہ سے اسم مفعول ہے۔ مکاتب وہ غلام ہے جس کے ساتھ مولیٰ عقدِ کتابت کرے، یعنی مولیٰ اس سے کہے کہ میں نے تم کو دس ہزار روپے کے عوض مکاتب بنایا، دس ہزار روپے ادا کر کے تم آزاد ہو۔ مکاتب کی فقہی تعریف مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

غلام کے ساتھ عقدِ کتابت کرنا جائز و مشروع ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا. [نور:۳۳] ''اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو''۔ حدیث میں ہے کہ وہ مکاتب جو مال ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ [ترمذی]

اپنے غلام کو مکاتب بنانا مستحب ہے، اس میں ایک انسان آزاد و خود مختار ہو جاتا ہے، اور اسلام کے مزاج کا تقاضا یہی ہے کہ انسان آزاد ہو۔ عقدِ کتابت کے چار ارکان ہیں: مولیٰ، غلام، صیغہ (کتابت کا لفظ) اور عوض۔ ان میں سے اگر ایک رکن نہ ہو تو کتابت نہیں ہوسکتی۔ مصنفؒ نے اگلے باب تک مکاتب اور کتابت سے متعلق چودہ (۱۴) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ اَلْكِتَابَةُ تَحْرِيْرُ الْمَمْلُوْكِ يَدًا فِي الْحَالِ، وَرَقَبَةً فِي الْمَآلِ ❷ كَاتَبَ مَمْلُوْكَهُ، وَلَوْ صَغِيْرًا يَعْقِلُ بِمَالٍ حَالٍّ أَوْ مُؤَجَّلٍ، أَوْ مُنَجَّمٍ، وَقَبِلَ: صَحَّ ❸ وَكَذَا إِنْ قَالَ: جَعَلْتُ عَلَيْكَ أَلْفًا تُؤَدِّيْهِ نُجُوْمًا: أَوَّلُ نَجْمٍ كَذَا، وَآخِرُهُ كَذَا، فَإِذَا أَدَّيْتَهُ فَأَنْتَ حُرٌّ، وَإِلَّا: فَقِنٌّ ❹ فَيَخْرُجُ مِنْ يَدِهِ، دُوْنَ مِلْكِهِ.

ترجمہ: کتابت آزاد کرنا ہے مملوک کو اختیار کے اعتبار سے فی الحال، اور گردن کے اعتبار سے انجام میں۔ (اگر کسی نے) اپنے مملوک کو مکاتب بنایا، اگرچہ بچہ ہو جو سمجھتا ہو، فوری مال کے عوض، یا مؤخر، یا قسطوار، اور (غلام نے) قبول کر لیا، تو صحیح ہے۔ اور اسی طرح (صحیح ہے) اگر (مولیٰ نے) کہا کہ میں نے تم پر ہزار لگا دیئے جس کو تُو ادا کرے گا قسطوار، پہلی قسط اتنی ہے اور آخری اتنی ہے، پس جب تُو اس کو ادا کرے تو تُو آزاد ہے، ورنہ غلام ہے۔ پس (غلام) نکل جائے گا اس کے ہاتھ سے، نہ کہ اس کی ملک سے۔

لغات:

منجّم: باب تفعیل کا اسم مفعول ہے، وہ چیز جس کو قسطوار بنایا گیا ہو، نجم معنی قسط، جمع نُجوم ہے۔ قِنّ: خالص غلام، جو نہ مکاتب ہو، نہ مدبر وغیرہ۔

تشریح:

❶ الکتابة تحریر المملوک یدا في الحال....إلخ: عبارت میں یدا سے مراد اختیار ہے۔ یہ کتابت کی فقہی تعریف ہے، اور اس کے ضمن میں کتابت کا حکم بھی بیان فرمایا۔ یعنی کتابت کا عقد یہ ہے کہ مملوک (غلام یا باندی) کو اختیار میں فی الحال آزاد کر دیا جائے، لہٰذا وہ خود مختار ہو کر جو کرنا چاہے کر سکتا ہے، اور گردن کے اعتبار سے مستقبل میں آزاد کر دیا جائے، یعنی ابھی تک اس کی گردن مولیٰ کی ملک میں ہے، مگر مستقبل میں جب وہ عوض ادا کرے گا تو اس کی گردن بھی آزاد ہو جائے گی۔ اس سے کتابت کا حکم بھی معلوم ہوا، وہ یہ کہ کتابت کی وجہ سے غلام کو اختیار مل جاتا ہے، مگر اس کی گردن فی الحال آزاد نہیں ہوتی۔

❷ کاتب مملوکه ولو صغیرا یعقل بمال حالّ....إلخ: مولیٰ نے اپنے مملوک کو مکاتب بنایا، فی الحال مال دینے کے عوض، یا مؤجّل (مؤخر) مال دینے کے عوض، یا قسطوار مال کے عوض، اور مملوک نے اس عقد کو قبول کر لیا تو صحیح ہے، اگر چہ وہ مملوک نابالغ بچہ ہو، مگر عقد سمجھتا ہو، عقد صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقد کا رکن ایجاب وقبول پایا گیا اور عوض بھی مقرر کیا گیا، خواہ فی الحال ہو یا مؤخر ہو، یا قسطوار ہو۔ نابالغ بچے کیلئے سمجھدار ہونا ضروری ہے، تا کہ وہ سمجھ کر قبول کرے، اور تا کہ وہ کتابت کر کے خود مختار ہو جائے۔

❸ وکذا إن قال: جعلتُ علیک ألفا تؤدّیه نجوما....إلخ: اور اسی طرح اگر مولیٰ نے غلام سے کہا کہ میں نے تمہارے اوپر ہزار روپے رکھے ہیں، جن کو تو قسطوار ادا کرے گا، پہلی قسط اتنی ہے اور دوسری قسط اتنی ہے، اگر تو نے ادا کر دیئے تو تُو آزاد ہے، ورنہ غلام رہو گے، غلام نے اس کو قبول کر لیا، تو عقدِ کتابت صحیح ہوگا، یہاں اگر چہ صراحتاً کتابت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، مگر کتابت کے معنی موجود ہیں، وہ یہ کہ غلام عوض دے کر آزادی کو قبول کر رہا ہے، اور عقد میں اصل اعتبار معنی ومقصد کا ہوتا ہے، نہ کہ الفاظ کا۔

❹ فیخرج من یده، دون ملکه: جب عقدِ کتابت صحیح ہوا تو غلام مولیٰ کے قبضہ سے نکل گیا، مگر غلام کی گردن اب بھی مولیٰ کی ملک میں ہے۔ غلام جب مولیٰ کے قبضہ سے نکل گیا تو مولیٰ اس کو باہر جانے، سفر کرنے اور تجارت کرنے سے نہیں روک سکتا، کیونکہ غلام کو حاجت ہے کہ باہر جا کر بدلِ کتابت کمائے۔ البتہ غلام کا رقبہ اب بھی مولیٰ کی ملکیت میں ہے، کیونکہ غلام نے ابھی تک عوض ادا نہیں کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکاتب غلام ہی رہے گا جب تک اس پر ایک درہم باقی ہو۔ [البحر الرائق: ۸/۷۴]

> ❺ وَغَرِمَ إِنْ وَطِیءَ مُکَاتَبَتَهُ ❻ أَوْ جَنٰی عَلَیْهَا، أَوْ عَلٰی وَلَدِهَا، أَوْ أَتْلَفَ مَالَهَا ❼ وَإِنْ کَاتَبَهُ عَلٰی خَمْرٍ، أَوْ خِنْزِیْرٍ، أَوْ قِیْمَتِهِ، أَوْ عَیْنٍ

لِغَيْرِهِ ❽ أَوْ مِائَةٍ لِيَرُدَّ سَيِّدُهُ وَصِيْفًا: فَسَدَ ❾ فَإِنْ أَدَّى الْخَمْرَ: عَتَقَ، وَسَعَى فِي قِيْمَتِهِ ❿ وَلَمْ تَنْقُصْ عَنِ الْمُسَمَّى، وَزِيْدَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور تاوان دے گا اگر وطی کی اپنی مکاتبہ سے۔ یا اس پر جنایت کی، یا اس کے بچے پر، یا اس کا مال ہلاک کر دیا۔ اور اگر غلام کو مکاتب بنایا شراب پر، یا خنزیر پر، یا غلام کی قیمت پر، یا دوسرے کی چیز پر۔ یا سو کے عوض اس شرط پر کہ اس کا مولیٰ واپس کرے گا خدمت کا غلام، تو (تمام صورتوں میں عقد) فاسد ہوگا۔ اور اگر (غلام نے) شراب دی تو آزاد ہو جائے گا، اور کمائی کرے اپنی قیمت میں۔ اور (قیمت) کم نہیں ہوگی مقرر مقدار سے، اور اس پر زیادتی ہو سکتی ہے۔

تشریح:

❺ وغرم إن وطىء مكاتبته: اگر مولیٰ نے مکاتبہ باندی سے وطی کی تو وہ وطی کا تاوان (عُقر) دے، کیونکہ کتابت کی وجہ سے باندی مولیٰ کے قبضہ سے نکل کر اپنے بدن کے اجزاء کی خود مالک ہو چکی، لہٰذا مولیٰ ناحق اس کے بضعہ کے منافع استعمال کرتا ہے، اس لئے تاوان دے۔ وطی کا تاوان یہ ہے کہ اگر اس باندی کے ساتھ نکاح کیا جائے تو اس کا جتنا مہر ہوگا وہ اس کی وطی کا تاوان ہے۔

❻ أو جنى عليها: أي: غرم إن جنى عليها. اگر مولیٰ نے مکاتبہ باندی پر کوئی جنایت کی، مثلاً اُسے قتل کر دیا یا ہاتھ کاٹ دیا، یا مکاتبہ کے بچے پر جنایت کی، یا مکاتبہ کا مال ہلاک کر دیا، تو وہ تاوان بھرے گا، کیونکہ مکاتبہ کی جان اور مال کے حق میں مولیٰ اجنبی ہے، اور ظاہر ہے کہ اجنبی شخص سے جنایت کا تاوان لیا جاتا ہے، لہٰذا مولیٰ سے بھی لیا جائے گا۔

❼ وإن كاتبه على خمر، أو خنزير، أو قيمته، أو عين لغيره: یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں فسد اس کی جزاء ہے۔ یہاں سے کتابتِ فاسدہ کی صورتیں بیان فرما رہے ہیں، تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض مکاتب بنایا تو یہ عقد فاسد ہے، کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں ہیں، جبکہ کتابت کا عوض مال ہونا ضروری ہے۔

یا غلام کو مکاتب بنایا خود اس کی قیمت پر، مثلاً مولیٰ نے اس سے کہا کہ میں نے تم کو مکاتب کیا تمہاری قیمت کے عوض، تو یہ بھی فاسد ہے، کیونکہ غلام کی قیمت مجہول ہے، بعد میں قیمت مقرر کرنے میں نزاع و جھگڑے کا اندیشہ ہے۔

اور اسی طرح اگر دوسرے کی چیز پر مکاتب بنایا، تو یہ بھی فاسد ہے، مثلاً غلام نے مولیٰ سے کہا کہ میں کتابت کے عوض میں زید کا گھوڑا دوں گا، یہ اس لئے فاسد ہے کہ دوسرے کی چیز تسلیم کرنے پر غلام کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

❽ أو مائة ليرد سيده وصيفا: فسد: أي: إن كاتبه على مائة... وصیف کے معنی ہیں: خدمت کرنے والا غلام، نوکر۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے غلام کو سو دینار کے عوض مکاتب بنایا اور ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ مولیٰ مکاتب کو ایک خادم غلام واپس دے گا، تو حضرات طرفینؒ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے۔

امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ عقد صحیح ہے، کیونکہ سو دینار سے خادم غلام کا استثناء ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ خادم غلام کی قیمت کو سو دینار سے استثناء کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سو دینار کو مکاتب اور خادم غلام کی قیمتوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے، مثلاً مکاتب کی قیمت ۶۰۰ دینار ہے، اور درمیانہ خادم غلام کی قیمت ۴۰۰ دینار ہے، تو اس نسبت سے سو دینار کو تقسیم کر کے مکاتب کے حصہ میں ۶۰ دینار اور خادم غلام کے حصہ میں ۴۰ دینار آئیں گے، پس سو دینار سے ۴۰ کو الگ کر کے باقی ۶۰ دینار مولیٰ کو بدلِ کتابت میں ملیں گے۔

حضرات طرفین ؒ فرماتے ہیں کہ خادم غلام دینار کی جنس سے نہیں ہے، لہٰذا اس کو استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا، ہاں! قیمت کے اعتبار سے استثناء صحیح ہے، مگر وہ مجہول ہے، جس کو مقرر کرنے میں نزاع و جھگڑے کا اندیشہ ہے، اس لئے یہ عقد فاسد ہوگا۔

⑨ فإن أدّى الخمرَ: عتق، وسعى في قيمته: یعنی مسئلہ نمبر (۷) کی صورت میں اگر فاسد عقد پر عمل کرتے ہوئے غلام نے مولیٰ کو شراب ہی دی، تو غلام آزاد ہو جائے گا، اور اس پر لازم ہے کہ اپنی قیمت کما کر مولیٰ کو دے دے۔

غلام اس لئے آزاد ہوگا کہ شراب اگر چہ مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے، مگر پھر بھی فی الجملۃ (کسی نہ کسی درجہ میں) وہ مال ہے، لہٰذا فساد کے باوجود عقد منعقد ہو گیا اور اس کے مطابق غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور غلام پر اپنی قیمت اس لئے لازم ہے کہ اصل میں تو عقد کے فساد کی وجہ سے یہ ہونا چاہئے کہ غلام کی آزادی لغو ہو کر وہ واپس غلام بن جائے، لیکن چونکہ آزادی لغو نہیں ہو سکتی اس لئے غلام اپنی قیمت مولیٰ کو دے دے، تاکہ فساد کا کچھ نہ کچھ تدارک ہو جائے۔

⑩ ولم ينقص عن المسمّى، وزيد عليه: یعنی کتابتِ فاسدہ کی صورت میں جب غلام مولیٰ کو اپنی قیمت ادا کرے گا تو وہ قیمت مقرر مقدار (یعنی شراب یا خنزیر کی قیمت) سے کم نہیں ہوگی، البتہ اس سے زائد ہو سکتی ہے، لہٰذا غلام پر لازم ہے کہ اپنی قیمت میں مقرر مقدار کے برابر یا اس سے زائد رقم مولیٰ کو دے دے۔ کمی تو اس لئے نہیں ہو سکتی کہ مولیٰ مقرر مقدار پر راضی ہوا ہے، اس سے کم پر راضی نہیں ہوگا۔ اور زیادتی اس لئے ہو سکتی ہے کہ غلام نے قصداً فاسد عقد کیا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ فاسد عقد میں میری قیمت واجب ہوگی اور وہ مقرر مقدار سے زائد بھی ہو سکتی ہے، تو فاسد عقد کر کے وہ زائد مقدار دینے پر راضی ہے، ورنہ فاسد عقد نہ کرتا۔

⑪ وَصَحَّ لَوْ عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ ⑫ أَوْ كَاتَبَ كَافِرٌ عَبْدَهُ الْكَافِرَ عَلٰى خَمْرٍ ⑬ وَ أَيٌّ أَسْلَمَ: لَهُ قِيْمَةُ الْخَمْرِ ⑭ وَعَتَقَ بِقَبْضِهَا.

ترجمہ: اور (عقدِ کتابت) صحیح ہے اگر ایسے جانور پر ہو جس کا وصف بیان نہ کیا گیا ہو۔ یا کافر نے مکاتب بنایا اپنے کافر غلام کو شراب پر۔ اور جس نے بھی اسلام لایا تو مولیٰ کیلئے شراب کی قیمت ہے۔ اور آزاد ہو جائے گا قیمت کو قبض کرنے سے۔

تشریح:

⑪ وصح لو علی حیوان غیر موصوف: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقدِ کتابت میں عوض کو ایسا جانور مقرر کیا جس کی

جنس تو معلوم ہے کہ گھوڑا ہے یا گدھا ہے، مگر اس کا وصف بیان نہیں کیا کہ اعلیٰ ہے، یا ادنیٰ ہے، یا اوسط ہے، تو یہ عقد صحیح ہے، کیونکہ یہ کم درجہ کی جہالت ہے، لہٰذا درمیانہ جانور پر فیصلہ ہوگا۔

⑫ أو كاتب كافرٌ عبدَه الكافرَ على خمر: أي: صحّ لو كاتب... اگر کافر مولیٰ نے اپنے کافر غلام کو شراب کے عوض مکاتب بنایا تو صحیح ہے، کیونکہ شراب کفار کے حق میں مالِ متقوم ہے، لہٰذا یہ ایسا ہے جیسے مسلمان سر کہ پر کتابت کرے۔

⑬ وأيّ أسلم: له قيمة الخمر: مذکورہ صورت میں مولیٰ اور غلام میں سے جس نے بھی اسلام لایا تو مولیٰ کو کتابت کے عوض میں شراب نہیں ملے گی، بلکہ اس کی قیمت دی جائے گی، کیونکہ مسلمان کیلئے شراب کا مالک بنانا یا مالک بننا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر مولیٰ اسلام لائے تو وہ شراب کا مالک نہیں بن سکتا، اور اگر غلام اسلام لائے تو وہ مولیٰ کو مالک نہیں بنا سکتا، اس لئے قیمت ہی دے۔

⑭ وعتق بقبضها: یعنی مذکورہ صورت میں جب مولیٰ شراب کی قیمت پر قبضہ کرلے تو غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ کتابت معاوضہ کا عقد ہے، تو جب مولیٰ کو عوض (شراب کی قیمت) مل گیا تو غلام کو بھی لازماً عوض (آزادی) ملے گا۔

☆☆☆

﴿بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يَفْعَلَهُ، أَوْ لَا يَفْعَلَهُ﴾

أي: هذا باب في بيان ما يجوز للمكاتب أن يفعله، أو لا يفعله. یعنی یہ باب ان افعال کے بیان میں ہے جن کا کرنا مکاتب کیلئے جائز ہے اور جن کا کرنا جائز نہیں ہے۔ ماقبل میں کتابت کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے کی صورتیں بیان فرمائیں، اب یہ بیان کریں گے کہ صحیح عقدِ کتابت میں مکاتب کیلئے کونسے کام جائز اور کونسے ناجائز ہیں؟

عقدِ کتابت کرنے کے بعد مکاتب کو ہاتھ کا اختیار مل جاتا ہے، مگر اس کی گردن مملوک رہے گی، لہٰذا ہاتھ کے اختیار کی وجہ سے اس کیلئے بعض افعال کرنا جائز ہو جاتے ہیں، اور گردن کے مملوک ہونے کی وجہ سے بعض دیگر افعال جائز نہیں ہوتے، مصنفؒ نے اس باب میں انہیں دو قسم کے افعال سے متعلق چوالیس (۴۴) مسائل جمع فرمایے ہیں۔

① لِلْمُكَاتَبِ الْبَيْعُ، وَالشِّرَاءُ، وَالسَّفَرُ وَإِنْ شَرَطَ أَنْ لَا يَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ ② وَتَزْوِيجُ أَمَتِهِ ③ وَكِتَابَةُ عَبْدِهِ ④ وَالْوَلَاءُ لَهُ إِنْ أَدّٰى بَعْدَ عِتْقِهِ ⑤ وَإِلَّا: لِسَيِّدِهِ ⑥ لَا التَّزَوُّجُ بِلَا إِذْنٍ ⑦ وَالْهِبَةُ، وَالتَّصَدُّقُ إِلَّا بِيَسِيرٍ ⑧ وَالتَّكْفِيلُ، وَالْإِقْرَاضُ ⑨ وَإِعْتَاقُ عَبْدِهِ وَلَوْ بِمَالٍ ⑩ وَبَيْعُ نَفْسِهِ مِنْهُ ⑪ وَتَزْوِيجُ عَبْدِهِ.

ترجمہ: مکاتب کیلئے (جائز) ہے فروخت کرنا، خرید لینا اور سفر کرنا، اگر چہ (مولیٰ نے) شرط لگائی ہو کہ شہر سے نہیں نکلے گا۔ اور اپنی باندی کا نکاح کرانا۔ اور اپنے غلام کو مکاتب بنانا۔ اور ولاء (پہلے) مکاتب کی ہوگی، بشرطیکہ (دوسرا مکاتب) ادائیگی کرے (پہلے) مکاتب کی آزادی کے بعد۔ ورنہ (پہلے) مکاتب کے مولیٰ کیلئے ہوگی۔ نہ کہ نکاح کرنا بغیر اجازت کے۔ اور ہبہ اور صدقہ کرنا، مگر تھوڑی مقدار میں۔ اور کفیل بننا اور قرض دینا۔ اور اپنے غلام کو آزاد کرنا، اگر چہ مال کے عوض ہو۔ اور غلام کا نفس فروخت کرنا غلام کے ہاتھ۔ اور اپنے غلام کا نکاح کرانا۔

تشریح:

❶ للمکاتب البیع، والشراء، والسفر وإن .... إلخ: أي: یجوز للمکاتب... مکاتب کیلئے جائز ہے کہ خرید وفروخت کرے اور سفر کرے، اگر چہ عقد کے وقت مولیٰ نے اس پر شرط لگائی ہو کہ وہ شہر سے نہیں نکلے گا، اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ مکاتب ہاتھ کے اعتبار سے خود مختار ہے، لہٰذا وہ حاجت رکھتا ہے کہ بدلِ کتابت کمانے کیلئے کاروبار کرے اور شہر سے باہر سفر کرے۔ اگر مولیٰ اس پر سفر نہ کرنے اور شہر سے باہر نہ جانے کی شرط لگاتا ہے تو یہ عقد کے تقاضے کے خلاف ہے، لہٰذا اس پر عمل نہیں ہوگا۔ اور چونکہ یہ شرط عقد میں نہیں ہے[1]، بلکہ عقد سے خارج ہے، لہٰذا اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا، بلکہ شرط باطل اور لغو ہو جائے گی۔

❷ وتزویج أمته: أي: یجوز للمکاتب تزویج أمته. اگر مکاتب نے کوئی باندی خرید لی تو اس کیلئے جائز ہے کہ اپنی اس باندی کا نکاح کسی سے کرادے، کیونکہ یہ بھی مال کمانے کا ایک ذریعہ ہے، وہ باندی کا نکاح کرا کر مہر وصول کرے گا۔

❸ وکتابة عبده: أي: یجوز للمکاتب کتابة عبده. اگر مکاتب نے کوئی غلام خریدا تو اس کیلئے جائز ہے کہ اپنے اس غلام کو مکاتب بنائے، کیونکہ اس میں بھی وہ بدلِ کتابت حاصل کرکے مال کمائے گا۔

❹ والولاء له إن أدیٰ بعد عتقه: «ہ» کا مرجع پہلا مکاتب ہے۔ أدّی میں ضمیر کا مرجع دوسرا مکاتب ہے، «ہ» کا مرجع بھی پہلا مکاتب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پہلا مکاتب اپنے مولیٰ کو بدلِ کتاب ادا کرکے آزاد ہو گیا، اس کے بعد دوسرے مکاتب نے بدلِ کتابت ادا کر دیا تو دوسرے مکاتب کی ولاء پہلے مکاتب کو ملے گی، کیونکہ پہلا مکاتب اُس سے پہلے آزاد ہو کر ولاء کا اہل ہو گیا ہے، لہٰذا دوسرے مکاتب کی ولاء کی نسبت اس کی طرف ہو سکتی ہے۔

❺ وإلّا: لسیده: أي: وإن لایؤد بعد عتقه: یکون الولاء لسیده. «ہ» کا مرجع پہلا مکاتب ہے۔ یعنی اگر دوسرا مکاتب پہلے مکاتب کی آزادی کے بعد ادا نہیں کرتا، بلکہ اس سے پہلے ادا کرتا ہے، تو دوسرے مکاتب کی ولاء پہلے مکاتب کو نہیں ملے گی، بلکہ اس کے مولیٰ کو ملے گی، کیونکہ اس صورت میں پہلا مکاتب ابھی تک خود غلام ہے، لہٰذا وہ ولاء کی اہلیت نہیں رکھتا۔

❻ لا التزوّج بلا إذن: أي: لا یجوز للمکاتب التزوّج بلا إذن. مکاتب کیلئے جائز نہیں ہے کہ مولیٰ کی

---

① عقد میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرط کتابت کے عوض میں نہیں ہے، یعنی پابندی کی شرط کا عوض کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے، تو یہ شرط عقد سے خارج ہوئی۔

اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے، کیونکہ مکاتب کو اُن تصرفات کی اجازت ہے جن کے ذریعے وہ بدلِ کتابت کا مال کما کر اپنے مقصود (آزادی) تک پہنچ جائے، جبکہ نکاح کے ذریعے وہ مال نہیں کما سکتا، بلکہ الٹا بیوی کا مہر اور نفقہ اپنے اوپر لازم کررہا ہے، ہاں! اگر مولیٰ کی اجازت ہو تو وہ نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ مکاتب کی ملک ابھی تک مولیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

⑧ والهبة، والتصدّق، إلّا بيسير: أي: لا يجوز للمكاتب الهبة، والتصدق. مکاتب کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو ہبہ دے، یا صدقہ دے، کیونکہ ہبہ اور صدقہ تبرّعات میں سے ہیں، اور مکاتب تبرّع کرنے کا اہل نہیں ہے، ابھی تک وہ مملوک ہے، البتہ تھوڑی سی معمولی چیز کا ہبہ وصدقہ کرنا مکاتب کیلئے جائز ہے، کیونکہ تجارت اور کاروبار کرنے میں بعض اوقات اس کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً دکان میں کسی کو چائے پلائے۔

⑨ والتكفيل، والإقراض: أي: لا يجوز للمكاتب التكفيل... مکاتب کیلئے جائز نہیں ہے کہ کسی کا کفیل بن جائے، یا کسی کو قرض دے، کیونکہ کفیل بننا اور قرض دینا بھی خالص تبرّعات میں سے ہیں، تجارت کی ضروریات میں سے نہیں ہیں۔

⑨ وإعتاق عبده، ولو بمال: اگر مکاتب نے کوئی غلام خریدا تو وہ اس کو مال کے عوض آزاد نہیں کرسکتا، اور بلاعوض تو بطریق اولیٰ نہیں کرسکتا، کیونکہ مکاتب ابھی تک خود آزاد نہیں ہے تو دوسرے کو کیا آزادی دے سکتا ہے؟

⑩ وبيع نفسه منهُ: أي: لا يجوز للمكاتب بيع نفسه منه. دونوں ضمائر کا مرجع عبدہ (مکاتب کا غلام) ہے۔ یعنی مکاتب کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے غلام کو خود اسی کے غلام کے ہاتھ فروخت کردے، کیونکہ غلام کا نفس خود غلام کے ہاتھ فروخت کرنا اُسے آزاد کرنا ہے، اور پچھلے مسئلے میں بیان ہوا کہ مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کرسکتا۔

⑪ وتزويج عبده: أي: لا يجوز للمكاتب تزويج عبده. یعنی مکاتب اپنے غلام کا نکاح نہیں کراسکتا، کیونکہ یہ بھی مال کمانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ الٹا غلام کی بیوی کا مہر اور نفقہ اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔

⑫ وَالْأَبُ، وَالْوَصِيُّ فِي رَقِيقِ الصَّغِيرِ كَالْمُكَاتَبِ ⑬ وَلَا يَمْلِكُ مُضَارِبٌ، وَ شَرِيكٌ شَيْئًا مِنْهُ ⑭ وَلَوْ اِشْتَرٰى أَبَاهُ أَوْ اِبْنَهُ: تَكَاتَبَ عَلَيْهِ ⑮ وَلَوْ اِشْتَرٰى أَخَاهُ وَنَحْوَهُ: لَا ⑯ وَلَوْ اِشْتَرٰى أُمَّ وَلَدِهٖ مَعَهُ: لَمْ يَجُزْ بَيْعُهَا ⑰ وَإِنْ وُلِدَ لَهُ مِنْ أَمَتِهٖ وَلَدٌ: تَكَاتَبَ عَلَيْهِ ⑱ وَكَسْبُهُ لَهُ.

ترجمہ: اور باپ اور وصی بچے کے غلام کے حق میں مکاتب کی طرح ہیں۔ اور مالک نہیں ہوگا مضارب اور شریک ان میں سے کسی چیز کے۔ اور اگر (مکاتب نے) خرید لیا اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو تو مکاتب ہوجائے گا اس پر۔ اور اگر خرید لیا اپنے بھائی اور اس کی مثل کو تو (مکاتب) نہیں ہوگا۔ اور اگر خرید لی اپنی اُمّ ولد بچے کے ساتھ تو جائز نہیں ہے اس کو فروخت کرنا۔ اور اگر پیدا ہوا مکاتب کا اپنی

باندی سے بچہ تو مکاتب ہو جائے گا اس پر۔ اور بچے کی کمائی مکاتب کی ہوگی۔

تشریح:

⑫ والأب، والوصي في رقيق الصغير كالمكاتب: مسئلہ یہ ہے کہ باپ اور وصی[1] چھوٹے بچے کے غلام میں وہی تصرف کر سکتے ہیں جو مکاتب اپنے غلام میں کر سکتا ہے، لہٰذا جہاں مال کی کمائی ہوگی وہاں باپ اور وصی کا تصرف جائز ہوگا، مثلاً بچے کی باندی کا نکاح کرانا اور اس کو مکاتب بنانا، اور جہاں مال کی کمائی نہیں ہوگی وہاں تصرف نہیں کر سکتے، مثلاً بچے کے غلام کا نکاح کرانا اور اس کو آزاد کرنا۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح مکاتب کے تصرف کی بنیاد فائدہ وکمائی پر ہے اسی طرح شریعت نے باپ اور وصی کو جو ولایت دی ہے اس کی بنیاد بھی فائدہ وکمائی پر ہے، تو جہاں فائدہ ہوگا وہاں تصرف جائز ہے، اور جہاں فائدہ نہ ہوگا وہاں تصرف ناجائز ہے۔

⑬ ولا يملك مضارب، وشريك شيئا منه: «ہ» کا مرجع مذکور (یعنی مذکورہ تصرفات) ہے۔ یعنی اگر مضارب نے غلام خریدا، یا دو شریکوں میں سے ایک شریک نے غلام خریدا، تو وہ مذکورہ تصرفات میں سے کسی تصرف کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا وہ نہ غلام کو مکاتب بنا سکتے ہیں، نہ اس کا نکاح کر سکتے ہیں اور نہ آزاد کر سکتے ہیں، کیونکہ مضارب اور شریک کو صرف تجارت (خرید فروخت) کا اختیار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی تصرف کا اختیار ان کو حاصل نہیں ہے، ان کے برخلاف مکاتب، باپ اور وصی کو مطلقاً فائدہ وکمائی کا اختیار حاصل ہے، خواہ تجارت کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے۔

⑭ ولو اشترى أباه، أو ابنه: تكاتب عليه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب نے اپنے باپ (یعنی اصول) کو، یا اپنے بیٹے (یعنی فروع) کو خرید لیا تو وہ اس پر مکاتب ہو جائے گا، یعنی باپ یا بیٹا بھی مکاتب کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا مکاتب جب اپنا بدلِ کتابت ادا کر کے آزاد ہوگا تو اس کا باپ یا بیٹا بھی آزاد ہو جائے گا، اور اگر مکاتب بدلِ کتاب ادا کرنے سے عاجز ہو کر غلام رہا تو اس کا باپ یا بیٹا بھی غلام رہیں گے، کیونکہ صلہ رحمی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مشتری آزاد ہو تو اس پر باپ یا بیٹا بھی آزاد ہو جائے گا، مگر یہاں چونکہ مشتری خود مکاتب ہے، کسی کو آزاد نہیں کر سکتا، اس لئے صلہ رحمی کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا باپ یا بیٹا بھی مکاتب ہو جائے۔

⑮ ولو اشترى أخاه ونحوه: لا: أي: لا تكاتب عليه. یعنی اگر مکاتب نے اپنا ایسا رشتہ دار خریدا جو اصول اور فروع میں سے نہیں ہے، جیسے بھائی، چچا وغیرہ، تو وہ مکاتب کے ساتھ کتابت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ رشتہ دار بھی کتابت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ اصل علت صلۂ رحمی پر ہے، اور اسی کی وجہ سے اصول اور فروع کتابت میں داخل ہو جاتے ہیں، تو ان کے علاوہ دیگر ذی رحم محرم رشتہ دار بھی داخل ہو جائیں گے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مکاتب کو حقیقی ملک حاصل نہیں ہے، صرف کمائی کا اختیار رکھتا ہے، اور اس کی وجہ سے صرف اصول

---

① وصی کی صورت یہ ہے کہ ایک یتیم بچہ ہے، قاضی نے اس کے مال کی حفاظت ونگرانی کیلئے کسی شخص کو مقرر کر دیا، تو یہ شخص بچے کا وصی ہے، یا یتیم کے باپ نے خود اپنی زندگی میں کسی کو مقرر کر دیا تھا۔

وفروع کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہوگا، نہ کہ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ، جیسے کوئی فقیر آدمی کمائی پر قادر ہو تو اس پر صرف اصول اور فروع کا نفقہ واجب ہے، نہ کہ دیگر رشتہ داروں کا، لہٰذا مکاتب کے ساتھ بھی صرف اصول اور فروع کتابت میں داخل ہوں گے، نہ کہ دیگر رشتہ دار۔

⑯ ولو اشتری أم ولدہٖ معہٗ: لم یجز بیعھا: «ہ» کا مرجع مکاتب ہے، اور «ہٗ» کا مرجع ولد ہے۔
مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے کسی باندی کے ساتھ نکاح کیا جس سے باندی کا بچہ ہوا، پھر مکاتب نے اپنی بیوی (ام ولد) کو بیٹے سمیت خرید لیا، تو مکاتب کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس باندی کو بیچ دے، کیونکہ خریدنے کی وجہ سے بیٹا مکاتب کے ساتھ کتابت میں داخل ہوگیا، جس کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور باندی اگر چہ کتابت میں داخل نہیں ہے، مگر بیٹے کی تبعیت میں اس کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ باندی اپنے بیٹے کی تابع ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ باندی بیٹے کی تابع ہو کر آزاد ہو جاتی ہے۔ [ابن ماجہ]

⑰ وإن ولد لہ من أمتہ ولد: تکاتب علیہ: مکاتب نے کوئی باندی خرید لی اور اس سے مکاتب کا بچہ پیدا ہوا، تو وہ بچہ مکاتب پر مکاتب ہو جائے گا، یعنی اس کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے بچے کو خرید لے۔

⑱ وکسبہ لہٗ: مذکورہ صورت میں اگر بچہ کوئی مال کمائے تو اس کی کمائی مکاتب (باپ) کی ہوگی، کیونکہ بچہ غلام کے حکم میں ہے، اور مکاتب مولیٰ کے حکم میں ہے، اور ظاہر ہے کہ غلام کی کمائی مولیٰ کو ملتی ہے۔

⑲ وَلَوْ زَوَّجَ أَمَتَہٗ مِنْ عَبْدِہٖ، فَكَاتَبَهُمَا، فَوَلَدَتْ: دَخَلَ فِي كِتَابَتِهَا ⑳ وَكَسْبُهٗ لَهَا ㉑ مُكَاتَبٌ، أَوْ مَأْذُوْنٌ نَكَحَ بِإِذْنٍ حُرَّةً بِزَعْمِهَا، فَوَلَدَتْ، فَاسْتُحِقَّتْ: فَوَلَدُهَا عَبْدٌ ㉒ وَإِنْ وَطِئَ أَمَةً بِشِرَاءٍ، فَاسْتُحِقَّتْ ㉓ أَوْ بِشِرَاءٍ فَاسِدٍ فَرُدَّتْ: فَالْعُقْرُ فِي الْمُكَاتَبَةِ ㉔ وَلَوْ بِنِكَاحٍ: أُخِذَ بِهٖ مُذْ عَتَقَ.

ترجمہ: اور اگر (مکاتب نے) نکاح کرایا اپنی باندی کا اپنے غلام سے، پھر دونوں کو مکاتب بنایا، پھر باندی نے بچہ جنا، تو (بچہ) داخل ہوگا باندی کی کتابت میں۔ اور بچے کی کمائی باندی کی ہوگی۔ کوئی مکاتب ہے یا ماذون ہے، اس نے نکاح کیا اجازت سے آزاد عورت کے ساتھ، اس کے گمان کے مطابق، پھر (عورت نے) بچہ جنا، پھر کسی اور کی نکل آئی، تو اس کا بچہ غلام ہوگا۔ اور اگر (مکاتب یا ماذون نے) وطی کی باندی کے ساتھ خریدنے کے سبب، پھر کسی اور کی نکلی۔ یا فاسد خریدنے کے سبب، پھر واپس کردی گئی، تو وطی کا تاوان مکاتبت میں ہوگا۔ اور اگر نکاح کے سبب (وطی کی) تو اس میں پکڑا جائے گا جب آزاد ہوگا۔

تشریح:

⑲ ولو زوّج أمتہ من عبدہ، فکاتبھما.....الخ: اگر مکاتب نے اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا، اور پھر دونوں کو مکاتب بنایا، اس کے بعد باندی نے بچہ جنا، تو وہ بچہ باندی کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ بچہ اوصاف میں اپنی

ماں کا تابع ہوتا ہے، جیسے کتاب العتاق مسئلہ نمبر (۴۰) میں گزر گیا ہے[①]، لہٰذا جب باندی مکاتبہ ہوئی تو اس کا بچہ بھی مکاتب ہو جائیگا۔

⑳ وكسبهٔ لها: مذکورہ صورت میں اگر بچہ کوئی مال کمائے تو اس کی کمائی باندی کی ہوگی، کیونکہ باندی اصل اور بچہ اس کا جزء ہے، لہٰذا لازماً بچے کی کمائی اپنی ماں کی ہوگی۔

㉑ مكاتب، أو مأذون نكح بإذنٍ حرةً بزعمها، فولدت....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی مکاتب یا ماذون غلام نے مولیٰ کی اجازت سے کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جو اپنے گمان کے مطابق آزاد ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، پھر اس عورت نے بچہ جنا، پھر کسی اور شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ عورت میری باندی ہے اور وہ باندی لے گیا، تو بچہ بھی اُس مستحق شخص کا غلام ہو گیا، کیونکہ بچے کا باپ (مکاتب یا ماذون) غلام ہے، اور ماں باندی ہے، تو ان کا بچہ بھی لازماً غلام ہوگا۔

㉒ وإن وطيء أمة بشراء، فاستُحقت: یہ شرط ہے، اور اس کی جزاء اگلے مسئلے میں فالعُقر في المكاتبة ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے بیعِ صحیح میں باندی خرید کر اس سے وطی کر لی، پھر باندی کا کوئی مستحق نکل آیا اور وہ باندی لے گیا، تو اب حکم یہ ہے کہ مکاتب نے چونکہ دوسرے کی باندی سے ناجائز وطی کی ہے، لہٰذا اس کا تاوان (عُقر) مکاتب کی کتابت میں ہوگا، یعنی اسی کتابت کی حالت میں اس سے لیا جائے گا، کیونکہ مکاتب کا باندی خریدنا تجارت میں سے ہے، اور وطی کا تاوان لازم ہونا جیسے تجارت میں نقصان کرے، اور ظاہر ہے کہ تجارت کا نقصان فی الحال کتابت کی حالت میں لیا جائے گا، لہٰذا وطی کا تاوان بھی فی الحال لیا جائے گا۔

㉓ أو بشراء فاسد، فرُدّت: فالعقر في المكاتبة: أي: إن وطيء بشراء فاسد، فرُدّت یہ شرط ہے، اور فالعقر في المكاتبة اس کی جزاء ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے بیع فاسد میں باندی خرید کر اس سے وطی کی، اور پھر فساد کی وجہ سے باندی بائع کو واپس کر دی، تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، کیونکہ مکاتب خواہ بیع صحیح کرے یا فاسد کرے دونوں تجارت میں سے ہیں، لہٰذا بیع صحیح کی طرح بیع فاسد میں بھی باندی خرید کر اس سے وطی کا تاوان فی الحال لیا جائے گا۔

㉔ ولو بنكاح: أُخذ به مذ عتق: أي: لو وطيء بنكاح... اگر مکاتب نے کسی باندی سے نکاح کیا، پھر اس سے وطی کی، اور پھر باندی کا کوئی مستحق نکل آیا اور باندی لے گیا، تو مکاتب نے جو ناجائز وطی کی ہے اس کا تاوان فی الحال کتابت کی حالت میں نہیں لیا جائے گا، بلکہ جب آزاد ہوگا تو اس کو پکڑ کر تاوان لیا جائے گا، کیونکہ نکاح کرنا تجارت میں سے نہیں ہے، لہٰذا کتابت نکاح کو شامل نہیں ہوگی، تو نکاح میں وطی کی وجہ سے جو عُقر لازم ہوگا وہ بھی کتابت کی حالت میں نہیں لیا جائے گا، بلکہ آزاد ہونے کے بعد لیا جائے گا۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

① اگرچہ مسئلہ نمبر (۱۶) میں حدیث کے حکم سے باندی کو اپنے بچے کا تابع بنایا۔

﴿فَصْلٌ﴾

أي: هذا فصل في بيان كتابة المدبّر، و أم الولد وغيرهما. یعنی یہ فصل مدبر اور اُم ولد وغیرہ کی کتابت کے بیان میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مدبر غلام کو یا اپنی اُم ولد باندی کو مکاتب بنایا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس فصل میں اسی قسم سے بیس (۲۰) مسائل بیان فرمائے ہیں۔

۵۵ وَلَدَتْ مُكَاتَبَةٌ مِنْ سَيِّدِهَا: مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا، أَوْ عَجَّزَتْ، وَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ ۵۶ وَإِنْ كَاتَبَ أُمَّ وَلَدِهِ، أَوْ مُدَبَّرَهُ: صَحَّ ۵۷ وَعَتَقَتْ مَجَّانًا بِمَوْتِهِ ۵۸ وَسَعَى الْمُدَبَّرُ فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ، أَوْ كُلِّ الْبَدَلِ بِمَوْتِهِ فَقِيرًا.

ترجمہ: مکاتبہ نے بچہ جنا اپنے مولیٰ سے، تو اپنی کتابت پر چلے، یا (خودکو) عاجز کردے، اور وہ مولیٰ کی اُم ولد ہے۔ اور اگر مکاتب بنایا اپنی اُم ولد کو، یا اپنے مدبر کو تو صحیح ہے۔ اور (اُم ولد) آزاد ہوجائے گی مفت مولیٰ کی موت سے۔ اور مدبر کمائی کرے اپنی قیمت کی دو تہائی میں، یا سارے بدل میں (کمائی کرے) مولیٰ کی موت سے فقیر ہوکر۔

تشریح:

۵۵ **ولدت مكاتبة من سيدها: مضت ...الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنی باندی کو مکاتبہ بنایا، پھر اس سے وطی کی جس سے مکاتبہ نے بچہ جنا، تو اب مکاتبہ کو دو اختیار ہیں: چاہے اپنی کتابت کو برقرار رکھ کر مولیٰ کو بدلِ کتابت ادا کر کے آزاد ہوجائے، اور چاہے اپنے آپ کو بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز قرار دے کر اُم ولد بن جائے، تاکہ مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہوجائے۔ مکاتبہ کو دو اختیار اس لئے ملیں گے کہ اس کو آزادی کے دو چانسز ملے: ایک یہ کہ بدلِ کتابت ادا کر کے فی الحال آزاد ہوجائے، اور دوسرا یہ کہ اُم ولد بن کر مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہوجائے، لہٰذا جس طریقہ کو چاہے اپنائے۔

۵۶ **وإن كاتب أم ولده، أو مدبره: صحّ:** اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے وطی کی جس سے باندی کا بچہ ہوا اور پھر مولیٰ نے اپنی اس اُم ولد کو مکاتبہ بنایا تو صحیح ہے، اور اسی طرح اگر مولیٰ نے غلام یا باندی کو مدبر بنایا اور پھر اس کو مکاتب بنایا، تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ اُم ولد اور مدبر مولیٰ کی ملک میں ہیں، لہٰذا ان کو مکاتب بنا سکتا ہے۔

۵۷ **وعتقت مجّانا بموته:** یعنی مذکورہ صورت میں کہ مولیٰ نے اپنی اُم ولد کو مکاتبہ بنایا، اگر بدلِ کتاب ادا کرنے سے پہلے مولیٰ مرگیا تو باندی مفت آزاد ہوجائے گی، بدلِ کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، کیونکہ مولیٰ کی موت سے وہ اُم ولد

ہونے کی وجہ سے آزاد ہوتی ہے، اور اُم ولد مفت آزاد ہوتی ہے۔

۵۸ وسعی المدبر في ثلثي قیمته، او کلّ ....الخ: حاصل یہ ہے کہ مسئلہ نمبر (۲۶) کی صورت میں کہ مولیٰ اپنے مدبر کو مکاتب بنائے، اگر مولیٰ فقیر ہو کر مرا[1]، ورثہ کیلئے کوئی مال نہیں چھوڑا، تو مدبر کو دو اختیار ہیں: چاہے تدبیر پر عمل کرے، اس صورت میں اس کی ایک تہائی آزاد ہوگی، اور دو تہائی ورثہ کے حق کی وجہ سے آزاد نہیں ہوئیں، لہٰذا مدبر اپنی قیمت کی دو تہائی میں مزدوری کر کے ورثہ کو ادا کرے، تاکہ مدبر ہونے کی حیثیت سے مکمل آزاد ہو جائے، اور چاہے تو کتابت پر عمل کر کے سارا بدلِ کتابت ورثہ کو ادا کرے، تاکہ مکاتب ہونے کی حیثیت سے آزاد ہو جائے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدبر کو اختیار نہیں ہے، بلکہ قیمت کی دو تہائی اور بدلِ کتابت میں سے جو کمتر ہو وہ ورثہ کو ادا کردے۔

امام محمدؒ کے نزدیک بھی اختیار نہیں ہے، بلکہ قیمت کی دو تہائی اور بدلِ کتابت کی دو تہائی میں سے جو کمتر ہو وہ ورثہ کو ادا کردے۔

۵۹ وَإِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَهُ: صَحَّ ۶۰ فَإِنْ عَجَزَ: بَقِيَ مُدَبَّرًا ۶۱ وَإِلَّا: سَعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ، أَوْ ثُلُثَيِ الْبَدَلِ بِمَوْتِهِ مُعْسِرًا ۶۲ وَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبَهُ: عَتَقَ، وَسَقَطَ الْبَدَلُ ۶۳ وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ، فَصَالَحَهُ عَلَى نِصْفٍ حَالٍّ: صَحَّ.

ترجمہ: اور اگر مدبر بنایا اپنے مکاتب کو تو صحیح ہے۔ پس اگر (وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے) عاجز ہوا تو مدبر رہے گا۔ ورنہ کمائی کرے اپنی قیمت کی دو تہائی میں، یا بدلِ کتابت کی دو تہائی میں، مولیٰ کی موت سے تنگدست ہو کر۔ اور اگر آزاد کردیا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہو جائے گا، اور بدل ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر غلام کو مکاتب بنایا ایک ہزار مؤخر پر، پھر اس سے صلح کی آدھے فی الحال پر تو صحیح ہے۔

تشریح:

۵۹ وإن دبّر مكاتبه: صحّ: اگر مولیٰ نے غلام کو مکاتب بنایا اور پھر اس کو مدبر بھی بنایا تو صحیح ہے، کیونکہ مولیٰ مکاتب کو فی الحال آزاد کر سکتا ہے، تو اُسے یہ اختیار بھی ہوگا کہ مدبر بنا کر موت کے بعد آزاد کردے، اب غلام مکاتب بھی ہے اور مدبر بھی ہے۔

۶۰ فإن عجز: بقي مدبرا: أي: إن عجز عن بدل الكتابة: بقي مدبرا. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مکاتب مدبر بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوا تو وہ مدبر رہے گا، لہٰذا مولیٰ کی موت کے بعد مفت آزاد ہو جائے گا، کیونکہ وہ مکاتب اور مدبر دونوں ہے، عاجز ہونے سے کتابت کی جہت ختم ہوگئی، مگر تدبیر کی جہت باقی ہے، وہ ختم نہیں ہوئی۔

۶۱ وإلّا سعى في ثلثي قيمته، أو ثلثي البدل بموته معسرا: أي: وإن لا يعجز: سعى... یعنی مذکورہ صورت میں اگر غلام بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز نہیں ہوا، اپنی کتابت اور تدبیر پر باقی رہا، اور پھر مولیٰ تنگدست ہو کر مرا، ورثہ کیلئے

[1] اگر مولیٰ مالدار ہو کر مرا تو مدبر مکمل آزاد ہو جائے گا، اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔

مال نہیں چھوڑا، تو غلام کو دو اختیار ہیں: یا تو تدبیر پر عمل کرے، اس صورت میں اس کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور دو تہائی ورثہ کے حق کی وجہ سے آزاد نہیں ہوں گی، لہٰذا وہ اپنی قیمت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو ادا کرے تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔ اور یا کتابت پر عمل کرتے ہوئے بدلِ کتابت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو ادا کر دے۔①

۶۲ وإن أعتق مكاتبه: عتق، وسقط البدل: اگر مولیٰ نے اپنے مکاتب غلام کو فی الحال آزاد کر دیا تو صحیح ہے، وہ آزاد ہو جائے گا، کیونکہ مولیٰ کو مکاتب کی ملک حاصل ہے، لہٰذا وہ آزاد کر سکتا ہے، اور مکاتب جب آزاد ہو گیا تو بدلِ کتابت اس سے ساقط ہو گیا، کیونکہ مکاتب نے اپنے اوپر بدلِ کتابت اس لئے لازم کر دیا تھا تا کہ اس کو آزادی ملے، اور جب آزادی اس کو مفت ملی تو بلاوجہ بدلِ کتابت ادا کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

۶۳ وإن كاتبه على ألف مؤجل، فصالحه على نصف حالٍّ: صح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے غلام کو ہزار روپے ادھار پر مکاتب بنایا، جس کو ایک سال کی مدت میں غلام ادا کرے گا، پھر مولیٰ نے غلام سے صلح کی کہ ایک ہزار ادھار کے عوض میں پانچ سو فی الحال دے دو، تو یہ صلح صحیح ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صلح صحیح نہ ہو، کیونکہ اس میں ہزار کے عوض پانچ سو دیا جا رہا ہے، اور پانچ سو کو مدت کے عوض میں ساقط کیا جا رہا ہے، جیسا کہ كتاب الصلح/ باب الصلح في الدين مسئلہ نمبر (۵) میں گزر گیا ہے۔ لیکن استحساناً اس صلح کی جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدت کے عوض میں اگر چہ مال مقرر کرنا جائز نہیں ہے، مگر مکاتب کے حق میں مدت مال ہے، کیونکہ مکاتب مدت کے بغیر بدلِ کتابت ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، تو مدت کو مال کا درجہ حاصل ہوا، لہٰذا مکاتب کے ساتھ صلح میں مدت کے مقابلے میں پانچ سو روپے مقرر کرنا صحیح ہے، گویا مال کا مال سے مقابلہ ہو گیا۔

۶۴ مَاتَ مَرِيضٌ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى أَلْفَيْنِ إِلَى سَنَةٍ، وَقِيمَتُهُ أَلْفٌ، وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ: أَدَّى ثُلُثَيِ الْبَدَلِ حَالًّا، وَالْبَاقِي إِلَى أَجَلِهِ، أَوْ رُدَّ رَقِيقًا ۶۵ وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى أَلْفٍ إِلَى سَنَةٍ، وَقِيمَتُهُ أَلْفَانِ، وَلَمْ يُجِيزُوا: أَدَّى ثُلُثَيِ الْقِيمَةِ حَالًّا، أَوْ رُدَّ رَقِيقًا.

ترجمہ: مریض مر گیا جس نے اپنے غلام کو مکاتب کیا تھا دو ہزار کے عوض، ایک سال تک، اور اس کی قیمت ایک ہزار ہے، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی، تو ادا کر دے بدل کے دو ثلث فی الحال اور باقی کو مدت تک، یا لوٹا دیا جائے غلام ہو کر۔ اور اگر غلام کو مکاتب کیا تھا ایک ہزار پر، ایک سال تک، اور اس کی قیمت دو ہزار ہے، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی، تو ادا کر دے قیمت کے دو ثلث فی الحال، یا لوٹا دیا جائے غلام ہو کر۔

① مسئلہ نمبر (۴۸) کی صورت میں سارا بدلِ کتابت ورثہ کو ادا کرنا ہوتا ہے، جبکہ یہاں بدلِ کتابت کی دو تہائی ہیں، فرق یہ ہے کہ وہاں پہلے تدبیر ہے پھر کتابت ہے، جبکہ یہاں پہلے کتابت ہے پھر تدبیر ہے۔ مکمل تفصیل ہدایہ: ۳/۳۲۶ میں ہے۔

تشریح:

⑩ مات مريض كاتب عبده على ألفين ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مریض شخص نے اپنا غلام دوہزارروپے کے عوض مکاتب بنا کراس کوایک سال کی مہلت دی، اور غلام کی قیمت ایک ہزارروپے ہے، پھر مریض مرگیا، اس کی موت کے بعد ورثہ نے غلام کوایک سال مہلت کی اجازت نہیں دی، تو غلام کیلئے دو اختیار ہیں: یا تو بدلِ کتابت (دوہزار) کے دوثلث (۱۳۳۳ روپے) فی الحال ورثہ کوادا کردے، اور باقی ایک ثلث (۶۶۶ روپے) کوایک سال کی مہلت کے ساتھ ادا کردے۔ اور یا اپنے آپ کو بدل ادا کرنے سے عاجز قرار دے کر واپس غلام بن جائے، کیونکہ مریض نے جب مکاتب کو دوہزار کے عوض مکاتب بنایا تو ورثہ کا حق پورے بدل کے ساتھ متعلق ہوگیا، اور پھر مریض نے جب ایک سال کی مہلت دی تو اس نے ورثہ کے حق میں تصرف کیا، اور مریض کا تصرف ایک تہائی تک صحیح ہے، اس سے زائد میں صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا مکاتب کو بھی بدلِ کتابت کی ایک تہائی میں مہلت ملے گی۔

یہ حکم اس وقت ہوگا کہ مریض نے مکاتب کے علاوہ اور کوئی مال نہ چھوڑا ہو۔

⑪ وإن كاتبه على ألف إلى سنة، وقيمته ألفان....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مریض شخص نے اپنا غلام ایک ہزارروپے پر مکاتب بنایا، حالانکہ غلام کی قیمت دوہزارروپے ہے، اور پھر غلام کوایک سال کی مہلت دی، اس کے بعد مریض مرگیا اور ورثہ نے اس عقد کی اجازت نہیں دی، تو مکاتب کو دو اختیار ہیں: یا تو اپنی پوری قیمت (دوہزار) کے دوثلث فی الحال ورثہ کوادا کردے، اور یا واپس غلام بن جائے، کیونکہ یہاں مریض نے دو تصرف کیے: ایک یہ کہ غلام کی قیمت دوہزار ہے، مگر اس نے کمی کرکے ایک ہزار پر مکاتب بنایا، لہٰذا اس کا یہ تصرف قیمت کی ایک تہائی تک صحیح ہے، باقی دوتہائی مکاتب پر لازم ہیں۔ اور دوسرا تصرف یہ کیا کہ غلام کوایک سال کی مہلت دی، لہٰذا یہ تصرف بھی ورثہ کے حق کی وجہ سے دوتہائی میں صحیح نہیں ہوگا، اس لئے دوتہائی فی الحال ادا کرنا لازم ہیں۔

⑫ حُرٌّ كَاتَبَ عَنْ عَبْدٍ بِأَلْفٍ، وَأَدّٰى: عَتَقَ⑬ فَإِنْ قَبِلَ الْعَبْدُ: فَهُوَ مُكَاتَبٌ ⑭ وَإِنْ كَاتَبَ الْحَاضِرُ وَالْغَائِبُ، وَقَبِلَ الْحَاضِرُ: صَحَّ⑮ وَأَيُّهُمَا أَدّٰى: عَتَقَا⑯ وَ لَا يَرْجِعُ عَلٰى صَاحِبِهٖ⑰ وَلَا يُؤْخَذُ الْغَائِبُ بِشَيْءٍ⑱ وَقَبُوْلُهٗ لَغْوٌ⑲ وَإِنْ كَاتَبَتِ الْأَمَةُ عَنْ نَفْسِهَا وَعَنِ ابْنَيْنِ صَغِيْرَيْنِ لَهَا: صَحَّ⑳ وَأَيٌّ أَدّٰى: لَمْ يَرْجِعْ.

ترجمہ: ایک آزاد شخص نے غلام کی طرف سے کتابت کی ہزار کے عوض، اور (ہزارکو) ادا کردیا، تو آزاد ہوجائے گا۔ اور اگر غلام نے قبول کیا تو وہ مکاتب ہوگا۔ اور اگر مکاتب کیا حاضر اور غائب کو، اور حاضر نے قبول کیا تو صحیح ہے۔ اور جس نے بھی ادا کردیا دونوں آزاد ہوں گے۔ اور (ادا کرنے والا) رجوع نہیں کرے گا اپنے ساتھی پر۔ اور نہیں پکڑا جائے گا غائب کو کسی بھی چیز میں۔ اور اس کا قبول کرنا لغو ہے۔ اور اگر باندی نے اپنی طرف سے کتابت کی، اور اپنے دو چھوٹے بیٹوں کی طرف سے، تو صحیح ہے۔ اور جس نے بھی ادا

کر دیا تو (دوسرے پر) رجوع نہ کرے۔

تشریح:

● حرٌ کاتب عن عبد بالف، واَدّی ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزاد شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنے غلام کو ہزار کے عوض مکاتب بناؤ، اس شرط پر کہ اگر میں نے ادا کر دیئے تو وہ آزاد ہوگا، مولیٰ نے شرط کے مطابق غلام کو مکاتب بنا دیا، اور پھر اُس شخص نے غلام کی طرف سے ہزار روپے مولیٰ کو ادا کر دیئے، تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہاں غلام کی آزادی کتابت کی وجہ سے نہیں ہوگی، کیونکہ اس کیلئے غلام کو قبول کرنا ضروری ہے، حالانکہ غلام نے قبول نہیں کیا، بلکہ شرط کی وجہ سے غلام آزاد ہوا، یعنی مولیٰ نے غلام کی آزادی کو ہزار روپے ادا کرنے کی شرط پر معلق کر دیا تھا، جب مولیٰ کو ہزار روپے ادا ہو گئے تو شرط پائی گئی جس کی وجہ سے غلام آزاد ہو گیا۔

● فان قبل العبد: فھو مکاتب: یعنی مذکورہ صورت میں اگر ہزار ادا کرنے سے پہلے غلام کو عقد کی خبر پہنچ گئی اور اس نے قبول کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا، کیونکہ آزاد شخص نے غلام کی طرف سے جو عقدِ کتابت کیا تھا وہ غلام کی اجازت پر موقوف تھا، اور جب غلام نے اجازت دے دی تو عقد صحیح ہو کر غلام مکاتب ہو گیا۔

● وان کاتب الحاضرَ والغائبَ، وقبل الحاضرُ ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ کے دو غلام ہیں: ایک حاضر دوسرا غائب، مولیٰ نے حاضر سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو ہزار کے عوض مکاتب بنا دیا ہے، حاضر نے اس کو قبول کر لیا، تو یہ عقد صحیح ہے، یعنی حاضر اور غائب دونوں مکاتب ہوئے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ غائب کے حق میں یہ عقد موقوف ہو، کیونکہ اس نے اجازت نہیں دی، مگر استحساناً اس کو صحیح قرار دیا گیا، کیونکہ عقدِ کتابت تبعاً بھی صحیح ہوتا ہے، مثلاً مولیٰ نے باندی کو مکاتبہ بنایا، تو اس کے پیٹ کا بچہ بھی تبعاً کتابت میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا یہاں بھی عقدِ کتابت اصل میں تو حاضر کے ساتھ ہوا، اور تبعاً غائب بھی اس میں داخل ہوا۔

● وایّھما اَدّی: عتقا: مذکورہ صورت میں حاضر اور غائب میں سے جو بھی بدلِ کتابت ادا کرے دونوں آزاد ہو جائیں گے، یعنی مولیٰ پر لازم ہے کہ بدلِ کتابت قبول کرے، کیونکہ دونوں کی آزادی کا عوض ہزار روپے کی ادائیگی ہے، تو جب مولیٰ کو عوض ملا تو مکاتبوں کو بھی عوض (آزادی) مل جائے گا۔

حاضر سے قبول کرنا تو اس لئے لازم ہے کہ حاضر ہی نے عقد کیا ہے، اور عاقد سے عوض قبول کرنا لازم ہے، ورنہ عقد پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور غائب سے قبول کرنا اس لئے لازم ہے کہ وہ اگر چہ عاقد تو نہیں ہے مگر چونکہ ادائیگی کے ساتھ اس کی آزادی بھی معلق ہے، لہٰذا وہ عاقد کے حکم میں ہو گیا، تو اس کا ادا کرنا جیسے عاقد خود ادا کرے۔

● ولا یرجع علی صاحبہ: یرجع میں ضمیر کا مرجع ''ادا کرنے والا'' ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں حاضر و غائب میں سے جو بھی مولیٰ کو بدلِ کتابت ادا کر دے دوسرے ساتھی پر رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اگر حاضر ادا کر دے تو اس نے اپنے عقد پر عمل کر کے اپنی ذمہ داری پوری کی، اور اپنی ذمہ داری پوری کر کے دوسرے پر رجوع نہیں کیا جا سکتا، اور اگر غائب ادا

کرے تو وہ متبرع ہو گیا، اور متبرع احسان کر کے بھی دوسرے پر رجوع نہیں کیا جا سکتا۔

۶۱ ولا يؤخذ الغائب بشيء: یعنی غائب غلام کو بدلِ کتابت میں نہیں پکڑا جائے گا، مولیٰ اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس نے نہ مولیٰ کے ساتھ عقد کیا ہے، اور نہ بدلِ کتابت اپنے اوپر لازم کر دیا ہے، وہ تو تبعاً کتابت میں داخل ہو گیا۔

۶۲ وقبوله لغو: یعنی غائب غلام کا عقد قبول کرنا یا رد کرنا بے فائدہ ہے، کیونکہ اس کے قبول کے بغیر عقد نافذ ہو گیا ہے، اب خواہ وہ قبول کرے یا رد کرے اس سے فرق نہیں پڑتا۔

۶۳ وإن كاتبت الأمةُ عن نفسها وعن ابنين ...إلخ: اگر کسی باندی نے مولیٰ سے کہا کہ مجھے اور میرے دو بچوں کو ہزار روپے کے عوض مکاتب بنا دو، مولیٰ نے ان تینوں کو مکاتب بنا دیا، تو یہ صحیح ہے، اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو مسئلہ نمبر (۳۸) میں بیان ہوئی۔

۶۴ وأيّ أدى: لم يرجع: یعنی باندی اور بچوں میں سے جو بھی بدلِ کتابت ادا کر دے دوسرے پر رجوع نہیں کر سکتا، دلیل مسئلہ نمبر (۴۰) میں بیان ہوئی۔

☆☆☆

﴿بَابُ كِتَابَةِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام كتابة العبد المشترك. یعنی یہ باب مشترک غلام کی کتابت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے غیر مشترک غلام کے احکام کا بیان تھا، یہاں سے مشترک غلام کے احکام بیان فرمائیں گے۔ چونکہ اصل یہ ہے کہ اشتراک نہ ہو اس لئے غیر مشترک کے احکام کو مقدم کیا اور مشترک کے احکام کو مؤخر کیا۔ اس باب میں کُل چودہ (۱۴) مسائل جمع کیے ہیں۔

۱ عَبْدٌ لَهُمَا، أَذِنَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُكَاتِبَ حَظَّهُ بِأَلْفٍ، وَيَقْبِضَ بَدَلَ الْكِتَابَةِ، فَكَاتَبَ، وَقَبَضَ بَعْضَهُ، فَعَجَزَ: فَالْمَقْبُوضُ لِلْقَابِضِ ۲ أَمَةٌ بَيْنَهُمَا كَاتَبَاهَا، فَوَطِئَهَا أَحَدُهُمَا، فَوَلَدَتْ، فَادَّعَاهُ، ثُمَّ وَطِئَ الْآخَرُ، فَوَلَدَتْ، فَادَّعَاهُ، فَعَجَزَتْ: فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ ۳ وَضَمِنَ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا، وَ نِصْفَ عُقْرِهَا ۴ وَضَمِنَ شَرِيكُهُ عُقْرَهَا، وَقِيمَةَ الْوَلَدِ ۵ وَهُوَ ابْنُهُ ۶ وَأَيٌّ دَفَعَ الْعُقْرَ إِلَى الْمُكَاتَبَةِ: صَحَّ.

ترجمہ: ایک غلام ہے دو (شریکوں) کیلئے، ان میں سے ایک نے اجازت دی اپنے ساتھی کو کہ وہ اپنا حصہ مکاتب کر دے

ہزار کے عوض اور بدلِ کتابت پر قبضہ کرے، پس اس نے مکاتب کر دیا اور بعض بدل قبض کر لیا، پھر (غلام) عاجز ہو گیا، تو مقبوض قابض کا ہے۔ ایک باندی ہے دو (شریکوں) کے درمیان، دونوں نے اس کو مکاتبہ بنایا، پھر ان میں سے ایک نے اس سے وطی کی، باندی نے بچہ جنا، پھر (واطی نے) بچے کا دعویٰ کیا، پھر دوسرے نے بھی وطی کی اور باندی نے (دوسرا) بچہ جنا، پھر اس نے بچے کا دعویٰ کیا، پھر (باندی) عاجز ہوئی، تو وہ اُم ولد ہے پہلے کیلئے۔ اور وہ ضمان دے اپنے شریک کو باندی کی نصف قیمت کا، اور اس کے نصف عُقر کا۔ اور اس کا شریک ضمان دے باندی کے عُقر کا اور بچے کی قیمت کا۔ اور (دوسرا) بچہ اس (دوسرے شریک) کا بیٹا ہے۔ اور جس نے بھی عُقر دیا مکاتبہ کو صحیح ہے۔

تشریح:

❶ **عبد لهما، أذن أحدهما لصاحبه أن .... إلخ:** صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک شریک نے دوسرے کو اجازت دی کہ تم اپنے حصے کو ہزار روپے کے عوض مکاتب بنا دو، اور بدلِ کتابت پر قبضہ بھی کرلو، وپس ماذون شریک نے اپنے حصے کو مکاتب بنا دیا، اور کچھ بدل پر قبضہ بھی کیا، اس کے بعد غلام بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا، تو اب حکم یہ ہے کہ غلام تو پہلے کی طرح دونوں شریکوں میں مشترک ہے، اور ماذون شریک نے بدلِ کتابت میں سے جس قدر پر قبضہ کیا ہے وہ اسی کا ہوگا، دوسرے شریک کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مقبوض بدلِ کتابت دونوں شریکوں کے مابین مشترک ہوگا۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عتق کی طرح کتابت بھی متجزی (ٹکڑے ٹکڑے) ہو سکتی ہے، لہٰذا جب ایک شریک نے اپنا حصہ مکاتب بنایا تو اس سے غلام کا دوسرا حصہ مکاتب نہیں بنتا، اور غلام جب ایک حصے کا بدل ادا کر دے تو وہ اسی شریک کا حق ہے جس نے اپنا حصہ مکاتب بنایا ہے، دوسرا شریک اس میں حقدار نہیں ہوگا۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عتق کی طرح کتابت بھی متجزی نہیں ہو سکتی، لہٰذا جب ایک شریک نے اپنا حصہ مکاتب بنایا تو سارا غلام مکاتب ہو گیا، اور بدلِ کتابت دونوں شریکوں میں مشترک ہوگا۔ عتق کے متجزی ہونے میں اختلاف **كتاب العتاق/باب العبد الذي يعتق بعضه** مسئلہ نمبر (۱) میں گزر چکا ہے۔

❷ **أمة بينهما كاتباها، فوطئها أحدهما، فولدت .... إلخ:** صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہے، دونوں نے اس کو مکاتبہ بنایا، پھر ایک شریک نے باندی سے وطی کی جس سے باندی کا بچہ پیدا ہوا، وطی کرنے والے نے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا کہ یہ مجھ سے ہے، تو اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے، کیونکہ اس کو باندی میں ملک حاصل ہے، لہٰذا بچہ اس کا بیٹا ہے اور باندی ایک حصہ میں اس کی اُم ولد ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرے شریک نے بھی باندی سے وطی کی اور باندی نے دوسرا بچہ جنا، اور دوسرے شریک نے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کیا، تو اس کا یہ دعویٰ بھی صحیح ہے، کیونکہ اس کو بھی باندی میں ملک حاصل ہے۔ اس کے بعد باندی بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گئی، تو اب حکم یہ ہوگا کہ باندی مکمل طور پر پہلے شریک کی اُم ولد ہو گئی، کیونکہ پہلے باندی مکاتبہ تھی، اور

مکاتبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ ایک شخص کی ملک سے دوسرے شخص کی ملک میں منتقل نہیں ہوسکتی، اس لئے ہم نے کہا کہ پہلے شریک نے جب وطی کرکے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو باندی صرف ایک حصہ میں اس کی اُم ولد بن گئی، باندی کا دوسرا حصہ دوسرے شریک کا مکاتب ہے، لیکن بعد میں جب باندی کتابت سے عاجز ہوگئی تو کتابت ختم ہوکر کالعدم ہوئی، اس لئے اب باندی دوسرے شخص کی ملک میں منتقل ہوسکتی ہے، لہٰذا باندی کا دوسرا حصہ بھی پہلے شریک کی ملک میں منتقل ہوکر مکمل باندی اس کی اُم ولد ہوگئی۔

❸ وضمن لشريكه نصف قيمتها، ونصف عقرها: ضمن میں ضمیر، اور «ہ» کا مرجع اول ہے۔یعنی مذکورہ صورت میں پہلا شریک دوسرے شریک کو باندی کے آدھے حصہ کی قیمت ادا کرے، کیونکہ دوسرے شریک کا حصہ بھی پہلے کی ملک میں منتقل ہوگیا، لہٰذا پہلا شریک اس کے حصے کی قیمت ادا کردے، اور پہلا شریک باندی کا نصف عُقر (وطی کا آدھا تاوان) بھی دوسرے شریک کو ادا کردے، کیونکہ اس نے مشترک باندی سے وطی کی ہے۔

❹ وضمن شريكُهٗ عقرها، وقيمةَ الولد: «ہٗ» کا مرجع اول ہے۔حاصل یہ ہے کہ پہلے شریک کا شریک (یعنی دوسرا شریک) پہلے شریک کو پورے عُقر کا تاوان دے، کیونکہ اس نے دوسرے کی اُم ولد سے وطی کی ہے، یعنی باندی پہلے شریک کی اُم ولد بن چکی اس کے بعد دوسرے شریک نے اس سے وطی کی، اور دوسرے کی اُم ولد سے وطی کرنے سے پورا عُقر دینا پڑے گا۔اور باندی کا دوسرا بچہ دوسرے شریک کا بیٹا ہوگا، اور دوسرے شریک پر لازم ہے کہ پہلے شریک کو اس بچے کی قیمت بھی ادا کردے، کیونکہ دوسرا شریک مغرور ہے، یعنی اس کو دھوکا ہوا کہ باندی میری ملک ہے اور میرے لئے وطی جائز ہے، حالانکہ باندی پہلے شریک کی ہوچکی تھی، اور مغرور شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کا حقدار ہوگا، اور اس پر لازم ہے کہ باندی کے مالک کو بچے کی قیمت ادا کردے۔

❺ وهو ابنه: یعنی باندی کا دوسرا بچہ دوسرے شریک کا بیٹا ہوگا، کیونکہ اس نے دھوکے میں باندی سے وطی کی، اور مغرور اپنے بیٹے کا حقدار ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کی قیمت ادا کرے۔

❻ وأيّ دفع العقرَ إلى المكاتبة: صحّ: یعنی مسئلہ نمبر (۲) کی صورت میں جب تک باندی بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز نہ ہوئی ہو، اور اس کی کتابت برقرار ہو، تو شریکوں میں سے جو بھی مکاتبہ کو وطی کا تاوان (عقر) دے تو صحیح ہے، کیونکہ کتابت کی وجہ سے باندی خود مختار ہوگئی ہے، لہٰذا شریکوں میں سے جو بھی اُس سے وطی کرتا ہے وہ باندی پر تجاوز کرتا ہے، اور تجاوز کا تاوان دینا ضروری ہے، جیسا کہ کتاب المکاتب مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا۔

> ❼ وَإِنْ دَبَّرَ الثَّانِي، وَلَمْ يَطَأْهَا، فَعَجَزَتْ: بَطَلَ التَّدْبِيرُ❽ وَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ
> ❾ وَضَمِنَ لِشَرِيكِهٖ نِصْفَ قِيْمَتِهَا، وَنِصْفَ عُقْرِهَا❿ وَالْوَلَدُ لِلْأَوَّلِ.

ترجمہ: اور اگر دوسرے (شریک) نے مدبرہ بنایا اور اس سے وطی نہیں کی، پھر عاجز ہوگئی، تو تدبیر باطل ہوئی۔اور باندی

اُم ولد ہے پہلے کیلئے۔ اور (پہلا) ضمان دے اپنے شریک کو باندی کی نصف قیمت کا، اور اس کے نصف عُقر کا۔ اور بچہ پہلے کا ہے۔

تشریح:

⑦ وإن دبّر الثاني، ولم يطأها......إلخ: یعنی مسئلہ نمبر (۴) کی صورت میں کہ پہلا شریک وطی کر کے بچے کا دعویٰ کرلے، اگر دوسرا شریک باندی کو مدبرہ بنادے، اس سے وطی نہ کرے، اور پھر باندی بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوجائے، تو دوسرے شریک کی تدبیر باطل ہوگئی، کیونکہ مسئلہ نمبر (۲) میں ثابت ہوا کہ باندی کا عاجز ہوتے ہی مکمل طور پر پہلے شریک کی اُم ولد بن گئی، جس کی وجہ سے دوسرے شریک کی ملکیت ختم ہوجائے گی، اور ملکیت ختم ہونے سے لازماً اس کی تدبیر بھی ختم ہوجائے گی۔

⑧ وهي أم ولد للأول: مذکورہ صورت میں باندی مکمل طور پر پہلے شریک کی اُم ولد ہوجائے گی، کیونکہ اسی نے باندی سے وطی کرکے اس سے بچہ جنوایا ہے۔

⑨ وضمن لشريكه نصف قيمتها، ونصف عقرها: جب باندی مکمل طور پر پہلے شریک کی ملک میں منتقل ہوکر اس کی اُم ولد بن گئی تو اب پہلے شریک پر لازم ہے کہ اپنے دوسرے شریک کو باندی کی نصف قیمت اور اس کے نصف عُقر کا ضمان ادا کرے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا۔

⑩ والولد للأول: مذکورہ صورت میں باندی کا جو بچہ ہوا ہے وہ پہلے شریک کا ہوگا، کیونکہ ملکیت قائم ہونے کی وجہ سے اس کا دعویٰ صحیح مانا گیا تھا، اور دوسرے شریک نے نہ وطی کی ہے اور نہ بچے کا دعویٰ کیا ہے، لہٰذا لازماً بچہ پہلے شریک ہی کا ہوگا۔

⑪ وَإِنْ كَاتَبَاهَا، فَحَرَّرَهَا أَحَدُهُمَا مُوسِرًا، فَعَجَزَتْ: ضَمِنَ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا ⑫ وَرَجَعَ بِهِ عَلَيْهَا ⑬ عَبْدٌ لَهُمَا دَبَّرَهُ أَحَدُهُمَا، ثُمَّ حَرَّرَهُ الْآخَرُ مُوسِرًا: لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ نِصْفَ قِيمَتِهِ ⑭ وَإِنْ حَرَّرَهُ أَحَدُهُمَا، ثُمَّ دَبَّرَهُ الْآخَرُ: لَا يُضَمِّنُ الْمُعْتِقَ.

ترجمہ: اور اگر دونوں (شریکوں) نے باندی کو مکاتبہ بنایا، پھر ان دونوں میں سے ایک نے آزاد کردیا مالدار ہوتے ہوئے، پھر عاجز ہوگئی، تو (آزاد کرنے والا) ضمان دے اپنے شریک کو باندی کی نصف قیمت کا۔ اور رجوع کرے اس کے بارے میں باندی پر۔ ایک غلام ہے دو (شریکوں) کا، ان میں سے ایک نے مدبر بنایا، پھر دوسرے نے آزاد کردیا مالدار ہوتے ہوئے، تو مدبر کرنے والے کا حق ہے کہ ضمان لے آزاد کرنے والے سے غلام کی نصف قیمت کا۔ اور اگر آزاد کیا ان میں سے ایک نے، پھر اس کو مدبر بنایا دوسرے نے، تو ضمان نہ لے آزاد کرنے والے سے۔

تشریح: ⑪ وإن كاتباها، فحرّرها أحدهما.....إلخ: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ دو شریکوں نے مل کر باندی کو مکاتبہ

بنایا، پھر ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ مالدار ہے، اس کے بعد باندی بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگئی، تو آزاد کرنے والا دوسرے شریک کو باندی کی نصف قیمت کا تاوان دے، کیونکہ یہ بات پہلے بیان ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عتق اور کتابت دونوں متجزی ہوسکتے ہیں، تو آزاد کرنے والے نے جب اپنا حصہ آزاد کر دیا تو صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے دوسرے شریک کے حصے میں کوئی فساد نہیں آتا، وہ حصہ اب بھی مکاتب ہے، مگر جب باندی کتابت سے عاجز ہوگئی تو دوسرے شریک کے حصے میں فساد آگیا، اس لئے اس کو اختیار حاصل ہے کہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو اس سے اپنے حصے (یعنی نصف قیمت) کا تاوان لے لے۔

اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو دوسرا شریک اس سے تاوان نہیں لے سکتا، بلکہ یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے، یا غلام سے کمائی کروائے۔ تفصیل كتاب العتاق/باب العبد الذي يعتق بعضه مسئلہ نمبر (۴) میں گزر گئی ہے۔

⑫ ورجع به عليها: یعنی مذکورہ صورت میں جب دوسرے شریک نے آزاد کرنے والے سے نصف قیمت کا ضمان لے لیا، تو اس کے بعد آزاد کرنے والا باندی پر رجوع کر کے وہ نصف قیمت اس سے وصول کر لے، کیونکہ اس کا فائدہ بالآخر باندی ہی کو ملا، کہ وہ آزاد ہوگئی، لہٰذا وہ تاوان بھی بھرے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: كتاب العتاق/باب العبد الذي يعتق بعضه مسئلہ نمبر (۵)۔

⑬ عبد لهما، دبّره أحدهما، ثم حرّره الآخرُ موسرا ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک نے غلام کو مدبر بنایا، اس کے بعد دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اور آزاد کرنے والا مالدار ہے، تو مدبر کرنے والا آزاد کرنے والے سے نصف قیمت کا تاوان لے لے، کیونکہ آزاد کرنے والے نے جب اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس نے مدبر کرنے والے کا حصہ بھی فاسد① کر دیا، لہٰذا مدبر کرنے والا اپنے حصہ (نصف قیمت) کا تاوان اس سے لے سکتا ہے۔

اگر آزاد کرنے والا فقیر ہو تو مدبر کرنے والا اس سے تاوان نہیں لے سکتا، بلکہ یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے، یا غلام سے کمائی کرا کر نصف قیمت اس سے وصول کر لے۔

⑭ وإن حرّره أحدهما، ثم دبّر الآخرُ: لا يضمّن المعتقَ: اگر مذکورہ صورت کے برعکس پہلے ایک شریک نے غلام کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد دوسرے شریک مدبر بنایا تو مدبر کرنے والا آزاد کرنے والے سے کوئی ضمان نہیں لے سکتا، کیونکہ مدبر کرنے والے نے خود اپنا حصہ خراب کر دیا۔ ہاں! اگر وہ اپنا حصہ مدبر نہ بناتا تو آزاد کرنے والے سے تاوان لے سکتا۔ اب مدبر کرنے والے کو دو اختیار ہیں: یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے، اور یا غلام سے مزدوری کروا کر اس سے نصف قیمت وصول کر لے۔

والله أعلم بالصواب

☆☆☆

---

① مدبر کرنے والے کا حصہ اس لئے فاسد ہوگیا کہ وہ غلام سے خدمت بھی لے سکتا تھا، اور اس سے مزدوری کروا کر پیسہ بھی کما سکتا تھا، مگر آزاد کرنے والے نے جب اپنا حصہ آزاد کر دیا اب غلام خود مختار ہوگیا مکاتب کی طرح، نہ اس سے کوئی خدمت لے سکتا ہے اور نہ مزدوری کروا سکتا ہے۔

﴿بَابُ مَوْتِ الْمُكَاتَبِ، وَعَجْزِهِ، وَمَوْتِ الْمَوْلٰى﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام موت المكاتب، وعجزه، وموت المولى. یعنی یہ باب مکاتب کی موت، اس کے عاجز ہونے اور مولیٰ کی موت کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے اس باب کو کتاب المکاتب کے آخر میں لایا، کیونکہ مکاتب کی موت، اس کا عاجز ہونا اور مولیٰ کی موت عقدِ کتابت کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ اس باب میں تیئیس (۲۳) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① مُكَاتَبٌ عَجَزَ عَنْ نَجْمٍ، وَلَهُ مَالٌ سَيَصِلُ: لَمْ يُعَجِّزْهُ الْحَاكِمُ إِلٰى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ② وَ إِلَّا: عَجَّزَهُ، وَفَسَخَهَا ③ أَوْ سَيِّدُهُ بِرِضَاهُ ④ وَعَادَ إِلٰى أَحْكَامِ الرِّقِ ⑤ وَمَا فِي يَدِهِ لِسَيِّدِهِ ⑥ وَإِنْ مَاتَ، وَلَهُ مَالٌ: لَمْ تُفْسَخْ ⑦ وَتُؤَدّٰى كِتَابَتُهُ مِنْ مَالِهِ ⑧ وَحُكِمَ بِعِتْقِهِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ.

ترجمہ: کوئی مکاتب عاجز ہوگیا قسط (ادا کرنے) سے، اور اس کیلئے مال ہے جو عنقریب مل جائے گا، تو قاضی اس کو عاجز قرار نہیں دے گا تین دن تک۔ ورنہ اس کو عاجز قرار دے، اور کتابت کو فسخ کردے۔ یا اس کا مولیٰ (اس کو عاجز قرار دے) اس کی رضامندی سے۔ اور (وہ) لوٹ آئے گا غلامی کے احکام کی طرف۔ اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہوگا۔ اور اگر (مکاتب) مر گیا اور اس کا مال ہے، تو (کتابت کو) فسخ نہیں کیا جائے گا۔ اور ادا کردیا جائے گا اس کے (بدلِ) کتابت کو اس کے مال سے۔ اور فیصلہ کیا جائے گا اس کی آزادی کا اس کی زندگی کے آخر میں۔

تشریح:

① مكاتب عجز عن نجم، وله مال سيصل ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے غلام کو قسط وار بدلِ کتابت پر مکاتب بنایا، اور پھر مکاتب کوئی قسط وقت پر ادا کرنے سے عاجز ہوگیا، مگر اس کے پاس عنقریب مال پہنچنے کی امید ہے، جس سے وہ قسط ادا کرسکتا ہے، تو قاضی اس کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے، بلکہ اس کو تین دن کی مہلت دے، اگر تین دن تک مکاتب کو مال مل گیا اور اس نے قسط ادا کردی تو ٹھیک، ورنہ اس کے بعد قاضی اس کو عاجز ہونے کا فیصلہ کردے۔

مہلت دینے میں مولیٰ اور مکاتب دونوں کا فائدہ ہے، اور تین دن ایسی مہلت ہے جو عام معاملات میں انسانوں کے عذر کیلئے شریعت نے مقرر کی ہے، لہٰذا اس سے زیادہ مہلت نہیں دی جائے گی۔

② وإلّا عجّزه، وفسخها: أي: وإن لايكن له المال: عجّزه.... اگر مکاتب ایک قسط ادا کرنے سے

عاجز ہوجائے اوراس کے پاس عنقریب مال پہنچنے کی کوئی امید نہ ہو، تو قاضی اس کو عاجز قرار دے کر کتابت کو فسخ کردے۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مزید انتظار کرنے میں مولیٰ کا نقصان ہے۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی ایک مکاتبہ باندی ایک قسط بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کو غلامی میں واپس لوٹا دیا۔[ہدایہ]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مکاتب لگاتار دو قسطوں سے عاجز نہ ہوجائے اس وقت تک قاضی اُسے عاجز نہ قرار دے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکاتب پر دو قسطیں جمع ہوجائیں تو اس کو غلامی میں لوٹایا جائے۔[ہدایہ] معلوم ہوا کہ ایک قسط ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے عاجز ہونے اور کتابت کو فسخ کرنے کا فیصلہ نہیں ہوگا۔

③ أو سيده برضاه: أي: عجزه سيده برضاه. «ہٗ» کا مرجع مکاتب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مکاتب جب ایک قسط ادا کرنے سے عاجز ہوجائے اوراس کے پاس مال پہنچنے کی امید بھی نہ ہو، تو قاضی اس کو عاجز قرار دے کر کتابت فسخ کردے، یا مولیٰ اس کی رضامندی سے اس کو عاجز قرار دے کر کتابت فسخ کردے، کیونکہ مولیٰ کتابت کو مکاتب کی رضامندی سے بغیر کسی عذر کے بھی فسخ کرسکتا ہے، تو عذر کی وجہ سے بطریق اولیٰ فسخ کرسکتا ہے۔

④ وعاد إلى أحكام الرق: جب مکاتب بدلِ کتاب سے عاجز ہوکر اس کی کتابت فسخ ہوجائے، تو وہ واپس غلامی کے احکام کی طرف لوٹے گا، کیونکہ اس کو کتابت کی وجہ سے خود مختاری ملی تھی، اور جب کتابت منسوخ ہوگئی تو واپس غلام ہوکر پابند ہوگیا۔

⑤ وما في يده لسيده: جب کتابت فسخ ہوگئی تو مکاتب کے ہاتھ میں جو کچھ مال ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہوگا، کیونکہ غلام کو خواہ کسی بھی طریقے سے مال حاصل ہوجائے وہ اس کے مولیٰ کی ملک ہے۔

⑥ وإن مات، وله مال: لم تُفسخ: مسئلہ یہ ہے اگر مکاتب بدلِ کتاب ادا کرنے سے پہلے مرگیا اوراس نے اس قدر مال چھوڑا ہے جس سے بدلِ کتابت کو ادا کیا جاسکتا ہے، تو کتابت کو فسخ نہیں کیا جائے گا، یعنی وہ غلامی کی حالت میں نہیں مرا، بلکہ آزاد ہوکر مرا ہے، کیونکہ کتابت عقدِ معاوضہ ہے، اور ایسا عقد عاقد کی موت سے فسخ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ مرجائے تو کتابت فسخ نہیں ہوگی، لہٰذا مکاتب کی موت سے بھی فسخ نہیں ہوگی۔

⑦ وتؤدّى كتابته من ماله: یعنی مذکورہ صورت میں مکاتب کی موت کے بعد اس کا بدلِ کتابت اس کے مال سے ادا کیا جائے گا، کیونکہ کتابت عقدِ معاوضہ ہے، تو جب مکاتب کو عوض (آزادی) مل گیا تو مولیٰ کو بھی عوض (بدلِ کتابت) ملنا چاہیے۔

⑧ وحكم بعتقه في آخر حياته: مذکورہ صورت میں مکاتب کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا، گویا مکاتب نے اپنی زندگی کے آخری منٹ میں مولیٰ کو بدلِ کتابت ادا کرکے آزادی حاصل کی، کیونکہ بدلِ کتابت اگرچہ مکاتب کی موت کے بعد ادا کیا گیا، مگر اس کی نسبت مکاتب کی زندگی کی طرف ہوگی، اور زندگی میں آخری جزء سب سے قریب اور متعین ہے، گویا اسی جزء میں بدلِ کتابت ادا کرکے آزادی حاصل کی۔

⑨ وَإِنْ تَرَكَ وَلَدًا وُلِدَ فِي كِتَابَتِهِ، لَا وَفَاءً: سَعَى كَأَبِيهِ عَلَى نُجُومِهِ ⑩ فَإِذَا أَدَّى: حُكِمَ بِعِتْقِهِ، وَعِتْقِ أَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ⑪ وَلَوْ تَرَكَ وَلَدًا مُشْتَرًى: عَجَّلَ الْبَدَلَ حَالًّا، أَوْ رُدَّ رَقِيقًا ⑫ فَإِنِ اشْتَرَى ابْنَهُ، فَمَاتَ، وَتَرَكَ وَفَاءً: وَرِثَهُ ابْنُهُ ⑬ وَكَذَا لَوْ كَانَ هُوَ وَابْنُهُ مُكَاتَبَيْنِ كِتَابَةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور اگر (مکاتب نے) بچہ چھوڑا جو پیدا ہوا تھا اس کی کتابت میں، اور پورا بدلِ کتابت نہیں (چھوڑا) تو (بچہ) کمائی کرے جیسے اس کا باپ، اس کی قسطوں کے مطابق۔ تو جب (بچے نے بدلِ کتابت) ادا کردیا تو فیصلہ کیا جائے گا اس کی آزادی کا، اور اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے۔ اور اگر بچہ چھوڑا خریدا ہوا، تو وہ جلدی بدلِ کتابت ادا کردے فی الحال، اور یا لوٹایا جائے گا غلام ہوکر۔ اور اگر اپنا بیٹا خریدا، پھر مر گیا اور پورا بدلِ کتابت چھوڑا، تو اس کا وارث ہوگا اس کا بیٹا۔ اور اسی طرح (حکم ہے) اگر مکاتب اور اس کا بیٹا دونوں مکاتب ہوں ایک عقدِ کتابت میں۔

تشریح:

⑨ وإن ترک ولدا وُلد في كتابته، لا وفاءً ....إلخ: أي: لا يترک وفاءً. مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب حالتِ کتابت میں مر گیا، اور اس نے پورا بدلِ کتابت نہیں چھوڑا، البتہ ایک بچہ چھوڑا جو حالتِ کتابت ہی میں پیدا ہوا ہے، تو اب حکم یہ ہے کہ وہ بچہ اپنے باپ کی طرح کمائی کرکے مقررہ قسطوں کے مطابق بدلِ کتابت ادا کرے، کیونکہ پہلے ثابت ہوگیا ہے کہ مکاتب کا بچہ بھی اس کے ساتھ کتابت میں داخل ہے، لہٰذا مکاتب جب مر کر بدلِ کتابت ادا نہ کرسکے تو اس کا بچہ بدلِ کتابت ادا کرے۔

حاصل یہ کہ مکاتب کو جو مہلت ملی تھی وہ اس کے بچے کو بھی ملے گی، لہٰذا بچے پر لازم نہیں ہے کہ فی الحال بدلِ کتابت ادا کرے۔

⑩ فإذا أدّى: حكم بعتقه، وعتقِ أبيه قبل موته: یعنی مذکورہ صورت میں اگر بچے نے اپنے باپ (مکاتب) کا بدلِ کتاب ادا کردیا تو بچے کی آزادی کا فیصلہ بھی کیا جائے گا، اور موت سے پہلے زندگی کے آخری جزء میں اس کے باپ (مکاتب) کی آزادی کا فیصلہ بھی کیا جائے گا، کیونکہ پہلے بیان ہوا کہ بچہ اپنے باپ کی کتابت میں داخل ہے، تو بچے کی کمائی باپ کی کمائی کی طرح ہے، لہٰذا ایسا ہوا جیسے مکاتب نے مال چھوڑا ہو، جس کا حکم مسئلہ نمبر (۶ - ۷) میں بیان ہوا۔

⑪ ولو ترک ولدا مشترًى: عجّل البدل حالًّا ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے کسی اجنبیہ باندی سے نکاح کیا جس سے مکاتب کا بچہ پیدا ہوا، تو ظاہر ہے کہ یہ بچہ باندی کے مولیٰ کا غلام ہے، اس کے بعد مکاتب نے اپنا وہ بچہ خرید لیا اور پھر مر گیا اور کوئی مال نہیں چھوڑا، تو اب بچے سے کہا جائے گا کہ یا تو جلد از جلد فی الحال بدلِ کتابت ادا کرکے آزاد ہوجائے، ورنہ اس کو غلامی میں لوٹایا جائے گا۔ حاصل یہ کہ مکاتب کو جو مہلت ملی تھی وہ اس کے بچے کو نہیں ملے گی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مشتری (خریدے گئے) بچے کا وہی حکم ہے جو مولود (حالتِ کتابت میں جنے ہوئے) بچے کا تھا، لہٰذا جس طرح مولود بچے کو مہلت ملتی ہے تاکہ مقررہ قسطوں کے مطابق وائیگی کرے، اسی طرح مشتری بچے کو بھی مہلت ملے گی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں باپ کی کتابت میں داخل ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے، کیونکہ مولود بچہ کتابت کے وقت باپ کے ساتھ متصل تھا، لہٰذا باپ کو جو مہلت ملے وہ تبعاً بچے کو بھی ملے گی، جبکہ مشتری بچہ دوسرے کی ملک میں تھا، اپنے باپ سے الگ تھا، لہٰذا باپ کی مہلت اس کو نہیں ملے گی۔

⑫ فإن اشترى ابنه، فمات، وترک وفاءً: ورثه ابنه: اگر مکاتب نے اپنا بچہ خریدا اور پھر بدلِ کتابت چھوڑ کر مر گیا، تو بچہ اپنے باپ کا وارث ہوگا، کیونکہ مکاتب زندگی کے آخری لمحے میں آزاد ہو گیا ہے (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۸) میں بیان ہوا) لہٰذا تبعاً بچہ بھی آزاد ہو گیا، اور ظاہر ہے کہ آزاد بچہ اپنے آزاد باپ کا وارث بن جاتا ہے۔

⑬ وكذا لو كان هو وابنه مكاتبين كتابة واحدة: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کر دیا، جس سے غلام کا بیٹا پیدا ہوا، پھر مولیٰ نے باپ اور بیٹے دونوں کو ایک عقد میں مکاتب بنایا، اور پھر باپ بدلِ کتاب چھوڑ کر مر گیا، تو ماقبل مسئلے کی طرح یہاں بھی بچہ باپ کا وارث ہوگا، کیونکہ باپ زندگی کے آخر میں آزاد ہو گیا ہے، اور تبعاً بیٹا بھی آزاد ہو گیا۔

⑭ وَلَوْ تَرَكَ وَلَدًا مِنْ حُرَّةٍ، وَدَيْنًا فِيهِ وَفَاءٌ بِمُكَاتَبَتِهِ، فَجَنَى الْوَلَدُ، فَقُضِيَ بِهِ عَلَى عَاقِلَةِ الْأُمِّ: لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ قَضَاءً بِعَجْزِ الْمُكَاتَبِ ⑮ وَإِنْ اخْتَصَمَ مَوَالِي الْأُمِّ وَالْأَبِ فِي وَلَائِهِ، فَقُضِيَ بِهِ لِمَوَالِي الْأُمِّ: فَهُوَ قَضَاءٌ بِالْعَجْزِ.

ترجمہ: اور اگر (مکاتب نے) بچہ چھوڑا آزاد عورت سے، اور دین (چھوڑا) جس میں پورا بدل ہے اس کی کتابت کا، پھر بچے نے جنایت کی، اور فیصلہ کیا گیا اس (کے تاوان) کا ماں کے عاقلہ پر، تو یہ فیصلہ نہیں ہے مکاتب کے عاجز ہونے کا۔ اور اگر جھگڑا کیا ماں اور باپ کے موالی نے بچے کی ولاء میں، پھر اس کا فیصلہ ہوا ماں کے موالی کیلئے، تو یہ فیصلہ ہے (مکاتب کے) عاجز ہونے کا۔

تشریح:

⑭ ولو ترک ولدا من حرّة، ودينا فيه ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا جس سے بچہ پیدا ہوا، پھر بچہ چھوڑ کر مکاتب مر گیا، اور اس نے لوگوں پر اس قدر دین[1] بھی چھوڑا جس سے پورا بدلِ کتابت ادا ہو جاتا

---

① اس میں نکتہ یہ ہے کہ مکاتب نے عین مال نہیں چھوڑا، دین چھوڑا ہے، لہٰذا فی الحال اس کو آزاد نہیں سمجھا جاتا، بلکہ دین وصول کر کے مولیٰ کو بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد اس کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر مکاتب نے عین مال چھوڑا ہو تو زندگی کے آخری لمحے میں اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۸) میں بیان ہوا۔

ہے، اس کے بعد بچے نے جنایت کر کے کسی کو خطاءً قتل کر دیا، قاضی نے اس کی دیت کا فیصلہ ماں کے عاقلہ① پر کیا، تو قاضی کا یہ فیصلہ مکاتب کے عاجز ہونے کا فیصلہ نہیں ہے، یعنی اس فیصلے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکاتب عاجز ہو کر اس کی کتابت منسوخ ہو جائے، کیونکہ عقدِ کتابت خود اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بچہ اپنی آزاد ماں کی طرف چلا جائے، اور اس کی دیت کا فیصلہ ماں کے عاقلہ پر ہو جائے، تو قاضی کا اس طرح فیصلہ کرنا عقدِ کتابت کو منسوخ کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کو اور مقرر و مضبوط کرنا ہے۔

⑮ وإن اختصم موالي الأم والأب في ولائه، فقضي ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا جس سے بچہ پیدا ہوا، پھر مکاتب مر گیا اور اس قدر دین چھوڑا جس سے بدلِ کتابت ادا ہو سکتا ہے، اس کے بعد بچہ بھی مر گیا اور پھر بچے کی ماں کے موالی② اور اس کے باپ (مکاتب) کے موالی کے درمیان اختلاف ہو گیا، ماں کے موالی کہتے ہیں کہ بچے کا باپ غلامی کی حالت میں مرا ہے③، لہٰذا بچے کی ولاء (رشتہ داری) آزاد ماں کی طرف جائے گی، اس لئے بچے کے وارث ہم ہیں، اور باپ کے موالی کہتے ہیں کہ بچے کا باپ آزاد ہو کر مرا ہے④، لہٰذا بچے کی ولاء باپ کی طرف ہو کر ہم اس کے وارث ہوں گے۔

اس اختلاف کے بعد قاضی نے بچے کی ولاء کا فیصلہ ماں کے موالی کیلئے کیا، تو قاضی کا یہ فیصلہ مکاتب کے عاجز ہونے کا فیصلہ ہے، یعنی اس فیصلے سے یہ بات لازم ہوئی کہ مکاتب بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا، لہٰذا اس کی کتابت فسخ ہو کر وہ غلامی کی حالت میں مرا ہے⑤۔ وجہ یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ عقدِ کتابت کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے⑥، کیونکہ عقدِ کتابت کا تقاضا یہ ہے کہ مکاتب آزاد ہو کر مرا ہو، کیونکہ اس نے دین کی صورت میں بدلِ کتابت چھوڑ دیا ہے، لہٰذا بچے کی ولاء باپ کی طرف ہوگی، لیکن قاضی نے جب اس کے خلاف ولاء کا فیصلہ ماں کے موالی کیلئے کر دیا تو معلوم ہوا کہ کتابت منسوخ ہو کر مکاتب غلامی کی حالت میں مرا ہے۔

> ⑯ وَمَا أَدَّى الْمُكَاتَبُ مِنَ الصَّدَقَاتِ، وَعَجَزَ: طَابَ لِسَيِّدِهِ ⑰ وَإِنْ جَنَى عَبْدٌ، فَكَاتَبَهُ سَيِّدُهُ جَاهِلًا بِهَا، فَعَجَزَ: دَفَعَ، أَوْ فَدَى ⑱ وَكَذَا إِنْ جَنَى مُكَاتَبٌ، وَلَمْ يُقْضَ بِهِ، فَعَجَزَ ⑲ فَإِنْ قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِ فِي كِتَابَتِهِ، فَعَجَزَ: فَهُوَ دَيْنٌ بِيعَ فِيهِ.

ترجمہ: اور مکاتب نے جو کچھ ادا کیا ہے صدقات میں سے اور (پھر) عاجز ہو گیا، تو (وہ صدقات) پاک ہیں اس کے مولیٰ

---

① عاقلہ وہ رشتہ دار ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں، یعنی باپ کی طرف سے عصبہ رشتہ دار، جیسے چچا اور اس کے بیٹے، بھائی اور اس کے بیٹے۔ کتاب المعاقل میں پوری تفصیل آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ② موالی جمع ہے مولیٰ کی، بمعنی آزاد کرنے والا۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی ماں بھی پہلے باندی تھی، بعد میں مولیٰ نے اُسے آزاد کر دیا۔ ③ کیونکہ اس نے نقد مال نہیں چھوڑا ہے جس سے بدلِ کتابت کو ادا کیا جا سکے، بلکہ دین چھوڑا ہے، اور اس سے فی الحال بدلِ کتابت ادا نہیں کیا جا سکتا۔
④ کیونکہ اس نے جو بدلِ کتابت چھوڑا ہے وہ اگر چہ دین ہے مگر دین کو وصول کر کے اس سے بدلِ کتابت کو ادا کیا جا سکتا ہے۔ ⑤ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکاتب نے جو دین چھوڑا ہے وہ مولیٰ کا ہوگا، بچے کو میراث میں نہیں ملے گا۔ ⑥ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب قاضی کا فیصلہ عقدِ کتابت کے خلاف ہے تو وہ غلط فیصلہ ہے، اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں مکاتب کا آزاد ہو کر مرنا یا غلام ہو کر مرنا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور اجتہادی مسئلہ میں قاضی جس طرف فیصلہ کرے صحیح ہوگا۔

کیلئے۔ اور اگر غلام نے جنایت کی، پھر اس کو مکاتب بنایا اس کے مولیٰ نے، جنایت سے بے خبر ہوکر، پھر عاجز ہوگیا، تو (مولیٰ غلام) دیدے، یا فدیہ دے۔ اور اسی طرح (حکم ہے) اگر مکاتب نے جنایت کی اور تاوان کا فیصلہ نہیں ہوا، پھر عاجز ہوگیا۔ اور اگر تاوان کا فیصلہ اس پر ہوگیا اس کی کتابت (کی حالت) میں، پھر عاجز ہوگیا، تو وہ دین ہوگا، جس میں (مکاتب کو) فروخت کیا جائے گا۔

تشریح:

⑯ وما أدّى المكاتب من الصدقات ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکاتب لوگوں سے صدقات (زکوۃ وغیرہ) وصول کرکے مولیٰ کو بدل کتابت میں دیتا رہا، حالانکہ مولیٰ ایسا شخص ہے، جس کیلئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، پھر مکاتب عاجز ہوگیا،[①] تو مولیٰ نے جو مال لیا ہے وہ اس کیلئے پاک اور جائز ہے، کیونکہ یہاں ملکیت تبدیل ہوگئی ہے، کہ پہلے صدقہ کا مال مکاتب کی ملک میں آیا اور اس کے بعد مولیٰ کی ملک میں آیا، اور ملکیت تبدیل ہوتا ایسا ہے جیسے وہ مال ہی تبدیل ہوگیا، گویا مولیٰ نے صدقہ کے مال کے علاوہ دوسرا مال وصول کیا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا[②] مکاتبہ تھیں، ان کو صدقہ میں گوشت ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نہیں لیتے تھے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گوشت بریرہ کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہبہ ہے۔ [بخاری]

⑰ وإن جنى عبد، فكاتبه سيده جاهلا بها....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غلام نے جنایت کرکے کسی کو نقصان پہنچایا، مولیٰ کو جنایت کا علم نہیں ہوا اور اس نے غلام کو مکاتب بنایا، پھر غلام عاجز ہوگیا، تو اب مولیٰ کو دو اختیار ہیں یا تو جنایت کے تاوان میں وہی غلام دے دے، یا جنایت کے تاوان کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کرے۔

اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ غلام جب جنایت کرے تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ یا غلام دے یا تاوان کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کرے۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب مولیٰ کو غلام کی جنایت کا علم ہوجائے اور پھر وہ غلام کو مکاتب کردے یا آزاد کردے، تو مولیٰ کا اختیار ختم ہوجائے گا، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ جنایت کا فدیہ ادا کردے، کیونکہ اس نے علم کے باجود غلام کو مکاتب بنا کر خود اپنا اختیار ختم کردیا۔ صورت مسئلہ میں چونکہ مولیٰ نے لاعلمی میں غلام کو مکاتب بنایا، لہٰذا غلام کے عاجز ہونے[③] کے بعد اس کا اختیار ختم نہیں ہوگا۔

⑱ وكذا إن جنى مكاتب، ولم يُقض به، فعجز: یعنی ماقبل مسئلے کی طرح مولیٰ کو اختیار حاصل رہے گا اگر مکاتب نے کوئی جنایت کی اور ابھی تک قاضی نے اس پر تاوان کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ عاجز ہوگیا، یہاں مولیٰ کو اختیار اس لئے رہے گا کہ عاجز ہونے کے بعد مکاتب قن بن جاتا ہے، اور قن کی جنایت میں مولیٰ کو اختیار ہے، کہ چاہے غلام دے، چاہے فدیہ ادا کرے۔

⑲ فإن قُضي به عليه في كتابته، فعجز: فهو دين بيع فيه: مذکورہ صورت میں اگر مکاتب پر تاوان کا فیصلہ ہو گیا اور اس کے بعد وہ عاجز ہوا تو وہ تاوان غلام پر دین ہوجائے گا، لہٰذا مولیٰ پر لازم ہے کہ غلام کو بیچ کر اس کے ثمن سے تاوان ادا کرے،

---

① اگر مکاتب عاجز نہیں ہوتو بطریق اولیٰ وہ مال مولیٰ کیلئے پاک ہے۔ ② ان کے حالات جلد اول صفحہ نمبر ۶۳۶ میں دیکھیں۔ ③ اگر غلام عاجز نہیں ہوا اور اس نے بدل کتابت ادا کرکے آزادی حاصل کرلی، تو مولیٰ کا اختیار ختم ہوجائے گا، اور اس پر فدیہ لازم ہوجائے گا، کیونکہ اب غلام نہیں دیا جاسکتا۔

کیونکہ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے تاوان غلام کی گردن میں معلق ہو گیا، اور ادا کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ اس کو فروخت کیا جائے۔

⑳ وَإِنْ مَاتَ السَّيِّدُ: لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ ㉑ وَيُؤَدِّي الْمَالَ إِلَى وَرَثَتِهِ عَلَى نُجُومِهِ ㉒ وَإِنْ حَرَّرُوهُ: عَتَقَ مَجَّانًا ㉓ وَإِنْ حَرَّرَ الْبَعْضُ: لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهُ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ مر گیا تو کتابت فسخ نہیں ہوگی۔ اور (مکاتب) مال ادا کرے اس کے ورثہ کو اس کی قسطوں کے مطابق۔ اور اگر (ورثہ نے) اس کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا مفت۔ اور اگر بعض نے آزاد کر دیا تو نافذ نہیں ہوگی ان کی آزادی۔

تشریح:

⑳ **وإن مات السيد: لم تنفسخ الكتابة:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب کا مولیٰ مر گیا تو اس کی وجہ سے عقدِ کتابت فسخ نہیں ہوگا، بلکہ برقرار رہے گا، کیونکہ فسخ ہونے سے مکاتب کا حق باطل ہو جائے گا، حالانکہ آزاد ہونا اس کا حق ہے۔

㉑ **ويؤدي المال إلى ورثته على نجومه:** «ہ» کی پہلی ضمیر کا مرجع سید ہے، اور دوسری ضمیر کا مرجع مکاتب ہے۔ مذکورہ صورت میں مکاتب بدلِ کتابت مولیٰ کے ورثہ کو ادا کرے، اور اپنی قسطوں کے مطابق ادا کرے، کیونکہ ورثہ مولیٰ کے نائب ہیں، اور ورثہ قسطوں میں تغیر وتبدیل نہیں کر سکتے، کیونکہ مکاتب اسی طریقہ کے مطابق آزادی کا مستحق ہوا ہے، لہٰذا قسطوں میں تغیر کی وجہ سے اس کا حق باطل ہو جائے گا، اور یہ جائز نہیں ہے۔

㉒ **وإن حرّروه: عتق مجّانا:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب کا مولیٰ مر گیا، اور پھر تمام ورثہ نے مل کر اُسے آزاد کر دیا تو یہ صحیح ہے، اور مکاتب مفت آزاد ہو جائے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح نہ ہو، کیونکہ ورثہ مکاتب کے مالک نہیں ہیں①، تو ان کا آزاد کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، لیکن صحت کی وجہ یہ ہے کہ ورثہ کا آزاد کرنا درحقیقت مکاتب کو بدلِ کتابت سے بری کرنا ہے، اور بدلِ کتابت ورثہ کا حق ہے، لہٰذا وہ مکاتب کو بری کر کے اپنا حق ساقط کر سکتے ہیں۔

㉓ **وإن حرّر البعض: لم ينفذ عتقه:** «ہ» کا مرجع بعض ہے۔ اگر ورثہ میں سے بعض نے مکاتب کو آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ وارث مالک نہیں ہے، تو اس کا آزاد کرنا کیونکر نافذ ہوگا؟

☆☆☆

والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

① ورثہ اس لئے مکاتب کے مالک نہیں بنتے کہ مکاتب ایک ملک سے دوسری ملک میں منتقل نہیں ہوتا، لہٰذا جب مولیٰ مر جائے تو وہ ورثہ کی ملک میں نہیں آئے گا۔

﴿كِتَابُ الْوَلَاءِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الولاء. یعنی یہ کتاب ولاء کے احکام کے بیان میں ہے۔ ولاء مشتق ہے وَلِی یَلِي وَلْـيًا سے، اس کے لغوی معنی ہیں: قرب، رشتہ داری، دوستی ومحبت۔ فقہاء کی اصطلاح میں ولاء وہ رشتہ داری ہے جو آزاد کرنے یا عقدِ موالات سے حاصل ہوتی ہے، مثلاً مولیٰ نے غلام کو آزاد کر دیا تو ان کے درمیان ولاء کی رشتہ داری حاصل ہوگی۔

ولاء کی مشروعیت اور ثبوت کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الولاء لُحمة كلُحمة النسب. [سنن دارمی] ''ولاء رشتہ داری ہے جیسے نسب کی رشتہ داری''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: إنما الولاء لمن أعتق. [ترمذی] ''بیشک ولاء آزاد کرنے والے ہی کیلئے ہے''۔ ولاء کی دو قسمیں ہیں: ولاء العتاقة. ولاء الموالاة.

ولاء العتاقة یعنی آزادی کی ولاء، جب مولیٰ غلام کو آزاد کرے تو مولیٰ اور غلام کے درمیان یہ ولاء وجود میں آجاتی ہے۔

ولاء الموالاة یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے اس بات پر معاہدہ کرے کہ اگر میں کوئی جنایت کروں تو اس کا تاوان تمہارے اوپر ہوگا، اور اگر میں مر گیا تو میری میراث تمہاری ہوگی، اس کو عقدِ موالات کہتے ہیں، اس عقد سے دونوں کے درمیان ولاء حاصل ہو جائے گی، تفصیل اگلی فصل میں ہے۔ مصنفؒ نے اس کتاب میں ولاء کی دونوں قسموں سے متعلق اٹھارہ (۱۸) مسائل ذکر کیے ہیں۔

> ❶ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ، وَلَوْ بِتَدْبِيرٍ، وَكِتَابَةٍ، وَاسْتِيلَادٍ، وَمِلْكِ قَرِيبٍ ❷ وَشَرْطُ السَّائِبَةِ لَغْوٌ ❸ وَلَوْ أَعْتَقَ حَامِلًا مِنْ زَوْجِهَا الْقِنِّ: لَا يَنْتَقِلُ وَلَاءُ الْحَمْلِ عَنْ مَوْلَى الْأُمِّ أَبَدًا ❹ فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ: فَوَلَاؤُهُ لِمَوْلَى الْأُمِّ ❺ فَإِنْ عَتَقَ الْعَبْدُ: جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ إِلَى مَوَالِيهِ.

ترجمہ: ولاء اسی کیلئے ہے جو آزاد کر دے، اگرچہ مدبر بنانے، مکاتب بنانے، اُم ولد بنانے اور رشتہ دار کے مالک بننے کے ذریعے سے ہو۔ اور ولاء نہ ہونے کی شرط لغو ہے۔ اور اگر آزاد کر دی حاملہ باندی اس کے غلام شوہر سے، تو منتقل نہیں ہوگی حمل کی ولاء ماں کے مولیٰ سے کبھی بھی۔ پس اگر (باندی نے) بچہ جنا اپنی آزادی کے بعد چھ مہینے سے زائد مدت میں، تو بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ کیلئے ہوگی۔ اور اگر غلام آزاد ہو گیا تو کھینچ لے گا اپنے بیٹے کی ولاء اپنے موالی کی طرف۔

تشریح:

❶ الولاء لمن أعتق، ولو بتدبير .... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ ولاء اس شخص کیلئے ہوگی جو غلام کو آزاد کرے، خواہ مدبر

بنا کر آزاد کرے، یا مکاتب بنا کر، یا اُم ولد بنا کر، یا اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کا مالک بن کر آزاد کرے۔ حاصل یہ کہ خواہ کسی بھی طریقے سے غلام کو آزاد کرے اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی، کیونکہ اس نے غلام کو آزاد کر کے اس پر احسان کیا ہے، گویا اس کو زندگی بخشی، لہٰذا اگر غلام مرگیا تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

❷ **وشرط السائبة لغو:** سائبة اسم فاعل ہے ساب یسیب سیبًا سے، بمعنی: بے روک ٹوک ہو کر آزاد چلا جانا، یہاں ایسا غلام مراد ہے جس کی ولاء کسی کو نہ ملے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ اس کی ولاء نہیں ہوگی، تو یہ شرط لغو ہے، لہٰذا مولیٰ کو اس کی ولاء مل ہی جائے گی، کیونکہ ولاء کا حکم صریح نص سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: **الولاء لمن أعتق.** [ترمذی] لہٰذا شرط لگانے سے ولاء باطل نہیں ہوگی۔

❸ **ولو أعتق حاملا من زوجها القن: لا ينتقل ولاء....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے غلام کا دوسرے شخص کی باندی سے نکاح ہوا، پھر باندی اپنے غلام شوہر سے حاملہ ہوئی، اس کے بعد مولیٰ نے اس حاملہ باندی کو آزاد کر دیا، تو اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا، اور حمل کی ولاء ہمیشہ کیلئے باندی کے مولیٰ کیلئے ہوگی، اس سے منتقل نہیں ہوگی، کیونکہ اس بات کا یقین ہے کہ آزادی کے وقت حمل باندی کے پیٹ میں موجود تھا، لہٰذا حمل باندی کا تابع ہو کر وہ بھی باندی کے مولیٰ کی طرف سے آزاد ہوا، حدیث میں ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی، تو جس طرح باندی کی ولاء مولیٰ کو ملی اسی طرح اس کے حمل کی ولاء بھی اس کو ملے گی۔

❹ **فإن ولدت بعد عتقها لأكثر من ستة أشهر ....إلخ:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر آزادی کے وقت تو باندی کا حاملہ ہونا معلوم نہیں تھا، مگر آزاد ہونے کے بعد چھ ماہ[1] سے زائد مدت میں اس نے بچہ جنا، تو اس صورت میں بھی بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ کیلئے ہوگی، کیونکہ ماں کی آزادی کے بعد بچہ آزاد ماں سے متصل ہو کر اس کا تابع ہوتا ہے، لہٰذا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

اس مسئلے کا حکم بعینہ ماقبل مسئلے کی طرح ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ ماقبل مسئلے میں بچے کی ولاء ہمیشہ کیلئے ماں کے مولیٰ کیلئے ہوگی، کبھی بھی اس سے منتقل نہیں ہوگی، جبکہ اس مسئلہ میں بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ سے منتقل ہو سکتی ہے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

❺ **فإن عتق العبد: جرّ ولاءَ ابنه إلى مواليه:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر بچے کا باپ بھی بعد میں آزاد ہو گیا تو وہ بچے کی ولاء اپنے مولیٰ کی طرف کھینچ لے گا، لہٰذا بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ سے منتقل ہو کر باپ کے مولیٰ کیلئے ثابت ہو جائے گی، کیونکہ باندی نے چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ جنا ہے، لہٰذا اس بات کا یقین نہیں ہے کہ آزادی کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، اور بچہ حقیقتاً ماں سے متصل نہ ہوا، تو طرح بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اسی طرح اس کی ولاء بھی باپ کے مولیٰ کیلئے ثابت ہو جائے گی۔

---

[1] یہاں تین صورتیں بنتی ہیں: ① آزادی کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ جنا، اس کا حکم پچھلے مسئلہ (نمبر۳) میں بیان ہوا، اس صورت میں یقین ہے کہ آزادی کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، لہٰذا آزادی اور ولاء دونوں میں بچہ ماں کا تابع ہوگا۔ ② آزادی کے وقت سے چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ جنا، اس صورت میں اگرچہ یقین تو نہیں ہے کہ آزادی کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، مگر پھر بھی ظاہری اتصال کی وجہ سے بچہ ماں کا تابع ہوتا ہے۔ ③ آزادی کے وقت سے ٹھیک چھ ماہ بعد بچہ جنا، اس کا بھی وہی حکم ہے جو چھ ماہ سے زائد مدت کا ہے۔

⑥ عَجَمِيٌّ تَزَوَّجَ مُعْتَقَةً، فَوَلَدَتْ: فَوَلاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيهَا ⑦ وَإِنْ كَانَ لَهُ وَلاءُ الْمُوَالَاةِ ⑧ وَالْمُعْتِقُ مُقَدَّمٌ عَلَى ذَوِي الْأَرْحَامِ ⑨ وَمُؤَخَّرٌ عَنِ الْعَصَبَةِ النَّسَبِيَّةِ ⑩ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى، ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ: فَمِيرَاثُهُ لِأَقْرَبِ عَصَبَةِ الْمَوْلَى.

ترجمہ: کسی عجمی نے نکاح کیا آزاد کی ہوئی عورت سے، پھر (عورت نے) بچہ جنا، تو اس کے بچے کی ولاء اس کے موالی کیلئے ہے۔ اگر چہ عجمی کیلئے موالات کی ولاء ہو۔ آزاد کرنے والا مقدم ہے ذوی الأرحام سے۔ اور مؤخر ہے عصبہ نسبیہ سے۔ پس اگر مولیٰ مر گیا، پھر آزاد کردہ مر گیا، تو اس کی میراث مولیٰ کے سب سے قریب عصبہ کیلئے ہوگی۔

تشریح:

⑥ عجمي تزوّج معتقة، فولدت ... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آزاد عجمی شخص نے کسی آزاد کردہ عورت سے نکاح کیا جس سے عورت نے بچہ جنا، تو بچے کی ولاء عورت کے مولیٰ کو ملے گی۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بچہ اپنے باپ کے حکم میں ہوگا، یعنی اس پر کوئی ولاء نہیں ہوگی، کیونکہ بچے کا نسب باپ سے ثابت ہے، اور نسب ولاء سے قوی ہے، تو جب باپ کی طرف سے نسب موجود ہے تو ماں کی طرف سے ولاء کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ بچے کا باپ عجمی ہے اور عجمیوں نے اپنے حسب ونسب کو ضائع کر دیا ہے، جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اس کے مقابلے میں ولاء مضبوط اور قوی ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ کو ملے گی۔①

اگر بچے کا باپ عرب ہو تو بالاتفاق بچہ باپ کے حکم میں ہوگا اور اس پر ولاء نہیں ہوگی، کیونکہ عربوں کے انساب محفوظ ہوتے ہیں، لہٰذا ولاء کے مقابلے میں عربی شخص کا نسب مضبوط وقوی ہے۔

⑦ وإن كان لـه ولاء الموالاة: «هُ» کا مرجع عجميّ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں بچے کی ولاء ماں کے مولیٰ کیلئے ہوگی اگر چہ عجمی کیلئے موالات کی ولاء ثابت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ عجمی پہلے کافر تھا، پھر اس نے زید کے ہاتھ پر اسلام لاکر اس سے موالات (دوستی) کا عقد کیا، تو اس عجمی کے بچے کی ولاء عورت کے مولیٰ کیلئے ہوگی، نہ کہ عجمی کے مولیٰ (زید) کیلئے، کیونکہ عورت کی آزادی کی ولاء قوی ہے، اس کو کبھی بھی فسخ نہیں کیا جاسکتا، جبکہ عجمی کی ولاءِ موالات ضعیف ہے، اس کو فسخ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ولاء العتاقة کے مقابلے میں ولاء الموالاة کا اعتبار نہیں ہوگا۔ یہاں بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بچہ اپنے عجمی باپ کے حکم میں ہوگا۔

⑧ والمعتِق مقدّم على ذوي الأرحام: مسئلہ یہ ہے کہ میراث کی تقسیم میں معتِق ذوی الأرحام سے مقدم ہوگا،

① اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ اگر بچہ مر گیا اور اس نے صرف ایک عمّہ اور ایک خالہ چھوڑیں، تو حضرات طرفینؒ کے نزدیک بچے کی ولاء ماں کی طرف سے ہو کر اس کی میراث خالہ کو ملے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بچے کا نسب باپ سے ثابت ہو کر اس کی میراث عمّہ کو ملے گی۔

لہٰذا میراث میں سب سے پہلے نمبر پر ذوی الفروض ہیں، پھر عصبات ہیں، پھر معتَق ہے، پھر ذوی الأرحام ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عہدِ نبوی میں ایک شخص نے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا، تو آپ ﷺ نے معتِق سے فرمایا: اگر وہ آزاد کردہ غلام کوئی وارث چھوڑے بغیر مرجائے تو تم اس کا عصبہ ہو۔[ہدایہ] اور ظاہر ہے کہ میراث میں عصبہ ذوی الأرحام سے مقدم ہوتا ہے۔

❾ **مؤخر عن العصبة النسبية:** پہلے یہ سمجھ لیں کہ عصبہ کی دو قسمیں ہیں: نسبیہ، سببیہ۔ عصبہ نسبیہ وہ رشتہ دار ہے جس کا رشتہ نسب کی وجہ سے ہو، جیسے بیٹا، بھائی، چچا وغیرہ۔ اور عصبیہ سببیہ وہ ہے جس کا رشتہ آزادی کے سبب کی وجہ سے ہو، مثلاً مولیٰ نے غلام کو آزاد کر دیا تو آزادی کے سبب کی وجہ سے ان کے درمیان رشتہ (ولاء) آگیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ میراث میں معتِق عصبہ نسبیہ سے مؤخر ہے۔ دلیل مذکورہ حدیث ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ وارث چھوڑے بغیر مرجائے تو تم اس کا عصبہ ہو، اور وارث سے مراد عصبہ نسبیہ ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر عصبہ نسبیہ نہ ہو تو معتِق عصبہ ہوگا، اور اگر عصبہ نسبیہ موجود ہو تو وہ مقدم ہو کر معتِق کو کچھ بھی نہ ملے گا۔

❿ **فإن مات المولى، ثم مات المعتَق: فميراثه لأقرب ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ مرگیا اور اس کے بعد معتَق (آزاد کردہ) بھی مرگیا تو معتَق کی میراث مولیٰ کے قریب ترین عصبہ کو ملے گی، مثلاً پہلے نمبر پر مولیٰ کے بیٹے کو ملے گی، پھر باپ کو، پھر بھائی کو اور پھر چچا کو، کیونکہ عصبہ مولیٰ کا قائم مقام ہے، لہٰذا جو حق مولیٰ کا بنتا ہے وہ اس کی عدم موجودگی میں قریب ترین عصبہ کا بنے گا۔

یہاں عصبہ سے مراد عصبہ بنفسہٖ ہے، یہ صرف مرد ہوتا، جیسے بیٹا، باپ، بھائی اور چچا، عورت عصبہ بنفسہٖ نہیں ہوسکتی۔

⓫ وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ، أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ، أَوْ كَاتَبْنَ، أَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ.

ترجمہ: اور عورتوں کیلئے کوئی ولاء نہیں ہے مگر اُس کی جس کو انہوں نے آزاد کیا ہو، یا جس کو انہوں نے آزاد کیا ہے اس نے آزاد کیا ہو، یا انہوں نے مکاتب کیا ہو، یا جس کو انہوں نے مکاتب کیا ہے اس نے مکاتب کیا ہو۔

تشریح:

⓫ **وليس للنساء من الولاء إلّا ....إلخ:** یہاں ولاء کے بارے میں مرد اور عوت کے درمیان فرق بیان فرمار ہے ہیں۔ پچھلے مسئلے میں فرمایا کہ مرد کو عصبہ ہونے کی وجہ سے بھی ولاء مل جاتی ہے، اور اگر مولیٰ مرگیا تو اس کے عصبہ بنفسہٖ کو ولاء ملے گی۔ اب یہاں فرمار ہے ہیں کہ عورتوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ولاء نہیں ملے گی، کیونکہ ولاء عصوبت کے درجہ میں ہے، اور عصوبت میں مرد اصل ہے، البتہ چار صورتوں میں عورتوں کو بھی ولاء ملے گی، مگر وہ عصوبت کی وجہ سے نہیں، بلکہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آزاد کرنے کی وجہ سے ہے، وہ چار صورتیں یہ ہیں:

① ما أعتقن: جس غلام کو عورت نے آزاد کر دیا ہو تو عورت بلا واسطہ معتِقہ ہے، لہٰذا اس کو معتَق کی ولاء مل جائے گی۔

② أو أعتق من أعتقن: عورت نے زید کو آزاد کیا اور زید نے خالد کو آزاد کیا، تو عورت بالواسطہ خالد کی معتِقہ ہوئی، لہٰذا اگر زید مرگیا تو خالد کی ولاء عورت کو ملے گی۔

③ أو كاتبن: عورت نے غلام کو مکاتب کر دیا، یہاں بھی عورت بلا واسطہ معتِقہ ہے، لہٰذا مکاتب کی ولاء عورت کو ملے گی۔

④ أو كاتب من كاتبن: عورت نے زید کو مکاتب کیا، زید نے آزاد ہو کر خالد کو مکاتب کیا تو عورت کو بالواسطہ خالد کی ولاء مل جائے گی۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

فَصْلٌ

أي: هٰذا فصل في بيان أحكام ولاء الموالاة. یعنی یہ فصل ولاء موالات کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے ولاء کی پہلی قسم "ولاء العتاقة" کا بیان تھا، یہاں سے دوسری قسم "ولاء الموالاة" کا بیان ہوگا۔

ولاء کے معنی ہیں: قرب، دوستی، رشتہ۔ موالاة باب مفاعلہ (والی یوالي) کا مصدر ہے، لغوی معنی ہیں: دو چیزوں کو پے درپے لگاتار کرنا۔ فقہاء کی اصطلاح میں ولاء الموالاة یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ اس بات پر عقد کرتا ہوں کہ اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اس کا تاوان تم ادا کرو گے، اور اگر میں مرگیا تو میری میراث تمہاری ہے۔ دوسرے شخص نے اس کو قبول کرلیا، تو ان کے درمیان موالات کا تعلق آگیا۔ پہلے شخص کو المولیٰ الأسفل، اور دوسرے کو المولی الأعلی کہتے ہیں۔

احناف رحمہم اللہ کے نزدیک موالات کا عقد صحیح ہے، لہٰذا اس عقد کے ذریعے جنایت کا تاوان اور میراث کا حکم ثابت ہو جائے گا، دلیل یہ آیت ہے: وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ. [نساء: ۳۳] "اور جن لوگوں سے تمہارے عقد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو"۔ یہاں عقد سے مراد موالات ہے، اور نصیب سے مراد میراث ہے۔

امام مالک، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک عقدِ موالات غیر مشروع ہے، لہٰذا اس کا کوئی حکم نہیں ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ عقد مشروع تھا، مگر بعد میں جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں تو مذکورہ آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ورثہ کے حق میں تو موالات کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن جب ورثہ میں سے کوئی موجود نہ ہو اور میت کا مال بیت المال میں جمع ہوتا ہو تو یہاں موالات کا حکم منسوخ نہیں ہوگا، لہٰذا بیت المال میں جمع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ موالات کے مولیٰ کو میراث کا مال دیا جائے۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک عقدِ موالات صحیح ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

① عقد کرنے والا عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔

② مولائے اسفل مجہول النسب ہو، اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

③ عقد میں جنایت کے تاوان ادا کرنے اور میراث ملنے کا ذکر ضروری ہے۔

④ مولائے اسفل کسی کا آزاد کردہ نہ ہو، یعنی اس پر ولاء العتاقة نہ ہو۔

مصنفؒ نے اس فصل میں ولاء الموالاة سے متعلق سات (۷) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

⑫ أَسْلَمَ رَجُلٌ عَلَى يَدِ رَجُلٍ، وَ وَالَاهُ عَلَى أَنْ يَرِثَهُ، وَ يَعْقِلَ عَنْهُ ⑬ أَوْ عَلَى يَدِ غَيْرِهِ، وَ وَالَاهُ: صَحَّ ⑭ وَعَقْلُهُ عَلَى مَوْلَاهُ، وَإِرْثُهُ لَهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ ⑮ وَهُوَ آخِرُ ذَوِي الْأَرْحَامِ ⑯ وَلَهُ أَنْ يَنْتَقِلَ عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ بِمَحْضَرٍ مِنَ الْآخَرِ مَالَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ ⑰ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَقِ أَنْ يُوَالِيَ أَحَدًا ⑱ وَلَوْ وَالَتْ امْرَأَةٌ، فَوَلَدَتْ: تَبِعَهَا فِيهِ.

ترجمہ: ایک آدمی نے اسلام لایا دوسرے آدمی کے ہاتھ پر اور اس سے موالات کی اس شرط پر کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی دیت ادا کرے گا۔ یا دوسرے کے ہاتھ پر (اسلام لایا) اور اس سے موالات کی، تو صحیح ہے۔ اور اس کی دیت اس کے مولیٰ پر ہے، اور اس کی میراث اسی کیلئے ہوگی، بشرطیکہ اس کا کوئی اور وارث نہ ہو۔ اور وہ ذوی الأرحام میں سے آخری ہے۔ اور اس کیلئے جائز ہے کہ مولیٰ سے منتقل ہو جائے دوسرے کی طرف، اس کی موجودگی میں، جب تک اس کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو۔ اور آزاد شدہ کیلئے جائز نہیں ہے کہ کسی سے موالات کرے۔ اور اگر عورت نے موالات کی، پھر بچہ جنا، تو (بچہ) اس کا تابع ہوگا ولاء میں۔

تشریح:

⑫ أسلم رجل على يد رجل، و والاه.....إلخ: أي: إن أسلم رجل... یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں صح اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کسی کافر نے مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا، اور پھر اسی مسلمان کے ساتھ موالات کا عقد کیا کہ اگر میں مرگیا تو میرا وارث تم ہو، اور اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اس کا تاوان تم ادا کروگے، تو یہ عقد صحیح ہے، حضرت تمیم[1] داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل شرک میں سے اس شخص کے بارے میں سنت (شرعی حکم) کیا ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگوں میں اس کی زندگی اور موت کا زیادہ حقدار ہے۔ [أبوداؤد] نیز جب

---

① تمیم بن اوس بن خارجہ صحابی ہیں، قبیلۂ دار سے تعلق رکھتے ہیں، پہلے فلسطین کے رہنے والے نصرانی عالم تھے، پھر مدینہ منورہ کو اپنا وطن بنالیا، سن ۹ھ میں اسلام لائے، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا، مسجد نبوی میں سب سے انہوں نے چراغ جلایا، ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ دجال کے واقعہ کی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نقل کی ہے، خوبصورت کپڑے پہنا کرتے تھے، ان سے صرف اٹھارہ حدیثیں منقول ہیں، سن ۴۰ھ میں شام میں انتقال فرمایا۔

مولائے اسفل کا کوئی وارث اور رشتہ دار نہ ہو تو وہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنی موت کے بعد اپنا مال جس کو دینا چاہے دے سکتا ہے۔①

⑬ أو علی ید غیرہ، و والاہُ: صحّ: أي: لو أسلم علی ید... «ہ» اور «ہُ» کا مرجع وہ شخص ہے جس کے ساتھ عقد موالات کیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ کافر نے جس شخص کے ساتھ عقدِ موالات کرتا ہے اس کے علاوہ کسی اور شخص ہاتھ پر اسلام لایا، تو صحیح ہے، کیونکہ عقدِ موالات کرنے کیلئے مولائے اعلیٰ کے ہاتھ پر اسلام لانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اسلام لانا بھی ضروری نہیں ہے، کافر بھی یہ عقد کرسکتا ہے۔

⑭ وعقلہ علی مولاہُ، وإرثہ لہ إن لم یکن لہ وارث: یعنی عقدِ موالات کرنے کے بعد اگر مولائے اسفل کوئی جنایت (مثلاً قتل خطاء) کرے تو اس کی دیت مولائے اعلیٰ پر ہے، اور اگر مولائے اسفل مر جائے تو اس کی میراث بھی مولائے اعلیٰ کو ملے گی، بشرطیکہ مولائے اسفل کا کوئی اور وارث نہ ہو، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: الغنم بالغرم. یعنی فائدہ تاوان کے مقابلے میں ہے، تو مولائے اعلیٰ جب جنایت کا تاوان ادا کرتا ہے تو اُسے میراث کا فائدہ بھی ملنا چاہیے۔ البتہ اگر مولائے اسفل کا کوئی اور وارث رشتہ دار موجود ہے تو اس صورت میں عقدِ موالات ہی باطل ہے۔

⑮ وھو آخر ذوي الأرحام: مسئلہ یہ ہے کہ میراث میں مولیٰ الموالات کا درجہ ذوی الأرحام کے بعد ہے، لہٰذا اگر ذوی الأرحام میں سے کوئی رشتہ دار موجود ہو تو مولیٰ الموالات کو میراث نہیں ملے گی، بلکہ عقد موالات ہی باطل ہے، کیونکہ ذی رحم محرم رشتہ داری کی وجہ سے میراث لیتا ہے، اور رشتہ داری عقدِ موالات سے قوی ہے۔

⑯ ولہ أن ینتقل عنہ إلی غیرہ بمحضر من الآخر ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ عقدِ موالات کرنے کے بعد مولائے اسفل کیلئے جائز ہے کہ مولائے اعلیٰ سے منتقل ہو کر کسی اور شخص کے ساتھ عقد کرلے، کیونکہ یہ عقد لازم نہیں ہے، لہٰذا ہر ایک اس کو فسخ کرسکتا ہے۔ البتہ مولائے اسفل جب کسی اور شخص کے ساتھ عقد کرے گا تو اس کیلئے دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ مولائے اعلیٰ کی موجودگی میں عقد فسخ کرے، اس کو اطلاع دیئے بغیر فسخ نہیں کرسکتا، کیونکہ عقد کی تکمیل دونوں سے ہوئی ہے، لہٰذا اس کا فسخ بھی دونوں سے ہوگا، جیسے شرکت، مضاربت اور وکالت۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ مولائے اعلیٰ نے ابھی تک مولائے اسفل کی طرف سے کوئی تاوان ادا نہ کیا ہو، اگر مولائے اعلیٰ نے اس کی طرف سے تاوان اور دیت ادا کردیا ہو تو اس کے بعد مولائے اسفل عقد کو فسخ نہیں کرسکتا، کیونکہ تاوان ادا کرنے سے عقد لازم اور پختہ ہوجاتا ہے، اور فسخ کرنے سے مولائے اعلیٰ کا حق ضائع ہوجائے گا۔

① اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ محض کسی کے ہاتھ پر اسلام لانے سے عقدِ موالات نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے ایجاب وقبول ضروری ہیں۔ اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ عقدِ موالات کیلئے اسلام لانا بھی ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی عقد ہوسکتا ہے، لہٰذا مصنفؒ کی عبارت میں "اسلم رجل علی ید رجل" کا جملہ اتفاقیہ ہے۔ [حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق: ۱۷۰/۵]

⑰ وليس للمتعق أن يوالي أحدا: مسئلہ یہ ہے کہ معتق کیلئے جائز نہیں ہے کہ کسی کے ساتھ عقد موالات کرے، کیونکہ اس پر ولاء العتاقة ہے، اس کی میراث لازماً اس کے معتق کو ملے گی، اگر اس نے کسی اور شخص کے ساتھ عقدِ موالات کیا تو اس سے ولاء العتاقة باطل ہوجائے گی، حالانکہ یہ ایسی ولاء ہے جو باطل ہونے اور ٹوٹ جانے کا احتمال نہیں رکھتی۔

⑱ ولو والت امراة، فولدت: تبعها فيه: تبع کے اندر ضمیر کا مرجع ولد ہے، اور «ہ» کا مرجع ولاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے کسی شخص کے ساتھ عقد موالات کیا اور پھر عورت نے ایک مجہول النسب بچے کو جنا جس کا باپ معلوم نہیں ہے، تو بچہ ولاء میں اپنی ماں کا تابع ہوگا، کیونکہ ولاء نسب کی طرح ہے، لہٰذا جس شخص کے ساتھ ماں کو ولاء حاصل ہے اسی کے ساتھ بچے کو بھی ولاء حاصل ہوگی، البتہ اگر بچے کا باپ معلوم ہے تو وہ اپنے باپ کا تابع ہوگا، کیونکہ نسب ولاء سے قوی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ

وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ

﴿كِتَابُ الْإِكْرَاهِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الإكراه. یعنی یہ کتاب اِکراہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ اِکراہ باب اِفعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: کسی کو ایسی چیز پر مجبور کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں اِکراہ ایسے کام کو کہتے ہیں جس کو انسان غیر کی وجہ سے کرے، یعنی اپنی رضامندی سے نہ کرے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

اِکراہ کی وجہ سے انسان کی رضامندی ختم ہوجاتی ہے، مگر اس کا اختیار باقی رہتا ہے، مثلاً اگر کوئی ظالم شخص دوسرے کو شراب پینے پر مجبور کرے، تو مجبور شخص اگر شراب پیئے گا تو اپنی مرض سے نہیں پیئے گا، مگر پھر بھی اس کا اختیار رہتا ہے کہ صبر کر کے نہ پیئے۔

مصنفؒ نے اِکراہ سے متعلق اکیس (۲۱) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ هُوَ فِعْلٌ يَفْعَلُهُ الْإِنْسَانُ بِغَيْرِهِ، فَيَزُوْلُ بِهِ الرِّضَا ❷ وَشَرْطُهُ قُدْرَةُ الْمُكْرِهِ عَلٰى تَحْقِيْقِ مَا هَدَّدَ بِهٖ، سُلْطَانًا كَانَ، أَوْ لِصًّا ❸ وَخَوْفُ الْمُكْرَهِ وُقُوْعَ مَا هَدَّدَ بِهٖ.

ترجمہ: اِکراہ ایسا فعل ہے جس کو انسان دوسرے کی وجہ سے کرتا ہے، پس زائل ہوجاتی ہے اس کی وجہ سے رضامندی۔ اور اس کی شرط مکرِہ کا قادر ہونا ہے اس فعل کے کرنے پر جس کی دھمکی دی ہے، بادشاہ ہو یا کوئی چور ہو۔ اور مکرَہ کا ڈر جانا ہے اس فعل کے واقع ہونے سے جس کی دھمکی دی ہے۔

تشریح:

❶ **هو فعل يفعله الإنسان بغيره.....إلخ:** یہ اِکراہ کی فقہی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اِکراہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کو انسان دوسرے کی دھمکی اور دباؤ کی وجہ سے کرے، اپنی رضامندی سے نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِکراہ میں مکرَہ کی رضامندی نہیں ہوتی، اگر اس کی رضامندی موجود ہو تو اس کو شرعاً اِکراہ نہیں کہا جاتا، البتہ مکرَہ کا اختیار پھر بھی باقی رہتا ہے۔

❷ **وشرطه قدرة المكرِه على تحقيق ما هدّد به.....إلخ:** اِکراہ کی شرط یہ[1] ہے کہ مکرِہ (زبردستی کرنے والا) جس کام کی دھمکی دے رہا ہے اس کو واقع کرنے پر قادر ہو، اگر مکرِہ ایسے کام کی دھمکی دے جس کے کرنے پر قادر نہ ہو، مثلاً بچے نے کسی پر جھاڑو اٹھایا کہ میں تمہیں قتل کروں گا، تو یہ اِکراہ نہیں ہے، کیونکہ اِکراہ میں شرط یہ ہے کہ مکرَہ (جس پر زبردستی کی جائے) کی رضامندی ختم ہوجائے، اور یہ اس وقت ہوگا کہ مکرِہ کو قدرت حاصل ہو، جس سے مکرَہ ڈر کر کام کرنے پر مجبور ہوجائے۔

---

① یعنی شرعاً اِکراہ کا حکم ثابت ہونے کی شرط یہ ہے کہ مکرِہ۔۔۔۔

مکرِہ عام ہے، خواہ بادشاہ ہو یا کوئی چور ڈاکو ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اِکراہ صرف بادشاہ سے ہوتا ہے، بادشاہ کے علاوہ کسی اور شخص سے نہیں ہوتا، کیونکہ اِکراہ قدرت اور زور زبردستی سے ہوتا ہے، اور قدرت صرف بادشاہ کو حاصل ہوتی ہے۔

لیکن علماء فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں ایسا ہی تھا کہ قدرت صرف بادشاہ کو حاصل تھی، جبکہ ہمارے زمانے میں بادشاہ سے زیادہ ظالموں، جابروں اور بدمعاشوں کا راج چلتا ہے، لہٰذا بادشاہ کے علاوہ اور لوگوں کی طرف سے بھی اِکراہ متحقق ہوسکتا ہے۔

③ **وخوف المكرَه وقوعَ ما هدّد به:** أي: شرطه خوف..... اِکراہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ مکرَہ ڈر رہا ہو کہ اگر میں نے مکرِہ کی بات نہ مانی تو وہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ واقع ہو جائے گی، اس میں غالب گمان کا اعتبار ہے، اگر مکرَہ کو مکرِہ کی دھمکی کا خوف نہ ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ مکرِہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ واقع نہیں ہوگی تو وہ مکرَہ شمار نہیں ہوگا، لہٰذا اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ مکرِہ کی بات مان کر ناجائز کام کرے۔

④ فَلَوْ أُكْرِهَ عَلَى بَيْعٍ، أَوْ شِرَاءٍ، أَوْ إِقْرَارٍ، أَوْ إِجَارَةٍ، بِقَتْلٍ، أَوْ ضَرْبٍ شَدِيْدٍ أَوْ حَبْسٍ مَدِيْدٍ: خُيِّرَ بَيْنَ أَنْ يُمْضِيَ الْبَيْعَ، أَوْ يَفْسَخَهُ ⑤ وَيَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَ الْقَبْضِ لِلْفَسَادِ ⑥ وَقَبْضُ الثَّمَنِ طَوْعًا: إِجَازَةٌ ⑦ كَالتَّسْلِيْمِ طَائِعًا.

ترجمہ: اور اگر مجبور کر دیا گیا فروخت کرنے پر، یا خرید لینے پر، یا اِقرار کرنے پر، یا اِجارہ کرنے پر، قتل کے ساتھ، یا سخت مارنے اور یا لمبی قید کے ساتھ تو اختیار دیا جائے گا بیع نافذ کرنے یا اُسے فسخ کرنے میں۔ اور اس سے ملک ثابت ہو جائے گی قبض کے وقت فساد کی وجہ سے۔ اور ثمن کو قبض کرنا رضامندی کے ساتھ اجازت دینا ہے۔ جیسے (مبیع کو) تسلیم کرنا رضامندی سے۔

تشریح:

④ **فلو أكره على بيع، أو شراء، أو .....الخ:** پہلے یہ قاعدہ سمجھ لیں کہ مکرَہ جو تصرف کرتا ہے وہ ہمارے نزدیک صحیح اور نافذ ہے، پھر وہ تصرف اگر فسخ ہوسکتا ہے جیسے بیع وشراء وغیرہ تو وہ لازم نہیں ہے، لہٰذا بعد میں مکرَہ اُسے فسخ بھی کرسکتا ہے اور برقرار بھی رکھ سکتا ہے، اور اگر تصرف ایسا ہو جس میں فسخ ہونے کا احتمال نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتا ہے، اور بعد میں فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔

عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کر دیا گیا کہ یہ چیز بیچ دو، یا خرید لو، یا اس بات پر مجبور کیا گیا کہ اس بات کا اِقرار کرو کہ میرے اوپر فلاں آدمی کا قرض ہے، اور یا مجبور کر دیا گیا کہ اپنا گھر کرایہ پر دو، اور یہ مجبور کرنا قتل کے ذریعے، یا سخت مارنے اور یا طویل مدت تک قید کرنے کے ذریعے ہو، چنانچہ مکرَہ نے مجبور ہو کر وہ کام کر دیا، تو اِکراہ ختم ہونے کے بعد اُسے اختیار دیا جائے گا کہ چاہے عقد کو باقی رکھے اور چاہے فسخ کر دے، کیونکہ عقد لازم ہونے کیلئے رضامندی شرط ہے، جبکہ اِکراہ میں رضامندی نہیں رہتی، تو یہ عقد لازم نہیں ہوا، اس لئے اُسے فسخ کیا جاسکتا ہے۔ اور اِقرار کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اِقرار اس لئے حجت ہے کہ اس میں سچ بولنے کا احتمال

زیادہ ہے، لیکن مجبور ہو کر اقرار کرنے میں جھوٹ بولنے کا احتمال بڑھ جاتا ہے، لہٰذا ایسا اقرار لازم نہیں ہوگا اور اُسے فسخ کیا جاسکتا ہے۔

⑤ ويثبت به الملك عند القبض للفساد: «ہ» کا مرجع مکرَہ کی بیع وشراء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکرَہ نے مجبور ہو کر کوئی چیز فروخت کردی، یا خریدلی تو مشتری جب مبیع پر قبضہ کرلے تو اُسے ملک حاصل ہوجائے گی، کیونکہ مکرَہ کے عقد میں رضامندی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ فاسد ہے اور فاسد بیع وشراء کا حکم یہ ہے کہ اگر مشتری قبضہ کرلے تو اُسے ملک حاصل ہوجائے گی، جیسا کہ کتاب البیوع /باب البیع الفاسد/فصل مسئلہ نمبر (۵۵) میں گزر گیا ہے۔

⑥ وقبض الثمن طوعا: إجازة: مسئلہ یہ ہے کہ بائع کو مجبور کردیا گیا اور اس نے اپنی چیز بیچ دی، اور پھر اکراہ ختم ہونے کے بعد بائع نے اپنی خوشی سے ثمن وصول کرلیا، تو یہ اس کی طرف سے بیع کو اجازت دینا ہے، لہٰذا اس کے بعد وہ بیع کو فسخ نہیں کرسکتا، کیونکہ خوشی سے ثمن وصول کرنا رضامندی کی علامت ہے اور رضامندی سے عقد لازم ہوجاتا ہے، جس کو فسخ نہیں کیا جاسکتا۔

⑦ كالتسليم طائعا: یعنی خوشی سے ثمن وصول کرنا اجازت ہے، جیسے مبیع کو خوشی سے تسلیم کرنا اجازت ہے، لہٰذا اگر مکرَہ بائع نے خوشی سے مبیع مشتری کو تسلیم کردی، تو یہ اس کی طرف سے بیع کو اجازت دینا ہے، کیونکہ یہ بھی رضامندی کی دلیل ہے۔

⑧ وَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ، وَالْبَائِعُ مُكْرَهٌ: ضَمِنَ قِيمَتَهُ لِلْبَائِعِ ⑨ وَلِلْمُكْرَهِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ ⑩ وَعَلَى أَكْلِ لَحْمِ خِنْزِيرٍ، وَمَيْتَةٍ، وَدَمٍ، وَشُرْبِ خَمْرٍ، بِحَبْسٍ، أَوْ ضَرْبٍ، أَوْ قَيْدٍ: لَمْ يَحِلَّ ⑪ وَحَلَّ بِقَتْلٍ، وَقَطْعٍ ⑫ وَأَثِمَ بِصَبْرِهِ.

ترجمہ: اور اگر مبیع ہلاک ہوئی مشتری کے ہاتھ میں اور وہ مکرَہ نہیں تھا اور بائع مکرَہ تھا، تو (مشتری) اس کی قیمت کا تاوان دے بائع کو۔ اور مکرَہ کو (حق) ہے کہ تاوان لے مکرِہ سے۔ اور (اگر مجبور کردیا گیا) خنزیر کے گوشت، مردار اور خون کھانے پر اور شراب پینے پر، روک لینے یا مارنے اور یا قید کرنے (کی دھمکی) کے ساتھ، تو حلال نہیں ہوگا۔ اور حلال ہوگا قتل کرنے اور کاٹ دینے (کی دھمکی) کے ساتھ۔ اور گنہگار ہوگا اس کے صبر کرنے سے۔

تشریح:

① وإن هلك المبيع في يد المشتري وهو ......إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے مکرَہ و مجبور ہو کر مشتری کے ہاتھ کوئی چیز بیچ دی، مگر مشتری مکرَہ نہیں ہے، اس کے بعد مشتری کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوئی، تو مشتری پر لازم ہے کہ بائع کو مبیع کی قیمت کا تاوان ادا کرے، کیونکہ اس نے فاسد عقد میں مبیع پر قبضہ کیا ہے، اور فاسد عقد میں مشتری پر مبیع کی قیمت لازم ہوجاتی ہے، جیسا کہ کتاب البیوع / باب البیع الفاسد/ فصل مسئلہ نمبر (۵۵) میں گزر گیا ہے۔

⑨ وللمكره أن يضمن المكرِه: یعنی مذکورہ صورت میں مکرَہ (بائع) کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ اپنی چیز کا تاوان مشتری سے نہ لے، بلکہ مکرِہ سے لے، کیونکہ مکرِہ کی زیادتی کی وجہ سے مکرَہ کی چیز مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی، تو ہلاکت کا اصل ذمہ دار مکرِہ ہے، لہٰذا مکرَہ اس سے تاوان لے سکتا ہے۔

⑩ وعلى أكل لحم خنزير، وميتة، وشرب .....الخ: أي لو أكره على أكل ... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا خنزیر کا گوشت یا مردار کھانے پر، یا خون یا شراب① پینے پر، اور مکرِہ نے مکرَہ کو روک② لینے یا مارنے یا قید کرنے کی دھمکی دی، تو مکرَہ کیلئے یہ کام کرنا جائز نہیں ہوں گے، کیونکہ ان چیزوں کی حرمت قطعی ویقینی ہے، لہٰذا معمولی مارنے یا قید کرنے سے حلال نہیں ہوتیں۔ البتہ اگر مارنا یا قید کرنا بہت شدید ہو کہ جان جانے یا عضو تلف ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر حلال ہو جائیں گے، اگلے مسئلے میں یہی حکم ہے۔

⑪ وحلّ بقتل، وقطع: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مکرِہ نے قتل کرنے، یا کسی عضو کاٹ دینے کی دھمکی دی، تو مکرَہ کیلئے مذکورہ کام کرنا جائز ہیں، بلکہ ایسی صورت میں واجب ہے کہ کام کرلے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

⑫ وأثم بصبره: یعنی مذکورہ صورت میں کہ مکرَہ کی جان کا خطرہ ہو، مگر پھر بھی اس نے صبر سے کام لیا اور خنزیر کا گوشت وغیرہ نہیں کھایا، یہاں تک کہ اس کی جان چلی گئی، تو وہ گنہگار رہوگا، کیونکہ ایسی سخت ضرورت کے وقت ان چیزوں کی حرمت ختم ہو کر وہ حلال ہو جاتی ہیں، اور جان بچانے کیلئے حلال چیز کھانا واجب ہے، اگر نہیں کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔

⑬ وَعَلَى الْكُفْرِ، وَإِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ، بِقَتْلٍ، وَقَطْعٍ، لَا بِغَيْرِهِمَا: يُرَخَّصُ ⑭ وَيُثَابُ بِالصَّبْرِ ⑮ وَلِلْمَالِكِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ.

ترجمه: اور (اگر مجبور کیا گیا) کفر کرنے پر، یا مسلمان کے مال کو ہلاک کرنے پر، قتل کرنے اور (عضو) کاٹنے کے ذریعے، نہ کہ ان کے علاوہ سے، تو رخصت دی جائے گی، اور ثواب ملے گا صبر کرنے سے۔ اور مالک کو (حق) ہے کہ تاوان لے مکرِہ سے۔

تشریح:

⑬ وعلى الكفر، وإتلاف مال المسلم.....الخ: أي: لو أكره على الكفر... یہ شرط ہے، اور یرخص اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کفر کرنے پر مجبور کیا گیا، یا دوسرے مسلمان③ کے مال کو ہلاک کرنے پر مجبور کیا گیا، اور اُسے قتل کرنے یا عضو کاٹنے کی دھمکی دی گئی، تو اس کیلئے جائز ہے کہ زبان سے کفر کی بات کہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو، اور جائز ہے کہ دوسرے مسلمان کا مال ہلاک کردے، کیونکہ سخت ضرورت کے وقت کفر کا اظہار کرنا جائز ہے، چنانچہ آیت میں ہے: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ. [نحل:۱۰۶] یعنی کفر کرنے پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا، سوائے اس شخص کے جس کو کفر کرنے

① ان چیزوں سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی حرمت قطعی ویقینی ہو۔ ② حبس (روک لینا) یہ ہے کہ کسی کھلی جگہ میں جانے سے روک دے، یا بیڑیاں ڈال دے۔ اور قید یہ ہے کہ بند جگہ مثلاً جیل میں ڈالے۔ ③ ذمی کے مال کا بھی یہی حکم ہے، البتہ حربی کا مال ہلاک کرنا جائز ہے، تو المسلم کی قید میں احتراز ہوا حربی سے۔

پر مجبور کر دیا گیا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ① رضی اللہ عنہ کو کفر کرنے پر مجبور کیا گیا، جس پر آپ نے زبان سے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیئے، تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اُس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تھی؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کر دے تو تم بھی دوبارہ اپنے دل کو مطمئن کر لینا۔ اور مسلمان کا مال بھی سخت ضرورت کے وقت لینا اور کھانا جائز ہے، تو ایسی حالت میں اس کو ہلاک کرنا بھی جائز ہوگا۔

لا بغیر هما: کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی بات زبان سے کہنا، یا مسلمان کا مال ہلاک کرنا اس وقت جائز ہے کہ قتل کرنے یا عضو کاٹنے کی دھمکی دی جائے، اور اگر ان دو کے علاوہ معمولی سا مارنے یا قید کرنے کی دھمکی دی گئی تو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۱۰) میں بیان ہوا کہ مارنے یا قید کرنے کی دھمکی سے شراب پینا جائز نہیں ہوتا، تو کفر کرنا اور مسلمان کا مال ہلاک کرنا کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟

⑭ **ویثاب بالصبر:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر مکرَہ نے کفر کا اظہار نہ کیا اور مکرِہ کی دھمکی پر صبر کرتے ہوئے جان دے دی، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوگا، کیونکہ اس نے خالص دین کی سربلندی کیلئے جان دی، حدیث میں ہے کہ حضرت خبیب ② رضی اللہ عنہ نے اس طرح کفار کی اذیتوں پر صبر کیا یہاں تک کہ انہیں سولی دے کر شہید کر دیا گیا، تو آپ ﷺ نے انہیں **سید الشہداء** کا نام دیا، اور فرمایا کہ وہ جنت میں میرے رفیق ہوں گے۔ [ہدایہ] مسلمان کا مال ہلاک کرنے سے صبر کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

⑮ **وللمالك أن يُضمن المكرِه:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مسلمان کا مال ہلاک کرنے پر مجبور کیا گیا اور مکرَہ نے وہ مال ہلاک کر دیا، تو مال کا مالک اپنے مال کا تاوان مکرِہ سے لے لے، کیونکہ ہلاکت کا اصل ذمہ دار وہی ہے، مکرَہ محض اس کا آلہ ہے۔

⑯ وَعَلَى قَتْلِ غَيْرِهِ بِقَتْلٍ: لَا يُرَخَّصُ ⑰ فَإِنْ قَتَلَهُ: أَثِمَ ⑱ وَيُقْتَصُّ الْمُكْرِهُ فَقَطْ ⑲ وَعَلَى إِعْتَاقٍ، وَطَلَاقٍ، فَفَعَلَ: وَقَعَ ⑳ وَرَجَعَ بِقِيمَتِهِ، وَنِصْفِ مَهْرِهَا إِنْ لَمْ يَطَأْهَا ㉑ وَعَلَى الرِّدَّةِ: لَمْ تَبِنْ زَوْجَتُهُ.

ترجمہ: اور (اگر مجبور کیا گیا) دوسرے کے قتل پر قتل کے ذریعے، تو رخصت نہیں دی جائے گی۔ پس اگر اس کو قتل کر دیا تو گنہگار ہوگا۔ اور قصاص لیا جائے گا صرف مکرِہ سے۔ اور (اگر مجبور کیا گیا) آزاد کرنے اور طلاق دینے پر، پس (مکرَہ نے) کام کر دیا تو واقع ہو جائے گی۔ اور (مکرَہ) رجوع کرے غلام کی قیمت کا اور بیوی کے نصف مہر کا، بشرطیکہ اس سے وطی نہ کی ہو۔ اور (اگر مجبور کیا گیا) مرتد ہونے

---

① ان کے حالات جلد اول صفحہ ۲۱۷ میں دیکھیں۔ ② خبیب بن عدی انصاری صحابی ہیں، قبیلۂ اوس سے تعلق ہے، ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اسی غزوہ میں حارث بن عامر کو قتل کیا، پھر سن ۴ھ میں حارث کے بیٹوں نے ان کو گرفتار کیا، اور مکہ میں بڑی دھوم سے سولی دے کر شہید کر دیا، سولی پر چڑھنے سے پہلے انہوں نے یہ اشعار کہے: وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ ☆ يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

فَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ☆ عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللهِ مَصْرَعِي

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین نگل گئی، اسی وجہ سے ان کو بلیع الأرض کہتے ہیں۔ [سیرت مصطفیٰ]

پر، تو اس کی بیوی بائنہ نہیں ہوگی۔

تشریح:

⑯ وعلى قتل غيره بقتل: لا يرخص: أي: لو أكره على قتل... یعنی اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ دوسرے انسان کو ناحق قتل کردے، اور مکرَہ کو قتل کی دھمکی دے کر مجبور کیا گیا، تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ مکرَہ علیہ (جس کے قتل پر مجبور کیا گیا) کو قتل کرے، بلکہ مکرَہ صبر کرکے خود جان دے دے، کیونکہ ناحق قتل کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہوتا۔ نیز مکرِہ کے ظلم سے ایک شخص کو قتل ہونا ہی ہے، یا مکرَہ علیہ یا مکرَہ، لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ مکرَہ صبر سے کام لے کر مکرَہ علیہ کی جان بچائے اور خود شہید ہوکر ثواب حاصل کرے۔

⑰ فإن قتلهٔ: أثم: «ہ» کا مرجع مکرَہ علیہ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر مکرَہ نے اپنی جان بچا کر مکرَہ علیہ کو قتل کردیا تو گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے ناحق قتل کیا، اور قتل ایسا جرم ہے جو کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہوتا۔

⑱ ويُقتصّ المكرِهُ فقط: حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر مکرَہ نے مکرَہ علیہ کو قتل کردیا تو اس کا قصاص مکرِہ سے لیا جائے گا۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہ مکرَہ سے قصاص لیا جائے گا اور نہ مکرِہ سے، کیونکہ قتل کا حکم دینے والا مکرِہ ہے، اور قتل کا عمل کرنے والا مکرَہ ہے، لہٰذا قتل کی نسبت میں شبہ آگیا، اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مکرَہ اور مکرِہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا، مکرَہ نے تو براہِ راست قتل کا عمل کیا ہے، اور مکرِہ نے قتل پر مجبور و آمادہ کیا ہے، لہٰذا قتل میں دونوں برابر شریک ہوئے، اس لئے دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔

حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت وطبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، تو مکرَہ جب قتل کرتا ہے اس کا مقصد مکرَہ علیہ کی جان لینا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی جان بچانا ہوتا ہے، جبکہ مکرِہ نے پہلے ہی سے مکرَہ علیہ کی جان لینے کا قصد کیا ہے، لہٰذا اصل قاتل مکرِہ ہے، مکرَہ صرف اس کا آلہ ہے، اس لئے قتل کی نسبت مکرِہ کی طرف ہوگی، اور اسی سے قصاص لیا جائیگا۔

قول راجح:

حضرات طرفینؒ کا قول راجح ہے۔ [أحسن الفتاوی: ۸/۵۳۶]

⑲ وعلى عتاق، وطلاق، ففعل: وقع: أي: لو أكره على عتاق، و... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو غلام آزاد کرنے پر، یا بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا، اور مکرَہ نے غلام کو آزاد کردیا، یا بیوی کو طلاق دے دی، تو آزادی اور طلاق واقع ہوجائیں گی، کیونکہ اکراہ کی وجہ سے اگرچہ مکرَہ کی رضامندی ختم ہوجاتی ہے، لیکن آزادی اور طلاق واقع ہونے کیلئے رضامندی شرط نہیں ہے، رضامندی کے بغیر بھی واقع ہوجائیں گی، جیسے ہنسی مذاق میں واقع ہوجاتی ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اکراہ کی صورت میں آزادی اور طلاق واقع نہیں ہوں گی۔ تفصیل کتاب الطلاق مسئلہ نمبر

(۱۳) میں گزر گئی ہے۔

⑮ ورجع بقيمته، ونصف مهرها إن لم يطأها: یعنی مذکورہ صورت میں مکرَہ غلام کی قیمت کا تاوان اور بیوی کے نصف مہر کا تاوان مکرِہ سے لے لے، بشرطیکہ مکرَہ نے بیوی سے وطی نہ کی ہو۔

غلام کی قیمت کا تاوان تو اس لئے لے گا کہ مکرِہ کے اِکراہ کی وجہ سے غلام میں مکرَہ کی ملک ختم ہوگئی، اور اس کا اصل ذمہ دار مکرِہ ہی ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ مکرَہ کو غلام کی قیمت ادا کر دے۔

اور بیوی کے نصف مہر کا تاوان اس لئے لے گا کہ مکرَہ نے ابھی تک بیوی سے وطی نہیں کی، لہٰذا شوہر پر نصف مہر آتا ہے، اور اس میں بھی یہ امکان موجود ہے کہ بیوی کوئی ایسا جرم کرے جس سے نصف مہر مکرَہ سے ساقط ہو جائے، مثلاً وہ مرتدہ ہو جائے (العیاذ باللہ) لیکن مکرِہ نے جب مکرَہ کو مجبور کر دیا اور مکرَہ نے طلاق دے دی، تو طلاق کی وجہ سے وہ نصف مہر مکرَہ پر لازم ہو گیا، اور لازم ہونے کا ذمہ دار مکرِہ ہے، کیونکہ اسی نے طلاق پر مجبور کیا ہے، لہٰذا مکرَہ اس کا تاوان مکرِہ سے لے سکتا ہے۔

اگر مکرَہ بیوی سے وطی کر چکا ہو تو وہ مکرِہ سے مہر کا تاوان نہیں لے سکتا، کیونکہ یہاں مہر وطی کی وجہ سے لازم ہو گیا ہے، نہ کی طلاق کی وجہ سے، اور وطی میں مکرِہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

⑯ وعلى الردة: لم تبن زوجته: أي: لو أكره على الردة... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا، اور مکرَہ نے زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا، تو اس کی بیوی بائنہ نہیں ہوگی، کیونکہ بیوی اس وقت بائنہ ہوگی جب شوہر حقیقتاً مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) جبکہ یہاں اِکراہ کی وجہ سے صرف زبان پر کفر کا کلمہ جاری کیا، اور دل ایمان سے مطمئن ہے۔

والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْحَجْرِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الحجر. یعنی یہ کتاب پابندی کے احکام کے بیان میں ہے۔ حجر باب نصر کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: پابندی لگانا، روک دینا۔ عقل کو اسی وجہ سے حِجر کہتے ہیں کہ وہ انسان کو غلط کام سے روک دیتی ہے، چنانچہ آیت میں ہے: هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ. [الفجر:۵] ''یقیناً اس میں قسم ہے عقل والے کیلئے''۔

فقہ کی اصطلاح میں حجر کسی شخص پر زبانی تصرف کی پابندی کا نام ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک میں ہے۔

حجر (پابندی) کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ. [نساء:۵] ''اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو''۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ① پر پابندی فرمائی تھی۔ [دارقطنی] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ② نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ③ پر پابندی لگائی تھی۔ [الموسوعة الفقهية]

کسی شخص پر بعض اوقات کم عقلی اور پاگل پن کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے، بعض اوقات فسق وفجور میں مال اڑانے کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات فضول خرچی اور دیوالیہ پن کی وجہ سے حجر کیا جاتا ہے۔ مصنفؒ نے حجر کے احکام اِکراہ کے بعد ذکر کئے، کیونکہ اِکراہ اور حجر دونوں کی وجہ سے انسان کا اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ اس باب میں انتیس (۲۹) مسائل ہیں۔

> ① هُوَ مَنْعٌ عَنِ التَّصَرُّفِ قَوْلًا، لَا فِعْلًا ② بِصِغَرٍ، وَرِقٍّ، وَجُنُونٍ ③ فَلَا يَصِحُّ تَصَرُّفُ صَبِيٍّ، وَعَبْدٍ بِلَا إِذْنِ وَلِيٍّ، وَسَيِّدٍ ④ وَلَا تَصَرُّفُ الْمَجْنُونِ الْمَغْلُوبِ بِحَالٍ ⑤ وَمَنْ عَقَدَ مِنْهُمْ، وَهُوَ يَعْقِلُهُ: يُجِيزُهُ الْوَلِيُّ أَوْ يَفْسَخُهُ.

ترجمہ: حجر منع کرنا ہے قولی تصرف سے، نہ کہ فعلی سے۔ کم سنی، غلامی اور پاگل پن کی وجہ سے۔ پس صحیح نہیں ہوگا بچے اور

---

① حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حالات جلد اول صفحہ ۹۹ میں دیکھیں۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہجرت سے تقریباً ۴۷ سال پہلے مکہ میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے فرمایا، ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کردیا۔ اسی وجہ سے آپ کو ذو النورین کہا جاتا ہے۔ سن ۲۴ھ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین مقرر کیا گیا۔ بہت نرم مزاج، باحیا اور خوش اخلاق تھے۔ بارہ سال خلافت کی۔ آپ کی خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔ آخر میں ان کے خلاف مصر، کوفہ اور مختلف اطراف سے بغاوتیں شروع ہوئیں، یہاں تک کہ سن ۳۵ھ میں باغیوں نے مدینہ منورہ میں ان کو شہید کردیا۔

③ عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ پہلی ہجرت کے دوران حبشہ میں پیدا ہوئے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ دس سال کے تھے کہ ان کے والد جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے، آپ ﷺ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبد اللہ سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بہت سخی اور فیاض تھے، جتنا بھی مال ہاتھ آجاتا فوراً صدقہ کرتے، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر پابندی لگائی تھی۔ سن ۸۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

غلام کا تصرف ولی اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر۔ اور نہ مغلوب مجنون کا تصرف کسی بھی حال میں۔ اور جس نے عقد کیا ان میں سے اور وہ عقد کو سمجھتا ہو، تو ولی اس کی اجازت دے، یا اُسے فسخ کر دے۔

تشریح:

① هو منع عن التصرف قولًا، لا فعلًا: یہ حُجر کی اصطلاحی تعریف ہے۔ یعنی حُجر یہ ہے کہ کسی پر زبانی تصرف کی پابندی لگا دی جائے، نہ کہ فعلی تصرف کی۔ لہٰذا اگر زبان سے ایجاب وقبول (عقد) کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر کوئی فعل کرے تو اس کا اعتبار ہے، مثلاً کسی کو قتل کر دیا، یا نقصان پہنچایا تو اس کا تاوان ہوگا، کیونکہ فعل ایسا تصرف ہے جو خارج میں حسًّا موجود ہے، اس کو رد نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زبانی تصرف کا خارج میں حسًّا کوئی وجود نہیں ہوتا، لہٰذا شرعًا اس کو معتبر بھی مانا جاسکتا ہے، اور رد بھی کیا جاسکتا ہے۔

② بصغر، ورق، وجنون: جار ومجرور کا تعلق منع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قولی تصرف سے منع (حُجر) کیا جائے گا تین اسباب کی وجہ سے: کم عمری، غلامی اور پاگل پن۔ کم عمر بچے اور پاگل کا تصرف اس لئے صحیح نہیں ہے کہ ان میں عقل نہیں ہوتی، یا ناقص ہوتی ہے، جبکہ تصرف کرنے کیلئے کامل عقل ضروری ہے۔ اور غلام کا تصرف اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ اگر تصرف کرے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے مولیٰ کا حق ضائع ہوجائے، تو مولیٰ کے حق کی وجہ سے غلام کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔

③ فلا يصح تصرف صبي، وعبد بلا إذن ولي، وسيد: یہ پچھلے مسئلے پر تفریع ہے۔ یعنی جب کم عمری اور غلامی کی وجہ سے پابندی لگ چکی تو بچے کا تصرف صحیح نہیں ہوگا ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر، اور غلام کا تصرف صحیح نہیں ہوگا مولیٰ کی اجازت کے بغیر، لہٰذا اگر بچہ یا غلام کوئی چیز بیچ دے یا خرید لے تو وہ عقد ولی اور مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

④ ولا تصرف المجنون المغلوب بحال: مغلوب پاگل کا تصرف کسی بھی حالت میں صحیح نہیں، خواہ ولی اجازت دے یا نہ دے، کیونکہ تصرف کی صحت کیلئے الفاظ کی تمیز ضروری ہے، اور مغلوب پاگل کو اپنے الفاظ کی تمیز نہیں ہوتی، جیسے بعض اوقات طوطا کچھ الفاظ کا تلفظ کرتا ہے، مگر اس کو تمیز نہیں ہوتی کہ ان کا کیا مطلب ہے؟ مغلوب سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلسل پاگل رہے۔

⑤ ومن عقد منهم، وهو يعقله: يجزيه الولي، أو يفسخه: مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ محجور اشخاص (بچہ، غلام، پاگل) میں سے جس نے عقد کیا اور وہ عقد کا مطلب اور الفاظ کی تمیز رکھتا ہو، تو ولی کو اختیار ہوگا: چاہے عقد کو نافذ کر دے، چاہے فسخ کر دے، کیونکہ اس عقد میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا ولی اگر مفید سمجھے تو اجازت دے کر نافذ کر دے، اور اگر مضر سمجھے تو فسخ کر دے۔

اگر محجور شخص کو عقد کے الفاظ کی تمیز ہی نہ ہو، تو اس کا عقد ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوگا، جیسے طوطے کا عقد۔

⑥ وَإِنْ أَتْلَفُوا شَيْئًا: ضَمِنُوا ⑦ وَلَا يَنْفُذُ إِقْرَارُ الصَّبِيِّ، وَالْمَجْنُونِ ⑧ وَ يَنْفُذُ إِقْرَارُ الْعَبْدِ فِي حَقِّهِ، لَا فِي حَقِّ سَيِّدِهِ ⑨ فَلَوْ أَقَرَّ بِمَالٍ: لَزِمَهُ

بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ ⑨ وَلَوْ أَقَرَّ بِحَدٍّ، أَوْ قَوَدٍ: لَزِمَهُ فِي الْحَالِ ⑩ لَا بِسَفَهِهِ.

ترجمہ: اور اگر انہوں نے کسی چیز کو تلف کر دیا تو ضمان دیں گے۔ اور اِقرار نافذ نہیں ہوگا بچے اور پاگل کا۔ اور نافذ ہوگا غلام کا اِقرار خود اس کے حق میں، نہ کہ اس کے مولیٰ کے حق میں۔ پس اگر (غلام نے) مال کا اِقرار کیا، تو اس پر لازم ہوگا آزاد ہونے کے بعد۔ اور اگر اِقرار کیا حد یا قصاص کا، تو اس پر لازم ہوگا فی الحال۔ نہ کہ بیوقوفی کی وجہ سے۔

تشریح:

⑥ **وإن أتلفوا شيئا: ضمنوا:** اگر مذکورہ محجور اشخاص (بچہ، غلام، پاگل) کسی چیز کو ہلاک کر دیں، یا کسی کو نقصان پہنچائیں تو تاوان دیں گے، کیونکہ مسئلہ نمبر ایک میں بیان ہوا کہ حَجر ان کے قول میں ہے، نہ کہ ان کے فعل میں، لہٰذا ان کا فعل معتبر ہوگا، اور اس پر تاوان کا حکم جاری ہوگا۔

⑦ **ولا ينفذ إقرار الصبي، والمجنون:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچے یا پاگل نے اِقرار کیا کہ میرے اوپر فلاں آدمی کا دَین ہے، یا میں نے فلاں آدمی کو قتل کر دیا، تو یہ اِقرار نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ اِقرار ایک زبانی تصرف ہے اور مسئلہ نمبر ایک میں بیان ہوا کہ زبانی تصرف میں ان پر پابندی ہے۔ نیز اِقرار اس وقت صحیح ہوگا جب اہلیت موجود ہو اور بچے اور پاگل میں چونکہ اہلیت نہیں ہے، لہٰذا عقد کی طرح ان کا اقرار بھی نافذ نہیں ہوگا، چنانچہ حدیث میں ہے: تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، پاگل یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے اور بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔ [ابوداؤد]

⑧ **وينفذ إقرار العبد في حقه، لا في حق سيده:** اگر غلام نے کوئی اِقرار کیا تو اس کا اِقرار خود اپنے حق میں نافذ اور صحیح ہوگا، کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے، اس میں اہلیت موجود ہے، لہٰذا وہ اگر اپنے اوپر کسی دَین وغیرہ کا اِقرار کرلے تو لازماً صحیح ہوگا، مگر مولیٰ کے حق میں اس کا اِقرار نافذ نہ ہوگا، لہٰذا مولیٰ سے اس دَین وغیرہ کا مطالبہ نہیں ہوگا، کیونکہ ایک شخص کا اِقرار دوسرے پر نافذ نہیں ہوتا۔ نیز اس میں مولیٰ کے حق ضائع ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔①

⑨ **فلو أقر بمال: لزمه بعد الحرية:** یہ ماقبل والے مسئلے پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر غلام نے اِقرار کیا کہ میرے اوپر فلاں آدمی کا ہزار روپے دَین ہے، تو یہ مال غلام پر آزاد ہونے کے بعد لازم ہو جائے گا، فی الحال اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اگر فی الحال اس سے دَین کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے مولیٰ کا حق ضائع ہو جائے گا، جیسا کہ پچھلے مسئلے میں بیان ہوا۔

⑩ **ولو أقر بحد، أو قود: لزمه في الحال:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے حد کا اِقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے، یا قصاص کا اِقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے فلاں آدمی کو قتل کر دیا ہے، تو یہ اِقرار اس پر فی الحال لازم ہو جائے گا، آزاد ہونے تک انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حد اور قصاص کا تعلق خون سے ہے، اور خون میں غلام آزاد شخص کی طرح ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر

① کیونکہ غلام کے اقرار سے جو مال لازم ہوگا یا تو مولیٰ اس کو اپنی جیب سے ادا کرے گا اور یا غلام کو بیچ کر اس کے ثمن سے ادا کرے گا اور دونوں میں مولیٰ کا حق ضائع ہوا۔

مولیٰ نے اپنے غلام کے اوپر حد یا قصاص کا اقرار کیا تو صحیح نہیں ہوگا، جیسے ایک آزاد شخص کا اقرار دوسرے آزاد شخص پر صحیح نہیں ہوتا۔

⑪ **لا بسفه:** أي: لا يُحجر بسفه. مسئلہ یہ ہے اگر کوئی شخص آزاد، عاقل، بالغ ہے، مگر بیوقوف ہے، فضول خرچی اور اسراف کر کے مال اڑاتا ہے، تو اس پر بیوقوفی کی وجہ سے حجر نہیں ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیوقوف پر بھی پابندی لگائی جائے گی، کیونکہ وہ عقل کے خلاف اپنے نقصان میں مال خرچ کرتا ہے، لہٰذا اس پر شفقت کرتے ہوئے خود اس کے فائدے کیلئے اس پر پابندی لگائی جائے گی، جیسے بچے اور پاگل پر لگاتے ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بیوقوف عاقل بالغ اور شرعی احکام کا پابند ہے، لہٰذا اس پر پابندی لگانے سے گویا اس کی انسانیت ختم ہو کر وہ جانوروں کی طرح ہو گیا، اور یہ مال اڑانے کے نقصان سے زیادہ خطرناک ہے، اس لئے اس پر پابندی نہیں لگائی جائے گی۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدينؒ: قوله: (به) أي: بقولهما يُفتي، به صرح قاضي خان في كتاب الحيطان. [ردالمحتار:۹/۲۱۵۔ مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۹۹۰۔۹۹۱]

> ⑫ فَإِنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيدٍ: لَمْ يُدْفَعْ إِلَيْهِ مَالُهُ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً ⑬ وَنَفَذَ تَصَرُّفُهُ قَبْلَهُ ⑭ وَيُدْفَعُ إِلَيْهِ مَالُهُ إِذَا بَلَغَ الْمُدَّةَ مُفْسِدًا ⑮ وَفِسْقٍ، وَغَفْلَةٍ، وَدَيْنٍ وَإِنْ طَلَبَ غُرَمَاؤُهُ.

ترجمہ: پس اگر (بچہ) بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا، تو اُسے اس کا مال نہ دیا جائے گا یہاں تک کہ پہنچ جائے پچیس سال کو۔ اور نافذ ہوگا اس کا تصرف اس سے پہلے۔ اور دے دیا جائے گا اس کو اس کا مال جب پہنچ جائے اس مدت کو مفسد ہو کر۔ اور (نہ) فسق، غفلت اور دَین کی وجہ سے، اگر چہ اس کے قرض خواہ مطالبہ کرے اس کو قید کرنے کا۔

تشریح:

⑫ **فإن بلغ غير رشيد: لم يدفع .....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا، یعنی بالغ ہونے کے بعد بھی بیوقوف رہا، تو اس کو اس کا مال پچیس سال عمر تک نہیں دیا جائے گا، کیونکہ بلوغ کے بعد جو بیوقوفی ہے وہ بچپن کے اثرات میں سے ہے، لہٰذا جس طرح بچپن کی حالت میں اُسے مال نہیں دیا جاتا اب بھی نہیں دیا جائے گا۔

⑬ **ونفذ تصرفه قبله:** مذکورہ صورت میں اگر بیوقوف نے پچیس سال کی مدت سے پہلے کوئی تصرف کیا تو وہ نافذ ہے، کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے، اس میں اہلیت موجود ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک بیوقوفی کی وجہ سے پابندی نہیں لگائی جا سکتی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۱) میں بیان ہوا۔ صاحبینؒ کے نزدیک اس بیوقوف کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ یہ اختلاف مسئلہ نمبر (۱۱) میں بیان ہوا۔

⑮ ويُدفع إليه ماله إذا بلغ المدة مفسدا: یعنی مذکورہ بیوقوف اگر پچیس سال کی عمر کو پہنچ کر بھی مفسد (بیوقوف، مال اڑانے والا) ہی رہا، تو مزید انتظار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا اُسے اس کا مال دے دیا جائے گا، کیونکہ پچیس سال تک مال روکنے کا مقصد اس کو ادب سکھانا تھا، اور جب پچیس سال کے بعد بھی اُسے سمجھ نہیں آئی تو مزید وقت دینا اور اس سے مال روکے رکھنا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب تک اس کی سمجھداری ظاہر نہیں ہوگی اس وقت تک اُسے مال نہیں دیا جائے گا، اور نہ اس کا تصرف صحیح ہوگا۔ یہاں بھی حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ [مجلۃ لأ حکام: مادہ:۹۸۲]

⑯ وفسق، وغفلة، ودين ...الخ: یہ عطف ہے بسفه پر، أي: لا يُحجر بفسق، وغفلة، ودين.. مسئلہ یہ ہے کہ فسق، غفلت اور دَین کی وجہ سے حَجر (پابندی) نہیں ہوگا، اگر چہ قرض خواہ قاضی سے مطالبہ کریں کہ مدیون پر پابندی لگا دی جائے۔

فاسق کا عمل اگر چہ خراب ہے، مگر اپنے مال کی حفاظت جانتا ہے، لہٰذا اس پر پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور غافل[1] پر اس لئے حَجر نہیں ہوگا کہ وہ عاقل بالغ ہے، اور اس میں اہلیت موجود ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ بیوقوف کی طرح ہوگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک بیوقوف کی طرح غافل پر بھی پابندی لگائی جائے گی، کیونکہ اسی میں اس کا فائدہ ہے۔

مدیون شخص پر بھی پابندی نہیں لگے گی، کیونکہ وہ بھی عاقل بالغ اور سمجھدار ہے، لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر بھی پابندی نہیں لگے گی۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر قرض خواہ حَجر کا مطالبہ کریں تو اس پر پابندی لگائی جائے گی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا مال و جائیداد بیچ دے اور دَین بھی ادا نہ کرے، تو اس پر پابندی لگانے میں قرض خواہوں کا فائدہ ہے، لہٰذا قاضی اس پر پابندی لگا دے۔

یہاں بھی صاحبینؒ کا قول رجح ہے۔ [مجلۃ لأ حکام: المادۃ: ۹۹۹]

> ⑯ وَحَبَسَهُ لِيَبِيعَ مَالَهُ فِي دَيْنِهِ ⑰ فَلَوْ مَالُهُ وَدَيْنُهُ دَرَاهِمُ: قُضِيَ بِلَا أَمْرِهِ ⑱ وَلَوْ دَيْنُهُ دَرَاهِمُ، وَلَهُ دَنَانِيرُ، أَوْ بِالْعَكْسِ: بِيعَ فِي دَيْنِهِ ⑲ وَلَمْ يُبَعْ عَرْضُهُ وَعَقَارُهُ ⑳ وَإِفْلَاسٍ ㉑ فَإِنْ أَفْلَسَ مُبْتَاعُ عَيْنٍ: فَبَائِعُهُ أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ.

ترجمہ: اور (قاضی) مدیون کو قید کرے تا کہ وہ اپنا مال بیچ دے اپنے دَین میں۔ اور اگر اس کا مال اور اس کا دَین دراہم ہیں تو (دَین کو) ادا کیا جائے گا اس کے حکم کے بغیر۔ اور اگر اس کا دَین دراہم ہے اور اس کے پاس دنانیر ہیں، یا اس کے برعکس ہے، تو فروخت کر دیا جائے گا اس کے دَین میں۔ اور فروخت نہیں کیا جائے گا اس کا سامان اور اس کی جاگیر۔ اور (نہ) مفلسی کے وجہ سے۔ پس اگر مفلس ہوگیا کسی چیز کا مشتری، تو اس کا بائع برابر ہوگا (دیگر) قرض خواہوں کے ساتھ۔

تشریح: ⑯ وحبسه ليبيع ماله في دينه: مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر حَجر تو نہیں ہوگا، لیکن قاضی اس کو قید کرے گا تا کہ وہ

---

① غافل وہ ہے جو خرید و فروخت میں دھوکہ کھاتا ہو، لاپرواہی اور جلد بازی میں کام کرتا ہو۔

مجبور ہو کر اپنا مال وسامان فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے دَین ادا کر دے، کیونکہ دَین ادا نہ کرنا ظلم ہے، اور ظلم کی سزا قید ہے۔

⑰ فـلـو مالـه ودينه دراهم: قضي بلا أمره: أي: فلو كان ماله و... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر جو دَین ہے وہ دراہم کا ہے، اور اس کے پاس جو مال پڑا ہوا ہے وہ بھی دراہم ہے، اور وہ اپنی خوشی سے دَین ادا نہیں کرتا، تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر اس کے دراہم لے کر دَین ادا کر دے، کیونکہ ایسی صورت میں دائن خود حق رکھتا ہے کہ کسی بھی طریقہ سے مدیون کی جیب سے اپنا دَین وصول کر لے، تو قاضی بطریق اولیٰ اس کی مدد کر کے اس کا دَین دلوا سکتا ہے، خواہ مدیون کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

⑱ ولو دينه دراهم، وله دنانير، أو بالعكس: بيع في دينه: أي: لو كان دينه دراهم... مسئلہ یہ ہے کہ مدیون پر جو دَین ہے وہ دراہم ہے، اور اس کے پاس جو مال پڑا ہوا ہے وہ دنانیر ہے، یا اس کے برعکس دَین دنانیر ہے اور مال دراہم ہے، تو ایسی صورت میں دائن خود یہ حق نہیں رکھتا کہ مدیون کی اجازت کے بغیر دراہم کی جگہ دنانیر وصول کر لے، یا اس کے برعکس کرے، البتہ قاضی یہ کر سکتا ہے کہ مدیون کی اجازت کے بغیر دنانیر کو بیچ کر دراہم کا دَین ادا کرے، یا دراہم کو بیچ کر دنانیر کا دَین ادا کرے۔ وجہ یہ ہے کہ دراہم اور دنانیر صورتاً (شکل میں) مختلف ہیں اور معناً (ثمنیت میں) متحد ہیں، تو صورت کا اعتبار کر کے دائن کو بلا اجازت لینے کا اختیار نہیں ہے، اور معنیٰ کا اعتبار کر کے قاضی کو لینے کا اختیار ہے، اس طرح صورت اور معنیٰ دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

⑲ ولـم يُبع عرضهُ، وعقارهُ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدیون کے پاس دراہم و دنانیر نہیں ہیں، بلکہ سامان و جاگیر ہیں، اور وہ اپنی خوشی سے دَین ادا نہیں کر رہا، تو قاضی اس کے سامان و جاگیر کو دَین ادا کرنے کیلئے نہیں بیچے گا، کیونکہ سامان و جاگیر صورتاً بھی دَین (دراہم و دنانیر) سے مختلف ہیں اور معناً بھی مختلف ہیں، لہٰذا قاضی کو بھی بلا اجازت لینے کا اختیار نہیں ہے، البتہ قاضی اس کو قید کرے گا تاکہ وہ خود مجبور ہو کر فروخت کر دے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو اختیار حاصل ہوگا کہ مدیون کی اجازت کے بغیر سامان و جاگیر کو بیچ کر اس کا دَین ادا کر دے، کیونکہ دَین ادا کرنا مدیون پر واجب ہے، مگر جب وہ اس پر عمل نہیں کر رہا تو قاضی اس کا قائم مقام ہو کر ادا کرے، اور یہ ادائیگی سامان و جاگیر بیچنے کے بغیر نہیں ہو سکتی، لہٰذا قاضی کو اس کا اختیار ہوگا تاکہ واجب پر عمل ہو سکے۔

قول راجح:

یہاں صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدين: وبه يُفتى، كما لا يخفى. [ردالمحتار: ۹/۲۲۱۔ مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۹۹۸]

⑳ والإفلاس: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۱۱) میں سفه پر، أي: لا يُحجر بالإفلاس. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مدیون شخص مفلس (دیوالیہ) ہو گیا، اس کے پاس کوئی مال نہیں رہا، تو اس کی وجہ سے قاضی اس پر حَجر نہیں کرے گا، کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے، اس میں اہلیت موجود ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک ایسے شخص پر پابندی نہیں لگائی جاتی۔ البتہ قاضی اس کو قید کرے گا تاکہ وہ اپنا چھپا ہوا مال ظاہر کر کے دَین ادا کر دے، اگر کچھ عرصہ قید میں رہنے کے بعد بھی اس کا مال ظاہر نہیں ہوا تو قاضی اس کو چھوڑ دے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک اگر مفلس کے غرماء قاضی سے مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کرے گا تاکہ اس کو لین دین سے روک دیا جائے اور لوگوں سے مزید دین نہ لے۔

قول راجح:

یہاں بھی حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔[مجلۃ الاحکام: المادۃ:۹۹۹]

㉑ فإن أفلس مبتاع عين: فبائعه أسوة للغرماء: مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے بائع سے کوئی چیز خرید لی اور اس پر قبضہ بھی کرلیا، ابھی تک مشتری نے ثمن نہیں ادا کیا ہے کہ وہ مفلس ہوگیا، اور اس پر اور لوگوں کے دیون بھی ہیں، تو اب حکم یہ ہے کہ بائع مشتری سے مبیع واپس نہیں لے سکتا، اور نہ اس سے پورا ثمن لے سکتا ہے، بلکہ وہ بھی دیگر غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا، یعنی مفلس (مشتری) کے پاس جس قدر مال وسامان ہو وہ بائع اور دیگر غرماء میں برابر تقسیم ہوگا، کیونکہ مشتری نے جب مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع سے بائع کا حق ساقط ہوگیا، اب بائع کا حق صرف ثمن میں ہے، اور ثمن مشتری کے ذمہ پر دین ہے، تو بائع بھی دیگر غرماء کی طرح ایک غریم ہوگیا۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي حَدِّ الْبُلُوغِ﴾

أي: هذا فصل في بيان حد البلوغ. یعنی یہ فصل بالغ ہونے کی مدت کے بیان میں ہے۔ یعنی لڑکا اور لڑکی کتنی عمر پر بالغ ہوتے ہیں؟ بلوغ باب نصر کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: پہنچنا۔

فقہ کی اصطلاح میں بچپن کی عمر کی انتہاء کا نام بلوغ ہے۔ کتاب الحجر کے شروع میں بیان کیا گیا کہ کم عمری بھی حجر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اب اس بات کو بیان کرنا ضروری ہے کہ کم عمری کی حد ومدت کیا ہے؟ اس لئے مصنفؒ نے کتاب الحجر میں بلوغ کی مدت بیان کرنے کیلئے فصل قائم فرمایا۔ اس فصل میں انتیس (۲۹) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

㉒ بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ، وَالْإِحْبَالِ، وَالْإِنْزَالِ ㉓ وَإِلَّا: فَحَتّٰى يَتِمَّ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ سَنَةً ㉔ وَالْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ، وَالْاِحْتِلَامِ، وَالْحَبَلِ ㉕ وَإِلَّا: فَحَتّٰى يَتِمَّ سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةً ㉖ وَيُفْتٰى بِالْبُلُوغِ فِيْهِمَا بِخَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً.

ترجمہ: لڑکے کا بلوغ احتلام، حاملہ کرنے اور انزال سے ہوگا۔ ورنہ تو جب پورے ہو جائیں اٹھارہ سال۔ اور لڑکی کا

(بلوغ) حیض، احتلام اور حاملہ ہونے سے ہوگا۔ ورنہ تو جب پورے ہو جائیں سترہ سال۔ اور بلوغ کا فتویٰ دیا جائے گا دونوں میں پندرہ سال (پورے ہونے) پر۔

تشریح:

㉒ بلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال... الخ: لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامات ہیں: (۱) خواب میں احتلام ہو جائے۔ (۲) عورت سے وطی کر کے اس کو حاملہ کر دے۔ (۳) جاگتے میں اِنزال ہو جائے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک بالغ ہونے کی علامت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: لا يُتْمَ بَعد الاحتلام. [أبوداود] ''احتلام کے بعد یتیم ہونا نہیں ہے''، یعنی احتلام کے بعد لڑکا بالغ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو یتیم نہیں کہا جائے گا۔ تو جب خواب میں احتلام بلوغ کی علامت ہے تو جاگتے میں عورت سے وطی کر کے اُسے حاملہ کر دینا اور اِنزال ہونا بھی بلوغ کی علامات ہیں۔

㉓ وإلّا: فحتّٰى يتم ثماني عشرة سنة: أي: وإن لا توجد علامة منها: فحتّٰى... یعنی اگر مذکورہ تین نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں پائی گئی تو لڑکا اس وقت بالغ سمجھا جائے گا جب اس کی عمر کے اٹھارہ سال پورے ہو جائیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ. [أنعام:۱۵۲] ''اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پختگی کی عمر اٹھارہ سال ہے۔ [ہدایہ] معلوم ہوا کہ اٹھارہ سال تک وہ یتیم اور نابالغ رہتا ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ تین نشانیوں کے نہ پائے جانے کی صورت میں لڑکا پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ سمجھا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دی، اور جب میری عمر پندرہ سال ہوئی تو شرکت کی اجازت دے دی۔ [ترمذی] معلوم ہوا کہ پندرہ سال پر لڑکا بالغ ہو جاتا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نابالغ لڑکے کو جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دیتے۔

قول راجح:

صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ مسئلہ نمبر (۲۶) میں اسی کا بیان ہے۔ كذا في رد المحتار: ۹/۲۲۶ والمجلة: المادة: ۹۸۶

㉔ والجارية بالحيض، والاحتلام، والحبل: أي: بلوغ الجارية بالحيض... لڑکی کے بالغ ہونے کی تین علامات ہیں: (۱) حیض آنا۔ (۲) خواب میں احتلام ہونا۔ (۳) حاملہ ہونا۔ لڑکی کو حیض اس وقت آتا ہے جب وطی ہونے اور حاملہ ہونے کی قابل ہو جائے، تو حیض آنا حاملہ ہونے کے حکم میں ہوا۔ اور احتلام جس طرح لڑکے کے بلوغ کی علامت ہے اسی طرح لڑکی کے بلوغ کی علامت بھی ہے، حدیث میں ہے مرد کی طرح عورت کو بھی خواب میں احتلام ہو سکتا ہے۔ [أبوداود]

㉕ وإلّا: فحتّٰى يتم سبع عشرة سنة: أي: وإن لا توجد علامة منها: فحتّٰى... یعنی اگر لڑکی میں

مذکورہ تین نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں پائی گئی تو لڑکی اس وقت بالغہ سمجھی جائے گی جب اس کی عمر کے سترہ سال پورے ہوجائیں۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک لڑکے کی طرح لڑکی بھی پندرہ سال پر بالغہ سمجھی جائے گی۔ یہاں بھی صاحبینؒ کا قول راجح ہے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

⑯ ويُفتى بالبلوغ فيهما بخمس عشرة سنة: یعنی صاحبینؒ کے قول کے مطابق لڑکے اور لڑکی دونوں میں پندرہ سال پورے ہونے پر بالغ ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے، کیونکہ عادت کے مطابق پندرہ سال پر بلوغ کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں۔

> ⑰ وَأَدْنَى الْمُدَّةِ فِي حَقِّهِ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً ⑱ وَفِي حَقِّهَا تِسْعُ سِنِينَ ⑲ فَإِنْ رَاهَقَا، وَقَالَا: بَلَغْنَا: صُدِّقَا، وَأَحْكَامُهُمَا أَحْكَامُ الْبَالِغِينَ.

ترجمہ: اور کمترین مدت لڑکے کے حق میں بارہ سال ہے۔ اور لڑکی کے حق میں نو سال ہے۔ اور اگر دونوں بلوغ کے قریب ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بالغ ہوگئے، تو ان کی تصدیق کی جائے گی۔ اور ان کے احکام بالغوں کے احکام ہوں گے۔

تشریح:

⑰ وأدنى المدة في حقه......إلخ: لڑکے کے حق میں بلوغ کی کمترین مدت بارہ سال ہے، لہٰذا اگر بارہ سال عمر کو پہنچنے سے پہلے وہ بالغ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، بارہ سال پورے ہونے کے بعد اس کا دعویٰ صحیح ہوگا، کیونکہ لڑکا جب بارہ سال عمر کو پہنچ جائے تو بعض اوقات اس میں بلوغ کے آثار ظاہر جاتے ہیں۔

⑱ وفي حقها تسع سنين: لڑکی کے حق میں بلوغ کی کمترین مدت نو سال ہے، اس سے پہلے اس کا بلوغ کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا، نو سال پورے ہونے کے بعد اگر لڑکی بالغ ہونے کا دعویٰ کرے تو صحیح ہے، کیونکہ لڑکی میں بعض اوقات نو سال پورے ہونے پر بالغ ہونے کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں۔

⑲ فإن راهقا، وقالا: بلغنا: صدّقا....إلخ: راھق باب مفاعلہ ہے، اس کے معنی ہیں: بلوغ کے قریب ہونا۔ جو لڑکا بلوغ کی کمترین مدت (۱۲ سال) اور اکثر مدت (۱۵ سال) کے درمیان ہو، اس کو مُـرَاهِق کہتے ہیں ہا اسی طرح لڑکی جب نو سال اور پندرہ سال کے درمیان ہو اس کو مُراهِقة کہتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی اگر مراہق ہوگئے اور پھر دعویٰ کیا کہ ہم بالغ ہوئے تو ان کی تصدیق کی جائے گی، اور ان پر بالغوں کے احکام جاری ہوں گے، کیونکہ بلوغ ایک باطنی معاملہ ہے، بظاہر اُسی کی جانب سے اس کا علم ہوگا، اور اس عمر میں بالغ ہونے کا امکان بھی ہے، لہٰذا وہ بلوغ کی جو خبر دے رہے ہیں ظاہرِ حال سے اس کی تکذیب نہیں ہوتی، اس لئے تصدیق کی جائے گی۔ واللہ أعلم

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْمَأْذُوْنِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الماذون. یعنی یہ کتاب ماذون کے احکام کے بیان میں ہے۔ماذون باب سمع (اذِن، يَاذَن، إذْنًا) کا اسم مفعول ہے، إذْن کے لغوی معنی ہیں: اجازت دینا، اور ماذون وہ شخص ہے جس کو اجازت دی گئی ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں ماذون وہ شخص ہے جس پر پہلے پابندی (حجر) تھی، بعد میں اُس سے پابندی ختم کردی جائے، اور عقد کرنے کی اجازت دی جائے۔ اگر غلام ہو تو مولیٰ کی طرف سے اُسے تصرف کی اجازت دی جائے، اور اگر بچہ ہو تو ولی کی طرف سے۔ تفصیل مسئلہ نمبر(۱) میں ہے۔ مصنفؒ نے کتاب الماذون کو کتاب الحجر کے بعد قائم فرمایا، اس لئے کہ اجازت پابندی کے بعد ہوتی ہے۔ مصنفؒ نے ماذون سے متعلق سینتیس (۳۷) مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

①أَلْإِذْنُ فَكُّ الْحَجْرِ، وَإِسْقَاطُ الْحَقِّ ② فَلا يَتَوَقَّتُ، وَلَا يَتَخَصَّصُ ③ وَ يَثْبُتُ بِالسُّكُوْتِ إِنْ رَأَى عَبْدَهُ يَبِيْعُ وَيَشْتَرِيْ ④ فَإِنْ أَذِنَ عَامًّا، لَا بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهِ: يَبِيْعُ، وَيَشْتَرِيْ، وَيُوَكِّلُ بِهِمَا، وَيَرْهَنُ، وَيَرْتَهِنُ، وَ يَسْتَأْجِرُ، وَيُضَارِبُ، وَ يُؤَجِّرُ نَفْسَهُ، وَيُقِرُّ بِدَيْنٍ، وَغَصْبٍ، وَوَدِيْعَةٍ.

ترجمہ: إذن پابندی کو ختم کرنا ہے، اور حق کو ساقط کرنا ہے۔ پس نہ موقت ہوگا، اور نہ خاص ہوگا۔ اور ثابت ہو جائے گا خاموش رہنے سے اگر اپنے غلام کو دیکھا کہ خرید و فروخت کررہا ہے۔ اور اگر عام اجازت دی، کسی معین چیز خریدنے کی نہیں، تو بیچ سکتا ہے، خرید سکتا ہے، ان دونوں کا وکیل بنا سکتا ہے، رہن دے سکتا ہے، رہن لے سکتا ہے، کرایہ پر لے سکتا ہے، مضاربت کرسکتا ہے، اپنے آپ کو مزدوری پر دے سکتا ہے اور اقرار کرسکتا ہے دین، غصب اور ودیعت کا۔

تشریح:

① الإذن فکّ الحجر، وإسقاط الحق: یہ اذن کی اصطلاحی تعریف ہے، اور اس کے ضمن میں ماذون کی بھی تعریف ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ اذن یہ ہے کہ مجور شخص پر سے پابندی کو ختم کردیا جائے، اور ولی کے حق کو ساقط کردیا جائے، اور ماذون وہ شخص ہے جس پر سے پابندی کو ختم کردیا جائے، مثلاً بچہ مجور (پابند) ہے، پھر ولی نے تجارت کی اجازت دے کر اس پر سے پابندی کو ختم کردیا، اور ولی کو روکنے کا جو حق حاصل تھا اس کو ساقط کردیا۔ عبارت میں إسقاط الحق تفسیر ہے فکّ الحجر کیلئے۔

❷ فلا يتوقت، ولا يتخصص: یہ ماقبل پر تفریع ہے، یعنی اِذن اِسقاط الحق ہے، لہٰذا وہ نہ کسی وقت کے ساتھ موقت ہوسکتا ہے اور نہ کسی چیز کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے، مثلاً مولیٰ نے غلام کو صرف جمعہ کے دن تجارت کی اجازت دی، یا صرف گندم کی تجارت کی اجازت دی، تو یہ موقت کرنا یا خاص کرنا صحیح نہ ہوگا، لہٰذا غلام کو ہر وقت ہر چیز کی تجارت کی اجازت حاصل ہوجائے گی، کیونکہ اِذن اِسقاط ہے، اور اِسقاط کے معنی ہیں: ختم کرنا، نیست و نابود کرنا، اور جس چیز کا وجود ہی ختم ہوجائے اس کے ساتھ قید نہیں لگائی جاسکتی، قید اس چیز کے ساتھ لگتی ہے جس کا وجود ہو۔

❸ ويثبت بالسكوت إن راى عبده يبيع ويشتري: حاصل یہ ہے کہ مأذون کو اجازت دو طریقوں سے حاصل ہوتی ہے: ایک یہ کہ صراحتاً زبانی طور اس سے کہا جائے کہ تو تجارت کر۔ اور دوسرا یہ کہ دلالۃً اُسے اجازت دی جائے، مثلاً مولیٰ نے دیکھا کہ اس کا غلام خرید و فروخت کر رہا ہے، مگر مولیٰ خاموش رہا، اس کو منع نہیں کیا، تو مولیٰ کی خاموشی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس نے غلام کو اجازت دی ہے۔

❹ فإن أذن عاماً، لا بشراء شيء بعينه: يبيع.... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مأذون کو تجارت کرنے کی عام اجازت ملی، کسی معین چیز کی خرید و فروخت کے ساتھ مقید نہیں تھی[1]، تو وہ تمام ایسے افعال و اعمال کرسکتا ہے جن کا تعلق تجارت سے ہو، مثلاً ہر چیز کی خرید و فروخت کرسکتا ہے، خواہ کسی بھی قیمت پر ہو، نقد پر ہو یا اُدھار پر ہو، اور خرید و فروخت کیلئے کسی کو اپنا وکیل بھی بنا سکتا ہے، کیونکہ تجارت میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور کسی کو رہن دے بھی سکتا ہے اور لے بھی سکتا ہے، اور کسی چیز کو کرایہ پر بھی لے سکتا ہے، اور کسی سے مضاربت بھی کرسکتا ہے، اور اپنے آپ کو مزدوری پر لگا سکتا ہے، کیونکہ یہ سب کمانے کے طریقے ہیں، اور اِقرار بھی کرسکتا ہے کہ میرے اوپر فلاں آدمی کا دَین ہے، یا میں نے فلاں آدمی سے اس چیز کو غصب کیا ہے، یا میرے پاس فلاں آدمی کی امانت ہے، کیونکہ یہ اِقرار بھی تجارت کے اعمال میں سے ہے، اگر مأذون کے اِقرار کو صحیح نہ مانا جائے تو لوگ اس پر اعتماد نہیں کریں گے، اور اس کے ساتھ کاروبار نہیں کریں گے، لہٰذا تجارت کیلئے ضروری ہے کہ اس کا اِقرار صحیح ہو۔

> ❺ وَلَا يَتَزَوَّجُ، وَلَا يُزَوِّجُ مَمْلُوكَهُ، وَلَا يُكَاتِبُ، وَلَا يُعْتِقُ، وَلَا يُقْرِضُ، وَلَا يَهَبُ ❻ وَيُهْدِي طَعَامًا يَسِيرًا، وَيُضِيفُ مَنْ يُطْعِمُهُ ❼ وَيَحُطُّ مِنَ الثَّمَنِ بِعَيْبٍ ❽ وَدَيْنُهُ مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهِ، يُبَاعُ بِهِ إِنْ لَمْ يَفْدِهِ سَيِّدُهُ ❾ وَقُسِمَ ثَمَنُهُ بِالْحِصَصِ ❿ وَمَا بَقِيَ طُولِبَ بِهِ بَعْدَ عِتْقِهِ.

---

[1] اگر معین چیز کے ساتھ مقید کر کے اجازت دی گئی تو وہ اجازت ہی نہیں، بلکہ یہ استخدام (خدمت لینا) ہے، جیسے ہم بچے سے کہتے ہیں کہ جاؤ ایک کلو گوشت لاؤ، کیونکہ اجازت خاص و مقید نہیں ہوسکتی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا۔

ترجمہ: اور (ماذون) نکاح نہیں کر سکتا، نہ اپنے مملوک کا نکاح کرا سکتا ہے، نہ مکاتب بنا سکتا ہے، نہ آزاد کر سکتا ہے، اور نہ قرض دے سکتا ہے، اور نہ ہبہ دے سکتا ہے۔ اور ہدیہ دے سکتا ہے تھوڑے کھانے کا، اور مہمان بنا سکتا ہے اس شخص کو جو اُسے کھلاتا ہو۔ اور ثمن کو کم کر سکتا ہے عیب کی وجہ سے۔ اور اس کا دَین متعلق ہوگا اس کی گردن سے، اس میں فروخت کیا جائے گا، اگر اس کا فدیہ نہ دے اس کا مولیٰ۔ اور تقسیم کیا جائے گا اس کے ثمن کو حصوں کے مطابق۔ اور جو دَین باقی رہے اس کا مطالبہ کیا جائے گا اس کی آزادی کے بعد۔

تشریح:

❺ **ولا يتزوّج، ولا يزوّج مملوكه....الخ:** مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ ماذون غلام وہ کام نہیں کر سکتا ہے جس کا تجارت سے تعلق نہ ہو، یا اس میں ضرر ہو، لہٰذا اپنا نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، بلا وجہ بیوی کا مہر اور نفقہ لازم ہو جائے گا، اور اسی طرح اپنے غلام کا نکاح بھی نہیں کرا سکتا، اور نہ اپنا غلام مکاتب① بنا سکتا ہے، اور نہ آزاد کر سکتا ہے، اور نہ کسی کو قرض دے سکتا ہے، اور نہ کسی کو ہبہ دے سکتا ہے، کیونکہ ان چیزوں کا تجارت سے تعلق نہیں ہے، بلکہ الٹا نقصان ہے۔

❻ **ويهدي طعاما يسيرا، ويضيف من يُطعمه:** ماذون تھوڑا سا کھانا ہبہ کر سکتا ہے، اور جو شخص ماذون کو کھلاتا ہو ماذون بھی اس کی دعوت کر کے ضیافت کر سکتا ہے، کیونکہ تجار کے ساتھ تعلقات بنانے اور اپنے کاروبار کو رواج دینے کیلئے بعض اوقات اس کی ضرورت پڑتی ہے، تو یہ بھی تجارت کے اعمال میں سے ہیں۔

❼ **ويحط من الثمن بعيب:** مسئلہ یہ ہے کہ ماذون نے کسی چیز کو فروخت کر دیا، پھر مبیع میں عیب ظاہر ہوا، تو ماذون عیب کے بقدر ثمن میں کمی کر سکتا ہے، کیونکہ یہ تجار کی عادت ہے اور کاروبار میں اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے، البتہ عیب سے زیادہ کمی کرنے یا عیب کے بغیر کمی کرنا کا اختیار نہیں رکھتا، کیونکہ یہ خالص ہبہ ہے، جس کا اختیار وہ نہیں رکھتا۔

❽ **ودينه متعلق برقبته، يباع به إن لم يفده سيده:** مسئلہ یہ ہے کہ تجارت کرتے ہوئے ماذون غلام پر لوگوں کے دیون آگئے، تو ان دیون کا تعلق غلام کی گردن (ذات) سے ہوگا، کیونکہ مولیٰ نے جب غلام کو تجارت کی اجازت دی تو وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ غلام کی گردن دَین میں چلی جائے، لہٰذا اگر مولیٰ اپنی جیب سے دیون ادا نہیں کرتا تو ماذون کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے دیون ادا کئے جائیں گے، البتہ اگر مولیٰ دیون کو اپنی طرف سے ادا کر دے تو ماذون کو بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

❾ **وقسم ثمنه بالحصص:** اگر مولیٰ نے ماذون کے دیون ادا نہ کئے تو ماذون کو بیچ کر اس کے ثمن کو غرماء کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا، یعنی جس غریم کا جتنا دَین ہے اس کو ثمن میں سے اتنا ہی دیا جائے گا، کیونکہ غرماء کا حق ماذون کی گردن سے متعلق ہے، لہٰذا ماذون کی گردن (یعنی اس کے ثمن) کو غرماء کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، جیسے اگر غرماء کا حق میت کے ترکہ سے متعلق ہو، تو ترکہ کو ان کے درمیان حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

① غلام کو مکاتب بنانے سے اگرچہ بدلِ کتابت کی کمائی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن اس پر تجارت اور کاروبار کا اطلاق نہیں ہوتا۔

⑩ وما بقي طولب به بعد عتقه: یعنی اگر ماذون کا ثمن غرماء کے درمیان تقسیم کرنے کے بعد بھی دیون ادا نہ ہوئے تو باقی دیون کا مطالبہ ماذون سے آزاد ہونے کے بعد کیا جائے گا، کیونکہ دیون کا تعلق اس کی گردن سے ہے، اور اس کی گردن کو ایک مرتبہ بیچا گیا، دوبارہ نہیں بیچا جا سکتا، لہٰذا باقی دیون ادا کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے۔

⑪ وَيَنْحَجِرُ بِحَجْرِهِ إِنْ عَلِمَ بِهِ أَكْثَرُ أَهْلِ سُوقِهِ ⑫ وَبِمَوْتِ سَيِّدِهِ، وَجُنُونِهِ، وَلُحُوقِهِ مُرْتَدًّا، وبِالْإِبَاقِ، وَالْاِسْتِيلَادِ ⑬ لَا بِالتَّدْبِيرِ ⑭ وَضَمِنَ بِهِمَا قِيمَتَهُمَا لِلْغُرَمَاءِ ⑮ وَإِنْ أَقَرَّ بَعْدَ حَجْرِهِ بِمَا فِي يَدِهِ: صَحَّ.

ترجمہ: اور (ماذون) مجور ہو جائے گا مولیٰ کے مجور کرنے سے، بشرطیکہ اس کا علم ہو جائے اس کے اکثر بازار والوں کو۔ اور اس کے مولیٰ کی موت سے، اور اس کے پاگل ہونے سے، اور اس کے دارالحرب چلے جانے سے مرتد ہو کر، اور بھاگ جانے سے، اور اُم ولد بنانے سے۔ نہ کہ مدبر بنانے سے۔ اور (مولیٰ) ضمان دے ان دونوں کی وجہ سے دونوں کی قیمت کا غرماء کیلئے۔ اور اگر (ماذون نے) اقرار کیا حَجر کے بعد اس مال کا جو اس کے ہاتھ میں ہے، تو صحیح ہے۔

تشریح:

⑪ وينحجر بحجره إن علم به أكثر ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے ماذون پر پابندی لگا کر اس کو مجور کر دیا تو وہ مجور ہو جائے گا، کیونکہ ماذون کے پاس جو اختیار ہے وہ مولیٰ نے دیا ہے، لہٰذا مولیٰ یہ اختیار اس سے واپس لے سکتا ہے۔ البتہ ماذون کے مجور ہونے کی شرط یہ ہے کہ اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہو جائے، تاکہ لوگ اس کے ساتھ کاروبار کرنے سے بچیں۔

جب تک لوگوں کو مجور ہونے کا علم نہ ہو اس وقت تک وہ مجور نہیں ہوگا، کیونکہ لوگ اس امید پر اس کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں کہ ہمارا دَین ماذون کی گردن سے متعلق ہے، ہم اس کو فروخت کر کے اپنا دَین وصول کر سکیں گے۔ لیکن اگر ماذون مجور ہو جائے تو لوگ اپنے دَین کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد کریں گے، اور یہ معلوم نہیں کہ اس کو آزادی ملے گی یا نہیں ملے گی، لہٰذا اس میں لوگوں کا بڑا نقصان ہے، اس لئے جب تک لوگوں کو علم نہ ہو اس کو مجور نہیں سمجھا جائے گا، اور لوگوں کے دیون کا تعلق اس کی گردن کے ساتھ ہی ہوگا۔

⑫ وبموت سيده، وجنونه، ولحوقه مرتدا....إلخ: أي: ينحجر بموت... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماذون غلام کا مولیٰ مر گیا، یا پاگل ہو گیا، یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا تو ماذون مجور ہو جائے گا، کیونکہ مولیٰ کی موت سے اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اور پاگل ہونے اور مرتد ہو کر دارالحرب چلے جانے سے مولیٰ کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے، اور غلام کو ماذون بنانے اور اس کے اِذن کے باقی رہنے کیلئے مولیٰ کی ملکیت اور اہلیت دونوں ضروری ہیں۔

اور اسی طرح ماذون کے بھاگ جانے سے بھی وہ مجور ہو جائے گا، کیونکہ بھاگ جانا سرکشی ہے، اور مولیٰ اس بات پر راضی

نہیں ہوتا کہ سرکش ماذون کے اِذن کو باقی رکھے۔ اور اسی طرح اگر ماذونہ باندی کو مولیٰ نے اُمّ ولد بنایا (یعنی مولیٰ سے ماذونہ کا بچہ ہوگیا) تو وہ مجورہ ہو جائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے کہ مولیٰ اپنی اُم ولد کی زیادہ نگرانی کرتا ہے، اس کو باہر جانے، لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور معاملات کرنے سے روک لیتا ہے، تو اُمّ ولد بنانا دلالۃً مجورہ کرنا ہے۔

⑭ لا بالتدبير: أي: لا تنحجر بالتدبير. یعنی اگر مولیٰ نے ماذونہ باندی کو مدبرہ بنایا تو وہ مجورہ نہیں ہوگی، کیونکہ مولیٰ مدبرہ باندی کی اس طرح دیکھ ریکھ نہیں کرتا جیسے اُم ولد کی کرتا ہے، لہٰذا تدبیر دلالۃً مجورہ کرنے کے حکم میں نہیں ہے۔

⑮ وضمن بهما قيمتهما للغرماء: «هما» کی پہلی ضمیر کا مرجع استیلاد اور تدبیر ہے، اور دوسری ضمیر کا مرجع ام ولد اور مدبرة ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے ماذونہ باندی کو اُم ولد بنایا، یا مدبرہ بنایا، اور ماذونہ پر لوگوں کے دیون ہیں، تو مولیٰ پر لازم ہے کہ غرماء کو اُم ولد یا مدبرہ کی قیمت کا تاوان ادا کرے، کیونکہ غرماء کے دیون کا تعلق ماذونہ کی گردن سے ہے، لہٰذا وہ ماذونہ کو بیچ کر اپنا دَین وصول کر سکتے، لیکن جب مولیٰ نے اس کو اُم ولد بنایا یا مدبرہ بنایا تو اب غرماء اس کو اپنے دَین میں نہیں بیچ سکتے، کیونکہ اُم ولد اور مدبرہ کو بیچنا جائز نہیں ہے، لہٰذا غرماء کے دیون کی ادائیگی کیلئے مولیٰ پر لازم ہے کہ ان کو قیمت کا تاوان ادا کرے۔

⑯ وإن أقر بعد حجره بما في يده: صح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے ماذون غلام پر پابندی لگا دی اور غلام کے ہاتھ میں کچھ مال بھی ہے، اس کے بعد غلام نے اقرار کیا کہ یہ مال فلاں آدمی کی امانت ہے، یا میں نے فلاں آدمی سے غصب کیا ہے، تو اس کا یہ اِقرار صحیح ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک حَجر کے بعد غلام کا اِقرار صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اِقرار صحیح ہونے کی شرط یا اجازت ہے یا قبضہ ہے، اور حَجر کی وجہ سے اجازت اور قبضہ دونوں ختم ہو گئے، تو اس کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ مولیٰ کا ہے اور مولیٰ کے مال پر اس کا اِقرار صحیح نہیں ہوتا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ غلام کا قبضہ ابھی تک برقرار ہے، کیونکہ اس کا قبضہ اس وقت ختم ہوگا جب مولیٰ اس کے ہاتھ سے مال لے لے، اور وہ مال غلام کی حاجت (امانت، غصب وغیرہ) سے فارغ ہو، جبکہ یہاں نہ تو مولیٰ نے غلام کے ہاتھ سے مال لے لیا ہے، اور نہ وہ مال حاجت سے فارغ ہے، لہٰذا حقیقتاً وحکماً غلام کا قبضہ برقرار ہے، تو جس طرح حَجر سے پہلے اس کا اِقرار صحیح تھا اب بھی صحیح ہے۔

⑰ وَلَمْ يَمْلِكْ سَيِّدُهُ مَا فِي يَدِهِ لَوْ أَحَاطَ دَيْنُهُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ ⑱ فَبَطَلَ تَحْرِيرُهُ عَبْدًا مِنْ كَسْبِهِ ⑲ وَإِنْ لَمْ يُحِطْ: صَحَّ ⑳ وَلَمْ يَصِحَّ بَيْعُهُ مِنْ سَيِّدِهِ إِلَّا بِمِثْلِ الْقِيمَةِ ㉑ وَإِنْ بَاعَ سَيِّدُهُ مِنْهُ بِمِثْلِ قِيمَتِهِ، أَوْ أَقَلَّ: صَحَّ ㉒ وَبَطَلَ الثَّمَنُ لَوْ سَلَّمَ قَبْلَ قَبْضِهِ ㉓ وَلَهُ حَبْسُ الْمَبِيعِ بِالثَّمَنِ.

ترجمہ: اور اس کا مولیٰ مالک نہیں ہوگا اس مال کا جو ماذون کے ہاتھ میں ہے، اگر اس کے دَین نے گھیر لیا ہو اس کے مال

اوراس کی گردن کو۔تو باطل ہے مولیٰ کا غلام کو آزاد کرنا ماذون کی کمائی سے۔اور اگر (دَین نے) احاطہ نہ کیا ہو تو (آزاد کرنا) صحیح ہے۔اور صحیح نہیں ہے ماذون کو فروخت کرنا اپنے مولیٰ کے ہاتھ، مگر قیمت کی مثل سے۔اور اگر ماذون کے مولیٰ نے فروخت کر دیا اس کے ہاتھ مبیع کی قیمت کی مثل پر یا اس سے کم پر، تو صحیح ہے۔اور ثمن باطل ہو جائے گا اگر (مولیٰ نے مبیع) تسلیم کر دی ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے۔اور مولیٰ کو مبیع روکنے کا حق ہے ثمن کے مقابلے میں۔

تشریح:

⑯ ولم يملك سيده ما في يده لو أحاط.... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماذون غلام پر اتنا دَین ہو گیا کہ غلام کے مال اور اس کی گردن کو گھیر لیتا ہے، تو ماذون کے ہاتھ میں جو مال ہے مولیٰ اس کا مالک نہیں ہوگا۔یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک مولیٰ اس مال کا مالک ہوگا، کیونکہ مولیٰ کو اب بھی ماذون کے رقبہ کی ملکیت حاصل ہے، تو اس کے مال کی ملکیت بطریق اولیٰ حاصل ہوگی۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کو ماذون کے مال کی ملکیت اس وقت حاصل ہوگی کہ مال حاجت سے فارغ ہو، جبکہ یہاں ماذون پر دَین ہے، جس میں اس کی گردن اور مال سارا چلا جائے گا، تو اس کا مال حاجت سے فارغ نہیں ہے، اس لئے مولیٰ اس مال کا مالک نہیں بن سکتا۔

⑰ فبطل تحريره عبدا من كسبه: یہ ماقبل مسئلے پر تفریع ہے۔حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں چونکہ مولیٰ ماذون کے مال کا مالک نہیں ہے، لہٰذا اگر ماذون کے ہاتھ میں اسی کی کمائی میں سے کوئی غلام ہو اور مولیٰ نے اس غلام کو آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا باطل ہے، کیونکہ مولیٰ اس غلام کا مالک نہیں ہے، تو آزاد کیسے کرتا ہے؟

⑱ وإن لم يُحِط: صحّ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماذون پر اتنا دَین ہو جو اس کے مال اور گردن کو نہ گھیرتا ہو تو ایسی صورت میں اگر مولیٰ ماذون کے غلام کو آزاد کر دے تو صحیح ہے، کیونکہ معمولی دَین کی وجہ سے مولیٰ کی ملکیت ختم نہیں ہوتی، لہٰذا جب ملکیت موجود ہے تو اس کا آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا۔

⑲ ولم يصح بيعهٔ من سيده إلّا بمثل القيمة: «ہٗ» کا مرجع "مدیون ماذون" ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ ماذون غلام پر لوگوں کے دیون ہیں، اب وہ چاہتا ہے کہ اپنے مولیٰ کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کر دے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ مثل قیمت① یا اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا صحیح ہے، مگر مثل قیمت سے کم پر فروخت کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ماذون کے مال کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو گیا ہے، اب اگر ماذون اپنا مال مثل قیمت سے کم پر مولیٰ کے ہاتھ فروخت کرے گا تو اس میں غرماء کا حق ضائع ہو جائے گا، اور اس میں تہمت بھی ہے، کہ ماذون نے مولیٰ کا خیال رکھ کر مہنگی چیز اس کو سستی قیمت پر دی۔

⑳ وإن باع سيده منه بمثل قيمته، أو أقلّ: صحّ: «ہٖ» کا مرجع مبیع ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے

---

① مثل قیمت سے مراد وہ مناسب قیمت ہے جو بازار کے رواج کے مطابق ہو، یا تھوڑی کی بیشی کے ساتھ ہو جس میں لوگ چشم پوشی کر لیتے ہیں۔

اپنے مدیون ماذون غلام کے ہاتھ کوئی چیز بیچ دی، تو مثل قیمت پر بھی صحیح ہے اور اس سے کم پر بھی صحیح ہے، کیونکہ اس میں غرماء کا نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے، اور ماذون پر تہمت بھی نہیں کہ اس نے بلا وجہ مولیٰ کا خیال رکھا ہے۔ البتہ مثل قیمت سے زائد پر بیع صحیح نہ ہوگی۔

۲۱ وبطل الثمن لو سلّم قبل قبضه: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے ماذون کے ہاتھ کوئی چیز بیچ دی، اور پھر مولیٰ نے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے ماذون کو مبیع سپرد کردی، تو ثمن باطل ہوگیا، یعنی مولیٰ ماذون سے ثمن کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ اس صورت میں ثمن ماذون کے ذمہ پر دین ہوگیا، حالانکہ مولیٰ اپنے غلام پر دین واجب نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ اگر مولیٰ کی چیز غلام کے ہاتھ میں ضائع ہوجائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے، تو مذکورہ صورت میں گویا مولیٰ نے ماذون کو مفت میں مبیع دی۔

۲۲ وله حبس المبيع بالثمن: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مولیٰ نے مبیع ماذون کے حوالہ نہیں کی تو اس کو حق حاصل ہے کہ ثمن وصول کرنے تک مبیع اپنے پاس روک لے، ثمن وصول کرنے کے بعد مبیع دے، کیونکہ بائع ثمن کی خاطر مبیع روک سکتا ہے۔

۲۳ وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ ۲۴ وَضَمِنَ قِيمَتَهُ لِغُرَمَائِهِ ۲۵ وَطُولِبَ مَا بَقِيَ بَعْدَ عِتْقِهِ ۲۶ فَإِنْ بَاعَهُ سَيِّدُهُ، وَغَيَّبَهُ الْمُشْتَرِي: ضَمَّنَ الْغُرَمَاءُ الْبَائِعَ قِيمَتَهُ ۲۷ فَإِنْ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ رَجَعَ بِقِيمَتِهِ ۲۸ وَحَقُّ الْغُرَمَاءِ فِي الْعَبْدِ ۲۹ أَوْ مُشْتَرِيهِ ۳۰ أَوْ أَجَازُوا الْبَيْعَ، وَأَخَذُوا الثَّمَنَ ۳۱ وَإِنْ بَاعَهُ سَيِّدُهُ، وَأَعْلَمَ بِالدَّيْنِ: فَلِلْغُرَمَاءِ رَدُّ الْبَيْعِ ۳۲ فَإِنْ غَابَ الْبَائِعُ: فَالْمُشْتَرِي لَيْسَ بِخَصْمٍ لَهُمْ.

ترجمہ: اور صحیح ہے ماذون کو آزاد کرنا۔ اور (مولیٰ) اس کی قیمت کا ضمان دے اس کے غرماء کو۔ اور مطالبہ کیا جائے گا باقی دین کا اس کی آزادی کے بعد۔ پس اگر مولیٰ نے اس کو فروخت کردیا اور مشتری نے اس کو غائب کردیا، تو غرماء تاوان لیں بائع سے اس کی قیمت کا۔ اور اگر واپس کردیا گیا بائع پر عیب کی وجہ سے تو (بائع) رجوع کرے اس کی قیمت کا۔ اور غرماء کا حق غلام میں ہے۔ یا اس کے مشتری سے (تاوان لیں)۔ اور بیع کو اجازت دیں، اور ثمن لے لیں۔ اور اگر فروخت کردیا اس کے مولیٰ نے اور مشتری کو دین کا بتادیا، تو غرماء بیع کو رد کرسکتے ہیں۔ اور اگر بائع غائب ہوگیا تو مشتری خصم نہیں ہوگا غرماء کیلئے۔

تشریح:

۲۳ وصحّ إعتاقه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنا مدیون ماذون غلام آزاد کردیا تو صحیح ہے، کیونکہ مولیٰ اس کا مالک ہے، اور انسان اپنے مملوک کو آزاد کرسکتا ہے۔

۲۴ وضمن قيمته لغرمائه: یعنی مولیٰ نے جب مدیون ماذون کو آزاد کردیا تو وہ غلام کی قیمت کا تاوان غرماء کو دیدے، اس لئے کہ غرماء ماذون کو بیچ کر اس کے ثمن سے اپنا دین وصول کرسکتے، لیکن مولیٰ نے ماذون کو آزاد کرکے غرماء کیلئے یہ راستہ

بند کردیا، لہٰذا مولیٰ پر لازم ہے کہ غرماء کو ماذون کی قیمت کا تاوان ادا کردے، تاکہ غرماء اپنے دیون اس قیمت سے وصول کرلیں۔

㉕ وطولب ما بقي بعد عتقه: یعنی مذکورہ صورت میں جب مولیٰ نے غرماء کو ماذون کی قیمت ادا کردی اور پھر بھی کچھ دیون باقی رہ گئے، تو غرماء اپنے باقی دیون کا مطالبہ ماذون سے آزادی کے بعد کریں، کیونکہ مولیٰ نے ماذون کو آزاد کرکے اس کی قیمت کے بقدر غرماء کا حق ضائع کیا جس کا اس نے ضمان دے دیا، اور قیمت سے زائد دیون کا تعلق اب بھی ماذون کی گردن سے ہے، جن کا مطالبہ اس سے آزادی کے بعد کیا جائے گا، فی الحال نہ مولیٰ سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس نے قیمت سے زائد کی حق تلفی نہیں کی، اور نہ ماذون سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ غلام ہے، اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

㉖ فإن باعه سيده، وغيبه المشتري: ضمّن.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے مدیون ماذون کو بیچ کر مشتری کے حوالہ کردیا، اور مشتری نے اُسے غائب کردیا، تو غرماء قیمت کا تاوان بائع (مولیٰ) سے لیں، کیونکہ غرماء کا حق ماذون کی گردن سے متعلق تھا، یہاں تک کہ وہ اُسے بیچ بھی سکتے تھے، لیکن بائع نے اس کو بیچ کر غرماء کا حق ضائع کردیا، اس لئے غرماء اس سے قیمت کا ضمان لے سکتے ہیں۔ اگر مشتری نے ماذون کو غائب نہ کیا ہو تو غرماء اس بیع کو باطل کرسکتے ہیں، اور خود جاکر ماذون کو بیچ کر اس کے ثمن سے اپنے دیون حاصل کرلیں۔

㉗ فإن رُدّ عليه بعيب: رجع بقيمته: یعنی مذکورہ صورت میں جب بائع (مولیٰ) نے غرماء کو قیمت کا ضمان دے دیا، اگر اس کے بعد مشتری نے عیب کی وجہ سے ماذون کو بائع پر واپس کردیا، تو بائع غرماء پر رجوع کرکے ان سے قیمت واپس لے، کیونکہ بائع نے قیمت کا ضمان اس لئے دیا تھا کہ اس نے بیع کرکے غرماء کا حق ضائع کیا تھا، لیکن جب ماذون بائع پر واپس کردیا گیا تو گویا بیع ہوئی نہیں، اور نہ غرماء کا حق ضائع ہوا، اس لئے بائع ان سے قیمت کا ضمان واپس لے سکتا ہے۔

㉘ وحق الغرماء في العبد: یعنی مذکورہ صورت میں جب ماذون کو بائع پر واپس کردیا گیا اور بائع نے غرماء سے قیمت واپس لے لی، تو غرماء کا حق ماذون کی گردن سے متعلق ہوگیا، کیونکہ حقیقت میں غرماء کے دیون کا تعلق ماذون کی گردن ہی سے ہے، اب ان کو اختیار ہے کہ ماذون کو بیچ کر اس کے ثمن سے اپنا دَین وصول کرلیں۔

㉙ أو مشتريَه: یہ عطف ہے البائعَ پر، أي: ضمّن الغرماءُ مشتريَه. یعنی مسئلہ نمبر (۲۶) کی صورت میں غرماء کو اختیار ہوگا: چاہیں بائع سے قیمت کا ضمان لیں، اور اگر چاہیں تو مشتری سے ضمان لیں، کیونکہ بائع کا قصور یہ ہے کہ اس نے ماذون کو بیچ کر مشتری کے حوالہ کردیا ہے، اور مشتری کا قصور یہ ہے کہ اس نے ماذون پر قبضہ کرکے اُسے غائب کردیا ہے، تو دونوں کے فعل سے غرماء کا حق ضائع ہوا، اس لئے غرماء کو اختیار ہوگا کہ چاہیں اس سے ضمان لیں، چاہیں اُس سے لیں۔

اگر غرماء نے مشتری سے ضمان لیا تو وہ بائع پر رجوع کرکے اس سے ثمن واپس لے سکتا ہے۔

㉚ أو أجازوا البيعَ، وأخذوا الثمنَ: یعنی مسئلہ نمبر (۲۶) کی صورت میں غرماء کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ بائع

(مولیٰ) کی بیع کو اجازت دے کر نافذ کریں اور بائع سے ثمن وصول کرلیں۔ حاصل یہ کہ مشتری جب مأذون کو غائب کردے تو غرماء کو تین اختیار حاصل ہوں گے: چاہیں اپنا حق وصول کرنے کیلئے بائع سے قیمت کا ضمان لیں (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۴) میں بیان ہوا)، اور چاہیں مشتری سے قیمت کا ضمان لیں (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۹) میں بیان ہوا)، اور چاہیں بیع کو نافذ کرکے بائع سے ثمن وصول کرلیں۔

㉛ فإن باع سيده، وأعلم بالدين: فللغرماء رد البيع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے مدیون مأذون کو بیچ دیا، اور مشتری کو بتادیا کہ یہ غلام مدیون[①] ہے، تو غرماء کو حق حاصل ہے کہ اس بیع کو رد کردے، کیونکہ غرماء کا حق مأذون کی گردن سے متعلق ہے، اور مولیٰ نے اس کو بیچ کر غرماء کا حق ضائع کردیا، اس لئے وہ اس بیع کو رد کرسکتے ہیں۔ جب بیع فسخ ہوئی تو غرماء اگر چاہیں تو مأذون سے کمائی کرا کرا پنے مکمل دیون وصول کرلیں، اور اگر چاہیں تو فروخت کرکے اس کا ثمن وصول کرلیں۔

㉜ فإن غاب البائع: فالمشتري ليس بخصم لهم: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے مدیون مأذون کو بیچ کر ثمن وصول کرلیا اور خود غائب ہوگیا، تو مشتری غرماء کا خصم نہیں ہوگا، یعنی غرماء مشتری کے خلاف گواہ پیش کرکے اس بیع کو فسخ نہیں کرسکتے، کیونکہ بیع کا عقد بائع (مولیٰ) اور مشتری دونوں کے حضور میں ہوا ہے، لہٰذا اس کا فسخ بھی دونوں کے حضور میں ہوگا، اگر بائع کے غیاب میں فسخ کا فیصلہ ہوا تو یہ غائب شخص پر فیصلہ ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

> ㉝ وَمَنْ قَدِمَ مِصْرًا، وَقَالَ: أَنَا عَبْدُ زَيْدٍ: فَاشْتَرَى وَبَاعَ: لَزِمَهُ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ التِّجَارَةِ ㉞ وَلَا يُبَاعُ حَتَّى يَحْضُرَ سَيِّدُهُ ㉟ فَإِنْ حَضَرَ، وَأَقَرَّ بِإِذْنِهِ: بِيعَ ㊱ وَإِلَّا: لَا ㊲ وَإِنْ أَذِنَ لِلصَّبِيِّ أَوِ الْمَعْتُوهِ الَّذِي يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَلِيُّهُ: فَهُوَ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَأْذُوْنِ.

ترجمہ: اور جو شخص شہر میں آیا اور کہا کہ میں زید کا غلام ہوں، پھر خرید وفروخت کی، تو اس پر ہر چیز لازم ہوگی تجارت میں سے۔ اور (اس کو) نہیں بیچا جائے گا یہاں تک کہ حاضر ہوجائے اس کا مولیٰ۔ پس اگر حاضر ہوگیا اور اقرار کیا اس کی اجازت کا، تو فروخت کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور اگر اجازت دی بچے اور معتوہ کو جو بیع وشراء کو سمجھتا ہے ولی نے، تو وہ خرید وفروخت میں اس غلام کی طرح ہے جس کو اجازت دی گئی ہو۔

تشریح: ㉝ ومن قدم مصرا، وقال: أنا عبد.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک ان[②] جان آدمی شہر میں آیا اور کہا کہ میں زید

---

① اگر بائع (مولیٰ) نے مشتری کو مأذون کے دَین کا نہیں بتایا، تو اس صورت میں بھی غرماء کو حق حاصل ہے کہ بیع کو رد کردے، مگر فرق یہ ہے کہ اگر بائع نے دَین کا بتادیا ہو تو بعد میں مشتری دَین کے عیب کی وجہ سے مأذون کو واپس نہیں کرسکتا، اور اگر بائع نے دَین کا نہ بتایا ہو تو بعد میں جب مشتری کو دَین کا علم ہوجائے تو وہ اس عیب کی وجہ سے مأذون کو واپس کرسکتا ہے۔ ② یعنی اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے کہ آزاد ہے یا غلام ہے۔

کا غلام ہوں، اور پھر خرید وفروخت کرنے لگا، تو اس پر تجارت کے تمام احکام لازم ہوں گے، یعنی اس کو ماذون سمجھا جائے گا، لہٰذا اس کی خرید وفروخت صحیح ہے، کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ میں زید کا غلام ہوں اپنے اوپر اقرار کرنا ہے، جس کو قبول کیا جائے گا، اور پھر خرید وفروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ماذون ہے، کیونکہ ظاہر حال اس بات تقاضا کرتا ہے کہ غلام جو بھی کام کرتا ہے مولیٰ کی اجازت سے کرتا ہے۔

⑭ ولا يباع حتى يحضر سيده: یعنی مذکورہ صورت میں اگر ماذون پر لوگوں کے دیون آگئے اور وہ ادا نہیں کر سکتا، تو دیون ادا کرنے کیلئے اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا جب تک اس کا مولیٰ نہ آجائے، کیونکہ ماذون کی گردن (ذات) خالص مولیٰ کا حق ہے، لہٰذا مولیٰ کی عدمِ موجودگی میں اس کو فروخت کرنا یا کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

⑮ فإن حضر، وأقرّ بإذنه: بيع: اگر مذکورہ ماذون کا مولیٰ حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، تو ماذون کو غرماء کے دیون ادا کرنے کیلئے بیچا جائے گا، کیونکہ مولیٰ کی اجازت سے معلوم ہوا کہ مولیٰ ماذون کے دیون پر راضی ہے، اور غلام کا جو دَین مولیٰ کی اجازت سے ہو اور مولیٰ اس پر راضی ہو اس میں غلام کو فروخت کیا جائے گا۔

⑯ وإلّا: لا: أي: وإن لا يقرّ: لا يباع. اگر مولیٰ نے حاضر ہو کر اجازت دینے کا اقرار نہیں کیا، بلکہ کہا کہ یہ غلام محجور ہے، اس نے بغیر اجازت تجارت کی ہے، تو ایسی صورت میں غلام کو نہیں بیچا جائے گا، کیونکہ اس سے مولیٰ کا حق ضائع ہو جائے گا۔

ہاں! اگر غرماء گواہ پیش کر کے ثابت کریں کہ مولیٰ نے اجازت دی ہے تو اس کو فروخت کیا جائے گا۔

⑰ وإن أذن للصبي والمعتوه الذي يعقل البيع... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ وہ بچہ اور معتوہ[1] جو خرید وفروخت کی سمجھ رکھتے ہیں[2]، اگر ولی نے ان کو تجارت کی اجازت دی تو وہ ماذون غلام کی طرح ہوں گے، یعنی خرید وفروخت سے متعلق ان کے تمام تصرفات صحیح اور نافذ ہوں گے، جیسے ماذون غلام کے نافذ ہوتے ہیں۔ یہ احنافؒ کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بچے کا تصرف نافذ نہیں ہوتا، اگر چہ ولی نے اجازت دی ہو، کیونکہ بچے پر جو پابندی ہے وہ بچپنے کی وجہ سے ہے، تو جب تک بچپنا باقی رہے گا اس پر پابندی باقی رہے گی، خواہ ولی اجازت دے یا نہ دے، جیسے پاگل پر پابندی ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بچے کی پابندی کو پاگل پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ پاگل میں اہلیت ہی نہیں، جبکہ بچے میں اہلیت موجود ہے، لہٰذا ولی کی اجازت سے بچے کا تصرف اہل انسان کا تصرف ہے جو اپنے محل (یعنی مال) میں ثابت ہے، اور ایسا تصرف لازماً نافذ وصحیح ہوگا۔

الذي يعقل البيعَ صفت ہے صبي اور معتوه دونوں کیلئے الگ الگ طور پر، اس میں احتراز کیا اس بچے اور معتوہ سے جو بالکل سمجھ نہ رکھتے ہوں، وہ پاگل کے حکم میں ہیں، لہٰذا اجازت دینے سے بھی ان کا تصرف صحیح نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

---

① معتوہ وہ شخص ہے جس کی عقل میں نقص ہو، کچھ باتیں عقلاء جیسی ہوتی ہیں اور کچھ پاگلوں جیسی، نفع ونقصان میں تمیز نہ کر سکتا ہو۔

② خرید وفروخت کی سمجھ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ فروخت کرنے سے چیز ہاتھ سے نکل جاتی ہے، اور خرید لینے سے چیز ہاتھ میں آجاتی ہے۔

﴿كِتَابُ الْغَصْبِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الغصب. یعنی یہ کتاب غصب کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے غصب کے احکام کو ماذون کے احکام کے متصل بعد لایا، اس لئے کہ جس طرح ماذون کا تصرف اجازت پر موقوف ہے اسی طرح غاصب کا تصرف بھی مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

غصب باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز کو زور زبردستی لینا، خواہ مال ہو یا غیر مال ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں: ''کھلم کھلا زور زبردستی سے مالک کے حقدار قبضے کو محترم مال سے ختم کر کے ناحق قبضہ ثابت کرنا'' غصب کہلاتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔ غصب حرام ہے، اس کی حرمت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. [نساء:۲۹] ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ''۔

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک بالشت زمین ظلماً لے لی تو قیامت کے دن اس کی گردن میں سات زمینوں کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ [بخاری] تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ غصب کرنا حرام ہے، اگر چہ مغصوب مال بہت کم ہو، چوری کے نصاب کو بھی نہ پہنچے۔ مصنفؒ نے اس کتاب میں غصب سے متعلق چوالیس (۴۴) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ هُوَ إِزَالَةُ الْيَدِ الْمُحِقَّةِ بِإِثْبَاتِ الْيَدِ الْمُبْطِلَةِ ❷ فَالْإِسْتِخْدَامُ، وَحَمْلُ الدَّابَّةِ غَصْبٌ ❸ لَا الْجُلُوسُ عَلَى الْبِسَاطِ ❹ وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِهِ فِي مَكَانِ غَصْبِهِ ❺ أَوْ مِثْلِهِ إِنْ هَلَكَ وَهُوَ مِثْلِيٌّ ❻ وَإِنِ انْصَرَمَ الْمِثْلُ فَقِيمَتُهُ يَوْمَ الْخُصُومَةِ ❼ وَمَا لَا مِثْلَ لَهُ: فَقِيمَتُهُ يَوْمَ غَصْبِهِ.

ترجمہ: غصب حقدار قبضہ کو ختم کرنا ہے باطل قبضہ کو ثابت کرنے کے ذریعے۔ پس خدمت لینا اور سواری پر بوجھ لادنا غصب ہے۔ نہ کہ فرش پر بیٹھ جانا۔ اور واجب ہے واپس کرنا عین مغصوب چیز کو، غصب کرنے کی جگہ میں۔ یا اس چیز کی مثل (واپس کرے) اگر (مغصوب چیز) ہلاک ہوگئی ہو، اور وہ مثلی چیز ہو۔ اور اگر مثل ختم ہوگئی تو اس کی قیمت (واپس کرے) خصومت کے دن۔ اور جس چیز کی مثل نہیں ہے تو اس کی قیمت (واپس کرے) غصب کرنے کے دن۔

تشریح:

❶ هو إزالة اليد المحقة بإثبات ....إلخ: یہ غصب کی فقہی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مالک کے حقدار قبضے

کو کھلم کھلا زبردستی محترم متقوم مال سے ختم کر کے اس پر باطل اور ناحق قبضے کو ثابت کرنا غصب ہے۔

کھلم کھلا کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سامنے دن دہاڑے لے لے، چھپکے سے نہ ہو، ورنہ یہ چوری ہوگی، نہ کہ غصب۔ زبردستی کا مطلب یہ ہے کہ رضامندی سے نہ لے، بلکہ ظلماً لے لے۔ محترم کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان یا ذمی کا مال ہو جو قابلِ احترام ہے، حربی کا مال نہ ہو، کیونکہ حربی اور اس کے مال کا کوئی احترام نہیں ہے۔ متقوم کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال قیمتی ہو، شراب، خون اور مردار کی طرح غیر قیمتی نہ ہو۔ یہ قیود اگرچہ مصنفؒ نے ذکر نہیں فرمائیں مگر غصب کی تعریف میں یہ ضروری ہیں۔

❷ فالاستخدام وحمل الدابة غصب: یہ غصب کی تعریف پر تفریع ہے۔ یعنی دوسرے آدمی کے غلام سے زبردستی خدمت لینا اس غلام کو غصب کرنا ہے۔ اور دوسرے آدمی کے جانور پر زبردستی بوجھ لادنا اس جانور کو غصب کرنا ہے، کیونکہ خدمت لینے اور بوجھ لادنے سے غاصب کا ناحق قبضہ ثابت ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے مالک کا حقدار قبضہ ختم ہو جائے گا، اور یہ غصب ہی ہے۔

❸ لا الجلوس على البساط: أي: لا يكون الجلوس على البساط غصبا. ایک شخص دوسرے کے فرش پر بلا اجازت بیٹھ گیا تو یہ غصب نہیں ہے، کیونکہ فرش پر بیٹھ جانا اس پر ناحق قبضہ نہیں ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے مالک کا قبضہ ختم نہیں ہوتا۔

❹ ويجب رد عينه في مكان غصبه: یہ غصب کا حکم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور وہ چیز موجود ہو تو غاصب پر واجب ہے کہ بعینہٖ وہی چیز مالک کو واپس کرے، اور جہاں سے غصب کیا ہے اسی جگہ پہنچا دے، حدیث میں ہے: على اليد ما أخذت حتى تؤدي. [ترمذی] یعنی ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی ہے، یہاں تک کہ واپس کر دے۔

غاصب نے ناجائز عمل کر کے مالک کا قبضہ ختم کر دیا، اب اس کا علاج یہ ہے کہ مالک کو پھر سے قبضہ دے دیا جائے، اور یہ اسی وقت ہوگا کہ غاصب نے جہاں سے غصب کیا اُسی چیز کو اُسی جگہ واپس پہنچا دے۔

❺ أو مثله إن هلك وهو مثلي: أي: يجب رد مثله... یعنی اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور وہ چیز مثلی[1] ہے، اور پھر وہ غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی، تو اس پر واجب ہے کہ اس چیز کی مثل مالک کو واپس کر دے، مثلاً گندم کو غصب کیا ہے تو اس کی مثل گندم واپس کر دے، کیونکہ مثل دے کر تاوان ادا کرنا ہی اصل ہے، اس میں مالیت اور جنسیت دونوں کا اعتبار ہوتا ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ [بقرہ:۱۹۴] ”اگر کوئی شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی مثل زیادتی اس پر کرو، جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے“۔

❻ وإن انصرم المثل: فقيمته يوم الخصومة: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے کوئی مثلی چیز غصب کی اور پھر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی، اور بازار سے بھی اس چیز کی مثل ختم ہوگئی اور غاصب مثل واپس کرنے پر قادر نہیں رہا، تو ایسی صورت میں

---

① مثلی چیز وہ ہے جس کی مثل بازار سے مل جاتی ہے، جیسے گندم، جو وغیرہ، ان چیزوں کو ذوات الأمثال کہا جاتا ہے۔ اور جن چیزوں کی مثل نہیں ملتی ان کو ذوات القيم کہا جاتا ہے۔ تفصیل كتاب النكاح/باب المهر مسئلہ نمبر (۵۰) کے حاشیہ میں گزر گئی ہے۔

غاصب پر واجب ہے کہ خصومت کے دن[1] اس چیز کی جو قیمت ہے وہ مالک کو ادا کر دے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ دلیل یہ ہے کہ غاصب نے مثلی چیز غصب کی ہے، لہٰذا اس پر مثل ہی واجب ہے، خواہ بازار میں دستیاب ہو یا نہ ہو، اور مثل چھوڑ کر قیمت کی طرف رجوع قاضی کے فیصلہ سے ہوگا، لہٰذا فیصلہ کے دن کی قیمت معتبر ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غصب کے دن جو قیمت تھی وہ ادا کرے، کیونکہ تاوان واجب ہونے کا اصل سبب غصب ہے، لہٰذا غصب کے دن کی قیمت معتبر ہوگی۔ امام محمدؒ کے نزدیک جس دن وہ چیز بازار سے ختم ہوگئی اس دن جو قیمت تھی وہ ادا کرے، کیونکہ اُسی دن مثل کو چھوڑ کر قیمت کی طرف رجوع کیا گیا، لہٰذا اُسی دن کی قیمت معتبر ہوگی۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام محمدؒ کا قول راجح ہے: وعند محمد یوم الانقطاع، وعلیه الفتوی۔ [ردالمحتار: ۹/۲۶۷۔ ہندیہ: ۵/۱۱۹]

❼ وما لا مثل له: فقیمته یوم غصبه: أي: لو هلک ما لا مثل له: فتجب قیمته یوم غصبه. مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے ایسی چیز غصب کی جس کی مثل نہیں ہے، جیسے غلام یا بائیسکل وغیرہ، اور پھر وہ چیز غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی، تو غصب کے دن جو قیمت تھی وہ غاصب پر واجب ہوگی، کیونکہ صورتاً مثل معدوم ہونے کی وجہ سے معناً مثل (یعنی قیمت) پر عمل کیا جائے گا، اس لئے کہ کسی چیز کی قیمت بھی معناً اس چیز کی مثل ہے۔

> ❽ فَإِنْ اِدَّعٰى هَلَاكَهُ: حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ: لَأَظْهَرَهُ ❾ ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ بِبَدَلِهِ ❿ وَالْغَصْبُ فِيمَا يُنْقَلُ ⓫ فَإِنْ غَصَبَ عَقَارًا، وَهَلَكَ فِي يَدِهِ: لَمْ يَضْمَنْهُ ⓬ وَمَا نَقَصَ بِسُكْنَاهُ وَزِرَاعَتِهِ: ضَمِنَ النُّقْصَانَ ⓭ كَمَا فِي النَّقْلِيِّ.

ترجمہ: اور اگر (غاصب نے) دعویٰ کیا مغصوب کی ہلاکت کا، تو قاضی اس کو قید کرے گا، یہاں تک کہ جان لے کہ اگر موجود ہوتا تو ظاہر کر دیتا۔ پھر اس پر فیصلہ کرے اس کے بدل کا۔ اور غصب اس چیز میں ہوتا ہے جس کو منتقل کیا جاتا ہو۔ پس اگر جاگیر کو غصب کیا اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ میں، تو اس کا تاوان نہیں دے گا۔ اور جو نقصان ہو جائے غاصب کے رہنے سے، اور اس کو کاشت کرنے سے، تو تاوان دے گا نقصان کا۔ جیسے نقلی چیز میں۔

تشریح:

❽ فإن ادعی هلاکه: حبسه الحاکم ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے دعویٰ کیا کہ مغصوب چیز میرے پاس ہلاک ہوگئی، تو قاضی اس کی بات پر یقین نہ کرے اور غاصب کو قید میں رکھے، یہاں تک کہ قاضی کو یقین ہو جائے کہ اگر وہ چیز اس

---

① یعنی جس دن قاضی فیصلہ کرتا ہے۔

کے پاس موجود ہوتی تو وہ ظاہر کر دیتا۔ قید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالک کا حق بعینہٖ اس چیز میں یقینی طور پر ثابت ہے، اور غاصب کا دعویٰ محض گمان ہے، اور گمان کی وجہ سے یقینی حق کو باطل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! جب غاصب قید کاٹ لے تو اس کے دعوے کا یقین ہو جائے گا، اس کے بعد مالک کا حق بعینہٖ اس چیز سے ختم ہو کر بدل کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

⑨ **ثم قضى عليه ببدله:** یعنی اگر قید کاٹنے کے بعد بھی غاصب نے مغصوب چیز کو ظاہر نہیں کیا، تو قاضی اس پر اس چیز کے بدل (مثل یا قیمت) کا فیصلہ کرے، کیونکہ ایسی صورت میں یقین ہو گیا کہ وہ چیز ہلاک ہو گئی ہے، لہٰذا بعینہٖ اس چیز کو واپس کرنا متعذر ہو گیا، اس لئے اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

⑩ **والغصب فيما ينقل:** مسئلہ یہ ہے کہ غصب اس چیز میں ہوتا ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہو، اور جس چیز کو منتقل نہیں کیا جا سکتا جیسے زمین، دکان وغیرہ اس میں غصب نہیں ہوتا۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک غیر منقول میں بھی غصب ہوتا ہے، کیونکہ غصب یہ ہے کہ ناجائز قبضہ کی وجہ سے مالک کے جائز قبضے کو ختم کر دیا جائے، اور یہ غیر منقول میں بھی ہوتا ہے، مثلاً کسی نے دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا تو اس کی وجہ سے مالک کا قبضہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اور یہ غصب ہی ہے۔ شیخینؒ فرماتے ہیں کہ غصب یہ ہے کہ غاصب مغصوب چیز میں کوئی ایسا فعل کرے جس کی وجہ سے مالک کا قبضہ ختم ہو کر غاصب کا قبضہ ثابت ہو جائے، اور غاصب غیر منقول جاگیر میں کوئی ایسا فعل نہیں کر سکتا، بلکہ وہ مالک میں فعل کر کے اس کو نکال کر بھگا دیتا ہے، اور اس کو غصب نہیں کہا جاتا۔

قول راجح:

اگر جائیداد و جاگیر وقف کی ہو تو فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہوگا، اگر غیر وقف کی ہو تو شیخینؒ کا قول راجح ہوگا۔ **قال الحصكفي:**

خلافا لمحمد، وبقوله قالت الثلاثة، وبه يفتى في الوقف. [الدر على ہامش رد المحتار: ۹/۲۷۱]

⑪ **فإن غصب عقارا، وهلك في يده: لم يضمنه:** یہ ماقبل مسئلے پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ غیر منقول جاگیر کا غصب نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کسی نے مثلاً دوسرے کے گھر پر ناجائز قبضہ کر لیا اور پھر گھر کسی آسمانی آفت مثلاً زلزلہ کی وجہ سے غاصب کے ہاتھ میں منہدم ہو گیا، تو غاصب پر تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ شیخینؒ کے نزدیک غیر منقول جاگیر کا غصب نہیں ہوتا، تو جب غاصب نے غصب کیا ہی نہیں تو وہ کس چیز کا ضمان دے گا؟ امام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی غصب ہے، لہٰذا غاصب سے ضمان لیا جائے گا۔

⑫ **وما نقص بسكناه، وزراعته: ضمن النقصان:** یعنی مذکورہ صورت میں جب غاصب نے دوسرے کے گھر یا زمین پر قبضہ کر لیا اور پھر اس کے رہنے یا کاشت کرنے کی وجہ سے گھر یا زمین کو نقصان پہنچا، تو بالاتفاق غاصب اس کا تاوان دے گا، کیونکہ یہ نقصان آسمانی آفت کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ غاصب کے فعل کی وجہ سے ہوا ہے، اور یہ اِتلاف (دوسرے کے مال کو ہلاک کرنا) ہے، اور اِتلاف کا تاوان ہوتا ہے، خواہ غصب ہو یا نہ ہو۔

⓭ كما في النقلي: أي: كما يضمن في النقلي. یعنی مذکورہ صورت میں غاصب ضمان دے گا جیسے منقول چیز میں تاوان دیتا ہے، مثلاً غاصب نے کسی کی بائیسکل غصب کی، اور پھر بائیسکل کو نقصان پہنچا تو غاصب اس کا تاوان دے گا، خواہ آسمانی آفت کی وجہ سے نقصان پہنچا ہو یا غاصب کے فعل سے پہنچا ہو، کیونکہ یہ غصب ہے، اور غاصب پر ہر صورت میں نقصان کا ضمان آتا ہے۔

⓮ وَإِنْ اِسْتَغَلَّهُ: تَصَدَّقَ بِالْغَلَّةِ ⓯ كَمَا لَوْ تَصَرَّفَ فِي الْمَغْصُوبِ، وَالْوَدِيعَةِ، وَرَبِحَ ⓰ وَمَلَكَ بِلَا حَلِّ انْتِفَاعٍ قَبْلَ أَدَاءِ الضَّمَانِ بِشَيٍّ، وَطَبْخٍ، وَطَحْنٍ، وَزَرْعٍ، وَاتِّخَاذِ سَيْفٍ، وَإِنَاءٍ ⓱ لِغَيْرِ الْحَجْرَيْنِ ⓲ وَبِنَاءٍ عَلَى سَاجَةٍ ⓳ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً، أَوْ خَرَقَ ثَوْبًا فَاحِشًا: ضَمِنَ الْقِيمَةَ، وَسَلَّمَ الْمَغْصُوبَ إِلَيْهِ، أَوْ ضَمِنَ النُّقْصَانَ ⓴ وَفِي الْخَرْقِ الْيَسِيرِ ضَمِنَ نُقْصَانَهُ.

ترجمہ: اگر مغصوب سے غلہ حاصل کیا تو غلہ کو صدقہ کر دے۔ جیسے تصرف کرے مغصوب اور ودیعت میں اور نفع کمائے۔ اور (غاصب) مالک ہو جائے گا نفع لینے کے حلال ہوئے بغیر ضمان ادا کرنے سے پہلے بھوننے، پکانے، پیسنے، بونے اور تلوار اور برتن بنانے سے۔ سونے چاندی کے علاوہ سے۔ اور عمارت بنانے سے ساگون کی لکڑی پر۔ اور اگر بکری ذبح کی یا کپڑا پھاڑا بہت زیادہ تو (مالک) تاوان لے قیمت کا، اور مغصوب چیز تسلیم کر دے غاصب کو، یا نقصان کا تاوان لے۔ اور کم پھاڑنے میں تاوان لے اس کے نقصان کا۔

لغات:

استغلّ: استفعال (استغلال) کی ماضی ہے، غلہ حاصل کرنا، نفع لینا۔ الغَلّة: پیداوار، آمدنی۔ شَيّ: ضرب (شَوىٰ يَشْوِي شيًا) کا مصدر ہے، بھوننا۔ طحن: فتح کا مصدر ہے، پیسنا۔ حجرين: سونا چاندی۔ ساجة: ساگون کی لکڑی، جو بڑی قیمتی ہے۔

تشریح:

⓮ وإن استغلّه: تصدّق بالغلّة: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام غصب کیا، اور پھر اُسے مزدوری پر لگا کر نفع کمایا، اور مزدوری کرنے میں غلام کو نقصان بھی پہنچا، اور غاصب نے مالک کو اس نقصان کا تاوان ادا کر دیا، تو اب حکم یہ ہے کہ غاصب نے غلام کی مزدوری سے جو نفع حاصل کیا ہے اس کو صدقہ کر دے۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غاصب پر صدقہ کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ غاصب نے جب غلام کے نقصان کا تاوان ادا کر دیا تو گویا غاصب غلام کا مالک ہو گیا، اور جو نفع حاصل کیا ہے وہ گویا غاصب نے اپنی ملک میں اپنے غلام سے حاصل کیا، اور ایسا نفع پاک اور حلال ہوتا ہے، اس کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ تاوان دے کر غاصب مالک تو بن گیا مگر اس کی ملک ناقص ہے، اور اس نے دوسرے کی ملک میں ناجائز

تصرف کر کے نفع حاصل کیا، اور ناقص ملک میں ناجائز تصرف سے جو نفع حاصل ہو جائے وہ خبیث ہوتا ہے، جس کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

⑮ **كما لو تصرف في المغصوب، والوديعة، وربح:** یعنی ماقبل مسئلے میں نفع کو صدقہ کرنا واجب ہے، جیسے غاصب مغصوب چیز میں تجارت کر کے نفع کمائے، یا مودع ودیعت میں تجارت کر کے نفع کمائے۔ حضرات طرفینؒ کے نزدیک اس نفع کو بھی صدقہ کرنا واجب ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ دلائل وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔

⑯ **وملك بلا حلّ انتفاعٍ قبل أداء الضمان ...الخ:** یہاں ایک قاعدہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور پھر اس چیز میں ایسی تبدیلی کی جس سے اس چیز کا نام اور اس کی حقیقت ہی بدل گئی، مثلاً بکری غصب کر کے اُسے ذبح کر دیا اور گوشت کو بھون دیا، یا پکایا، یا گندم کو غصب کر کے اُسے پیسا، یا کاشت کیا، یا لوہے کو غصب کر کے اس سے تلوار بنائی، یا برتن بنادیئے، تو ان تبدیلیوں کی وجہ سے غاصب مالک ہو جائے گا، مگر ضمان ادا کرنے سے پہلے اس کیلئے نفع لینا حلال نہیں ہے۔

غاصب اس لئے مالک ہو جائے گا کہ اس نے اپنے فعل سے ایک قیمتی چیز پیدا کر دی، جس کی وجہ سے مالک کی چیز ختم ہو کر نیست و نابود ہوگئی، لہٰذا لازماً مالک کی ملکیت ختم ہو کر غاصب کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور غاصب کیلئے ضمان ادا کرنے سے پہلے نفع لینا اس لئے حلال نہیں کہ اگر ضمان سے پہلے اس کیلئے نفع لینا حلال کر دیا جائے تو اس سے غصب کا دروازہ کھل کر اس کو جواز کی سند مل جائے گی۔ حدیث میں ہے کسی نے مالک کی اجازت کے بغیر بکری کو ذبح کر کے بھون دیا اور ضمان ادا نہیں کیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلاؤ۔ [ابوداؤد] معلوم ہوا کہ ضمان دینے سے پہلے غاصب کیلئے نفع لینا جائز نہیں ہے۔

⑰ **لغير الحجرين:** جار و مجرور کا تعلق اتخاذ سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ غاصب تلوار بنانے اور برتن بنانے سے مالک ہو جائے گا کہ سونے چاندی کے علاوہ سے بنائے، مثلاً لوہا یا پیتل غصب کر کے اس سے تلوار اور برتن بنائے، اور اگر سونا یا چاندی غصب کر کے اس سے تلوار اور برتن بنائے، تو اس سے غاصب مالک نہیں بنے گا، لہٰذا تلوار اور برتن مالک ہی کی ملک میں ہوں گے، اور غاصب کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غاصب سونے یا چاندی کے برتن کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اپنے فعل سے ایک قیمتی چیز بنائی، اس نے سونے چاندی کو توڑ مروڑ کر اس میں تبدیلی لائی جس کی وجہ سے لازماً مالک کی ملک ختم ہو کر غاصب کی ملک ثابت ہو جائے گی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کی ذات مقصود ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور غاصب نے سونے چاندی کی ذات اور حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، صرف شکل تبدیل کر دی، اور اس کی وجہ سے مالک کی ملک ختم نہیں ہوگی۔

⑱ **وبناءٍ على ساجة:** یہ عطف ہے شيٍ پر، أي: ملك بلا حلّ انتفاعٍ قبل أداء الضمان ببناءٍ على ساجة. یعنی اگر غاصب نے ساگون کی لکڑی غصب کر لی اور پھر اس پر عمارت بنائی، تو مالک کی ملکیت اس سے ختم ہو کر غاصب مالک بن جائے گا، کیونکہ عمارت میں لگانے سے لکڑی اس عمارت کا جزء بن گئی، تو گویا اس کی حقیقت ہی بدل گئی، جیسے آج کل لوہے کا سریا

غصب کرکے اس کو عمارت میں استعمال کرے، تو غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔ پہلے زمانے میں ساگون کی لکڑی کو عمارت کی بنیادوں میں اس طرح استعمال کیا جاتا تھا جیسے آج کل سریے کو استعمال کیا جاتا ہے۔

⑲ ولو ذبح شاة، أو خرق ثوبا فاحشا: ضمن ...إلخ: اگر کسی نے دوسرے کی بکری[1] غصب کر کے اُس کو ذبح کر دیا، یا کپڑا غصب کر کے اُسے بہت زیادہ[2] پھاڑ دیا، تو مالک کو دو اختیار ہیں: اگر چاہے تو غاصب سے قیمت کا تاوان لے اور وہ چیز (بکری یا کپڑا) غاصب کے سپرد کر دے، اور اگر چاہے تو بکری اور کپڑے میں جتنا نقصان آیا ہے وہ غاصب سے لے کر مغصوب چیز خود لے لے، کیونکہ غاصب نے جو فعل کیا ہے وہ ایک اعتبار سے بالکل ہلاک کرنا ہے، جس کی وجہ سے مالک کی ملکیت ختم ہو گئی، اور دوسرے اعتبار سے ہلاک کرنا نہیں ہے، بلکہ نقصان پہنچانا ہے، کیونکہ ذبح کی ہوئی بکری اور پھٹے ہوئے کپڑے سے بعض منافع حاصل کئے جا سکتے ہیں، تو پہلے اعتبار کو دیکھ کر مالک قیمت کا تاوان لے سکتا ہے، اور دوسرے اعتبار کو دیکھ کر وہ نقصان کا ضمان لے سکتا ہے۔

⑳ وفي الخرق اليسير ضمن نقصانه: اگر غاصب نے کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑا، تو مالک صرف نقصان کا ضمان لے سکتا ہے، پوری قیمت نہیں مانگ سکتا ہے، کیونکہ کپڑا ہلاک نہیں ہوا، اس کی ذات باقی ہے، لہٰذا مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوئی، البتہ پھاڑنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے وہ لے سکتا ہے۔

㉑ وَلَوْ غَرَسَ، أَوْ بَنَى فِي أَرْضِ الْغَيْرِ: قُلِعَا، وَرُدَّتْ ㉒ وَإِنْ نَقَصَتِ الْأَرْضُ بِالْقَلْعِ: ضَمِنَ لَهُ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ مَقْلُوعًا، وَيَكُونُ لَهُ ㉓ وَإِنْ صَبَغَ أَوْ لَتَّ السَّوِيقَ بِسَمْنٍ: ضَمَّنَهُ قِيمَةَ ثَوْبٍ أَبْيَضَ، وَمِثْلَ السَّوِيقِ، أَوْ أَخَذَهُمَا، وَغَرِمَ مَا زَادَ الصِّبْغُ وَ السَّمْنُ.

ترجمہ: اور اگر (غاصب نے) درخت لگایا، یا عمارت بنائی دوسرے کی زمین میں، تو اکھاڑے جائیں گے، اور (زمین مالک کو) واپس کر دی جائے گی۔ اور اگر زمین کو نقصان ہوا اکھاڑنے سے تو (مالک) غاصب کو ضمان دے عمارت اور درخت کا اکھڑے ہوئے، اور (عمارت یا درخت) مالک کا ہو جائے گا۔ اور اگر (کپڑے کو) رنگ دیا، یا سویق میں گھی ملایا تو (مالک) اس سے تاوان لے سفید کپڑے کی قیمت کا، اور سویق کی مثل کا، اور یا (مالک) دونوں لے لے اور (غاصب کو) تاوان دے جو زیادتی ہوئی رنگ اور گھی سے۔

تشریح:

㉑ ولو غرس، أو بنى في أرض الغير ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کی زمین میں بلا اجازت

---

① بکری سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اگر غیر ماکول اللحم جانور کو ذبح کر دیا تو یہ بالکل ہلاک کرنا ہے، کیونکہ اس سے کوئی نفع نہیں لیا جا سکتا ہے، لہٰذا غاصب پر پوری قیمت واجب ہوگی۔ ② اگر کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑا تو یہ یقیناً نقصان پہنچانا ہے، لہٰذا مالک کو صرف نقصان کا ضمان ملے گا، جیسا کہ اگلے مسئلے میں ہے۔

درخت لگائے یا عمارت بنائی، تو اس کے درخت اور عمارت کو اکھاڑ دیا جائے گا اور زمین مالک کو واپس دی جائے گی، کیونکہ زمین مالک کی ملک میں ہے، اور غاصب نے دوسرے کی زمین اپنے درخت اور عمارت سے مشغول کی، لہٰذا اس پر واجب ہے کہ زمین خالی کردے۔

۶۲ وإن نقصت الأرض بالقلع: ضمن له البناء ....إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر درخت اور عمارت کو اکھاڑنے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہو، تو مالک کو اختیار حاصل ہے کہ اکھڑے ہوئے درخت اور اکھڑی ہوئی عمارت کا ضمان غاصب کو دے کر درخت اور عمارت خود لے لے، اس میں دونوں کا فائدہ ہے، زمین کے مالک کو درخت اور عمارت ملیں گے، اور اس کی زمین بھی خراب ہونے سے بچ جائے گی، اور غاصب کو درخت اور عمارت کی قیمت مل جائے گی۔

اکھڑے ہوئے درخت اور عمارت کا مطلب یہ ہے کہ تجربہ کار لوگوں سے پوچھا جائے کہ اگر اس درخت اور عمارت کو اکھاڑ دیا جائے تو اس کے ملبے کی کیا قیمت ہوگی؟ وہ جو قیمت بتائیں وہی قیمت مالک غاصب کو دے دے۔

۶۳ وإن صبغ، أو لتّ السويق بسمن: ضمّنه قيمةَ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غاصب نے دوسرے کا سفید کپڑا غصب کر کے اُسے رنگ دیا، یا ستو غصب کر کے اُس میں گھی ملایا، تو مالک کو دو اختیار ہیں: اگر چاہے تو کپڑا اور ستو غاصب کو دے اور اس سے سفید کپڑے کی قیمت کا تاوان لے، اور ستو کی مثل لے۔ اور اگر چاہے تو رنگا ہوا کپڑا اور گھی ملا ہوا ستو خود لے لے اور کپڑے میں رنگ کی وجہ سے اور ستو میں گھی کی وجہ سے جو اضافہ ہوا ہے غاصب کو اس کا تاوان ادا کرے، دونوں صورتوں میں مالک اور غاصب دونوں کا فائدہ ہے، لہٰذا مالک کی مرضی ہے جس صورت پر چاہے عمل کرے۔

☆☆☆

فَصْلٌ

أي: هٰذا فصل في بيان تصرفات الغاصب في المغصوب. یعنی یہ فصل مغصوب میں غاصب کے تصرفات کے بیان میں ہے۔ بعض اوقات غاصب مغصوب چیز میں تصرف کرتا ہے، یا مغصوب میں کچھ زیادتی آجاتی ہے، یا اس میں نقصان در آتا ہے، اس فصل میں انہی اَبحاث سے متعلق بیس (۲۰) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

۶۴ وَلَوْ غَيَّبَ الْمَغْصُوبَ، وَضَمِنَ قِيمَتَهُ: مَلَكَهُ ۶۵ وَالْقَوْلُ فِي الْقِيمَةِ لِلْغَاصِبِ مَعَ يَمِينِهِ ۶۶ وَالْبَيِّنَةُ لِلْمَالِكِ ۶۷ فَإِنْ ظَهَرَ وَقِيمَتُهُ أَكْثَرُ، وَقَدْ ضَمِنَهُ بِقَوْلِ الْمَالِكِ، أَوْ بِبَيِّنَةٍ، أَوْ بِنُكُولِ الْغَاصِبِ: فَهُوَ

لِلْغَاصِبِ، وَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ۞ وَإِنْ ضَمِنَهُ بِيَمِيْنِ الْغَاصِبِ: فَالْمَالِكُ يُمْضِي الضَّمَانَ، أَوْ يَأْخُذُ الْمَغْصُوبَ، وَيَرُدُّ الْعِوَضَ.

ترجمہ: اگر (غاصب نے) مغصوب کو غائب کردیا اور قیمت کا تاوان دے دیا تو اس کا مالک ہوجائے گا۔ اور قیمت میں غاصب کی بات (معتبر) ہے، اس کی قسم کے ساتھ۔ اور گواہ مالک کے ہوں گے۔ پس اگر (مغصوب) ظاہر ہوگیا اور اس کی قیمت زیادہ تھی، حالانکہ اس نے ضمان دیا ہے مالک کے قول سے، یا گواہوں سے، یا غاصب کے (قسم سے) انکار کی وجہ سے، تو وہ (مغصوب) غاصب کا ہوگا، اور خیار نہیں ہوگا مالک کیلئے۔ اور اگر اس کا تاوان دیا ہے غاصب کی قسم کی وجہ سے تو مالک ضمان کو برقرار رکھے، یا مغصوب کو لے لے اور عوض واپس کردے۔

تشریح:

۞ ولو غيب المغصوب، وضمن قيمته ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے مغصوب چیز غائب کردی، اور پھر اس نے مالک کو اس کی قیمت کا تاوان بھی ادا کردیا، تو غاصب اس چیز کا مالک ہوگیا، لہٰذا بعد میں اگر وہ چیز سامنے آگئی تو مالک اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ یہ احناف رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے غاصب مالک نہیں بن سکتا، کیونکہ غصب ایک ناجائز عمل ہے، اور ناجائز عمل کرکے انسان کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ غاصب نے بدل (قیمت) ادا کردیا ہے، اور مالک نے وصول کرلیا ہے، اب اگر مغصوب چیز غاصب کی ملک میں نہ آئے اور مالک ہی کی ملک میں رہے تو مالک کی ملک میں بدل (قیمت) اور مبدل منہ (مغصوب) دونوں جمع ہوجائیں گے، اور شریعت میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں کہ ایک شخص بدل اور مبدل منہ دونوں کا مالک ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے یک شخص مبیع اور ثمن دونوں کا مالک ہوجائے۔

۞ والقول في القيمة للغاصب مع يمينه: یعنی مذکورہ صورت میں اگر غاصب اور مالک کے درمیان مغصوب کی قیمت میں اختلاف ہوا، غاصب چار ہزار بتارہا ہے اور مالک پانچ ہزار کا دعویٰ کررہا ہے، اور گواہ کسی کے پاس نہیں ہیں، تو اس میں غاصب کی بات معتبر ہوگی، قسم کے ساتھ، کیونکہ مالک زیادتی کا مدّعی ہے اور غاصب اس سے منکر ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کی بات معتبر ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ قسم کھالے۔

۞ والبينة للمالک: اگر مذکورہ صورت میں غاصب اور مالک دونوں نے اپنی اپنی بات پر گواہ پیش کیے، تو مالک کے گواہ معتبر ہوں گے، کیونکہ وہ مدّعی ہے زیادتی کو ثابت کررہا ہے، اور غاصب منکر ہے زیادتی کی نفی کررہا ہے، اور گواہ اِثبات کیلئے ہوتے ہیں، نفی کیلئے نہیں ہوتے۔

⑮ فإن ظهر وقيمته أكثر، وقد ضمنه بقول المالك ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مالک اور غاصب کے درمیان قیمت میں اختلاف ہوا، غاصب نے چار ہزار بتائی اور مالک نے پانچ ہزار کا دعویٰ کیا، اس کے بعد غاصب نے مالک کے قول کے مطابق پانچ ہزار قیمت کا ضمان دے دیا، یا مالک نے گواہ پیش کیے جس کے مطابق غاصب نے پانچ ہزار ادا کئے، اور یا مالک نے غاصب کو قسم دی اور غاصب نے قسم کھانے سے انکار کیا جس کی وجہ سے اس نے پانچ ہزار ادا کر دیئے، اس کے بعد مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ میں ظاہر ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس کی قیمت پانچ ہزار سے زائد ہے، تو تینوں صورتوں میں مغصوب چیز غاصب کی ہوئی، اور مالک کو اختیار نہیں ہوگا کہ قیمت واپس کر کے مغصوب چیز لے لے، کیونکہ تینوں صورتوں میں مالک کی مرضی کے مطابق غاصب نے ضمان ادا کیا ہے، اور مالک اس پر راضی ہو گیا ہے، لہٰذا اب واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

⑯ وإن ضمنه بيمين الغاصب: فالمالك يُمضي الضمانَ ....إلخ: اگر مذکورہ صورت میں غاصب نے چار ہزار قیمت پر قسم کھائی اور اسی کے مطابق مالک کو ضمان ادا کیا، اور بعد میں معلوم ہوا کہ مغصوب چیز کی قیمت چار ہزار سے زیادہ ہے، تو مالک کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اسی قیمت کو برقرار رکھ کر مغصوب چیز غاصب کے پاس چھوڑے، اور اگر چاہے تو مغصوب چیز لے کر غاصب کو عوض (چار ہزار) واپس کر دے، کیونکہ اس صورت میں مالک نے اپنی مرضی سے چار ہزار وصول نہیں کئے، بلکہ غاصب کی قسم کھانے کی وجہ سے مجبور ہو کر وصول کئے، اس لئے اب اس کو اختیار دیا جائے گا۔

⑰ وَإِنْ بَاعَ الْمَغْصُوبَ، فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ: نَفَذَ بَيْعُهُ ⑱ وَإِنْ حَرَّرَهُ، ثُمَّ ضَمَّنَهُ: لَا ⑲ وَزَوَائِدُ الْمَغْصُوبِ أَمَانَةٌ ⑳ فَيَضْمَنُ بِالتَّعَدِّي، أَوْ بِالْمَنْعِ بَعْدَ طَلَبِ الْمَالِكِ ㉑ وَمَا نَقَصَتْ بِالْوِلَادَةِ: مَضْمُونٌ، وَيُجْبَرُ بِوَلَدِهَا.

ترجمہ: اور اگر (غاصب نے) مغصوب کو فروخت کر دیا، پھر مالک نے اس سے ضمان لے لیا، تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور اگر مغصوب غلام کو آزاد کر دیا، پھر (مالک نے) اس سے ضمان لیا تو (آزادی نافذ) نہیں ہوگی۔ اور مغصوب کی زیادتیاں امانت ہیں۔ پس (غاصب) ضمان دے گا تجاوز کرنے اور منع کرنے کی وجہ سے مالک کے مطالبے کے بعد۔ اور جو نقصان ہو جائے بچہ جننے کی وجہ سے اس کا تاوان ہوگا، اور (تاوان کو) پورا کیا جائے گا اس کے بچے سے۔

تشریح:

⑰ وإن باع المغصوب فضمّنه المالك ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے مغصوب غلام کو فروخت کر دیا، اس کے بعد مالک نے اس سے ضمان لیا، تو غاصب کی بیع نافذ ہو جائے گی، کیونکہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے غاصب غلام کا مالک بن جاتا ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۴) میں بیان ہوا، تو گویا غاصب نے اپنا غلام فروخت کیا، اس لئے اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

● وإن حرّره، ثم ضمّنه: لا: أي: لا ينفذ عتقه. یعنی مذکورہ صورت میں اگر غاصب نے غلام کو آزاد کر دیا، اور پھر مالک نے اس سے ضمان لیا، تو آزادی نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ آزاد کرنے کیلئے کامل ملک ضروری ہے، جبکہ غاصب کی ملک ناقص ہے، کیونکہ غاصب کو ضرورت کی وجہ سے ملک حاصل ہوئی، تا کہ ایک ملک میں بدل اور مبدل منہ جمع نہ ہوں (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۴) میں بیان ہوا) اور جو ملک ضرورتاً ثابت ہو وہ ناقص ہوتی ہے، اور ناقص ملک میں غلام آزاد کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، چنانچہ مکاتب بھی اپنا غلام بیچ تو سکتا ہے مگر آزاد نہیں کر سکتا، جیسا کہ کتاب المکاتب/باب ما یجوز للمکاتب أن یفعله مسئلہ نمبر (۹) میں گزر چکا ہے۔

● وزوائد المغصوب أمانة: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب کے ہاتھ میں مغصوب چیز میں زیادتی آئی، مثلاً مغصوبہ باندی نے بچہ جنا، یا مغصوب باغ میں پھل آیا، تو یہ زیادتی غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوگی، لہٰذا اگر غاصب کے ہاتھ میں خود بخود ہلاک ہوئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مغصوب کی زیادتی غصب میں سے شمار ہوگی، لہٰذا مغصوب کی طرح غصب کا ضمان بھی ہوگا، خواہ خود بخود ہلاک ہو جائے یا غاصب ہلاک کرے، کیونکہ زیادتی میں بھی غصب پایا جاتا ہے، یعنی دوسرے کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کرنا، لہٰذا غصب کی وجہ سے مغصوب اور زیادتی دونوں کا ضمان ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ غصب یہ ہے کہ مالک کا قبضہ ختم کر کے غاصب اپنا قبضہ ثابت کرے، اور زیادتی پر مالک کا قبضہ تھا ہی نہیں، تو اس میں غصب نہیں پایا گیا، اس لئے یہ امانت ہے۔

● فیضمن بالتعدي، أو بالمنع بعد طلب المالک: یہ پچھلے مسئلے پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مغصوب کی زیادتی غاصب کے ہاتھ میں امانت ہے، لہٰذا اگر غاصب نے زیادتی پر تجاوز کر کے اُسے ہلاک کر دیا تو وہ تاوان دے گا، اور اسی طرح اگر مالک نے غاصب سے زیادتی کا مطالبہ کیا اور غاصب نے دینے سے انکار کیا اور پھر غاصب کے ہاتھ میں وہ زیادتی ہلاک ہوگئی، تو اس پر تاوان آئے گا، کیونکہ امانت کا یہی حکم ہے، جیسا کہ کتاب الودیعۃ مسئلہ نمبر (۷) میں بیان ہو گیا ہے۔

● وما نقصت بالولادة: مضمون، ويُجبر بولدها: مسئلہ یہ ہے کہ غاصب کے ہاں مغصوبہ باندی نے بچہ جنا اور ولادت کی وجہ سے باندی کی قیمت میں نقصان آیا، تو غاصب پر اس نقصان کا تاوان ہوگا[1]۔ اب اگر بچے سے یہ نقصان پورا ہو سکتا ہے تو پورا کیا جائے گا، مثلاً باندی کی قیمت میں پانچ سو نقصان آیا اور بچے کی قیمت بھی پانچ سو یا اس سے بھی زیادہ ہے، تو باندی کا نقصان بچے سے پورا ہو کر غاصب پر تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ نقصان اور زیادتی (بچے) کا سبب ایک ہے، یعنی ولادت، ولادت کی وجہ سے نقصان بھی ہوا اور اسی ولادت سے بچے کی زیادتی بھی حاصل ہوئی، اور ایسی صورت میں زیادتی خود بخود نقصان کی کمی کو پورا کر دیتی ہے۔

---

① تاوان اس وقت ہوگا کہ باندی کا حمل مولیٰ اور شوہر کے علاوہ دوسرے آدمی سے ہو، اگر باندی کا حمل مولیٰ یا شوہر سے ہو اور پھر وہ غاصب کے ہاتھ میں بچہ جنے، تو غاصب پر ولادت کے نقصان کا کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

۵۵ وَلَوْ زَنٰى بِمَغْصُوبَةٍ، فَرُدَّتْ، فَمَاتَتْ بِالْوِلَادَةِ: ضَمِنَ قِيمَتَهَا ۵۶ وَلَا يَضْمَنُ الْحُرَّةَ ۵۷ وَمَنَافِعَ الْغَصْبِ ۵۸ وَخَمْرَ الْمُسْلِمِ، أَوْ خِنْزِيرَهُ بِالْإِتْلَافِ ۵۹ وَضَمِنَ لَوْ كَانَا لِذِمِّيٍّ ۶۰ وَإِنْ غَصَبَ مِنْ مُسْلِمٍ خَمْرًا، فَخَلَّلَهَا، أَوْ جِلْدَ مَيْتَةٍ فَدَبَغَهُ: فَلِلْمَالِكِ أَخْذُهُمَا ۶۱ وَرَدَّ مَا زَادَ بِالدِّبَاغِ ۶۲ وَإِنْ أَتْلَفَهُمَا: ضَمِنَ الْخَلَّ فَقَطْ.

ترجمہ: اوراگرمغصوبہ باندی سے زنا کیا، پھر (مالک کو) واپس کردی گئی، اور پھر مرگئی ولادت کی وجہ سے تو (غاصب) ضمان دے گا اس کی قیمت کا۔ اور ضمان نہیں دے گا آزاد عورت کا۔ اور غصب کے منافع کا۔ اور مسلمان کی شراب اور اس کے خنزیر کا ہلاک کرنے سے۔ اور تاوان دے گا اگر (شراب اور خنزیر) ذمی کے ہوں۔ اور اگر مسلمان سے شراب غصب کی، پھر سرکہ بنایا، یا مردار کی کھال کو (غصب کیا) پھر دباغت دی، تو مالک دونوں لے سکتا ہے۔ اور (مالک) واپس کردے جو زیادتی ہوئی دباغت سے۔ اور اگر (غاصب نے) دونوں کو تلف کردیا تو صرف سرکہ کا ضمان دے۔

تشریح:

۵۵ ولو زنیٰ بمغصوبة، فردّت، فماتت ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غاصب نے مغصوبہ باندی سے زنا کیا اور حاملہ باندی مالک کے حوالہ کردی، اور پھر مالک کے پاس باندی نے بچہ جنا اور ولادت میں وہ مرگئی، تو غاصب باندی کی قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ غاصب نے جب باندی کو غصب کیا تھا تو اس میں ہلاکت کا سبب (حمل) نہیں تھا، اور جب واپس کردی تو اس میں یہ سبب پیدا ہوگیا تھا، لہٰذا غاصب نے جس طرح غصب کیا تھا اسی طرح واپس نہیں کیا، اس لئے یہ واپسی صحیح نہ ہوئی، تو گویا باندی غاصب کے ہاتھ میں مرگئی ہے، اس لئے وہ قیمت کا تاوان دے گا۔

۵۶ ولا یضمن الحرةَ: یعنی اگر کسی شخص نے آزاد عورت کو زبردستی پکڑ کر اس سے زنا کیا، اور پھر چھوڑ دیا، اور اس کے بعد عورت نے زنا کے حمل سے بچہ جنا اور ولادت میں مرگئی، تو زانی پر تاوان (دیت) نہیں آئے گا، کیونکہ آزاد عورت مال نہیں ہے، لہٰذا اس میں غصب نہیں ہوتا، تو اس کا ضمان بھی نہیں ہوگا۔

۵۷ ومنافعَ الغصب: یہ عطف ہے الحرّةَ پر، أي لا یضمن منافعَ الغصب. صورت مسئلہ یہ ہے کہ غاصب نے دوسرے کا غلام غصب کیا اور ایک مہینہ تک اس سے خدمت لیتا رہا، پھر واپس کردیا، تو غاصب نے خدمت کے جو منافع حاصل کئے ہیں ان کا تاوان نہیں دے گا، کیونکہ منافع میں غصب نہیں پایا گیا، غصب اس چیز میں ہوتا ہے جو موجود ہو، جبکہ منافع پہلے سے موجود نہیں تھے، بلکہ غاصب کے ہاں وجود میں آئے، تو گویا منافع غاصب کی اپنی ملک میں موجود ہوئے، اور انسان پر اپنی ملک کا ضمان نہیں ہوتا۔

۵۸ وخمرَ المسلم، أو خنزیرَہ بالإتلاف: یہ بھی الحرةَ پر عطف ہے، أي: لایضمن خمرَ المسلم...

اگر کسی شخص نے مسلمان کی شراب یا خنزیر کو تلف کر دیا تو اس کا تاوان نہیں ہے، کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال متقوم (قیمتی مال) نہیں ہیں، اور تاوان مال متقوم کا ہوتا ہے۔

۞ وضمن لو كانا لذمي: یعنی اگر شراب اور خنزیر کسی ذمی کے ہوں، اور کوئی شخص ان کو تلف کر دے، تو ان کا ضمان ہوگا، کیونکہ ذمی کے حق میں یہ دونوں مال متقوم ہیں، جیسے مسلمان کے حق میں سرکہ اور بکری ہوتے ہیں۔

۞ وإن غصب لمسلم خمرا، فخللها، أو جلد ميتة .....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمان سے شراب غصب کر کے اس سے سرکہ بنایا، یا مردار کی کھال کو غصب کر کے اُسے دباغت دی، تو مالک کو حق حاصل ہے کہ دونوں چیزیں (سرکہ اور مدبوغ کھال) غاصب سے لے لے، کیونکہ غاصب نے ایسا کوئی تصرف نہیں کیا جس کی وجہ سے مالک کا حق بالکل ساقط ہو جائے، لہٰذا غاصب کے تصرف کرنے کے باوجود مالک کی ملک برقرار ہے اور اُسے لینے کا حق ہے۔①

۞ ورد ما زاد بالدباغ: یعنی مذکورہ صورت میں جب مالک کھال لے لے تو اس کی قیمت میں دباغت کی وجہ سے جو زیادتی ہوئی ہے وہ غاصب کو دے دے، کیونکہ کھال کو دباغت دینے میں غاصب نے کچھ نہ کچھ خرچہ ضرور کیا ہے، جیسے ببول درخت کی چھال، نمک وغیرہ استعمال کرے، لہٰذا دباغت کی وجہ سے کھال کی قیمت میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ غاصب کو واپس کر دے۔

جبکہ سرکہ بنانے میں غاصب نے کوئی خرچہ نہیں کیا ہے، بلکہ دھوپ اور سایہ میں رکھنے سے خود بخود شراب سے سرکہ بن گیا، یہ ایسا ہے جیسے نجس کپڑے کو پانی میں ڈال کر پاک کر دے، لہٰذا مالک مفت میں سرکہ لے لگا، غاصب کو کچھ بھی نہ دے۔

۞ وإن أتلفهما: ضمن الخلّ فقط: یعنی مسئلہ نمبر (۳۹) کی صورت میں اگر غاصب نے شراب سے سرکہ بنا کر تلف کر دیا، یا مردار کی کھال کو دباغت دے کر تلف کر دیا تو غاصب پر سرکہ کا ضمان ہے، وہ سرکہ کی مثل مالک کو دے دے، کھال کا ضمان نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غاصب پر کھال کا ضمان بھی ہوگا، کیونکہ سرکہ کی طرح کھال بھی مالک کی ملک میں ہے، اور سرکہ کی طرح کھال بھی مال متقوم ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ سرکہ کا ضمان ہو اور کھال کا نہ ہو۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دباغت سے پہلے کھال مال متقوم نہیں تھی، غاصب کے فعل سے وہ مال متقوم ہوگئی، تو کھال غاصب کے فعل کی تابع ہوئی، لہٰذا جس طرح غاصب کے فعل کا ضمان نہیں ہے اسی طرح کھال کا بھی ضمان نہیں ہوگا، اس کے برخلاف شراب غاصب کے فعل سے نہیں، بلکہ خود بخود سرکہ بن گئی ہے، اس لئے اس کا ضمان ہوگا۔

---

① یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مسئلہ نمبر (۱۶) میں بیان ہوا کہ اگر غاصب نے مغصوب چیز میں ایسا تصرف کیا کہ مغصوب کا نام اور اس کی حقیقت ہی بدل گئی تو غاصب اس چیز کا مالک ہو جائے گا، اس قاعدے کی رُو سے غاصب سرکہ کا مالک ہونا چاہئے، کیونکہ اس نے شراب میں ایسی تبدیلی کی کہ اس کا نام اور حقیقت ہی بدل گئی؟

جواب یہ ہے کہ شراب سے جو سرکہ بنا ہے وہ غاصب کے تصرف اور فعل سے وجود میں نہیں آیا، بلکہ شراب کو دھوپ اور سایہ میں کچھ عرصہ رکھنے سے خود بخود اُس سے سرکہ بن جاتا ہے، تو یہاں غاصب کا کوئی فعل نہیں ہے، اس لئے وہ مالک نہیں بن سکتا۔

۶۲ وَمَنْ كَسَرَ مِعْزَفًا، أَوْ أَرَاقَ سَكَرًا، أَوْ مُنَصَّفًا: ضَمِنَ ۶۳ وَصَحَّ بَيْعُ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ

۶۴ وَمَنْ غَصَبَ أُمَّ وَلَدٍ، أَوْ مُدَبَّرَةً، فَمَاتَتْ: ضَمِنَ قِيمَةَ الْمُدَبَّرَةِ، لَا أُمِّ وَلَدٍ.

ترجمہ: اور جس نے توڑا موسیقی کا آلہ، یا بہادیا کھجور کا نشہ آور پانی، یا انگور کا نشہ آور پانی، تو ضمان دے گا۔ اور صحیح ہے ان چیزوں کی بیع کرنا۔ اور جس نے غصب کر لی اُم ولد یا مدبرہ، پھر وہ مرگئی، تو تاوان دے گا مدبرہ کی قیمت کا، نہ کہ اُم ولد کا۔

لغات:

معزف: موسیقی کا آلہ، سارنگی، باجہ وغیرہ۔ أراق: اِفعال کے باب سے ماضی ہے، اصل میں أَرْيَقَ تھا، بہانا، انڈیل دینا۔

سکر: کھجور کا نشہ آور پانی جسے آگ پر نہ پکایا گیا ہو۔ منصف: انگور کا پانی جو آگ پر پکا کر آدھا رہ گیا ہو۔

تشریح:

۶۲ ومن كسر معزفا، أو أراق سكرا ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے آدمی کے آلاتِ موسیقی کو توڑ دیا، یا کسی کی نشہ آور چیز کو گرادیا، جیسے کھجور کا نشہ آور پانی یا انگور کا نشہ آور پانی وغیرہ، تو اس پر تاوان ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں قیمتی مال ہیں، ان کو جائز اور ناجائز دونوں طرح استعمال کرنا ممکن ہے، اور بعض حالات میں ناجائز استعمال ہونے سے کسی چیز کی مالیت باطل نہیں ہوتی، لہٰذا ضائع کرنے والا ضامن ہوگا۔

صاحبینؒ کے نزدیک وہ شخص ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے گناہ کی چیز کو ضائع کیا ہے، اور یہ ثواب کا کام ہے اور شریعت کا حکم ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں آلاتِ لہو ولعب کو توڑ دوں، اور خنزیر کو قتل کردوں۔ [البحر الرائق: ۸/۲۲۵]

قول راجح:

صاحبین کا قول راجح ہے۔ والفتوی في زماننا علی قولهما، لكثرة الفساد. [بحر: ۸/۲۲۶۔ الدر المختار علی ہامش رد: ۹/۳۰۷]

۶۳ وصح بيع هذه الأشياء: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ چیزیں مال متقوم نہیں ہیں، لہٰذا ان کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں بھی صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ [ایضاً]

۶۴ ومن غصب أمَّ ولد، أو مدبرة، فماتت ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی اُم ولد باندی کو غصب کیا، یا مدبرہ باندی کو غصب کیا اور پھر وہ باندی غاصب کے ہاتھ میں مرگئی، تو غاصب مدبرہ کی قیمت کا تاوان دے اور اُم ولد کی قیمت کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ان کے نزدیک مدبرہ مال متقوم ہے، لہٰذا اس کی قیمت ہوگی، جبکہ اُم ولد مال متقوم نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مدبرہ کی طرح اُم ولد بھی مال متقوم ہے، لہٰذا اس کی بھی قیمت ہوگی، اور غاصب سے ضمان لیا جائے گا۔ دلائل کی تفصیل كتاب العتاق / باب العبد الذي يُعتق بعضه مسئلہ نمبر (۱۷) میں گزر گئی ہے۔

﴿كِتَابُ الشُّفْعَةِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام الشفعة. یعنی یہ کتاب شفعہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے شفعہ کو غصب کے بعد ذکر فرمایا، کیونکہ غصب میں غاصب مغصوب پر زبردستی قبضہ کرتا ہے، اور شفعہ میں بھی شفیع مبیع (جائیداد) پر زبردستی قبضہ کرتا ہے۔

شفعة اسم مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: تَمَلُّکٌ (مالک بنا)، شَفْعٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: ملانا۔

فقہاء کی اصطلاح میں شفعہ یہ ہے کہ مشتری نے جتنی قیمت میں جائیداد خریدی ہے شفیع اتنی ہی قیمت میں زبردستی وہ جائیداد مشتری سے لے لے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

جب مشتری جائیداد (زمین، مکان وغیرہ) خرید لے تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ وہ جائیداد مشتری سے لے لے، تاکہ شفیع اپنے آپ کو مشتری کے ضرر سے بچا سکے۔ شفیع کے اس حق کو "حق شفعہ" کہا جاتا ہے۔

حق شفعہ کی مشروعیت صحیح احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جار الدار أحق بالدار. [ترمذی] گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز عہد نبوی سے لے کر آج تک تمام امت کا حق شفعہ کے ثبوت پر اجماع ہے۔

حق شفعہ کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات ایک اجنبی مشتری آکر جائیداد خرید لیتا ہے جس کی وجہ سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ضرر سے بچنے کیلئے شریعت نے پڑوسی کو حق شفعہ دیا ہے۔ جائیداد لینے والے کو شفیع کہا جاتا ہے، اور جائیداد کو مشفوع کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے اگلے باب تک شفعہ سے متعلق نو (۹) بنیادی مسائل ذکر کیے ہیں۔

①هِيَ تَمَلُّكُ الْبُقْعَةِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِي بِمَا قَامَ عَلَيْهِ ②وَتَجِبُ لِلْخَلِيطِ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ ③ثُمَّ لِلْخَلِيطِ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ، كَالشِّرْبِ، وَالطَّرِيقِ إِنْ كَانَ خَاصًّا ④ثُمَّ لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ ⑤وَوَاضِعُ الْجُذُوعِ عَلَى الْحَائِطِ، وَالشَّرِيكُ فِي خَشَبَةٍ عَلَى الْحَائِطِ جَارٌ.

ترجمہ: شفعہ زمین کا مالک بن جانا ہے مشتری پر زبردستی کر کے، جتنے میں مشتری کو پڑی ہے۔ (شفعہ) ثابت ہے شریک کیلئے نفس مبیع میں۔ پھر شریک کیلئے مبیع کے حق میں جیسے پانی کا حق اور راستہ، بشرطیکہ خاص ہو۔ پھر متصل پڑوسی کیلئے۔ اور شہتیر رکھنے والا دیوار پر، اور دیوار پر رکھی ہوئی لکڑی میں شریک پڑوسی ہے۔

لغات: البقعة: زمین کا ٹکڑا، یہاں مطلق غیر منقولہ جائیداد مراد ہے۔ خليط: شریک۔ ملاصق: اسم فاعل کا صیغہ ہے،

متصل۔ جذوع: جمع ہے جذع کی، درخت کا تنہ، شہتیر۔

تشریح:

❶ هي تملّك البقعة جبرا على المشتري... إلخ: یہ شفعہ کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مشتری کو جائیداد جتنی قیمت میں پڑی ہے اتنی ہی قیمت میں زبردستی اس جائیداد کا مالک بننا شفعہ ہے، مثلاً مشتری نے ایک لاکھ روپے میں زمین خریدلی، پھر پڑوسی (شفیع) وہی ایک لاکھ مشتری کو دے کر مشتری کی رضامندی کے بغیر زبردستی اس جائیداد کا مالک بن جائے۔

تملّک جنس ہے، ہر چیز کے مالک بننے کو شامل ہے۔ البقعة فصل ہے، جائیداد وجاگیر کے علاوہ تمام چیزوں سے احتراز ہوا، کیونکہ ان میں شفعہ نہیں ہوتا، مثلاً مشتری نے گاڑی خریدی، تو دوسرا شخص زبردستی اس گاڑی کا مالک نہیں بن سکتا۔

جبرا دوسری فصل ہے، اس میں بیع سے احتراز ہوا، یعنی پڑوسی (شفیع) بیع کے ذریعے رضامندی سے مالک نہیں بنتا، بلکہ شفعہ کے ذریعے زبردستی سے مالک بنتا ہے۔

❷ وتجب للخليط في نفس المبيع: مسئلہ یہ ہے کہ شفعہ نفس مبیع کے شریک کیلئے ثابت ہے۔

یہ بات سمجھ لیں کہ حق شفعہ میں ترتیب ہوتی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

① پہلے نمبر کا حقدار نفس مبیع کا شریک ہے، مثلاً کوئی زمین زید اور خالد کے درمیان مشترک ہے، زید نے خالد کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ فروخت کردیا، تو خالد نفس مبیع (زمین) میں شریک ہے، لہٰذا سب سے پہلے حق شفعہ اُسی کو ملے گا۔ اگر نفس مبیع کا شریک موجود نہ ہو، یا اس نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کے بعد دوسرے نمبر والے کو شفعہ دیا جائے گا۔

② دوسرے نمبر کا حقدار مبیع کے حقوق کا شریک ہے، مثلاً زید کی زمین الگ ہے اور شریف کی زمین الگ ہے، مگر دونوں کا راستہ ایک ہے، یا دونوں کا پانی ایک ہے، راستہ اور پانی کا حصہ زمین کے حقوق میں سے ہیں، تو زید اور شریف زمین کے حقوق میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، لہٰذا اگر زید نے اپنی زمین بیچ دی اور پہلے نمبر کا حقدار نہیں ہے، یا اس نے اپنا حق چھوڑ دیا تو شریف کو شفعہ دیا جائے گا۔

③ تیسرے نمبر کا حقدار متصل پڑوسی ہے، مثلاً زید کی زمین الگ اور عمران کی زمین الگ ہے، دونوں کا راستہ اور پانی کا حصہ بھی الگ الگ ہیں، مگر ایک کی زمین دوسرے کی زمین سے متصل ہے، تو زید اور عمران ایک دوسرے کے متصل پڑوسی ہیں، لہٰذا اگر زید نے اپنی زمین بیچ دی اور پہلے نمبر اور دوسرے نمبر کے حقدار موجود نہیں ہیں، یا انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا، تو عمران کو حق شفعہ مل جائے گا۔

اس ترتیب کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: الشريك أحقُّ من الخليط، والخليط أحقُّ من الشفيع. [ہدایہ] شریک زیادہ حقدار ہے خلیط سے، اور خلیط زیادہ حقدار ہے شفیع سے۔ شریک سے مراد نفس مبیع کا شریک ہے، اور خليط سے مراد مبیع کے حقوق کا شریک ہے، اور شفيع سے مراد متصل پڑوسی ہے۔ [أیضاً]

❸ ثم للخليط في حق المبيع، كالشِرب، والطريق إن كان خاصًّا: دوسرے نمبر میں مبیع کے حق کے

شریک کیلئے شفعہ ثابت ہوگا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بشرطیکہ مبیع کا حق خاص ہو۔ مبیع کا حق جیسے راستہ اور پانی کا حصہ، مثلاً دونوں زمینوں کا راستہ ایک ہو، یا دونوں کے پانی کا حصہ (شرب) ایک ہو، یعنی دونوں کو ایک نہر یا ایک پائپ سے پانی ملتا ہو۔

إن کان خاصا کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کے حق کے شریک کیلئے اس وقت شفعہ ملے گا کہ مبیع کا حق خاص ہو، مثلاً دونوں زمینوں کا راستہ خاص ہو عام نہ ہو، اور پانی کا حصہ خاص ہو عام نہ ہو، عام راستہ اور عام شرب میں شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوگا۔

خاص راستہ وہ ہے جو آگے بند ہو، اس راستہ میں جن گھروں اور زمینوں کے دروازے ہیں وہ سب راستہ میں ایک دوسرے کے شریک ہو کر ایک دوسرے سے شفعہ لے سکتے ہیں۔ اگر عام کھلا راستہ ہو تو اس میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوں گے، اور نہ ان کو ایک دوسرے کا شفعہ ملے گا۔

خاص شرب (پانی کا حصہ) وہ نہر ہے جس میں کشتیاں نہیں چلتیں، اس نہر سے جن زمینوں اور گھروں کو پانی ملتا ہے وہ ایک دوسرے کے شریک ہو کر ایک دوسرے سے شفعہ لے سکتے ہیں۔ اگر بڑی نہر ہے جس میں کشتیاں چلتی ہیں تو اس سے سیراب ہونے والے گھر اور زمینیں ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوں گے، اور نہ ایک دوسرے کے شفیع ہوں گے۔

❹ ثم للجار الملاصق: تیسرے نمبر میں متصل پڑوسی کو شفعہ ملے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲) کی تفصیل میں بیان ہوا۔ متصل پڑوسی وہ ہے جس کی زمین مشفوعہ زمین سے متصل ہو، مگر دونوں کا راستہ اور شرب الگ الگ ہوں۔

❺ وواضع الجذوع على الحائط، والشريك في ....الخ: حاصل یہ ہے کہ نفس مبیع (جائیداد) میں شریک وہ شخص ہے جو جائیداد و جاگیر میں شریک ہو، لہٰذا اگر زید نے خالد کی دیوار پر شہتیر اور لکڑیاں رکھی ہوئی ہیں، یا درمیان والی دیوار پر رکھی ہوئیں لکڑیوں میں زید خالد کا شریک ہے، تو وہ نفس مبیع میں ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوں گے، بلکہ متصل پڑوسی ہوں گے، کیونکہ دیوار پر شہتیر رکھنے سے یا دیوار پر رکھی ہوئیں لکڑیوں میں شریک ہونے سے ایک شخص دوسرے کی جائیدا میں شریک نہیں بن جاتا۔

> ❻ عَلَى عَدَدِ الرُّؤُوسِ ❼ بِالْبَيْعِ ❽ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ
> ❾ وَتُمْلَكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِي أَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِي.

ترجمہ: (شفیعوں کے) اشخاص کی تعداد کے مطابق۔ بیع کی وجہ سے۔ اور (شفعہ) مستحکم ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے۔ اور (شفعہ) ملک میں لایا جاتا ہے لینے سے آپس کی رضامندی کے ساتھ، یا قاضی کے فیصلہ سے۔

تشریح:

❻ على عدد الرؤوس: جار و مجرور کا تعلق تجب سے ہے۔ رؤوس جمع ہے رأس کی، بمعنی انسانی شخص، ذات۔ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی جائیداد کے متعدد شفیع جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان تقسیم کس طرح ہوگی؟ اس کی صورت

یہ ہے کہ دس ہزار فٹ زمین میں سے پانچ ہزار فٹ زید کے، تین ہزار فٹ خالد کے اور دو ہزار فٹ شریف کے ہیں، زید نے اپنا حصہ فروخت کر دیا، جس پر خالد اور شریف دونوں نے حق شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اب حکم یہ ہے کہ زید کا حصہ ان دونوں کے اشخاص کے مطابق برابر دو پر تقسیم ہوگا، ڈھائی ہزار فٹ خالد کو اور ڈھائی ہزار فٹ شریف کو ملیں گے، ان کے حصوں کو نہیں دیکھا جائے گا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک شفعہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا، مثلاً مذکورہ مثال میں خالد کا اپنا حصہ تین ہزار فٹ ہے، تو اس کو شفعہ میں بھی تین ہزار فٹ ملیں گے، اور شریف کا اپنا حصہ دو ہزار فٹ ہے، لہٰذا اس کو شفعہ میں بھی دو ہزار فٹ ملیں گے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ ملک کے منافع میں سے ہے، یعنی ملک ہی کی وجہ سے شفعہ کا نفع ملتا ہے، تو جس کی جتنی ملک ہوگی اس کو اتنے ہی منافع ملیں گے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ حق شفعہ کی اصل علت شرکت[①] اور اتصال ہے، اور نفس شرکت و اتصال میں دونوں شفیع برابر ہیں، اگر چہ ایک کا حصہ کم اور دوسرے کا زیادہ ہے، لہٰذا شفعہ میں بھی دونوں کو برابر حصہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر مذکورہ مثال میں خالد نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا تو شریف کو زید کا سارا حصہ (پانچ ہزار فٹ) مل جائے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ صرف اپنی ملک کے مطابق دو ہزار فٹ ملے۔

❼ **بالبيع:** یہ بھی تجب سے متعلق ہے، أي: تجب بالبيع. حاصل یہ ہے کہ شفیع کو شفعہ اس وقت ثابت ہوگا جب بیع ہو جائے، جب بائع اپنی جائیداد بیچ دے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی ملکیت سے اعراض کر کے مشتری کو عوض (ثمن) پر دے رہا ہے، اس وقت شفیع کو حق حاصل ہے کہ مشتری کے ضرر سے بچنے کی خاطر وہی عوض مشتری کو دے کر جائیداد خود لے لے۔

اگر کسی نے اپنی جائیداد دوسرے کو مفت میں ہبہ کر دی تو شفیع کو اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بیع نہیں ہوئی۔

❽ **وتستقر بالإشهاد:** حاصل یہ ہے کہ شفیع کو جب جائیداد فروختگی کا علم ہو جائے تو فوراً آواز بلند کر کے شفعہ کا دعویٰ کرے، اس کو طلب المواثبة (فوری مطالبہ) کہا جاتا ہے، اور پھر اپنے اس دعوے پر گواہ بھی بنائے، اس کو طلب الإشهاد (گواہ بنانے کا مطالبہ) کہا جاتا ہے۔ گواہ بنانے سے اس کا شفعہ اور دعویٰ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے، اب مشتری اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ گواہ بنانا اس لئے ضروری ہے کہ شفعہ ایک کمزور حق ہے، اور کمزور حق کو مضبوط کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر گواہ قائم کئے جائیں۔

❾ **وتملك بالأخذ بالتراضي، أو بقضاء القاضي:** مسئلہ یہ ہے کہ مشفوعہ جائیداد شفیع کی ملک میں دو طریقوں سے آجاتی ہے: ایک یہ کہ مشتری رضامندی سے شفیع کو تسلیم کر دے اور شفیع اس کو لے لے، اور دوسرا یہ کہ قاضی فیصلہ کرے کہ یہ جائیداد شفیع کا حق ہے، کیونکہ مشتری کی ملک تام اور مکمل ہو چکی ہے، اب اس کو ختم کر کے شفیع کیلئے ثابت کرنا محض مطالبہ سے نہیں ہوتا، بلکہ ان دو طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اپنانا ضروری ہے۔[②]

---

① یعنی نفس مبیع میں شریک ہونا، یا مبیع کے حق میں شریک ہونا، یا متصل پڑوسی ہونا۔

② اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر ان دو طریقوں میں سے ایک طریقہ پر عمل کرنے کے بعد شفیع مر گیا تو مشفوعہ گھر اس کے ورثہ کو مل جائے گا، اور اگر ان دو طریقوں سے پہلے مر گیا تو ورثہ کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ شفیع خود مالک نہیں بنا تو اس کے ورثہ کیلئے بھی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔

﴿بَابُ طَلَبِ الشُّفْعَةِ وَالْخُصُومَةِ فِيهَا﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام طلب الشفعة والخصومة فيها. یعنی یہ باب شفعہ طلب کرنے اور اس میں خصومت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ حق شفعہ ثابت کرنے کیلئے طلب کرنا شرط ہے، اگر شفیع مطالبہ نہ کرے تو اس کیلئے شفعہ بالکل ثابت نہیں ہوگا۔ پھر طلب کرنے کی تین قسمیں ہیں: طلب المواثبة (فوری مطالبہ کرنا)۔ طلب الإشهاد (گواہ بنا کر مطالبہ کرنا)۔ طلب الخصومة (قاضی کی مجلس میں خصومت ومقدمہ کرکے مطالبہ کرنا)۔ اس باب میں ان اقسام سے متعلق اٹھائیس (۲۸) مسائل ہیں۔

❶ فَإِنْ عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالْبَيْعِ: أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ عَلَى الطَّلَبِ ❷ ثُمَّ عَلَى الْبَائِعِ لَوْ فِي يَدِهِ، أَوْ عَلَى الْمُشْتَرِي، أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ ❸ ثُمَّ لَا تَسْقُطُ بِالتَّأْخِيرِ ❹ فَإِنْ طَلَبَ عِنْدَ الْقَاضِي: سَأَلَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، فَإِنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ مَا يَشْفَعُ بِهِ، أَوْ نَكَلَ، أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ: سَأَلَهُ عَنِ الشِّرَاءِ، فَإِنْ أَقَرَّ بِهِ، أَوْ نَكَلَ، أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ: قَضَى بِهَا.

ترجمہ: اگر شفیع کو علم ہوگیا بیع کا تو گواہ بنائے اپنی اس مجلس میں طلب کرنے پر۔ پھر بائع پر (گواہ بنائے) اگر (جائیداد) اس کے ہاتھ میں ہو، یا مشتری پر (گواہ بنائے) اور یا جائیداد کے پاس (گواہ بنائے)۔ پھر (شفعہ) ساقط نہیں ہوگا تاخیر کرنے سے۔ پس اگر مطالبہ کیا قاضی کے ہاں تو (قاضی) مدعیٰ علیہ سے پوچھے، اگر اس نے اقرار کیا اس جائیداد کا جس کی وجہ سے (شفیع) شفعہ لے رہا ہے، یا (قسم کھانے سے) انکار کیا، اور یا شفیع نے گواہ پیش کئے، تو (قاضی) اس سے پوچھے خریدنے کے بارے میں، پس اگر اس کا اقرار کیا، یا (قسم کھانے سے) انکار کیا اور یا شفیع نے گواہ پیش کئے، تو (قاضی) شفعہ کا فیصلہ کردے۔

تشریح:

❶ فإن علم الشفيع بالبيع: أشهد في ....إلخ: اس سے پہلے بتایا گیا کہ شفیع حق شفعہ لینے کیلئے تین مرتبہ مطالبہ کرے۔ اس مسئلہ میں پہلی طلب (طلب المواثبة) کا ذکر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب شفیع کو اطلاع ملے کہ پڑوس میں جائیداد فروخت ہوئی ہے تو وہ فوراً اسی مجلس میں شفعہ لینے کا دعویٰ کرے اور اس پر دو گواہ بھی قائم کرے۔ پہلی مرتبہ مطالبہ کرنا اُسی مجلس میں ضروری ہے جس میں جائیداد فروختگی کا علم ہوا ہے، اگر اس مجلس میں خاموش رہا تو بعد میں مطالبہ کرنے سے شفعہ نہیں ملے گا۔ مگر گواہ بنانا ضروری نہیں ہے، یہ صرف ایک احتیاطی حکم ہے، تاکہ بعد میں مشتری کے انکار کا سدِّ باب ہوجائے۔

❷ ثم على البائع لو في يده، أو على المشتري، أو عند العقار: یہ دوسری طلب (طلب الإشهاد) کا بیان

ہے۔ جب شفیع طلب مواثبہ کر چکا اس کے بعد وہ بائع پر گواہ قائم کرے، بشرطیکہ مبیع (جائیداد) ابھی تک اسی کے ہاتھ میں ہو، یا مشتری پر گواہ قائم کرے، اور یا جائیداد کے پاس گواہ لے جا کر ان کے سامنے کہے کہ فلاں شخص نے اس جائیداد کو خرید لیا ہے، میں اس کا شفیع ہوں، اور میں شفعہ کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ یہ گواہ بنانا ضروری ہے تا کہ بعد میں قاضی کے سامنے یہی گواہ گواہی دیں۔

③ ثم لا تسقط بالتأخير یہ تیسری طلب (طلب الخصومة) کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شفیع نے جب طلب مواثبہ اور طلب اِشہاد کر لیا، تو اس کے بعد طلب خصومت، یعنی قاضی کی مجلس میں مقدمہ کرنے میں اگر تاخیر بھی کرے تو اس کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا؛ کیونکہ پہلی اور دوسری طلب سے اس کا حق ثابت و مستحکم ہو گیا، اب ساقط نہیں ہوگا جب تک وہ خود ساقط نہ کر دے۔ یہ حضرات شیخین کا قول ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اگر ایک مہینہ تک بلا عذر شفیع نے طلب خصومت میں تاخیر کی تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ زیادہ تاخیر کرنے سے مشتری کو ضرر ہوگا، وہ بے چارہ کب تک انتظار کرے؟

قول راجح:

امام محمدؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدين: قال في شرح المجمع، وفي جامع الخاني: الفتوى اليوم على قول محمدٌ لتغير أحوال الناس في قصد الإضرار. [ردالمحتار: ۹/۳۳۱۔ مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۱۰۳۴]

④ فإن طلب عند القاضي: سأل المدعى عليه فإن.... إلخ: اس عبارت میں قاضی کے فیصلہ کرنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شفیع نے قاضی کی مجلس میں مقدمہ کر کے شفعہ کا مطالبہ کیا تو قاضی کو چاہئے کہ سب سے پہلے مدعیٰ علیہ (مشتری) سے پوچھے کہ شفیع جس جائیداد کی وجہ سے شفعہ کا مطالبہ کر رہا ہے کیا واقعی وہ اس جائیداد کا مالک ہے؟ اب اس میں تین صورتیں بنتی ہیں:

① مشتری نے اِقرار کیا کہ شفیع جس جائیداد کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے وہ اس کی ملک میں ہے۔

② مشتری نے شفیع کی ملک کا انکار کیا، اس کے بعد شفیع نے گواہ پیش کر کے اپنی ملک ثابت کر دی۔[1]

③ شفیع گواہ پیش نہ کر سکا، پھر قاضی نے مشتری کو اس طرح قسم دی: اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں ہے کہ شفیع اُس جائیداد کا مالک ہے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے، مگر مشتری نے قسم کھانے سے انکار کیا، تو تینوں صورتوں میں شفیع کی ملکیت ثابت ہو گئی۔

اس کے بعد قاضی دوبارہ مدعیٰ علیہ (مشتری) سے پوچھے کہ شفیع جس جائیداد کے شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے کہ کیا وہ تم نے خریدی ہے؟ اس میں بھی تین صورتیں بنتی ہیں:

◇ مشتری نے اِقرار کیا کہ ہاں! یہ جائیداد میں نے خرید لی ہے۔

---

① متن کی عبارت میں پہلے أو نکل (مشتری نے قسم کھانے سے انکار کیا) ہے، اور اس کے بعد ہے: أو برهن الشفیع (شفیع نے گواہ پیش کئے)، مگر حقیقت یہ ہے کہ پہلے شفیع گواہ پیش کرتا ہے، اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گیا تو مشتری کو قسم دی جائے گی۔

② مشتری نے خرید نے کا انکار کیا، اس کے بعد شفیع نے گواہ پیش کر کے اس کی خرید کو ثابت کر دیا۔

③ شفیع گواہ پیش نہ کر سکا، اس کے بعد قاضی نے مشتری کو یوں قسم دی: اللہ کی قسم میں نے اس جائیداد کو نہیں خریدا، مگر مشتری نے اس طرح قسم کھانے سے انکار کیا، تو تینوں صورتوں میں مشتری کی خرید ثابت ہو جائے گی۔

اب جس جائیداد کی وجہ سے شفیع شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے اس میں شفیع کی ملکیت بھی ثابت ہوئی، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ شفیع جس جائیداد کے شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے وہ مشتری نے خرید لی ہے، تو حق شفعہ کی دلیل مکمل ہوگئی، لہٰذا قاضی شفیع کیلئے شفعہ کا فیصلہ کر دے گا۔

⑤ وَلَا يَلْزَمُ الشَّفِيعَ إِحْضَارُ الثَّمَنِ وَقْتَ الدَّعْوٰى، بَلْ بَعْدَ الْقَضَاءِ ⑥ وَخَاصَمَ الْبَائِعَ لَوْ فِي يَدِهِ ⑦ وَلَا يَسْمَعُ الْبَيِّنَةَ حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي، فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدِهِ ⑧ وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ ⑨ وَالْوَكِيلُ بِالشِّرَاءِ خَصْمٌ لِلشَّفِيعِ مَا لَمْ يُسَلِّمْ إِلَى الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: اور شفیع پر لازم نہیں ہے ثمن حاضر کرنا دعویٰ کے وقت، بلکہ فیصلہ کرنے بعد (لازم ہوگا)۔ اور (شفیع) مخاصمت کرے بائع کے ساتھ، بشرطیکہ (جائیداد) اسی کے ہاتھ میں ہو۔ اور (قاضی) گواہ نہ سنے یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے، تو بیع کو فسخ کرے اس کی موجودگی میں۔ اور ذمہ داری بائع پر ہوگی۔ اور خرید نے کا وکیل خصم ہوگا شفیع کیلئے جب تک (جائیداد کو) سپرد نہ کر دے موکل کو۔

تشریح:

⑤ ولایلزم الشفیع إحضار الثمن ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ شفیع پر لازم نہیں ہے کہ شفعہ کا دعویٰ کرتے وقت جائیداد کا ثمن بھی ساتھ لا کر حاضر ہو، ثمن لائے بغیر بھی وہ دعویٰ کر سکتا ہے، کیونکہ اس وقت شفیع پر ثمن ادا کرنا لازم نہیں ہے، تو حاضر کرنا بھی لازم نہ ہوگا۔ البتہ جب قاضی نے شفیع کیلئے شفعہ کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد اس پر لازم ہے کہ ثمن حاضر کر دے، کیونکہ ادا کرنا لازم ہو گیا۔

⑥ وخاصم البائع لو في يده: اگر جائیداد ابھی تک بائع کے ہاتھ میں ہے تو شفیع بائع پر مقدمہ کر کے اس کو قاضی کی مجلس میں حاضر کر سکتا ہے، کیونکہ اصل جھگڑا جائیداد پر ہے، اور وہ بائع کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں! اگر بائع نے جائیداد مشتری کے سپرد کر دی تو اب بائع ایک اجنبی شخص کی طرح ہو گیا، لہٰذا شفیع اس پر مقدمہ نہیں کر سکتا۔

⑦ ولا يسمع البينة حتى يحضر المشتري.....الخ: یعنی مذکورہ صورت میں جب شفیع بائع کے خلاف مقدمہ کرے، اگر شفیع نے گواہ پیش کئے تو قاضی ان کو نہیں سنے گا جب تک مشتری حاضر نہ ہو، کیونکہ قبضۃً اگرچہ بائع کے پاس ہے مگر جائیداد کا مالک مشتری ہے، تو اصل مدعیٰ علیہ وہی ہے، اور مدعیٰ علیہ کی عدم موجودگی میں نہ گواہی قبول ہے اور نہ قاضی فیصلہ کر سکتا ہے۔

پھر جب مشتری حاضر ہو جائے اس کے بعد قاضی گواہوں سے گواہی لے کر مشتری کی موجودگی میں بیع کو فسخ کر دے اور

جائیداد شفیع کے حوالہ کردے، شفیع جائیداد کا ثمن بائع کوادا کرے۔

⑧ والعهدة على البائع: یعنی مذکورہ صورت میں کہ جائیداد بائع کے قبضہ میں ہے، پھر قاضی نے بیع کو فسخ کر کے جائیداد شفیع کے سپرد کردی، اگر اس کے بعد کوئی اور مستحق نکل آیا، اس نے جائیداد کا دعویٰ کیا اور اپنا دعویٰ ثابت کر کے جائیداد شفیع سے لے لی، تو اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی، لہٰذا بائع پر لازم ہے کہ اس نے شفیع سے جو ثمن وصول کیا ہے وہ واپس کردے، کیونکہ اصل عقد کرنے والا بائع ہے، اور عقد کے حقوق (ذمہ داریاں) عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

⑨ والوكيل بالشراء خصم للشفيع ما لم يسلّم إلى الموكل: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ میرے لئے یہ جائیداد خریدلو، وکیل نے جائیداد خریدلی، ابھی تک وکیل نے جائیداد موکل کو سپرد نہیں کی کہ شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اس کا خصم (مدعیٰ علیہ) وکیل ہے، لہٰذا شفیع کو چاہئے کہ وکیل کے خلاف مقدمہ کر کے اس کو قاضی کی مجلس میں حاضر کردے، قاضی وکیل کے خلاف فیصلہ کر کے جائیداد شفیع کے حوالہ کردے، موکل (مشتری) کے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ عقد کے حقوق عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں، اور عاقد وکیل ہے، نہ کہ موکل، لہٰذا خصم بھی وکیل ہی ہوگا۔[1]

اگر وکیل جائیداد موکل کو سپرد کردے تو اس کے بعد شفیع وکیل پر مقدمہ نہیں کرسکتا، کیونکہ اب وکیل اجنبی ہوگیا۔

⑩ وَلِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ، وَالْعَيْبِ وَإِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِي الْبَرَائَةَ مِنْهُ ⑪ وَإِنِ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي ⑫ وَإِنْ بَرْهَنَا: فَلِلشَّفِيعِ ⑬ وَإِنِ ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا، وَادَّعَى بَائِعُهُ أَقَلَّ مِنْهُ، وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ: أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ ⑭ وَإِنْ قَبَضَ: أَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِي.

ترجمہ: اور شفیع کیلئے خیار رؤیت اور (خیار) عیب ہیں، اگرچہ مشتری نے شرط لگائی ہو اس سے براءت کی۔ اور اگر اختلاف کیا شفیع اور مشتری نے ثمن میں، تو بات مشتری کی (معتبر) ہے۔ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو شفیع کے (گواہ معتبر) ہوں گے۔ اور اگر مشتری نے دعویٰ کیا کسی ثمن کا اور اس کے بائع نے دعویٰ کیا اس سے کم کا، اور (بائع نے) ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو، تو شفیع جائیداد کو لے گا اس ثمن پر جو بائع نے کہا۔ اور اگر قبضہ کرلیا ہو تو اس ثمن سے جائیداد لے گا جو مشتری نے کہا۔

تشریح: ⑩ وللشفيع خيار الرؤية، والعيب ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ جب شفیع جائیداد لے لے تو اس کو خیار رؤیت

---

[1] یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مسئلہ نمبر (۷) کی صورت میں بھی عاقد بائع ہے، اور عقد کے حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے، مگر پھر بھی مشتری کا حاضر ہونا ضروری ہے، جبکہ اس کے برخلاف یہاں موکل کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے، یہ کیوں؟ جواب یہ ہے کہ وکیل اپنے موکل کا نائب ہوتا ہے، لہٰذا جب وکیل موجود ہو تو موکل کی حاضری ضروری نہیں ہے، اس کے برخلاف بائع مشتری کا نائب نہیں ہے، اس لئے دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

اور خیار عیب دونوں ثابت ہوں گے، اگر چہ مشتری نے بائع کو ہر عیب سے بری کر دیا ہو، کیونکہ شفیع شفعہ میں جو جائیداد لیتا ہے وہ خرید نے کے حکم میں ہے، گویا شفیع مشتری ہے، اور مشتری کیلئے خیار رؤیت اور خیار عیب ثابت ہوتے ہیں، اور اگر مشتری نے بائع کو ہر عیب سے بری کر دیا ہو تو اس کا اثر شفیع پر نہیں پڑتا، کیونکہ مشتری شفیع کا نائب نہیں ہے، لہٰذا اس کے بری کر دینے سے شفیع کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

⑪ وإن اختلف الشفيع والمشتري في الثمن ....الخ: اگر شفیع اور مشتری نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا، مثلاً مشتری کہتا ہے کہ میں نے یہ جائیداد دو لاکھ روپے میں خریدی ہے، لہٰذا شفیع مجھے دو لاکھ ادا کرے، اور شفیع کہتا ہے کہ مشتری نے ایک لاکھ اسی ہزار میں خریدی ہے، اور گواہ کسی کے پاس نہیں، تو اس میں مشتری کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ شفیع دعویٰ کر رہا ہے کہ میں کم قیمت میں جائیداد کا حقدار ہوں اور مشتری اس سے انکار کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات معتبر ہوگی، قسم کے ساتھ۔

⑫ وإن برهنا: فللشفيع: یعنی اگر مذکورہ صورت میں شفیع اور مشتری دونوں نے اپنی اپنی بات پر گواہ پیش کئے، تو شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے، کیونکہ اس کے گواہ ثمن میں زیادتی ثابت کر رہے ہیں، اور وہی گواہ اولیٰ و بہتر ہوتے ہیں جو زیادتی ثابت کریں، کیونکہ گواہ کا کام یہی ہے کہ کوئی زائد چیز ثابت کریں۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ گواہوں کا اصل کام اِلزام (کسی پر کوئی چیز لازم کرنا) ہے، اور یہ کام شفیع کے گواہ کر رہے ہیں، کیونکہ وہ مشتری پر لازم کر رہے ہیں کہ کم ثمن میں جائیداد شفیع کو دے دے، لہٰذا شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے، اور مشتری کے گواہ شفیع پر کوئی چیز لازم نہیں کر رہے، کیونکہ اس کے گواہ اگر چہ زیادہ ثمن کو ثابت کر رہے ہیں مگر وہ ثمن شفیع پر لازم نہیں ہوتا، کیونکہ شفیع ہر وقت اختیار رکھتا ہے کہ اپنا حقِ شفعہ ساقط کر کے دعویٰ ہی چھوڑ دے۔

⑬ وإن ادّعى المشتري ثمنا، وادّعى بائعه أقلّ ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے اپنا گھر مشتری کے ہاتھ فروخت کر دیا، ابھی تک بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے کہ شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، اس کے بعد بائع و مشتری کے درمیان ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوا، مشتری کہتا ہے کہ گھر کا ثمن ایک لاکھ روپے ہے، اور بائع کہتا ہے کہ ثمن اسی ہزار روپے ہے، تو اب حکم یہ ہے کہ شفیع جب گھر لے گا تو بائع کے بتائے ہوئے ثمن پر لے گا، اس لئے کہ اگر حقیقت میں ثمن وہی ہو جو بائع کہہ رہا ہے تو شفیع پر وہی ثمن لازم ہوگا، اور اگر حقیقت میں ثمن وہ ہے جو مشتری بتا رہا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اصل میں ثمن تو ایک لاکھ روپے تھا، مگر بائع نے کم کر کے اسی ہزار کر دیا، اور اس کمی کا فائدہ شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگا (جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۵) میں آرہا ہے)، لہٰذا شفیع اسی ہزار ادا کر کے گھر لے لے۔

⑭ وإن قبض: أخذها بما قال المشتري: یعنی مذکورہ صورت میں اگر بائع ثمن پر قبضہ کر چکا اس کے بعد بائع و مشتری کا اختلاف ہوا، تو شفیع مشتری کے بتائے ہوئے ثمن پر گھر لے گا، بائع کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ بائع نے جب ثمن وصول کر لیا تو وہ عقد سے نکل کر اجنبی ہو گیا، اب مشتری اور شفیع کے درمیان اختلاف رہ گیا، اور اس کا حکم مسئلہ نمبر (۱۱) میں بیان ہوا کہ اس

میں مشتری کا قول معتبر ہے۔

⑮ وَحَطُّ الْبَعْضِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ ⑯ لَا حَطُّ الْكُلِّ، وَالزِّيَادَةُ ⑰ وَإِنْ اشْتَرَى دَارًا بِعَرْضٍ، أَوْ بِعَقَارٍ: أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِقِيمَتِهِ، وَبِمِثْلِهِ لَوْ مِثْلِيًّا ⑱ وَبِحَالٍّ لَوْ مُؤَجَّلًا، أَوْ يَصْبِرُ حَتَّى يَمْضِيَ الْأَجَلُ فَيَأْخُذَهَا ⑲ وَبِمِثْلِ الْخَمْرِ، وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ إِنْ كَانَ الشَّفِيعُ ذِمِّيًّا ⑳ وَبِقِيمَتِهِمَا لَوْ مُسْلِمًا.

ترجمہ: اور بعض (ثمن) کو ساقط کرنا ظاہر ہوگا شفیع کے حق میں۔ نہ کہ سب کو ساقط کرنا، اور زیادتی کرنا۔ اور اگر گھر خریدا سامان کے عوض، یا جائیداد کے عوض تو شفیع گھر کو لے گا اس کی قیمت سے، اور اس کی مثل سے اگر مثلی ہو۔ اور فوری (ثمن) سے اگر مؤخر ہو، اور یا صبر کرے یہاں تک کہ مدت گزر جائے، پھر اس کو لے لے۔ اور شراب کی مثل سے، اور خنزیر کی قیمت سے (لے لے) اگر شفیع ذمی ہو۔ اور دونوں کی قیمت سے (لے لے) اگر مسلمان ہو۔

تشریح:

⑮ وحط البعض يظهر في حق الشفيع: مسئلہ یہ ہے کہ بائع و مشتری کے درمیان ایک لاکھ روپے پر گھر کی بیع ہوئی، پھر بائع نے ثمن کو کم کر کے اسی ہزار روپے کر دیا، پھر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو ثمن میں جس قدر کمی ہوئی ہے اس کا فائدہ شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگا، لہٰذا شفیع اسی ہزار روپے میں گھر لے گا، کیونکہ ثمن میں کمی کرنا ایسا ہے جیسے شروع ہی سے اسی ہزار پر عقد ہوا تھا (کتاب البيوع/ باب التولية والمرابحة مسئلہ نمبر (۲۷) میں تفصیل گزر گئی ہے)۔ اور ظاہر ہے کہ شفیع اسی ثمن پر شفعہ کا حقدار ہوتا ہے جس پر عقد ہوا ہے۔

⑯ لا حطُّ الكلِّ، والزيادةُ: أي: لا يظهر حطُّ الكل، والزيادةُ في حق الشفيع. یعنی مذکورہ صورت میں اگر بائع نے سارا ثمن مشتری سے ساقط کر دیا تو اس کا فائدہ شفیع کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا، لہٰذا اس سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ سارا ثمن ساقط کرنے سے بیع بغیر ثمن کے رہ جائے گی، اور یہ بیع فاسد ہے جس میں شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا، تو شفیع کا فائدہ اسی میں ہے کہ ثمن کو ساقط نہ کیا جائے، اور وہ مکمل ثمن ادا کر کے جائیداد لے لے۔

اور اسی طرح اگر مشتری نے اپنی طرف سے ثمن میں زیادتی کی، تو اس کا اثر بھی شفیع پر نہیں پڑے گا، لہٰذا شفیع اُسی ثمن سے جائیداد لے گا جس پر عقد ہوا ہے، اس لئے کہ اگر مشتری کی زیادتی کو شفیع پر لازم کر دیا جائے تو اس میں شفیع کو ضرر ہوگا، اور مشتری کو اجازت نہیں ہے کہ شفیع کو ضرر پہنچائے، جبکہ ثمن کو کم کرنے میں شفیع کا فائدہ تھا، اس لئے اس کا اثر شفیع کے حق میں ظاہر ہوگیا۔

⑰ وإن اشترى دارا بعرض، أو بعقار ....إلخ: اگر مشتری نے جائیداد کو سامان (مثلاً گاڑی) کے عوض خریدا، یا جائیداد کو دوسری جائیداد کے عوض خریدا، تو شفیع جب خریدی ہوئی جائیداد کو شفعہ میں لے گا تو وہ عوض (سامان یا جائیداد) کی قیمت ادا کرے،

کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشتری جس چیز کے عوض میں جائیداد خریدے شفیع اسی عوض کی مثل دے گا، اور یہاں مشتری نے سامان (گاڑی) یا جائیداد کے عوض خریدی ہے، اور یہ ذوات القیم میں سے ہیں، جن کی مثل قیمت ہے، لہٰذا شفیع ان کی قیمت دے کر جائیداد لے۔

اور اگر مشتری نے مثلی چیز (مثلاً گندم) کے عوض جائیداد خریدلی، تو شفیع اس کی مثل دے، کیونکہ یہاں عوض (گندم) ذوات الأمثال میں سے ہے، اور اس کی مثل گندم ہی ہے۔

⑱ وبحالّ لو مؤجلا، أو يصبر حتى يمضي....إلخ: أي: لأخذها الشفيع بثمن حالّ لو كان مؤجلا... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری نے ثمن مؤجل (اُدھار) کے ساتھ جائیداد خریدلی تو شفیع ثمن مؤجل کے ساتھ لینے کا اختیار نہیں رکھتا، وہ اگر چاہے تو فی الحال نقد ثمن دے کر جائیداد لے لے، اور اگر چاہے تو مدت پوری ہونے تک صبر کرے، جب ادھار کی مدت گزر جائے اس کے بعد ثمن ادا کرکے لے لے، اس لئے کہ ثمن میں اجل (مدت) شرط سے ثابت ہوئی ہے، اور شفیع کیلئے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی، اور جو شرط مشتری کیلئے ثابت ہے وہ شفیع کیلئے ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ معاملات میں لوگوں کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ بائع مشتری کو ادھار دینے پر راضی ہو اور شفیع کو دینے پر راضی نہ ہو۔

⑲ وبمثل الخمر، وقيمة الخنزير....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے شراب یا خنزیر کے عوض جائیداد خریدلی، اور شفیع بھی ذمی ہے، تو وہ جب شفعہ میں جائیداد لے گا تو شراب کی مثل شراب دے، اور خنزیر کی قیمت دے، کیونکہ ذمیوں کے درمیان شراب ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ، اور یہ ذوات الأمثال میں سے ہے، لہٰذا اس کی مثل شراب دے، اور ذمیوں کیلئے خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے لئے بکری، اور یہ ذوات القیم میں سے ہے، لہٰذا شفیع اس کی قیمت دے کر جائیداد لے۔

⑳ وبقيمتهما لو مسلما: یعنی مذکورہ صورت میں اگر شفیع مسلمان ہے تو وہ شراب اور خنزیر دونوں کی قیمت دے گا، کیونکہ خنزیر تو ذوات القیم میں سے ہے، اس کی تو قیمت ہی دینی ہوتی ہے، اور شراب اگرچہ ذوات الأمثال میں سے ہے، اس کی مثل دی جاسکتی ہے، مگر مسلمان نہ شراب کا مالک بن سکتا ہے اور نہ دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے، لہٰذا وہ شراب کی بھی قیمت دے کر جائیداد لے۔

㉑ وَبِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ لَوْ بَنَى الْمُشْتَرِي، أَوْ غَرَسَ ㉒ أَوْ كَلَّفَ الْمُشْتَرِيَ قَلْعَهُمَا ㉓ وَإِنْ فَعَلَهُمَا الشَّفِيعُ، فَاسْتُحِقَّتْ: رَجَعَ بِالثَّمَنِ فَقَطْ ㉔ وَبِكُلِّ الثَّمَنِ: إِنْ خَرِبَتِ الدَّارُ، أَوْ جَفَّ الشَّجَرُ ㉕ وَبِحِصَّةِ الْعَرْصَةِ: إِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ ㉖ وَالنَّقْضُ لَهُ ㉗ وَبِثَمَرِهَا: إِنِ ابْتَاعَ أَرْضًا وَنَخْلًا وَثَمَرًا، أَوْ أَثْمَرَ فِي يَدِهِ ㉘ وَإِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِي: سَقَطَتْ حِصَّتُهُ مِنَ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور ثمن اور عمارت و درخت کی قیمت کے عوض لے گا بشرطیکہ مشتری نے عمارت بنائی ہو، یا درخت لگایا ہو، یا

(شفیع) مشتری کو مجبور کرے دونوں کو اکھاڑنے پر۔ اور اگر یہ دو کام شفیع کرے، پھر (زمین کا) مستحق نکل آئے، تو صرف ثمن کے ساتھ رجوع کرے۔ اور سارے ثمن کے عوض (لے لے) اگر گھر منہدم ہو گیا، یا درخت خشک ہو گیا۔ اور خالی زمین کے حصہ کے عوض (لے لے) اگر مشتری نے توڑ دیا عمارت کو۔ اور ملبہ اُسی کا ہے۔ اور اس کے پھل سمیت (لے لے) بشرطیکہ (مشتری نے) خرید لیا ہو زمین، درخت اور پھل کو، یا اس کے ہاتھ میں پھل دیا ہو۔ اور اگر مشتری نے پھل کاٹ لیا، تو اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا ثمن سے۔

تشریح:

⑳ وبالثمن وقیمة البناء والغرس... إلخ: أي: وأخذها الشفیع بالثمن... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے ایک لاکھ روپے میں زمین خریدی، اور اس میں پچاس ہزار روپے کی عمارت بنائی، اور دس ہزار روپے کے درخت لگائے، تو شفیع جب شفعہ میں یہ زمین لے گا تو مشتری کو ثمن اور عمارت و درخت کی قیمت سب ادا کرے، کیونکہ عمارت اور درخت قیمتی چیزیں ہیں، اور مشتری اس بات پر راضی نہیں ہے کہ یہ چیزیں مفت میں شفیع کو دے، لہٰذا شفیع پر ان کی قیمت ادا کرنا لازم ہے۔

㉑ أو كلّف المشتري قلعهما: یعنی مذکورہ صورت میں شفیع یہ بھی کر سکتا ہے کہ مشتری کو مجبور کر دے تاکہ وہ اپنی عمارت اور درخت اکھاڑ کر خالی زمین شفیع کے سپرد کر دے۔ یہ حضرات طرفینؒ کا مسلک ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے، کیونکہ مشتری نے عمارت بنانے یا درخت لگانے میں کوئی ناجائز کام نہیں کیا ہے، اپنی ملک میں جائز تصرف کیا ہے، لہٰذا اس کو اکھاڑنے پر مجبور کرنا ظلم و ناانصافی ہے، تو ایسی صورت میں شفیع سے کہا جائے گا کہ یا تو زمین کا ثمن اور عمارت و درخت کی قیمت دے کر زمین لے لو، اور یا چھوڑ دو۔

حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مشتری نے بظاہر اپنی ملک میں جائز طریقہ سے عمارت اور درخت لگائے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ دوسرے کے حق میں ناجائز تصرف کرتا ہے، کیونکہ اس زمین کے ساتھ شفیع کا مضبوط حق متعلق ہے، لہٰذا مشتری جو بھی تصرف کرتا ہے وہ شفیع کے حق میں کرتا ہے، اس لئے شفیع اس تصرف کو توڑ سکتا ہے۔

قول راجح:

مجلۃ الأحکام نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ المادۃ: ۱۰۴۴

㉒ وإن فعلهما الشفیع، فستُحقّت: رجع بالثمن: یعنی اگر شفیع نے زمین شفعہ میں لے کر اس میں عمارت اور درخت لگائے، اور پھر زمین کا کوئی اور مستحق نکل آیا اس نے زمین شفیع سے لے لی، تو شفیع صرف ثمن کے ساتھ رجوع کر کے بائع سے ثمن وصول کر لے، عمارت اور درخت کی قیمت وصول نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شفیع مشتری کی طرح ہے، اگر مشتری عمارت اور درخت لگائے اور پھر مستحق اس کے ہاتھ سے زمین لے لے تو مشتری عمارت اور درخت کی قیمت بائع سے لے سکتا ہے، تو شفیع بھی ان کی قیمت بائع سے وصول کر سکتا ہے، کیا فرق ہے؟

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کو بائع نے دھوکا دیا، اور بائع کی طرف سے اس کو تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا، لہٰذا مشتری معذور ہے، اس لئے وہ اپنے تصرف (عمارت اور درخت) کی قیمت بائع سے لے سکتا ہے، اس کے برخلاف شفیع کو کسی نے دھوکا نہیں دیا، اس نے خود آ کر شفعہ کا دعویٰ کیا اور زبردستی زمین لے لی، لہٰذا وہ جو بھی تصرف کرے اس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا، بائع سے اس کی قیمت نہیں لے سکتا۔

⑩ وبكلّ الثمن: إن خربت الدار، أو جفّ الشجر: أي: ويأخذ الشفيع بكلّ مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے گھر یا باغ خریدا، پھر گھر کی عمارت خود بخود منہدم ہوگئی، یا باغ کے درخت خود بخود خشک ہوگئے، تو شفیع جب شفعہ لے گا تو پورا ثمن ادا کرے، عمارت اور درخت کے عوض میں ثمن میں کمی نہیں ہوگی، کیونکہ اصل جائیداد زمین ہے، عمارت اور درخت اس کے تابع ہیں، لہٰذا ان کے مقابلے میں ثمن نہیں آتا۔ اگر عمارت اور درخت قصداً انسان کے فعل سے ختم ہوگئے تو اس صورت میں ان کے مقابلے میں ثمن میں کمی ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت انسانی فعل کی وجہ سے وہ تابع نہیں رہے، بلکہ اصل اور مقصود ہو گئے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

⑩ وبحصة العرصة: إن نقض المشتري البناء: أي: وأخذ الشفيع بحصة... یعنی مذکورہ صورت کے برخلاف اگر مشتری نے قصداً گھر کی عمارت توڑ دی، تو شفیع سے عمارت کی قیمت کے بقدر ثمن ساقط ہو جائے گا، وہ خالی زمین اس کے حصے کے عوض لے گا، مثلاً مشتری نے پورا گھر ایک لاکھ روپے میں لیا اور پھر عمارت کو گرا دیا، تو عمارت کی قیمت (مثلاً تیس ہزار روپے) ساقط ہوگئی، اور شفیع خالی زمین اس کے حصے (ستر ہزار روپے) کے عوض لے لے۔

⑩ والنقض له: مذکورہ صورت میں جب مشتری نے گھر کی عمارت گرا دی اور شفیع نے خالی زمین لے لی، تو عمارت کا جو ٹوٹا ہوا ملبہ ہے وہ مشتری کا ہے، شفیع اس کو نہیں لے سکتا، کیونکہ عمارت جب ٹوٹ گئی تو اس کا ملبہ زمین سے کا تابع نہیں رہا، بلکہ زمین سے الگ ہو کر منقول سامان کی طرح ہو گیا، اور زمین میں منقول سامان مشتری کا حق ہے، شفیع اس کو شفعہ میں نہیں لے سکتا۔

⑩ وبثمرها: إن ابتاع أرضا ونخلا وثمرا، أو أثمر في يده: أي: أخذها الشفيع مع ثمرها... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے زمین، درخت اور پھل سب کو خرید لیا، یعنی بیع میں درخت اور پھل کو بھی ذکر کیا، پھر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو وہ زمین اور درخت کو پھل کے ساتھ لے لے گا، کیونکہ پھل پیدائشی طور پر درخت سے متصل ہے، اور درخت زمین کے اندر پیوست اور متصل ہیں، تو پھل اور درخت زمین کے تابع ہوگئے، جیسے عمارت کے اندر لگے ہوئے دروازے اور کھڑکیاں، لہٰذا شفیع زمین کے ساتھ ساتھ پھل اور درخت بھی لے لے گا۔ اور اسی طرح اگر مشتری نے زمین خرید لی اور اس وقت درختوں پر پھل نہیں تھا، بعد میں مشتری کے ہاتھ میں پھل آیا، تو شفیع وہ پھل بھی لے گا، کیونکہ پھل اتصال کی وجہ سے مبیع (زمین اور درخت) میں داخل ہے۔

⑩ وإن جذه المشتري: سقطت حصته من الثمن: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مشتری نے پھل توڑ دیا تو بعد میں جب شفیع زمین لے گا تو اس سے پھل کا حصہ ساقط ہو جائے گا، لہٰذا وہ صرف زمین اور درخت کے بقدر ثمن ادا کرے، کیونکہ بائع و مشتری کے درمیان عقد میں جب پھل کا ذکر ہو گیا تو وہ مقصود بن گیا، لہٰذا اس کے مقابلے میں ثمن کا ایک حصہ ساقط ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

﴿بَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الشُّفْعَةُ وَمَا لَا تَجِبُ﴾

أي: هذا باب في بيان ما تجب فيه الشفعة وما لا تجب یعنی یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن میں شفعہ ثابت ہوتا ہے اور جن میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ شفیع اگر شفعہ طلب کرے تو اس کیلئے شفعہ ثابت ہو جائے گا، اب تفصیلاً یہ بیان فرمائیں گے کہ کن چیزوں میں شفعہ ثابت ہوگا اور کن میں ثابت نہیں ہوگا۔ اس باب میں کُل دس (۱۰) مسائل ہیں۔

① إِنَّمَا تَجِبُ الشُّفْعَةُ فِي عَقَارٍ مُلِّكَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ ② لَا فِي عَرْضٍ، وَفُلْكٍ، وَبِنَاءٍ، وَنَخْلٍ بِيعَا بِلَا عَرْصَةٍ ③ وَدَارٍ جُعِلَتْ مَهْرًا، أَوْ أُجْرَةً، أَوْ بَدَلَ خُلْعٍ، أَوْ بَدَلَ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ، أَوْ عِوَضَ عِتْقٍ ④ أَوْ وُهِبَتْ بِلَا عِوَضٍ مَشْرُوطٍ.

ترجمہ: شفعہ ثابت ہوتا ہے اس جائیداد میں جس کو ملک میں لایا جائے ایسے عوض سے جو مال ہو۔ نہ کہ سامان میں، کشتی میں، عمارت اور درخت میں، جن کو بیچا جائے بغیر زمین کے۔ اور ایسے گھر میں جو مہر مقرر کیا جائے، یا اُجرت، یا بدلِ خلع، یا بدلِ صلح قتلِ عمد سے، اور یا آزادی کا عوض (مقرر کیا جائے)۔ اور یا ہبہ کر دیا جائے بغیر مشروط عوض کے۔

تشریح:

① **إنما تجب الشفعة في عقار مُلك** ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں ثابت ہوتا ہے جس کو مشتری اپنی ملک میں لائے ایسے عوض کے مقابلے میں جو مال ہو۔ اس عبارت میں درج ذیل باتوں کی طرف اشارہ ہے:

◈① **في عقار**: شفعہ غیر منقول جائیداد میں ہوتا ہے، جیسے زمین، گھر، دکان وغیرہ، منقول چیزوں میں شفعہ نہیں ہوتا، مسئلہ نمبر (۲) میں اسی کا بیان ہے۔ ◈② **مُلك**: جائیداد میں شفعہ اس وقت ثابت ہوگا کہ بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں آجائے، اگر جائیداد بائع کی ملک سے نہیں نکلی تو اس میں شفعہ نہیں ہوگا، مسئلہ نمبر (۵) میں اسی کا بیان ہے۔ ◈③ **بعوض**: مشتری کی ملک میں جائیداد عوض (ثمن) کے مقابلے میں آئی ہو، تاکہ بیع وجود میں آجائے، کیونکہ شفعہ ثابت ہونے کیلئے بیع کا وجود ضروری ہے، جیسا کہ کتاب الشفعة مسئلہ نمبر (۷) میں بیان ہوا۔ ◈④ **هو مال**: مشتری جو عوض دیتا ہے وہ مال ہو، اگر مال نہ ہو جیسے نکاح، خلع وغیرہ تو یہ بیع (مبادلة المال بالمال) نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا، مسئلہ نمبر (۳) میں اسی کا بیان ہے۔

② **لا في عرض، وفلك، وبناء، ونخل بيعا بلا عرصة**: أي: لا تجب في عرض... منقولہ اشیاء میں حقِ شفعہ نہیں ہوتا، جیسے سامان آلات، کشتی، عمارت اور درخت، جن کو زمین کے بغیر بیچا گیا ہو۔[①] (حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

امام مالکؒ کے نزدیک کشتی میں حق شفعہ② ہے، کیونکہ کشتی بھی جائیداد کی طرح ہے، جس میں لوگ رہائش کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ شریعت نے شفیع کو شفعہ اس لئے دیا ہے تاکہ وہ بُرے پڑوسی کے ضرر سے محفوظ رہے، اور پڑوس دائمی غیر منقول جائیداد میں ہوتا ہے، منقول چیزوں جیسی گاڑی، کشتی وغیرہ میں ایک شخص دوسرے کا دائمی طور پر پڑوسی نہیں رہتا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: لا شُفعةَ إلّا في رَبْعٍ، أو حائطٍ. [ہدایہ] ''شفعہ نہیں ہے مگر مکان اور باغ میں'' یعنی شفعہ صرف غیر منقول جائیداد میں ہوتا ہے۔

❸ ودارٍ جُعلت مهرا، أو أجرة، أو بدل خلع ... إلخ. أي: لا في دارٍ جعلت ... اگر عورت سے نکاح کرکے اس کو مہر میں گھر دیا، یا اونٹ کرایہ پر لے کر کرایہ میں گھر دے دیا، یا بیوی نے خلع کے عوض میں شوہر کو گھر دے دیا، یا کسی نے عمداً قتل کیا، پھر قاتل نے ورثہ سے صلح کی اور صلح کے عوض میں گھر دے دیا③، یا مولیٰ نے اپنے غلام کو عوض پر آزاد کردیا اور غلام نے آزادی کے عوض میں مولیٰ کو گھر دے دیا، تو ان تمام صورتوں میں اس گھر میں شفعہ نہیں ہوگا، کیونکہ شفعہ اس وقت ثابت ہوگا جب جائیداد کی بیع ہوجائے، یعنی جائیداد کے عوض میں مال ہو، جبکہ یہاں گھر کے عوض میں جو چیز ہے وہ مال نہیں ہے، جیسے نکاح، خلع وغیرہ۔

❹ أو وُهبت بلا عوض مشروط. أي: لا في دار وُهبت بلا عوض مشروط. یعنی اگر کسی شخص نے اپنا گھر دوسرے آدمی کو بلا عوض ہبہ کردیا تو اس میں بھی شفعہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بیع (مبادلة المال بالمال) نہیں پائی گئی، جبکہ شفعہ ثابت ہونے کیلئے بیع ضروری ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو گھر ہبہ کردیا اور اس میں عوض کی شرط لگادی، تو اس میں شفعہ ہوگا، کیونکہ یہ نام سے تو ہبہ ہے مگر حقیقت میں بیع ہے، جیسا کہ کتاب الهبة/باب الرجوع في الهبة۔ مسئلہ نمبر (۲۱) میں بیان ہوا۔

❺ أَوْ بِيعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ ❻ أَوْ بِيعَتْ فَاسِدًا، مَا لَمْ يَسْقُطْ حَقُّ الْفَسْخِ بِالْبِنَاءِ ❼ أَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ ❽ أَوْ سُلِّمَتْ شُفْعَتُهُ، ثُمَّ رُدَّتْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ، أَوْ شَرْطٍ، أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ ❾ وَتَجِبُ لَوْ رُدَّتْ بِلَا قَضَاءٍ ❿ أَوْ تَقَايَلَا.

ترجمہ: اور یا (گھر کو) بیچا گیا بائع کے خیار کے ساتھ۔ اور یا بیچا گیا (بیع) فاسد کے ساتھ، جب تک ساقط نہ ہوجائے فسخ کا حق عمارت کی وجہ سے۔ اور یا (گھر کو) تقسیم کردیا گیا شریکوں کے درمیان۔ اور یا اس کا شفعہ چھوڑ دیا گیا، پھر (گھر کو) واپس کردیا گیا

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) ① اگر عمارت اور درخت کو زمین سمیت بیچا گیا تو ظاہر ہے کہ اس میں شفعہ ہوگا۔

② کشتی وغیرہ منقول چیزوں میں شفعہ ثابت ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک کشتی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ فروخت کردیا، تو امام مالکؒ کے نزدیک دوسرا شریک وہ حصہ شفعہ میں لے سکتا ہے۔

③ یہاں درحقیقت قصاص کے عوض میں گھر دیا جاتا ہے، یعنی ورثہ نے قاتل کا قصاص چھوڑ کر گھر لے لیا۔ اس کے برخلاف اگر قاتل نے خطاءً قتل کیا ہو، اور پھر ورثہ نے صلح کرکے ان کو گھر دے دیا، تو اس گھر میں شفعہ ہوگا، کیونکہ قتل خطاء میں دیت ہوتی ہے، اور ورثہ نے دیت چھوڑ کر گھر لے لیا، اور دیت مال ہے، تو ورثہ مال کے عوض گھر کے مالک ہوئے، اور یہ بعینہ بیع ہے، جبکہ قتل عمد میں ورثہ قصاص کے عوض میں گھر کے مالک ہوتے ہیں، اور قصاص مال نہیں ہے۔

خیارِرؤیت، یاشرط، یاعیب کی وجہ سے، (قاضی کے) فیصلے سے۔اور(شفعہ) ثابت ہوگا اگر واپس کردیا بغیر فیصلہ کے۔اور یا اِقالہ کیا۔

تشریح:

⑤ أو بيعت بخيار البائع: أي: لا في دار بيعت بخيار البائع. مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھر کو بیچا گیا اور عقد میں بائع کیلئے خیارِشرط لگایا گیا، تو اس گھر میں بھی شفعہ نہیں ہوگا، کیونکہ خیارِشرط جب بائع کیلئے ہو تو مبیع اس کی ملک سے نہیں نکلتی، اور مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوتی، جیسا کہ كتاب البيوع/ باب خيار الشرط مسئلہ نمبر(۷) میں گزر گیا ہے، اور شفعہ ثابت ہونے کی شرط یہ ہے کہ جائیداد بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں چلی جائے۔

⑥ أو بيعت فاسدا، ما لم يسقط حق الفسخ بالبناء: أي: لا في دار بيعت... اگر زمین کو بیع فاسد کے ساتھ بیچ دیا تو اس میں شفیع کو حقِ شفعہ نہیں ہوگا، کیونکہ بیع فاسد کو فسخ کرنا واجب ہے، تو گویا بیع ہوئی نہیں، لہٰذا شفعہ بھی نہ ہوگا۔ البتہ اگر مشتری نے زمین کے اندر کوئی عمارت بنائی تو حقِ فسخ ساقط ہوگیا اور بیع مضبوط و مستحکم ہوگئی (جیسا کہ كتاب البيوع/ باب البيع الفاسد مسئلہ نمبر(۵۷) میں گزر گیا ہے) اس لئے اب شفیع کو شفعہ ملے گا، کیونکہ بیع وجود میں آگئی۔

⑦ أو قسمت بين الشركاء: أي: لا في دار قسمت... اگر شریکوں نے مشترک زمین کو آپس میں تقسیم کرلیا، تو اس کی وجہ سے ان کے پڑوسی کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ شفعہ وہاں ہوتا ہے جہاں بیع (مال کا مال سے تبادلہ) ہوجائے، جبکہ یہاں شریکوں نے آپس میں تبادلہ نہیں کیا، بلکہ تقسیم کرکے ہر ایک نے اپنا بکھرا ہوا حصہ سمیٹ لیا[①]، اس لئے شفعہ نہیں ہوگا۔

⑧ أو سلّمت شفعته، ثمّ ردّت بخيار رؤية....إلخ: أي: لا في دار سلّمت... «ه» کا مرجع شفیع ہے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے گھر خریدا اور شفیع نے حقِ شفعہ چھوڑ دیا، اس کے بعد مشتری نے وہ گھر خیارِرؤیت، یا خیارِشرط اور یا خیارِعیب کی وجہ سے بائع کو واپس کردیا، اور یہ واپسی قاضی کے فیصلے سے ہوئی، تو واپسی کے وقت شفیع کو دوبارہ حقِ شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے بیع فسخ ہوگئی، تو گویا سرے سے بیع ہوئی نہیں، تو جب بیع کا وجود ہی نہیں تو شفیع کو شفعہ بھی نہیں ملے گا۔

⑨ وتجب لو ردّت بلا قضاء: اگر مذکورہ صورت میں مشتری نے قاضی کے فیصلے کے بغیر خوشی سے گھر واپس کردیا تو واپسی کے بعد شفیع کو دوبارہ شفعہ مل جائے گا، کیونکہ رضامندی سے جو واپسی ہوتی ہے وہ بائع و مشتری کے درمیان تو فسخ ہے، مگر تیسرے کے حق میں بیعِ جدید ہے، گویا بائع و مشتری نے نئی بیع کی، اور نئی بیع کے وقت شفیع کو شفعہ ملے گا، اگرچہ اس نے پہلی مرتبہ چھوڑ دیا ہو۔

⑩ أو تقايلا: أي: تجب لو تقايلا. مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے گھر خریدا اور شفیع نے حقِ شفعہ چھوڑ دیا، اس کے بعد بائع و مشتری نے اِقالہ کیا، تو اس وقت شفیع کیلئے دوبارہ شفعہ ثابت ہوجائے گا، کیونکہ اِقالہ بھی تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے، جیسا کہ كتاب البيوع/باب الإقالة مسئلہ نمبر(۱) میں بیان ہوگیا ہے۔

---

① یعنی تقسیم سے پہلے شریکوں کے حصے خلط ملط تھے، پھر تقسیم کرکے ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ سمیٹ کرلے لیا۔

﴿بَابُ مَا تَبْطُلُ بِهِ الشُّفْعَةُ﴾

أي: هذا باب في بيان ما تبطل به الشفعة. یعنی یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔ شفیع کیلئے جب شفعہ ثابت ہوجائے تو بعض اسباب وعوارض کی وجہ سے وہ باطل بھی ہوسکتا ہے، مصنفؒ نے اس باب میں انہی عوارض سے متعلق پچیس (۲۵) مسائل جمع کئے ہیں۔

⑪ وَتَبْطُلُ بِتَرْكِ الْمُوَاثَبَةِ، أَوِ التَّقْرِيرِ ⑫ وَبِالصُّلْحِ مِنَ الشُّفْعَةِ عَلَى عِوَضٍ ⑬ وَعَلَيْهِ رَدُّهُ ⑭ وَبِمَوْتِ الشَّفِيعِ ⑮ لَا الْمُشْتَرِي ⑯ وَبَيْعِ مَا يَشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفْعَةِ.

ترجمہ: اور (شفعہ) باطل ہوجاتا ہے (طلبِ) مواثبت، یا (طلبِ) تقریر چھوڑنے سے۔ اور شفعہ سے صلح کرنے سے عوض پر۔ اور اس پر (واجب) ہے عوض کو واپس کرنا۔ اور شفیع کی موت سے۔ نہ کہ مشتری کی۔ اور فروخت کرنے سے اس جائیداد کو جس کی وجہ سے شفعہ لے رہا ہے، شفعہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے۔

تشریح:

⑪ وتبطل بترك المواثبة، أو التقرير: مسئلہ یہ ہے کہ شفیع کو جائیداد کی بیع کا علم ہوگیا پھر قدرت کے باوجود وہ طلبِ مواثبت (فوری مطالبہ) چھوڑ کر خاموش رہا، تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا، کیونکہ طلب نہ کرنا اعراض کی دلیل ہے کہ اس کو شفعہ میں دلچسپی نہیں ہے۔ اور اگر طلبِ مواثبت کرلی لیکن اس کے بعد طلبِ تقریر (طلبِ اِشہاد، گواہ بنانا) چھوڑ دی، تو اس سے بھی شفعہ باطل ہوجائے گا، کیونکہ شفعہ ایک کمزور حق ہے، اس کو پختہ ومضبوط کرنا ضروری ہے، تاکہ قاضی کی مجلس میں اس کو ثابت کیا جاسکے، لیکن جب اس نے طلبِ تقریر چھوڑ دی تو اپنا یہ کمزور حق قاضی کے سامنے ثابت نہیں کرسکتا، اس لئے باطل ہوگیا۔

⑫ وبالصلح من الشفعة على عوض: أي: تبطل بالصلح... اگر شفیع نے اپنے شفعہ کے بدلے کسی عوض پر صلح کی تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا، مثلاً شفیع نے مشتری سے کہا کہ میرے ساتھ صلح کرکے مجھے دس ہزار روپے دے دو، میں اپنا حق شفعہ چھوڑ دیتا ہوں، مشتری نے اس سے صلح کرلی، تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا، خواہ مشتری دس ہزار روپے دے یا نہ دے، کیونکہ صلح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شفیع شفعہ سے اعراض کررہا ہے، اور اعراض سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔

⑬ وعليه ردہ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مشتری نے شفیع کو عوض (دس ہزار روپے) دے دیا تو شفیع پر واجب ہے کہ

وہ واپس کردے، کیونکہ عوض اُس حق کا لیا جاتا ہے جو محل (جائیداد وغیرہ) میں ثابت ہو، جبکہ یہاں محل میں شفیع کا کوئی حق ثابت نہیں ہے، اُس کو صرف لینے کا حق ہے، اور لینے کا حق نہ مال ہے اور نہ مال سے متعلق ہے، لہٰذا اس سے عوض لینا صحیح نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مذکورہ صورت میں صلح کرنے سے شفیع کا شفعہ بھی باطل ہوگیا، اور اس کو عوض بھی نہیں ملے گا۔

❼ وبموت الشفيع: أي: تبطل بموت الشفيع. مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے جائیداد خرید لی، اس کے بعد شفیع نے شفعہ کا دعویٰ تو کرلیا مگر قاضی کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہی شفیع مر گیا، تو اُن کا حق شفعہ باطل ہوگیا، اور اس کے ورثہ بھی شفعہ کا دعویٰ نہیں کرسکتے، کیونکہ شفیع جب مر گیا تو اپنی جائیداد (جس کی وجہ سے وہ دوسری جائیداد میں شفعہ کا دعویٰ کررہا ہے) سے اس کی ملک ختم ہوگئی، حالانکہ شفعہ لینے کیلئے ضروری ہے کہ قاضی کے فیصلے تک شفیع کو اپنی جائیداد کی ملک حاصل ہو۔ اور اس کے ورثہ اس لئے شفعہ کا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ بیع کے وقت ان کو اپنی جائیداد (جو شفیع سے وراثت میں ملی ہے) کی ملک حاصل نہیں تھی، کیونکہ اس وقت جائیداد شفیع کی ملک میں تھی، نہ کہ ورثہ کی، حالانکہ شفعہ لینے کیلئے ضروری ہے کہ بیع کے وقت سے لے کر قاضی کے فیصلے تک جائیداد اپنی ملک میں ہو۔

❽ لا المشتري: أي: لا تبطل بموت المشتري. اگر مشتری نے جائیداد خرید لی اور پھر مر گیا تو اس کی وجہ سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا، لہٰذا شفیع مشتری کے ورثہ پر دعویٰ کرکے ان سے جائیداد شفعہ میں لے سکتا ہے، کیونکہ مشتری کی موت سے شفیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، شفیع زندہ بھی ہے، اور شفعہ کا سبب (مثلاً پڑوسی ہونا) بھی موجود ہے، لہٰذا اس کو اپنا حق مل جائے گا۔

❾ وببيع ما يشفع به قبل القضاء بالشفعة: أي: تبطل ببيع ما يشفع... اگر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ تو کرلیا مگر قاضی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے اپنی وہ جائیداد جس کی وجہ سے وہ دوسری جائیداد میں شفعہ کا دعویٰ کررہا ہے بیچ دی، تو اُن کا شفعہ باطل ہوگیا، کیونکہ ابھی بیان ہوا کہ شفعہ لینے کیلئے ضروری ہے کہ شفیع کو قاضی کے فیصلے تک اپنی جائیداد کی ملک حاصل ہو، جبکہ یہاں فیصلہ سے پہلے اس نے اپنی جائیداد میں ملک ختم کردی۔ ہاں! اگر قاضی نے شفیع کیلئے شفعہ کا فیصلہ کردیا اس کے بعد شفیع نے اپنی جائیداد فروخت کردی تو اس سے اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے مشفوعہ جائیداد اس کی ملک میں داخل ہوگئی، اب خواہ اس کی اپنی جائیداد ملک میں رہے یا نہ رہے اس سے فرق نہیں پڑتا۔

❺ وَلَا شُفْعَةَ لِمَنْ بَاعَ ❽ أَوْ بِيعَ لَهُ ❾ أَوْ ضَمِنَ الدَّرَكَ عَنِ الْبَائِعِ ❿ وَمَنِ ابْتَاعَ، أَوِ ابْتِيعَ لَهُ: فَلَهُ الشُّفْعَةُ ⓫ وَإِنْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ: إِنَّهَا بِيعَتْ بِأَلْفٍ، فَسَلَّمَ، ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَقَلَّ ⓬ أَوْ بِبُرٍّ، أَوْ شَعِيرٍ قِيمَتُهُ أَلْفٌ، أَوْ أَكْثَرُ: فَلَهُ الشُّفْعَةُ ⓭ وَلَوْ بَانَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ قِيمَتُهَا أَلْفٌ: فَلَا شُفْعَةَ ⓮ وَإِنْ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْمُشْتَرِيَ فُلَانٌ، فَسَلَّمَ، فَبَانَ أَنَّهُ غَيْرُهُ: فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور شفعہ نہیں ہے اس کیلئے جو فروخت کرے، اور جس کیلئے فروخت کیا جائے۔ اور نقصان کی ضمانت کرے بائع کی طرف سے۔ اور جس نے خریدلیا، یا اس کیلئے خریدا گیا تو اس کیلئے شفعہ ہے۔ اور اگر شفیع سے کہا گیا کہ جائیداد بیچی گئی ہزار میں، پس اس نے چھوڑ دیا، پھر اطلاع ہوئی کہ وہ فروخت ہوئی ہے کم میں۔ یا گندم میں، یا جو میں جس کی قیمت ہزار ہے یا زیادہ ہے، تو اس کیلئے شفعہ ہے۔ اور اگر معلوم ہوا کہ وہ فروخت ہوئی ہے دنانیر میں جس کی قیمت ہزار ہے تو شفعہ نہیں ہوگا۔ اور اگر اُس سے کہا گیا کہ خریدنے والا فلاں ہے، پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کے علاوہ ہے، تو اس کیلئے شفعہ ہے۔

تشریح:

❼ ولا شفعة لمن باع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے زید کو وکیل بنایا کہ میرا گھر فروخت کر دو، زید نے وکالت قبول کر کے گھر کو فروخت کر دیا، اس کے بعد خود زید نے گھر کے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ زید نے خود بیع کی ہے، اب اگر وہ اس گھر کو شفعہ میں لے گا تو وہ اپنی کی ہوئی بیع کو توڑ دے گا، اور عاقل بالغ کیلئے جائز نہیں ہے کہ ایک مرتبہ عقد کرے اور پھر اس کو توڑ دے، ورنہ تو عقد کی اہمیت ہی ختم ہو جائے گی۔

❽ أو بيع له: أي: لا شفعة لمن بيع له. مسئلہ یہ ہے کہ مضارب نے مضاربت کے مال سے گھر خریدا اور پھر بیچ دیا، بیع کے بعد رب المال نے اس گھر کے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ مضارب نے رب المال کے مال سے رب المال کیلئے فروخت کیا ہے، اب اگر رب المال خود اس گھر کے شفعہ کا دعویٰ کرے تو جو بیع اس کیلئے ہوئی وہ خود اس کو توڑ دیتا ہے، اور عاقل بالغ کیلئے جائز نہیں ہے کہ جو عقد اس کیلئے ہو جائے اس کو وہ خود توڑ دے، ورنہ تو مضارب کو مال دے کر اختیار دینے کا فائدہ کیا ہوا؟

❾ أو ضمن بالدرك: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری کوئی گھر خریدنا چاہتا ہے، زید مشتری سے کہتا ہے کہ بے فکر ہو کر اس گھر کو خریدلو، اس میں تم کو جو بھی نقصان پہنچے بائع کی طرف سے میں اس کا ضامن ہوں، کہ وہ تم کو ثمن واپس کر دے گا، اس کے بعد جب مشتری نے گھر خریدلیا تو زید نے اس پر شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ یہ بیع زید کی ضمانت سے تام ہوئی ہے، اب اگر وہ شفعہ کا دعویٰ کر کے مشتری سے گھر لے گا تو اپنی ضمانت کو توڑ دیتا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

❿ ومن ابتاع، أو ابتيع له: فله الشفعة: جس نے خریدا یا جس کیلئے خریدا گیا تو اس کیلئے شفعہ ثابت ہے۔ اس میں دو صورتیں ہیں: ◎ پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کو وکیل بنایا کہ میرے لئے یہ گھر خریدلو، زید نے وکالت قبول کر کے وہ گھر خریدلیا، اور پھر خود زید نے اس گھر کے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو اس کو شفعہ مل جائے گا، کیونکہ زید نے پہلی مرتبہ گھر خرید کر حاصل کر لیا، اب شفیع بن کر بھی حاصل کر رہا ہے، پہلے عقد کو توڑتا نہیں، بلکہ اس کے موافق عمل کر کے حاصل کر رہا ہے، لہٰذا اس کا شفعہ صحیح ہے۔

◎ دوسری صورت یہ ہے کہ مضارب نے مضاربت کے مال سے گھر خریدا، رب المال نے اس گھر کے شفعہ کا دعویٰ کیا تو اس کو شفعہ ملے گا، کیونکہ یہاں مضارب نے رب المال کیلئے خریدا ہے، اور رب المال اس عقد کے موافق عمل کر کے شفعہ میں گھر کو حاصل کر

رہا ہے، لہٰذا اس کا شفعہ صحیح ہوگا۔

⑪ وإن قيل للشفيع: إنها بيعت بألف، فسلّم، ثم... إلخ: إن قيل شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں فله الشفعة اس کی جزاء ہے۔ اگر شفیع سے کہا گیا کہ تمہارے پڑوس میں جائیداد ہزار روپے میں فروخت ہوئی، اس نے یہ سن کر شفعہ چھوڑ دیا، پھر معلوم ہوا کہ ہزار سے کم میں فروخت ہوئی ہے، تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوا، لہٰذا وہ شفعہ لے سکتا ہے، کیونکہ پہلی مرتبہ جو اس نے شفعہ چھوڑ دیا تھا وہ اعراض کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ قیمت کی زیادتی کی وجہ سے تھا، لہٰذا ہزار سے کم میں اس کا شفعہ ثابت رہے گا۔

⑫ أو ببرّ، أو شعير قيمته ألف، أو أكثر: فله الشفعة: أي: إن قيل: للشفيع إنها بيعت بألف، فسلّم، ثم علم أنها بيعت ببرّ، أو... اگر شفیع سے کہا گیا کہ جائیداد ہزار درہم میں فروخت ہوئی ہے، یہ سن کر اس نے شفعہ چھوڑ دیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ جائیداد گندم یا جو میں فروخت ہوئی ہے جس کی قیمت ہزار درہم ہے، یا اس سے زیادہ ہے①، تو اس صورت میں بھی شفیع کا حق شفعہ برقرار رہے گا، اس لئے کہ پہلی مرتبہ جو اس نے شفعہ چھوڑ دیا وہ اعراض کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ثمن کی جنس (درہم) کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، مگر بعد میں جب معلوم ہوا کہ ثمن کی جنس درہم نہیں بلکہ گندم یا جو وغیرہ ہے، اور یہ جنس شفیع کیلئے آسان ہے، تو وہ شفعہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا، لہٰذا اس کا حق شفعہ برقرار رہے گا۔

⑬ ولو بان أنها بيعت بدنانير قيمتها ألف: فلا شفعة: اگر شفیع سے کہا گیا کہ جائیداد ہزار درہم میں فروخت ہوئی، یہ سن کر اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ چھ سو دینار میں فروخت ہوئی ہے جن کی قیمت ہزار درہم کے برابر ہے، تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ درہم اور دینار ثمنیت کے اعتبار سے ایک جنس کے شمار ہوتے ہیں، لہٰذا جب درہم کی جنس سن کر اس نے شفعہ چھوڑ دیا تو دینار کی جنس میں بھی شفعہ باطل ہو گیا، بعد میں شفعہ لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔

⑭ وإن قيل له: إنه اشترى فلان، فسلّم، فبان أنه غيره: فله الشفعة: اگر شفیع سے کہا گیا کہ تمہارے پڑوس میں زید نے جائیداد خرید لی، یہ سن کر اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ خریدنے والا خالد ہے، تو اس کا حق شفعہ برقرار رہوگا، لہٰذا وہ خالد پر دعویٰ کر سکتا ہے، کیونکہ پہلی مرتبہ کہ شفیع نے شفعہ چھوڑا وہ اعراض کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ زید کی اچھی ہمسائیگی کی وجہ سے چھوڑا، مگر بعد میں جب معلوم ہوا کہ ہمسایہ زید نہیں خالد ہے، تو وہ شفعہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے اب وہ شفعہ لے سکتا ہے۔

⑮ وَإِنْ بَاعَهَا إِلَّا ذِرَاعًا فِي جَانِبِ الشَّفِيعِ: فَلَا شُفْعَةَ لَهُ ⑯ وَإِنِ ابْتَاعَ مِنْهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ، ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا: فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ فَقَطْ ⑰ وَإِنِ ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ، ثُمَّ دَفَعَ ثَوْبًا عَنْهُ: فَالشُّفْعَةُ

① اگر معلوم ہوا کہ گندم یا جو کی قیمت ہزار درہم سے کم ہے، تو بطریق اولیٰ اس کا حق شفعہ برقرار رہے گا۔

بِالثَّمَنِ، لَا الثَّوْبِ ⑱ وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ لِإِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ، وَالزَّكَاةِ.

ترجمه: اور اگر گھر کو فروخت کیا سوائے ایک گز کے، شفیع کی جانب، تو اس کیلئے شفعہ نہیں ہوگا۔ اور اگر خرید لیا گھر میں سے ایک حصہ ثمن کے عوض، پھر خرید اباقی گھر کو، تو پڑوسی کیلئے شفعہ صرف پہلے حصے میں ہے۔ اور اگر اس کو خرید لیا ثمن کے عوض، پھر کپڑا دیا اس کے بدلے، تو شفعہ ثمن سے ہوگا، نہ کہ کپڑے سے۔ اور مکروہ نہیں ہے حیلہ کرنا شفعہ اور زکوۃ کو ساقط کرنے کیلئے۔

تشریح:

⑮ وإن باعها إلا ذراعا في جانب.....الخ: یہاں سے مصنف شفعہ کو ساقط کرنے کے چند حیلے بیان فرمارہے ہیں۔ ان میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ بائع اپنی زمین کو فروخت کردے، اور زمین کا جو حصہ شفیع کی جائیداد سے متصل ہے وہاں لمبائی میں ایک گز کے بقدر نہ بیچے، اس حیلہ سے شفیع شفعہ سے محروم ہوجائے گا، کیونکہ زمین کا جو حصہ شفیع کے مکان سے متصل ہے اس کو فروخت نہیں کیا گیا، اور جس حصے کو فروخت کیا گیا اس سے شفیع متصل نہیں ہے۔

⑯ وإن ابتاع منها سهما بثمن، ثم ابتاع.....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے زمین کا ایک حصہ پانچ ہزار روپے میں خرید لیا، پڑوسی نے اس حصہ میں شفعہ کا دعویٰ کیا، مگر ابھی تک پڑوسی نے وہ حصہ لیا نہیں① ہے کہ مشتری نے زمین کا دوسرا حصہ بھی دس ہزار میں خرید لیا، تو پڑوسی کو دوسرے حصے میں شفعہ نہیں ملے گا، صرف پہلے حصے کا شفعہ ملے گا، کیونکہ مشتری نے جب پہلا حصہ خریدا تو وہ زمین میں بائع کا شریک ہوگیا، اس کے بعد جب وہ دوسرا حصہ خریدے گا تو وہ نفس مبیع میں شریک بن چکا ہے، اور کتاب الشفعة مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا کہ نفس مبیع کا شریک پڑوسی سے مقدم ہے، لہٰذا دوسرے حصے میں پڑوسی مشتری سے شفعہ نہیں لے سکتا۔②

⑰ وإن ابتاعها بثمن، ثم دفع ثوبا عنه، فالشفعة بالثمن، لا الثوب: یہ حق شفعہ ساقط کرنے کا تیسرا حیلہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی اصل قیمت ایک لاکھ روپے ہے، مگر مشتری نے اس کو دس لاکھ ثمن کے عوض خریدا، اس کے بعد مشتری نے بائع کو دس لاکھ روپے ثمن کے بدلے کپڑا دیا، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے، اب اگر شفیع شفعہ کا دعویٰ کرے گا تو اس کو ثمن (دس لاکھ روپے) کے عوض شفعہ ملے گا، کیونکہ بیع اسی پر ہوئی ہے، اور مشتری نے ثمن کے بدلے جو کپڑا دیا ہے وہ دوسرا عقد ہے، زمین کی بیع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ شفیع ایک لاکھ قیمت کی زمین دس لاکھ میں نہیں لے گا، اور شفعہ چھوڑ دے گا۔

⑱ ولا تكره الحيلة لإسقاط الشفعة، والزكاة: مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع و مشتری ساز باز کرکے کسی حیلے سے

---

① اگر پڑوسی نے پہلا حصہ شفعہ میں لے لیا اس کے بعد مشتری نے دوسرا حصہ خریدا، تو پڑوسی وہ حصہ بھی اس سے لے سکتا ہے، کیونکہ پڑوسی نے جب پہلا حصہ مشتری سے لے لیا تو مشتری نفس مبیع میں شریک نہیں رہا، اب پڑوسی اور بائع زمین میں شریک ہوگئے۔

② اس مسئلہ میں بھی حق شفعہ ساقط کرنے کا ایک طریقہ بتایا، وہ یہ کہ مثلاً زمین کی کل قیمت ایک لاکھ روپے ہے، تو مشتری زمین کا پہلا حصہ پچانوے ہزار روپے میں لے، اور دوسرا حصہ پانچ ہزار میں لے، اس میں پڑوسی خود شفعہ چھوڑ دے گا، کیونکہ زمین کا ایک حصہ پچانوے ہزار میں لینے میں اس کا بہت نقصان ہے۔

شفیع کا شفعہ ساقط کردیں تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور اسی طرح اگر کوئی مالدار شخص ایسا حیلہ اختیار کرے جس سے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو تو اس میں بھی کراہت نہیں ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک ایسے حیلے بہانے مکروہ ہیں، کیونکہ شریعت نے شفیع کو حق شفعہ دیا ہے، اور نالدار کے مال میں زکوٰۃ کو واجب کردیا ہے، اب شرعی حق کو حیلے سے ساقط کرنا شریعت کے خلاف قدم اٹھانا ہے، اور یہ نا جائز ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حیلہ کرنے سے ثابت شدہ حق کو ساقط نہیں کیا جاتا، بلکہ حق ثابت ہونے سے پہلے ایسا حیلہ اختیار کیا جاتا ہے کہ حق ثابت نہ ہوجائے، اور اسی طرح زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد حیلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وجوب سے پہلے ایسا حیلہ اختیار کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہوجائے، اور ایسے حیلے سے شرعی حق کا ابطال لازم نہیں آتا۔

قول راجح:

حق شفعہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے، بشرطیکہ شفیع کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو، اور زکوٰۃ میں امام محمدؒ کا قول راجح ہے۔ قوله:

(يُفتى بقول أبي يوسف في الشفعة) بل نقل في النهاية أن منهم من قال: إنه لا خلاف فيها. [ردالمحتار:۹/۳۵۸]

وفي الزكاة(يُفتى) على قول محمد.[أيضا]

⑲ وَأَخَذَ حَظَّ الْبَعْضِ بِتَعَدُّدِ الْمُشْتَرِي ⑳ لَا بِتَعَدُّدِ الْبَائِعِ ㉑ وَإِنْ اشْتَرَى نِصْفَ دَارٍ غَيْرِ مَقْسُومٍ: أَخَذَ الشَّفِيعُ حَظَّ الْمُشْتَرِي بِقِسْمَتِهِ ㉒ وَلِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ الْمَدْيُونِ الْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ سَيِّدِهِ ㉓ كَعَكْسِهِ ㉔ وَصَحَّ تَسْلِيمُ الشُّفْعَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ ㉕ وَالْوَكِيلِ

ترجمہ: اور (شفیع) بعض کا حصہ لے سکتا ہے مشتری متعدد ہونے سے۔ نہ کہ بائع متعدد ہونے سے۔ اور اگر خرید لیا آدھا گھر غیر تقسیم شدہ تو شفیع لے لے مشتری کا حصہ بائع کی تقسیم کے مطابق۔ اور ماذون مدیون غلام کیلئے شفعہ لینا (جائز) ہے اپنے مولیٰ سے۔ جیسے اس کے برعکس۔ اور صحیح ہے شفعہ چھوڑنا باپ، وصی اور وکیل کی طرف سے۔

تشریح:

⑲ وأخذ حظ البعض بتعدد المشتري: اگر چند مشتریوں نے مل کر کوئی زمین خرید لی تو شفیع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بعض مشتریوں کے حصے لے اور بعض کے چھوڑ دے، مثلاً تین آدمیوں نے مل کر زمین خرید لی تو شفیع یہ کرسکتا ہے کہ ایک کا حصہ لے اور دو کے چھوڑ دے، کیونکہ اس طرح شفعہ لینے میں باقی دو مشتریوں کا کوئی نقصان اور ضرر نہیں ہے۔

⑳ لا بتعدد البائع: لا يأخذ حظ البعض بتعدد البائع. یعنی اگر چند آدمیوں نے مل کر ایک مشتری کے

ہاتھ زمین فروخت کر دی، تو شفیع یہ نہیں کر سکتا کہ بعض بائعوں کے حصے لے اور بعض کے چھوڑ دے، مثلاً ایک بائع کا حصہ شفعہ میں لے اور دو کے چھوڑ دے، کیونکہ اس طرح شفعہ لینے میں مشتری کا نقصان ہے، اس کو کچھ زمین ملے گی کچھ نہیں ملے گی، حالانکہ اس کو ساری زمین کی ضرورت ہے، لہٰذا شفیع یا تو سب بائعوں کے حصے (یعنی ساری زمین) شفعہ میں لے، یا سب کو چھوڑ دے۔

㉑ وإن اشترى نصف دار غير مقسوم: أخذ الشفيع ... الخ: «ہ» کا مرجع بائع ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے کسی گھر کا آدھا حصہ خریدا جس کو ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا، پھر بائع نے تقسیم کر کے مشتری کو آدھا حصہ تسلیم کر دیا، پھر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، تو شفیع اُسی تقسیم کے مطابق مشتری کا حصہ لے، خواہ وہ حصہ شفیع کی جائیداد سے متصل ہو یا الگ ہو، شفیع اس تقسیم کو توڑ کر اپنی مرضی کی تقسیم نہیں کر سکتا، کیونکہ بائع نے جو تقسیم کی ہے وہ دراصل اس نے مشتری کو قبضہ دیا ہے، اب اگر شفیع اس تقسیم کو توڑتا ہے تو وہ مشتری کا قبضہ توڑتا ہے، حالانکہ شفیع مشتری کا قبضہ نہیں توڑ سکتا، لہٰذا بائع کی تقسیم کو بھی نہیں توڑ سکتا۔

㉒ وللعبد المأذون المديون الأخذ ... الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دی، تجارت میں غلام پر بہت سارا دین آ گیا، پھر اس مدیون غلام نے ایک زمین خریدی، پھر غلام کے مولیٰ نے اس زمین کے پڑوس میں گھر خریدا، تو غلام اپنے مولیٰ پر شفعہ کا دعویٰ کر کے اس سے گھر لے سکتا ہے، کیونکہ دَین کی وجہ سے غلام کا رقبہ دائن کا ہو گیا ہے، لہٰذا غلام اجنبی آدمی کی طرح ہوا، اس لئے وہ اپنے مولیٰ سے شفعہ لے سکتا ہے، جیسے اپنے مولیٰ کے ساتھ خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

㉓ كعكسه: یعنی مذکورہ حکم کی طرح اس کے برعکس اگر پہلے مولیٰ نے جائیداد خریدی، اور اس کے بعد اس کے ماذون مدیون غلام نے اس کے پڑوس میں جائیداد خرید لی، تو مولیٰ بھی اپنے ماذون مدیون غلام پر دعویٰ کر کے اس سے شفعہ لے سکتا ہے، کیونکہ وہ آپس میں اجنبی لوگوں کی طرح ہو گئے۔

㉔ وصح تسليم الشفعة من الأب، والوصي: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بچے کی ملک میں کوئی جائیداد ہے، پھر اس کے پڑوس میں کوئی گھر فروخت ہوا، تو ظاہر ہے کہ بچے کو حق شفعہ حاصل ہے، مگر بچے کے باپ یا اس کے وصی[②] نے بچے کی طرف سے شفعہ چھوڑ دیا، تو یہ صحیح ہے، لہٰذا بالغ ہونے کے بعد بچہ اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات شیخین کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک باپ اور وصی بچے کا حق شفعہ نہیں چھوڑ سکتے، بالغ ہونے کے بعد بچہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ شفعہ بچے کا ثابت شدہ حق ہے، اور باپ اور وصی بچے کے ثابت حق کو ضائع کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

شیخینؒ فرماتے ہیں کہ جائیداد کو شفعہ میں لینا تجارت کے حکم میں ہے، اس میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہے، تو باپ اور وصی کو جس طرح بچے کے مال میں تجارت کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہے اسی طرح شفعہ میں بھی لینے اور نہ لینے دونوں کا اختیار ہوگا۔

قول راجح: حضرات شیخین کا قول راجح ہے۔ [مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۱۰۳۵]

② وصی وہ شخص ہے جس کو یتیم بچے کی نگرانی کیلئے قاضی نے مقرر کیا ہو، یا بچے کے باپ نے اپنی زندگی میں مقرر کیا ہو۔

⑤ والوكيل: أي: صح التسليم من الوكيل. وکیل کی طرف سے حق شفعہ چھوڑنا صحیح ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے جائیداد خرید لی، اس پر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا، پھر شفیع نے کسی شخص کو وکیل بنا کر اس سے کہا کہ مشتری کے ساتھ کیس لڑ کر اس سے جائیداد لے لو، مگر وکیل نے جا کر حق شفعہ کو چھوڑ دیا، تو شیخین ؒ کے نزدیک یہ صحیح ہے، لہٰذا شفیع بعد میں مطالبہ نہیں کر سکتا۔

امام محمدؒ کے نزدیک وکیل کا شفعہ چھوڑنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ شفیع نے اس کو شفعہ لینے کیلئے وکیل بنایا، نہ کہ چھوڑنے کیلئے، تو اس کا شفعہ چھوڑنا اپنی وکالت کے خلاف عمل کرنا ہے، جو صحیح نہیں ہوگا۔

شیخین ؒ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا وکیل ایسا ہے جیسے شفیع نے اس کو جائیداد خریدنے کیلئے وکیل بنایا ہو، اور خریدنے کا وکیل خرید بھی سکتا ہے، اور چھوڑ بھی سکتا ہے، لہٰذا شفعہ کا وکیل بھی شفعہ لے بھی سکتا ہے، اور چھوڑ بھی سکتا ہے۔

قول راجح:

شیخین ؒ کا قول راجح ہے۔ وفيها (أي التاترخانية) عن الولوالجية: تسليم الشفعة من الوكيل صحيح وإن لم تكن الدار في يده عندهما، وعليه الفتوى. [ردالمحتار: ۹/۳۵۱]

☆☆☆



كِتَابُ الْقِسْمَةِ

أي: هذا كتاب في بيان أحكام القسمة. یعنی یہ کتاب تقسیم کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے تقسیم کے احکام شفعہ کے بعد لائے، کیونکہ حق شفعہ کا سب سے پہلا اور قوی سبب نفس مبیع میں شرکت ہے، اور اس کیلئے تقسیم کی ضرورت ہے۔

◈ قسمة کے لغوی معنی ہیں: الگ الگ کرنا، علیحدہ علیحدہ کرنا، تقسیم کرنا۔ فقہ کی اصطلاح میں: بکھرے ہوئے حصے کو معین حصے میں جمع کرنا قسمة کہلاتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

◈ قسمت کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد آیتیں مال غنیمت اور میراث کی تقسیم کے بارے میں وارد ہیں، اور حدیث میں ہے کہ ''آپ ﷺ مسلمانوں میں اموال غنیمت تقسیم فرماتے تھے''۔ [بخاری]

◈ قسمة (یعنی شریکوں کے درمیان مشترک چیز کو تقسیم کرنے) کا رکن ایسا فعل ہے جس کے ذریعے ہر شریک کا حصہ الگ اور ممتاز ہو جائے، مثلاً گز سے ناپنا، پیمانہ سے ناپنا اور شمار کر کے گنتی کرنا وغیرہ۔ اگر حصے الگ الگ نہ ہوں تو قسمة کا وجود ہی نہیں۔

◈ تقسیم کا سبب یہ ہے کہ ایک شریک یا سب اپنے اپنے حصے کا مطالبہ کریں، اگر شرکاء مطالبہ نہ کریں تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔

◈ تقسیم کی شرط یہ ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد ہر شریک کے حصے سے نفع اٹھایا جا سکے، اگر تقسیم کے بعد کسی حصے سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ◈ تقسیم کی غرض وغایت یہ ہے کہ ہر شریک کو مکمل نفع و مصلحت حاصل ہو جائے۔

مصنفؒ نے تقسیم سے متعلق اڑتالیس (۴۸) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

> ❶ هِيَ جَمْعُ نَصِيبٍ شَائِعٍ فِي مُعَيَّنٍ ❷ تَشْتَمِلُ عَلَى الْإِفْرَازِ، وَالْمُبَادَلَةِ ❸ وَهُوَ الظَّاهِرُ فِي الْمِثْلِيِّ ❹ فَيَأْخُذُ حَظَّهُ حَالَ غَيْبَةِ صَاحِبِهِ ❺ وَهِيَ فِي غَيْرِهِ ❻ فَلَا يَأْخُذُ ❼ وَيُجْبَرُ فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِ الشُّرَكَاءِ ❽ لَا فِي غَيْرِهِ.

ترجمہ: قسمت جمع کرنا ہے پھیلے ہوئے حصے کو معین (حصے) میں۔ اور (قسمت) مشتمل ہوتی ہے الگ کرنے اور تبادلہ کرنے پر۔ اور الگ کرنا ظاہر ہے مثلی چیز میں۔ پس (ایک شریک) اپنا حصہ لے سکتا ہے اپنے ساتھی کے غائب ہونے کی حالت میں۔ اور تبادلہ (ظاہر) ہے مثلی کے علاوہ میں۔ پس (ایک شریک اپنا حصہ) نہیں لے سکتا۔ اور (تقسیم پر) مجبور کیا جائے گا ایک جنس (کی چیز) میں، شریکوں میں سے ایک کے مطالبہ کے وقت۔ نہ کہ اس کے علاوہ میں۔

تشریح: ❶ هي جمع نصيب شائع في معين: یہ قسمت کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ پھیلے ہوئے منتشر

حصے کو معلوم ومعین حصے میں جمع کرنا قسمت ہے، مثلاً زمین دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، تو ہر شریک کا حصہ ساری زمین میں پھیلا ہوا ہے، تقسیم کرنے کے بعد ہر شریک کا پھیلا ہوا حصہ اپنے معین حصہ میں جمع ہو جاتا ہے، تو منتشر حصے کو ایک جگہ جمع کرنے کا نام قسمت ہے۔

② تشتمل على الإفراز والمبادلة: اس عبارت میں قسمت کی حقیقت وماہیت بتارہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ قسمت دو چیزوں پر مشتمل ہے: ایک إفراز اور دوسرا مبادلہ۔ إفراز کے معنی ہیں: الگ کرنا، اور تقسیم میں بھی ایک شریک کا حصہ دوسرے شریک سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور مبادلہ کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء جب آپس میں تقسیم کرتے ہیں تو درحقیقت ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے ہیں، یعنی ہر شریک اپنا کچھ حصہ دوسرے کے پاس چھوڑتا ہے اور دوسرے کا کچھ حصہ لے لیتا ہے۔①

③ وهو الظاهر في المثلي: یعنی تقسیم میں اگر چہ إفراز اور مبادلہ دونوں پائے جاتے ہیں لیکن مثلی② چیزوں کی تقسیم میں إفراز زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ مبادلہ وہاں ہوتا ہے جہاں دو چیزوں کے درمیان تفاوت ہوتا ہے، اور جہاں دو چیزیں ہو بہو ایک طرح ہوں وہاں مبادلہ نہیں ہوتا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر دس کلو گندم دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، پھر انہوں نے آپس میں تقسیم کی، پانچ کلو ایک کے حصے میں پانچ دوسرے کے حصے میں آئے، تو اس میں إفراز کے معنی ظاہر ہیں، کہ ہر شریک نے اپنا اپنا حصہ الگ کر دیا، مبادلہ کے معنی اس میں نہیں پائے جاتے، کیونکہ گندم کے اجزاء (دانوں) کے درمیان فرق نہیں ہے، اس لئے تبادلہ نہیں ہوا۔

④ فيأخذ حظّه حال غيبة صاحبه: یعنی مثلی چیزوں میں چونکہ إفراز کے معنی زیادہ ظاہر ہیں، نہ کہ مبادلہ کے، لہٰذا مثلی چیز کی تقسیم میں گویا ہر شریک بعینہ اپنا حق الگ کر لیتا ہے، دوسرے شریک کے ساتھ تبادلہ نہیں کرتا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کی عدم موجودگی میں لے سکتا ہے، کیونکہ بعینہ اپنا حق لینے کیلئے دوسرے کی اجازت اور رضامندی کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ایک شریک دوسرے کو بتائے بغیر بھی اپنا حصہ الگ کر کے لے سکتا ہے۔

⑤ وهي في غيره: أي: وهي الظاهرة في غيره. هي کا مرجع مبادلة ہے، اور «ہ» کا مرجع مثلي ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مثلی چیزوں کے علاوہ اور چیزوں کی تقسیم میں مبادلہ کے معنی ظاہر ہیں، غیر مثلی چیزیں جیسے حیوانات، سامان وغیرہ، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان دس بکریاں مشترک ہیں، تو چونکہ ہر بکری کا دوسری بکری سے بڑا فرق ہے، اس لئے وہ دو آدمی جب تقسیم کر کے کچھ بکریاں ایک لے گا، کچھ دوسرا لے گا، تو ہم کہیں گے کہ انہوں نے آپس میں تبادلہ کیا، جیسے مسئلہ نمبر (۲) میں زمین کی تقسیم میں تبادلہ ہوا۔

⑥ فلا يأخذ: أي: فلا يأخذ حظّه حال غيبة صاحبه. یعنی غیر مثلی چیز کی تقسیم میں ایک شریک اپنے ساتھی کی

---

① مثلاً زید اور شریف کے درمیان چار ہزار فٹ زمین مشترک ہے، آپس میں تقسیم کر کے دو ہزار فٹ زید کے حصہ میں اور دو ہزار فٹ شریف کے حصہ میں آئے، تو زید کے پاس جو دو ہزار ہیں ان میں ایک ہزار اس کے ہیں اور ایک ہزار شریف کے ہیں، اور اسی طرح شریف کے پاس ایک ہزار اپنے ہیں اور ایک ہزار زید کے ہیں، پھر اس ہزار اور اُس ہزار کے درمیان تبادلہ ہو گیا، اور یہ تبادلہ زمین کے ہر ہر جزء میں ہوتا ہے، کیونکہ ہر ہر جزء آدھا زید کا ہے اور آدھا شریف کا ہے، زید اپنا آدھا حصہ شریف کے ہاتھ میں چھوڑتا ہے اور اس کا آدھا لے لیتا ہے، اور شریف بھی یہی عمل کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قسمت کی حقیقت میں إفراز اور مبادلہ دونوں ہیں۔

② مثلی چیز وہ ہے جس کی مثل بازار سے ملتی ہے، جیسے گندم وغیرہ، یعنی مکیلات، موزونات اور عددی متقارب۔

عدم موجودگی میں اپنا حصہ نہیں لے سکتا، کیونکہ اس میں مبادلہ ہوتا ہے، اور یہ بیع کی طرح ہے، جس میں دونوں عاقدین کا موجود ہونا اور دونوں کا راضی ہونا ضروری ہے، ایسا ہی غیر مثلی چیز کی تقسیم میں بھی شریکوں کا موجود اور راضی ہونا شرط ہے، ورنہ تقسیم نہیں ہوسکتی۔

⑦ **ويُجبر في متحد الجنس عند طلب أحد الشركاء:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ایک جنس کی چیز مشترک ہے، مثلاً دس بکریاں مشترک ہیں، پھر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا اور دوسرا تقسیم کرنے پر راضی نہیں ہے، تو قاضی اس کو تقسیم کرنے پر مجبور کرسکتا ہے، کیونکہ ایک شریک اپنے حصے سے الگ طور پر کامل منفعت لینا چاہتا ہے اور دوسرا اُسے منع کرتا ہے، تو منع کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ دوسرے کو اس کا حصہ دے دے۔①

⑧ **لا في غيره:** أي: لا يجبر في غير متحد الجنس. یعنی اگر دو شریکوں کے درمیان ایسی چیزیں مشترک ہیں جن کی جنس ایک نہیں ہے، مختلف جنس کی چیزیں ہیں، مثلاً کچھ بکریاں ہیں اور کچھ اونٹ ہیں، اور پھر ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کرے اور دوسرا انکار کرے، تو منکر کو تقسیم پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ مختلف جنس کی چیزوں کے اغراض و مقاصد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے، ان کی تقسیم میں برابری کرنا ممکن ہی نہیں، جبکہ تقسیم میں حتی الامکان برابری ضروری ہے۔

اس کے برخلاف ایک جنس چیزوں میں مثلاً ساری بکریاں ہوں، ان کے اغراض و مقاصد قریب قریب ہوتے ہیں، ان میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا، لہٰذا ان کی تقسیم میں برابری کرنا ممکن ہے، اس لئے ایسی چیزوں کی تقسیم میں منکر کو تقسیم پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

⑨ وَنُدِبَ نَصْبُ قَاسِمٍ رِزْقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ؛ لِيَقْسِمَ بِلَا أَجْرٍ ⑩ وَإِلَّا: فَيُنْصَبُ قَاسِمٌ يَقْسِمُ بِأَجْرٍ ⑪ بِعَدَدِ الرُّؤُوسِ ⑫ وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا، أَمِينًا، عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ ⑬ وَلَا يَتَعَيَّنُ قَاسِمٌ وَاحِدٌ ⑭ وَلَا يَشْتَرِكُ الْقُسَّامُ.

ترجمہ: اور مستحب ہے تقسیم کرنے والے کو مقرر کرنا جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو، تا کہ تقسیم کرے بغیر مزدوری کے۔ ورنہ مقرر کیا جائے ایسے قاسم کو جو تقسیم کرے مزدوری سے۔ اشخاص کی تعداد کے مطابق۔ اور واجب ہے کہ وہ عادل، امانتدار اور تقسیم سے واقف ہو۔ اور متعین نہ ہوگا ایک قاسم۔ اور شراکت نہ کریں تقسیم کرنے والے۔

تشریح:

⑨ **وندب نصب قاسم رزقه .... الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی تقسیم کرنے والا

---

① یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ بکریاں غیر مثلی چیز ہیں، اور ان کی تقسیم میں مبادلہ کے معنی ہوتے ہیں، اور مبادلہ کیلئے دونوں شریکوں کا راضی ہونا ضروری ہے، تو ایک شریک کو کیونکر مجبور کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ جب ایک شخص کا حق دوسرے کے ساتھ متعلق ہو تو بعض اوقات مبادلہ پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے، مثلاً آپ نے زید کو ہزار روپے قرض پر دیئے، ایک مہینے کے بعد جب زید آپ کا قرض دے گا تو بعینہٖ آپ کے روپے نہیں دے گا، بلکہ ان کا بدلہ دے گا، تو آپ کے روپوں اور زید کے روپوں کے درمیان مبادلہ ہو رہا ہے، اب اگر زید آپ کا قرض دینے سے انکار کرے تو قاضی اس کو دینے پر مجبور کرسکتا ہے، حالانکہ یہ مبادلہ پر مجبور کرنا ہے۔ [ہدایہ]

مقرر کیا جائے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو، تا کہ وہ لوگوں کے درمیان بغیر مزدوری کے تقسیم کرے، کیونکہ تقسیم کرنا دراصل قاضی کی ذمہ داریوں میں سے ہے، جس طرح قاضی کے فیصلے سے نزاع وجھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح تقسیم کرنے سے بھی ختم ہو جاتے ہیں، للہذا جس طرح قاضی کی تنخواہ بیت المال سے ہوتی ہے قاسم کی بھی بیت المال سے ہونی چاہیے۔

عبارت میں مستحب اس لئے کہا کہ اگر قاسم کو مقرر نہ کیا جائے اور قاضی خود یہ کام کرے تو صحیح ہے، لیکن چونکہ قاضی کی مصروفیات زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ کوئی قاسم مقرر کیا جائے، تا کہ قاضی کیلئے بھی آسانی ہو، اور لوگوں کے کام بھی جلد نمٹ سکیں۔

⑩ **وإلا: فينصب قاسم يقسم بأجر** أي: وإن لا يتيسر نصب قاسم رزقه من بيت المال: فينصب ... یعنی اگر ایسا قاسم مقرر کرنا ممکن نہ ہو جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو، تو ایسا قاسم مقرر کیا جائے جو شریکوں سے مزدوری لے کر تقسیم کرے، کیونکہ تقسیم کا نفع وفائدہ شریکوں کو ملتا ہے، للہذا مزدوری بھی وہی ادا کریں۔

⑪ **بعدد الرؤوس**: جار و مجرور کا تعلق بأجر سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قاسم کی مزدوری شریکوں کے اشخاص کی تعداد کے مطابق برابر برابر ہوگی، مثلاً زمین تین شریکوں کے درمیان مشترک ہے، ایک شریک کے پانچ ہزار فٹ ہیں، دوسرے کے تین ہزار اور تیسرے کے دو ہزار فٹ ہیں، تو قاسم کی مزدوری شریکوں کی تعداد کے مطابق تین برابر حصوں پر تقسیم ہو کر ہر شریک پر ایک حصہ آئے گا، شریکوں کی ملکیت کی کمی بیشی کو نہیں دیکھا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس کی جتنی ملکیت ہوگی اس پر اتنی ہی مزدوری آئے گی، مثلاً مذکورہ مثال میں قاسم کی مزدوری کو دس حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، پانچ حصے پہلا شریک دے، تین حصے دوسرا شریک اور دو حصے تیسرا شریک دے، کیونکہ مزدوری ملکیت کا خرچہ ہے، تو جس کی جتنی ملکیت ہوگی اس پر اتنی ہی مزدوری آئے گی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مزدوری حصوں کو الگ الگ کرنے کا خرچہ ہے، اور الگ الگ کرنے میں چھوٹے حصے اور بڑے حصے میں فرق نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات چھوٹے حصے کا حساب لگا کر الگ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، للہذا ملکیت کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ شریکوں کی تعداد کے مطابق مزدوری کو برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

قول راجح:

صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ ويُعمل اليوم في المحاكم الشرعية بقول الإمامين. [درر الحکام تحت المادۃ:۱۱۲۲]

⑫ **ويجب أن يكون عدلا، أمينا، عالما بالقسمة**: یہ قاسم کی صفات کا بیان ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ قاسم عادل ہو، فاسق نہ ہو، کیونکہ تقسیم کرنا قاضی کے فیصلے کے حکم میں ہے، تو جس طرح قاضی کا عادل ہونا ضروری ہے قاسم کا بھی ضروری ہوگا۔ اور امانتدار ہو، خائن نہ ہو، تا کہ اس کے قول وفعل پر اعتماد کیا جائے۔ اور تقسیم کے امور سے واقف ہو، تا کہ اس کے مقرر ہونے اور کام کرنے کا صحیح نتیجہ برآمد ہو۔

۱۳ **ولا يتعين قاسم واحد:** مسئلہ یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی ایک قاسم متعین نہیں ہوگا، کہ لوگوں کو اُسی سے تقسیم کروانے پر مجبور کیا جائے، کیونکہ قاسم سے تقسیم کروانا ایک عقد ہے، اور عقد رضامندی سے ہوتا ہے، اس پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر لوگوں کو ایک قاسم سے تقسیم کروانے پر مجبور کیا گیا تو اس میں یہ خرابی بھی ہے کہ وہ قاسم لوگوں کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر زیادہ مزدوری مانگے گا، جس میں عوام الناس کا ضرر ہے۔

۱۴ **ولا يشترك القسّام:** حاصل یہ ہے کہ حکومت اس بات کی اجازت نہ دے کہ شہر کے تمام قاسم آپس میں یونین بنا کر شراکت کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ زیادہ مزدوری لینے پر اتفاق کرلیں گے، جس میں عام لوگوں کا ضرر ہے، اور جب شراکت نہ ہو تو ہر ایک اپنا کام چلانے کیلئے سستی اُجرت پر کام کرے گا، اور اسی میں عوام الناس کا فائدہ ہے۔

۱۵ **وَلَا يُقْسَمُ الْعَقَارُ بَيْنَ الْوَرَثَةِ بِإِقْرَارِهِمْ حَتّٰى يُبَرْهِنُوا عَلَى الْمَوْتِ، وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ** ۱۶ **وَيُقْسَمُ فِي الْمَنْقُوْلِ، وَالْعَقَارِ الْمُشْتَرٰى، وَدَعْوَى الْمِلْكِ** ۱۷ **وَلَوْ بَرْهَنَا أَنَّ الْعَقَارَ فِي أَيْدِيْهِمَا: لَمْ يُقْسَمْ حَتّٰى يُبَرْهِنَا أَنَّهُ لَهُمَا.**

ترجمہ: اور جائیداد کو تقسیم نہیں کیا جائے گا ورثہ کے درمیان ان کے اقرار سے، یہاں تک کہ وہ گواہ پیش کریں موت پر، اور ورثہ کی تعداد پر۔ اور تقسیم کی جائے گی منقول اور خریدی ہوئی جائیداد اور ملک کے دعوے میں۔ اور اگر دو (شریکوں) نے گواہ پیش کئے کہ جائیداد ان کے ہاتھ میں ہے، تو تقسیم نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ گواہ پیش کریں کہ یہ انہی کی ہے۔

تشریح:

۱۵ **ولا يُقسم العقار بين الورثة... الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کے سامنے چند شریک پیش ہوئے، ان کے قبضہ میں جائیداد ہے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ جائیداد ہمیں زید سے میراث میں ملی ہے، لہٰذا یہ جائیداد ہمارے درمیان تقسیم کردی جائے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی ان کے درمیان تقسیم نہ کرے، یہاں تک کہ وہ لوگ زید کی موت پر اور ورثہ کی تعداد پر گواہ پیش نہ کریں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قاضی تقسیم کردے، کیونکہ جائیداد ان لوگوں کے قبضہ میں ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جائیداد کے مالک ہیں، اور پھر خود اقرار کر رہے ہیں کہ یہ جائیداد ہمیں میراث میں ملی ہے، تو یہ ان کے سچے ہونے کی دلیل ہے، اور ان کے اس دعوے کا کوئی منکر بھی نہیں ہے، تو بلاوجہ ان سے گواہ طلب کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ لہٰذا بلا تاخیر ان میں جائیداد تقسیم کردی جائے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ابھی تک یہ جائیداد میت (زید) کی ملک میں ہے، اور تقسیم کرکے ان لوگوں کو دینا میت کے خلاف فیصلہ ہوگا، اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کیلئے گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔ نیز اس بات کا امکان بھی ہے کہ ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور وارث بھی ہو، لہٰذا جب تک مورث (زید) کی موت پر، اور ورثہ کی تعداد پر گواہ پیش نہ ہوں تب تک تقسیم نہیں ہوگی۔

⑯ ويُقسم في المنقول، والعقار المشترى، ودعوى الملك: حاصل یہ ہے کہ تین صورتیں ایسی ہیں جن میں قاضی حاضر شرکاء سے گواہ طلب نہیں کرے گا، اور اس کے بغیر ان میں تقسیم کردی جائے گی:

◎ پہلی صورت یہ ہے کہ شرکاء کے ہاتھ میں کوئی منقولی چیز ہے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز ہمیں زید سے میراث میں ملی ہے، تو قاضی بلاتاخیر ان میں تقسیم کردے گا، زید کی موت اور ورثہ کی تعداد پر ان سے گواہ طلب نہیں کرے گا، کیونکہ یہاں منقولی چیز کا معاملہ ہے، اگر اس کو فی الحال تقسیم نہ کیا گیا تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا حفاظت کی خاطر تقسیم کی جائے گی۔

◎ دوسری صورت یہ ہے کہ شرکاء کے ہاتھ میں جائیداد ہے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس کو ہم نے زید سے خریدلیا ہے، تو قاضی بلاتاخیر ان میں تقسیم کرے گا، اور ان سے خریدنے پر گواہ طلب نہیں کرے گا، کیونکہ بیع ہونے کے بعد مبیع بائع (زید) کی ملک سے نکل جاتی ہے، لہٰذا شرکاء کیلئے تقسیم کرنا بائع کے خلاف فیصلہ کرنا نہیں ہے، اس لئے گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

◎ تیسری صورت یہ ہے کہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہونے والے شرکاء کے قبضہ میں جائیداد ہے، انہوں نے مطلقاً اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کیا، ملک کا سبب بیان نہیں کیا کہ خرید لی ہے، یا میراث میں ملی ہے، تو اس جائیداد کو بھی تقسیم کیا جائے گا، اور شرکاء سے گواہ طلب نہیں کئے جائیں گے، کیونکہ یہاں شرکاء نے کسی اور شخص کیلئے ملک کا اقرار نہیں کیا ہے، تو تقسیم کرنے سے دوسرے کے خلاف فیصلہ کرنا لازم نہیں آتا، اس لئے گواہوں کی ضرورت نہیں ہوگی، اور بلاتاخیر تقسیم ہوجائے گی۔

⑰ ولو برهنا أن العقار في أيديهما: لم يقسم حتى يبرهنا أنه لهما: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے قاضی کی مجلس میں حاضر ہوکر گواہ پیش کئے کہ یہ جائیداد ہمارے قبضے میں ہے، اور پھر مطالبہ کیا کہ اس کو ہمارے درمیان تقسیم کیا جائے، تو قاضی ان میں تقسیم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ وہ گواہ پیش نہ کریں کہ یہ جائیداد ہماری ملک میں ہے، اس لئے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ جائیداد کسی اور کی ہو، ان لوگوں نے ناجائز قبضہ جمایا ہو، لہٰذا تقسیم سے پہلے ملکیت ثابت کرنا ضروری ہے۔

⑱ وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ، وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ، وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا، وَمَعَهُمَا وَارِثٌ غَائِبٌ، أَوْ صَبِيٌّ: قُسِمَ بِطَلَبِهِمَا، وَنُصِبَ وَكِيلٌ، أَوْ وَصِيٌّ بِقَبْضِ نَصِيبِهِ ⑲ وَلَوْ كَانُوا مُشْتَرِينَ، وَغَابَ أَحَدُهُمْ ⑳ أَوْ كَانَ الْعَقَارُ فِي يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ أَوِ الطِّفْلِ ㉑ أَوْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ: لَمْ يُقْسَمْ.

ترجمہ: اور اگر دو (شریک) گواہ پیش کریں موت پر اور ورثہ کی تعداد پر، اور گھر ان کے ہاتھ میں ہو، اور ان کے ساتھ ایک غائب وارث ہو، یا بچہ ہو، تو تقسیم کی جائے گی ان کے مطالبے سے، اور مقرر کیا جائے گا وکیل یا وصی کو اس کا حصہ قبض کرنے کیلئے۔ اور اگر خریدنے والے ہوں اور ان میں سے ایک غائب ہوجائے۔ اور یا جائیداد غائب وارث اور یا بچے کے ہاتھ میں ہو۔ اور یا حاضر ہوجائے

ایک وارث تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح:

⑱ ولو برهنا على الموت وعدد الورثة....الخ: «ہ» کا مرجع وکیل اور صبي میں سے ہر ایک ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کی مجلس میں دو وارث حاضر ہوئے، ان ہاتھ میں ایک گھر ہے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ گھر ہمیں میراث میں ملا ہے، اور اپنے مورث کی موت اور ورثہ کی تعداد پر گواہ پیش کر دیئے، انہوں نے قاضی سے تقسیم کا مطالبہ کیا، اور ان کے ساتھ تیسرا وارث بھی ہے جو غائب ہے، یا نابالغ بچہ ہے، تو قاضی ان کے مطالبے پر تقسیم کر دے گا، اور غائب وارث کا حصہ قبض کرنے کیلئے ایک وکیل مقرر کرے، اور نابالغ بچے کا حصہ قبض کرنے کیلئے وصی مقرر کرے۔

تقسیم تو اس لئے ہوگی کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی شرط (گواہ پیش کرنا) پوری ہوگئی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۵) میں بیان ہوا۔ اور غائب کی طرف سے وکیل اور بچے کی طرف سے وصی اس لئے مقرر ہوں گے کہ اس میں ان کا فائدہ ہے، ان کا حق محفوظ ہو جائے گا۔

⑲ ولو كانوا مشترين، وغاب أحدهم: یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۲۱) میں لم يُقسم اس کی جزاء ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی کی مجلس میں حاضر ہونے والے مشتری ہوں اور ان میں سے ایک غائب ہو، تو ان میں تقسیم نہیں ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تین آدمیوں نے مل کر جائیداد خرید لی، پھر ان میں سے دو مشتریوں نے حاضر ہو کر قاضی سے تقسیم کا مطالبہ کیا، اور تیسرا مشتری غائب ہے، تو قاضی ان کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا، اس لئے کہ تقسیم کرنا غائب مشتری کے خلاف فیصلہ ہے، اور غائب شخص پر فیصلہ نہیں ہو سکتا جب تک حاضر نہ ہو۔①

⑳ أو كان العقار في يد الوارث الغائب، أو الطفل: أي: لو كان العقار... یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں لم يُقسم اس کی جزاء ہے۔ یعنی مسئلہ نمبر (۱۸) میں کی صورت میں اگر جائیداد حاضر ہونے والوں کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ غائب وارث کے ہاتھ میں ہو، یا بچے کے ہاتھ میں ہو، تو تقسیم کا فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ قبضہ غائب یا بچے کا ہے، اگر تقسیم ہوگی تو یہ غائب اور بچے پر فیصلہ ہوگا، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

---

① اگر سوال کیا جائے کہ ماقبل مسئلے کی صورت میں ایک وارث کے غائب ہوتے ہوئے تقسیم ہوگئی، جبکہ یہاں ایک مشتری کے غیاب میں تقسیم نہیں ہوتی، فرق کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وارث اور مشتری کے درمیان فرق یہ ہے کہ وارث کو جو ملکیت حاصل ہوتی ہے وہ مورث (میت) کی نیابت کے طور پر ملتی ہے، یعنی وارث اپنے مورث کا نائب ہو کر مالک بنتا ہے، تو قاضی کی مجلس میں جب دو وارث حاضر ہو جائیں تو ان میں سے ایک وارث مدعی (تقسیم کا مطالبہ کرنے والا) اور دوسرا مورث کا نائب ہو کر مدعیٰ علیہ (جس پر تقسیم کا فیصلہ ہو گیا) بنے گا، تو گویا قاضی کا فیصلہ حاضر کے خلاف ہوا، نہ کہ غائب کے خلاف، اس لئے تقسیم صحیح ہوگی۔

وارث کے برخلاف مشتری کو جو ملک حاصل ہوتی ہے وہ بائع کے نائب کے طور پر نہیں ہے، بلکہ اس کو نئے سرے سے جدید ملک حاصل ہو جاتی ہے، تو قاضی کی مجلس میں جب دو مشتری حاضر ہو جائیں وہ دونوں مدعی ہوں گے، مدعیٰ علیہ وہ ہوگا جو غائب ہے، لہٰذا یہاں قاضی تقسیم کا فیصلہ نہیں کرے گا، ورنہ غائب پر فیصلہ ہو جائے گا، اور یہ صحیح نہیں ہے۔ تفصیل ہدایہ میں ہے۔

۲۱ أو حضر وارث واحد: لم يقسم: أي: لو حضر... یعنی مسئلہ نمبر (۱۸) کی صورت میں اگر ایک وارث قاضی کی مجلس میں حاضر ہوا اور جائیداد کی تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا، تو تقسیم نہیں ہوگی، اس لئے کہ قاضی کے فیصلے کیلئے دو آدمیوں کا حاضر ہونا شرط ہے، تا کہ ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ بنے، جبکہ یہاں ایک حاضر ہے، اور ایک شخص مدعی اور مدعی علیہ دونوں نہیں بن سکتا۔

۲۲ وَقُسِمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ لَوِ انْتَفَعَ كُلٌّ بِنَصِيبِهِ ۲۳ وَإِنْ تَضَرَّرَ الْكُلُّ: لَمْ يُقْسَمْ إِلَّا بِرِضَاهُمْ ۲۴ وَإِنِ انْتَفَعَ الْبَعْضُ، وَتَضَرَّرَ الْبَعْضُ؛ لِقِلَّةِ حَظِّهِ: قُسِمَ بِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ فَقَطْ ۲۵ وَيُقْسَمُ الْعُرُوضُ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ ۲۶ وَلَا يُقْسَمُ الْجِنْسَانِ ۲۷ وَالْجَوَاهِرُ، وَالرَّقِيقُ ۲۸ وَالْحَمَّامُ، وَالْبِئْرُ، وَالرَّحى إِلَّا بِرِضَاهُمْ ۲۹ دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ، أَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ، أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ: قُسِمَ كُلٌّ عَلَى حِدَةٍ.

ترجمہ: اور تقسیم کی جائے گی شریکوں میں سے ایک کے مطالبہ کرنے سے، بشرطیکہ ہر ایک نفع اٹھا سکے اپنے حصے سے۔ اور اگر ضرر پہنچے سب کو تو تقسیم نہیں ہوگی مگر ان کی رضامندی سے۔ اور اگر بعض نفع اٹھا سکتے ہوں اور بعض کو ضرر ہوتا ہو ان کا حصہ کم ہونے کی وجہ سے، تو تقسیم ہوگی صرف زیادہ (حصے) والے کے مطالبے سے۔ اور سامان کی تقسیم کی جائے گی جو ایک جنس سے ہو۔ اور دو جنسوں کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اور جواہر اور غلاموں کو۔ اور حمام، کنویں اور چکی کو، مگر ان کی رضامندی سے۔ مشترک گھر ہیں، یا گھر اور زمین ہیں، یا گھر اور دکان ہیں، تو ہر ایک کو تقسیم کیا جائے گا علیحدہ۔

تشریح:

۲۲ وقسم بطلب أحدهم لو انتفع كلّ بنصيبه: مسئلہ یہ ہے کہ کوئی چیز چند شریکوں کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ایک نے تقسیم کا مطالبہ کیا، تو اگر تقسیم کرنے کے بعد ہر شریک اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتا ہے تو قاضی ان میں تقسیم کر دے، اس لئے کہ اپنے حصے سے کامل طور پر نفع اٹھانا ہر شریک کا حق ہے، اور یہ تقسیم ہی کے ذریعے ممکن ہے، لہٰذا قاضی پر واجب ہے کہ ان میں تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کا حق دے دے۔

۲۳ وإن تضرّر الكلّ: لم يقسم إلا برضاهم: اگر شریکوں کے درمیان مشترک چیز ایسی ہے کہ تقسیم کرنے سے سب کو نقصان پہنچے گا، کوئی بھی اپنے حصے سے نفع نہیں اٹھا سکتا، تو ایک شریک کے مطالبہ پر تقسیم نہیں ہوگی جب تک سب راضی نہ ہوں، کیونکہ مطالبہ کرنے والا بلاوجہ ضد کر رہا ہے، اپنے کو بھی نقصان میں ڈالتا ہے دوسرے ساتھیوں کو بھی، لہٰذا اس کا مطالبہ منظور نہیں ہوگا۔

البتہ اگر تمام شرکاء رضامند ہو کر تقسیم کا مطالبہ کریں تو تقسیم ہو جائے گی، کیونکہ حق انہی کا ہے، وہ اپنا نفع و ضرر خوب جانتے ہیں۔

⑳ وإن انتفع البعض، وتضرّر البعض؛ لقلّة... إلخ: اگر مشترک چیز ایسی ہے کہ ایک شریک کا حصہ زیادہ ہے اور دوسرے کا کم ہے، اور تقسیم ہونے سے زیادہ حصے والا اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتا ہے اور کم حصے والا نقصان میں ہو کر اپنے حصے سے نفع نہیں اٹھا سکتا، تو ایسی صورت میں اگر زیادہ حصے والا تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم ہو جائے گی، کیونکہ وہ نفع اٹھانے کیلئے تقسیم مانگ رہا ہے اور اس کا مطالبہ برحق ہے، اور اگر کم حصے والا تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ضد کر رہا ہے، لہٰذا اس کا مطالبہ ناحق ہے۔

㉕ ويُقسم العروض من جنس واحد: اگر شریکوں کے درمیان ایک جنس کی چیز مشترک ہے، مثلاً ایک کوالٹی کا کپڑا مشترک ہے، اور ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے، تو قاضی ان میں تقسیم کر دے، کیونکہ ایک جنس کی چیز کا مقصد وغرض ایک ہوتا ہے، لہٰذا تقسیم میں برابری بھی ممکن ہے، اور ہر شریک کو کامل نفع پہنچنا بھی ممکن ہے، اس لئے تقسیم پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے۔

㉖ ولا يقسم الجنسان: اگر دو جنس کی چیزیں مشترک ہیں، مثلاً کچھ کپڑے ہیں اور کچھ گندم ہے، اور پھر ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کرے، تو قاضی ان میں تقسیم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تمام شرکاء راضی نہ ہوں، کیونکہ مختلف اجناس کی چیزوں میں اغراض ومقاصد کا بڑا فرق ہوتا ہے، لہٰذا تقسیم میں برابری اور ہر شریک کو کامل نفع حاصل ہونا ممکن نہیں ہے، تو ایسی تقسیم بے فائدہ ہوگی۔

㉗ والجواهر، والرقيق: أي: ولا يُقسم الجواهر، والرقيق. مسئلہ یہ ہے کہ اگر شریکوں کے درمیان جواہر (قیمتی پتھر، ہیرے) مشترک ہوں، اور پھر ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کرے، تو ان میں تقسیم نہیں ہوگی، اور اسی طرح اگر غلام مشترک ہوں اور ایک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو تقسیم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ سب شرکاء راضی نہ ہوں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جواہر ایک جنس ہیں، اور غلام بھی ایک جنس ہیں، اور ایک جنس کی چیزوں میں ایک شریک کے مطالبے سے تقسیم ہوگی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۵) میں بیان ہوا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جواہرات ایک جنس کے نہیں ہیں، کیونکہ ہر دانے کا دوسرے دانے سے بڑا فرق ہوتا ہے، لہٰذا ہر دانہ الگ جنس شمار ہوگا۔ اور اسی طرح غلام بھی ایک جنس نہیں ہیں، کیونکہ ہر ایک میں ایسی باطنی صفات ہوتی ہیں جو دوسرے میں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا ہر غلام الگ جنس شمار ہوگا، اور پچھلے مسئلے میں بیان ہوا کہ الگ الگ جنسوں میں ایک شریک کے مطالبے سے تقسیم نہیں ہوگی۔

قول راجح:

جواہرات اگر بڑے ہوں تو ان میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے، اور اگر چھوٹے ہوں تو ایک جنس کے شمار ہو کر صاحبینؒ کا قول راجح ہوگا۔ [مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۱۱۳۷] اور غلاموں میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے، قال ابن عابدینؒ: (و لا الرقيق) لأن التفاوت في الآدمي فاحش، فلايمكن ضبط المساواة. [رد المحتار: ۹/۳۷۸]

㉘ والحمّام، والبئر، والرحى إلا برضاهم: أي: لا يقسم الحمّام... اگر چند شریکوں کے درمیان حمام، یا کنواں اور یا پن چکی مشترک ہو اور پھر ان میں سے ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کرے، تو قاضی ان میں تقسیم نہیں کرے گا، کیونکہ ان

چیزوں کو تقسیم کرنے میں تمام شرکاء کا نقصان ہے۔ البتہ اگر تمام شرکاء رضامندی سے تقسیم کا مطالبہ کریں تو تقسیم ہوجائے گی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۳) میں بیان ہوا۔

۶۰ دور مشتركة، أو دار وضيعة، أو دار وحانوت: قسم كلّ على حدة①: مسئلہ یہ ہے کہ شریکوں کے درمیان چند گھر مشترک ہیں اور پھر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا، تو قاضی ان میں تقسیم نہیں کرے گا۔ اور اسی طرح اگر ایک گھر اور ایک زمین مشترک ہیں، یا ایک گھر اور ایک دکان مشترک ہیں، تو تقسیم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تمام شرکاء راضی نہ ہوں، بلکہ ہر جائیداد کو الگ الگ طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر چند گھر مشترک ہیں تو ایک شریک کے مطالبے سے تقسیم ہوجائے گی، اگرچہ دیگر شرکاء راضی نہ ہوں، کیونکہ گھروں کی جنس ایک ہے، اور مسئلہ نمبر (۲۵) میں بیان ہوا کہ ایک جنس کی چیزوں میں تقسیم ہوجائے گی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسیوں، پانی، محلّہ، اور گلی وغیرہ کے اعتبار سے ایک گھر اور دوسرے گھر کا بڑا فرق ہوتا ہے، لہٰذا ہر گھر الگ الگ جنس شمار ہوگا، جیسے گھر اور زمین، یا گھر اور دکان، اور زیادہ فرق کی وجہ سے تقسیم میں برابری نہیں ہوسکتی، اس لئے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا۔

قولِ راجح:

یہاں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ [مجلۃ الأحکام: المادۃ: ۱۱۲۸۔ کذا فی رد المحتار: ۹/۳۸۰]

۶۱ وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يَقْسِمُهُ، وَيُعَدِّلُهُ، وَيَذْرَعُهُ ۶۲ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ ۶۳ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيبٍ بِطَرِيقِهِ، وَشِرْبِهِ ۶۴ وَيُلَقِّبُ الْأَنْصِبَاءَ بِالْأَوَّلِ، وَالثَّانِي، وَالثَّالِثِ ۶۵ وَيَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ، وَيُقْرِعُ، فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا: فَلَهُ السَّهْمُ الْأَوَّلُ، وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا: فَلَهُ الثَّانِي.

ترجمہ: اور قاسم نقشہ بنائے اس جائیداد کا جس کی تقسیم کر رہا ہے، اور برابر کردے، اور گز سے ناپے۔ اور عمارت کی قیمت لگائے۔ اور الگ کردے ہر حصہ کو اس کے راستہ اور پانی کے حق کے ساتھ۔ اور نام رکھے حصوں پر ''اول، دوئم، سوئم'' کے ساتھ۔ اور شرکاء کے نام لکھے اور قرعہ اندازی کرے، تو جس کا نام پہلے نکلے اس کیلئے پہلا حصہ ہے، اور جس کا دوسرا نکلے اس کیلئے دوسرا (حصہ) ہے۔

تشریح:

۶۱ ويصوّر القاسم مايقسمه، ويعدّله ...إلخ: یہاں سے تقسیم کا طریقہ کار بتا رہے ہیں، وہ یہ کہ تقسیم کرنے

① حدۃ اصل میں وَحَدَ يَحِدُ کا مصدر ہے، بمعنی تنہا، اکیلا، الگ۔ على حدة کے معنی ہیں: اکیلے طور پر، الگ طور پر۔

والا سب سے پہلے یہ کام کرے کہ جس جائیداد کو تقسیم کر رہا ہے کاغذ پر اس کا نقشہ بنائے، تا کہ اس کی حدود یاد رکھنا آسان ہو، اور پھر اس کو برابر کردے، یعنی یہ معلوم کرے کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، فلاں کا اتنا ہے، اور پھر گز سے ناپے، تا کہ ہر حصے کی مقدار معلوم ہو جائے۔

⑪ ویقوّم البناء: اگر جائیداد میں کوئی عمارت ہے تو اس کی الگ قیمت لگائے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ عمارت کسی ایک شریک کے حصہ میں واقع ہو جائے، تو اس کی قیمت معلوم کرنا ضروری ہے۔

⑫ ویفرز کلّ نصیب بطریقه، وشربه: اور ہر حصہ کو اپنے راستے اور پانی کے ساتھ دوسرے حصے سے الگ اور ممتاز کردے، تا کہ ایک شریک کا دوسرے کے ساتھ تعلق نہ رہے، اور نزاع واختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔

⑬ ویلقب الأنصباء بالأول، والثاني، والثالث: حصوں کو الگ الگ کرنے کے بعد ہر حصے پر نمبر ڈالے، مثلاً یہ پہلا حصہ ہے، یہ دوسرا ہے، یہ تیسرا ہے، اس طرح یکے بعد دیگرے نمبر ڈالتے جائے، تا کہ بعد میں تعین کرنا آسان ہو۔

⑭ ویکتب أسماء هم، ویقرع، فمن خرج اسمه....الخ: پھر تمام شرکاء کے نام الگ الگ پرچیوں پر لکھ کر ان میں قرعہ اندازی کرے، تو جس کا نام پہلے نکلے اُسے پہلا حصہ دے اور جس کا نام دوسرے نمبر پر نکلے اُسے دوسرا حصہ دے، اسی طرح تیسرے چوتھے وغیرہ کو دیتے جائے۔

⑮ وَلَا يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ، إِلَّا بِرِضَاهُمْ ⑯ فَإِنْ قُسِمَ وَلِأَحَدِهِمْ مَسِيلٌ، أَوْ طَرِيقٌ فِي مِلْكِ الْآخَرِ لَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْقِسْمَةِ: صُرِفَ عَنْهُ إِنْ أَمْكَنَ ⑰ وَإِلَّا: فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ ⑱ سِفْلٌ لَهُ عُلْوٌ، وَسِفْلٌ مُجَرَّدٌ، وَعُلْوٌ مُجَرَّدٌ: قُوِّمَ كُلٌّ عَلَى حِدَةٍ، وَقُسِمَ بِالْقِيمَةِ ⑲ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْقَاسِمَيْنِ إِنِ اخْتَلَفُوا.

ترجمہ: اور تقسیم میں داخل نہ کرے دراہم کو، مگر ان کی رضامندی سے۔ پس اگر تقسیم ہوئی اور ان میں سے ایک کیلئے پانی کی نالی ہے یا راستہ ہے دوسرے کی ملک میں جس کی شرط نہیں لگائی گئی تقسیم میں، تو اس سے پھیر دیا جائے گا، بشرطیکہ ممکن ہو۔ ورنہ تقسیم کو فسخ کردیا جائے۔ نچلا مکان ہے اور اس کیلئے بالائی مکان بھی ہے، اور صرف نچلا مکان ہے، اور صرف بالائی مکان ہے، تو ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگائی جائے اور قیمت سے تقسیم کی جائے۔ اور قبول ہوگی تقسیم کرنے والوں کی گواہی اگر (شرکاء) اختلاف کریں۔

تشریح:

⑮ ولا یُدخل في القسمة الدراهم....الخ: جائیداد کی تقسیم میں دراہم کو شامل نہ کرے، مثلاً قاضی نے آدھی زمین ایک شریک کو دی اور آدھی دوسرے کو دی، اور پھر کہا کہ چونکہ ایک شریک کے حصے میں عمارت واقع ہے، لہٰذا وہ دوسرے شریک کو پانچ سو دراہم دے دے، اس طرح دراہم کو تقسیم میں شامل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تقسیم میں وہ چیز شامل ہوتی ہے جو مشترک ہو، اور

مشترک جائیداد ہے، نہ کہ دراہم۔ البتہ اگر شرکاء اس پر راضی ہوں تو دراہم کو تقسیم میں داخل کرنا صحیح ہے، کیونکہ جائیداد (مثلاً عمارت) کے عوض میں دراہم دینا بیع کی طرح معاوضہ ہے، اور معاوضہ آپس کی رضامندی سے صحیح ہے۔

⑩ **فإن قسم ولأحدهم مسيل، أو طريق في .....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاسم نے جائیداد کو ایسا تقسیم کردیا کہ ایک شریک کی پانی بہنے کی نالی، یا آنے جانے کا راستہ دوسرے شریک کے حصہ میں آیا، اور تقسیم کے وقت اس بات کی شرط نہیں لگائی گئی تھی، تو اگر نالی اور راستے کو دوسرے شریک کے حصے سے پھیر نا ممکن ہو تو اس کو پھیر دیا جائے گا، کیونکہ اس میں دوسرے شریک کو ضرر ہو گا کہ اس کی زمین میں کسی اور کی نالی بہہ رہی ہو، یا آمد ورفت کا راستہ ہو، اور تقسیم ایسی ہونی چاہئے کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو ضرر نہ ہو۔
اگر تقسیم میں اس بات کی شرط لگائی گئی ہو کہ ایک شریک کی نالی یا راستہ دوسرے شریک کے حصہ میں ہو، تو شرط کے مطابق عمل کر کے تقسیم اسی حالت پر رہے گی۔

⑪ **وإلا: فُسخت القسمة:** أي: وإن لا يمكن صرفه: فُسخت القسمة. یعنی مذکورہ صورت میں اگر نالی اور راستہ دوسرے شریک کے حصے سے پھیر نا ممکن نہ ہو تو تقسیم کو فسخ کر کے از سرِ نو دوسری تقسیم ہوگی، اس لئے کہ ایک شریک کے دوسرے کے حصے میں اختلاط اور تعلق کی وجہ سے تقسیم کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، لہٰذا ایسی تقسیم ناقص ہے، جس کو فسخ کرنا ضروری ہے۔

⑫ **سفل له علو، وسفل مجرّد، وعلو مجرّد: قوّم كلّ.....الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ شریکوں کے درمیان تین جائیدادیں مشترک ہیں: ① ایک جگہ نچلی منزل اور بالائی منزل دونوں مشترک ہیں۔ ② دوسری جگہ صرف نچلی منزل مشترک ہے۔ ③ تیسری جگہ صرف بالائی منزل مشترک ہے، تو تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ ہر جائیداد کی الگ الگ قیمت لگا کر قیمت کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی، جائیداد کے بڑی ہونے اور چھوٹی ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔
حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ تمام جائیدادوں کی گز سے پیمائش کر کے تقسیم① ہوگی، اس لئے کہ جائیداد کی تقسیم میں گز سے پیمائش کرنا اصل ہے، اور شرکت جائیداد میں ہے، نہ کہ قیمت میں، لہٰذا تقسیم بھی جائیداد کی ہوگی، نہ کہ قیمت کی۔
امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نچلی منزل اور بالائی منزل میں منافع اور استعمال کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ہر ایک کو الگ جنس شمار کیا جائے گا، اور مسئلہ نمبر (۲۶) میں بیان ہوا کہ مختلف جنس کی چیزوں کو ایک دوسرے کے عوض میں دے کر تقسیم نہیں کیا جائے گا، لہٰذا تقسیم میں برابری کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم کی جائے۔

قول راجح:

امام محمدؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفيؒ: وبه يُفتى. [الدر علی ہامش رد: ۹/۳۸۳۔ مجلة الأحكام: المادة: ۱۱۵۰]

---

① پھر شیخینؒ کے آپس میں یہ اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک نچلی منزل کا ایک گز بالائی منزل کے دو گزوں کے بدلے ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک گز ایک گز کے بدلے ناپا جائے گا۔ ہر ایک نے اپنے زمانے اور اپنے شہر کے رواج کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ [ہدایہ]

⑥٩ وتقبل شهادة القاسمين إن اختلفوا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو تقسیم کرنے والوں نے شریکوں کے درمیان تقسیم کردی، اس کے بعد شرکاء کے درمیان اختلاف ہوا کہ فلاں حصہ میرا تھا وہ مجھے نہیں ملا، اور فلاں چیز میری تھی وہ مجھے نہیں ملی، لیکن قاسموں نے گواہی دی کہ ہر شریک کو اپنا پورا پورا حصہ مل گیا ہے، تو ان کی یہ گواہی قبول ہوگی۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں کہ ہم نے صحیح صحیح تقسیم کی ہے، اور اپنے فعل پر گواہی دینا صحیح نہیں ہوگی۔ شیخینؒ فرماتے ہیں کہ قاسمین اپنے فعل پر نہیں بلکہ شرکاء کے فعل پر گواہی دے رہے ہیں، وہ یہ کہ ہر شریک نے اپنا حصہ پورا پورا وصول کرلیا ہے، لہٰذا ان کی گواہی قبول ہوگی۔

قول راجح:

شیخینؒ کا قول راجح ہے۔ [درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۳/۱۵۴۔ الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۳۸۳]

⑦٠ وَلَوْ ادَّعَى أَحَدُهُمْ أَنَّ مِنْ نَصِيبِهِ شَيْئًا فِي يَدِ صَاحِبِهِ، وَقَدْ أَقَرَّ بِالْاِسْتِيفَاءِ: لَمْ يُصَدَّقْ، إِلَّا بِبَيِّنَةٍ ⑦١ وَإِنْ قَالَ: اِسْتَوْفَيْتُ وَأَخَذْتُ بَعْضَهُ: صُدِّقَ خَصْمُهُ بِحَلْفِهِ ⑦٢ وَإِنْ لَمْ يُقِرَّ بِالْاِسْتِيفَاءِ، وَادَّعَى أَنَّ ذَا حَظُّهُ، وَلَمْ يُسَلَّمْ إِلَيَّ، وَكَذَّبَهُ شَرِيكُهُ: تَحَالَفَا، وَفُسِخَتِ الْقِسْمَةُ ⑦٣ وَلَوْ ظَهَرَ غَبْنٌ فَاحِشٌ فِي الْقِسْمَةِ: تُفْسَخُ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ اس کے حصے کی کوئی چیز اس کے ساتھی کے ہاتھ میں ہے، حالانکہ اس نے اقرار کیا تھا پورا لینے کا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، مگر گواہوں سے۔ اور اگر کہا کہ میں نے (اپنا حصہ) پورا وصول کرلیا اور تو نے اس کا بعض لے لیا، تو تصدیق کی جائے گی اس کے خصم کی، قسم کھانے سے۔ اور اگر اقرار نہیں کیا تھا وصول کرنے کا اور دعویٰ کیا کہ وہ میرا حصہ ہے اور مجھے تسلیم نہیں کیا گیا، اور اس کے شریک نے اس کو جھٹلایا، تو دونوں قسم کھائیں، اور تقسیم کو فسخ کردیا جائے گا۔ اور اگر تقسیم میں بڑا دھوکا ظاہر ہوا تو تقسیم کو فسخ کردیا جائے۔

تشریح:

⑦٠ ولو ادعى أحدهم أن من نصيبه شيئا ....إلخ: تقسیم ہونے کے بعد ایک شریک نے دعویٰ کیا کہ میرے حصے کی کوئی چیز میرے ساتھی کے ہاتھ میں ہے مجھے نہیں ملی، حالانکہ اس سے پہلے وہ اقرار کرچکا ہے کہ مجھے اپنا حصہ پورا ملا ہے، تو گواہوں کے بغیر اس کے دعوے کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ تقسیم ثابت ہوگئی ہے، اب وہ اپنے دعوے سے اس کو فسخ کرنا چاہتا ہے، اور ثابت شدہ چیز کو فسخ کرنے کیلئے گواہ ضروری ہیں۔ اگر مدعی نے وصول یابی کا اقرار نہ کیا ہو، تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ [رد المحتار: ۹/۳۸۴]

⑦١ وإن قال: استوفيت وأخذت بعضه ....إلخ: اگر تقسیم کے بعد ایک شریک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے

اپنا حصہ پورا وصول کر لیا لیکن تو نے اس میں سے کچھ لے لیا، تو اگر مدعی کے پاس گواہ ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ مدعیٰ علیہ کی تصدیق کی جائے گی قسم کھانے کے ساتھ، کیونکہ مدعی اس پر غصب کا دعویٰ کر رہا ہے اور وہ منکر ہے، اور منکر اگر قسم کھا لے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

۶۲ وإن لم يقرّ بالاستيفاء، وادّعى أن ذا حظّه، ولم يسلّم إليّ .....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شریکوں کے درمیان تقسیم ہونے کے بعد ایک شریک نے یہ اقرار نہیں کیا کہ میں نے اپنا حق پورا وصول کر لیا ہے، اور دعویٰ کیا کہ وہ چیز میرا حق ہے، مگر مجھے حوالہ نہیں کی گئی، ان کے شریک نے اس کو جھٹلا کر کہا کہ وہ تمہارا حق نہیں ہے، تو اس صورت میں دونوں قسم کھائیں گے، اور تقسیم کو فسخ کیا جائے گا، کیونکہ یہاں حق کی مقدار میں اختلاف ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے بائع و مشتری کے درمیان مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو، اور اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں کو قسم دے کر عقد کو فسخ کیا جائے گا۔

۶۳ ولو ظهر غبن فاحش في القسمة: تفسخ: اگر تقسیم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ تقسیم میں بہت بڑا دھوکا ہوا ہے، بڑی غلطی واقع ہوئی ہے، تو اس تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا، کیونکہ تقسیم کرنے والوں کی تقسیم مقید ہے عدل و انصاف کے ساتھ، اور غبن فاحش ظاہر ہونے سے معلوم ہوا کہ عدل سے کام نہیں لیا گیا، لہٰذا ایسی تقسیم کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔

۶۴ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ مِنْ حَظِّهِ: رَجَعَ بِقِسْطِهِ فِي حَظِّ شَرِيكِهِ ۶۵ وَلَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ ۶۶ وَلَوْ ظَهَرَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ: رُدَّتْ ۶۷ وَلَوْ تَهَايَئَا فِي سُكْنَى دَارٍ، أَوْ دَارَيْنِ، أَوْ خِدْمَةِ عَبْدٍ، أَوْ عَبْدَيْنِ، أَوْ غَلَّةِ دَارٍ، أَوْ دَارَيْنِ: صَحَّ ۶۸ وَفِي غَلَّةِ عَبْدٍ، أَوْ عَبْدَيْنِ، أَوْ بَغْلٍ، أَوْ بَغْلَيْنِ، أَوْ رُكُوبِ بَغْلٍ، أَوْ بَغْلَيْنِ، أَوْ ثَمَرَةِ شَجَرَةٍ، أَوْ لَبَنِ غَنَمٍ: لَا.

ترجمہ: اور اگر کسی اور کا نکل آیا بعض غیر معین اس کے حصے میں سے، تو رجوع کرے اس کے حساب کے مطابق اپنے شریک کے حصے میں۔ اور تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر میراث میں ظاہر ہوا دین تو (تقسیم) واپس کر دی جائے گی۔ اور اگر باری لگائی گھر کی رہائش میں، یا دو گھروں کی، یا غلام کی خدمت میں، یا دو غلاموں کی، یا گھر کی پیداوار میں، یا دو گھروں کی، تو صحیح ہے۔ اور ایک غلام کی پیداوار میں (باری لگانا)، یا دو غلاموں کی، یا خچر کی، یا دو خچروں کی، یا خچر کی سواری میں، یا دو خچروں کی، یا درخت کے پھل میں، یا بکری کے دودھ میں، تو (صحیح) نہیں ہے۔

لغات:

تهايئا: بابِ تفاعل (تهايؤ) سے تثنیہ ماضی ہے، کسی چیز پر اتفاق کرنا، آپس میں باری مقرر کرنا۔ غَلّة: پیداوار، جیسے گھر کا کرایہ وغیرہ۔ بغل: خچر۔

تشریح: ۶۴ ولو اُستحق بعض شائع من حظه .....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید اور شریف نے آٹھ ہزار فٹ

زمین آپس میں تقسیم کر کے چار چار ہزار فٹ لے لیے، اس کے بعد خالد نے زید کے حصے میں غیر معین① دو ہزار فٹ کا دعویٰ کیا، اور گواہوں سے ثابت کر کے زید سے لے لیا، تو اب حکم یہ ہے کہ زید اسی حساب کے مطابق اپنے شریک (شریف) پر رجوع کر کے اس سے لے لے، کیونکہ خالد کا دعویٰ اگر چہ بظاہر زید کے خلاف ہے، مگر حقیقت میں زید اور شریف دونوں کے خلاف ہے، تو گویا خالد نے ایک ہزار فٹ زید سے لئے اور ایک ہزار شریف سے لئے، لہٰذا زید نے جب خالد کو دو ہزار فٹ دے دیئے تو وہ شریف سے ایک ہزار فٹ واپس لے لے۔ عبارت میں بقسطه کا یہی مطلب ہے کہ زید نے مستحق (خالد) کو جتنا دیا ہے، اپنے شریک سے اس کا نصف لے لے۔

● ولا تُفسخ القسمة: یعنی مذکورہ صورت میں تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ یہ حضرات طرفین کا قول ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب تقسیم میں تیسرا شریک (خالد) نکل آیا تو دو شریکوں (زید اور شریف) کے درمیان جو تقسیم ہوئی تھی وہ تیسرے شریک کی مرضی کے بغیر ہوئی ہے، اور جو تقسیم ایک شریک کی رضامندی کے بغیر ہو جائے وہ منسوخ اور کالعدم ہوگی۔

طرفین فرماتے ہیں کہ تقسیم کا اصل مطلب وغرض إفراز (حصوں کی جدائی) ہے، اور دو شریکوں کے درمیان جو إفراز ہوا ہے تیسرے شریک نکل آنے سے اس پر اثر نہیں پڑتا، لہٰذا وہ تقسیم صحیح و برقرار ہوگی، اور تیسرا شریک (خالد) زید کے ساتھ تقسیم کرے، و بس۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں طرفین کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفي: وفي استحقاق بعض شائع من نصيبه لا تُفسخ جبرا، خلافا للثاني. [الدر المختار على هامش رد المحتار: ۹/ ۳۸۵۔ مجلة الأحكام: المادة: ۱۱۲۵]

● ولو ظهر في التركة دين: رُدّت: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اور پھر اس کے ورثہ نے اس کا ترکہ آپس میں تقسیم کر دیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ میت پر لوگوں کا دین ہے، تو ترکہ کی جو تقسیم ہوئی ہے وہ فسخ ہو جائے گی، اس لئے کہ اگر دین اتنا زیادہ ہے جس میں سارا ترکہ چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ترکہ غرماء کا حق ہے، ورثہ اس کے مالک ہی نہیں، انہوں نے دوسرے کا مال آپس میں تقسیم کیا ہے، اور یہ تقسیم باطل ہے۔ اور اگر دین ترکے سے کم ہو تو اس صورت میں اگر چہ سارا ترکہ دین میں نہیں جاتا، مگر پھر بھی ترکہ کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو گیا، لہٰذا ورثہ کیلئے جائز نہیں ہے کہ غرماء کی عدم موجودگی میں تصرف کر کے آپس میں تقسیم کریں۔

● ولو تهايئا في سكنى دار، أو دارين، أو خدمة عبد، أو ....إلخ: یہاں سے مشترک چیز میں باری مقرر کرنے کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ اگر کسی چیز کے منافع کو تقسیم کیا جائے، مثلاً ایک مہینہ ایک شریک منافع حاصل کرتا ہے اور دوسرا مہینہ دوسرا شریک، تو اس کو تهايؤ (باری مقرر کرنا) کہا جاتا ہے۔ عین چیز کو تقسیم کرنے کی طرح اس کے منافع کو تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔ بعض اوقات منافع تقسیم کرنے کی حاجت بھی پڑ جاتی ہے، اور شرکاء کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ دو شریکوں میں کوئی گھر مشترک ہے، انہوں نے اس کی رہائش میں باری لگائی کہ ایک مہینہ ایک رہائش کرے گا

① غیر معین (بعض شائع) کا مطلب یہ ہے کہ خالد نے زمین کے کسی خاص معین حصے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ ساری زمین میں سے دو ہزار فٹ کا دعویٰ کیا۔

اور دوسرا مہینہ دوسرا کرے گا، یا دو گھر مشترک ہیں اور باری ایسی لگائی کہ ایک گھر میں ایک شریک رہائش کرے اور دوسرے گھر میں دوسرا کرے، یا ایک غلام سے خدمت لینے کی باری لگائی، یا دو غلاموں سے خدمت لینے کی باری لگائی، یا ایک گھر سے پیداوار حاصل کرنے میں باری لگائی کہ ایک مہینہ ایک شریک کرایہ لے گا اور دوسرا مہینہ دوسرا شریک لے گا، یا دو گھروں کے کرایہ میں باری مقرر کی کہ ایک شریک ایک گھر کا کرایہ لے گا اور دوسرا شریک دوسرے گھر کا کرایہ لے گا، تو سب صورتیں صحیح ہیں۔

⑨ وفي غلّة عبد، أو عبدين، أو بغل، أو بغلين ...الخ: اگر شریکوں نے غلام کی پیداوار میں باری لگائی کہ ایک مہینہ ایک شریک غلام سے مزدوری کروائے گا اور دوسرا مہینہ دوسرا کرائے گا، یا دو غلاموں میں باری لگائی کہ ایک غلام سے ایک شریک مزدوری کروائے گا اور دوسرے غلام سے دوسرا کروائے گا، یا خچر کی پیداوار میں، یا دو خچروں کی پیداوار میں باری مقرر کی، یا ایک خچر پر سوار ہونے میں، یا دو خچروں پر سوار ہونے میں باری لگائی، یا درخت سے پھل لینے میں باری لگائی کہ ایک سال ایک شریک پھل لے گا اور دوسرا سال دوسرا شریک لے گا، یا بکری کے دودھ میں باری لگائی کہ ایک مہینہ ایک شریک لے گا اور دوسرا مہینہ دوسرا لے گا، تو یہ تمام صورتیں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ تمام صورتوں میں برابری نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے کہ ایک شریک زیادہ پیداوار حاصل کرے اور دوسرا کم، یا ایک شریک زیادہ سواری کرے اور دوسرا کم، یا ایک شریک زیادہ پھل اور دودھ حاصل کرے اور دوسرا کم، اور جس تقسیم میں برابری ممکن نہ ہو اس میں نزاع و جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے صحیح نہیں ہوگی۔

اس کے برخلاف ماقبل والے مسئلے کی تمام صورتوں میں برابری ممکن ہے، کیونکہ رہائش میں تو کم ہونے اور زیادہ ہونے کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، اور غلام سے خدمت لینا بھی انسانی طاقت کے مطابق عام طور پر برابر ہوتا ہے، اور گھر کی پیداوار (کرایہ) بھی ہر شریک کی باری میں برابر ہوتی ہے، اس لئے وہ تقسیم صحیح ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام المزارعة. یعنی یہ کتاب مزارعت کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے مزارعت کو قسمت کے بعد لایا، کیونکہ مزارعت کی بنیاد بھی پیداوار کی تقسیم پر ہے۔

مزارعة باب مفاعلہ کا مصدر ہے، لغوی معنی ہیں: بٹائی پر کاشتکاری کا معاملہ کرنا۔ یعنی زمین کے مالک اور کاشتکار کے درمیان ایک معاملہ ہے جس میں پیداوار کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اصطلاحی تعریف لغوی معنی کے قریب قریب ہے، وہ یہ کہ مزارعت کھیتی باڑی کا ایسا عقد ہے جو بعض پیداوار پر ہو جائے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک میں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کا عقد فاسد ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: إنه عليه السلام نهي عن المخابرة، وهو المزارعة. [مسلم] ''آپ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا، اور وہ مزارعت ہے''۔ حضرات صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مزارعت کا عقد صحیح ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ پھل اور کھیتی کی نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا۔ [مسلم]

احنافؒ کے نزدیک فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ مصنفؒ نے مزارعت سے متعلق تیس (۳۰) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ ❷ وَتَصِحُّ بِشَرْطِ صَلَاحِيَةِ الْأَرْضِ لِلزِّرَاعَةِ ❸ وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ ❹ وَبَيَانِ الْمُدَّةِ ❺ وَرَبِّ الْبَذْرِ ❻ وَجِنْسِهِ ❼ وَحَظِّ الْآخَرِ ❽ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْعَامِلِ ❾ وَالشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ ❿ وَأَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ، وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ ⓫ أَوْ تَكُونَ الْأَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْبَاقِي لِآخَرَ ⓬ أَوْ يَكُونَ الْعَمَلُ مِنْ وَاحِدٍ، وَالْبَاقِي لِآخَرَ.

ترجمہ: مزارعت عقد کرنا ہے کھیتی پر بعض پیداوار کے عوض۔ اور صحیح ہے زمین کی کاشت کیلئے صلاحیت کی شرط کے ساتھ۔ اور عاقدین کی اہلیت کی (شرط کے ساتھ)۔ اور مدت بیان کرنے کی (شرط کے ساتھ)۔ اور بیج کے مالک کو (بیان کرنے کی شرط کے ساتھ)۔ اور بیج کی جنس کو (بیان کرنے کی شرط کے ساتھ)۔ اور دوسرے کے حصے کو (بیان کرنے کی شرط کے ساتھ)۔ اور فارغ چھوڑنے کی (شرط کے ساتھ) زمین اور کاشتکار کے درمیان۔ اور پیداوار میں شرکت کی (شرط کے ساتھ)۔ اور (اس شرط کے ساتھ کہ) زمین اور بیج ایک کیلئے ہو، اور بیل اور کام دوسرے کیلئے۔ یا زمین ایک کیلئے ہو اور باقی (چیزیں) دوسرے کیلئے۔ یا کام ایک کی طرف سے ہو اور باقی (چیزیں) دوسرے کیلئے۔

تشریح: ❶ هي عقد على الزرع ببعض الخارج: مزارعت یہ ہے کہ زمین کے مالک اور کاشتکار کے درمیان

زمین کی بعض پیداوار پر عقد ہو جائے، یعنی کاشتکار زمین میں محنت کرے اور اس کے نتیجہ میں جو پیداوار حاصل ہو اس کا بعض حصہ کاشتکار کو عوض میں ملے گا۔ اس میں دو باتیں ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ کاشتکار کو عوض میں پیداوار ملے گی، اگر پیداوار کے علاوہ روپے وغیرہ عوض میں ملے تو یہ مزارعت نہیں ہے، بلکہ اجارہ ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کاشتکار کو پیداوار کا بعض حصہ ملے گا، اگر ساری پیداوار اس کو دی گئی، یا ساری پیداوار زمین کے مالک کو دی گئی تو یہ بھی مزارعت نہیں، اجارہ ہے۔

② وتصح بشرط صلاحية الأرض للزراعة: مزارعت صحیح ہونے کیلئے چند شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ عقد مزارعت ایسی زمین میں جائز ہے جو کاشت اور کھیتی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے کہ اگر زمین ایسی بے کار بنجر ہو کہ کاشت کی قابل ہی نہ ہو تو اس سے مزارعت کا مقصد فوت ہو جائے گا، یعنی پیداوار حاصل نہیں ہوگی، اور ایسا عقد فاسد ہوگا۔

③ وأهلية العاقدين: أي: بشرط أهلية... عقدِ مزارعت صحیح ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ عقد کرنے والوں میں اہلیت ہو، یعنی عاقل بالغ ہوں، کیونکہ مزارعت بھی دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے، اور عقد کیلئے عاقد کی اہلیت شرط ہے، ورنہ عقد صحیح نہیں ہوگا، جیسے بچے یا پاگل کا عقد۔

④ وبيان المدة: أي: بشرط بيان المدة عقدِ مزارعت کی تیسری شرط یہ ہے کہ کاشتکاری کی مدت کو بیان کیا جائے۔ اگر مدت کو بیان نہ کیا جائے تو اس میں جہالت آئے گی جو اختلاف و جھگڑے کا باعث بنے گی، اور ایسا عقد صحیح نہیں ہوگا۔

⑤ ورب البذر: أي: بشرط بيان رب البذر. مزارعت کی چوتھی شرط یہ ہے کہ بیج والے کو معلوم کرے، کہ بیج زمیندار کی طرف سے ہوگا، یا کاشتکار کی طرف سے، تا کہ اصل معقود علیہ (جس چیز پر عقد ہوتا ہے) معلوم ہو جائے۔ مثلاً اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہو تو معقود علیہ کاشتکار کے منافع ہے، یعنی زمیندار نے کاشتکار کو مزدور بنا کر اس کے منافع (محنت) حاصل کر لئے، اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہو تو معقود علیہ زمین کے منافع ہے، یعنی کاشتکار نے زمین کو کرایہ پر لے کر اس کے منافع حاصل کر لئے۔ اور اگر بیج والا معلوم ہی نہ ہو تو معقود علیہ بھی معلوم نہ ہوگا، حالانکہ عقد میں اس کو معلوم کرنا ضروری ہے، ورنہ عقد صحیح نہیں ہوگا۔

⑥ وجنسه: أي: بشرط بيان جنس البذر. عقدِ مزارعت کی پانچویں شرط یہ ہے کہ بیج کی جنس کو بیان کرے، کہ گندم ہے یا جو وغیرہ، اس لئے کہ اگر اس کو بیان نہ کیا جائے تو نزاع و جھگڑے کا اندیشہ ہے۔

⑦ وحظ الآخر: أي: بشرط بيان حظ الآخر. الآخر سے مراد وہ شخص ہے جس کی طرف سے بیج نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ لیں کہ مزارعت میں جس کی طرف سے بیج ہو ساری پیداوار اسی کا حق بنتی ہے، اور دوسرے کو پیداوار کا جتنا حصہ ملتا ہے وہ آپس میں شرط لگانے کی وجہ سے ملتا ہے، لہٰذا عقدِ مزارعت کی چھٹی شرط یہ ہے کہ جس کی طرف سے بیج نہیں ہے عقد میں اس کا حصہ بیان کیا جائے کہ اس کو پیداوار میں سے کتنا حصہ ملے گا؟ اگر اس کا حصہ بیان نہیں کیا گیا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور یہ نزاع و جھگڑے کا باعث بنے گا۔

❽ والتخلية بين الأرض والعامل: أي: بشرط التخلية بين... "تخلية" کے معنی ہیں: فارغ چھوڑ دینا۔ مزارعت کی ساتویں شرط یہ ہے کہ زمیندار زمین اور کاشتکار کو فارغ چھوڑے، یعنی بلا قید وشرط زمین کاشتکار کے حوالہ کردے، تاکہ وہ اس میں کام کرے۔ اگر زمین کاشتکار کے حوالہ نہیں کی تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

❾ والشركة في الخارج: أي: بشرط الشركة في الخارج. مزارعت کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ جتنی پیداوار حاصل ہوگی اس میں زمیندار اور کاشتکار دونوں شریک ہوں گے، اگر ساری پیداوار ایک کو ملے، دوسرے کو کچھ بھی نہ ملے، یا پیداوار کا معین حصہ (مثلاً دس من) ایک کو ملے اور باقی دونوں میں مشترک ہو، تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا، کیونکہ ایسی شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اس لئے کہ پہلی صورت میں ساری پیداوار میں شرکت ختم ہوگئی، اور دوسری صورت میں ایک معین حصے میں شرکت ختم ہوگئی۔ بعینہ یہی مسئلہ كتاب المضاربة مسئلہ نمبر (۱۰) اور (۱۱) میں بھی بیان ہوگیا ہے۔

❿ وأن تكون الأرض والبذر لواحد ....الخ: أي: وتصح بشرط أن تكون... مزارعت صحیح ہونے کی نویں شرط یہ ہے کہ تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر عمل کیا جائے:

①...... پہلی صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہوں، بیل اور عمل دوسرے کی طرف سے ہوں، یہ صورت جائز ہے، کیونکہ اس میں زمیندار نے کاشتکار کو اَجیر (مزدور) بنایا اور عمل کا آلہ (بیل) بھی کاشتکار کی طرف سے ہے، جیسے خیاط کو سلوانے کیلئے کپڑے دیئے جائیں اور عمل کا آلہ (سوئی قینچی وغیرہ) بھی خیاط کی طرف سے ہو۔ اس صورت میں بیل کا عمل کاشتکار کے عمل کا تابع ہے۔

⓫ أو تكون الأرض لواحد، والباقي لآخر: ②...... جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ایک شخص کی طرف سے ہو، اور باقی چیزیں (عمل، بیل اور بیج) دوسرے کی طرف سے ہوں۔ یہ صورت اس لئے جائز ہے کہ اس میں کاشتکار نے زمین کو کرایہ پر لیا، اور خالی زمین کو کرایہ پر لینا جائز ہے، تاکہ مستأجر اس میں عمل (محنت) بھی خود کرے اور بیل اور بیج بھی اپنے لگائے۔

⓬ أو يكون العمل من واحد، والباقي لآخر: ③...... جواز کی تیسری صورت یہ ہے کہ عمل ایک کی طرف سے ہو، اور باقی چیزیں (زمین، بیل اور بیج) دوسرے کی طرف سے ہوں۔ یہ صورت اس لئے جائز ہے کہ زمیندار نے کاشتکار کو اَجیر بنایا کہ عمل کا آلہ (بیل) بھی زمیندار کی طرف سے ہو، جیسے خیاط کو اَجیر بنائے اور وہ کپڑے والے کے آلے (سوئی قینچی وغیرہ) سے سلائی کرے۔

⓭ فَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ، وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ ⓮ أَوْ كَانَ الْبَذْرُ لِأَحَدِهِمَا، وَالْبَاقِي لِآخَرَ ⓯ أَوْ كَانَ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ، وَالْبَاقِي لِآخَرَ ⓰ أَوْ شَرَطَا لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً ⓱ أَوْ مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ، وَالسَّوَاقِي ⓲ أَوْ أَنْ يَرْفَعَ رَبُّ الْبَذْرِ بَذْرَهُ ⓳ أَوْ أَنْ يَرْفَعَ الْخَرَاجُ، وَالْبَاقِي بَيْنَهُمَا: فَسَدَتْ ⓴ فَيَكُونُ الْخَارِجُ

لِرَبِّ الْبَذْرِ، وَلِلْآخَرِ أَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهِ، أَوْ أَرْضِهِ ﴿٢١﴾ وَلَمْ يُزَدْ عَلَى مَا شَرَطَا.

ترجمہ: پس اگر زمین اور بیل ایک کیلئے ہوں، اور بیج اور کام دوسرے کیلئے۔ یا بیج ان میں سے ایک کیلئے ہو، اور باقی (چیزیں) دوسرے کیلئے۔ یا بیج اور بیل ایک کیلئے ہوں، اور باقی (چیزیں) دوسرے کیلئے۔ یا انہوں نے شرط لگائی ان میں سے ایک کیلئے معین پیمانوں کی۔ یا اس پیداوار کی (شرط لگائی) جو بڑی نہروں پر ہو اور چھوٹی نہروں پر ہو۔ یا یہ (شرط لگائی) کہ بیج والا اپنا بیج اٹھائے گا۔ یا یہ (شرط لگائی) کہ خراج کو اٹھالیا جائے گا اور باقی دونوں کے درمیان ہے، تو (مزارعت) فاسد ہوگی۔ پس پیداوار بیج والے کی ہوگی، اور دوسرے کیلئے اُجرتِ مثل ہے اس کے عمل کی، یا اس کی زمین کی۔ اور زیادتی نہیں ہوگی اُس پر جو انہوں نے شرط لگائی۔

لغات:

قفزان: جمع ہے قفیز کی، ایک خاص پیمانہ ہے۔ الماذیانات: جمع ہے ماذیان کی، بڑی نہر۔ السواقي: جمع ہے ساقیة کی، چھوٹی نہر۔

تشریح:

﴿۱۳﴾ فإن كانت الأرض والبقر لواحد، والبذر والعمل لآخر: یہ شرط ہے، اس کی جزاء مسئلہ نمبر (۱۹) میں فسدت ہے۔ یہاں سے وہ صورتیں بیان فرمارہے ہیں جن میں مزارعت فاسد ہوجاتی ہے:

﴿۱﴾...... پہلی صورت یہ ہے کہ زمین اور بیل ایک شخص کی طرف سے ہوں، اور بیج اور عمل دوسرے کی طرف سے ہوں، یہ صورت اس لئے فاسد ہے کہ اس میں زمین اور بیل جمع ہو کر بیل زمین کا تابع بن گیا، حالانکہ بیل زمین کا تابع نہیں بن سکتا، کیونکہ بیل حیوانی قوت سے عمل کرتا ہے اور زمین طبعی قوت سے اُگاتی ہے، ان دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں، لہٰذا ایک دوسرے کا تابع نہیں بن سکتا۔

﴿۱۴﴾ أو كان البذر لأحدهما، والباقي لآخر: أي: إن كان البذر... یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۱۹) میں فسدت اس کی جزاء ہے۔ ﴿۲﴾...... فساد کی دوسری صورت یہ ہے کہ بیج ایک کی طرف سے ہو، اور باقی چیزیں (زمین، عمل اور بیل) دوسرے کی طرف سے ہوں۔ یہ صورت اس لئے فاسد ہے کہ اس میں زمین کا مالک خود کاشتکار بن رہا ہے، جبکہ پہلے گزر چکا ہے کہ مزارعت کی شرط یہ ہے کہ زمیندار زمین کو کاشتکار کے حوالہ کردے، خود عمل نہ کرے۔

﴿۱۵﴾ أو كان البذر والبقر لواحد، والباقي لآخر: أي: إن كان البذر... یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۱۹) میں فسدت اس کی جزاء ہے۔ ﴿۳﴾...... فساد کی تیسری صورت یہ ہے کہ بیج اور بیل ایک کی طرف سے ہوں، اور باقی چیزیں (زمین، اور عمل) دوسرے کی طرف سے ہوں۔ یہ صورت بھی اس لئے فاسد ہے کہ زمین کا مالک خود کاشتکار بن رہا ہے۔

﴿۱۶﴾ أو شرطا لأحدهما قفزانا مسمّاة: أي: إن شرطا... یہ شرط ہے، اور مسئلہ نمبر (۱۹) میں فسدت اس

کی جزاء ہے۔ ⑭ ...... مزارعت فاسد ہونے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اس میں فاسد شرط لگائی جائے، شرطِ فاسد کی چند مثالیں ہیں:

◈ پہلی مثال یہ ہے کہ عقدِ مزارعت میں یہ شرط لگائی جائے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے معلوم پیمانے (مثلاً دس پیمانے) زمیندار کو یا کاشتکار کو خاص طور پر ملیں گے، اور باقی پیداوار آپس میں مشترک ہوگی، اس شرط سے مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ مسئلہ نمبر (۹) میں بیان ہوا کہ ساری پیداوار کا مشترک ہونا ضروری ہے، اور معلوم مقدار کو کسی ایک کیلئے خاص کر دینے سے اس مقدار میں اشتراک ختم ہو جائے گا، جس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

⑮ أو ما علی الماذیانات، والسواقي: أي: إن شرطا ما علی ... یہ شرط ہے، اور فسدت اس کی جزاء ہے۔ «ما» سے مراد پیداوار ہے۔ ◈ شرط فاسد کی دوسری مثال یہ ہے کہ آپس میں یہ شرط لگائیں کہ زمین میں بڑی نہروں اور چھوٹی نہروں① کے کناروں پر جو پیداوار ہے وہ خاص طور پر ایک کو ملے گی، اور باقی زمین کی پیداوار مشترک ہوگی۔ اس شرط سے بھی مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ اس میں بھی پیداوار کے کچھ حصہ میں شرکت ختم ہو جائے گی۔

⑯ أو أن یرفع ربّ البذر بذرہ: أي: إن شرطا... یہ شرط ہے، اور فسدت اس کی جزاء ہے۔

◈ شرط فاسد کی تیسری مثال یہ ہے کہ آپس میں شرط لگائیں کہ جتنی پیداوار ہوگی سب سے پہلے اس سے بیج والا اپنا بیج اٹھا کر لے گا، اور جو باقی بچے وہ مشترک ہے، اس سے بھی مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ بیج کی مقدار کے برابر پیداوار میں شرکت ختم ہوگئی، حالانکہ ساری پیداوار میں شرکت ضروری ہے۔

⑰ أو أن یُرفع الخراجُ، والباقي بینھما: فسدت: أي: إن شرطا أن یُرفع... یہ شرط ہے، اور فسدت اس کی جزاء ہے۔ ◈ شرط فاسد کی چوتھی مثال یہ ہے کہ آپس میں شرط لگائیں کہ جتنی پیداوار ہوگی سب سے پہلے اس سے خراج کو ادا کیا جائے گا، اور جو باقی بچے وہ آپس میں مشترک ہوگی، اس سے بھی مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ خراج کی مقدار کے برابر پیداوار میں شرکت ختم ہوگئی۔

⑱ فیکون الخارج لربّ البذر، وللآخر ....إلخ: یہ ماقبل پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں جب مزارعت فاسد ہوگئی تو جتنی پیداوار ہے وہ سب بیج والے کی ہے②، اور دوسرے کو اُجرِ مثل ملے گا، مثلاً اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہے تو پیداوار اسی کی ہوگی، اور کاشتکار کو اس کے عمل کے مطابق مزدوری ملے گی، اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہے تو پیداوار اسی کی ہوگی، اور زمیندار کو اس کی زمین کا کرایہ ملے گا، اس لئے کہ مزارعت جب فاسد ہو جائے تو اس پر اِجارہ کا حکم جاری ہو جائے گا، اور اِجارہ کا حکم یہی ہے کہ اگر پیداوار بیج والے کی ہوتی ہے، اور دوسرے کو اُجرِ مثل ملتا ہے۔

---

① اس سے مراد خاص معین جگہ ہے، خواہ نہر کا کنارہ ہو یا زمین کا کوئی اور حصہ ہو۔

② اس لئے کہ پیداوار بیج سے حاصل ہوتی ہے، تو جس کا بیج ہے پیداوار بھی اسی کی ہوگی۔ یہ اس کی اپنی ملک کی نما (بڑھوتری) ہے۔

㉑ ولم يُزد على ما شرطا: یعنی مزارعتِ فاسدہ میں جب بیج والا ساری پیداوار لے جائے تو دوسرے کا اُجرِ مثل اس مقدار سے زائد نہ ہوگا جس کی انہوں نے شرط لگائی ہے، مثلاً انہوں نے کاشتکار کیلئے نصف پیداوار کی شرط لگائی ہے تو اس کا اُجرِ مثل (مزدوری) نصف پیداوار سے زائد نہیں ہوگا، جیسے اِجارہ فاسدہ میں اُجیر کو مقرر مقدار سے زائد اُجرِ مثل نہیں ملے گا۔ تفصیل کتاب الإجارة/ باب الإجارة الفاسدة مسئلہ نمبر (۳) میں گزر چکی ہے۔

㉒ وَإِنْ صَحَّتْ: فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ ㉓ فَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ: فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ ㉔ وَمَنْ أَبَى عَنِ الْمُضِيِّ: أُجْبِرَ ㉕ إِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ ㉖ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ㉗ فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ، وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ: فَعَلَى الْمُزَارِعِ أَجْرُ مِثْلِ أَرْضِهِ حَتَّى يُدْرِكَ.

ترجمہ: اور اگر (مزارعت) صحیح ہوئی تو پیداوار شرط کے مطابق ہوگی۔ اور اگر کچھ بھی نہ نکلا تو کچھ بھی نہیں ملے گا کاشتکار کو۔ اور جس نے انکار کیا (عقد پر) عمل کرنے سے، تو (اس کو) مجبور کیا جائے گا۔ مگر بیج والے کو۔ اور (مزارعت) باطل ہو جائے گی ان میں سے کسی ایک کی موت سے۔ اور اگر مدت گزر گئی اور کھیتی نہیں پکی، تو کاشتکار پر اس کی زمین کا اُجرِ مثل ہے، یہاں تک کہ پک جائے۔

تشریح:

㉒ وإن صحت: فالخارج على الشرط: اگر عقدِ مزارعت تمام شرائط کے مطابق صحیح منعقد ہوا تو پیداوار کی تقسیم میں جو شرط لگائی ہے اسی کے مطابق تقسیم ہوگی، کیونکہ شرط لگا کر ہر ایک نے خود اپنے اوپر عمل کرنا لازم کر دیا، لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہوں گے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: المسلمون على شروطهم، [أبوداود] ''مسلمان اپنی لگائی ہوئیں شرطوں پر عمل کرنے کے پابند ہیں''۔

㉓ فإن لم يخرج شيء: فلا شيء للعامل: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کاشتکار نے محنت وعمل کیا، مگر پیداوار حاصل نہیں ہوئی تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ مزارعت میں زمیندار اور کاشتکار کی شرکت پیداوار میں ہے، اور وہ نکلی نہیں۔ اور کاشتکار کو اُجرِ مثل بھی نہیں ملے گا، کیونکہ مزارعت میں اُجرِ مثل اس وقت ملتا ہے کہ عقد فاسد ہو کر اِجارہ میں بدل جائے، جبکہ یہاں عقد صحیح ہے۔

㉔ ومن أبى عن المضيّ: أجبر: مسئلہ یہ ہے کہ جب عقدِ مزارعت صحیح شروط کے ساتھ منعقد ہو گیا تو اس کے بعد اگر متعاقدین میں سے کسی نے عقد پر عمل کرنے سے انکار کیا تو قاضی اس کو عمل کرنے پر مجبور کرے گا، کیونکہ عقد لازم ہو گیا ہے، اور عقدِ لازم پر عمل کرنا لازم ہے، اور عمل کرنے میں کوئی ضرر ونقصان بھی نہیں ہے۔

㉕ إلّا ربّ البذر: یہ ماقبل مسئلے سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ متعاقدین میں سے جو بھی مزارعت پر عمل کرنے سے انکار کرے تو اس کو مجبور کیا جائے گا سوائے بیج والے کے، یعنی جس کی طرف سے بیج ہے اگر اس نے عقد پر عمل کرنے سے انکار کیا تو

اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عقد پر عمل کرنے میں اس کا نقصان ہے، وہ اپنا بیج مٹی میں ڈالے گا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ پیداوار نکلے گی یا نہیں، لہٰذا وہ اگر اپنی مرضی سے عقد پر عمل کر کے اپنا بیج زمین میں ڈالے تو صحیح ہے، ورنہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

㉖ وتبطل بموت أحدهما: عقدِ مزارعت کرنے کے بعد اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مر گیا تو مزارعت فاسد ہوگئی، اس لئے کہ مزارعت حقیقت میں اِجارہ ہے، کہ یا تو زمیندار کاشتکار کو مزدور بناتا ہے، اور یا کاشتکار زمین کو کرایہ پر لیتا ہے، (جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱-۱۱-۱۲ میں بتایا گیا)، لہٰذا جس طرح عقدِ اِجارہ موت سے باطل ہو جاتا ہے (جیسا کہ كتاب الإجارة/ باب فسخ الإجارة مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا) اسی طرح مزارعت بھی باطل ہو جائے گی۔

㉗ فإن مضت المدة، والزرع لم يُدرِك: فعلى....إلخ: يدرك میں ضمیر کا مرجع زرع ہے۔ أدرَكَ يُدرِكُ إدراكا کے معنی ہیں: پک جانا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زمیندار نے چھ مہینے کیلئے اپنی زمین کاشتکار کو دی، کاشتکار نے کھیتی بوئی، مگر چھ مہینے کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی کھیتی نہیں پکی، تو کھیتی کو پکنے تک رہنے دیا جائے گا، اور کاشتکار سے کہا جائے گا کہ پکنے تک جتنے دن کھیتی زمین پر رہے گی اتنے دنوں کا کرایہ زمیندار کو ادا کرے[1]، اس میں کاشتکار کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو کھیتی پکنے تک مہلت مل جائے گی، اور زمیندار کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو مزارعت کی مدت پوری ہونے کے بعد زائد دنوں کا کرایہ ملے گا۔

㉘ وَنَفَقَةُ الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ حُقُوقِهِمَا ㉙ كَأُجْرِ الْحَصَّادِ، وَ الرِّفَاعِ، وَالدِّيَاسَةِ، وَالتَّذْرِيَةِ ㉚ فَإِنْ شَرَطَاهُ عَلَى الْعَامِلِ: فَسَدَتْ.

ترجمہ: اور کھیتی کا خرچہ دونوں پر ہے، ان کے حصوں کے بقدر۔ جیسے کٹائی، کھلیاں میں لانے، گاہنے اور ہوا میں اڑانے کی مزدوری۔ پس اگر اس کی شرط لگائی کاشتکار پر تو (مزارعت) فاسد ہو جائے گی۔

لغات:

الحصاد: بابِ نصر کا مصدر ہے، کھیتی کی کٹائی۔ الرِّفاع: فتح کے باب کا مصدر ہے، کٹی ہوئی کھیتی کو کھلیان[2] پر لے جانا۔

الدياسة: بابِ نصر (دَاسَ، يَدُوس) کا مصدر ہے، غلّہ کو گاہنا (بھوسہ سے دانوں کو الگ کرنا)۔ التذرية: بابِ تفعیل (ذَرَّى، يُذَرِّي) کا مصدر ہے، غلّہ کو ہوا میں اڑانا۔

تشریح: ㉘ ونفقة الزرع عليهما بقدر حقوقهما: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مزارعت کی مدت پوری ہوئی اور کھیتی ابھی

---

① کرایہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیداوار میں کاشتکار کا جو حصہ بنتا ہے اسی حساب سے کرایہ دے، مثلاً کاشتکار کیلئے نصف پیداوار کی شرط لگائی گئی ہے، اور زمین کا کرایہ ہزار روپے ہے، تو کاشتکار پانچ سو کرایہ ادا کرے۔

② کھلیان وہ جگہ ہے جہاں بھس میں سے اناج برسا کر ڈھیر لگاتے ہیں۔

تک پکی ہے، تو پکنے تک جو خرچے آئیں گے وہ زمیندار اور کاشتکار دونوں پر ہوں گے، ان کے حصوں کے بقدر، اور پکنے کے بعد غلہ کی کٹائی وغیرہ کے جو خرچے ہوں گے وہ بھی دونوں پر ہوں گے، کیونکہ مدّت ختم ہونے اور کھیتی پکنے کے بعد عقد ختم ہو گیا، لہٰذا کاشتکار پر کام کرنا لازم نہیں ہے، اور کھیتی کی پیداوار زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مشترک ہے، اور مشترک چیز کا خرچہ بھی مشترک ہوتا ہے۔

حقوق (حصوں) کے بقدر کا مطلب یہ ہے کہ پیداوار میں ہر ایک کا جتنا حصہ ہے اسی کے مطابق اس پر خرچہ آئے گا۔

㊾ **كأجر الحصاد، والرفاع، والدياسة، والتذرية:** کھیتی پکنے کے بعد جو خرچے آتے ہیں ان کی مثال دیتے ہیں، جیسے کٹائی کا خرچہ، اور کاٹنے کے بعد اس کو کھلیان پر لے جانے اور پھر گاہنے اور اس کے بعد ہوا میں اڑانے کے خرچے، یہ دونوں پر ہوں گے ان کے حقوق (حصوں) کے مطابق۔

㊿ **فإن شرطاه على العامل: فسدت:** «ہٗ» کا مرجع وہ عمل ہے جو پکنے کے بعد ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر عاقدین نے عقد میں شرط لگائی کہ پکنے کے بعد کے کام (جیسے کٹائی، گاہنا وغیرہ) کاشتکار پر ہیں، تو اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا، اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ بھی ہے، اور ایسی شرط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کاشتکار پر ایسی شرط لگانے سے عقد مزارعت فاسد نہیں ہوتا۔ بلخ کے مشائخ رحمہم اللہ نے عرف و رواج کی وجہ سے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ [ہدایہ۔ رد المحتار: ۹/۴۰۸]

والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆



﴿كِتَابُ الْمُسَاقَاتِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام المساقاة. یعنی یہ کتاب مساقاتِ کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے مساقات کو مزارعت کے بعد لایا، کیونکہ دونوں میں عامل عمل کرتا ہے، اور اس کے اور مالک کے درمیان پیداوار مشترک ہوتی ہے۔

مساقاۃ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، سَقْيٌ سے مشتق ہے، لغوی معنیٰ ہیں: کسی کے ساتھ مل کر پینا، پلانا۔

فقہ کی اصطلاح میں مساقات یہ ہے کہ کسی شخص کو درخت دیئے جائیں تا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کرنے، سینچائی کرے اور پھل دینے تک خدمت کرے، اور عوض میں اس کو پیداوار کا ایک حصہ دیا جائے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

مساقات اور مزارعت کے درمیان فرق یہ ہے کہ مساقات درخت پر ہوتی ہے، جبکہ مزارعت کھیتی پر ہوتی ہے۔

مساقات کے جواز وعدمِ جواز میں وہی اختلاف ہے جو مزارعت میں تھا، یہاں بھی احنافؒ کے نزدیک صاحبینؒ اور جمہور فقہاءؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ مصنفؒ نے مساقات سے متعلق آٹھ (۸) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

①هِيَ مُعَاقَدَةُ دَفْعِ الْأَشْجَارِ إِلٰى مَنْ يَعْمَلُ فِيْهَا، عَلٰى أَنَّ الثَّمَرَ بَيْنَهُمَا② وَهِيَ كَالْمُزَارَعَةِ③ وَتَصِحُّ فِي النَّخْلِ، وَالشَّجَرِ، وَالْكَرْمِ، وَالرِّطَابِ، وَأُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ④ فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً، وَالثَّمَرَةُ تَزِيْدُ بِالْعَمَلِ: صَحَّتْ⑤ وَإِنِ انْتَهَتْ: لَا، كَالْمُزَارَعَةِ.

ترجمہ: مساقات آپس میں درخت دینے کا عقد کرنا ہے، اُس شخص کو جو اُن میں کام کرے، اِس شرط پر کہ پھل اُن کے درمیان (مشترک) ہے۔ مُساقات مزارعت کی طرح ہے۔ اور (مساقات) صحیح ہے کھجور اور (وغیرہ) درختوں، انگور کی بیل، ترکاریوں اور بینگنوں کے پودوں میں۔ پس اگر درخت دیئے جن میں پھل ہے مساقات پر، اور پھل بڑھ جاتا ہے عمل سے، تو صحیح ہے۔ اور اگر (پھل) انتہاء کو پہنچ گیا ہے تو (صحیح) نہیں، جیسے مزارعت۔

لغات:

النخل: کھجور کے درخت۔ الکرم: انگور کی بیل۔ الرطاب: جمع ہے رَطْبَة کی، ہری گھاس، اسپست، شپیشتی۔

أصول: جمع ہے أصل کی، جڑ، پودا۔ الباذنجان: بینگن۔

تشریح: ① هي معاقدة دفع الأشجار إلى من....الخ: یہ مساقات کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ

مساقات یہ ہے کہ ایک شخص اپنے درخت دوسرے کے حوالہ کردے تاکہ وہ اس کی نگرانی اور سینچائی کرنے، اور جو پھل حاصل ہوگا وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ **معاقدة** جنس ہے، تمام عقود کو شامل ہے۔ **دفع الأشجار** میں احتراز ہوا مزارعت سے، کیونکہ اس میں درخت دینے پر عقد نہیں ہوتا، بلکہ کھیتی دینے پر عقد ہوتا ہے۔ **علی أن الثمر بینهما** میں دیگر تمام عقود سے احتراز ہوا، کیونکہ ان میں یہ شرط نہیں ہے کہ پیداوار متعاقدین کے درمیان مشترک ہوگی۔

❷ **وهي كالمزارعة:** مساقات تمام شروط میں مزارعت کی طرح ہے، لہٰذا جو شرطیں مزارعت کی تھیں وہ مساقات کیلئے بھی ضروری ہوں گی۔ البتہ تین چیزوں میں مساقات اور مزارعت کے درمیان فرق ہے: ﴿۱﴾ پہلی چیز یہ ہے کہ مزارعت میں مدت بیان کرنا ضروری ہے، جبکہ مساقات میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ﴿۲﴾ دوسری چیز یہ ہے کہ مساقات میں متعاقدین میں سے جو بھی عقد سے انکار کرے اس کو عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جبکہ مزارعت میں بیج والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿۳﴾ تیسری چیز یہ ہے کہ مزارعت میں اگر کھیتی پکنے سے پہلے مدت پوری ہوجائے تو پکنے تک زمیندار کو زمین کا کرایہ ملے گا، جبکہ مساقات میں ایسا نہیں ہوگا۔

❸ **وتصح في النخل، والشجر، والكرم ....إلخ:** عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مساقات ہر قسم کے درختوں میں صحیح ہے، اور درخت وہ ہے جس کا تنا ہوتا ہے، جیسے کھجور اور عام قسم کے درخت، انگور کی بیل، اسپست، اور بینگنوں کے پودے وغیرہ۔ یہاں **رِطاب** (اسپست) اور **أصول الباذنجان** (بینگنوں کے پودوں) کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ ان پر بھی درخت کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ ان کے بھی تنے ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات صرف کھجور اور انگور میں جائز ہے، ان کے علاوہ کسی درخت میں صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ مساقات کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے یہود کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا، اور اہل خیبر کھجور اور انگور کا کام کرتے تھے، لہٰذا مساقات انہی کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ پھل اور کھیتی کی پیداوار پر معاملہ فرمایا۔ [بخاری] اور پھل عام ہے، ہر درخت کے پھل کو شامل ہے، لہٰذا ہر درخت میں مساقات صحیح ہوگی، کھجور اور انگور کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

❹ **فإن دفع نخلا فيه ثمرة مساقاة، والثمرة تزيد ....إلخ:** عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مساقات وہاں صحیح ہوگی جہاں عامل کے عمل کا فائدہ ونتیجہ ہو، اور جہاں عامل کا عمل بے فائدہ و بے نتیجہ ہو، یا وہ عمل ہی نہ کرے، تو مساقات صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ عامل عمل کی وجہ سے پیداوار کا مستحق بنتا ہے، تو جہاں اس کا عمل ہوگا وہاں معاملہ صحیح ہوگا، اور جہاں عمل نہ ہوگا وہاں صحیح نہیں ہوگا، لہٰذا اگر کسی شخص نے عامل کو ایسے درخت حوالہ کیے جن میں پھل لگا ہوا ہے، اور پھل ایسا ہے کہ عامل کے عمل سے بڑھ جاتے ہیں، تو یہ معاملہ صحیح ہوگا، کیونکہ عامل نے فائدہ مند عمل کیا۔

❺ **وإن انتهت: لا: كالمزارعة:** اور اگر عقدِ مساقات سے پہلے ہی درختوں پر ایسا پھل لگا ہوا ہے جو اپنی انتہاء

کو پہنچ چکا ہے، جس میں عامل کے عمل سے کوئی زیادتی و بہتری نہیں آتی، ایسے پھل پر اگر مساقات کی جائے تو صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں عامل کے عمل کی ضرورت ہی نہیں، جیسے کھیتی پکنے کے بعد اس پر عقدِ مزارعت کیا جائے، تو صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں کاشتکار عمل نہیں کرتا، اور اگر کرتا ہے تو بے فائدہ ہوگا۔

⑥ وَإِذَا فَسَدَتْ: فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ ⑦ وَتَبْطُلُ بِالْمَوْتِ ⑧ وَتُفْسَخُ بِالْعُذْرِ، كَالْمُزَارَعَةِ، بِأَنْ يَكُونَ الْعَامِلُ سَارِقًا، أَوْ مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْعَمَلِ.

ترجمہ: اور جب (مساقات) فاسد ہو جائے تو عامل کیلئے اس کا اجرِ مثل ہے۔ اور فاسد ہو جائے گی موت کی وجہ سے۔ اور فسخ ہو جائے گی عذر کی وجہ سے، جیسے مزارعت، کہ عامل چور ہو، یا بیمار ہو کہ عمل پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

تشریح:

⑥ **وإذا فسدت: فللعامل أجر مثله:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقدِ مساقات کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو عامل کو اجرِ مثل ملے گا، کیونکہ مساقات بھی مزارعت کی طرح ہے کہ فاسد ہونے سے اِجارہ فاسدہ کے حکم میں ہو جائے گی، لہٰذا جس طرح مزارعتِ فاسدہ اور اِجارہ فاسدہ میں عامل کیلئے اجرِ مثل ہے، اسی طرح مساقاتِ فاسدہ میں بھی عامل کو اجرِ مثل ملے گا۔

⑦ **وتبطل بالموت:** اگر مساقات کا معاملہ کرنے کے بعد متعاقدین میں سے ایک مر گیا تو عقد باطل اور لغو ہو گیا، کیونکہ پہلے بتایا گیا کہ مساقات مزارعت کی طرح ہے، اور کتاب المزارعة مسئلہ نمبر (۲٦) میں بتا دیا کہ مزارعت موت کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے، لہٰذا مساقات بھی باطل ہو جائے گی۔①

⑧ **وتفسخ بالعذر، كالمزارعة، بأن يكون العامل ....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ مزارعت کی طرح مساقات بھی عذر کی وجہ سے فسخ ہو سکتی ہے، مثلاً عامل چور ہے پھل چوری کرتا ہے، یا ایسا بیمار ہے کہ کام کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں باغ کا مالک عقد کو فسخ کر سکتا ہے، کیونکہ ایسے عقد میں مالک کا ضرر ہے، اور اس کو دفع کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ عقد کو فسخ کر دیا جائے۔

والله أعلم بالصواب

☆☆☆

---

① البتہ فقہاءؒ نے فرمایا ہے کہ اگر باغ کا مالک مر گیا اور پھل ابھی تک پکا نہیں ہے، تو عقد باطل نہیں ہوتا، اس لئے کہ عامل نے بہت محنت اٹھائی ہے، اگر عقد کو باطل کر دیا جائے تو اس کا بڑا نقصان ہوگا۔

﴿كِتَابُ الذَّبَائِحِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الذبائح. یعنی یہ کتاب ذبح کیے ہوئے جانوروں کے احکام کے بیان میں ہے۔①

ذبائح جمع ہے ذبيحة کی، بمعنی مذبوحة، ذبح کیے ہوئے جانور کو کہتے ہیں۔ یہ مشتق ہے ذبح سے، ذبح کے لغوی معنی ہیں: پھاڑنا، چیرنا۔ فقہ کی اصطلاح میں گردن کی رگوں کو کاٹنا ذبح کہلاتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کہ جانور کے گوشت کو حلال اور پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ذبح کیا جائے، آیت کریمہ میں حرام اشیاء ذکر کرنے کے بعد فرمایا: إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ. [مائدہ:۳] "یعنی سوائے اس جانور کے جس کو تم ذبح کرو"۔

حدیث میں ہے کہ جس چیز سے جانور کا خون بہایا جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس کا گوشت کھاؤ۔ [بخاری]

اور اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ جانور کے گوشت کو حلال اور پاک کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کو ذبح کیا جائے۔

اور یہ قیاس (عقلی دلیل) کا تقاضا بھی ہے کہ گوشت کو پاک کرنے کیلئے مردار خون کو جانور کے بدن سے نکال دیا جائے۔②

مصنفؒ نے اس کتاب میں چونتیس (۳۴) مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

❶ هِيَ جَمْعُ ذَبِيحَةٍ، وَهِيَ اِسْمٌ لِمَا يُذْبَحُ ❷ وَالذَّبْحُ قَطْعُ الْأَوْدَاجِ ❸ وَحَلَّ ذَبِيحَةُ مُسْلِمٍ، وَكِتَابِيٍّ، وَصَبِيٍّ، وَامْرَأَةٍ، وَأَخْرَسَ، وَأَقْلَفَ ❹ لَا مَجُوسِيٍّ، وَ وَثَنِيٍّ، وَمُرْتَدٍّ، وَمُحْرِمٍ ❺ وَتَارِكِ تَسْمِيَةٍ عَمْدًا ❻ وَحَلَّ لَوْ نَاسِيًا ❼ وَكُرِهَ أَنْ يَذْكُرَ مَعَ اسْمِ اللهِ غَيْرَهُ ❽ وَأَنْ يَقُوْلَ عِنْدَ الذَّبْحِ: اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ ❾ وَإِنْ قَالَ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ، وَالْإِضْجَاعِ: جَازَ.

ترجمہ: وہ جمع ہے ذبيحة کی، اور وہ نام ہے اس جانور کا جس کو ذبح کیا جائے۔ اور ذبح کاٹ دینا ہے رگوں کو۔ اور

---

① شراح حضرات نے كتاب الذبائح کی ماقبل (كتاب المزارعة) کے ساتھ مناسبت بیان کی ہے، اور اس میں بتکلف جوڑنے کی کوشش کی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ذبائح سے پہلے مزارعت نہیں، مساقات ہے۔ شاید ان کو ذبائح اور مساقات کے درمیان کوئی وجہ مناسبت معلوم نہ ہوئی اس لئے مزارعت کے ساتھ مناسبت بیان کی۔

احقر کی رائے میں اس قسم کی بتکلف مناسبات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کتاب کے مقاصد پر توجہ دینی چاہئے، نہ کہ مناسبات بیان کرنے پر۔

② اسلام سے پہلے جانور کا گوشت کھانے کا کوئی اصولی طریقہ نہیں تھا، کسی بھی طریقہ سے جانور کو قتل کر کے یا زندہ جانور کو کاٹ کر گوشت کھا لیتے تھے، اور جانوروں میں بھی کوئی تمیز نہیں کرتے تھے، کتے اور بکری میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے گندے جانوروں کا گوشت حرام قرار دیا، اور پاکیزہ جانوروں کو حلال قرار دیا۔ اور پھر پاکیزہ جانوروں سے گوشت حاصل کرنے کیلئے ذبح کا ایسا طریقہ بتلادیا جس سے مردار خون بھی اچھی طرح نکل جائے اور جانور کو تکلیف بھی کم سے کم ہو۔ الحمد للہ

حلال ہے مسلمان، کتابی، بچے، عورت، گونگے اور غیر مختون کا ذبیحہ۔ نہ کہ مجوسی، بت پرست، مرتد اور محرم کا۔ اور قصداً بسم اللہ چھوڑنے والے کا۔ اور حلال ہے اگر بھول کر (چھوڑی) ہو۔ اور مکروہ ہے کہ ذکر کرے اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کو۔ اور یہ کہ ذبح کے وقت کہے: اے اللہ! قبول فرما فلاں کی طرف سے۔ اور اگر کہا بسم اللہ اور لٹانے سے پہلے تو جائز ہے۔

تشریح:

① هي جمع ذبيحة، وهي اسم لما يذبح: ذبائح جمع ہے ذبيحة کی، ذبيحةٌ فعيلةٌ کا وزن ہے، بمعنی مذبوحة، جیسے قتيلة بمعنی مقتولة۔ ذبیحہ ہر اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کو ذبح کیا جائے۔ ذبح کرنے سے پہلے بھی اس جانور پر ذبیحہ کا اطلاق ہوتا ہے، باعتبار ما يؤول إليه، کہ عنقریب ذبح ہونے والا ہے۔

② والذبح قطع الأوداج: أوداج جمع ہے وَدَج کی، گردن کی موٹی رگ (شہرگ) کو کہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ذبح کرنا یہ ہے کہ گردن کی رگوں کو کاٹ دیا جائے۔ یہاں رگوں سے مراد چار چیزیں ہیں: حُلقوم (سانس کی نالی)، مريء (کھانے پینے گزرنے کی نالی)، اور دو بڑی رگیں جو گردن کی دائیں بائیں طرف ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: أفرِ الأوداجَ. ''رگوں کو کاٹ دو''۔ [أبوداود] أوداج جمع کا صیغہ ہے، اس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، لہٰذا ذبح میں مذکورہ چار چیزوں میں سے تین کو کاٹنا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح میں حلقوم اور مری کو کاٹنا بھی کافی ہے، کیونکہ اس سے بھی روح نکل جاتی ہے۔ مگر مذکورہ حدیث ان کے خلاف ہماری حجت ہے۔

③ وحلّ ذبيحة مسلم، وكتابي، وصبيّ، وامرأة ....إلخ: مسلمان کا ذبیحہ (ذبح کیا ہوا جانور) حلال ہے، بشرطیکہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، آیت کریمہ: إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ. [مائدہ:۳] میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔

کتابی (عیسائی اور یہودی)① کا ذبیحہ بھی حلال ہے②، چنانچہ ارشاد باری ہے: وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ. [مائدہ: ۵] ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے''۔ یہاں طعام سے مراد ذبائح (ذبح کئے ہوئے جانور) ہے۔

---

① ① کتابی یا اہل کتاب سے مراد وہ یہود اور نصاریٰ ہیں جو اپنی آسمانی کتاب کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی اللہ پر، رسول پر، کتابوں پر اور جنت ودوزخ پر۔ اور جو اہل کتاب ان بنیادی عقائد پر ایمان نہیں رکھتے وہ صرف نام سے اہل کتاب ہیں، حقیقت میں مادہ پرست ملحد ہیں، لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ ② آج کل تقریباً تمام عیسائی آسمانی کتاب کے عقائد نہیں رکھتے، اور مطلق بے دین (ملحد) ہوگئے ہیں، لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ البتہ یہودی اپنے عقائد کی سختی سے پابندی کرتے ہیں، لہٰذا ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے۔ ③ جس شہر کی ساری آبادی یا اکثر آبادی مسلمانوں کی ہو یا اہل کتاب کی ہو، وہاں فروخت ہونے والا گوشت حلال ہے، اگر چہ ذبح کرنے والا معلوم نہ ہو، اور تحقیق کر کے ذبح کرنے والے کو معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ④ جس شہر کی کل آبادی یا اکثر آبادی اہل کتاب کے علاوہ ملحد کفار کی ہو وہاں فروخت ہونے والا گوشت حلال نہیں ہے، اور تحقیق واجب ہے کہ ذابح کون ہے، اور جانور کو کس طرح ذبح کیا گیا ہے؟ ⑤ جس شہر کی آبادی مسلمانوں، اہل کتاب اور ملحد (بے دین) کفار کے درمیان مخلوط ہو، اس کا حکم بھی مندرجہ بالا (نمبر ۴) کی طرح ہوگا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: فقہی مقالات: ۴/ ۱۵۵ تا ۳۱۶

② اگر کتابی بسم اللہ پڑھ کر، یا بھول کر ذبح کرے تو بالاتفاق اس کا ذبیحہ حلال ہے، اور اگر قصداً بسم اللہ چھوڑ کر ذبح کرے تو بھی جمہور علماء کے نزدیک اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ [أحسن الفتاوی: ۷/ ۴۱۶] بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مختار اور صحیح یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ [معارف القرآن: ۳/ ۵۷]

اور اسی طرح سمجھدار بچے، عورت، گونگے اور غیر مختون شخص کا ذبیحہ بھی حلال ہے، کیونکہ ذبیحہ کے حلال ہونے کا دار و مدار مسلمان یا کتابی ہونے پر ہے، لہٰذا سمجھدار بچہ، عورت، گونگا اور غیر مختون اگر مسلمان یا کتابی ہوں تو ان کا ذبیحہ پاک اور حلال ہوگا۔

گونگا اگر چہ زبان سے بسم اللہ نہیں پڑھ سکتا، مگر دل میں پڑھ سکتا ہے۔ اور غیر مختون شخص نے اگر چہ ایک سنت مؤکدہ عمل (ختنہ) کو چھوڑ دیا ہے، مگر اس کی وجہ سے وہ دین اور مذہب سے نہیں نکلتا۔

④ لا مجوسي، ووثني، ومرتد، ومُحرِم: أي: لا تحلّ ذبيحة مجوسي... آتش پرست، بت پرست، مرتد اور محرم (احرام باندھنے والے) کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ آتش پرست اور بت پرست کا ذبیحہ اس لئے حلال نہیں کہ ان کا کوئی آسمانی دین و مذہب نہیں ہے، لہٰذا وہ بے دین ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو، مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ [ہدایہ] اور مرتد خواہ کسی بھی دین کی طرف منتقل ہو جائے اس پر نہیں چھوڑا جائے گا، تین دن کے اندر یا تو اسلام لائے یا قتل کیا جائے گا، لہٰذا مرتد کا بھی کوئی دین و مذہب نہیں ہے، وہ آتش پرست کے حکم میں ہے۔

اور محرم کے ذبیحہ سے مراد یہ ہے حالت احرام میں شکار کو پکڑ کر ذبح کرے، یہ جانور مردار ہے، کیونکہ محرم شخص کا شکار ذبح کرنا غیر مشروع (شریعت کے خلاف) کام ہے، اور غیر مشروع طریقہ پر جانور قتل کرنے سے وہ مردار ہو جاتا ہے، جس کو کھانا جائز نہیں ہے۔

⑤ وتارك تسمية عمدا: أي: لاتحلّ ذبيحة تارك... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے والے نے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ چھوڑ دی تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ یہ احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قصداً بسم اللہ چھوڑنے والے کا ذبیحہ حلال ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے، خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ [ہدایہ] ہماری دلیل یہ آیت ہے: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. [أنعام:۱۲۱] ''اور اس جانور میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''۔ یہاں جو نہی آئی ہے وہ حرمت کیلئے ہے، یعنی ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے، اور اس پر اجماع ہے۔ [ہدایہ] اور امام شافعیؒ کی روایت بھول جانے کی حالت پر محمول ہے۔

فائدہ:

آج کل دنیا میں بڑے بڑے مذبح خانے ہیں، جہاں مشین کے ذریعے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان یا کتابی نے مشین کا بٹن دبا کر بسم اللہ پڑھ لی تو مشین نے سٹارٹ ہو کر ایک مرتبہ میں یک بارگی جتنے جانور ذبح کئے وہ حلال ہیں، اور اگر مشین مسلسل چلتی رہے تو دوسری تیسری مرتبہ میں جو جانور ذبح ہوں گے وہ حلال نہیں ہوں گے، کیونکہ ان پر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی، مشین سٹارٹ ہونے کے وقت جو بسم اللہ پڑھی گئی وہ پہلی مرتبہ ذبح کرنے کیلئے ہے، بعد والی مرتبوں کیلئے نہیں ہے۔

تفصیل کیلئے دیکھیں: فقہی مقالات: ۴/۲۵۳

⑥ وحلّ لو ناسيا: أي: حلّ الذبيحة لو ترك التسمية ناسيا. اگر ذبح کرنے والے نے بھول کر بسم

اللہ چھوڑی تو جانور حلال ہوگا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت سے خطاء اور بھول کو اٹھالیا گیا ہے۔[ابن ماجہ] اگر بھول کر بسم اللہ چھوڑنے کی وجہ سے بھی حرمت کا حکم لگایا جائے تو اس میں بڑا حرج ہے، اور شریعت نے حرج کو دور کر دیا ہے۔

⑦ وكره أن يذكر مع اسم الله غيره: ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کو ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس میں تین صورتیں بنتی ہیں: ① ...... پہلی صورت یہ ہے کہ غیر کا نام اللہ کے نام سے متصل ذکر کرے، مگر عطف نہ کرے، مثلاً یوں کہے: "بسم الله پیر قلندر" یہ صورت مکروہ تحریمی ہے، اور ذبیحہ حلال ہے، کیونکہ غیر کو عطف کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا، مگر صورتاً اور ظاہراً شرکت معلوم ہورہی ہے اس لئے مکروہ تحریمی ہے، متن کی عبارت میں اسی صورت کا ذکر ہے۔

② ...... دوسری صورت یہ ہے کہ عطف کر کے اللہ کے ساتھ غیر کا نام متصل ذکر کرے، مثلاً یوں کہے: "بسم الله وپیر قلندر" اس صورت میں بلا شک وشبہ ذبیحہ مردار ہے، کیونکہ حقیقتاً اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کیا، اور ذبیحہ خالص اللہ کے نام پر نہ ہوا، غیر اللہ کے نام پر ہوا، اس لئے حرام ہے۔ ③ ...... تیسری صورت یہ ہے کہ غیر کا نام اللہ کے نام سے الگ ذکر کرے، مثلاً بسم اللہ پڑھنے اور جانور کو لٹانے سے پہلے کہے کہ: "یا اللہ! اس قربانی کو فلاں کی طرف سے قبول فرما" یا جانور کو ذبح کرنے کے بعد ایسا کہے، یہ صورت جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ذبح کرنے کے بعد فرمایا: یا اللہ! اس قربانی کو محمد کی امت کی طرف سے قبول فرما۔[مسلم] مسئلہ نمبر (۹) میں اسی صورت کا بیان ہے۔

⑧ وأن يقول عند الذبح: اللّهم تقبّل من فلان: اور یہ بھی مکروہ تحریمی ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھ کر فوراً کہے: یا اللہ! فلاں کی طرف سے قبول فرما، کیونکہ اس میں بھی بظاہر شرکت معلوم ہورہی ہے، لیکن چونکہ حقیقت میں شرکت نہیں ہے اس لئے ذبیحہ حلال ہے۔

⑨ وإن قال قبل التسمية، والإضجاع: جاز: مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور کو لٹانے اور بسم اللہ پڑھنے سے پہلے یہ کہا کہ: یا اللہ! فلاں کی طرف سے قبول فرما، یا ذبح کرنے کے بعد کہا، تو جائز ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

⑩ وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ ⑪ وَالْمَذْبَحُ الْمَرِيءُ، وَالْحُلْقُومُ، وَالْوَدْجَانِ ⑫ وَقَطْعُ الثَّلَاثِ كَافٍ ⑬ وَلَوْ بِظُفُرٍ، وَقَرْنٍ. وَعَظْمٍ، وَسِنٍّ مَنْزُوعٍ، وَلِيطَةٍ، وَمَرْوَةٍ، وَمَا أَنْهَرَ الدَّمَ ⑭ إِلَّا سِنًّا وَظُفُرًا قَائِمَيْنِ ⑮ وَنُدِبَ حَدُّ الشَّفْرَةِ.

ترجمہ: اور ذبح حلق اور سینے کے درمیان ہے۔ اور کاٹنے کی جگہ کھانے پینے کی نالی، سانس کی نالی اور دو شہر گیں ہے۔ اور تین کو کاٹ دینا کافی ہے۔ اگر چہ ناخن، سینگ، ہڈی اور دانت کے ذریعے ہو جو اکھڑے ہوئے ہوں، اور چھلکے، تیز پتھر اور یا ایسی چیز سے جو خون بہادے۔ سوائے ایسے دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں۔ اور مستحب ہے چھری تیز کرنا۔

لغات:

اَللَّبَّة: سینہ، گلا، ہار پہننے کی جگہ۔ مَرِيء: کھانے پینے گزرنے کی نالی۔ الحلقوم: سانس کی نالی۔ الودجان: وَدَجٌ کا تثنیہ ہے، بڑی رگیں جو گردن کی دائیں بائیں طرف کو ہوتی ہیں، شہ رگیں۔ ظفر: ناخن۔ قرن: سینگ۔ عظم: ہڈی۔ سنّ: دانت۔ منزوع: باب فتح کا اسم مفعول ہے، اکھڑا ہوا۔ لیطة: درخت یا بانس وغیرہ کا چھلکا۔ مروة: چھری کی طرح تیز دھاری دار سفید پتھر۔ أنهر: باب إفعال سے ماضی ہے، بہا دینا۔ حدّ: باب نصر کا مصدر ہے، چھری وغیرہ کو تیز کرنا۔ الشفرة: چھری، دھار، بلیڈ۔

تشریح:

⑩ والذبح بين الحلق واللَّبّة: یہاں ذبح کی جگہ کا تعین کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ذبح حلق اور سینے (ہنلی) کے درمیان ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الذكاة ما بين اللّبّة واللّحيين. [ابوداؤد] ذبح سینے اور جبڑوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ جگہ بدن کی تمام اہم رگوں کا مجمع (سنگم) ہے، لہٰذا یہاں ذبح کرنے سے اچھی طرح خون نکل جاتا ہے۔

⑪ والمذبح المريء، والحلقوم، والودجان: ذبح میں جن چیزوں کو کاٹا جاتا ہے ان کا تعین کرکے فرماتے ہیں کہ کٹنے کی جگہ چار چیزیں ہیں: مريء (کھانے پینے کی نالی) حلقوم (سانس کی نالی) اور دو شہ رگیں۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوئی۔

⑫ وقطع الثلاث كافٍ: ذبح میں اگر چار میں سے تین رگوں کو کاٹا جائے تو کافی ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلقوم، مری اور ایک شہ رگ کو کاٹنا ضروری ہے، کیونکہ حلقوم اور مری میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ہر ایک مقصود ہے، لہٰذا دونوں کو کاٹنا ضروری ہے، اور شہ رگیں ایک دوسرے کی مثل ہے، لہٰذا ایک کو کاٹنا بھی کافی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کاٹنا ضروری ہے، کیونکہ ہر ایک بذات خود مقصود ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر کل کا قائم مقام ہوتا ہے، لہٰذا چار میں سے تین کو کاٹنا ایسا ہے جیسے چاروں کو کاٹا جائے۔

قول راجح:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے۔ والصحيح قول أبي حنيفةؒ۔ [ہندیہ: ۵/۲۸۷۔ امداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۷]

⑬ ولو بظفر، وقرن، وعظم، وسنّ منزوع ....إلخ: أي: يجوز الذبح ولو كان بظفر... مسئلہ یہ ہے کہ ہر تیز دھاری دار چیز سے ذبح کرنا صحیح ہے، مثلاً اکھڑے ہوئے ناخن، اکھڑے ہوئے سینگ، ہڈی اور اکھڑے ہوئے دانت، اور بانس وغیرہ کے چھلکے، اور تیز دھاری دار پتھر وغیرہ، اور ہر ایسی چیز سے جو خون بہا دے۔ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أنهر الدم بما شئت. [ابوداؤد] ''جس چیز سے چاہو خون بہا دو''۔ نیز ذبح کا مقصد خون بہانا ہے، لہٰذا ہر وہ دھاری دار چیز جس سے یہ مقصد پورا ہو جائے اس سے ذبح کرنا صحیح ہے۔ عبارت میں منزوع کی صفت ظفر، قرن، عظم اور سنّ سب کے ساتھ ملحوظ ہے۔

⑭ إلّا سنًّا، وظفرا قائمين: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ دانت اور ناخن جو اکھڑے ہوئے نہ

ہوں بلکہ اپنی جگہ لگے ہوئے ہوں، ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ذبح نہیں ہے، بلکہ جانور کو پھاڑنا ہے، اور یہ درندوں اور غیر مہذب انسانوں کا طریقہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر وہ جانور جس کا خون بہایا جائے اور رگیں کاٹ دی جائیں اس کو کھاؤ، سوائے ناخن اور دانت کے، کیونکہ یہ حبشیوں کی چھری ہیں۔ [ابوداؤد]

⑮ وندب حد الشفرة: مستحب یہ ہے کہ ذبح سے پہلے چھری کو خوب تیز کیا جائے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو فرض کر دیا ہے، پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، اور تم میں سے کوئی شخص اپنی چھری تیز کرے، اور اپنے جانور کو آرام دے۔ [مسلم] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی بکری لٹائے ہوئے چھری تیز کر رہا ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اس بکری کو دو مرتبہ موت دے رہے ہو، تم نے لٹانے سے پہلے کیوں چھری تیز نہیں کی؟ [ہدایہ]

⑯ وَكُرِهَ النَّخعُ، وَقَطعُ الرَّأسِ، وَالذَّبحُ مِنَ القَفَا ⑰ وَذُبِحَ صَيدٌ استَأنَسَ ⑱ وَيُجرَحُ نَعَمٌ تَوَحَّشَ، أَو تَرَدَّى فِي بِئرٍ ⑲ وَسُنَّ نَحرُ الإِبِلِ، وَذَبحُ البَقَرِ، وَالغَنَمِ ⑳ وَكُرِهَ عَكسُهُ، وَحَلَّ ㉑ وَلَم يَتَذَكَّ جَنِينٌ بِذَكَاةِ أُمِّهِ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے حرام مغز تک چھری لے جانا، اور سر کاٹنا، اور ذبح کرنا گدی کی طرف سے۔ اور ذبح کیا جائے گا اس شکار کو جو مانوس ہو گیا ہے۔ اور زخمی کر دیا جائے گا چوپائے کو جو وحشی ہو جائے، یا کنویں میں گرے۔ اور سنت ہے اونٹ کو نحر کرنا، اور گائے اور بکری کو ذبح کرنا۔ اور مکروہ ہے اس کے برعکس، اور حلال ہوگا۔ اور ذبح نہیں ہوگا پیٹ کا بچہ اس کی ماں کے ذبح ہونے سے۔

لغات:

النخع: باب فتح کا مصدر ہے، جانور کو ذبح کرتے وقت حرام مغز تک چھری لے جانا۔ القفا: گدی، گردن کا پچھلا حصہ۔ استانس: استفعال کے باب سے ماضی ہے، مانوس ہونا۔ نعم: چوپائے۔ توحش: وحشی ہونا۔ تردی: باب تفعل سے ماضی ہے، کھائی یا کنویں وغیرہ میں گرنا۔ نحر: سینہ کا بالائی حصہ (گردن کا نچلا حصہ)۔ لم يتذك: اصل میں يَتَذَكَّي تھا، لم جازمہ کی وجہ سے ي حذف ہو گئی، ذبح ہو جانا۔ جنين: پیٹ کا بچہ۔ ذكاة: اسم مصدر ہے، بمعنی ذبح۔

تشریح:

⑯ وكره النخع، وقطع الرأس، والذبح من القفاء: مسئلہ یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرتے ہوئے چھری کو حرام مغز تک لے جانا، یا ذبح کرتے ہوئے اس کا سر کاٹنا، اور یا گدی کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ بے رحمانہ طریقے ہیں، جس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چھری کو حرام مغز تک لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ [ہدایہ] اگر گدی کی

طرف سے ذبح کرتے ہوئے رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی جانور مر گیا تو مردار ہوگا، کیونکہ ذبح سے پہلے مر گیا ہے۔

⑰ **وذبح صيد استأنس:** یہاں سے ذبح کی دو قسمیں بیان فرما رہے ہیں: ذبح اختیاری۔ ذبح اضطراری۔

⊙ ذبح اختیاری اس وقت ہوگا کہ جانور انسان کے کنٹرول میں ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کے درمیان رگوں کو کاٹا جائے، اس کے بغیر کسی اور طریقے سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

⊙ اور ذبح اضطراری اس وقت ہوگا کہ جانور انسان کے کنٹرول سے نکل جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بدن کے کسی بھی حصے میں زخمی کر دیا جائے، تاکہ اس کا خون بہہ جائے۔ عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شکار اور وحشی جانور مانوس اور خوگر ہو جائے تو اس کو اصول کے مطابق ذبح اختیاری کے ساتھ ذبح کیا جائے گا، کیونکہ اس پر قدرت حاصل ہے۔

⑱ **ويجرح نعم توحّش، أو تردّى في بئر:** اگر مویشیوں میں سے کوئی فالتو جانور بدک کر وحشی ہو جائے، یا کنویں میں گرے اور زندہ نکالنا ممکن نہ ہو، تو اس کو ذبح اضطراری کے ساتھ بدن کے کسی بھی حصے میں زخمی کر دیا جائے، جب مر جائے تو پاک اور حلال ہے، جیسے شکاری جانور، کیونکہ اس پر قدرت اور کنٹرول نہیں ہے۔

⑲ **وسنّ نحر الإبل، وذبح البقر والغنم:** جانور کی گردن کاٹنے کے دو طریقے ہیں: نحر اور ذبح۔ نحر یہ ہے کہ گردن کے نچلے حصہ (یعنی سینہ کے اوپر ہنسلی) میں رگوں کو کاٹ دیا جائے، اور ذبح یہ ہے کہ گردن کے بالائی حصہ میں (یعنی جبڑوں کے نیچے) رگوں کو کاٹ دیا جائے۔ عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اونٹ میں مستحب یہ ہے کہ اس کو نحر کیا جائے، اور بکری اور گائے میں مستحب یہ ہے کہ اس کو ذبح کیا جائے، یہ سنت ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دنبوں کو ذبح فرمایا، اور اونٹ کا نحر فرمایا۔ [بخاری]
نیز اونٹ میں تمام رگیں گردن کے نچلے حصے میں جمع ہوتی ہیں، اور بکری اور گائے میں گردن کے بالائی حصے میں رگیں جمع ہوتی ہیں، لہٰذا اونٹ کی موت نحر کرنے سے جلدی ہو جاتی ہے، اور گائے اور بکری کی موت ذبح کرنے سے جلدی ہو جاتی ہے۔

⑳ **وكره عكسه، وحلّ:** مذکورہ مسئلے کے برعکس کرنا مکروہ ہے، کہ اونٹ کو ذبح کیا جائے، اور گائے اور بکری کو نحر کیا جائے، کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، اور جانور کیلئے تکلیف دہ ہے، مگر پھر بھی ایسا کرنے کی صورت میں جانور کا گوشت حلال ہوگا، کیونکہ بذات خود نحر کرنے یا ذبح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، کراہت سنت کی مخالفت کی وجہ سے آئی، اس کو مکروہ لغیرہٖ کہا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ذبح مکروہ ہو جاتا ہے، مگر ذبیحہ کی حلت پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔

㉑ **ولم يتذكّ جنين بذكاة أمّه:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اونٹنی یا بکری کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ برآمد ہوا، تو ماں کے ذبح ہونے سے بچے کا ذبح نہیں ہوگا، لہٰذا وہ مردار ہے۔ یہ امام صاحبؒ کا مسلک ہے۔

صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ماں کے ذبح سے بچہ بھی ذبح ہو گیا، لہٰذا وہ حلال ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ. [ابوداؤد] ”جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے“۔ یعنی ماں کو ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے گا۔

اور اس لئے بھی کہ بچہ ماں کے بدن کا جزء ہے، اس کے ساتھ متصل ہے، لہٰذا ذبح میں بھی وہ ماں کا تابع ہوگا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب تشبیہ دینا ہے، یعنی ماں کی طرح بچے کو بھی ذبح کیا جائے، تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بچے کو الگ سے ذبح کرنا ضروری ہے تاکہ ذبح کا مقصد (بدن سے خون نکلنا) پورا ہو جائے، اور ماں کو ذبح کرنے سے بچے کے بدن سے خون نہیں نکلتا۔ اور بچہ زندگی اور موت میں ماں کا تابع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی موت کے بعد بھی بچہ زندہ رہ سکتا ہے۔

قول راجح:

یہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے۔[أحسن الفتاوی: ۷/۴۰۹]

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِيْمَا يَحِلُّ أَكْلُهُ وَمَا لَا يَحِلُّ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام ما يحلّ أكله، وما لا يحلّ أكله. یعنی یہ فصل ان جانوروں کے احکام کے بیان میں ہے جن کا کھانا حلال ہے، اور جن کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اس سے پہلے ذبح کے احکام اور طریقے بیان فرمائے، اور چونکہ ذبح کا اصل مقصد یہ ہے کہ جانور کا گوشت کھایا جائے، اس لئے اس فصل میں یہ بیان فرمائیں گے کہ کن جانوروں کا گوشت کھایا جاسکتا ہے اور کن کا نہیں کھایا جاسکتا۔ اس فصل میں تیرہ (۱۳) مسائل ہیں۔

﴿۲۲﴾ لَا يُؤْكَلُ ذُوْنَابٍ، وَمِخْلَبٍ مِنَ السَّبُعِ، وَالطَّيْرِ ﴿۲۳﴾ وَحَلَّ غُرَابُ الزَّرْعِ ﴿۲۴﴾ لَا الْأَبْقَعِ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ ﴿۲۵﴾ وَالضَّبُعِ، وَالضَّبِّ، وَالزُّنْبُوْرِ، وَالسُّلَحْفَاةِ، وَالْحَشَرَاتِ ﴿۲۶﴾ وَالْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَالْبَغْلِ، وَالْخَيْلِ ﴿۲۷﴾ وَحَلَّ الْأَرْنَبُ ﴿۲۸﴾ وَ ذَبْحُ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ يُطَهِّرُ لَحْمَهُ، وَجِلْدَهُ ﴿۲۹﴾ إِلَّا الْآدَمِيَّ، وَالْخِنْزِيْرَ.

ترجمہ: اور نہ کھایا جائے کچلی والے اور پنجہ والے درندوں اور پرندوں میں سے۔ اور حلال ہے کھیتی کا کوا۔ نہ کہ چتکبرا، جو مردار کھاتا ہے۔ اور بجو، گوہ، بھڑ، کچھوا اور زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑے۔ اور گھریلو گدھے، خچر اور گھوڑے، اور حلال ہے خرگوش۔ اور اس جانور کو ذبح کرنا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا پاک کر دیتا ہے اس کا گوشت اور اس کا چمڑا۔ نہ کہ انسان اور خنزیر کو۔

لغات:

نَاب: کچلی، سامنے کے چار دانتوں سے متصل نوکیلا دانت، کتا دانت۔ مِخْلَب: جانور کا پنجہ، چنگل۔ الأبقع: لغوی معنی ہیں: ابلق، چتکبرا، سفید و سیاہ رنگ والا، اس سے مراد وہ کوا ہے جو صرف مردار کھاتا ہے۔ الجيف: جيفة کی جمع ہے، سڑی ہوئی

لاش، مردار۔ الضبع: بجو، لکر بھگا، بھیڑیے جیسا خونخوار مردار خور جانور ہے۔ الضب: گوہ، ایک چالاک جنگلی جانور ہے جو زمین میں بل بنا کر رہتا ہے۔ الزنبور: بھڑ۔ السلحفاة: کچھوا۔ الحشرات: حشرة کی جمع ہے، زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑے۔

تشریح:

۲۲ لا یؤکل ذو ناب، ومخلب من .... إلخ: وہ درندہ جانور جن کے نوکیلے دانت ہوتے ہیں اور دانتوں سے چیر پھاڑ کر شکار کھاتے ہیں جیسے شیر، بھیڑیا، کتا وغیرہ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اور وہ پرندے جو پنجے گاڑ کر اور شکار کو چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں جیسے باز، شاہین، گدھ وغیرہ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر پنجے والے پرندے اور ہر نوکیلے دانت والے درندے کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ [مسلم] ان جانوروں کی حرمت کی عقلی وجہ انسان کی شرافت ہے، تاکہ کھانے کے ذریعے ان خبیث جانوروں کے برے اوصاف انسانوں میں سرایت نہ کریں، اور انسان بھی ایسا درندہ صفت اور خونخوار نہ ہو جائے۔

۲۳ وحلّ غراب الزرع: پہلے یہ سمجھ لیں کہ کوّوں کی تین قسمیں ہیں: ① وہ کوّے جن کی غذا صرف اناج دانہ ہوتی ہے۔ ② وہ کوّے جن کی غذا صرف مردار ہوتی ہے۔ ③ وہ کوّے جو دانہ اور مردار دونوں کھاتے ہیں۔
عبارت میں پہلی قسم کا بیان ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کھیتی کا کوّا حلال ہے، یعنی جو کھیتوں میں دانہ چن کر کھاتے ہیں ان کا گوشت حلال ہے، کیونکہ وہ درندوں (چیر پھاڑ کر کھانے والوں) میں سے نہیں ہے۔

۲۴ لا الأبقع الذي یأکل الجیف: أي: لا یحلّ أکل الأبقع: یہ دوسری قسم کا بیان ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اَبلق (سیاہ وسفید) کوّا جو صرف مردار کھاتا ہے اس کا گوشت حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ مردار خور ہے۔ مصنفؒ نے کوّے کی تیسری قسم کو بیان نہیں فرمایا، اس کو عقعق کہتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ [ہدایہ]

۲۵ والضبع، والضبّ، والزنبور .... إلخ: أي: لا یؤکل الضبع... بجو کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ درندہ اور مردار خور جانور ہے۔ گوہ کھانا بھی جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے کھانے سے منع فرمایا۔ [ابوداؤد]
ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک گوہ کھانا حلال ہے، دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی۔ [بخاری] ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ ہے، بعد میں حرام کردی گئی، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا۔
بھڑ، کچھوا اور دیگر کیڑوں مکوڑوں کا کھانا اس لئے حلال نہیں کہ یہ تمام گندے اور خبیث جانور ہیں، ایک پاک طبیعت انسان کو ان سے گھن آتی ہے، اور ارشادِ ربانی ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. [أعراف: ۱۵۷] ''اللہ تعالیٰ ان پر گندی چیزیں حرام فرماتا ہے''۔

۲۶ والحمر الأهلية، والبغل، والخيل: أي: لا یؤکل الحمر... مسئلہ یہ ہے کہ پالتو گھریلو گدھے، خچر اور گھوڑا کھانا حلال نہیں ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ [ابوداؤد]
صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے، ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خیبر کے دن گھوڑوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی۔[مسلم]

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑا بذات خود تو حلال ہے، لیکن چونکہ یہ جہاد کا ایک بہترین آلہ ہے، اور اسی وجہ سے مالِ غنیمت میں گھوڑے کا الگ حصہ مقرر کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر اس کے کھانے کی اجازت دی جائے تو جہادی مقصد میں سستی و کمی آجائے گی، اس لئے اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

قول راجح:

امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔قال ابن عابدين: ثم نقل تصحيح كراهة التحريم عن الخلاصة، والهداية، و المحيط، و...[ردالمحتار:۹/۴۴۲۔أحسن الفتاوی:۷/۴۰۳]

⑰ وحلّ الأرنب: خرگوش کھانا حلال ہے، کیونکہ وہ درندہ اور مردار خور نہیں ہے، اور نہ گندا اور خبیث ہے، جس سے گھن آئے، لہٰذا کھانا جائز ہے، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بھنا ہوا خرگوش ہدیہ میں لایا گیا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کا حکم دیا۔[نسائی]

⑱ وذبح ما لايؤكل يطهّر لحمَه، وجلدَه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی ایسا جانور ذبح کیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے شیر، گدھا وغیرہ، تو اس سے جانور کا گوشت کھانا تو حلال نہ ہوگا، مگر اس کا گوشت اور جلد پاک ہوجاتے ہیں، لہٰذا ایسا گوشت اگر پانی میں گرجائے تو پانی نجس نہیں ہوگا۔ یہ احنافؒ کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مردار جانور کو ذبح کرنے سے اس کا گوشت اور جلد پاک نہیں ہوتے، کیونکہ ذبح کا اصل مقصد گوشت کا حلال ہونا ہے، اور یہ مقصد یہاں حاصل نہیں ہوتا، تو جب اصل مقصد (گوشت کی حلت) حاصل نہ ہوا تو اس کا تابع (گوشت پاک ہونا) بھی حاصل نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اصل نجس چیز خون اور رطوبت ہیں، اور ذبح کرنے سے یہ نکل کر خشک ہوجاتے ہیں، جیسے مردار کی جلد کو دباغت دی جائے، لہٰذا اس گوشت کا کھانا اگرچہ حلال نہیں ہے، مگر خون اور رطوبت نکل جانے کی وجہ سے وہ پاک ہوجاتا ہے۔

⑲ إلّا الآدميّ، والخنزيرَ: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔حاصل یہ ہے کہ ہروہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اگر اس کو ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت اور چمڑا پاک ہوجاتے ہیں، سوائے انسان اور خنزیر کے۔ انسان میں کرامت اور احترام کی وجہ سے اس کا گوشت اور چمڑا پاک نہیں ہوتے، اور خنزیر میں نجس العین ہونے کی وجہ سے پاک نہیں ہوتے۔

⑳ وَلَايُؤْكَلُ مَائِيٌّ إِلَّا سَمَكٌ، غَيْرُ طَافٍ ㉑ وَحَلَّ بِلَاذَكَاةٍ، كَالْجَرَادِ ㉒ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً، فَتَحَرَّكَتْ، أَوْ خَرَجَ الدَّمُ: حَلَّ ㉓ وَإِلَّا: لَا، إِنْ لَمْ يَدْرِ حَيَاتَهُ ㉔ وَإِنْ عَلِمَ: حَلَّ وَإِنْ لَمْ تَتَحَرَّكْ، وَلَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ.

ترجمہ: اور نہیں کھایا جائے گا پانی کا جانور، سوائے مچھلی کے، جو پانی کے اوپر نہ آئی ہو۔ اور (مچھلی) حلال ہے بغیر ذبح

کئے، جیسے ٹڈی۔ اور اگر بکری کو ذبح کیا، پھر حرکت کرنے لگی، یا خون نکلا تو حلال ہے۔ ورنہ نہیں، اگر اس کی زندگی کا علم نہ ہو۔ اور اگر (زندگی کا) علم تھا تو حلال ہے، اگرچہ حرکت نہ کرے اور خون نہ نکلے۔

لغات:

مائي: ماء کی طرف منسوب ہے، وہ جانور جو پانی میں رہتا ہے۔ طافٍ: باب نصر (طفا یطفو طفوا) سے اسم فاعل ہے، جیسے داعٍ، وہ مچھلی جو پانی میں مر کر اوپر آجائے۔

تشریح:

⑩ ولایؤکل مائيّ إلا سمک، غیر طافٍ: اس عبارت میں دو مسئلے ہیں:

✪ پہلا یہ ہے کہ سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کھانا جائز ہے، اس کے علاوہ اور کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے۔ یہ ہمارا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام سمندری جانوروں کا کھانا جائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک سمندری خنزیر، کتے اور انسان کے علاوہ باقی سب حلال ہیں، ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَأُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ. [مائدہ:۹۶] ''اور تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے سمندر کا شکار''۔ یہ حکم عام ہے، تمام جانوروں کو شامل ہے۔

ہماری دلیل یہ آیت ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. [أعراف:۱۵۷] ''اور ان پر حرام کر دیتا ہے گندی چیزیں''۔ اور مچھلی کے علاوہ تمام دریائی جانور گندے اور خبیث ہیں، جن سے انسان کی طبیعت گھن کھاتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی دواء سے منع فرمایا جس میں مینڈک ڈالا گیا ہو۔ [أبوداود] معلوم ہوا کہ مینڈک حرام ہے۔

اور مذکورہ آیت [مائدہ:۹۶] کا جواب یہ ہے کہ اس میں صید سے مراد شکار کا گوشت نہیں ہے، بلکہ شکار کرنا ہے، یعنی سمندر کے تمام جانوروں کا شکار کرنا حلال ہے، اگرچہ ان کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو، جیسے شیر کو شکار کرنا جائز ہے، مگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

✪ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مچھلی بھی وہ حلال ہے جو طافی نہ ہو، لہٰذا وہ مچھلی جو خود بخود پانی میں مر کر اوپر آجائے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ یہ احنافؒ کا مسلک ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک طافی مچھلی کا کھانا جائز ہے، دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے، اور اس کا مردار حلال ہے۔ [ترمذی] اور مردار سے مراد وہ جانور ہے جو پانی میں خود بخود مر جائے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس مچھلی سے پانی خشک ہو گیا ہے اُسے کھاؤ، اور جس کو پانی نے پھینک دیا ہو اُسے کھاؤ، اور جو مر کر اوپر آجائے اُسے مت کھاؤ۔ [ابن ماجہ] معلوم ہوا کہ طافی کھانا جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی مروی حدیث میں مردار سے مراد وہ مچھلی ہے جو پانی کی لہر نے باہر پھینک دیا ہو۔ اس طرح دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق بھی ہو جائے گی۔

⑪ وحلّ بلاذکاۃ، کالجراد: مچھلی ذبح کئے بغیر کھانا جائز ہے جیسے ٹڈی کو بغیر ذبح کھانا جائز ہے، حدیث میں ہے

کہ ہمارے لئے دو مردار حلال کر دیئے گئے ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔ [ابن ماجہ] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بعض اوقات ہم ٹڈیاں پکڑتے ہیں، ان میں زندہ اور مردہ دونوں ہوتی ہیں، تو آپؓ نے فرمایا: كُلُّهُ كُلُّهُ. [ہدایہ] ''سب کھاؤ''۔

فائدہ (جھینگے کا حکم):

ہمارے بعض شہروں میں جھینگے کے کھانے کا رواج ہے۔ عربی میں اس کو روبیان کہتے ہیں۔ یہ ہاتھ کی انگلی کے بقدر ایک سمندری جانور ہے۔ علامہ دمیریؒ① نے حیواۃ الحیوان میں فرمایا ہے کہ جھینگا سرخ رنگ کی بہت چھوٹی مچھلی ہے۔ اور اسی طرح ماہرینِ لغت نے بھی جھینگے کو مچھلی کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ علماء کی ان تصریحات کا تقاضا یہ ہے کہ جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے، اور اس کا کھانا حلال ہے۔

لیکن موجودہ دور کے علم الحیوانات کے ماہرین کے مطابق جھینگا مچھلی کی قسم نہیں ہے، یہ ایک مستقل قسم کا جانور ہے، جس پر مچھلی کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مچھلی کی تعریف یہ ہے کہ: وہ ریڑھ کی ہڈی والا جانور ہے، جو پانی میں رہتا ہے، اپنے پروں سے تیرتا ہے، اور گلپھڑوں (مچھلی کے جبڑے جن سے وہ سانس لیتی ہے) سے سانس لیتا ہے۔ جبکہ جھینگے میں نہ ریڑھ کی ہڈی ہے، اور نہ اس کے پَر ہیں، اور نہ وہ گلپھڑوں سے سانس لیتا ہے۔ اس تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ جھینگا مچھلی کے علاوہ ایک الگ قسم کا جانور ہے، جس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ عربی لغت اور عرب کے عرف کے مطابق جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے، اور اکثر شرعی احکام لوگوں کے عرف کا اعتبار ہوتا ہے، نہ سائنسی اور فنی تحقیق کا، لہٰذا جھینگے کے مسئلے میں سختی کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے فتویٰ یہ ہے کہ جھینگا کھانا حلال ہے، البتہ اگر کوئی تقویٰ پر عمل کرتے ہوئے اس کے کھانے سے پرہیز کرے تو اولیٰ ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: فقہی مقالات: ۳/ ۲۱۷ تا ۲۲۱

۞ ولو ذبح شاة، فتحرّكت، أو خرج الدم: حلّ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اَدھ موا (نیم جاں) بکری ذبح کی، اور اس نے حرکت کر کے جان دے دی، یا حرکت تو نہیں کی مگر اس کا خون نکل آیا، تو حلال ہے، اس لئے کہ ذبح کے وقت حرکت کرنا یا خون بہنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ذبح سے پہلے زندہ تھی۔

۞ وإلّا: لا، إن لم يدر حياته: أي: وإن لاتتحرك، ولايخرج الدم: لاتحلّ، إن... مذکورہ صورت میں اگر ذبح کے وقت بکری نے نہ حرکت کی اور نہ اس کا خون نکلا تو حلال نہیں ہوگی، کیونکہ حرکت نہ کرنا اور خون نہ نکلنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ذبح سے پہلے مردار ہو چکی ہے، بشرطیکہ وہ ایسی نیم جاں ہو کہ اس کی زندگی اور موت کا پتہ ہی نہ چلتا ہو۔ اور اگر ذبح سے پہلے اس کی زندگی کا یقین ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی، اگر چہ حرکت نہ کرے اور نہ خون نکلے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

۞ وإن علم: حلّ وإن لم تتحرّك ....إلخ: مذکورہ صورت میں اگر ذبح سے پہلے یقینی طور پر معلوم ہو کہ بکری زندہ ہے، مگر ذبح کے وقت نہ حرکت کی اور نہ خون نکلا، تو تب بھی حلال ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس کی موت ذبح سے ہوئی ہے۔

---

① علامہ دمیریؒ کا نام کمال الدین محمد بن موسیٰ ہے۔ سن ۷۴۲ھ میں مصر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی، فقہ شافعی کے امام تھے۔ بڑے عابد اور تلاوت قرآن کے عاشق تھے۔ عجیب وغریب علوم کا خزانہ تھے، ان تصنیف حیواۃ الحیوان اس کی دلیل ہے۔ سن ۸۰۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

﴿كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام الأضحية. یعنی یہ کتاب اُضحیہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے اُضحیہ کو کتاب الذبائح کے بعد لایا، مناسبت یہ ہے کہ اُضحیہ کا اصل مقصد بھی ذبح کرنا ہی ہے۔

لغت میں چاشت کے وقت کو ضُحٰی کہتے ہیں، اور اس وقت ذبح ہونے والے جانور کو أُضْحِيَّة (جمع اضاحيّ) کہتے ہیں①۔ شریعت کی اصطلاح میں أُضْحِيَّة وہ جانور ہے جس کو خاص دنوں میں خاص شرائط کے ساتھ ثواب کی نیت سے ذبح کیا جائے۔

اُضحیہ کا جانور ذبح کرنا قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے، قرآن کریم کی آیت: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. [کوثر:۲]

"آپ اپنے رب کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے"، اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ عید کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ [تفسیر جلالین]

اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو چتکبرے سینگ والے مینڈھے قربان کئے۔ [مسلم]

اُضحیہ کی مشروعیت سن دو ہجری میں ہوئی، اور اسی سال عید کی نماز اور زکوٰۃ بھی مشروع ہوئی۔

اُضحیہ کے حکم میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُضحیہ سنّت مؤکدہ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔ مصنفؒ نے اُضحیہ سے متعلق سترہ (۱۷) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ تَجِبُ عَلَى حُرٍّ، مُسْلِمٍ، مُقِيمٍ، مُوسِرٍ، عَنْ نَفْسِهِ لَا عَنْ طِفْلِهِ شَاةٌ، أَوْ سُبُعُ بَدَنَةٍ ❷ فَجْرَ يَوْمِ النَّحْرِ، إِلَى آخِرِ أَيَّامِهِ ❸ وَلَا يَذْبَحُ مِصْرِيٌّ قَبْلَ الصَّلَاةِ ❹ وَذَبَحَ غَيْرُهُ ❺ وَيُضَحَّى بِالْجَمَّاءِ، وَالْخَصِيِّ، وَالثَّوْلَاءِ ❻ لَا بِالْعَمْيَاءِ، وَالْعَوْرَاءِ، وَالْعَجْفَاءِ، وَالْعَرْجَاءِ ❼ وَمَقْطُوعِ أَكْثَرِ الْأُذُنِ، أَوِ الذَّنَبِ، أَوِ السِّنِّ، أَوِ الْعَيْنِ، أَوِ الْأَلْيَةِ.

ترجمہ: واجب ہے آزاد، مسلمان، مقیم، مالدار پر اپنی طرف سے، نہ کہ اپنے بچے کی طرف سے، بکری یا بدنہ (گائے، اونٹ) کا ساتواں۔ عید الاضحیٰ کے دن، صبح سے (لے کر) اس کے دنوں کے آخر تک۔ اور شہری ذبح نہ کرے نماز سے پہلے۔ اور ذبح کرسکتا ہے غیر شہری۔ اور قربانی کی جاسکتی ہے بے سینگ، خصی اور دیوانہ جانور کی۔ نہ کہ اندھے، کانے، بہت دبلے، لنگڑے۔ اور اکثر کان، یا دانت، یا آنکھ، یا چکتی کٹے ہوئے جانور کی۔

لغات: بدنة: اونٹ یا گائے جس کی قربانی کی جائے۔ یضحّي: باب تفعیل (ضحّی یُضحّي تضحیَةً) سے مضارع مجہول ہے،

① أضحية کیلئے ضَحِيَّة (جمع ضحایا) اور أضحاة (جمع أضحی) کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

قربانی کرنا۔ الجمّاء: مؤنث صفت کا صیغہ ہے، جیسے حمراء، مذکر أجمّ ہے، بے سینگ جانور۔ الخصي: صفت مشبہ ہے، جس کے خصیے نکال دیئے گئے ہوں۔ الثولاء: مؤنث صفت ہے، مذکر أثول ہے، دیوانہ، بے وقوف۔ العمياء: مؤنث صفت ہے، مذکر أعمیٰ ہے، اندھا۔ العوراء: مؤنث صفت ہے، مذکر أعور ہے، کانا۔ العجفاء: مذکر أعجف ہے، لاغر، دبلا۔ العرجاء: مذکر أعرج ہے، لنگڑا۔ الألية: سرین، سرین کی چربی، چکتی۔

تشریح:

❶ تجب علی حرّ، مسلم، مقیم، موسر عن.... الخ: تجب فعل ہے، شاة اس کا فاعل ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آزاد، مسلمان، مقیم، مالدار شخص پر اپنی طرف سے، نہ کہ اپنے بچے کی طرف سے، عیدالأضحیٰ کے دن سے لے کر تیسرے دن تک بکری یا بدنہ کے ساتویں حصے کی قربانی کرنا واجب ہے۔ اس عبارت میں پانچ باتیں ہیں:

①...... تجب: عید کی قربانی کرنا واجب ہے۔ یہ طرفینؒ کا مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے، دلیل یہ حدیث ہے: من أراد أن يضحي منكم: فلا يأخذ من شعره، وأظفاره شيئا. [مسلم، ابن ماجہ] "تم میں سے جس نے قربانی کا ارادہ کیا تو اپنے بالوں اور ناخن میں سے کچھ بھی نہ کاٹے"۔ یہاں قربانی کو معلق کر دیا ارادہ سے، یعنی جس کا ارادہ ہو کرلے اور جس کا نہ ہو نہ کرے، معلوم ہوا کہ واجب نہیں ہے، کیونکہ واجب میں انسان کا ارادہ واختیار نہیں چلتا۔

طرفینؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: من كان له سعة، ولم يضح: فلا يقربن مصلانا. [ابن ماجہ] "جس شخص کو وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے"۔ اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو آپ ﷺ اتنی سخت وعید نہ فرماتے۔

②...... علی حرّ، مسلم، مقیم، موسر: أضحیہ واجب ہونے کیلئے چار شرطیں ہیں: (۱) مسلمان ہونا، کافر پر أضحیہ واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ (۲) آزاد ہونا، غلام پر قربانی نہیں ہے، کیونکہ قربانی میں مال خرچ کرنا ہے، جیسی زکوۃ، اور غلام مال کا مالک نہیں بن سکتا۔ (۳) مقیم ہونا، مسافر پر أضحیہ واجب نہیں ہے، کیونکہ أضحیہ کرنے کیلئے اسباب و آلات کا مہیا ہونا ضروری ہیں، اور یہ مسافر کیلئے مشکل ہیں۔ (۴) مالدار ہونا، فقیر پر أضحیہ واجب نہیں ہے، کیونکہ فقیر بے چارہ نانِ شبینہ کا محتاج ہوتا ہے، تو قربانی کہاں سے کرے؟ مالدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے نصاب (۲۰۰ درہم/۶۱۲،۵۳ گرام چاندی) کا مالک ہو جو حاجت أصلیہ سے فارغ ہو۔ اس کی تحقیق کتاب الزکاۃ/ باب المصرف مسئلہ نمبر (۱۴) میں گزر گئی ہے۔

③...... عن نفسه: انسان پر خود اپنے آپ کی طرف سے أضحیہ کرنا واجب ہے، کیونکہ تمام واجبات میں انسان کا نفس اصل ہے، یعنی ہر واجب عمل انسان پر خود اس کے نفس کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔

④...... لا عن طفله: اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے أضحیہ کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ أضحیہ کرنا خالص عبادت ہے، اور ایک انسان پر دوسرے کی وجہ سے عبادت واجب نہیں ہوتی، لہٰذا اولاد کی وجہ سے باپ پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔① (حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

۵ ......شــاة، أو سبع بدنة: قربانی میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے، اور یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ ہے، یعنی گائے یا اونٹ میں سات آدمی شریک ہو کر ذبح کریں۔ ظاہر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ گائے اور اونٹ بھی ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہو، کیونکہ قربانی میں خون بہایا جاتا ہے، اور خون بہانا ایک عمل ہے، لہٰذا ایک ہی آدمی کیلئے کافی ہوگا، لیکن ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا، وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گائے اور اونٹ کو سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا۔ [ابن ماجہ] اور بکری کے بارے میں ایسا کوئی نص نہیں ہے، لہٰذا وہ قیاس کے مطابق ایک آدمی کیلئے کافی ہوگی۔

۲ فجـرَ يوم النحر إلى آخر أيامه: أي: تجب فجرَ... یہاں اُضحیہ کا وقت بتا رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے تین دنوں میں، عید کے پہلے دن سے لے کر اس کے آخری تیسرے دن تک، یعنی ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں اور تیرہویں تاریخ کو قربانی ہوگی۔ حضرت عمر، حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ایسا ہی منقول ہے۔ [ہدایہ] انہوں نے لازماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ فرمایا ہے، کیونکہ قیاس اور اپنی رائے سے ایسا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چار دن تک قربانی کرنا جائز ہے۔

۳ ولايذبـح مصريّ قبل الصلاة: مسئلہ یہ ہے کہ شہر میں رہنے والے شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی ذبح کرے، اس لئے کہ شرعاً نماز اور قربانی کے درمیان ترتیب ہے، کہ پہلے نماز ہوگی پھر قربانی ہوگی، چنانچہ حدیث میں ہے: إنّ أوّل نسـكنا في هذا اليوم الصلاة، ثمّ الأضحية. [بخاری] "اس دن ہماری پہلی عبادت نماز ہے، پھر قربانی ہے"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کی وہ اس کا اعادہ کرے۔ [بخاری] یعنی نماز کے بعد دوسری قربانی کرے۔

۴ وذبـح غيـرُهُ: «هُ» کا مرجع مصـريّ ہے۔ یعنی شہری کے علاوہ دیہات کا رہنے والا شخص نمازِ عید سے پہلے قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ دیہاتی پر عید کی نماز واجب ہی نہیں، لہٰذا وہ صبح صادق کے بعد جب بھی چاہے ذبح کرسکتا ہے۔

۵ ويُضـحّى بالجمّاء، والخصيّ، والثولاء: مسئلہ یہ ہے کہ بے سینگ، خصی اور دیوانہ جانور کو قربانی میں ذبح کرنا صحیح ہے۔ سینگ غیر مقصودی چیز ہے، اس کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ اور خصی ہونا جانور کی عمدگی کی علامت ہے، کیونکہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی دنبے ذبح فرمائے۔ [ترمذی] اور دیوانگی سے بھی مقصود (گوشت) پر اثر نہیں پڑتا، بشرطیکہ وہ جانور گھاس کھاتا ہو۔ اور اگر وہ ایسا دیوانہ ہے کہ کھاتا پیتا بھی نہیں، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ [ہدایہ]

۶ لا بالعمياء، والعوراء، والعجفاء....الخ: أي: لا يضحّى بالعمياء.... اگر جانور ایسا معیوب ہے کہ اس کا عیب بالکل ظاہر ہے، جس کی وجہ سے گوشت اور ہڈیوں میں نقصان آیا ہے، تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، مثلاً اندھے، کانے، بہت زیادہ دبلے اور لنگڑے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) ① اُضحیہ کے برخلاف صدقۂ فطر انسان کی ذات کی کفالت اور پرورش کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور انسان اپنی ذات کی طرح اپنے بچوں کی پرورش بھی کرتا ہے، اس لئے اپنے بچوں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

نہیں ہوگی: کانا جس کا کانا ہونا ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور دبلا جس میں گودا نہ ہو۔ [ترمذی]

⑦ ومقطوع أكثر الأذن، أو الذنب، أو السنّ .. إلخ: أي: لايضحّي بمقطوع... وہ جانور جس کے کان یا دُم کا اکثر حصہ[①] کٹ گیا ہو، یا اکثر دانت اکھڑ گئے ہوں، یا اکثر آنکھ چلی گئی ہو،[②] یا چکتی کا اکثر حصہ کٹ گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو خوب غور سے دیکھ لیا کرو۔ [أبوداود] حدیث میں اگرچہ صرف آنکھ اور کان کا ذکر ہے، مگر دُم، دانت اور چکتی کا بھی یہی حکم ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کامل اور مقصود عضو ہے۔

⑧ وَالْأُضْحِيَّةُ مِنَ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ ⑨ وَجَازَ الثَّنِيُّ مِنَ الْكُلِّ، وَالْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ ⑩ وَإِنْ مَاتَ أَحَدُ السَّبْعَةِ، وَقَالَتِ الْوَرَثَةُ: إِذْبَحُوْهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ: صَحَّ ⑪ وَإِنْ كَانَ شَرِيْكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا، أَوْ مُرْتَدًّا، أَوْ نَوَى اللَّحْمَ: لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ.

ترجمہ: قربانی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں سے ہوتی ہے۔ اور ثني سب سے جائز ہے، اور جذع بھیڑ دنبہ سے (جائز) ہے۔ اور اگر سات میں سے ایک مر گیا اور ورثہ نے کہا کہ اس (بدنہ) کو ذبح کرو میت اور تمہاری طرف سے، تو صحیح ہے۔ اور اگر چھ افراد کا شریک نصرانی ہو، یا مرتد ہو، یا گوشت کا ارادہ رکھتا ہو، تو کسی ایک کی طرف سے بھی جائز نہیں ہوگی۔

تشریح:

⑧ والأضحية من الإبل، والبقر، والغنم: قربانی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں سے ہوتی ہے، ان کے علاوہ دیگر جانوروں کی قربانی درست نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی کی مشروعیت خالص نقل سے ثابت ہے، اور آپ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ان جانوروں کے علاوہ کسی بھی اور جانور کی قربانی منقول نہیں ہے۔

⑨ وجاز الثني من الكلّ، والجذع من الضأن: مذکورہ جانوروں میں سے ثني کی قربانی جائز ہے۔ اونٹ کا پانچ سال کا بچہ ثني کہلاتا ہے، اور گائے کا دو سال کا بچہ ثني کہلاتا ہے، اور بھیڑ بکریوں میں سے ایک سالہ بچہ ثني کہلاتا ہے۔ البتہ بھیڑ اور دنبہ میں سے چھ مہینے کا بچہ (یعنی جذع) ذبح کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ ایسا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ثنایا کی قربانی کرو، لیکن اگر تم میں سے کسی پر مشکل ہو جائے تو بھیڑ میں سے جذع ذبح کرے۔ [ہدایہ]

---

① اکثر کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ چوتھائی اکثر ہے، ایک اور روایت ہے کہ تہائی اکثر ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک نصف اکثر ہے، لہٰذا اگر نصف حصہ کٹ گیا ہے تو قربانی جائز نہیں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ [أحسن الفتاویٰ: ۷/۵۱۵]

② اکثر آنکھ چلی جانے کا مطلب یہ ہے کہ آدھی بینائی ختم ہو گئی ہو، اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو دو تین دن بھوکا رکھا جائے، پھر عیب دار آنکھ کو باندھ کر دور سے چارا دکھاتے ہوئے قریب لائیں، جہاں سے جانور کو چارا نظر آجائے وہاں نشان کر دیں، پھر صحیح آنکھ کو باندھ کر جانور کو دور سے چارا قریب لائیں، جہاں سے اُسے چارہ نظر آئے وہاں بھی نشان کر دیں، اور پھر دونوں مسافتوں کی نسبت معلوم کر لیں، اگر فرق نصف یا اس سے زائد ہے تو قربانی جائز نہیں ہوگی، ورنہ جائز ہے۔ [ہدایہ]

فائدہ:

غنم بھیڑ بکریوں کی جنس کو کہتے ہیں، اور ضان صرف بھیڑ دنبے کی نوع کو کہتے ہیں۔ تفصیل کتاب الزکاۃ/باب صدقة السوائم/ فصل في الغنم میں بیان ہوگئی ہے۔

⑩ **وإن مات أحد السبعة، وقالت الورثة ....الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ سات آدمیوں نے مل کر قربانی کیلئے بدنہ (گائے یا اونٹ) خریدا، اور پھر قربانی سے پہلے ان میں سے ایک مر گیا، اور اس کے ورثہ نے دیگر شرکاء سے کہا کہ تم اس بدنہ کو میت کی طرف سے اور اپنی طرف سے ذبح کرلو، انہوں نے ذبح کر دیا، تو صحیح ہے، کیونکہ بدنہ میں سات آدمیوں کے شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ سب کی نیت ثواب کی ہو، اور یہاں جب ورثہ نے میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دی تو ظاہر ہے کہ ان کی نیت بھی ثواب کی ہے، لہٰذا سب کی قربانی صحیح ہوئی۔ اور ثواب کی نیت کر کے دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا صحیح ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُمت کی طرف سے قربانی فرمائی۔ [مسند احمد]

اگر ورثہ کی اجازت کے بغیر چھ شرکاء نے بدنہ ذبح کیا تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ ساتواں شریک میت ہے، اور ذبح کے وقت نہ میت ثواب کی نیت کر سکتا ہے، اور نہ اس کے نائب (ورثہ) نے ثواب کی نیت کی، تو جب ایک شریک کی طرف سے ثواب کی نیت نہیں ہوئی تو گویا سب کی نیت نہیں ہے، کیونکہ خون بہانے میں تقسیم نہیں ہو سکتی، کہ بعض حصہ ثواب کی نیت سے بہایا جائے اور بعض بغیر ثواب کے بہایا جائے، اور جب ثواب کی نیت نہیں پائی گئی تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔

⑪ **وإن كان شريك الستة نصرانيا، أو مرتدا، أو نوى ....الخ:** اگر چھ شریکوں کا ساتواں شریک کافر ہو، یا نعوذ باللہ مرتد ہو جائے، یا اس کی ثواب کی نیت نہ ہو بلکہ گوشت حاصل کرنے کا ارادہ ہو، تو دیگر چھ شرکاء کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ ماقبل مسئلے میں بیان ہوا کہ قربانی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ تمام شرکاء نے ثواب کی نیت کی ہو، جبکہ یہاں ساتویں شریک نے ثواب کی نیت نہیں کی، تو گویا تمام شرکاء نے ثواب کی نیت نہیں، اس لئے کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔

⑫ **وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ، وَيُؤْكِلُ غَنِيًّا، وَيَدَّخِرُ ⑬ وَنُدِبَ أَلَّا يَنْقُصَ الصَّدَقَةُ مِنَ الثُّلُثِ ⑭ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا، أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ نَحْوَ جِرَابٍ، أَوْ غِرْبَالٍ ⑮ وَنُدِبَ أَنْ يَذْبَحَ بِيَدِهِ إِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ ⑯ وَكُرِهَ ذَبْحُ الْكِتَابِيِّ ⑰ وَلَوْ غَلَطًا وَذَبَحَ كُلٌّ أُضْحِيَّةَ صَاحِبِهِ: صَحَّ، وَلَا يَضْمَنَانِ.**

ترجمہ: اور کھا سکتا ہے اُضحیہ کے گوشت میں سے، اور مالدار کو کھلا سکتا ہے، اور ذخیرہ کر سکتا ہے۔ اور مستحب ہے کہ صدقہ کم نہ ہو تہائی سے۔ اور صدقہ کر دے اس کے چمڑے کو، یا اس سے بنا دے تھیلا یا چھلنی جیسی چیز کو۔ اور مستحب ہے کہ ذبح کرے اپنے ہاتھ

سے، بشرطیکہ اس کو جانتا ہو۔ اور مکروہ ہے کتابی کا ذبح کرنا۔ اور اگر دو آدمیوں نے غلطی کی اور ہر ایک نے ذبح کیا اپنے ساتھی کے اُضحیہ کو تو صحیح ہے، اور تاوان نہیں دیں گے۔

تشریح:

⑪ ویأکل من لحم الأضحیة، ویؤکل....إلخ: قربانی کرنے والا قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے، دوسرے مالدار شخص کو بھی کھلا سکتا ہے، اور ذخیرہ بھی کرسکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا، پس اُسے کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ [مسلم] اور جب خود کھا سکتا ہے حالانکہ وہ غنی ہے، تو دوسرے غنی کو بطریق اولی کھلا سکتا ہے۔

⑬ وندب ألّا ینقص الصدقة من الثلث: مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے ایک تہائی صدقہ کرے، صدقہ اس سے کم نہ ہو، کیونکہ گوشت کی تین جہتیں ہیں: خود کھانا، اہل وعیال کیلئے ذخیرہ کرنا اور صدقہ کرنا، لہٰذا اولیٰ وبہتر یہ ہے کہ گوشت کو تین برابر حصوں پر تقسیم کیا جائے۔

⑭ ویتصدّق بجلدها، أو یعمل منه نحوَ جراب، أو غربال: جراب بمعنی تھیلا، خورجین۔ غربال بمعنی چھلنی۔ مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کی کھال کو یا تو صدقہ کردے، یا اس سے گھر کی استعمال کی چیز بنادے، جیسے تھیلا، چھلنی[①] وغیرہ۔

حاصل یہ کہ کھال اُضحیہ کے جسم کا ایک جزء ہے، لہٰذا وہ گوشت کے حکم میں ہے، کہ یا تو صدقہ کرے یا اپنے استعمال میں لائے، اس کو فروخت نہیں کرسکتا، اگر فروخت کیا تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ قربانی کے اون، اوجھڑی اور انتڑیوں کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض لوگ بھیڑ اور دنبے کی کھال کو آگ پر پکا کر کھاتے ہیں[②]، تو یہ بھی جائز ہے، جیسے گوشت۔

فائدہ:

یہ بات یاد رکھیں کہ قربانی کے تمام جائز اجزاء جیسے گوشت، ہڈیاں، کھال، اون، اوجھڑی، انتڑیاں، سینگ، کھر وغیرہ سب کا ایک حکم ہے، وہ یہ کہ ان کو کھانا بھی جائز ہے (بشرطیکہ وہ کھانے کے قابل ہو)، صدقہ کرنا بھی جائز ہے، اور اس سے کوئی چیز بنا کر استعمال میں لانا بھی جائز ہے، اور اگر ان میں سے کوئی بھی چیز فروخت کردی تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر یہی لکھا ہے کہ قربانی کی کھال کو یا تو صدقہ کردیا جائے اور یا استعمال میں لایا جائے، کھانے کا ذکر نہیں ہے، یہ اس لئے کہ عام طور پر کھال کو کھانے کا قابل سمجھا نہیں جاتا، جیسے اون اور سینگ وغیرہ، ورنہ اگر کسی

---

① تھیلے اور چھلنی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے نفع اٹھایا جاسکے اور اس کی ذات بعینہ باقی رہے، لہٰذا کھال سے ایسی چیز بنانا بھی جائز ہے، اور کھال کے عوض ایسی چیز خریدنا بھی جائز ہے۔ اور جو چیز استعمال کی وجہ سے ختم ہوجاتی ہے، باقی نہیں رہتی جیسے نمک، سرکہ وغیرہ ایسی چیز کو کھال کے عوض خریدنا جائز نہیں ہے، ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

② بھیڑ یا دنبے کا اون اتار کر پورے جانور کو آگ پر رکھتے ہیں، جس سے اس کا چمڑا پک جاتا ہے، پشتو میں اس کو اَلْـــوَی کہتے ہیں، ہمارے علاقے کے پٹھان ایسا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

طریقے سے کھال کو کھانے کا قابل بنایا جائے تو کھانا جائز ہے، عدم جواز کوئی دلیل نہیں ہے۔

۱۵ **وندب أن يذبح بيده إن علم ذلك:** مستحب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، بشرطیکہ ذبح کرنا اچھی طرح جانتا ہو، کیونکہ قربانی کرنا ایک عبادت ہے، اور اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ انسان عبادت خود اپنے ہاتھ سے انجام دے۔ اور اگر ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے آدمی سے مدد لے، اور ذبح کے وقت خود حاضر رہے۔

۱۶ **وكره ذبح الكتابي:** کتابی (یہودی یا نصرانی) سے قربانی ذبح کرانا مکروہ ہے، کیونکہ ذبح ثواب کا عمل ہے، اور کتابی ثواب کا اہل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اگر کتابی نے مسلمان کے حکم سے اس کا جانور ذبح کردیا تو صحیح ہے، کیونکہ کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

۱۷ **ولو غلطا وذبح كلّ أضحية صاحبه ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے قربانی کیلئے جانور خرید لئے اور دونوں نے غلطی کرکے ہر ایک نے دوسرے کا جانور ذبح کیا، تو دونوں کی قربانی صحیح ہوئی، اور دونوں پر تاوان نہیں آئے گا۔

ظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قربانی صحیح نہ ہو اور ہر ایک دوسرے کو تاوان ادا کرے، کیونکہ ہر ایک نے تجاوز کرکے بغیر اجازت دوسرے کا جانور ذبح کیا ہے۔ لیکن استحساناً ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک نے اپنا جانور قربانی کیلئے متعین کردیا ہے، اور ہر ایک نے اسی جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے، تو گویا ہر ایک نے دوسرے کو دلالۃً ذبح کرنے کی اجازت دی ہے، اور ہر ایک دوسرے کی مرضی اور ارادہ کے عین مطابق ذبح کررہا ہے، اس لئے دونوں کی قربانی صحیح ہوئی، اور کوئی ضمان وتاوان نہیں ہوگا۔ والله أعلم

☆☆☆

وأن الله قد أحاط بكل شيء علما

﴿كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الكراهية. یعنی یہ کتاب مکروہ ہونے کے احکام کے بیان میں ہے۔

کراهیة باب سمع کا مصدر ہے، لغوی معنی ہیں: بُرا اور ناپسند سمجھنا۔ مکروہ اور کریہ کے معنی ہیں: ناپسند، برا، بدنما۔ اور شریعت کی اصطلاح میں کراهیة شارع (اللہ اور رسول) کا وہ خطاب ہے جو کام نہ کرنے، اور کام سے باز رہنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اسی تقاضے کی وجہ سے مکروہ اس عمل کو کہتے ہیں جس کا نہ کرنا بہتر ہے۔ مزید تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ احکامِ شرعیہ کی نو (۹) قسمیں ہیں: فرض۔ واجب۔ سنّت۔ مستحب۔ حرام۔ مکروہ تحریمی۔ مکروہ تنزیہی۔ خلافِ اولیٰ۔ مباح۔

﴿۱﴾ فرض وہ عمل ہے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اور قطعی (یقینی) دلیل سے ثابت ہو، جیسے نماز، روزہ وغیرہ فرائض۔ فرض عمل کا چھوڑنا حرام ہے۔ ﴿۲﴾ واجب وہ عمل ہے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اور ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کچھ شبہ ہو، جیسے قربانی اور وتر۔ واجب عمل کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ ﴿۳﴾ سنّت وہ عمل ہے جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اس طور پر کہ کرنے کی تاکید کی گئی ہو۔ پھر سنّت کی دو قسمیں ہیں: سنّت مؤکدہ اور سنّت غیر مؤکدہ۔ سنّت مؤکدہ کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، اور سنّت غیر مؤکدہ کا چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ﴿۴﴾ مستحب وہ عمل ہے جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اس طور پر کہ کرنے کی تاکید بھی نہ ہو، صرف پسندیدگی کے ساتھ ہو، جیسے قبلہ رُو ہو کر وضوء کرنا اور جمعہ کے دن خوشبو لگانا۔ مستحب کا چھوڑنا خلافِ اولیٰ ہے۔

﴿۵﴾ حرام وہ عمل ہے جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اور قطعی (یقینی) دلیل سے ثابت ہو، جیسے زنا، چوری، قتل وغیرہ۔ حرام سے بچنا فرض ہے۔ ﴿۶﴾ مکروہ تحریمی وہ عمل ہے جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، اور ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کچھ شبہ ہو، جیسے داڑھی منڈوانا وغیرہ۔ مکروہ تحریمی سے بچنا واجب ہے۔ ﴿۷﴾ مکروہ تنزیہی وہ عمل ہے جس کے نہ کرنے کا غیر لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، یعنی نہ کرنے کی تاکید ہو، جیسے بے وضوء ہو کر اذان دینا۔ مکروہ تنزیہی سے بچنا سنّت ہے۔ ﴿۸﴾ خلافِ اولیٰ وہ عمل ہے جس کے نہ کرنے کا غیر لازمی مطالبہ کیا گیا ہو، یعنی تاکید بھی نہ ہو، جیسے قبلہ سے پھر کر وضوء کرنا۔ خلافِ اولیٰ عمل سے بچنا مستحب ہے۔ ﴿۹﴾ مباح وہ عمل ہے جس کے کرنے نہ کرنے دونوں کا اختیار دیا گیا ہو، جیسے عام انسانی ضروریات، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا وغیرہ، بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی محظور میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

مصنفؒ نے ان نو (۹) اقسام میں سے خاص طور پر کراہت کیلئے کتاب قائم فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کے ظاہرِ حال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو فرائض، واجبات، سنّتوں اور حرام افعال واعمال کا علم ہوتا ہے، اور شریعت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش بھی

کرتا ہے، البتہ مکروہ ایسا مشکوک اور مشتبہ عمل ہے جس میں ناواقفیت کی وجہ سے انسان پڑسکتا ہے، اس لئے فقہاء مکروہات کو بیان کرنے کیلئے الگ کتاب قائم کرتے ہیں، تاکہ ان سے بچنا آسان ہو۔ مصنفؒ نے اس کتاب میں اُشہر (۷۸) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① اَلْمَكْرُوْهُ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ ② وَنَصَّ مُحَمَّدٌ أَنَّ كُلَّ مَكْرُوْهٍ حَرَامٌ.

ترجمہ: مکروہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔ اور امام محمدؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

تشریح:

① المكروه إلى الحرام أقرب:

② ونصّ محمّد أن كلّ مكروه حرام:

مکروہ محبوب کی ضد ہے، بمعنی ناپسندیدہ، برا، جس سے شریعت اور طبیعت نفرت کریں۔ مکروہ تنزیہی کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ حلال اور جائز ہے، مگر مکروہ تحریمی کے بارے میں اختلاف ہے، مسئلہ نمبر (۱) میں شیخینؒ کا قول ہے اور مسئلہ نمبر (۲) میں امام محمدؒ کا قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبارت میں المکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ حضرات شیخینؒ کے نزدیک مکروہ، وہ عمل ہے جو جائز ہے مگر حرام کے قریب ہے، اس کو ''حلال غیر قطعی'' بھی کہتے ہیں، ان کے نزدیک مکروہ میں حلت اور حرمت دونوں کے دلائل جمع ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس میں شک آگیا، اور شک کی وجہ سے کسی چیز پر حرام کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، مگر احتیاط کی وجہ سے حرمت کی دلیل کو ترجیح دے کر مکروہ حرام کے قریب ہوگیا۔

امام محمدؒ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، ان کے نزدیک جب تک حلت پر قطعی (یقینی) دلیل موجود نہ ہو اس کو جائز اور حلال نہیں سمجھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ اپنی کتاب میں جس چیز کو مکروہ قرار دیں تو اس سے مراد حرام ہوتا ہے، مگر پھر بھی وہ مکروہ اور حرام کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ حرام وہ ہے جس کی حرمت قطعی دلیل سے ثابت ہو، اور مکروہ وہ حرام ہے جس کی حرمت ظنی دلیل سے ثابت ہو۔

قول راجح:

حضرات شیخینؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفيؒ: (عندهما) وهو الصحيح المختار، ومثله البدعة و الشبهة. (إلى الحرام أقرب). [ردالمحتار:۹/۴۷۱]

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ﴾

أي: هذا فصل في بيان مكروهات الأكل والشرب. یعنی یہ فصل کھانے پینے کے مکروہات کے بیان میں ہے۔
کتاب الکراهية پانچ فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل ان مکروہات کے بیان میں ہے جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے۔
مصنفؒ نے اس فصل کو مقدم کیا، کیونکہ انسان کی زندگی میں کھانے پینے کی ضرورت زیادہ ہے۔ اس فصل میں کُل دس (۱۰) مسائل ہیں۔

① كُرِهَ لَبَنُ الْأَتَانِ ② وَالْأَكْلُ، وَالشُّرْبُ، وَالْإِدِّهَانُ، وَالتَّطَيُّبُ مِنْ إِنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لِلرَّجُلِ، وَالْمَرْأَةِ ③ لَا مِنْ رَصَاصٍ، وَزُجَاجٍ، وَبِلَّوْرٍ، وَعَقِيقٍ ④ وَحَلَّ الشُّرْبُ مِنْ إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ، وَالرُّكُوبُ عَلَى سَرْجٍ مُفَضَّضٍ، وَالْجُلُوسُ عَلَى كُرْسِيٍّ مُفَضَّضٍ ⑤ وَيَتَّقِي مَوْضِعَ الْفِضَّةِ.

ترجمہ: مکروہ ہے گدھی کا دودھ۔ اور کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتن سے۔ مرد اور عورت (دونوں) کیلئے۔ نہ کہ رانگ، شیشہ، بلّور اور عقیق (کے برتن) سے۔ اور پینا حلال ہے چاندی کے پالش کئے ہوئے برتن سے، اور سوار ہونا چاندی کے پالش کئے ہوئے زین پر، اور بیٹھ جانا چاندی کی پالش کی ہوئی کرسی پر۔ اور بچے چاندی کی جگہ سے۔

لغات:

الأتان: گدھی، جمع اُتن۔ الادهان: باب اِفعال کا مصدر ہے، اصل میں اِدْتِهان تھا، تا کو دال کر کے دال میں مدغم کر دیا، دُھن سے ماخوذ ہے، بمعنی تیل لگانا۔ التطیّب: باب تفعّل کا مصدر ہے، خوشبو لگانا۔ رصاص: رانگ، سیسہ، ایک قسم کی دھات ہے۔ زجاج: شیشہ، کانچ۔ بلّور: ایک قسم کا شفاف پتھر ہے جیسے شیشہ۔ عقیق: سرخ رنگ کا قیمتی پتھر ہے جس کے نگینے اور تسبیح بنائے جاتے ہیں۔ مفضّض: باب تفعیل (تفضیض) کا اسم مفعول ہے، وہ چیز جس کو چاندی کی پالش اور نقش ونگار دیا گیا ہو۔

تشریح:

① کره لبن الأتان: گدھی کا دودھ پینا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا جو حکم گدھی کے گوشت کا ہوتا ہے وہ اس کے دودھ کا بھی ہوگا۔

② والأكل، والشرب، والادهان، والتطيّب... الخ: أي: كره الأكل، و... سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مرد اور عورت دونوں کیلئے مکروہ تحریمی ہے، حدیث میں ہے کہ جو شخص سونے اور چاندی کے برتن

میں پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔[بخاری] جب پینے کا عدمِ جواز ثابت ہوا تو دیگر ضروریات کیلئے استعمال کرنے کا بھی یہی حکم ہوگا۔اور کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ سونے چاندی کے برتن کو استعمال کرنا کفار اور عیش پرست لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا ہے، جو جائز نہیں ہے۔

❺ لا من رصاص، وزجاج، وبلور، وعقيق: اي: لا يكره الأكل من إناء رصاص... مسئلہ یہ ہے کہ رانگ، شیشے، بلور اور عقیق کے بنے ہوئے برتن میں کھانا پینا وغیرہ مکروہ نہیں ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے پیتل کے برتن سے وضوء فرمایا۔[بخاری] اور رانگ وغیرہ پیتل ہی کے حکم میں ہیں۔ نیز عیش پرست لوگ سونے اور چاندی کے برتنوں سے تو فخر کرتے ہیں، مگر رانگ اور شیشے وغیرہ دھاتوں کے برتنوں سے فخر کا رواج ان میں نہیں ہے۔

❻ وحلّ الشرب من إناء مفضّض، والركوب على ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ وہ برتن جس پر چاندی کا نقش و نگار بنایا گیا ہو اس میں کھانا پینا جائز ہے۔اور اسی طرح جس زین پر چاندی کا کام کیا گیا ہو اس پر سوار ہونا، اور جس کرسی پر چاندی لگائی گئی ہو اس پر بیٹھ جانا جائز ہے، بشرطیکہ چاندی کی جگہ سے بچے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے برتن، کرسی اور زین کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں چاندی کو استعمال کرنا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے، جیسے مسئلہ نمبر (۴) میں بیان ہوا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ برتن، زین اور کرسی اصل ہیں، اور چاندی کا نقش و نگار اس کا تابع ہے، اور شریعت میں اصل کا اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ تابع کا، لہٰذا استعمال کرنے میں اصل مقصود برتن، زین اور کرسی ہیں، نہ کہ چاندی کا نقش، اس لئے اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔①

یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ چاندی برتن وغیرہ سے الگ ہو سکتا ہے، اگر چاندی کی ایسی ملمع سازی اور پالش کی گئی ہو کہ برتن اور کرسی وغیرہ سے جدا ہونا ممکن نہ ہو تو بالاتفاق ایسے برتن، زین اور کرسی وغیرہ کو استعمال کرنا جائز ہے۔[بحر:۸/۳۸۱]

قول راجح:

اختلاف کی صورت میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ وفي البزازية: والصحيح قول أبي حنيفة. [ہندیہ:۵/۳۴۴]

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا پھر اس میں چاندی کا پیوند لگایا گیا۔[بخاری]

❼ ويتقي موضعَ الفضّة: مذکورہ صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک برتن، زین اور کرسی کو استعمال کرتے ہوئے چاندی کی جگہ سے بچے، اس جگہ کو منہ اور ہاتھ نہ لگائے، ورنہ استعمال کرنا مکروہ ہوگا، کیونکہ یہ براہ راست چاندی کو استعمال کرنا ہے۔

---

① کہتے ہیں کہ ابوجعفر الدوانقی کی مجلس میں امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء حاضر تھے، اسی مسئلے پر بحث شروع ہوئی، دیگر علماء نے کہا کہ ایسے برتن میں پانی پینا مکروہ ہے، امام صاحبؒ خاموش تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر خاص چاندی کی جگہ پر منہ رکھے تو مکروہ ہے، اور اگر چاندی کی جگہ سے بچے تو مکروہ نہیں ہے، ان فقہاء نے کہا کہ یہ حکم کہاں سے معلوم کیا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ کسی کی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی ہو اور وہ چلو بھر کر اس سے پانی پئے تو کیا یہ مکروہ ہوگا؟ اس پر تمام حاضرین خاموش رہے، اور ابوجعفر نے امام صاحبؒ کی حاضر جوابی پر تعجب کا اظہار کیا۔[بحر:۸/۳۴۲]

⑧ وَيُقْبَلُ قَوْلُ الْكَافِرِ فِي الْحِلِّ، وَالْحُرْمَةِ ⑨ وَالْمَمْلُوكِ، وَالصَّبِيِّ فِي الْهَدِيَّةِ، وَالْإِذْنِ ⑩ وَالْفَاسِقِ فِي الْمُعَامَلَاتِ ⑪ لَافِي الدِّيَانَاتِ ⑫ وَمَنْ دُعِيَ إِلَى وَلِيمَةٍ، وَثَمَّ لَعِبٌ، وَغِنَاءٌ: يَقْعُدُ وَيَأْكُلُ.

ترجمہ: اور قبول کیا جائے گا کافر کا قول حلال اور حرام ہونے میں۔ اور مملوک اور بچے کا (قول قبول ہوگا) ہدیہ اور اجازت میں۔ اور فاسق کا معاملات میں۔ نہ کہ دیانات میں۔ اور جس کو بلایا گیا ولیمہ کیلئے اور وہاں کھیل تماشا اور گانا ہو، تو بیٹھ جائے اور کھالے۔

تشریح:

⑧ **ویقبل قول الکافر في الحلّ، والحرمة:** پہلے یہ سمجھ لیں کہ کافر کا قول دیانات (دین کے مسائل اور شرعی احکام) میں قبول نہیں کیا جائے گا، اور معاملات (کاروبار اور لین دین) میں ضرورت کی وجہ سے اس کا قول قبول ہوگا، لہٰذا اگر کافر نے خبر دی کہ یہ چیز حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ پاک ہے، یہ ناپاک ہے تو اس کی یہ خبر قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس خبر کا تعلق دین سے ہے، اور اگر کافر نے خبر دی کہ میں نے یہ گوشت مسلمان کی دکان سے خریدا ہے تو اس کا یہ قول قبول ہوگا، کیونکہ خریدنا معاملات میں سے ہے۔

البتہ وہ حلال وحرام جو معاملات کے ضمن میں ہو اس میں کافر کا قول قبول ہوگا، مثلاً کافر نے خبر دی کہ میں نے یہ گوشت مسلمان کی دکان سے خریدا ہے، تو خریدنے میں اس کا قول قبول ہوگا، اور اس کے ضمن میں گوشت کا حلال ہونا بھی ثابت ہوجائے گا۔

مصنفؒ کی عبارت میں حلال وحرام سے مراد وہی ہے جو معاملات کے ضمن میں ہو۔[تکملة البحر:۳۴۲/۸]

علامہ زیلعیؒ نے فرمایا ہے کہ مصنفؒ کی عبارت صحیح نہیں ہے، کیونکہ کافر کا قول حلال وحرام میں قبول نہیں ہے۔[تبیین:۱۲/۶]

⑨ **والمملوک، والصبيّ في الهدية، والإذن:** أي یقبل قول المملوک.... مسئلہ یہ ہے کہ ہدیہ اور اجازت میں مملوک اور بچے کا قول قبول ہوگا، مثلاً غلام یا بچے نے کسی کو کوئی چیز دے کر کہا کہ یہ میرے مولیٰ یا میرے باپ نے تمہارے لئے ہدیہ بھیجا ہے، تو اس کا یہ قول قبول ہوگا اور ہدیہ کو قبول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ ہدیہ وغیرہ غلام اور بچے کے ہاتھ بھیجتے ہیں۔

اور اسی طرح اگر غلام یا بچے نے خبر دی کہ مجھے تجارت کی اجازت دی گئی ہے، تو اس کا یہ قول قبول ہوگا اور اس کے ساتھ لین دین کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ اگر اس کے قول کو قبول نہ کیا جائے تو لوگ بڑی مشکل میں پڑجائیں گے، کیونکہ غلام یا بچہ تجارت کرتے ہوئے ہر جگہ اپنی اجازت پر گواہ پیش نہیں کرسکتے، اور شریعت نے انسان سے مشکل اور تکلیف کو دفع کیا ہے۔

⑩ **والفاسقِ في المعاملات:** أي: یُقبل قولُ الفاسقِ.... معاملات میں فاسق آدمی کا قول قبول ہوگا، کیونکہ معاملات بکثرت لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں، اگر ان میں فاسق کا قول قبول نہ کیا جائے تو بڑا حرج لازم آئے گا، لہٰذا حرج کو دفع کرنے کی خاطر معاملات میں ایک آدمی کا قول قبول ہوگا، خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو، فاسق ہو یا عادل ہو، آزاد ہو یا غلام ہو، مرد ہو یا عورت ہو۔

⑪ لا في الديانات: أي لايقبل قول الفاسق في الديانات. دین کے احکام ومسائل میں فاسق کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ فاسق جھوٹ بولنے میں متہم ہے، خود احکام کی پابندی نہیں کرتا تو دوسرے پر بھی کوئی حکم لازم نہیں کرسکتا۔ کافر کا بھی یہی حکم ہے، اور دیانات معاملات کی طرح نہیں ہیں، لہٰذا دیانات میں فاسق اور کافر کا قول قبول نہ کرنے سے حرج لازم نہیں آتا۔

⑫ ومن دُعي إلى وليمة، وثَمّ لعب، وغناء: يقعد ويأكل: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو دعوتِ ولیمہ پر بلایا گیا اور وہاں کھیل تماشے، لہو ولعب اور گانے باجے ہوں، تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں بنتی ہیں:

﴿۱﴾......وہ شخص ایک عامی آدمی ہے، کوئی مشہور عالم اور مقتدیٰ شخص نہیں ہے، اور لہو ولعب اس کے حاضر ہونے کے بعد شروع ہوا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے تو اس فسق کو حکمت وسمجھداری کے ساتھ روکنے کی کوشش کرے، اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو وہاں سے واپس نہ جائے، بلکہ صبر کرکے بیٹھے رہے اور کھانا کھالے، کیونکہ دعوت قبول کرنا سنت ہے، لہٰذا اس کو کسی فسق وبدعت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔ متن کی عبارت میں اسی صورت کو ذکر کیا ہے۔

﴿۲﴾......وہ شخص کوئی عامی آدمی ہے، اور لہو ولعب اس کے حاضر ہونے سے پہلے شروع ہوا تھا، تو وہاں نہ جائے، اس لئے کہ جس دعوت میں فسق ہو اس کو قبول کرنا لازم نہیں ہے۔

﴿۳﴾......اگر وہ کوئی مشہور عالم اور دیندار مقتدیٰ شخص ہے تو خواہ لہو ولعب اس کے حاضر ہونے کے بعد شروع ہو جائے یا اس سے پہلے شروع ہو گیا ہے، دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ وہ اس فسق کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بیٹھ کر کھالے، اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو واپس چلا جائے، نہ بیٹھے اور نہ کھائے، کیونکہ اس میں دین کی بدنامی ہوگی، اور لوگ اس کو دیکھ کر اس فسق کو جائز سمجھنے لگیں گے۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي اللُّبْسِ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام اللّبس. یعنی یہ فصل پہننے کے احکام کے بیان میں ہے، کہ پہننے کی کونسی چیزیں ناجائز اور مکروہ ہیں اور کونسی جائز ہیں؟ مصنفؒ نے کھانے پینے کے احکام کے بعد پہننے کے احکام لائے، کیونکہ کھانے پینے کے بعد انسان کی بنیادی ضرورت لباس پہننا ہے۔ اس فصل میں چودہ (۱۴) مسائل ہیں۔

⑬ حَرُمَ لِلرَّجُلِ، لا لِلْمَرْأَةِ لُبْسُ الْحَرِيرِ ⑭ إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ ⑮ وَحَلَّ تَوَسُّدُهُ، وَافْتِرَاشُهُ ⑯ وَلُبْسُ مَا سَدَاهُ حَرِيرٌ، وَلَحْمَتُهُ قُطْنٌ، أَوْ خَزٌّ ⑰ وَعَكْسُهُ حَلَّ فِي

الْحَرْبِ فَقَطْ⑱ لا يَتَحَلَّى الرَّجُلُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ⑲ إِلَّا بِالْخَاتَمِ، وَالْمِنْطَقَةِ، وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ⑳ وَالْأَفْضَلُ لِغَيْرِ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِي تَرْكُ التَّخَتُّمِ.

ترجمہ: حرام ہے مرد کیلئے، نہ کہ عورت کیلئے، ریشم پہننا۔ مگر چار انگلیوں کے بقدر۔ اور حلال ہے ریشم کا تکیہ بنانا، اور اس کو بچھانا۔ اور اس کپڑے کا پہننا جس کا تانا ریشم ہو اور اس کا بانا روئی یا اون ہو۔ اور اس کے برعکس حلال ہے صرف لڑائی میں۔ اور مرد زیور نہ پہنے سونے اور چاندی کے۔ سوائے انگوٹھی، کمر بند اور تلوار کے زیور کے چاندی سے۔ اور بادشاہ اور قاضی کے غیر کیلئے افضل ہے انگوٹھی پہننے کو چھوڑ دینا۔

لغات:

توسّد: باب تفعّل ہے، کسی چیز پر ٹیک لگانا، سر کے نیچے کوئی چیز رکھنا۔ سدیٰ: کپڑے کا تانا، کپڑے کے وہ تاگے جو لمبائی میں ہوں۔ لحمة: بانا، کپڑے کے وہ تاگے جو چوڑائی میں ہوں۔ قطن: روئی۔ خزّ: اون۔ یتحلّی: باب تفعّل کا مضارع ہے، زیور پہننا، آراستہ ہونا۔ المنطقة: کمر بند، کمر پر باندھا جانے والا پٹکا۔ حلية: زیور۔ التختّم: باب تفعّل ہے، انگوٹھی پہننا۔

تشریح:

⑬ حرم للرجل، لا للمرأة لبس الحرير: ریشم کا بنا ہوا کپڑا مردوں کیلئے پہننا حرام ہے، اور عورتوں کیلئے جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ریشم اور سونا میری امت کے مردوں کیلئے حرام ہیں اور عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ [أبوداؤد]

⑭ إلّا قدر أربعة أصابع: یہ ماقبل سے استثناء ہے، حاصل یہ ہے کہ مگر چار انگلیوں کے بقدر ریشم استعمال کرنا مردوں کیلئے بھی حلال ہے، تاکہ کم از کم ریشم کا نمونہ انسان کے ذہن میں موجود ہو، اور جنت کے ریشمی لباس حاصل کرنے کا شوق ہو، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر۔ [مسلم]

⑮ وحلّ توسّده، وافتراشه: ریشم سے تکیہ بنا کر اس پر ٹیک لگانا اور ریشمی کپڑا بچھا کر اس پر اٹھنا بیٹھنا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک ریشم کا تکیہ اور بچھونا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہیں۔ ان کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جن میں مطلقاً ریشم استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس لئے بھی کہ ریشم استعمال کرنا متکبر دل، عیش پرستوں اور عجم کے حکمرانوں کی عادت ہے، اور ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل وہ روایات ہے جس میں آپ ﷺ کا ریشمی تکیہ پر ٹیک لگانے کی صراحت ہے۔ [ہدایہ] اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے بستر پر ریشم کا تکیہ تھا۔ [أيضاً]

⑯ ولبس ماسداه حرير، ولحمته قطن، أو خزّ: أي: حلّ لبس ما... مسئلہ یہ ہے جس کپڑے کا تانا ریشم

کا ہو، اور بانا روئی یا اون کا ہو تو اس کا پہننا جائز ہے، اس لئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا کپڑا پہننا ثابت ہے۔ [رمز: ۲/۲۷۶]
اور اس لئے بھی کہ کپڑا بنائی کی وجہ سے کپڑا بنتا ہے، اور بُنائی بانے سے ہوتی ہے، لہٰذا کپڑے میں اصل اعتبار بانے کا ہوگا، اور یہاں چونکہ بانا روئی یا اون کا ہے، لہٰذا اس کا پہننا جائز ہوگا۔

⑰ **وعكسه حلّ في الحرب فقط:** یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر کپڑے کا تانا روئی یا اون کا ہو، اور بانا ریشم کا ہو تو صرف میدانِ جہاد میں اس کا پہننا جائز ہے، کیونکہ وہاں اس کی ضرورت ہے، ایک تو اس پر تلوار پھسل جاتی ہے، اور دوسرے یہ کہ دشمن پر اس کا رعب پڑتا ہے، لڑائی کے علاوہ عام حالات میں ایسے کپڑے کا پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا بانا ریشم کا ہے، اور کپڑے میں اصل اعتبار بانے کا ہے، لہٰذا یہ خالص ریشمی کپڑے کے حکم میں ہوا۔

⑱ **ولا يتحلّى الرجل بالذهب، والفضة:** مرد سونے اور چاندی کے زیور پہن کر زینت اختیار نہ کرے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریشم اور سونا میری امت کے مردوں کیلئے حرام ہیں۔ [ابوداؤد] اس میں اگرچہ صرف سونے کا ذکر ہے، مگر چاندی کا حکم بھی یہی ہے، کیونکہ دونوں ثمن خلقی ہیں، اور دونوں کو زیور کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

⑲ **إلّا بالخاتم، والمنطقة، وحلية السيف من الفضة:** یہ ماقبل سے استثناء ہے، حاصل یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ [بخاری] نیز اگر چاندی کمر بند یا تلوار پر لگی ہوئی ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مسئلہ نمبر (۱۴) میں گزر چکا کہ نمونہ کیلئے تھوڑے سے ریشم کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور اسی حکمت کے پیش نظر انگوٹھی، کمر بند اور تلوار میں لگی ہوئی چاندی کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

⑳ **والأفضل لغير السلطان والقاضي ترك التختّم:** مسئلہ یہ ہے کہ مردوں کیلئے اگرچہ چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، مگر قاضی اور بادشاہ کے علاوہ عام لوگوں کیلئے افضل یہ ہے کہ اس کو استعمال نہ کریں، کیونکہ ان کو ضرورت نہیں ہے، البتہ بادشاہ اور قاضی کیلئے مہر لگانے کی ضرورت ہے، اس لئے وہ استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر آج کل ان کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔

> ㉑ وَحَرُمَ التَّخَتُّمُ بِالْحَجَرِ، وَالْحَدِيْدِ، وَالصُّفْرِ، وَالذَّهَبِ ㉒ وَحَلَّ مِسْمَارُ الذَّهَبِ يُجْعَلُ فِي جُحْرِ الْفَصِّ ㉓ وَشَدُّ السِّنِّ بِالْفِضَّةِ، لَا بِالذَّهَبِ ㉔ وَكُرِهَ إِلْبَاسُ ذَهَبٍ وَحَرِيْرٍ صَبِيًّا ㉕ لَا الْخِرْقَةُ لِوُضُوْءٍ، وَمُخَاطٍ ㉖ وَالرَّتَمُ.

ترجمہ: اور حرام ہے انگوٹھی پہننا پتھر، لوہے، پیتل اور سونے کی۔ اور حلال ہے سونے کی کیل کہ لگائی جائے نگینے کے سوراخ میں۔ اور دانت کو باندھنا چاندی سے، نہ کہ سونے سے۔ اور مکروہ ہے سونا اور ریشم پہنانا بچے کو۔ نہ کہ رومال وضو اور ریزش (صاف کرنے کیلئے۔ اور انگلی پر باندھا جانے والا دھاگا۔

لغات:

الصفر: پیتل۔مسمار: میخ،کیل۔جحر: سوراخ۔الفص: نگینہ۔إلباس: اِفعال کامصدر ہے، دوسرے کو پہنانا۔
الخرقة: کپڑے کاٹکڑا، رومال۔مخاط: ناک کی ریزش، رینٹ۔الرتم: وہ دھاگا جس کو یادداشت کیلئے انگلی پر باندھا جاتا ہے۔

تشریح:

(۲۱) وحرم التختّم بالحجر، والحديد، والصفر ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں① دونوں کیلئے پتھر، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، اور سونے کی انگوٹھی مردوں کیلئے حرام ہے۔ پتھر، لوہا اور پیتل تینوں سے بت بنائے جاتے ہیں، لہٰذا ان کو استعمال کرنا بت پرستوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی پر پیتل کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے کہ تمہارے جسم پر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ [أبوداود] دوسرے شخص پر لوہے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے کہ تمہارے اوپر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ [ترمذی]۔ اور مردوں کیلئے سونے کا حکم مسئلے نمبر (۱۸) میں بیان ہوا۔

مسئلہ:

آج کل چین والی گھڑی لوہے اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوتی ہے، لہٰذا اس کو باندھنے کی دو صورتیں ہیں: ① اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو جیسے زینت کیلئے لوگ باندھتے ہیں۔ ② بذات خود مقصود نہ ہو، بلکہ وقت معلوم کرنے کی غرض سے باندھی جائے۔ پہلی صورت میں باندھنا ناجائز ہے، اور دوسری صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔ كذا في أحسن الفتاوى: ۸/۲۱۳

(۲۲) وحلّ مسمار الذهب يجعل في جحر الفصّ: انگوٹھی کے نگینے کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانا جائز ہے، کیونکہ وہ انگوٹھی اور نگینے کا تابع ہے، مقصود بالذات نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر گھڑی میں تھوڑا سا سونا لگا ہوا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(۲۳) شدّ السنّ بالفضة، لا بالذهب: أي: حلّ شدّ السنّ... مسئلہ یہ ہے کہ دانت کو چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے، نہ کہ سونے کے تار سے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک سونے اور چاندی دونوں سے باندھنا جائز ہے، دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ میں کٹ گئی تھی، تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوالی، مگر وہ بدبو کرنے لگی، پھر آپ ﷺ نے انہیں سونے کی ناک لگانے کا فرمایا۔ [أبوداود] تو جب ناک میں سونا لگانا جائز ہے تو دانتوں میں بھی جائز ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ وہ مردوں کیلئے حرام ہے، اور جواز کا حکم ضرورت کی وجہ سے ہوگا، اور جہاں ضرورت چاندی سے پوری ہو جائے تو سونا استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ضرورت چاندی سے پوری نہ ہوئی اس لئے آپ ﷺ نے ان کو سونا استعمال کرنے کا فرمایا۔

(۲۴) وكره إلباس ذهب، وحرير صبيا: مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکوں کو ریشم اور سونا پہنانا مکروہ تحریمی ہے، اس

① حاشیہ اعزاز علی: ۲/۴۳۷

لئے کہ مردوں کیلئے پہننا حرام ہے تو پہنانا بھی حرام ہوگا، جیسے شراب پینا حرام ہے تو پلانا بھی حرام ہے۔

۵۵ لا الخرقة لوضوء، ومخاط: أي: لا تكره الخرقة. وضو کا پانی خشک کرنے اور ناک کی ریزش صاف کرنے یا پسینہ خشک کرنے کیلئے رومال ساتھ رکھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یہ ضرورت ہے، اور ضرورت کی خاطر رومال ساتھ رکھنے اور استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اگر تکبر اور غرور کے طور پر اپنے پاس رومال رکھتا ہے، تو یہ مکروہ ہے۔ [ہدایہ]

۵۶ والرتم: أي: لا يكره الرتم. کسی چیز کو یاد رکھنے کیلئے انگلی میں دھاگا باندھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں جائز اور صحیح مقصد ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح دھاگا باندھنے کا حکم دیا تھا۔ [تبیین: ۶/۱۷]

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي النَّظَرِ وَاللَّمْسِ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام النظر واللمس. یعنی یہ فصل دیکھنے اور چھونے کے احکام کے بیان میں ہے۔ کس چیز کو دیکھنا جائز ہے اور کس کو نا جائز اور مکروہ ہے؟ اور کس چیز کو ہاتھ لگانا جائز ہے اور کس چیز کو نا جائز ہے؟ اس فصل میں انہی احکام سے متعلق سترہ (۱۷) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

۵۷ لَا يَنْظُرُ إِلَى غَيْرِ وَجْهِ الْحُرَّةِ وَكَفَّيْهَا ۵۸ وَلَا يَنْظُرُ مَنِ اشْتَهَى إِلَى وَجْهِهَا ۵۹ إِلَّا الْحَاكِمُ، وَالشَّاهِدُ ۶۰ وَيَنْظُرُ الطَّبِيبُ إِلَى مَوْضِعِ مَرَضِهَا ۶۱ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ، إِلَّا الْعَوْرَةَ ۶۲ وَالْمَرْأَةُ لِلْمَرْأَةِ، وَالرَّجُلِ كَالرَّجُلِ لِلرَّجُلِ ۶۳ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى فَرْجِ أَمَتِهِ، وَزَوْجَتِهِ ۶۴ وَوَجْهِ مَحْرَمَتِهِ، وَرَأْسِهَا، وَصَدْرِهَا، وَسَاقَيْهَا، وَعَضُدَيْهَا ۶۵ لَا إِلَى ظَهْرِهَا، وَبَطْنِهَا، وَفَخِذِهَا.

ترجمہ: اور نہ دیکھے آزاد عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کو۔ اور جس کو شہوت ہو وہ نہ دیکھے آزاد عورت کے چہرہ کو، سوائے حاکم اور گواہ کے۔ اور طبیب دیکھ سکتا ہے اس کی بیماری کی جگہ کو۔ اور دیکھ سکتا ہے مرد مرد کو سوائے ستر کے۔ اور عورت (کا دیکھنا) عورت کو اور مرد کو جیسے مرد کا مرد کو (دیکھنا)۔ اور مرد دیکھ سکتا ہے اپنی باندی اور بیوی کے فرج کو۔ اور اپنی محرمہ کے چہرہ، اس کے سر، اس کے سینہ، اس کی پنڈلیوں اور اس کے بازوؤں کو۔ نہ کہ اس کی پیٹھ، اس کے پیٹ اور اس کی ران کو۔

تشریح:

⑫ لا ينظر إلى غير وجه الحرّة و كفيها: مسئلہ یہ ہے کہ مرد کسی آزاد اجنبیہ عورت کے بدن کو نہ دیکھے، سوائے اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے، آیت کریمہ میں ہے: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا. [نور:۳۰] اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے''۔ «زِيْنَة» سے مراد عورت کے جسم کے وہ اعضاء ہیں جن پر زیور یا خوبصورت کپڑے پہنے جاتے ہیں، اور «مَا ظَهَرَ» (جو خود ہی ظاہر ہو جائے) سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔ یہ تفسیر حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

بعض اوقات عورت کو ضرورت پڑتی ہے کہ مردوں کے ساتھ لین دین اور معاملہ کرے، اس لئے ضرورت کے وقت چہرہ اور ہتھیلیاں کھل ہی جاتے ہیں، لہٰذا ان کو دیکھنا جائز ہے۔

⑬ ولا ينظر من اشتهى إلى وجهها: «ها» کا مرجع حرّة ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آزاد عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز تو ہے، لیکن جس کو شہوت ہونے اور فتنہ میں پڑنے کا خطرہ ہو وہ آزاد عورت کے چہرہ کو نہ دیکھے، حدیث میں ہے کہ اجنبیہ عورت کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ [بخاری] یہ حدیث چہرہ اور سارے جسم کو شامل ہے۔

آج کل خواہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں عورت کا چہرہ چھپانا واجب ہے، اور مرد کیلئے دیکھنا جائز نہیں ہے۔

شرعی پردہ (حجاب) کے درجے:

شرعی پردہ یعنی عورت کیلئے حجاب کے تین درجے ہیں، اور تینوں کا حکم قرآن سے ثابت ہے، اور ان پر مختلف حالات و اوقات میں عمل کرنا بھی جائز ہے۔ ان درجات کی تفصیل یہ ہے:

① پردہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ عورت کا اپنے گھر کی چاردیواری یا ہودج (آج کی گاڑی) وغیرہ میں اس طرح چھپا رہنا کہ اس کے جسم، اس کے لباس، اس کی ظاہری اور چھپی زینت کا کوئی حصہ اجنبی مرد کو نظر نہ آئے۔ اس درجہ پردہ کا حکم قرآن کریم کی آیت اس آیت میں ہے: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ. [لأحزاب:۳۳] ''اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ گھر عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ. [لأحزاب:۵۳] ''اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو''۔

② بعض اوقات عورت اپنی جائز حاجت وضرورت کی خاطر گھر سے باہر نکلتی ہے، تو ایسے وقت میں حجاب کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سارے جسم کو برقع یا چادر کے ذریعے ایسا چھپائے کہ اس کا چہرہ، ہاتھ پاؤں، لباس اور زینت کا کوئی حصہ اجنبی مرد کو نظر نہ آئے۔ اس درجہ کا حکم اس آیت میں ہے: قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ. [لأحزاب:۵۹] ''تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں''۔ جَلَابِيْب جمع ہے جِلْبَاب کی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جلباب وہ چادر ہے جس میں

عورت کا سر سے لے کر پاؤں تک سارا بدن حتی کہ چہرہ بھی چھپ جائے ،صرف آنکھیں کھلی رہے۔

۳ بعض اوقات عورت کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے نکل کر لین دین اور گھر سے باہر کام کرتی ہے، ایسے وقت میں حجاب کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا سارا جسم سر سے لے کر پاؤں تک چھپا ہوا ہو، مگر چہرہ اور ہتھیلیاں ظاہر ہوں، ضرورت کے وقت ایسا کرنا بھی جائز ہے، اور یہ بھی شرعی پردہ ہے، ایسی حالت میں عورتوں کیلئے قرآن کا حکم ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا. [نور:۳۱] ''اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے''۔ اکثر حضرات مفسرینؒ نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر چہرہ اور ہتھیلیوں سے کی ہے۔

اور عورت کی ایسی حالت میں مردوں کیلئے بھی حکم ہے کہ: قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ. [نور:۳۰] ''مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کیلئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ گھر پر رہے، بلاضرورت گھر سے نہ نکلے، اگر کسی وقت بوجہ مجبوری نکلنا ہی پڑے تو اپنے سارے جسم حتی کہ چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو بھی چھپائے، اور بعض اوقات شدید ضرورت کی وجہ سے چہرہ اور ہتھیلیاں ظاہر کر سکتی ہے، مگر ایسے وقت میں بھی نگاہ نیچی رکھنے اور شرم وحیاء کا خیال رکھے۔ پوری تفصیل کیلئے دیکھیں فقہی مقالات: ۴/۲۴۲

۲۰ إلَّا الحاكمُ، والشاهدُ: یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو آزاد عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، مگر قاضی اور گواہ اس اندیشہ کے باوجود دیکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ قاضی فیصلہ کرتے ہوئے اور گواہ گواہی دیتے ہوئے دیکھنے میں مجبور ہیں، اس کے بغیر فیصلہ اور گواہی نہیں ہو سکتے، جس کی وجہ سے لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

۲۱ وينظر الطبيب إلى موضع مرضها: طبیب کیلئے جائز ہے کہ عورت کے بدن میں جس جگہ بیماری ہے اس کو دیکھے، اس میں ضرورت ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ طبیب کسی عورت کو علاج کا طریقہ بتائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت کے تمام جسم کو چھپا دیا جائے، صرف بیماری کی جگہ کو کھلا رکھا جائے، اور پھر طبیب اپنی نگاہ نیچی رکھتے ہوئے صرف مرض کی جگہ کو دیکھ کر علاج کرے۔

۲۲ وينظر الرجلُ إلى الرجل إلَّا العورة: ایک مرد دوسرے مرد کے سارے جسم کو دیکھ سکتا ہے، سوائے ستر کے، اس کو دیکھنا حرام ہے۔ مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لے کر زانو کے نیچے تک ہے، یعنی ناف ستر میں شامل نہیں ہے اور گھٹنے شامل ہیں۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں، کہ ناف ستر میں شامل ہے اور گھٹنے شامل نہیں ہیں۔ دلائل کتاب الصلاة/ باب شروط الصلاة مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہو گئے ہیں۔

۲۳ والمرأةُ للمرأة والرجلِ كالرجل للرجل: مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کو اور مرد کو اس طرح دیکھ سکتی ہے جس طرح ایک مرد دوسرے مرد کو دیکھتا ہے۔ یہاں دو باتیں ہیں: ⊙ ایک عورت دوسری عورت کے سارے جسم کو دیکھ سکتی

ہے سوائے ستر کے، اس لئے کہ عورت اور عورت کی جنس ایک ہے، اور اپنی جنس کو دیکھنے میں غالباً شہوت نہیں ہوتی، لہٰذا سارے جسم کو دیکھنا جائز ہے سوائے ستر کے، جیسے ایک مرد دوسرے مرد کو دیکھ سکتا ہے۔ ⊙ دوسری بات یہ ہے کہ عورت اجنبی مرد کے سارے جسم کو دیکھ سکتی ہے سوائے ستر کے، جیسے ایک مرد دوسرے مرد کو دیکھتا ہے، کیونکہ وہ چیز جو ستر نہیں ہے، جیسے ہاتھ، پاؤں، سر وغیرہ، اس کے دیکھنے میں مرد اور عورت برابر ہیں، لہٰذا ایک مرد دوسرے مرد کے جن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے، عورت بھی ان اعضاء کو دیکھ سکتی ہے۔

٦٣ وينظر الرّجل إلى فرج أمته، وزوجته: مسئلہ یہ ہے کہ مرد اپنی حلال باندی اور بیوی کی شرمگاہ کو دیکھ سکتا ہے۔ جب شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے تو سارے جسم کو دیکھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نگاہ نیچی رکھو سوائے اپنی باندی اور بیوی کے۔ [ترمذی] مگر اولیٰ وبہتر یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھیں، حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو جتنا ہو سکے پردہ کرے، اور جانوروں کی طرح بالکل ننگے نہ ہوں۔ [ابن ماجۃ]

کہتے ہیں کہ شرمگاہ کو دیکھنے سے نسیان (بھول، حافظہ کمزور ہونے) کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

٦٤ ووجه محرمته، ورأسها، وصدرها، وساقيها، وعضديها: أي: وينظر الرجلُ إلى وجه.... اپنی محرمہ عورت، جیسی ماں، بہن، خالہ، عمہ وغیرہ کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھنا جائز ہے، آیت کریمہ میں ہے: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ. [نور:۳۱] ''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کیلئے یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں یا ان کیلئے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں، یا ان خدمت گزاروں کیلئے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہے، یا ان بچوں کیلئے جو اپنی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے''۔

زِيْنَة سے زینت کی جگہیں مراد ہیں، جن میں عام طور پر زیور پہنے جاتے ہیں جیسے چہرہ، گردن، سینہ بازو وغیرہ۔

لوگ اپنی محارم عورتوں کے پاس بلا تکلف آتے جاتے ہیں، اور عورتیں عادتاً گھر کا کام کاج کرتی رہتی ہیں، لہٰذا اگر مذکورہ اعضاء کو دیکھنا حرام قرار دیا جائے تو بڑے حرج اور مشکل میں لوگ پڑ جائیں گے، اور شریعت میں انسانوں سے تکلیف دور کردی گئی ہے۔

٦٥ لا إلى ظهرها، وبطنها، وفخذها: أي: لاينظر إلى ظهر محرمته، و.... مسئلہ یہ ہے کہ اپنی محرمہ عورت کی پیٹھ، پیٹ اور ران کو دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ آیت میں زِيْنَة یعنی زینت کی جگہوں کو ظاہر کرنا اور ان کو دیکھنا جائز قرار دیا گیا ہے، اور پیٹھ، پیٹ اور ران زینت کی جگہیں نہیں ہیں، ان جگہوں میں زیور نہیں پہنے جاتے، لہٰذا یہ زِيْنَة میں داخل نہیں ہوں گے، اس لئے نہ تو ان جگہوں کا ظاہر کرنا جائز ہے، اور نہ ان کو دیکھنا جائز ہوگا۔

۶۶ وَيَمَسُّ مَا حَلَّ النَّظَرُ إِلَيْهِ ۶۷ وَأَمَةُ غَيْرِهِ كَمَحْرَمَةٍ ۶۸ وَلَهُ مَسُّ ذٰلِكَ إِذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ وَإِنِ اشْتَهٰى ۶۹ وَلَا تُعْرَضُ الْأَمَةُ إِذَا بَلَغَتْ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ ۷۰ وَالْخَصِيُّ، وَالْمَجْبُوبُ، وَالْمُخَنَّثُ كَالْفَحْلِ ۷۱ وَعَبْدُهَا كَالْأَجْنَبِيِّ ۷۲ وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِلَا إِذْنِهَا ۷۳ وَعَنْ زَوْجَتِهِ بِإِذْنِهَا.

ترجمہ: اور ہاتھ لگا سکتا ہے اس جگہ کو جس کو دیکھنا جائز ہے۔ اور دوسرے کی باندی محرمہ عورت کی طرح ہے۔ اور اس کیلئے (جائز) ہے اس جگہ کو ہاتھ لگانا جب خریدنے کا ارادہ کرے، اگر چہ شہوت ہوتی ہو۔ اور باندی کو پیش نہیں کیا جائے گا جب بالغہ ہو جائے ایک تہبند میں۔ اور خصی، ذکر کٹا اور مخنث مرد کی طرح ہیں۔ اور عورت کا غلام جیسے اجنبی شخص۔ اور عزل کر سکتا ہے اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر۔ اور اپنی بیوی سے اس کی اجازت سے۔

تشریح:

۶۶ **ويمسّ ما حلّ النظر إليه:** مسئلہ یہ ہے کہ مردوں اور اپنی محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو ہاتھ لگانا بھی جائز ہوگا، کیونکہ معاملات، لین دین اور سفر میں بعض اوقات اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے، اور شہوت کا اندیشہ کم ہوتا ہے، اس لئے ہاتھ لگانا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سر کا بوسہ لیتے تھے، اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر ان کا بوسہ لیتے اور معانقہ فرماتے۔ [رمز الحقائق: ۲/۳۷۹] اس کے برخلاف اجنبیہ عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے مگر اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کامل طور پر شہوت موجود ہے۔ [تکملۂ بحر: ۸/۳۵۶]

۶۷ **وأمة غيره كمحرمة:** دوسرے کی باندی اپنی محرمہ عورت کے حکم میں ہے، لہٰذا اپنی محرمہ عورت کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے غیر کی باندی کے بھی ان اعضاء کو دیکھنا جائز ہوگا، کیونکہ باندی مولیٰ کی خدمت میں باہر نکلتی ہے، اور کام کاج کے کپڑوں میں ہوتی ہے، لہٰذا سہولت کی خاطر وہ تمام لوگوں کی نظر میں محرمہ (ماں، بہن وغیرہ) عورت کی طرح ہوئی۔ اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسرے کی باندی کو انسان اپنی بہن سمجھ کر دیکھے، یہ شریعت کی طرف سے سہولت و آسانی بھی ہے، اور انسان کی اپنی شرافت بھی ہے۔

۶۸ **وله مسّ ذلك إذا أراد الشراء وإن اشتهى:** ذلک کا مشار الیہ المذکور ہے، اس سے مراد محرمہ عورت اور باندی کے وہ مذکورہ اعضاء ہیں جن کو دیکھنا جائز ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر باندی خریدنا چاہتا ہو تو جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو ہاتھ لگانا بھی جائز ہوگا، اگر چہ شہوت ہوتی ہو، کیونکہ خریدنا ایک عذر ہے، اور مبیع (باندی) کو اچھی طرح معلوم کرنے کیلئے اس کو ہاتھ لگانا ضروری ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شہوت ہونے کی حالت میں ضرورت کی وجہ سے دیکھنا تو جائز ہے، مگر ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ دوسرے کی باندی سے استمتاع (مزہ لینا) ہے، اور یہ ناجائز ہے۔ [ہدایہ]

۲۹ ولا تعرض الأمة إذا بلغت في إزار واحد: مسئلہ یہ ہے کہ باندی جب بالغہ ہوجائے تو اس کو لوگوں کے سامنے صرف تہبند پہنا کر پیش نہ کیا جائے، بلکہ قمیص اور تہبند دونوں پہنائے جائیں، کیونکہ پہلے بتایا گیا کہ دوسرے کی باندی اپنی محرمہ عورت کے حکم میں ہے، اور اپنی محرمہ کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، تو غیر کی باندی کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

۳۰ والخصي، والمجبوب، والمخنث كالفحل: مسئلہ یہ ہے کہ خصی، ذکر کٹا اور مخنث (بدکار ہیجڑا) تندرست مرد کی طرح ہیں، لہٰذا تندرست مرد کیلئے عورت کے جن اعضاء کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے خصی، مجبوب اور مخنث کیلئے بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ خصی اور مجبوب کو بھی بعض اوقات شہوت ہوجاتی ہے، اور مخنث تو ہے ہی فاسق، جس سے پردہ کرنا ضروری ہے، لہٰذا یہ سب صحتمند مرد کے حکم میں ہوئے اور سب سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

۳۱ وعبدها كالأجنبي: عورت کا اپنا غلام اجنبی مرد کی طرح ہے، لہٰذا ایک اجنبی شخص عورت کے جن اعضاء (چہرہ اور ہاتھ) کو دیکھ سکتا ہے غلام بھی اپنی مالکہ کے انہی اعضاء کو دیکھ سکتا ہے، باقی جسم کو دیکھنا حرام ہے، کیونکہ غلام بھی مرد ہے، اپنی مالکہ کا نہ محرم ہے اور نہ شوہر ہے، اور شہوت بھی کامل طور پر موجود ہے، لہٰذا بالکل اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کا اپنا غلام اس کے محرم مرد کے حکم میں ہے۔

۳۲ ويعزل عن أمته بلا إذنها: مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ اگر اپنی باندی سے وطی کرنا چاہے تو وہ باندی سے اجازت لئے بغیر عزل کرسکتا ہے، یعنی انزال کے وقت ذکر کو نکال کر منی کو باہر گراسکتا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے باندی کے مولیٰ سے کہا: اِعْزِلْ عنها إن شئت. [ابن ماجہ] ''اگر تو چاہو تو عزل کرسکتے ہو'' اور اس لئے بھی کہ وطی شہوت پوری کرنے اور اولاد حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے، اور اس میں باندی کا کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا مولیٰ کی مرضی ہے کہ وطی کرے یا نہ کرے، اندر انزال کرے یا باہر کرے۔

۳۳ وعن زوجته بإذنها: أي: يعزل عن زوجته بإذنها. یعنی شوہر اگر اپنی بیوی سے عزل کرنا چاہے تو بیوی کی اجازت سے کرے، اس کے بغیر نہیں کرسکتا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔ [ابن ماجہ] کیونکہ وطی آزاد عورت کا حق ہے، کہ وہ اپنی شہوت پوری کرے، اور اولاد کی نعمت حاصل کرے، اور عورت کو یہ حق اسی وقت ملے گا کہ انزال اندر ہوجائے، لہٰذا شوہر اس کی اجازت کے بغیر عزل کرکے باہر انزال نہیں کرسکتا، ورنہ عورت کا حق ضائع ہوجائے گا۔ عزل کے حکم کے بارے میں فائدہ كتاب النكاح/باب نكاح الرقيق مسئلہ نمبر (۱۳) میں بیان ہوگیا ہے۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الْاِسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِهٖ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام الاستبراء وغيره. یعنی یہ فصل استبراء وغیرہ کے احکام کے بیان میں ہے۔استبراء باب استفعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: صفائی طلب کرنا۔فقہ کی اصطلاح میں استبراء یہ ہے کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ عورت کا رحم حمل سے پاک ہے، یعنی عورت سے اس وقت تک وطی نہ کرے جب تک اس کے رحم کے پاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔

استبراء کے تین طریقے ہیں: (۱) استبراء اکثر اوقات حیض سے ہوتا ہے، جب عورت کو حیض آجائے تو اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا رحم حمل سے پاک ہے۔(۲) وضع حمل سے بھی استبراء ہوجاتا ہے، جب عورت بچہ جن لے تو اس کے رحم کے پاک ہونے کا یقین ہوگیا۔(۳) لمبی مدت تک انتظار کرنے سے بھی استبراء ہوجاتا ہے، یعنی لمبی مدت تک عورت سے نہ وطی ہوئی، نہ اُسے حیض آیا اور نہ اس نے بچہ جنا تو اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا رحم حمل سے پاک ہے۔

استبراء کی حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ ایک عورت کے رحم میں دو آدمیوں کا نطفہ جمع نہ ہوجائے اور انسان کی نسل مخلوط ہونے سے محفوظ رہے۔وغیرہ سے مراد بوسہ لینا، مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا ہے۔مصنف نے اس فصل میں چار (۴) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

﴿۶۲﴾ مَنْ مَلَكَ أَمَةً: حَرُمَ وَطْؤُهَا، وَلَمْسُهَا، وَالنَّظَرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَ ﴿۶۳﴾ لَهُ أَمَتَانِ أُخْتَانِ، قَبَّلَهُمَا بِشَهْوَةٍ: حَرُمَ وَطْءُ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا، وَ دَوَاعِيهِ حَتّٰى يُحَرِّمَ فَرْجَ الْأُخْرٰى بِمِلْكٍ، أَوْ نِكَاحٍ، أَوْ عِتْقٍ ﴿۶۴﴾ وَكُرِهَ تَقْبِيلُ الرَّجُلِ، وَمُعَانَقَتُهُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ: جَازَ، كَالْمُصَافَحَةِ.

ترجمہ: جو شخص مالک ہوا باندی کا تو حرام ہے اس سے وطی کرنا، اُسے ہاتھ لگانا اور اس کے فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھنا، یہاں تک کہ استبراء کرے۔اس کی دو باندیاں ہیں بہنیں، دونوں کا بوسہ لیا شہوت کے ساتھ، تو حرام ہے ان میں سے ایک سے وطی کرنا اور اس کے اسباب، یہاں تک کہ حرام کردے دوسری کا فرج ملک یا نکاح یا آزادی کے ذریعے۔اور مکروہ ہے مرد کا بوسہ لینا اور اس سے گلے ملنا ایک تہبند میں۔اور اگر اس پر قمیص ہو تو جائز ہے جیسے مصافحہ کرنا۔

تشریح:

﴿۶۲﴾ من ملك أمة: حرم وطؤها.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص باندی کا مالک ہوا اس کیلئے اس سے وطی کرنا، اُسے ہاتھ لگانا اور شہوت کے ساتھ اس کے فرج کو دیکھنا حرام ہے، یہاں تک کہ استبراء کرلے، حدیث میں ہے کہ اوطاس کی لڑائی میں

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ باندیاں آئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حاملہ باندی سے کوئی وطی نہ کرے یہاں تک کہ بچہ جنے اور نہ غیر حاملہ سے یہاں تک کہ ایک حیض کے ذریعے استبراء کریں۔[أبوداؤد]

⑮ له أمتان أختان قبّلهما بشهوة: حرم ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کی ملک میں دو باندیاں ہیں جو آپس میں بہنیں ہیں، اس نے شہوت کے ساتھ دونوں کا بوسہ لیا تو اس پر دونوں سے وطی کرنا اور وطی کے اسباب (بوسہ وغیرہ) اختیار کرنا حرام ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے ایک کو اپنے اوپر حرام نہ کردے، حرام کرنے کے تین طریقے ہیں: یا تو ملک سے نکال بیچ دے، یا کسی سے نکاح کرادے، یا آزاد کردے، جب ایک باندی کو کسی ایک طریقہ سے اپنے اوپر حرام کردیا اس کے بعد دوسری سے وطی وغیرہ کرسکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ جب دونوں باندیوں کا شہوت کے ساتھ بوسہ لے لیا تو دو بہنوں کو جمع کیا، حالانکہ دو بہنوں کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے①، آیت کریمہ میں ہے: وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ. [نساء:۲۳] ''اور (حرام ہے) یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو''۔ اب اس کے بعد اگر کسی ایک باندی سے وطی کرے تو یہ اُسی سابقہ جمع کا تسلسل ہے، جو جائز نہیں ہے، مگر جب ایک باندی کو اپنے اوپر حرام کردیا اس کے بعد دوسری سے وطی کرے تو یہ جمع نہیں ہے، للہٰذا جائز ہے۔

⑯ و كره تقبيل الرجل، ومعانقته في إزار واحد: مسئلہ یہ ہے کہ مرد کیلئے مکروہ تحریمی ہے کہ دوسرے مرد کے منہ یا ہاتھ یا بدن کے کسی بھی حصہ کا بوسہ لے، اور اسی طرح اگر صرف ازار پہنے ہوئے ہوں، باقی بدن ننگا ہو تو گلے ملانا بھی مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ اور بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔[أبوداؤد] نیز ننگے بدن ہو کر معانقہ کرنے سے شہوت ابھرنے کا اندیشہ ہے، اس لئے مکروہ ہے۔

⑰ وإن كان عليه قميص: جاز، كالمصافحة: اگر معانقہ کرنے والوں نے ازار کے ساتھ قمیص بھی پہنی ہو تو ایسی صورت میں معانقہ کرنا (گلے ملانا) جائز ہے، جیسے مصافحہ کرنا (ہاتھ ملانا) جائز ہے، کیونکہ قمیص پہن کر معانقہ کرنے سے شہوت کا اندیشہ نہیں ہوتا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔[ہدایہ]

فائدہ:

ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے اور معانقہ کرنے سے متعلق مندرجہ ذیل چند باتیں یاد رکھیں:

﴿۱﴾ بوسہ دینے کے بارے میں عام حکم یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ، پاؤں، پیشانی یا بدن کے کسی بھی حصے کو بوسہ دینا مکروہ ہے، مگر فقہاء نے اپنے ماں باپ، اساتذہ یا کسی بزرگ شخص کے ہاتھ کو بوسہ دینے کو جائز کہا ہے، اور بزرگوں کی تعظیم و اکرام اور بچوں پر شفقت کیلئے بوسہ دینا بالاتفاق جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے، بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا خطرہ نہ ہو۔

---

① یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اس نے دو بہنوں کو وطی میں جمع نہیں کیا، بلکہ صرف بوسہ لینے میں جمع کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ بوسہ لینا بھی وطی کے حکم میں ہے، للہٰذا شہوت کے ساتھ بوسہ لینے، ہاتھ لگانے، فرج کو دیکھنے (دواعی وطی) اور وطی کرنے کا کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿۲﴾ معانقہ کرنے میں اگر شہوت ابھرنے یا کسی اور ناجائز کام کا خطرہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر ایسا کوئی خطرہ نہ ہو تو جائز ہے۔

﴿۳﴾ بوسہ دینے کیلئے سر جھکانے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر قصداً تعظیم کی نیت سے جھک جائے تو یہ ناجائز ہے، اور اگر تعظیم کی نیت سے نہ ہو بلکہ ضرورت کی وجہ سے جھک جائے تو جائز ہے۔

﴿۴﴾ آج کل مصافحہ کرنے اور بزرگوں کے ہاتھ کو بوسہ دینے کا جو رواج ہو گیا ہے کہ ہر حالت میں لازم وضروری تصور کیا جاتا ہے، اور نہ کرنے پر ملامت کیا جاتا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: جواہر الفقہ: ۱/۱۸۱

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الْبَيْعِ وَالْاِحْتِكَارِ وَالْإِجَارَةِ وَغَيْرِهَا﴾

أي: هٰذا فصل في بيان البيع والاحتكار والإجارة وغيرها. یعنی یہ فصل خرید وفروخت، ذخیرہ اندوزی، کرایہ داری وغیرہ کے بیان میں ہے۔ کہ کونسی خرید وفروخت مکروہ ہے؟ اور ذخیرہ اندوزی کا کیا حکم ہے؟ اور کن چیزوں کو کرایہ پر لینا دینا مکروہ ہے؟ اس فصل میں کل تیس (۳۰) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

۶۸ كُرِهَ بَيْعُ الْعَذِرَةِ، لَا السِّرْقِيْنِ ۶۹ لَهُ شِرَاءُ أَمَةِ زَيْدٍ قَالَ بَكْرٌ: وَكَّلَنِي زَيْدٌ بِبَيْعِهَا ۷۰ وَكُرِهَ لِرَبِّ الدَّيْنِ أَخْذُ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَهَا مُسْلِمٌ ۷۱ لَا كَافِرٌ ۷۲ وَاحْتِكَارُ قُوْتِ الْآدَمِيِّ، وَالْبَهِيْمَةِ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ بِأَهْلِهِ ۷۳ لَا غَلَّةِ ضَيْعَتِهِ، وَمَا جَلَبَهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ.

ترجمہ: مکروہ ہے پاخانہ کی بیع، نہ کہ گوبر کی۔ اس کیلئے (جائز) ہے زید کی باندی کو خرید لینا (جس کے بارے میں) بکر نے کہا کہ مجھے زید نے وکیل بنایا ہے اس کو فروخت کرنے کا۔ اور مکروہ ہے قرض خواہ کیلئے شراب کا ثمن لینا جس کو فروخت کر دیا ہو مسلمان نے۔ نہ کہ کافر نے۔ اور ذخیرہ کرنا انسان اور جانور کی خوراک کو، ایسے شہر میں جو نقصان دہ ہو اس کے اہل کیلئے۔ نہ کہ اپنی زمین کا غلہ، اور جو اس نے لایا ہو دوسرے شہر سے۔

لغات:

العذرة: انسان کا پاخانہ۔ السرقين: گوبر۔ احتكار: ذخیرہ اندوزی کرنا، مہنگا بیچنے کیلئے روکنا۔ جلب: باب نصر سے ماضی ہے، کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

تشریح:

⑭ کرہ بیع العذرۃ، لا السرقین: مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے پاخانے کی بیع مکروہ[①] ہے، نہ کہ گوبر کی بیع، اس لئے کہ پاخانہ ایسی نجاست ہے جس سے نفع نہیں لیا جاتا، لہٰذا یہ مال متقوم نہیں ہے، اور بیع اس چیز کی ہوتی ہے جو مال متقوم ہو۔ اس کے برخلاف گوبر کی بیع صحیح ہے، کیونکہ اس سے نفع لیا جاتا ہے، اس کو کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے، اور خشک کر کے اس سے آگ جلائی جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک صحیح روایت منقول ہے کہ خالص پاخانہ سے نفع لینا جائز ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی جائز ہوگی۔ [بحر:۸/۳۶۵]

مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ خالص پاخانہ کی بیع جائز نہیں ہے، اور جو مٹی کے ساتھ مخلوط ہو اس کی بیع جائز ہے۔ [فقہ البیوع:۱/۳۱۱، فقرہ:۱۳۰]

⑭ لـه شراء أمة زيد قال بكر: وكلني زيد ببيعها: «ہ» کا مرجع مشتري ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری کو معلوم ہے کہ ساجدہ زید کی باندی ہے، پھر اس نے بکر کو دیکھا کہ وہ ساجدہ کو فروخت کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے زید نے اس کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہے، تو مشتری کیلئے جائز ہے کہ وہ اس باندی کو خرید کر اس سے وطی کرلے، بکر سے وکالت پر گواہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وکالت معاملات میں سے ہے، اور فصل في الأكل والشرب مسئلہ نمبر (۱۰) میں بیان ہوا کہ معاملات میں ہر شخص کا قول قبول ہوگا، لہٰذا گواہوں کے بغیر بکر کی بات قبول ہوگی، اور اس کے ہاتھ سے باندی خریدنا جائز ہے۔

⑮ وكره لربّ الدين أخذ ثمن خمر باعها مسلم: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کا دوسرے مسلمان پر دَین ہے، مدیون نے شراب بیچ کر اس کا ثمن وصول کرلیا، اب وہ چاہتا ہے کہ اس ثمن سے دائن کا دَین ادا کرے، تو دائن کیلئے مکروہ[②] ہے کہ شراب کا ثمن لے لے، اس لئے کہ مدیون مسلمان ہے، اور مسلمان نہ شراب بیچ سکتا ہے اور نہ خرید سکتا ہے، تو مدیون کا شراب بیچنا بیعِ باطل ہے، اور جو ثمن اس نے وصول کیا ہے وہ اس کا مالک نہیں بنا، بلکہ ثمن کا اصل مالک اب بھی مشتری ہے، تو دائن کیلئے جائز نہیں ہے کہ مدیون سے دوسرے (یعنی مشتری) کا مال لے کر اپنا دَین وصول کرلے۔

⑯ لا كافر: أي: لا يكره لربّ الدين أخذ ثمن خمر باعها كافر. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مدیون کافر ہو، اس نے شراب بیچ کر ثمن سے دَین ادا کرنا چاہا، تو دائن اس سے شراب کا ثمن لے سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لئے کہ کافر کے حق میں شراب مال متقوم ہے، وہ شراب کی خرید و فروخت کرسکتا ہے، اور شراب بیچ کر وہ ثمن کا مالک بن جاتا ہے، لہٰذا مسلمان کیلئے جائز ہے کہ کافر سے یہ ثمن وصول کرلے۔

⑰ واحتكار قوت الآدمي، والبهيمة في بلد يضرّ بأهله: أي: كره احتكار.... مسئلہ یہ ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی غذا اور ضروری خوراک کو ذخیرہ کر کے روک لینا تاکہ مہنگا ہو کر زیادہ منافع پر فروخت کرے، مکروہ ہے، حدیث میں ہے: الجالبُ مرزوق، والمُحتكِر مَلعُون. [ابن ماجہ] یعنی شہر کو غلہ لانے والے کو رزق دیا جائے گا، اور ذخیرہ کرنے والے

---

① مکروہ ہونے سے مراد باطل ہونا ہے، کیونکہ پاخانہ خون اور شراب کی طرح ہے جو مال ہی نہیں، اس لئے اس کی بیع باطل ہے۔ ② یہاں مکروہ سے مراد حرام ہونا ہے۔

پر لعنت ہوگی۔ مہنگائی کی نیت سے غلہ ذخیرہ کرنا مخلوقِ خدا کو ضرر پہنچانا ہے، اور یہ کسی صورت جائز نہیں ہے۔

ذخیرہ اندوزی دو صورتوں میں مکروہ ہے: ① ایک یہ کہ اس کی وجہ سے شہر والوں کو نقصان پہنچتا ہو، اگر نقصان نہ پہنچتا ہو تو ذخیرہ اندوزی مکروہ نہیں ہے، مصنفؒ نے یضرّ باھلہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا۔ ② اور دوسری یہ ہے کہ غلہ اسی شہر میں خرید کر ذخیرہ کرے، اگر اپنی زمین کا غلہ حاصل کر کے ذخیرہ کرے، یا دوسرے شہر سے لا کر ذخیرہ کرے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

۵۳ لا غلّة ضيعته، وما جلبه من بلد آخر: أي: لا يكره احتكار غلّة... اگر کسی شخص نے اپنی زمین کا غلہ مہنگا ہونے کیلئے ذخیرہ کیا، یا دوسرے شہر سے لا کر ذخیرہ کیا تو یہ ذخیرہ کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اپنی زمین کا غلہ خالص اس کا اپنا حق ہے، لہٰذا اس کا اختیار ہے چاہے فروخت کرے چاہے روک لے۔ اور دوسرے شہر کے غلہ کو ذخیرہ کرنا اس لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ شہر والوں کے حق کا تعلق نہیں ہے، شہر والوں کا حق اس غلہ سے متعلق ہوتا ہے جو شہر میں بیچنے کیلئے جمع کیا جائے، جبکہ یہ غلہ شہر میں بیچنے کیلئے جمع نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ اپنی زمین کے غلّے کی طرح ہوا۔

> ۵۴ وَلَا يُسَعِّرُ السُّلْطَانُ ۵۵ إِلَّا أَنْ يَتَعَدَّى أَرْبَابُ الطَّعَامِ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا ۵۶ وَجَازَ بَيْعُ الْعَصِيرِ مِنْ خَمَّارٍ ۵۷ وَإِجَارَةُ بَيْتٍ لِيُتَّخَذَ بَيْتَ نَارٍ، أَوْ بِيعَةً، أَوْ كَنِيسَةً، أَوْ يُبَاعَ فِيهِ خَمْرٌ بِالسَّوَادِ ۵۸ وَحَمْلُ الْخَمْرِ لِذِمِّيٍّ بِأَجْرٍ ۵۹ وَبَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ ۶۰ وَأَرْضِهَا.

ترجمہ: اور بادشاہ نرخ مقرر نہ کرے۔ مگر یہ کہ غلّہ (بیچنے) والے قیمت سے تجاوز کریں زیادہ تجاوز۔ اور جائز ہے رس بیچنا شراب بنانے والے کے ہاتھ۔ اور گھر کرایہ پر دینا تا کہ بنایا جائے آتشکدہ، یا یہود کا عبادت خانہ، یا نصاریٰ کا عبادت خانہ، یا اس میں شراب بیچی جائے، دیہات میں۔ اور شراب اٹھانا ذمی کیلئے مزدوری پر۔ اور فروخت کرنا مکہ کے گھروں کی عمارت کو۔ اور اس کی زمین کو۔

لغات:

یسعر: قیمت مقرر کرنا۔ العصیر: رس، جوس، نچوڑ۔ خمار: شراب فروش، شراب بنانے والا۔ بیت نار: آتشکدہ، جہاں آگ کی عبادت ہوتی ہے، مجوسیوں کا عبادت خانہ۔ بیعۃ: کلیسا، یہودیوں کا عبادت خانہ۔ کنیسۃ: گرجا، نصاریٰ کا عبادت خانہ۔ السواد: دیہات، گاؤں۔ دیہات کو سواد اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں کی زمین باغوں اور سبزہ کی وجہ سے کالی نظر آتی ہے۔

تشریح:

۵۴ ولا یسعر السلطان: مسئلہ یہ ہے کہ بادشاہ چیزوں کی قیمتیں مقرر نہ کرے، یعنی لوگوں پابند نہ کرے کہ سرکاری نرخ پر لین دین کریں، بلکہ لوگوں کو آزاد چھوڑے تا کہ وہ خود آپس میں چیزوں کی قیمتیں مقرر کیا کریں۔ حدیث میں ہے کہ تم لوگ نرخ

مقرر نہ کرو، کیونکہ اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والے، قبض کرنے والے، کشادگی دینے والے اور رزق دینے والے ہیں۔[ابوداؤد]

نیز ثمن عاقد کا حق ہے، لہٰذا اس کو مقرر کرنے کا اختیار بھی عاقد ہی کو ہوگا، نہ کہ حکمران کو۔

⑩ إلّا أن یتعدّی أرباب الطعام عن... الخ: یہ ما قبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بادشاہ چیزوں کی قیمتیں مقرر نہ کرے، مگر یہ کہ غلّہ فروخت کرنے والے بہت زیادہ تجاوز کرکے حد سے زیادہ قیمتیں لینا شروع کریں، جس کی وجہ سے عوام الناس کے حقوق ضائع ہو جائیں، تو ایسی صورت میں حکمران مداخلت کرکے چیزوں کی قیمتیں مقرر کریں تاکہ بازار میں استحکام آجائے، اور عوام کو مناسب قیمت پر چیزیں مل جائیں۔

⑩ وجاز بیع العصیر من خمّار: مسئلہ یہ ہے کہ انگور کا رس ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا، اس لئے کہ گناہ بعینہٖ رس سے متعلق نہیں ہے، بلکہ شراب بنانے والا اپنے اختیار سے اس میں تغییر لا کر اس سے گناہ کی چیز (شراب) بناتا ہے، لہٰذا رس فروخت کرنا گناہ پر تعاون نہیں ہے، اس لئے جائز ہے۔

اس کے برخلاف فتنہ وفساد کے زمانہ میں شر پسند لوگوں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ گناہ (قتل وقتال) بعینہٖ اسلحہ سے متعلق ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اسلحہ فروخت کرنا گناہ پر تعاون کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [مائدہ:۲] ''اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور تجاوز پر''۔

⑩ وإجارة بیت نار لیتخذ بیت نار... الخ: أي: جاز إجارة... مسلمان کیلئے جائز ہے کہ دیہات میں اپنا گھر کرایہ پر دے تاکہ مستاجر اس میں آتشکدہ، یا کلیسا، یا گرجا بنائے، یا اس میں شراب کا روبار کرے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مسلمان شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنا گھر مذکورہ کاموں کیلئے کرایہ پر دے، کیونکہ یہ گناہ کے کام ہیں، اور ان کیلئے گھر کرایہ پر دینا گناہ پر تعاون کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عقدِ اجارہ گناہ کے عمل پر نہیں ہوتا، بلکہ گھر کی منفعت پر ہوتا ہے، اب یہ مستاجر کی مرضی ہے کہ گھر کو کس کام کیلئے استعمال کرتا ہے، لہٰذا موجر نے گھر کرایہ پر دے کر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، اس لئے یہ عقد جائز ہے۔

بالسواد (دیہات میں) کی قید کا مطلب یہ ہے کہ آتشکدہ، کلیسا، گرجا اور شراب خانہ کیلئے گھر کرایہ پر دینا دیہات میں جائز ہے، شہر میں جائز نہیں ہے، کیونکہ شہر میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریت ہوتی ہے، شعائرِ اسلام زندہ ہوتے ہیں، لہٰذا وہاں آتشکدہ وغیرہ بنانے سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے، اور شر وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہے، جبکہ دیہات میں ذمیوں کی آبادی کی اکثریت ہوتی ہے، اس لئے وہاں شر وفساد پھیلنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اگر دیہات میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریت ہو اور شعائرِ اسلام زندہ ہوں تو وہ شہر کے حکم میں ہے، لہٰذا وہاں بھی آتشکدہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔[البحر الرائق:۸/۳۷۲]

⑪ وحمل الخمر لذمي بأجر: یہ عطف ہے العصیر پر، أي: جاز حمل الخمر... مسئلہ یہ ہے کہ

مسلمان کیلئے جائز ہے کہ ذمی کی شراب مزدوری پر اٹھا کر لے جائے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل گناہ شراب کو پینے اور استعمال کرنے میں ہے، اٹھا کر لے جانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کیلئے شراب اٹھا کر لے جانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ گناہ پر تعاون کرنا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شراب کے بارے میں دس لوگوں پر لعنت بھیجی، ان میں اٹھانے والا بھی ہے۔ [ابوداود]

علامہ فخر الاسلامؒ نے فرمایا ہے کہ امام صاحبؒ کا قول قیاس ہے، اور صاحبینؒ کا قول استحسان ہے۔ [حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق:۶/۲۹] لہٰذا فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہوگا۔

۵۹ وبيع بناء بيوت مكة: یہ بھی بیع العصیر پر عطف ہے، أي: جاز بيع بناء بيوت... اگر کسی شخص نے مکہ مکرمہ میں (یعنی حرم کی حدود کے اندر) کوئی عمارت بنائی تو اس کیلئے اس عمارت کو فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کی اپنی بنائی ہوئی ملک ہے، جس میں وہ ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے۔

۶۰ وأرضها: أي: جاز بيع أرضها. یعنی مکہ مکرمہ کی زمین بیچنا جائز ہے۔ یہ صاحبینؒ کا قول ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک مکہ کی زمین بیچنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ زمین کعبہ مشرفہ کی فناء ہے، لہٰذا جس طرح کعبہ کی بیع جائز نہ ہوگی اس کی فناء کی بیع لازماً مکروہ تحریمی ہوگی، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمین کی گھاس کاٹنا اور شکار مارنا بھی جائز نہیں ہیں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکہ کی زمینیں بھی ملکیت میں آجاتی ہیں، اور مالک اپنی ملک میں ہر طرح تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی کرسکتا ہے۔

قول راجح:

صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال حصكفيٌّ: وبه قال الشافعي، وبه يُفتى. [الدر علی ہامش رد المحتار:۹/۵۶۳۔ زمز:۲/۳۸۵]

> ۶۱ وَتَعْشِيرُ الْمُصْحَفِ، وَنَقْطُهُ، وَتَحْلِيَتُهُ ۶۲ وَدُخُولُ ذِمِّيٍّ مَسْجِدًا ۶۳ وَعِيَادَتُهُ ۶۴ وَخِصَاءُ الْبَهَائِمِ ۶۵ وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ ۶۶ وَقَبُولُ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ، وَاسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ ۶۷ وَكُرِهَ كُسْوَتُهُ الثَّوْبَ، وَهَدِيَّتُهُ النَّقْدَيْنِ.

ترجمہ: اور (جائز ہے) قرآن کریم کی دس دس آیات پر نشان لگانا، اور اس پر نقطے لگانا، اور اس کو مزین کرنا۔ اور ذمی کا مسجد میں داخل ہونا۔ اور اس کی عیادت کرنا۔ اور جانوروں کو خصی کرنا۔ اور گدھوں کو چڑھانا گھوڑیوں پر۔ اور ہدیہ قبول کرنا تاجر غلام سے، اور اس کی دعوت قبول کرنا، اور اس سے عاریت پر لینا اس کا دابہ۔ اور مکروہ ہے اس کا کپڑا پہنانا، اور اس کا ہدیہ دینا سونے چاندی کا۔

لغات: **تعشیر:** کسی چیز کے دس دس حصے بنانا، قرآن کریم کی دس دس آیتوں پر نشانات لگانا، جیسے آج کل رکوع کے نشان لگے

ہوئے ہیں۔ نقط: باب نصر کا مصدر ہے، حروف پر نقطے لگانا۔ تحلية: باب تفعیل کا مصدر ہے، کسی چیز کو آراستہ ومزین کرنا۔ خصاء: باب ضرب (خصی یخصي) کا مصدر ہے، خصی کرنا، خصیے نکالنا۔ إنزاء: باب إفعال کا مصدر ہے، نر کو مادہ پر چڑھانا، جفتی کرانا۔

تشریح:

⑥① وتعشير المصحف، ونقطه، وتحليته: عطف ہے مسئلہ نمبر (۵٦) میں بيع العصير پر، أي: جاز تعشير المصحف. مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی دس دس آیات پر نشان لگانا، اور حروف پر نقطے لگانا، اور قرآن کے صفحات کو آبِ زر وغیرہ سے مزین کرنا جائز ہے، جیسے آج کل قرآن کو تیس پاروں، یا سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا ہے، یا رکوع کے نشانات لگائے گئے ہیں۔

ہدایہ میں فرمایا ہے کہ قرآن میں ایسے نشانات لگانا مکروہ ہے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو زائد نشانات اور لکھائیوں سے پاک کرو۔ [ہدایہ] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر نشانات اور لکھائیاں قرآنی متن کے ساتھ خلط ملط ہوں، تو یقیناً یہ ناجائز ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا یہی مطلب ہے، اور اگر متنِ قرآنی کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں، صرف مضامینِ قرآن کو تقسیم کرنے اور یاد کرنے میں آسانی کیلئے ہوں، تو بلا کراہت جائز ہیں۔

اور قرآن کریم کو سونے چاندی اور دیگر رنگوں سے مزین کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ اس میں قرآن کی تعظیم ہے۔

⑥② ودخول ذمي مسجدا: أي: جاز دخول... مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یعنی مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل ہونے دیں، خواہ مسجد حرام ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور مسجد ہو۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کافر کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ دیگر مساجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک کافر کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. [توبہ:۲۸] "یقیناً مشرک ناپاک ہیں، پس مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں اس سال کے بعد"۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین مشرکانہ طرز پر حج یا عمرہ کرنے کیلئے مسجد حرام میں نہ جائیں، مطلق داخل ہونا مراد نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ثقیف کا وفد آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسجد میں ٹھہرایا، حالانکہ وہ سب کافر تھے، لہٰذا کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، کذا فی معارف القرآن: ۴/۳۵۵

⑥③ وعيادته: أي: جاز عيادة الذمي. کافر کی بیمار پرسی جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت کی۔ [بخاری] نیز عیادت کرنا ایک ہمدردی اور اخلاقی رویہ ہے، اور کافر کے ساتھ اخلاقی رویہ اپنانا جائز ہے۔

⑥④ وخصاء البهائم: أي: جاز خصاء البهائم. جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کا ایک صحیح مقصد و غرض ہے، وہ یہ کہ اس سے جانور موٹا ہو جاتا ہے، اور اس کا گوشت لذیذ و شیریں ہو جاتا ہے۔

⑥⑤ وإنزاء الحمير على الخيل: أي: جاز إنزاء... مسئلہ یہ ہے کہ گدھے کو گھوڑی پر چڑھانا جائز ہے، اس

سے خچر پیدا ہوتا ہے، اور حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ خچر پر سوار ہوئے ہیں۔[مسلم] اگر گدھے اور گھوڑی کا جفتی کرانا اور خچر کی نسل حاصل کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ ہرگز خچر پر سواری نہ فرماتے۔

۱۶ وقبول هدية العبد التاجر، وإجابة دعوته... إلخ أي: جاز قبول... مسئلہ یہ ہے کہ ماذون تاجر غلام کے ہاتھ سے ہدیہ قبول کرنا، اس کی دعوت قبول کرنا اور اس کا جانور (سواری) عاریت پر لینا جائز ہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سب ناجائز ہوں، کیونکہ غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ مولیٰ کی ملک ہے، اور غلام مولیٰ کی ملک میں تبرّع نہیں کرسکتا، مگر استحساناً اس کی اجازت دی گئی ہے، کیونکہ بعض اوقات تجارت میں معمولی ہدیہ دینے اور دعوت کرنے وغیرہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے، نیز حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ غلاموں کا ہدیہ اور دعوت قبول فرمالیتے تھے۔[ہدایہ]

۱۷ وكره كسوته الثوب، وهدية النقدين: ماذون تاجر غلام کیلئے مکروہ ہے کہ کسی کو کپڑا پہنا کر ہبہ کردے، یا نقد دراہم یا دنانیر دے، کیونکہ یہ تجارت کی ضروریات میں سے نہیں ہے، بلکہ خالص تبرّع اور صدقہ ہے، اور غلام کو اس کا اختیار نہیں ہے۔

۱۸ وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ ۱۹ وَالدُّعَاءِ بِمَعْقَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ ۲۰ وَبِحَقِّ فُلَانٍ ۲۱ وَاللَّعْبُ بِالشِّطْرَنْجِ، وَالنَّرْدِ، وَكُلِّ لَهْوٍ ۲۲ وَجَعْلُ الرَّايَةِ فِي عُنُقِ الْعَبْدِ ۲۳ وَحَلَّ قَيْدُهُ ۲۴ وَالْحُقْنَةُ ۲۵ وَرِزْقُ الْقَاضِي ۲۶ وَسَفَرُ الْأَمَةِ، وَأُمِّ الْوَلَدِ بِلَا مَحْرَمٍ ۲۷ وَشِرَاءُ مَا لَابُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ، وَبَيْعُهُ لِلْعَمِّ، وَالْأُمِّ، وَالْمُلْتَقِطِ لَوْ فِي حِجْرِهِمْ ۲۸ وَتُؤْجِرُهُ أُمُّهُ فَقَطْ.

ترجمہ: اور (مکروہ ہے) خصی سے خدمت لینا۔ اور دعا کرنا: "تیرے عرش کی عزت بندھنے کی جگہ کے واسطے"۔ اور فلاں کے حق کے واسطے۔ اور شطرنج اور نرد سے کھیلنا، اور ہر عبث کام۔ اور طوق ڈالنا غلام کے گلے میں۔ اور جائز ہے اس کو قید کرنا۔ اور دُبر میں دوا ڈالنا۔ اور قاضی کی تنخواہ مقرر کرنا۔ اور باندی اور ام ولد کا سفر کرنا محرم کے بغیر۔ اور ایسی چیز خریدنا جس سے بچے کو چارہ نہیں، اور اس کو فروخت کرنا چچا، ماں اور اٹھانے والے کیلئے، بشرطیکہ (بچہ) ان کی گود میں ہو۔ اور بچے کو مزدوری پر لگاسکتی صرف اس کی ماں۔

لغات:

معقد: باب ضرب سے ظرف ہے، گرہ لگانے کی جگہ۔ العز: عزت، غلبہ۔ الراية: لغوی معنی ہیں: جھنڈا، یہاں طوق مراد ہے، جس کو غلام کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ الحقنة: وہ دوائی جو دُبر میں چڑھائی جائے۔ ملتقط: وہ آدمی جو راستہ میں پڑے ہوئے بچہ کو اٹھائے۔ حجر: گود، پرورش۔

تشریح: ۱۸ واستخدام الخصي: أي: كره استخدام الخصي. مسئلہ یہ ہے کہ خصی غلام سے خدمت لینا مکروہ

ہے، کیونکہ اس سے اور لوگوں کو بھی رغبت ہو جائے گی کہ اپنے غلاموں کو خصی کرائے، حالانکہ یہ مُثلہ① ہے، اور مُثلہ حرام ہے۔

۴۵ والدعاء بمعقد العز من عرشک: أي: كره الدعاء... مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح دعا کرنا مکروہ ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ (یااللہ! میں تیرے عرش میں سے تیری عزت بندھنے کی جگہ کے واسطے سوال کرتا ہوں)۔ یہ دعا اس لئے مکروہ ہے کہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اللہ کی عزت عرش میں بندھی ہوئی ہے، حالانکہ ایسا کہنا غلط ہے، کیونکہ عرش حادث ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عزت قدیم ہے، تو اگر عزت عرش سے بندھ جائے تو اس بات کا وہم پیدا ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی عزت بھی حادث ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اس طرح دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے ایسی دعا مروی ہے۔ مگر پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ ایسی دعا نہ کی جائے۔[ہدایہ]

۴۶ وبحق فلان: أي: كره الدعاء بحق فلان. یعنی اس طرح دعا کرنا بھی مکروہ ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ. (یااللہ! میں تجھ سے فلاں آدمی کے حق کے واسطے سوال کرتا ہوں)۔ یہ دعا اس لئے مکروہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

۴۷ واللعب بالشطرنج، والنرد، وكل لهو: أي: كره اللعب... شطرنج کھیلنا، چوسر کھیلنا اور ہر عبث لہو لعب کام کرنا مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ جس نے شطرنج اور چوسر کھیلا تو گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے خون میں ڈبویا۔[ابوداود] نیز شطرنج اور چوسر وغیرہ عبث کام ہیں، اور عبث کام کرنے سے منع آیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: جو چیز تجھے اللہ کے ذکر سے غافل کر دے وہ جوا (قمار) ہے۔[بیہقی] امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ دماغ کی تیزی کیلئے شطرنج کھیلنا جائز ہے۔

فائدہ:

کھیلوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کھیل جس میں بدن کی ورزش یا ذہن کی تیزی کا فائدہ ہو، اور اس میں قمار اور ناجائز کام نہ ہوں تو وہ کھیل جائز ہے، اور جس کھیل میں دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو، صرف وقت ضائع کرنے کیلئے کھیلا جائے، یا اس میں قمار کرنے، نماز وغیرہ واجبات ضائع ہونے کا اندیشہ ہو وہ ناجائز ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: ”کھیل کود کی شرعی حیثیت“ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

۴۸ وجعل الراية في عنق العبد: أي: كره جعل الراية.... غلام کی گردن میں طوق ڈالنا مکروہ ہے۔ رایۃ لوہے کا ایسا طوق ہے جو غلام کو سر ہلانے سے روک دیتا ہے، ظالم لوگوں کے ہاں اس کا رواج تھا، یہ ظلم ہے، اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔

۴۹ وحل قيده: غلام کو قید کرنا، یعنی اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا جائز ہے، کیونکہ سرکش اور فاسق غلام کو بھاگنے اور غلط راہوں سے بچانے کا یہ بہتر طریقہ ہے، اور پہلے زمانے سے مسلمانوں میں اس طریقہ کا رواج ہے۔

① مُثلہ کے معنی ہیں: انسان کے بدن کے اعضاء کاٹ کر اُسے بدشکل اور معیوب کرنا۔

⑮ والحقنة: أي: حلّ الحقنة. دُبر میں علاج کی غرض سے دواڈالنا جائز ہے، جیسے آج کل ''کلین اسما'' کو استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ دوا کے ذریعہ علاج معالجہ کرنا بالا جماع جائز ہے، اور اس بارے میں حدیث بھی وارد ہے۔

⑯ ورزق القاضي: أي: حلّ رزقُ القاضي. مسئلہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین کیلئے جائز ہے کہ قاضی کیلئے بیت المال سے تنخواہ مقرر کرے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا قاضی مقرر کر کے ان کیلئے تنخواہ مقرر فرمائی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے ان کیلئے تنخواہ مقرر فرمائی۔[ہدایہ]

اور اس لئے بھی کہ قاضی مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ومصروف رہتا ہے، اس کو اپنی روزی کمانے کیلئے فرصت نہیں ملتی، لہٰذا اس کے نان نفقہ کا خرچہ مسلمانوں کے اجتماعی مال (بیت المال) سے لیا جائے گا۔

اگر قاضی فقیر ہو تو اس کیلئے تنخواہ لینا واجب ہے، اور اگر مالدار ہو تو بھی صحیح قول یہ ہے کہ تنخواہ لینا بہتر ہے۔[بحر:۸/۳۸۲۔ہدایہ]

⑰ وسفرُ الأمة، وأم الولد بلا محرم: أي: حلّ سفرُ الأمة... مسئلہ یہ ہے کہ باندی اور اُم ولد کیلئے محرم کے بغیر سفر کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مسئلہ نمبر (۴۷) میں بیان ہوا کہ دوسرے کی باندی اپنی محرمہ عورت کی طرح ہے، تو گویا سارے اجنبی لوگ اس کے محرم ہیں، لہٰذا باندی اجنبی لوگوں کے ساتھ، یا اکیلے سفر کر سکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

⑱ وشراء مال لابد للصغير منه، وبيعه للعمّ... الخ: أي: حلّ شراء... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ اپنے چچا، یا اپنی ماں، یا اٹھانے والے کی پرورش میں ہو تو ان کیلئے جائز ہے کہ بچے کے مال میں سے اس کیلئے ضرورت کی چیز خرید لیں یا فروخت کر دیں جیسے روٹی، کپڑا وغیرہ، اس لئے کہ اگر ان کو اس طرح ضروری چیزوں کی خرید وفروخت کا اختیار نہ دیا جائے تو اس کی وجہ سے بچے کو ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ بچے کے مال میں تصرفات تین قسم کے ہیں:

﴿۱﴾ وہ تصرف جس میں خالص بچے کا نفع ہی نفع ہو، جیسے اس کیلئے ہبہ وصدقہ قبول کرنا، ایسا تصرف بچے کیلئے ہر شخص کر سکتا ہے، بلکہ خود بچہ بھی اپنے لئے تصرف کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ سمجھدار ہو۔

﴿۲﴾ وہ تصرف جس میں بچے کا نقصان ہی نقصان ہو، جیسے اس کا غلام آزاد کرنا، ایسا تصرف کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا۔

﴿۳﴾ وہ تصرف جس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہو، جیسے کوئی چیز خریدنا یا فروخت کرنا، ایسا تصرف بچے کا باپ، چچا، ماں اور اٹھانے والا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ بچہ ان کی پرورش میں ہو۔

⑲ وتؤجره أمه فقط: صرف ماں کیلئے جائز ہے کہ اپنے بچے کو مزدوری پر لگا دے، ماں کے علاوہ چچا اور اٹھانے والے کیلئے یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ماں کو حق حاصل ہے کہ بچے کے منافع سے فائدہ اٹھائے، مثلاً اس سے خدمت لے، لہٰذا بچے کے منافع کو مزدوری پر بھی دے سکتی ہے، جبکہ چچا اور اٹھانے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ بچے کے منافع اپنے فائدے میں لائیں، لہٰذا مزدوری پر بھی نہیں دے سکتے۔ والله أعلم بالصواب

﴿كِتَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام إحياء الموات. یعنی یہ کتاب بنجر زمین کوآباد کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔

إحیاء باب إفعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: زندہ کرنا، یہاں مراد ہے: آباد کرنا۔ موات کے لغوی معنی ہیں: بے جان چیز جس میں روح نہ ہو، یہاں مراد ہے: بنجر اور غیر آباد زمین۔ تو إحیاء الموات کے معنی ہوئے: بنجر زمین کو آباد کرنا۔

فقہ کی اصطلاح میں موات اس زمین کو کہتے ہیں جس کو کاشت کرنا مشکل ہو پانی نہ ہونے کی وجہ سے یا پانی کے غلبہ کی وجہ سے، اور کسی کی ملک میں نہ ہو، اور آبادی سے دور ہو۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

شرعاً بنجر زمین کو آباد کرنا جائز ہے، بلکہ بعض علماء نے مستحب کہا ہے، حدیث میں ہے: مَنْ أحيا أرضًا ميتةً: فهي له. [ترمذی] جس نے غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا تو اس کیلئے اس میں ثواب ہے۔ [نسائی] مصنفؒ نے اس کتاب میں کُل پینتیس (۳۵) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

> ❶ هِيَ أَرْضٌ تَعَذَّرَ زَرْعُهَا لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهَا، أَوْ لِغَلَبَتِهِ عَلَيْهَا، غَيْرُ مَمْلُوكَةٍ، بَعِيدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ ❷ وَمَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ: مَلَكَهُ ❸ وَإِنْ حَجَّرَ: لَا ❹ وَلَا يَجُوزُ إِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ.

ترجمہ: موات وہ زمین ہے جس کو کاشت کرنا مشکل ہو پانی بند ہونے کی وجہ سے، یا اس پر پانی غالب ہونے کی وجہ سے، غیر مملوک ہو، دور ہو آبادی سے۔ اور جس نے موات کو آباد کیا امام اجازت سے تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور اگر پتھر لگا دیئے تو نہیں۔ اور جائز نہیں ہے اس زمین کو آباد کرنا جو آبادی کے قریب ہے۔

تشریح:

❶ هي أرض تعذّر زرعها لانقطاع ...إلخ: یہ موات کی فقہی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ موات وہ زمین ہے جس کو کاشت کرنا مشکل ہو پانی نہ ہونے کی وجہ سے، یا اس پر زیادہ پانی چڑھ آنے کی وجہ سے، اور وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اور آبادی سے دور ہو۔ ◎ کاشتکاری مشکل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی زمین ہے جس سے نفع نہیں لیا جاتا، اگرچہ اس کو کاشت کرنا ممکن و آسان ہو۔ [حاشیہ اعزازعلی: ۲/۱۵۲] ◎ پانی نہ ہونے یا چڑھ آنے سے بھی مراد یہی ہے کہ اس زمین سے نفع نہیں لیا جاتا، خواہ کسی بھی سبب کی وجہ سے ہو، جیسے ریت چڑھ آنا یا شور ہونا وغیرہ۔ ◎ آبادی سے دور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس زمین سے آبادی والے

لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے، خواہ دور ہو یا نزدیک ہو۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر آبادی کے اخیر سے کوئی شخص چیخ کر پکارے تو اس زمین تک آواز نہ پہنچے۔ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔[ردالمحتار:۱۰/۵]

۲ ومن أحياه بإذن الإمام: ملكه: اگر کوئی شخص امیر المؤمنین کی اجازت سے بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس زمین کا مالک ہو جائے گا، امام کی اجازت کے بغیر آباد کرنے سے مالک نہیں ہوگا، کیونکہ زمین مال غنیمت کی طرح ہے، کہ مجاہدین نے کفار سے چھین لی ہے، اور مال غنیمت میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کرے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام سے اجازت لئے بغیر بھی آباد کرنے والا زمین کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ غیر آباد زمین ایک مباح مال ہے، اور مباح مال سب سے پہلے جو آدمی لے لے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

قول راجح:

امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدين: وقول الإمام هو المختار.[ردالمحتار:۱۰/۷]

۳ وإن حجر: لا: أي: لايملكه. حَجَر کے معنی ہیں زمین پر پتھر کے نشان لگا کر قبضہ کرنا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنجر زمین پر پتھر کے نشان لگا کر قبضہ کیا تو اس کی وجہ سے وہ زمین کا مالک نہیں بنے گا، کیونکہ مالک بننے کیلئے آباد کرنا شرط ہے، جبکہ محض پتھر لگانے سے زمین آباد نہیں ہوتی۔ پتھر لگانے والے (مُحتجِر) کو تین سال کی مہلت دی جائے گی، اگر وہ تین سال میں زمین کو آباد نہ کرے تو امام زمین اس سے لے کر دوسرے کو دے گا، تاکہ وہ دوسرا شخص اس کو آباد کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پتھر لگانے والے کیلئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔[البحر الرائق:۸/۳۸۷]

۴ ولا يجوز إحياء ما قرب من العامر: مسئلہ یہ ہے کہ وہ بنجر زمین جو آبادی کے قریب ہو وہ شرعاً موات نہیں کہلاتی، لہٰذا اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسی زمین سے بستی والوں کا حق متعلق ہے، وہ اس زمین کو چراگاہ وغیرہ ضروریات کیلئے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا کسی کیلئے جائز نہیں ہے کہ عام مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر اس زمین کا مالک بن بیٹھے۔

> ۵ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مَوَاتٍ: فَلَهُ حَرِيمُهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۶ وَحَرِيمُ الْعَيْنِ خَمْسُ مِائَةٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۷ فَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي حَرِيمِهَا: مُنِعَ مِنْهُ ۸ وَلِلْقَنَاةِ حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهُ ۹ وَمَا عَدَلَ عَنْهُ الْفُرَاتُ، وَلَمْ يَحْتَمِلْ عَوْدُهُ إِلَيْهِ: فَهُوَ مَوَاتٌ ۱۰ وَإِنِ احْتَمَلَ: لَا ۱۱ وَلَا حَرِيمَ لِلنَّهْرِ.

ترجمہ: اور جس نے کنواں کھودا بنجر زمین میں تو اس کیلئے اس کا حریم ہے چالیس گز ہر طرف سے۔ اور چشمہ کا حریم پانچ سو گز ہے ہر جانب سے۔ اور جو شخص کنواں کھودے اس کے حریم میں تو منع کیا جائے گا اس سے۔ اور کاریز کیلئے حریم ہے اس کی درستگی کے

بقدر۔ اور وہ زمین جس سے فرات (کا پانی) پھر جائے اور احتمال نہ ہو اس کی طرف لوٹ آنے کا تو وہ بنجر ہے۔ اور اگر (لوٹ آنے کا) احتمال ہو تو (بنجر) نہیں ہے۔ اور نہر کیلئے کوئی حریم نہیں ہے۔

لغات:

حریم: کنویں کا اردگرد احاطہ۔ المقناة: کاریز، زیرزمین پانی کی نہر۔ الفرات: عراق میں ایک مشہور نہر کا نام ہے، یہاں مطلق بڑی نہر مراد ہے۔

تشریح:

⑤ ومن حفر بئرا في موات: فله حريمها ..... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غیر آباد زمین میں کنواں کھودا تو اس کو چاروں طرف سے چالیس گز[1] حریم بھی ملے گا، لہٰذا وہ شخص کنویں کے ساتھ حریم کا بھی مالک ہو جائے گا، حدیث میں ہے کہ جس نے کنواں کھودا تو اس کیلئے اردگرد چالیس گز ہیں، جانوروں کو پانی پلانے کیلئے۔ [ابن ماجہ]

⑥ وحريم العين خمس مائة من كلّ جانب: اگر کسی نے غیر آباد زمین میں چشمہ کھود کر جاری کیا تو اس کو چاروں طرف سے پانچ پانچ سو گز حریم ملے گا، حدیث میں ہے کہ چشمے کا حریم پانچ سو گز ہے۔ [ابوداؤد] چشمہ کیلئے بڑے حریم کی ضرورت ہے، کیونکہ چشمہ زراعت کیلئے نکالا جاتا ہے لہٰذا اتنی مسافت ضروری ہے کہ وہاں سے پانی بہہ کر کسی حوض میں جمع ہو جائے، اور پھر حوض سے بہہ کر کھیتی تک پہنچ جائے، اور اس پورے سسٹم کیلئے بڑی مسافت درکار ہوتی ہے۔

⑦ فمن حفر بئرا في حريمها: منع منه: اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کے کنویں کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اُسے روکا جائے گا، کیونکہ اس سے پہلے آدمی کا حق ضائع ہو جائے گا، پہلا آدمی کنواں کھود کر حریم کا مالک ہو گیا ہے، اب اگر دوسرا آدمی اس کی ملک میں کھدائی کرنا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں ہوگا۔

⑧ وللقناة حريم بقدر ما يصلحه: کاریز کو اتنا حریم ملے گا جتنی مقدار اس کی درستگی اور ضرورت کیلئے کافی ہو، تاکہ صفائی کے وقت مٹی نکال کر وہاں ڈالی جائے، اور اس پر چلنا ممکن ہو۔ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ کاریز کو کنویں کے برابر حریم ملے گا۔

⑨ وما عدل عنه الفرات، ولم يحتمل ..... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دریائے فرات کی طرح کسی بڑے دریا کا رخ مڑ جائے اور کنارے کی کچھ زمین کو چھوڑ دے اور دوبارہ اس طرف پانی آنے کا احتمال نہ ہو، تو کنارے کی یہ زمین موات ہے، لہٰذا اس کا آباد کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ زمین کسی کی ملکیت میں نہیں ہے، اور ایسی زمین آباد کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی کے حریم میں نہ ہو۔

⑩ وإن احتمل: لا: أي إن احتمل عوده: لايكون مواتا: یعنی مذکورہ صورت میں اگر اس بات کا احتمال موجود ہو کہ دریا کا پانی پھر اس طرف لوٹ آئے گا تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دریا کا یہ

---

① گز سے مراد ایک ہاتھ ہے، یعنی ۱۸ انچ

کنارہ دریا کے حکم میں ہے، جس میں عوام الناس کا حق ہے، کسی ایک شخص کو حق نہیں ہے کہ اس پر قبضہ کر کے آباد کرے۔

⑪ **ولا حريم للنهر:** نہر کیلئے کوئی حریم نہیں ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے موات زمین کے اندر نہر کھودی، اس کے بعد دوسرے آدمی نے نہر کی دونوں جانب زمین کو آباد کیا، اب نہر ایک آدمی کی ملک ہے اور زمین دوسرے کی ملک ہے، تو نہر والے کو نہر کا کوئی حریم نہیں ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نہر کو حریم نہ ملے، کیونکہ کھودنے والے نے صرف نہر کے اندر عمل کیا ہے، دائیں بائیں جانب حریم میں اس نے کوئی عمل نہیں کیا، اور کنویں، چشمے وغیرہ کو جو حریم ملتا ہے وہ حدیث کے حکم کی وجہ سے ہے، اور نہر کے بارے میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک نہر کی دائیں بائیں جانب کم از کم اتنا حریم ملے گا جس پر انسان چل سکے، اور نہر کی کھدائی وصفائی کرتے وقت اس پر مٹی ڈالی جائے، دلیل یہ ہے کہ حریم کے بغیر نہر سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، کیونکہ بعض اوقات نہر کی صفائی وغیرہ کیلئے کنارے پر چلنے یا مٹی ڈالنے وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے، اور یہ حریم کے بغیر نہیں ہو سکتا، لہٰذا نہر کے ساتھ حریم لازم ہے۔

قول راجح:

حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔وفي السراجية: قال حسام الدين: والصحيح أنه يستحق الحريم. [بحر: ۸/۳۹۰] كذا في رد المحتار: ۱۰/۱۴

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الشِّرْبِ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام الشِرب. یعنی یہ فصل پانی کے حصے کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے إحياء موات کے بعد شرب کے احکام شروع فرمائے، اس لئے کہ زمین کو آباد کرنے کیلئے سب سے پہلے پانی کی ضرورت ہے۔

شِرب کے لغوی معنی ہیں: پانی کا حصہ، پانی کی باری، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ. [شعراء: ۱۵۵] "یہ اونٹنی ہے، پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہوگی اور ایک معین دن میں ایک باری تمہاری"۔

فقہ کی اصطلاح میں شرب کے معنی ہیں: پانی کا وہ حصہ جس سے کھیتوں کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کیلئے نفع اٹھایا جائے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک میں ہے۔ مصنفؒ نے اس فصل میں شرب سے متعلق چوبیس (۲۴) مسائل ذکر کیے ہیں۔

⑫ هُوَ نَصِيْبُ الْمَاءِ ⑬ اَلْأَنْهَارُ الْعِظَامُ كَدِجْلَةَ، وَالْفُرَاتِ غَيْرُ مَمْلُوْكَةٍ ⑭ وَلِكُلٍّ أَنْ يَسْقِيَ أَرْضَهُ، وَيَتَوَضَّأَ بِهِ، وَيَشْرَبَهُ، وَيَنْصِبَ

الرَّحى عَلَيْهِ، وَيَكْرِي مِنْهَا نَهْرًا إِلَى أَرْضِهِ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ.

ترجمہ: شرب پانی کا حصہ ہے۔ بڑی نہریں جیسے دجلہ اور فرات غیر مملوک ہیں۔ اور ہر ایک کو (حق) ہے کہ اپنی زمین کو سیراب کرے، اس سے وضو کرے، اُسے پی لے، اس پر پن چکی لگائے، اور اس سے نہر کھودے اپنی زمین تک، بشرطیکہ ضرر نہ پہنچائے عام لوگوں کو۔

لغات:

دجلة: اور الفرات: عراق میں دو بڑی نہروں کے نام ہیں۔ یکري: ضرب کا باب ہے، نہر وغیرہ کھودنا۔

تشریح:

⑫ هو نصيب الماء: شرب پانی کے حصے کو کہتے ہیں۔ یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں شرب پانی کا وہ حصہ ہے جس سے کھیتوں کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کیلئے نفع اٹھایا جائے۔ علامہ طوریؒ نے فرمایا ہے کہ مصنفؒ نے شرب کے اصطلاحی معنی چھوڑ کر لغوی معنی بیان کیے ہیں، حالانکہ مناسب یہ ہے کہ متن میں اصطلاحی معنی بیان کیے جائیں۔ [تکملہ بحر: ۳۹۱/۸]

⑬ الأنهار العظام كدجلة، والفرات غير مملوكة: پہلے یہ سمجھ لیں کہ پانیوں کی تین قسمیں ہیں: ① بڑی نہروں کا پانی، اس کا بیان اسی مسئلہ میں ہے۔ ② شخصی مملوک نہروں، کنوؤں اور حوضوں کا پانی، اس کا بیان مسئلہ نمبر (۱۵) میں ہے۔ ③ کوزہ، بوتل وغیرہ میں محفوظ پانی، اس کا بیان مسئلہ نمبر (۱۸) میں ہے۔

مصنفؒ نے اس مسئلہ میں بڑی نہروں کی مثال دے کر وضاحت فرمائی ہے کہ بڑی نہریں جیسے دریائے دجلہ اور دریائے فرات وغیرہ کسی خاص شخص کی ملک میں نہیں ہوتیں، ان نہروں میں پانی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ کسی کی ملک اور کنٹرول میں نہیں آسکتا۔

⑭ ولكلّ أن يسقي أرضه، ويتوضأبه، ويشربه ....إلخ: اس عبارت میں بڑی نہروں کے پانی کا حکم بیان فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بڑی نہروں کا پانی مباح الاصل ہے، ہر شخص اس سے نفع لے سکتا ہے، اس سے اپنی زمین سیراب کرسکتا ہے، اس سے وضو کرسکتا ہے، اُسے پی سکتا ہے، اس پر پن چکی لگا سکتا ہے، اور اس بڑی نہر سے اپنی زمین تک چھوٹی نہر کھود کر نکال سکتا ہے، بشرطیکہ اور لوگوں کو ضرر نہ پہنچائے۔ غرض یہ کہ بڑی نہروں کا پانی سمندر کے پانی کی طرح مباح الاصل ہے، جیسے سورج کی روشنی، اس سے ہر طرح نفع لیا جاسکتا ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ نفع لینے میں دوسروں کو ضرر نہ پہنچائے، کیونکہ عام لوگوں سے ضرر دفع کرنا واجب ہے۔

⑮ وَفِي الْأَنْهَارِ الْمَمْلُوكَةِ، وَالْآبَارِ، وَالْحِيَاضِ لِكُلٍّ شُرْبُهُ، وَسَقْيُ دَابَّتِهِ ⑯ لَا أَرْضِهِ ⑰ وَإِنْ خِيفَ تَخْرِيبُ النَّهْرِ لِكَثْرَةِ الْبُقُورِ: يُمْنَعُ ⑱ وَالْمُحْرَزُ فِي الْكُوزِ، وَالْجُبِّ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ.

ترجمہ: اور مملوک نہروں، کنووں اور حوضوں (کے پانی) میں ہر ایک کیلئے اس کا پینا ہے، اور اپنے جانور کو پلانا ہے۔ نہ کہ اپنی زمین کو۔ اور اگر ڈر ہو نہر کے خراب ہونے کا بیلوں کی زیادتی کی وجہ سے، تو منع کیا جائے گا۔ اور محفوظ (پانی) کوزہ اور گھڑے میں اس سے نفع نہیں لیا جائے گا مگر اس کے مالک کی اجازت سے۔

لغات:

الآبار: جمع ہے بئر کی کنواں۔ الحیاض: جمع ہے حوض کی، حوض، تالاب، ٹینکی۔ البقور: جمع ہے بقر کی، بیل گائے۔ المحرز: إفعال کے باب سے اسم مفعول ہے، محفوظ۔ الجبّ: گھڑا، مٹکا۔

تشریح:

⑮ وفي الأنهار المملوكة، والآبار.... إلخ: یہ پانیوں کی دوسری قسم کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ نہر، کنواں اور حوض جو کسی شخص کی ملک میں ہوں، ان کے پانی میں ہر شخص کو حق ہے کہ خود پی لے، اور اپنے جانوروں کو پلائے، مالک اس کو منع نہیں کرسکتا، کیونکہ ایسا پانی اگر چہ کسی کی شخصی زمین میں ہو مگر اس کا حکم مباح پانی کا ہے، ہر انسان کو اس میں پینے پلانے کا حق ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔ [ابن ماجہ]

⑯ لا أرضه: أي: ليس لكلٍ سقي أرضه. یعنی مذکورہ قسم کے پانی میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس سے اپنی زمین کو سیراب کرے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ پانی استعمال ہوگا، اور اس میں نہر، کنویں یا تالاب کے مالک کا نقصان ہے۔

⑰ وإن خيف تخريبُ النهر لكثرة البقور: يمنع: مسئلہ نمبر (۱۵) میں فرمایا کہ پانی کی دوسری قسم میں ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے جانوروں کو پلائے، اب یہاں فرما رہے ہیں کہ اگر بیل اور جانور اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے پانی پینے کی وجہ سے نہر خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو جانور لانے والے کو منع کیا جائے گا، یعنی مالک اختیار رکھتا ہے کہ اس کو منع کرے، کیونکہ عام لوگوں کو پینے پلانے کا حق اس وقت ملے گا کہ مالک کا نقصان نہ ہو، اگر مالک کا نقصان ہو رہا ہو تو ان کو پینے پلانے کا حق نہیں ہوگا۔

⑱ والمحرز في الكوز، والجبّ لا ينتفع به إلا بإذن صاحبه: یہ پانیوں کی تیسری قسم کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ پانی جس کو کوزہ، مٹکا وغیرہ کے اندر محفوظ کرلیا گیا ہو اس سے کوئی بھی شخص نفع نہیں اٹھا سکتا مگر یہ کہ مالک اس کو اجازت دے، اس لئے کہ محفوظ کرنے سے وہ آدمی پانی کا مالک ہوگیا، اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کی ملک سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

⑲ وَكَرْيُ نَهرٍ غَيرِ مَمْلُوكٍ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ ⑳ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ: يُجْبَرُ النَّاسُ عَلٰى كَرْيِهِ ㉑ وَكَرْيُ مَا هُوَ مَمْلُوكٌ عَلٰى أَهْلِهِ ㉒ وَيُجْبَرُ الْآبِي عَلٰى كَرْيِهِ ㉓ وَمُؤنَةُ كَرْيِ النَّهرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ

مِنْ أَعْلَاهُ، فَإِنْ جَاوَزَ أَرْضَ رَجُلٍ بَرِئَ ㉒ وَلَا كَرْيَ عَلَى أَهْلِ الشَّفَةِ.

ترجمہ: اور غیر مملوک نہر کی کھدائی بیت المال سے ہوگی۔ اور اگر اس میں کچھ بھی نہ ہو تو لوگوں کو مجبور کیا جائے گا اس کی کھدائی پر۔ اور اس نہر کی کھدائی جو مملوک ہو اس کے مالکوں پر ہے۔ اور مجبور کیا جائے گا انکار کرنے والے کو اس کی کھدائی پر۔ اور مشترک نہر کی کھدائی کا خرچہ ان (مالکوں) پر ہے اوپر کی جانب سے، پس جب (کھدائی) گزر جائے کسی آدمی کی زمین سے تو وہ بری ہو گیا۔ اور کھدائی نہیں ہے پینے والوں پر۔

تشریح:

⑲ وكري نهر غير مملوك من بيت المال: وہ نہر جو کسی کی ملک میں نہ ہو، عوام الناس اس سے نفع لے رہے ہوں اس کی کھدائی وصفائی کا خرچہ بیت المال سے لیا جائے گا، کیونکہ اس نہر کا فائدہ عوام الناس کو پہنچتا ہے، اور بیت المال میں بھی عوام الناس کا مال پڑا ہوا ہے جو اُن کے مصالح میں خرچ ہوتا ہے۔

⑳ فإن لم يكن فيه شيء: يُجبر الناس على كريه: اگر بیت المال خالی ہو، اس میں کچھ بھی نہ ہو تو حکومت کی طرف سے لوگوں کو نہر کی کھدائی وصفائی پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ ویسے چھوڑنے میں عوام کا بہت بڑا نقصان ہے، اور اس نقصان سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ لوگوں کو بیگار میں لگا کر ان سے زبردستی کام کرایا جائے۔

㉑ وكري ما هو مملوك على أهله: وہ نہر جو لوگوں کی ملک میں ہو اس کی صفائی وکھدائی انہی لوگوں پر ہے، کیونکہ نہر کا فائدہ خاص طور پر انہی کو پہنچتا ہے، لہٰذا کھدائی کا خرچہ بھی وہی لوگ برداشت کریں۔

㉒ ويُجبر الآبي على كريه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نہر چند لوگوں کی ملک میں ہو، اور نہر کی کھدائی وصفائی کی ضرورت ہو، مگر ان میں سے ایک شریک کام کرنے سے انکار کرے تو قاضی کی طرف سے اس کو کھدائی پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کے انکار کی وجہ سے باقی شرکاء کو ضرر پہنچ رہا ہے، اور کسی ایک شریک کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر شرکاء کو ضرر پہنچے۔

㉓ ومؤنة كري النهر المشترك عليهم من أعلاه ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ مشترک نہر کی کھدائی کا خرچہ تمام شرکاء پر آئے گا، اور کھدائی نہر کے اوپر سے شروع ہو کر جب کسی ایک شریک کی زمین سے آگے بڑھ جائے تو وہ شریک خرچہ سے بری ہو جائے گا، مثلاً نہر دس شریکوں کے درمیان مشترک ہے، تو پہلے شریک کی زمین کے برابر جو کھدائی ہوگی اس کا خرچہ دس شریکوں پر تقسیم ہوگا، جب کھدائی پہلے شریک کی زمین سے آگے بڑھے تو وہ خرچہ سے بری ہو گیا، پھر دوسرے شریک کی زمین کے برابر جو کھدائی ہوگی اس کا خرچہ نو شریکوں پر تقسیم ہوگا، جب دوسرے شریک کی زمین سے کھدائی آگے بڑھے تو وہ بھی خرچہ سے بری ہو جائے گا، پھر تیسرے شریک کی زمین کے برابر جو کھدائی ہوگی اس کا خرچہ آٹھ شریکوں پر تقسیم ہوگا، جب اس کی زمین سے کھدائی آگے بڑھے تو وہ بھی خرچہ سے بری

ہوگیا، اس طرح آخر تک کھدائی ہوگی، جب دسویں شریک کی زمین کے برابر کھدائی ہوگی تو اس کا خرچہ صرف اُسی پر آئے گا۔ اس طریقہ میں سب سے کم خرچہ پہلے شریک پر آیا اور سب زیادہ خرچہ آخری شریک پر آیا۔ یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اول سے لے کر آخر تک ساری کھدائی کا خرچہ تمام شریکوں پر برابر تقسیم ہوگا، کیونکہ کھدائی میں یکساں طور پر تمام شریکوں کا فائدہ ہے، نیچے والے کا فائدہ تو یہ ہے کہ اس کو اوپر سے پانی آتا ہے، اور اوپر والے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زائد پانی نیچے بہاتا ہے، لہٰذا تمام شرکاء پر برابر برابر خرچہ آئے گا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کھدائی کا اصل فائدہ سینچائی ہے، اور اوپر والے شریک کے حصے میں جب کھدائی ہوگئی تو اس کا فائدہ حاصل ہوگیا، اب نیچے جو کھدائی ہوگی اس میں اوپر والے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، تو اس پر نیچے والی کھدائی کا خرچہ کیونکر لازم ہوگا؟

رہی یہ بات کہ اوپر والا اپنا زائد پانی نیچے بہاتا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی زمین کے اوپر پانی کا دہانہ ہی بند کردے، پھر پانی جدھر کا رخ کرتا ہے کرلے، اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، نیچے والا اپنا انتظام خود کرلے۔

قول راجح:

یہاں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدينؒ: الفتوى على قول الإمام. [ردالمحتار: ۱۰/۲۱۔ تکملہ بحر: ۸/۳۹۴]

۲۶ ولا كري على أهل الشفة: شفة کے لغوی معنی ہیں: انسان کا ہونٹ، یہاں أهل الشفة سے مراد پانی پینے والے لوگ ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ نہر سے زمینیں سیراب نہیں کرتے، صرف پینے کیلئے پانی لیتے ہیں ان پر کھدائی کرنا اور کھدائی کا خرچہ دینا لازم نہیں ہے، کیونکہ دنیا کے سارے لوگ نہر سے پانی پینے کا حق رکھتے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ اتنے بے شمار لوگوں پر کھدائی کرنا اور خرچہ دینا لازم نہیں کیا جاسکتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نہر میں اصل وہ لوگ ہیں جو زمین کو سیراب کرتے ہیں، پینے والے ان کے تابع ہیں، لہٰذا کھدائی کی محنت بھی اصل پر ہوگی، نہ کہ تابع پر۔

۲۵ وَتَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ أَرْضٍ ۲۶ نَهْرٌ بَيْنَ قَوْمٍ اِخْتَصَمُوْا فِي الشِّرْبِ: فَهُوَ بَيْنَهُمْ عَلَى قَدْرِ أَرَاضِيهِمْ ۲۷ وَلَيْسَ لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَشُقَّ مِنْهُ نَهْرًا ۲۸ أَوْ يَنْصِبَ عَلَيْهِ رَحًى، أَوْ دَالِيَةً أَوْ جِسْرًا ۲۹ أَوْ يُوَسِّعَ فَمَ النَّهْرِ ۳۰ أَوْ يَقْسِمَ بِالْأَيَّامِ وَقَدْ وَقَعَتِ الْقِسْمَةُ بِالْكُوَى ۳۱ أَوْ يَسُوقَ شِرْبَهُ إِلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى لَيْسَ لَهَا فِيْهِ شِرْبٌ بِلَا رِضَاهُمْ.

ترجمہ: اور صحیح ہے پانی کی باری کا دعوی کرنا زمین کے بغیر۔ کوئی نہر لوگوں کے درمیان (مشترک) ہے، انہوں نے جھگڑا کیا پانی کی باری میں، تو وہ ان کے درمیان ہوگا ان کی زمینوں کے بقدر۔ اور ان میں سے کسی کیلئے (حق) نہیں ہے کہ اس سے نہر

کھودے۔یا اس پر قائم کرے پن چکی، یا رہٹ، یا پل۔ اور یا کشادہ کردے نہر کا دہانہ۔ اور یا تقسیم کرے دنوں سے، حالانکہ تقسیم ہوگئی ہے موریوں سے۔ اور یا اپنا پانی لے جائے اپنی دوسری زمین کی طرف جس کیلئے اس نہر میں باری نہیں ہے، شرکاء کی رضامندی کے بغیر۔

لغات:

يشق: نہر کھودنا۔ **دالية**: رہٹ جس کے ذریعے پانی نکال کر زمین کو سینچا جاتا ہے۔ **جسر**: پل۔ **الكوى**: جمع ہے كوة کی، دیوار کے اندر موری، پانی کا دہانہ۔

تشریح:

(۲۵) **وتصح دعوى الشرب بغير أرض**: اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ اس نہر کے پانی میں میرا حصہ ہے، حالانکہ اس کے پاس زمین نہیں ہے، تو قیاساً اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ زمین کے بغیر شرب ایک مجہول چیز ہے جس کا اندازہ ومقدار معلوم نہیں ہے، اور مجہول چیز کا دعویٰ صحیح نہیں ہوتا۔ لیکن استحساناً یہ دعویٰ صحیح ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان زمین کے بغیر شرب کا مالک بن جاتا ہے، مثلاً زمین بیچ کر شرب اپنے پاس رکھے، تو جب زمین کے بغیر تنہا شرب کا مالک بن سکتا ہے تو تنہا شرب کا دعویٰ کرنا بھی صحیح ہوگا۔

(۲۶) **نهر بين قوم اختصموا في الشرب....إلخ**: مسئلہ یہ ہے کہ کوئی نہر چند لوگوں کے درمیان مشترک ہے، وہ لوگ پانی کی مقدار میں لڑ رہے ہیں، تو شرب کی تقسیم ان کی زمینوں کی مقدار کے مطابق ہوگی، لہٰذا جس کی جس قدر زمین ہوگی اسی کے مطابق شرب ملے گا، کیونکہ شرب کا مقصد زمین کو سیراب کرنا ہے، تو جتنے پانی سے اس کی زمین سیراب ہوسکے اتنا ہی پانی اُسے ملے گا۔

(۲۷) **وليس لأحدهم أن يشق منه نهرا**: کسی ایک شریک کو یہ حق نہیں ہے کہ دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر مشترک نہر سے دوسری نہر کھود کر اپنی زمین تک لے جائے، کیونکہ اس میں یہ اندیشہ موجود ہے کہ وہ اپنے حق سے زیادہ پانی حاصل کرے گا۔ نیز اس میں مشترک نہر کا کنارہ توڑ کر اُسے نقصان پہنچتا ہے، اور مشترک چیز میں ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲۸) **أو ينصب عليه رحىً، أو دالية، أو جسرا**: أي: ليس لأحدهم أن ينصب.... کسی ایک شریک کو یہ اجازت نہیں ہے کہ مشترک نہر پر پن چکی لگائے، یا اس پر رہٹ لگائے، یا پل بنائے، کیونکہ ایسا کرنا مشترک نہر کے کنارے کو اپنے شخصی استعمال میں لانا ہے، اور شریکوں سے اجازت لئے بغیر مشترک چیز کو شخصی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

(۲۹) **أو يوسع فم النهر**: أي: ليس لأحدهم أن يوسع.... مشترک نہر میں کسی ایک شریک کو یہ حق نہیں ہے کہ دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر اپنی طرف نکل ہوئی نہر کا منہ (دہانہ) کشادہ کرے، کیونکہ ایسا کرنے سے ایک تو مشترک نہر کا کنارہ ٹوٹ جائے گا، اور دوسرے یہ کہ وہ شخص اپنے حصہ سے زیادہ پانی وصول کرے گا، اور مشترک نہر میں یہ دونوں تصرف جائز نہیں ہیں۔

(۳۰) **أو يقسم بالأيام وقد وقعت القسمة بالكوى**: أي: ليس لأحدهم أن يقسم... اگر مشترک نہر میں پانی کی تقسیم موریوں کے ذریعہ ہوئی اور ہر شریک کو موری کے ذریعے پانی ملتا ہے، تو اس کے بعد کسی شریک کو یہ حق نہیں ہے کہ اس

تقسیم کو ختم کر کے دنوں کے ذریعے تقسیم شروع کرے، کہ ایک دن سارا پانی ایک شریک لے اور دوسرا دن دوسرا لے، اور تیسرا دن تیسرا لے، کیونکہ تمام شرکاء کا حق موریوں سے متعلق ہے، لہٰذا ایک شریک ان کا حق باطل کر کے دنوں سے تقسیم شروع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

⑳ أو یسوق شربه إلی أرض له أخریٰ لیس... الخ: أي: لیس لأحدهم أن یسوق... مشترک نہر میں کسی ایک شریک کو یہ حق نہیں ہے کہ دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر اپنے حصے کا پانی اپنی دوسری زمین میں لے جائے، حالانکہ اُس زمین کا اس نہر میں شرب نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نے ایسا کیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ وہ یہ دعویٰ بھی کرے گا کہ اُس زمین کا اِس نہر میں شرب ہے، اور پھر اس پر گواہ بھی پیش کرے گا کہ طویل عرصے سے اُس زمین کو اسی نہر سے پانی دیا جاتا ہے، لہٰذا اس طرح جھوٹے دعوے کے سدِ باب کی خاطر آج ہی اس کو منع کیا جائے گا۔

بلا رضاهم کی قید مسئلہ نمبر (۲۷) سے لے کر نمبر (۳۱) تک تمام مسئلوں کے ساتھ ملحوظ ہے، لہٰذا اگر شرکاء کی اجازت ہو تو ایک شریک مذکورہ تمام کام کرسکتا ہے۔

> ㉜ وَيُوْرَثُ الشِّرْبُ ㉝ وَيُوْصٰى بِالْاِنْتِفَاعِ بِعَيْنِهٖ ㉞ وَلَا يُبَاعُ، وَلَا يُوْهَبُ
> ㉟ وَلَوْ مَلَأَ أَرْضَهٗ مَاءً، فَنَزَّتْ أَرْضَ جَارِهٖ، أَوْ غَرِقَتْ: لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور شرب کو میراث میں لیا جاسکتا ہے۔ اور وصیت کی جاسکتی ہے اس کے عین سے نفع لینے کی۔ اور (شرب کو) نہ بیچا جاسکتا ہے، اور نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اپنی زمین پانی سے بھر دی، پس خراب ہوگئی اس کے پڑوسی کی زمین یا ڈوب گئی، تو تاوان نہیں دے گا۔

لغات:

نَزَّتْ: بابِ نصر سے مؤنث ماضی ہے، زمین کا نم ناک ہونا، رطوبت والی ہونا، جہاں پانی رس کر نکلتا ہو۔

تشریح:

㉜ ویورث الشرب: مسئلہ یہ ہے کہ شرب میں میراث جاری ہوگی، کیونکہ شرب ایک مالی حق ہے، مورث اس کا مالک ہے، لہٰذا جس طرح اس کی دیگر اَملاک میں وراثت جاری ہوگی شرب میں بھی جاری ہو جائے گی۔

㉝ ویوصٰی بالانتفاع بعینه: عینِ شرب سے نفع لینے کی وصیت کی جاسکتی ہے، مثلاً موصی وصیت کرے کہ میری موت کے بعد اس شرب سے مہینہ میں ایک دن فلاں آدمی پانی لے لے، یہ عینِ شرب سے نفع لینے کی وصیت ہے، یہ اس لئے صحیح ہے کہ موصی اس کا مالک ہے، لہٰذا اس کی تمام اَملاک میں جس طرح وراثت جاری ہوگی وصیت بھی جاری ہوسکتی ہے، اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے کہ موصیٰ لہٗ ایک دن میں کتنا پانی وصول کرے گا، مگر مجہول چیز کی وصیت کرنا صحیح ہے۔

⊙ **ولا یباع، ولا یوهب:** شرب کو فروخت کرنا اور اُسے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہیں، اس لئے کہ اس میں جہالت ہے، معلوم نہیں کہ مستقبل میں پانی آئے گا یا نہیں، اور اگر آئے تو یہ معلوم نہیں کہ کتنا آئے گا، اور مجہول چیز بیچنا اور ہبہ کرنا صحیح نہیں ہیں۔

بلخ کے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شرب کی بیع جائز ہے، ہمارے عرف میں بھی شرب کی بیع کا رواج ہے، لہذا مشائخ بلخ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔[احسن الفتاویٰ: ۴۶۴/۸] تفصیل کتاب البیوع/باب البیع الفاسد مسئلہ نمبر (۳۰) میں دیکھ لیں۔

⊙ **ولو ملأ أرضه ماء، فنزّت أرض جاره ... الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی زمین میں پانی بھر دیا اور پھر اس سے پڑوسی کی زمین نم ناک ہوگئی، یا پڑوسی کی زمین میں پانی چلا گیا جس سے وہ ڈوب گئی اور فصل کو نقصان پہنچا، تو پانی بھرنے والے پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ ضمان تعدی اور تجاوز کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور اپنی زمین میں پانی بھرنا تجاوز نہیں ہے، تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی شخص اپنی زمین میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی شخص گر کر مر جائے تو کھودنے والے پر تاوان نہیں ہوگا۔

واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

إن الله جميل يحب الجمال
صدق رسول الله

﴿كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام الأشربة. یعنی یہ کتاب پینے کی چیزوں کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے شرب کے بعد أشربة کے احکام لائے، مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں حروف اصلی "ش، ر، ب" ہیں، مگر شرب چونکہ حلال ہے اور أشربة میں حرام بھی ہیں، اس لئے شرب کو مقدم فرمایا۔

أشربة جمع ہے شَراب کی۔ شَراب لغت میں ہر پی جانے والی چیز کو کہتے ہیں، خواہ حلال ہو جیسے پانی وشربت، یا حرام ہو جیسے شراب وغیرہ۔ فقہ کی اصطلاح میں شَراب کا اطلاق اس پی جانے والی چیز پر ہوتا ہے جو نشہ آور ہو، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

شریعت میں نشہ آور چیزوں کو حرام کر دیا گیا ہے، اور یہ حکم بڑی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے، نشہ آور چیزوں کا استعمال انسان کی دنیا وآخرت کی تباہی کا ذریعہ ہے، جس کا مشاہدہ ہم اپنے معاشرے میں دن رات کرتے رہتے ہیں۔ اب تو غیر مسلم معاشروں میں بھی شراب وغیرہ نشہ آور چیزوں کے نقصانات کے بارے میں آوازیں اٹھ رہی ہیں، اور حکومتوں کی طرف سے مختلف قسم کی پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ مصنفؒ نے پینے کی نشہ آور چیزوں کے احکام سے متعلق سولہ (۱۶) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

> ① اَلشَّرَابُ مَا يُسْكِرُ ② وَالْمُحَرَّمُ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ: اَلْخَمْرُ، وَهِيَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ إِذَا غَلَى وَاشْتَدَّ، وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ ③ وَحَرُمَ قَلِيلُهَا، وَكَثِيرُهَا ④ وَالطِّلَاءُ، وَهُوَ الْعَصِيرُ إِنْ طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ.

ترجمہ: شراب وہ ہے جو بے ہوش کردے۔ اور ان میں سے حرام چار ہیں: (پہلی قسم) خمر ہے، وہ انگور کا کچا پانی ہے، جب جوش مارے اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔ اور حرام ہے اس کا تھوڑا اور زیادہ۔ اور (دوسری قسم) طِلاء ہے، وہ نچوڑ ہے بشرطیکہ پکایا جائے یہاں تک کہ ختم ہو جائے اس کی دو تہائی میں سے کم۔

لغات:

النِّيُّ: کچا، اکثر کتابوں میں نِيّ یاء کی تشدید کے ساتھ ہے، مگر لغوی اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہے، کذا في رَدِّ المُحتار: ۱۰/ ۳۱۔ غَلي: جیسے رَمِيَ باب ضرب (غَلْيًا) سے ماضی ہے، جوش مارنا۔ اشتد: باب افتعال سے ماضی ہے، سخت ہونا، گاڑھا ہونا۔ قذف: ضرب سے ماضی ہے، پھینکنا۔ الزبد: جھاگ۔ الطلاء: انگور کا پکایا ہوا رس۔

تشریح: ① الشراب ما يسكر: فقہ کی اصطلاح میں شراب کا اطلاق اس مشروب پر ہوتا ہے جس کے پینے سے

انسان مست اور بے ہوش ہوجائے، اس کا پینا حرام ہے، حدیث میں ہے: كلّ مُسكِر حرام. [بخاری] ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔

❷ والمحرَّم منها أربعة: الخمر، وهي النيُّ من .....إلخ: أشربہ (مشروبات) میں سے چار قسم حرام ہیں: پہلی قسم خمر (حقیقی شراب) ہے، خمر انگور کا نچوڑا ہوا کچا پانی ہے، جس کو کئی دن کسی برتن میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ جوش مارنے لگے، تیز اور گاڑھا ہو جائے، اور اس کے اوپر جھاگ آجائے۔ یہ تعریف امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوا کہ خمر صرف انگور سے بنتی ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر کہلاتا ہے، خواہ انگور سے بنا ہو یا کھجور وغیرہ سے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: كلّ مسكر خمر. [مسلم] ''ہر نشہ آور خمر ہے''۔ یہاں انگور سے بننے کی کوئی قید نہیں ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خمر انگور کے کچے پانی کو کہا جاتا ہے، لہٰذا کسی اور مشروب پر خمر کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اور مذکورہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ مشہور محدث یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، كذا في الهداية.

امام صاحبؒ کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خمر اس وقت بنے گی جب انگور کا کچا پانی جوش مارنے لگے اور اس پر جھاگ آجائے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جھاگ آنا شرط نہیں ہے، بلکہ انگور کا پانی جیسے ہی تیز (تیز معنی ترش جیسے سرکہ) اور گاڑھا ہو جائے وہ خمر ہوجائے گی، کیونکہ لغوی اعتبار سے ایسے پانی پر خمر کا اطلاق ہوجاتا ہے، اگرچہ اس پر جھاگ نہ آیا ہو۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خمر کی اصل شرط شدت (تیز اور گاڑھا ہونا) ہے، اور شدت کی ابتداء جوش مارنے سے ہوتی ہے اور انتہاء جھاگ آنے پر ہوتی ہے، تو ہم نے جھاگ آنے کو شرط قرار دیا تاکہ شدت اپنی انتہاء کو پہنچ کر یقینی ہوجائے اور شک وشبہ نہ رہے۔

قول راجح:

یہاں حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفيّ: وهو الأظهر. وقال ابن عابدينؒ: وقال في غاية البيان. وأنا آخذ بقولهما دفعا لتجاسر العوام. [رد المحتار:۱۰/۳۲]

❸ وحرم قليلها، وكثيرها: مسئلہ یہ ہے کہ حقیقی شراب (خمر) کی کم مقدار اور زیادہ مقدار دونوں حرام ہیں، لہٰذا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، کیونکہ خمر نجس العین ہے، قرآن کریم میں اس کو رِجس (گندگی) کہا گیا ہے، لہٰذا نجاست اور حرمت میں کم اور زیادہ کا فرق نہیں ہوتا، اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔

❹ والطِلاء، وهو العصير إن طبخ حتى .....إلخ: أشربہ کی حرام قسموں میں سے دوسری قسم طِلاء ہے، اس کو عصیر بھی کہتے ہیں۔ یہ انگور کا وہ پانی (رس، شیرہ، جوس) ہے جس کو آگ پر پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم خشک ہوجائے، مثلاً تین گلاس پانی ہے، پکنے میں دو گلاس سے کم (ایک یا ڈیڑھ گلاس) خشک ہوجائے، اور پھر کسی برتن میں رکھا جائے یہاں تک جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکے، تو اس کا پینا حرام ہے، کیونکہ یہ خمر (حقیقی شراب) کی طرح مزہ دار اور نشہ آور ہے، جس پر فاسق لوگ جمع ہوجاتے ہیں،

لہٰذا فساد دفع کرنے کی خاطر اس پر حرام کا حکم لگایا گیا۔

⑤ وَالسَّكَرُ، وَهُوَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ ⑥ وَنَقِيعُ الزَّبِيبِ، وَهُوَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الزَّبِيبِ ⑦ وَالْكُلُّ حَرَامٌ إِذَا غَلٰى وَاشْتَدَّ ⑧ وَحُرْمَتُهَا دُوْنَ حُرْمَةِ الْخَمْرِ، فَلَا يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا، بِخِلَافِ الْخَمْرِ.

ترجمہ: اور (تیسری قسم) سکر ہے، وہ کچا پانی ہے تازہ کھجور کا۔ اور (چوتھی قسم) نقیع الزبیب ہے، وہ کچا پانی ہے کشمش کا۔ اور (یہ قسمیں) سب حرام ہیں، بشرطیکہ جوش مارے، اور گاڑھا ہو جائے۔ اور ان کی حرمت کم ہے خمر کی حرمت سے، پس کافر نہ کہا جائے گا ان کے حلال سمجھنے والے کو، برخلاف خمر کے۔

تشریح:

⑤ والسكر، وهو النيئ من ماء الرطب: أشربہ کی حرام قسموں میں سے تیسری قسم سکر ہے، اس کو نقیع التمر بھی کہتے ہیں۔ یہ تر و تازہ کھجور کا کچا پانی ہے① جو جوش مار کر گاڑھا ہو جائے، اور نشہ آور ہو جائے، اس کا پینا اس لئے حرام ہے کہ یہ خمر کی طرح مزہ دار اور نشہ آور ہے، نیز اس کی حرمت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ [رمز الحقائق]

⑥ ونقيع الزبيب، وهو النيئ من ماء الزبيب: أشربہ کی حرام قسموں میں سے چوتھی قسم نقیع الزبیب ہے، یہ کشمش کا وہ کچا پانی ہے جو جوش مار کر تیز اور گاڑھا ہو جائے، اس کی حرمت کی دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

⑦ والكل حرام إذا غلى واشتد: مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ تین قسمیں (طلاء، سکر، نقیع الزبیب) اس وقت حرام ہوں گی جب جوش ماریں، تیز اور گاڑھا ہو جائیں، جیسا کہ بیان ہوا۔

یہاں مصنفؒ نے جھاگ پھینکنے کو ذکر نہیں فرمایا ہے، حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں بھی حرمت کیلئے شرط ہے کہ جھاگ آجائے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوئی۔

⑧ وحرمتها دون حرمة الخمر، فلا يكفر .....إلخ: «ها» کا مرجع آخری تین قسمیں ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ أشربہ کی آخری تین قسموں کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے۔ یعنی خمر کی حرمت نہایت سخت ہے، جبکہ آخری تین قسموں کی حرمت نسبتاً ہلکی ہے، کیونکہ خمر کی حرمت قطعی ویقینی نص (آیت وحدیث) سے ثابت ہے، جبکہ باقی تین قسموں کی حرمت قیاس واجتہاد سے ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ قیاس کا درجہ نص سے کمتر ہے۔ اور اسی وجہ سے خمر اور باقی تین قسموں کے احکام میں تین فرق ظاہر ہوئے:

① اگر کسی شخص نے آخری تین قسموں کو حلال سمجھا تو وہ کافر نہیں کہلائے گا، جبکہ خمر کا حلال سمجھنے والا بلا شک وشبہ کافر ہو جائیگا۔

① یعنی تازہ تر کھجوروں کو پانی میں ڈال کر رکھا جائے یہاں تک کہ پانی گاڑھا اور نشہ آور ہو جائے۔ اگلے مسئلے میں کشمش کا پانی بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

② آخری تین اَشربہ کے پینے والے پر اس وقت حد جاری ہوگی جب اس کو نشہ ہو جائے، جبکہ خمر پینے والا اگر ایک قطرہ بھی پی لے تو اس پر حد جاری ہو جائے گی، اگرچہ نشہ نہ ہو۔

③ خمر نجس العین ہے، اور بالاتفاق پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے، جبکہ آخری تین قسموں کی نجاست میں اختلاف ہے، بعض نے غلیظہ کہا ہے اور بعض نے خفیفہ قرار دیا ہے۔

⑨ وَالْحَلَالُ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ: نَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ إِنْ طُبِخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ وَإِنِ اشْتَدَّ إِذَا شَرِبَ مَا لَا يُسْكِرُ، بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ ⑩ وَالْخَلِيطَانِ ⑪ وَنَبِيذُ الْعَسَلِ، وَالتِّينِ، وَالْبُرِّ، وَالشَّعِيرِ، وَالذُّرَةِ طُبِخَ أَوْ لَا ⑫ وَالْمُثَلَّثُ الْعِنَبِيُّ.

ترجمہ: اور ان (اَشربہ) میں سے حلال چار ہیں: (پہلا) نبیذ تمر اور (نبیذ) زبیب ہے، بشرطیکہ پکائی جائے تھوڑے پکانے کے ساتھ، اگرچہ گاڑھی ہو جائے، جب پی لے اتنی مقدار جو نشہ نہ کرے، لہو اور مستی کے بغیر۔ اور (دوسری قسم) خليطان ہے۔ اور (تیسری قسم) شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ ہے، پکائی جائے یا نہ۔ اور (چوتھی قسم) مثلث عنبي ہے۔

لغات:

نبيذ: کھجور یا کشمش کا پانی۔ طرب: مستی، بیہوشی۔ خليطان: خليط کا تثنیہ ہے، بمعنی مخلوط، گڈمڈ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ کھجور اور کشمش کے پانی کو خلط ملط کر دیا جائے۔ التين: انجیر۔ الذرة: جوار، مکئی۔ المثلث: ثلث سے ماخوذ ہے، انگور کا وہ پانی جو آگ پر پکتے پکتے ایک ثلث (تہائی) رہ جائے۔

تشریح:

⑨ والحلال منها أربعة: نبيذ التمر والزبيب إن ....إلخ: اَشربہ میں سے چار قسم حلال ہیں: پہلی قسم خشک کھجور (چھواروں) اور کشمش کا پانی ہے، یعنی وہ پانی جس میں چھواروں یا کشمش کو ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ جوش مارے، تیز گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔ ایسے پانی کا پینا جائز ہے، بشرطیکہ: (۱) اس کو آگ پر رکھ کر ہلکا سا پکایا جائے۔ (۲) اتنی مقدار پئے جس سے نشہ نہ چڑھے۔ (۳) لہو ولعب اور مستی کی نیت سے نہ پئے، بلکہ علاج اور بدن کی تقویت کی نیت سے پئے۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خمر حرام لعینہ ہے، اس کا قلیل وکثیر حرام ہے اور (اس کے ماسوا) ہر شراب کا نشہ (حرام ہے)۔ [نسائی] یعنی خمر کے علاوہ دیگر اَشربہ کی اتنی مقدار حرام ہے جس سے نشہ ہو جائے، کم مقدار میں پینا جائز ہے جس سے نشہ نہ چڑھے۔

امام محمدؒ کے نزدیک نبیذ تمر اور نبیذ زبیب دونوں حرام ہیں، کیونکہ زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ ہو جاتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کر دے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ [ترمذی]

قول راجح:

امام محمدؒ کا قول راجح ہے۔قال الزیلعي: والفتوىٰ في زماننا بقول محمد.[تبیین: ۶/ ۴۷۔ردالمحتار:۱۰/ ۴۲]

⑩ والخليطان: اَشربہ کی حلال قسموں میں سے دوسری قسم خلیطان ہے۔خلیطان یہ ہے کہ کھجور اور کشمش کو ملا کر پانی میں ڈالا جائے اور آگ پر رکھ کر ہلکا سا پکایا جائے اور پھر رکھا جائے یہاں تک کہ جوش مارے، تیز اور گاڑھا ہوجائے، اس کا پینا جائز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مٹھی بھر چھوارے اور مٹھی بھر کشمش برتن میں رکھتے اور اس پر پانی ڈالتے، تو جس کو ہم صبح رکھتے اس کو آپ ﷺ شام کے وقت نوش فرماتے تھے، اور جو ہم شام کو رکھتے اس کو آپ ﷺ صبح کے وقت نوش فرماتے۔[ابن ماجہ] اور اس سے مراد وہ پانی ہے جس کو پکایا گیا ہو، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایسا کچا پانی پینا حرام ہے۔[تبیین الحقائق:۶/ ۴۶]

⑪ ونبیذ العسل، والتین، والبر، والشعیر: حلال قسموں میں سے تیسری قسم شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ ہے، یعنی ان چیزوں کو پانی میں ڈال کر رکھا جائے یہاں تک کہ گاڑھا اور تیز ہوجائے۔اس کو پینا حلال ہے، خواہ آگ پر پکایا جائے یا نہ پکایا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: الخمر من هاتين الشجرتين [مسلم] یعنی خمر ان دو درختوں سے بنتی ہے، آپ ﷺ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ حرام مشروب وہ ہے جو انگور اور کھجور سے بنا ہو، ان کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنا ہوا مشروب حرام نہیں ہوگا۔مگر شرط یہ ہے کہ پینے کا مقصد لہو ولعب اور نشہ کرنا نہ ہو، بلکہ بدن کی تقویت اور علاج کے ارادہ سے پیے۔یہ شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مذکورہ چیزوں کی نبیذ مطلقاً حرام ہے، خواہ کسی بھی نیت سے پیے، فتویٰ انہی کے قول پر۔[تبیین:۶/ ۴۷۔ردالمحتار:۱۰/ ۴۲]

⑫ والمثلث العنبي: حلال اَشربہ کی چوتھی قسم مثلث عنبی ہے۔یہ انگور کا وہ نچوڑ ہے جس کو آگ پر پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی خشک ہوکر ایک تہائی رہ جائے، اس کا پینا حلال ہے، اگرچہ تیز اور گاڑھا ہوجائے اور جھاگ پھینکے۔یہ شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مثلث عنبی حرام ہے، دلائل کی تفصیل مسئلہ نمبر (۹) میں بیان ہوئی۔یہاں بھی فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

اَشربہ (مشروبات) کا خلاصہ

نام	تعریف	حکم
خمر	انگور کا کچا پانی ہے، جو جوش مار کر، تیز اور گاڑھا ہوجائے۔	بالاتفاق حرام اور نجاست غلیظہ ہے، جس کا منکر کافر ہے۔
الطلاء/عصیر	انگور کا وہ پانی کہ آگ پر پکا کر دو تہائی سے کم خشک ہوجائے۔	بالاتفاق حرام ہے، مگر خمر سے کم ہے، جس کا منکر فاسق ہے۔
السَّكَر	تازہ کھجور کا کچا پانی جو جوش مار کر گاڑھا اور نشہ آور ہوجائے۔	بالاتفاق حرام ہے، مگر خمر سے کم ہے، جس کا منکر فاسق ہے۔
نقیع الزبیب	کشمش کا وہ کچا پانی جو جوش مار کر تیز اور گاڑھا ہوجائے۔	بالاتفاق حرام ہے، مگر خمر سے کم ہے، جس کا منکر فاسق ہے۔

نبيذ التمر و الزبيب	وہ پانی جس میں چھوارے یا کشمش ڈالا جائے یہاں تک کہ جوش مارے، تیز اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔	شیخین ؒ کے نزدیک حلال ہے، کہ علاج وتقویت کیلئے پئے جس سے نشہ نہ ہو۔ امام محمد ؒ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔
خليطان	کھجور اور کشمش کو پانی میں ڈال کر ہلکا سا پکایا جائے اور پھر رکھا جائے یہاں تک کہ جوش مارے تیز اور گاڑھا ہو جائے۔	بالاتفاق حلال ہے۔
نبيذ العسل، و التين، والبرّ، والشعير:	وہ پانی جس میں شہد، انجیر، گندم، جو یا جوار کو ڈال کر رکھا جائے، خواہ آگ پر پکایا جائے یا نہ پکایا جائے۔	شیخین ؒ کے نزدیک حلال ہے، کہ علاج وتقویت کیلئے پئے جس سے نشہ نہ ہو۔ امام محمد ؒ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔
مثلث عنبي	انگور کا وہ نچوڑ جس کو آگ پر پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ جائے۔	شیخین ؒ کے نزدیک حلال ہے، کہ علاج وتقویت کیلئے پئے جس سے نشہ نہ ہو۔ امام محمد ؒ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔

⑬ وَحَلَّ الْإِنْتِبَاذُ فِي الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيْرِ ⑭ وَحَلَّ الْخَمْرِ، سَوَاءٌ خُلِّلَتْ، أَوْ تَخَلَّلَتْ ⑮ وَكُرِهَ دُرْدِيُّ الْخَمْرِ، وَالْإِمْتِشَاطُ بِهِ ⑯ وَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ بِلَا سُكْرٍ.

ترجمہ: اور حلال ہے نبیذ بنانا کدو، رنگے ہوئے گھڑے، تارکول لگے ہوئے گھڑے اور لکڑے کے برتن میں۔ اور اب کا سرکہ، خواہ بنایا جائے یا خود بن جائے۔ اور مکروہ ہے شراب کی تلچھٹ اور اس سے کنگھی لگانا۔ اور حد نہیں لگائی جائے گی اس کے پینے والے کو بغیر نشہ کے۔

لغات:

انتباذ: افتعال کا مصدر ہے، نبیذ بنانا۔ الدباء: کدو، کدو سے بنا ہوا برتن، گھیا کدو۔ الحنتم: ہر قسم رنگ کا رنگا ہوا گھڑا، جیسے آج کل ٹیکرے کے مرتبان ہوتے ہیں۔ المزفت: تفعیل سے اسم مفعول ہے، وہ برتن جس کو تارکول لگایا گیا ہو، زِفت تارکول کو کہتے ہیں۔ النقير: وہ لکڑی جس کو تراش کر برتن بنایا جائے، لکڑی کا برتن۔ دردي: تلچھٹ: امتشاط: افتعال کا مصدر ہے، کنگھی لگانا۔

تشریح:

⑬ وحلّ الانتباذ في الدباء.... الخ: حاصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دباء، حنتم وغیرہ برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی، جب اسلام میں شراب حرام کردی گئی تو آپ ﷺ نے شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا، پھر کچھ عرصہ بعد

جب لوگ شراب کی عادت بھول گئے تو آپ ﷺ نے دباء، حنتم وغیرہ برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے کر فرمایا کہ ہر برتن میں پیو، برتن نہ تو کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے، مگر نشہ آور چیز نہ پیو۔ [مسلم] لہٰذا مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانا اور دیگر چیزوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

⓮ وخلُّ الخمر، سواء خُلِّلَت، أو تخلَّلت: أي: حلّ خلُّ الخمر. مسئلہ یہ ہے کہ شراب سے بنا ہوا سرکہ حلال ہے، خواہ اس میں نمک، مسالہ وغیرہ ڈال کر قصداً اسے سرکہ بنایا جائے، یا طویل عرصہ تک پڑے رہنے سے خود بخود سرکہ بن جائے، دونوں صورتوں میں وہ سرکہ پاک اور حلال ہے، اس لئے کہ سرکہ بننے سے شراب کی فاسد صفت اور فاسد مادہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اب اس کا حکم بھی حرمت سے حلت میں تبدیل ہو جائے گا۔

⓯ وكُرِه دُرْديّ الخمر، والامتشاط به: شراب کی تلچھٹ پینا اور اُسے تیل کی جگہ استعمال کر کے بالوں کو لگانا اور کنگھی کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ تلچھٹ میں شراب کے اجزاء ہوتے ہیں، اور شراب کے ایک قطرہ سے بھی نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

⓰ ولا يحدّ شاربُهُ بلا سكر: «ہ» کا مرجع دردیّ ہے۔ اگر کسی شخص نے شراب کی تلچھٹ پی لی تو نشہ ہوئے بغیر اس پر حد نہیں لگے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تلچھٹ پینے والے پر حد لگائی جائے گی، خواہ نشہ آئے یا نہ آئے، کیونکہ اس شخص نے خمر کا ایک جزء تو پیا ہے، اور خمر کا ایک قطرہ پینے والے پر حد جاری ہو جائے گی۔

ہم کہتے ہیں کہ تلچھٹ بے مزہ ہے، انسان کی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے، لہٰذا اس کی خمریّت (شراب ہونے) میں نقصان آیا، تو یہ دیگر اَشربہ کے مشابہ ہوئی، اور ان کا حکم یہی ہے کہ نشہ آئے بغیر ان کے پینے والے پر حد نہیں لگے گی۔ والله أعلم

☆☆☆

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

﴿كِتَابُ الصَّيْدِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الصيد. یعنی یہ کتاب شکار کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ صید باب ضرب (صاد يصيد) کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: شکار کرنا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: ''ایسے جانور کا شکار کرنا جو طبعی طور پر وحشی ہو، کسی کی ملک میں نہ ہو اور حیلہ کے بغیر اُسے نہ پکڑا جا سکتا ہو، خواہ اس جانور کا گوشت پاک ہو یا ناپاک ہو۔ اور جس جانور کو شکار کیا جاتا ہو اُسے بھی صید کہتے ہیں، یعنی شکار کا جانور۔

شکار کرنے کی دو قسمیں ہیں: ① شکاری جانور جیسے باز، کتے وغیرہ کے ذریعے شکار کرنا۔ ② تیر وغیرہ مار کر شکار کرنا۔

شکار کرنا جائز اور مباح ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا. [مائدہ:۲] ''اور جب تم احرام کھول چکو تو اب شکار کر سکتے ہو''۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عدی بن حاتم کو شکار کرنے کی اجازت دی۔ [بخاری]

مصنفؒ نے اس کتاب میں شکار سے متعلق تینتیس (۳۳) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① هُوَ الْإِصْطِيَادُ ② وَيَحِلُّ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ، وَالْفَهْدِ، وَالْبَازِيِّ، وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ ③ وَلَابُدَّ مِنَ التَّعْلِيْمِ ④ وَذَا بِتَرْكِ الْأَكْلِ ثَلَاثًا فِي الْكَلْبِ ⑤ وَبِالرُّجُوْعِ إِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِيِّ ⑥ وَمِنَ التَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْإِرْسَالِ ⑦ وَمِنَ الْجَرْحِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ.

ترجمہ: صید شکار کرنا ہے۔ اور حلال ہے تعلیم یافتہ کتے، چیتے، باز اور دیگر شکاری تعلیم یافتہ جانوروں سے۔ اور ضروری ہے تعلیم۔ اور یہ کھانا چھوڑ دینے سے ہے تین مرتبہ کتے کے حق میں۔ اور لوٹ آنے سے ہے جب تو اس کو بلائے باز کے حق میں۔ اور بسم اللہ (پڑھنا) بھیجنے کے وقت۔ اور زخم لگانا خواہ کسی بھی جگہ ہو۔

لغات:

الاصطياد: باب افتعال کا مصدر ہے، شکار کرنا۔ المعلّم: باب تفعیل کا اسم مفعول ہے، سدھایا ہوا، تعلیم دیا ہوا، تعلیم یافتہ۔

الفهد: چیتا۔ البازي: باز۔ الجوارح: جمع ہے جارحة کی، زخم لگانے والا، شکار کرنے والا۔

تشریح:

① هو الاصطياد: صید شکار کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صید کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ایک مصدری معنی میں یعنی شکار کرنا، اور دوسرا مفعول کے معنی میں یعنی وہ جانور جس کو شکار کیا جائے، یہاں ''كتاب الصيد'' میں صید

سے مراد مصدری معنی ہیں، نہ کہ مفعول کے معنی۔

۲ ويحلّ بالكلب المعلّم، والفهد، والبازي .... إلخ: سدھائے ہوئے کتے، چیتے، باز اور دیگر سکھائے ہوئے زخمی کرنے والے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے: أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ. [المائدہ:۴]

''تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں، اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سکھایا ہو، مسلط کئے ہوئے، تم ان کو سکھاتے ہو اس (علم) میں سے جو تم کو اللہ نے سکھایا ہے، تو جس جانور کو وہ تمہارے لئے پکڑلیں اس میں سے کھاؤ، اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو''۔

اس آیت کریمہ سے چار شرطیں معلوم ہوئیں: ① ماعلّمتم: اس شکاری جانور کو تعلیم دی گئی ہو۔ ② الجوارح: وہ شکار کو زخمی کردے۔ ③ مكلّبين: اس شکاری جانور کو شکار پر مسلط کیا گیا ہو، یعنی شکار کے پیچھے چھوڑا گیا ہو۔ ④ واذكروا اسم الله عليه: چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

شکار کرنا ہر اس جانور سے جائز ہے جو نوکیلے دانت یا پنجہ والا ہو، خواہ درندہ ہو یا پرندہ ہو، جیسے کتا، چیتا، باز، شاہین وغیرہ۔ سوائے شیر، ریچھ اور خنزیر کے، اس لئے کہ شیر اپنی غیرت اور ہمت کی وجہ سے دوسرے کیلئے شکار نہیں پکڑتا، خود ہی کھا جاتا ہے، اور ریچھ بڑا کمینہ اور خسیس جانور ہے، یہ کمینگی کی وجہ سے دوسرے کیلئے کام نہیں کرتا، اور خنزیر نجس العین ہے، اس کا پکڑا ہوا شکار مردار ہے۔

۳ ولا بدّ من التعليم: جس شکاری جانور سے شکار کیا جاتا ہے اس کو تعلیم دینا ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ آیت سے ثابت ہوا، لہٰذا بے تعلیم جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز تعلیم یافتہ جانور شکار کو اپنے لئے نہیں پکڑتا، بلکہ اپنے مالک کیلئے پکڑتا ہے، تو وہ انسان کا قائم مقام ہو کر شکار کرتا ہے، اس کے برخلاف بے تعلیم جانور اپنے لئے شکار پکڑ کر مردار کردیتا ہے۔

۴ وذا بترك الأكل ثلاثا في الكلب: «ذا» سے اشارہ ہے تعلیم کی طرف۔ مسئلہ یہ ہے کہ کتے میں تعلیم کی علامت یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ مسلسل شکار پکڑ کر اس میں سے نہ کھائے، صحیح سالم شکار لاکر مالک کے حوالہ کردے، کیونکہ تین ایسا عدد ہے جس کو عادتاً امتحان وآزمائش کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا مسلسل تین مرتبہ شکار پکڑ کر نہ کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ شکار میں سے نہ کھانا اس کی عادت بن گیا ہے، اور وہ تعلیم یافتہ ہوگیا ہے، اور تین سے کم مرتبہ میں یہ احتمال موجود ہے کہ شاید سیر ہونے کی وجہ سے نہ کھایا ہو۔

۵ وبالرجوع إذا دعوته في البازي: یہ عطف ہے بترك پر، أي: وذا بالرجوع ... باز میں تعلیم کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ اڑ جائے اور آپ اُسے بلائے تو وہ آجائے گا۔ تعلیم کی اصل علامت یہ ہے کہ جانور اپنی پسندیدہ چیز چھوڑ دے، اور باز کا پسندیدہ کام اڑ کر بھاگ جانا ہے، لیکن اگر وہ اتنا مانوس ہوجائے کہ بلانے سے واپس آجائے گا تو یہ اس کی تعلیم کی دلیل ہے۔

۶ ومن التسمية عند الإرسال: یہ عطف ہے من التعليم پر، أي: لا بدّ من التسمية... مسئلہ یہ ہے کہ شکار کے پیچھے کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲) میں آیت کریمہ سے ثابت ہوا۔ اور اس لئے بھی کہ

کتا شکار پکڑنے کا آلہ ہے، جیسے چھری ذبح کرنے کا آلہ ہے، تو جس طرح جانور کی گردن پر چھری پھیرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، بالکل اسی طرح شکار کے پیچھے کتا چھوڑتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔

⑦ ومن الجرح في أيّ موضع كان: أي: لا بدّ من الجرح..... شکار کے حلال ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کتا اس کو زخمی کردے، اگر کتے نے شکار کو پکڑ کر قتل کردیا اور زخمی نہیں کیا تو وہ مردار ہے، مذکورہ آیت میں مِنَ الْجَوَارِحِ سے یہی مراد ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جانور کا گوشت اس وقت حلال ہوگا کہ اس کے بدن سے خون نکل جائے، اور شکار میں ذبح حقیقی تو ممکن نہیں ہے، لہٰذا ذبح اضطراری بھی کافی ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ بدن کے کسی بھی حصے میں زخمی ہوجائے۔

⑧ فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِيْ: أُكِلَ ⑨ وَإِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ، أَوِ الْفَهْدُ: لَا ⑩ وَإِنْ أَدْرَكَهُ حَيًّا: ذَكَّاهُ ⑪ وَإِنْ لَمْ يُذَكِّهِ حَتَّى مَاتَ ⑫ أَوْ خَنَقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يَجْرَحْهُ ⑬ أَوْ شَارَكَهُ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ ⑭ أَوْ كَلْبُ مَجُوسِيٍّ ⑮ أَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ عَمْدًا: حَرُمَ.

ترجمہ: پس اگر شکار میں سے کھالیا باز نے تو کھایا جائے گا۔ اور اگر کھالیا کتے یا چیتے نے تو نہیں (کھایا جائے گا)۔ اور اگر شکار کو زندہ پالیا تو ذبح کردے۔ اور اگر اس کو ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ مرگیا۔ یا کتے نے اس کا گلا گھونٹا اور اس کو زخمی نہیں کیا۔ یا اس (کتے) کے ساتھ شریک ہوا غیر تعلیم یافتہ کتا۔ یا مجوسی کا کتا۔ یا ایسا کتا جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام قصداً، تو حرام ہے۔

تشریح:

⑧ فإن أكل منه البازي: أُكل: مسئلہ یہ ہے کہ اگر باز نے شکار کو پکڑ کر اس میں سے کچھ کھالیا تو اس شکار کا باقی گوشت حلال ہے، جس کو کھانا جائز ہے، اس لئے کہ شکار میں سے کھالینا باز کے بے تعلیم ہونے کی دلیل نہیں ہے، باز کے بے تعلیم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ بلانے سے واپس نہ آئے، لہٰذا شکار میں سے کھالینے کے باوجود اس کا شکار حلال ہے۔

⑨ وإن أكل الكلب والفهد: لا: أي: لا يؤكل. یعنی اگر کتے یا چیتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا تو باقی گوشت مردار ہے، اس کو نہیں کھایا جائے گا، اس لئے کہ کتے اور چیتے کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ شکار میں سے نہ کھائیں، اور جب کھالیں تو یہ ان کے بے تعلیم ہونے کی دلیل ہے، اور بے تعلیم جانور کا شکار مردار ہے۔

⑩ وان أدركه حيًّا: ذكّاه: مسئلہ یہ ہے کہ شکار کرنے والے نے شکار کے پیچھے کتا چھوڑا، کتے نے شکار پکڑ کر اس کو قتل نہیں کیا، زندہ سلامت پہنچا دیا، تو شکار کرنے والے پر لازم ہے کہ شکار کو ذبح کرے، آپ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم[1] رضی اللہ عنہ

---

① عدی بن حاتم طائی مشہور شکاری صحابی ہیں۔ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے ہیں۔ اپنے قبیلہ "طی" کے سردار تھے۔ پہلے عیسائی تھے، پھر خود آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اسلام لایا۔ آپ ﷺ مجلس میں ان کیلئے جگہ خالی کردیتے۔ باپ کی طرح سخی تھے، اگر کوئی آپؓ سے برتن مانگتا تو اُسے بھر کردیتے۔ سن ۶۷ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔

سے فرمایا: اگر تم نے زندہ شکار پایا تو اُسے ذبح کر دو۔ [بخاری] اور اس لئے بھی کہ زندہ شکار پانے سے ذبحِ اختیاری پر قدرت حاصل ہوئی، لہٰذا اب شرعی طریقہ سے گردن کی رگوں کو کاٹ کر ذبح کرنا ضروری ہے۔

⑪ وإن لم يذكه حتى مات: یہ شرط ہے، اس کی جزاء مسئلہ نمبر (۱۵) میں حرم ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر زندہ شکار پانے اور ذبح پر قدرت حاصل ہونے کے باوجود شکار کو ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو وہ مردار ہے، اس کا کھانا حرام ہے، کیونکہ حلّت کی شرط ذبح کرنا ہے، اور جب ذبح نہیں ہوا تو مردار ہوا۔ اور محض کتے کے پکڑنے سے شکار حلال نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ کتا شکار کو زخمی کرے، اور اس کے ذبح پر قدرت حاصل نہ ہو۔

⑫ أو خنقه الكلبُ ولم يجرحه: أي: إن خنقه... یہ شرط ہے، اس کی جزاء مسئلہ نمبر (۱۵) میں حرم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا، اس کو زخم نہیں لگایا تو یہ بھی حرام ہے، کھانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مسئلہ نمبر (۲) میں آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ شکار کو زخمی کرنا ضروری ہے، تاکہ اس کے جسم سے خون نکل کر ذبحِ اضطراری پایا جائے۔

⑬ أو شاركه كلب غير معلّم: أي: إن شاركه... یہ شرط ہے، اس کی جزاء مسئلہ نمبر (۱۵) میں حرم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تعلیم یافتہ کتا شکار کے پیچھے روانہ کر دیا، اور پھر ایک غیر تعلیم یافتہ کتا بھی اس کے ساتھ شریک ہوا اور دونوں نے مل کر شکار کو قتل کر دیا تو وہ بھی مردار ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنا کتا شکار کے پیچھے چھوڑ دیتا ہوں، اور پھر اس کے ساتھ ایک اور کتا بھی پالیتا ہوں، مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ شکار کو کس نے پکڑا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مت کھاؤ، کیونکہ تم نے تو اپنے ہی کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے۔ [بخاری]

⑭ أو كلب مجوسيّ: أي: إن شاركه كلب مجوسي. یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں حرم اس کی جزاء ہے۔ اگر مسلمان نے بسم اللہ پڑھ کر شکار کے پیچھے کتا روانہ کر دیا، اور پھر ایک مجوسی شخص کا کتا بھی اس کے ساتھ شریک ہوا اور دونوں نے مل کر شکار کو قتل کر دیا، تو اس کا گوشت حرام ہے، کیونکہ مجوسی کے کتے کا کیا ہوا شکار ایسا حرام ہے جیسے مجوسی کا ذبح کیا ہوا جانور، اور قاعدہ یہ ہے کہ حلال اور حرام جب جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہو جائے گا، چنانچہ حدیث میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ [تکملہ بحر: ۸/۴۱۳]

⑮ أو كلب لم يُذكر اسمُ الله عليه عمدا: حرم: أي: إن شاركه كلب... یہ شرط ہے، اور حرم اس کی جزاء ہے۔ اگر کسی شخص نے بسم اللہ پڑھ کر شکار کے پیچھے کتا روانہ کر دیا، اور پھر اس کے ساتھ ایسا کتا بھی شریک ہوا جس پر قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی گئی، اور دونوں نے مل کر شکار کو قتل کر دیا تو وہ حرام ہے، کیونکہ قصداً بسم اللہ چھوڑنے سے شکار مردار ہو جاتا ہے، اور حلال و حرام جب جمع ہو جائیں تو حرام غالب رہے گا۔

⑯ وَإِنْ أَرْسَلَ مُسْلِمٌ كَلْبَهُ، فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ، فَانْزَجَرَ:

حَلَّ ⓱ وَلَوْ أَرْسَلَهُ مَجُوسِيٌّ، فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ، فَانْزَجَرَ: حَرُمَ ⓲ وَإِنْ لَمْ يُرْسِلْهُ أَحَدٌ، فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ، فَانْزَجَرَ: حَلَّ.

ترجمہ: اور اگر مسلمان نے اپنا کتا چھوڑا، پھر کسی مجوسی نے اُسے ہنکا دیا اور وہ تیز ہو گیا، تو (شکار) حلال ہے۔ اور اگر اس کو چھوڑا مجوسی نے، پھر کسی مسلمان نے اُسے ہنکا دیا اور وہ تیز ہو گیا، تو حرام ہے۔ اور اگر اس کو کسی نے نہ چھوڑا ہو، پھر مسلمان نے اُسے ہنکا دیا اور وہ تیز ہو گیا، تو حلال ہے۔

لغات: زجر: باب نصر، کتے کو دھتکارنا، پیچھے سے ہنکانا۔ انزجر: باب انفعال سے ماضی ہے، ہنکانے کی وجہ سے مزید تیز ہونا۔

تشریح:

⓰ وإن أرسل مسلم كلبه .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی مسلمان نے اپنا کتا شکار کے پیچھے روانہ کر دیا، اور پھر کسی مجوسی نے اس کتے کو للکار کر ہنکا دیا جس سے کتا مزید تیز دوڑنے لگا، اور شکار کو پکڑ کر قتل کر دیا، تو وہ شکار حلال ہے، کیونکہ یہاں شکار کے قتل کی نسبت إرسال (چھوڑنے) کی طرف ہوگی، نہ کہ زجر کی طرف، کیونکہ إرسال قوی ہے، زجر اس کا تابع ہے، لہٰذا یہی سمجھا جائے گا کہ کتے نے مسلمان کے إرسال کی وجہ سے شکار پکڑا، نہ کہ مجوسی کے زجر کی وجہ سے۔

⓱ ولو أرسله مجوسي، فزجره مسلم .... إلخ: یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر کسی مجوسی نے اپنا کتا شکار کے پیچھے چھوڑا، اور پھر مسلمان نے اُسے ہنکا دیا اور کتے نے مزید تیز ہو کر شکار کو پکڑ کر قتل کر دیا تو وہ حرام ہے، کیونکہ یہاں بھی شکار پکڑنے کی نسبت إرسال کی طرف ہوگی، اور إرسال مجوسی نے کیا ہے، لہٰذا شکار حرام ہوگا، جیسے مجوسی کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہوتا ہے۔

⓲ وإن لم يرسله أحد، فزجره مسلم .... إلخ: اگر کتے کو کسی نے نہیں چھوڑا، بلکہ وہ خود شکار کے پیچھے بھاگا، پھر مسلمان نے اس کو ہنکا دیا جس سے کتا مزید تیز ہو گیا اور شکار کو پکڑ کر قتل کر دیا، تو وہ حلال ہے، کیونکہ یہاں إرسال ہے ہی نہیں، لہٰذا شکار پکڑنے کی نسبت زجر کی طرف ہوگی، اور یہ زجر إرسال کے حکم میں ہوگا، تو گویا شروع ہی سے مسلمان نے کتے کو چھوڑا۔

⓳ وَإِنْ رَمَى، وَسَمَّى، وَجَرَحَ: أُكِلَ ⓴ وَإِنْ أَدْرَكَهُ حَيًّا: ذَكَّاهُ ㉑ وَإِنْ لَمْ يُذَكِّهِ: حَرُمَ ㉒ وَإِنْ وَقَعَ سَهْمٌ بِصَيْدٍ، فَتَحَامَلَ، وَغَابَ، وَهُوَ فِي طَلَبِهِ، فَوَجَدَهُ مَيِّتًا: حَلَّ ㉓ وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ، ثُمَّ أَصَابَهُ مَيِّتًا: لَا.

ترجمہ: اور اگر تیر مارا اور بسم اللہ پڑھی اور زخمی کر دیا تو کھایا جائے گا۔ اور اگر اس کو زندہ پالیا تو اس کو ذبح کر دے۔ اور اگر ذبح نہیں کیا تو حرام ہے۔ اور اگر تیر لگا شکار کو، پھر مشقت اٹھا کر غائب ہوا، اور شکاری اس کی تلاش میں ہے، پس اس کو مرا ہوا پایا، تو حلال

ہے۔اور اگر بیٹھ گیا اس کی تلاش سے، پھر اس کو مرا ہوا پایا، تو (حلال) نہیں ہے۔

لغات: ذَکّٰی: (ذکّی یذکّی تذکیۃ) باب تفعیل سے ماضی ہے، جانور کو ذبح کرنا۔ تحامل: تکلیف و مشقت اٹھانا۔

تشریح:

⑲ وإن رمى، وسمّى، وجرح: أكل: یہاں سے شکار کی دوسری قسم، یعنی تیر مار کر شکار کرنے کے مسائل بیان فرمائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر شکار کی طرف تیر پھینکا، وہ جا کر شکار کو لگ گیا جس سے وہ زخمی ہو کر مر گیا، تو وہ حلال ہے، آپ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم اپنا تیر پھینکنے لگو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو، پس اگر شکار کو مرا ہوا پایا تو اس کو کھالو۔ [بخاری] نیز تیر لگنے سے جانور ذبحِ اضطراری کے ساتھ ذبح ہو جاتا ہے، اور ذبح ہونے سے جانور حلال ہو جاتا ہے۔

⑳ وإن أدركه حيًّا: ذكّاه: یعنی مذکورہ صورت میں اگر شکاری نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱۰) میں بیان ہوا۔

㉑ وإن لم يذكّه: حرم: اگر شکاری نے تیر مار کر شکار کو زخمی ہونے کی حالت میں زندہ پالیا اور اس کے ذبح پر قدرت حاصل ہوئی مگر اس کے باوجود ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ شکار مر گیا تو وہ حرام ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوا۔

㉒ وإن وقع سهم بصيد، فتحامل .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شکاری کا تیر شکار کو لگ کر وہ زخمی ہو گیا مگر شکار مشقت اٹھا کر بھاگ گیا اور شکاری کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، اس کے بعد شکاری مسلسل اس کی تلاش میں لگا رہا، یہاں تک کہ اُسے مردہ حالت میں شکار مل گیا، تو وہ حلال ہے، اس لئے کہ شکاری کا مسلسل تلاش کرنا اس بات کی علامت ہے کہ شکار اس کے تیر سے مرا ہے، تو گویا شکار غائب ہوا ہی نہیں، بلکہ شکاری کے سامنے مر گیا، اس لئے حلال ہے۔

㉓ وإن قعد عن طلبه، ثم أصابه ميتا: لا: أي: لا يحلّ. یعنی مذکورہ صورت میں اگر شکاری شکار کی تلاش سے بیٹھ گیا، پھر اچانک شکار اُسے مردہ حالت میں مل گیا، تو وہ حلال نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ ایسا شکار کھانا مکروہ (حرام) ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ تیر لگنے سے نہ مرا ہو، بلکہ زمین کے جانوروں نے قتل کر دیا ہو۔ [ہدایہ]

㉔ وَإِنْ رَمٰى صَيْدًا، فَوَقَعَ فِي مَاءٍ، أَوْ عَلٰى سَطْحٍ، أَوْ جَبَلٍ، ثُمَّ تَرَدّٰى مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ: حَرُمَ ㉕ وَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ اِبْتِدَاءً: حَلَّ ㉖ وَمَا قَتَلَهُ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهِ، أَوِ الْبُنْدُقَةُ: حَرُمَ ㉗ وَإِنْ رَمٰى صَيْدًا، فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ: أُكِلَ الصَّيْدُ، لَا الْعُضْوُ ㉘ وَإِنْ قَطَعَهُ أَثْلَاثًا، وَالْأَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ: أُكِلَ كُلُّهُ.

ترجمہ: اور اگر شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا، یا چھت پر، یا پہاڑ پر، پھر وہاں سے لڑھک گیا زمین پر، تو حرام ہے۔

اور اگر زمین پر گرا ابتداءً، تو حلال ہے۔ اور وہ شکار جس کو تیر قتل کر دے اپنی چوڑائی سے، یا غلّہ (قتل کر دے) تو وہ حرام ہے۔ اور اگر شکار کو تیر پھینکا اور کاٹ دیا اس کا ایک عضو، تو شکار کھایا جائے گا، نہ کہ عضو۔ اور اگر شکار کو کاٹا تین حصے کر کے، اور اکثر حصہ متصل ہے پچھلے حصے کے، تو سارا کھایا جائے گا۔

لغات:

سطح: چھت۔ تردّی: اوپر سے گرنا، گھڑے، کنویں وغیرہ میں گرنا۔ المعراض: تیر کا درمیانی موٹا حصہ، یہاں بغیر نوک والا تیر مراد ہے۔ عرض: چوڑائی۔ البندقة: غلیل کا غلّہ، مٹی سے بنا ہوا گول ڈھیلا، بندوق کا چھرا، گولی۔ العجز: پچھلا حصہ، سرین۔

تشریح:

۲۴ وإن رمی صیدا، فوقع في ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ شکار کو تیر لگ گیا جس سے وہ زخمی ہو کر پانی میں گر کر مر گیا، یا چھت پر گر کر مر گیا، یا پہاڑ پر گرا اور پھر وہاں سے لڑھک کر زمین پر گر کر مر گیا، تو حرام ہو جائے گا، اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ شکار کی موت تیر لگنے سے نہ ہوئی ہو، بلکہ پانی میں گرنے یا چھت پر یا پہاڑ پر گرنے سے ہوئی ہو، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تمہارا مارا ہوا شکار پانی میں گرے تو اُسے مت کھاؤ، کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ پانی نے اُسے مارا ہے یا تمہارے تیر نے۔ [مسلم] چھت پر یا پہاڑ پر گرنے کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

۲۵ وإن وقع علی الأرض ابتداء: حلّ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شکار کو تیر لگ گیا اور وہ زمین پر گر کر مر گیا تو حلال ہے، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، شکار تیر کھا کر عموماً زمین پر ہی گرتا ہے، اگر زمین پر گرنے کی وجہ سے شکار کو حرام قرار دیا جائے تو شکار کرنے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف پانی میں، یا چھت پر، یا پہاڑ پر گرنے سے بچنا ممکن ہے، لہٰذا شکاری کوشش کرے کہ ایسی جگہ شکار نہ مارے جس سے وہ پانی میں یا چھت اور یا پہاڑ پر گر جائے۔

۲۶ وما قتله المعراض بعرضه، أو البندقة: حرم: وہ شکار جس کو تیر کی تیز نوک نہ لگے، بلکہ تیر چوڑائی میں لگ کر اُسے قتل کر دے، یا غلّہ اور گولی لگ کر شکار کو قتل کر دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، آپ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جس شکار کو تیر کی دھار (نوک) لگے اُسے کھاؤ، اور جس کو چوڑائی میں تیر لگے اُسے مت کھاؤ۔ [بخاری] وجہ یہ ہے کہ چوڑائی میں تیر لگنے یا غلّہ لگنے سے شکار کے جسم میں زخم نہیں بنتا، بلکہ تیر اپنے ثقل اور دباؤ کی وجہ سے جسم کو کوٹتا توڑتا اور پھاڑتا ہے، جیسے بھاری پتھر سے مارے، حالانکہ شکار حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے جسم میں تیز دھار دار چیز لگ کر اُسے زخمی کر دے، تاکہ ذبح اضطراری پایا جائے۔

مسئلہ:

اگر غلیل کے غلّہ سے، یا بندوق اور یا پستول کی گولی سے، یا گول چھرے سے شکار کو مار کر قتل کر دیا، تو تمام صورتوں میں شکار مردار ہوگا، کیونکہ شرط یہ ہے کہ دھار دار چیز سے قتل کیا جائے، جبکہ غلّہ، گولی اور چھرا دھار دار نہیں ہیں۔ البتہ اگر گولی ایسی ہو جس کی تیز

نوک اور دھار ہو تو اس سے شکار کرنا جائز ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: احسن الفتاویٰ: ۷/ ۴۲۶

⑰ وإن رمى صيدا، فقطع عضوا منه ..... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے شکار کو تیر مارا جس سے شکار کا ایک مکمل عضو کٹ گیا تو شکار حلال ہے، اس کو کھایا جائے گا، کیونکہ زخمی ہو کر اس کا ذبح ہو گیا، اور کٹا ہوا عضو مردار ہے، اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسی کٹنے کی وجہ سے شکار مر گیا تو کٹا ہوا عضو بھی حلال ہے، کیونکہ وہ عضو ذبحِ اضطراری میں کٹ گیا ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے ذبحِ اختیاری میں جانور کا سر کٹ جائے تو وہ کٹا ہوا سر حلال ہے، لہٰذا ذبحِ اضطراری میں کٹا ہوا عضو بھی حلال ہوگا۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: زندہ جانور سے جو عضو کاٹ دیا جائے وہ مردار ہے۔ [أبوداؤد] اس میں مطلق حکم ہے، خواہ کٹنے کی وجہ سے جانور مرے یا نہ مرے۔

⑱ وإن قطعه أثلاثا، والأكثر مما يلي العجز: أكل كلّه: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شکاری نے تیر مار کر شکار کے جسم کا تیسرا حصہ کاٹ دیا، اور اکثر حصہ (دو تہائی) سرین کی طرف رہا، تو سارا کھایا جائے گا، کٹا ہوا ثلث بھی حلال ہے اور باقی دو ثلث بھی حلال ہیں، اس لئے کہ یہاں اگر چہ زندہ جانور سے ایک حصہ کاٹا گیا ہے لیکن جو حصہ سرین کی طرف رہ گیا ہے اس کے زندہ رہنے کا امکان نہیں ہے، تو گویا زندہ جانور سے نہیں بلکہ مرے ہوئے جانور سے کاٹا گیا، یہ مسئلہ پچھلے مسئلے کے برخلاف ہے۔

⑲ وَحَرُمَ صَيْدُ الْمَجُوسِيِّ، وَالْوَثَنِيِّ، وَالْمُرْتَدِّ ⑳ وَإِنْ رَمَى صَيْدًا، فَلَمْ يُثْخِنْهُ، فَرَمَاهُ آخَرُ، فَقَتَلَهُ: فَهُوَ لِلثَّانِي، وَحَلَّ ㉑ وَإِنْ أَثْخَنَهُ: فَلِلْأَوَّلِ، وَحَرُمَ ㉒ وَضَمِنَ الثَّانِي لِلْأَوَّلِ قِيمَتَهُ، غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ ㉓ وَحَلَّ اصْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ، وَمَا لَا يُؤْكَلُ.

ترجمہ: اور حرام ہے آتش پرست، بت پرست اور مرتد کا شکار۔ اور اگر شکار کو تیر مارا مگر اس کو کمزور نہیں کیا، پھر دوسرے آدمی نے اس کو تیر مارا اور اس کو قتل کر دیا، تو وہ دوسرے کا ہے اور حلال ہے۔ اور اگر کمزور کر دیا تو پہلے کا ہے اور حرام ہے۔ اور دوسرا تاوان دے گا پہلے کو اس کی قیمت کا، سوائے وہ جس کو کم کر دیا ہے اس کے زخم نے۔ اور شکار کرنا حلال ہے اس جانور کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور جس کا نہیں کھایا جاتا۔

لغات:

یثخن: اِفعال کا مضارع ہے، کمزور کرنا، نیم جاں کرنا۔ الوثني: بت پرست۔ المجوسي: آتش پرست، آگ کا پجاری۔

تشریح:

⑲ وحرم صيد المجوسي، والوثني ..... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ آتش پرست، بت پرست اور مرتد اگر شکار کو قتل

کریں تو وہ مردار ہے، کیونکہ یہ لوگ ذبح کے اہل نہیں ہیں، (جیسا کہ كتاب الذبائح مسئلہ نمبر (۴) میں بیان ہوا)، لہٰذا ان کا قتل کیا ہوا شکار بھی مردار ہوگا، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص ذبح کا اہل ہو وہ شکار کا بھی اہل ہوگا، اور جو ذبح کا اہل نہیں ہوتا وہ شکار کا بھی اہل نہیں ہوگا۔

⑳ وإن رمى صيدا، فلم يثخنه، فرماه آخر...... إلخ: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے شکار کو تیر مار کر اُسے زخمی کر دیا، مگر شکار کو کمزور نہیں کیا، وہ پہلے کی طرح تیز بھاگ رہا ہے، اس کے بعد دوسرے آدمی نے تیر چلا کر اُسے قتل کر دیا، تو وہ شکار دوسرے آدمی کا ہے، اور حلال ہے۔ دوسرے آدمی کا اس لئے ہے کہ اسی نے شکار کا کام تمام کر دیا، پہلے آدمی کے تیر مارنے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس نے شکار کے اندر کوئی اثر ہی نہیں کیا۔ اور شکار حلال اس لئے ہوگا کہ شکار کی حالت میں جب ذبحِ اختیاری پر قدرت نہ ہو، تو ذبحِ اضطراری (زخمی کرنا) کافی ہے، اور وہ پایا گیا۔

㉑ وإن أثخنه: فللأول، وحرم: یعنی مذکورہ صورت میں اگر پہلے آدمی نے شکار کو تیر مار کر کمزور کر دیا، وہ جان بچا کر نہیں بھاگ سکتا تھا، اس کے بعد دوسرے آدمی نے تیر چلا کر اُسے قتل کر دیا، تو یہ مرا ہوا شکار پہلے آدمی کا ہے، وہ مردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے، پہلے آدمی کا اس لئے ہوگا کہ اسی نے شکار کو مار کر کمزور کر دیا، تو گویا اسی نے قتل کر دیا۔ اور شکار مردار اس لئے ہوگا کہ ایسی صورت میں یہ ممکن تھا کہ شکار کو زندہ پکڑ کر ذبحِ اختیاری کے ساتھ ذبح کر دیا جاتا، مگر دوسرے آدمی نے بلا وجہ اس کو تیر مار کر قتل کر دیا، اور ظاہر ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا ممکن ہو اس کو تیر سے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

㉒ وضمن الثاني للأول قيمتَهُ غير ما نقصتهُ جراحتُهُ: «ہٗ» کی پہلی ضمیر کا مرجع صيد ہے، اور دوسری ضمیر کا مرجع «ما» ہے، «ما» سے مراد قیمت کا وہ حصہ ہے جو زخم لگنے کی وجہ سے کم ہو گیا ہے، اور تیسری ضمیر کا مرجع الأول ہے۔
حاصل یہ ہے کہ ماقبل مسئلے کی صورت میں دوسرے آدمی پر لازم ہے کہ شکار کی قیمت کا تاوان پہلے آدمی کو ادا کر دے، مگر پہلے آدمی کے زخم نے شکار کی قیمت میں جو نقصان کیا ہے وہ ادا نہ کرے۔

دوسرے آدمی پر تاوان دینا اس لئے لازم ہے کہ اس نے بلا وجہ شکار کو تیر مار کر مردار کر دیا، کیونکہ پہلے آمی نے شکار کو کمزور کر دیا تھا، وہ اس کو زندہ پکڑ سکتا تھا، تو تیر مار کر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ البتہ پہلے آدمی کے زخم سے جو نقصان ہوا ہے وہ دوسرے آدمی پر لازم نہیں ہے، کیونکہ نقصان میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، مثلاً شکار کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، پہلے آدمی کے زخم لگنے سے اس کی قیمت کم ہو کر چھ سو روپے ہوئی، تو دوسرا آدمی قتل کرنے کی وجہ سے فقط چھ سو روپے کا تاوان ادا کرے۔

㉓ وحلّ اصطياد ما يؤكل لحمه، وما لا يؤكل: مسئلہ یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا شکار کرنا بھی جائز ہے، اور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کا شکار کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ شکار کرنے کا مقصد جانور سے نفع لینا ہے، اور ماکول اللحم جانور کا گوشت پاک ہو کر اُسے کھا کر نفع لیا جا سکتا ہے، اور غیر ماکول اللحم جانور کی کھال اور ہڈیاں پاک ہو کر اس سے نفع لیا جا سکتا ہے، اگرچہ کھانا جائز نہ ہو۔ والله أعلم بالصواب

﴿كِتَابُ الرَّهْنِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الرهن. یعنی یہ کتاب رہن کے احکام کے بیان میں ہے۔ الرهن بابِ فتح کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز کو حبس کرنا، روک لینا، خواہ کسی بھی وجہ سے اور کسی بھی طریقہ سے ہو۔ اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: كُلُّ امْرِءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ. [الطور:۲۱] "ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہے"۔

شریعت کی اصطلاح میں رهن کے معنی ہیں: اپنے حق (جیسے دَین یا قرض وغیرہ) کے عوض کوئی ایسی چیز اپنے پاس روک لینا جس سے اپنا حق وصول ہو سکے"۔ اردو میں رهن کے معنی "گروی" سے کرتے ہیں۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔

رهن (گروی رکھنے) کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوْضَةٌ. [بقرہ:۲۸۳] "اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے (تو بطور ضمانت) رہن قبضے میں رکھ لئے جائیں"۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے کسی یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور لوہے کی ایک زرہ اس کے پاس رہن رکھی۔ [بخاری]

دَین، قرض وغیرہ کے عوض وثيقة (اعتماد و پختگی) کیلئے مدیون ومقروض سے رہن لینا جائز ہے، واجب اور ضروری نہیں ہے۔

کتاب الرہن کے مسائل سمجھنے کیلئے درج ذیل اصطلاحات ذہن نشین کرنا ضروری ہیں:

راهن: رہن دینے والا۔ مرتهن: رہن لینے والا۔ مرهون: وہ چیز جس کو رہن میں دی جائے، اس کو رهن بھی کہتے ہیں۔

مصنفؒ نے اگلے باب تک رہن سے متعلق اٹھارہ (۱۸) بنیادی مسائل ذکر کئے ہیں۔

> ① وَهُوَ حَبْسُ شَيْءٍ بِحَقٍّ يُمْكِنُ اِسْتِيْفَاؤُهُ مِنْهُ، كَالدَّيْنِ ② وَيَنْعَقِدُ بِإِيْجَابٍ وَقَبُوْلٍ ③ وَيَتِمُّ بِقَبْضِهِ مَحُوْزًا، مُفَرَّغًا، مُمَيَّزًا ④ وَالتَّخْلِيَةُ فِيْهِ، وَفِي الْبَيْعِ: قَبْضٌ ⑤ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَنِ الرَّهْنِ مَا لَمْ يَقْبِضْهُ.

ترجمہ: رہن کسی چیز کو (اپنے پاس) روک لینا ہے ایسے حق کے عوض جس کو حاصل کرنا ممکن ہو اس (چیز) سے، جیسے دَین۔ اور منعقد ہو جاتا ہے ایجاب وقبول سے۔ اور تام ہو جاتا ہے اس پر قبضہ کرنے سے کہ وہ (چیز) جمع کی ہوئی ہو، فارغ کی گئی ہو، اور الگ کی گئی ہو۔ اور تخلیہ کرنا رہن میں اور بیع میں قبضہ کرنا ہے۔ اور راہن کو اختیار ہے کہ رہن سے رجوع کرے جب تک (مرتہن نے) اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔

لغات: استيفاء: استفعال کا مصدر ہے، وصول کرنا، پورا پورا لے لینا۔ محوز: بابِ نصر (حَازَ يَحُوْزُ حَوْزًا) کا اسم مفعول

ہے، جمع کیا ہوا، اکٹھا کیا ہوا۔ مفرّغا: تفعیل کا اسم مفعول ہے، فارغ کیا ہوا، خالی کیا ہوا۔ التخلية: باب تفعیل (خلّی یُخلِي) کا مصدر ہے، کسی چیز کو دوسری کے ساتھ اکٹھا چھوڑنا، مثلاً مبیع کو مشتری کے پاس اس طرح چھوڑنا کہ مشتری کو ہر وقت مبیع پر قبضہ کرنے کی قدرت ہو۔

تشریح:

❶ هو حبس شيء بحق يمكن استيفاؤه ....الخ: یہ رہن کی اصطلاحی تعریف ہے، حاصل یہ ہے کہ رہن اس کو کہتے ہیں کہ کسی حق (مثلاً دَین، قرض وغیرہ) کے عوض کسی چیز کو اپنے پاس روکھا جائے تا کہ اس چیز سے اپنا حق وصول کیا جا سکے، مثلاً دائن نے مدیون کو ہزار روپے دَین دیا ہے، اور اس کے عوض میں مدیون کی گھڑی اپنے پاس روک لی، کہ اگر مدیون دَین ادا نہ کرے تو دائن اپنا حق (ہزار روپے) گھڑی سے وصول کرے، یعنی گھڑی کو بیچ کر اس کے ثمن سے اپنا حق وصول کرے۔

آخر میں کالدین سے "بحق يمكن استيفاؤه منه" کی وضاحت فرمائی، مطلب یہ ہے کہ رہن ہر حق کے عوض نہیں لیا جاتا، بلکہ صرف اس حق کے عوض لیا جاتا ہے جس کو مرہون چیز سے وصول کرنا ممکن ہو، جیسے دَین، قرض وغیرہ، لہٰذا اگر کسی پر حد یا قصاص کا حق لازم ہو، تو اس کے عوض میں رہن نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ حد یا قصاص ایسا حق ہے جس کو مرہون سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔

❷ وينعقد بإيجاب وقبول: رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے، مثلاً راہن کہے کہ میں یہ چیز رہن میں دیتا ہوں، اور مرتہن کہے کہ مجھے قبول ہے۔ رہن بھی ایک عقد ہے، لہٰذا دیگر عقود کی طرح اس کیلئے بھی ایجاب وقبول ضروری ہیں۔ بعض نسخوں میں ينعقد کی جگہ لزم ہے، یہ غلط ہے، کیونکہ رہن ایجاب وقبول سے نہیں، بلکہ قبضہ سے لازم ہوتا ہے، اگلے مسئلے میں اسی کا بیان ہے۔

❸ ويتمّ بقبضه محوزا، مفرّغا، مميزا: یعنی ایجاب وقبول کے بعد جب مرتہن رہن پر قبضہ کر لے تو عقد تام اور لازم ہو گیا، اب راہن اس کو نہیں توڑ سکتا، اور قبضہ کیلئے شرط ہے کہ: ① رہن کی چیز جمع کی گئی ہو، متفرق ومنتشر نہ ہو، لہٰذا درخت پر لگے ہوئے پھل کا رہن صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کو جمع نہیں کیا گیا۔ ② اور رہن کی چیز خالی اور فارغ ہو، لہٰذا ایسا گھر جس میں راہن کا سامان پڑا ہوا ہے اس کا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ گھر فارغ نہیں ہے۔ ③ اور رہن کی چیز الگ اور علیحدہ ہو، لہٰذا چار ہزار فٹ زمین میں سے نامعلوم دو ہزار فٹ کا رہن صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان دو ہزار فٹ کو الگ نہیں کیا گیا ہے۔ یہ شرطیں اس لئے لگائیں تا کہ مرتہن صحیح طرح قبضہ کر سکے۔

❹ والتخلية فيه، وفي البيع: قبض: مسئلہ یہ ہے کہ رہن میں اور بیع میں تخلیہ کرنا قبضہ کرنے کے حکم میں ہے، مثلاً راہن نے مرہون چیز مرتہن کے سامنے رکھ دی اور مرتہن کو اس پر قبضہ کرنے کی قدرت حاصل ہوئی، یا مثلاً مرہون چیز کسی مکان میں ہے، راہن نے مرتہن کو اس مکان کی چابی دی، اس کو تخلية کہتے ہیں، اب مرتہن خواہ وہ چیز اٹھائے یا نہ اٹھائے اس کا قبضہ ہو گیا، لہٰذا تخلیہ کرنے کے بعد اگر مرتہن نے وہ چیز نہیں اٹھائی اور وہ ہلاک ہو گئی تو اس کا تاوان مرتہن پر آئے گا۔

یہی حکم بیع میں بھی ہے، کہ بائع نے مشتری کو قدرت دی کہ وہ جب بھی چاہے مبیع پر قبضہ کر لے، تو اس سے مشتری کا قبضہ ہو گیا، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس اونٹ سے نہیں اترے اور مدینہ منورہ

تک اس پر سفر کیا، مگر تخلیہ ہونے سے آپ ﷺ کو قبضہ ہوگیا، معلوم ہوا کہ تخلیہ سے قبضہ ہوجاتا ہے۔[جدید معاشی مسائل:۴/۹۹]

⑤ ولہٗ أن یرجع عن الرھن ما لم یقبضہ: لہٗ میں ضمیر کا مرجع راھن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ راہن اور مرتہن کے درمیان عقدِ رہن ہونے کے بعد جب تک مرتہن نے مرہون چیز پر قبضہ نہ کیا ہو راہن کو اختیار حاصل ہے کہ عقد سے رجوع کرے، کیونکہ عقدِ رہن تبرع کا عقد ہے، ایجاب وقبول سے لازم نہیں ہوجاتا، لہٰذا راہن اس کو توڑ کر رجوع کرسکتا ہے۔ البتہ جب مرتہن مرہون پر قبضہ کرلے تو اس کا حق مرہون سے متعلق ہوگیا، اب عقدِ رہن لازم ہوگیا، اس لئے راہن کو رجوع کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

⑥ وَهُوَ مَضْمُوْنٌ بِأَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ ⑦ فَلَوْ هَلَكَ وَقِيْمَتُهٗ مِثْلُ دَيْنِهٖ: صَارَ مُسْتَوْفِيًا دَيْنَهٗ ⑧ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهٖ: فَالْفَضْلُ أَمَانَةٌ، وَبِقَدْرِ الدَّيْنِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا ⑨ وَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ: صَارَ مُسْتَوْفِيًا بِقَدْرِهٖ، وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ.

ترجمہ: اور رہن کا تاوان ہوگا اس کی قیمت اور دَین میں سے کمتر سے۔ پس اگر ہلاک ہوگیا اور اس کی قیمت اس کے دَین کے برابر ہے، تو (مرتہن) وصول کرنے والا ہوگیا اپنے دَین کو۔ اور اگر (قیمت) زیادہ ہو اس کے دَین سے تو زیادتی امانت ہے، اور دَین کے بقدر (مرتہن) وصول کرنے والا ہوگیا۔ اور اگر (قیمت) کم ہو تو (مرتہن) وصول کرنے والا ہوگا رہن کے بقدر، اور مرتہن رجوع کرے باقی کا۔

تشریح:

⑥ وھو مضمون بأقلّ من قیمتہ ....إلخ: «ہ» کا مرجع مرھون ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوجائے تو مرتہن پر مرہون کی قیمت اور دَین میں سے جو کم ہو اس کا تاوان آئے گا، مثلاً مرتہن نے راہن کو پندرہ ہزار روپے دَین دیا ہے، اور مرہون کی قیمت دس ہزار روپے ہے، اب اگر مرہون چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس پر مرہون کی قیمت کا تاوان آئے گا، لہٰذا دَین میں سے دس ہزار روپے ساقط ہوگئے، اور راہن پر صرف پانچ ہزار روپے دَین باقی رہ گیا۔

اور اگر اس کے برعکس دَین دس ہزار روپے ہے اور مرہون کی قیمت پندرہ ہزار روپے ہے، اور پھر مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہوجائے، تو اس پر دَین کے بقدر (دس ہزار روپے) تاوان آئے گا، لہٰذا راہن سے سارا دَین ساقط ہوجائے گا، اور مرہون کی قیمت میں جو پانچ ہزار روپے زائد ہیں وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہیں، ان کا کوئی ضمان وتاوان نہیں ہوگا۔

⑦ فلو ھلک وقیمتہ مثل دینہ: صار مستوفیا دینہ: ماقبل والے مسئلے میں بتادیا کہ اگر رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس پر رہن کی قیمت اور دَین میں سے جو کم ہے اس کا تاوان آئے گا، اس میں تین صورتیں بنتی ہیں:

(۱) رہن کی قیمت اور دَین برابر ہیں۔ (۲) رہن کی قیمت زیادہ اور دَین کم ہے۔ (۳) دَین زیادہ اور رہن کی قیمت کم ہے۔

اس مسئلے میں پہلی صورت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا اور اس کی قیمت اور دَین برابر

ہیں، مثلاً رہن کی قیمت بھی دس ہزار روپے ہے اور دَین بھی دس ہزار ہے، تو رہن ہلاک ہونے سے مرتہن اپنے دَین کو وصول کرنے والا ہو جائے گا، یعنی جب رہن اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا تو گویا اس نے اپنا سارا دَین وصول کرلیا، لہٰذا راہن سے سارا دین ساقط ہوگیا۔

⑧ وإن كانت أكثر من دينه: فالفضل أمانة....إلخ: یہ دوسری صورت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر رہن کی قیمت زیادہ ہے، مثلاً پندرہ ہزار ہے اور دَین دس ہزار ہے، اور پھر رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا، تو مرتہن اپنے دَین کے بقدر یعنی دس ہزار روپے کا وصول کرنے والا ہوگیا، لہٰذا راہن سے سارا دَین ساقط ہوگیا، اور رہن کی قیمت میں جو پانچ ہزار زائد ہیں وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہیں، ان کا کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

⑨ وإن كانت أقلّ: صار مستوفيا بقدره ....إلخ: یہ تیسری صورت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر رہن کی قیمت کم ہے، مثلاً دس ہزار روپے ہے اور دَین پندرہ ہزار ہے، اور پھر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا، تو مرتہن رہن کے بقدر یعنی دس ہزار روپے کا وصول کرنے والا ہوگیا، لہٰذا اس کے دَین میں سے دس ہزار ساقط ہوگئے، اور پانچ ہزار باقی رہ گئے، وہ راہن پر اسی باقی دَین کا رجوع کر کے اس سے وصول کرلے۔

⑩ وَلَهُ أَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ، وَيَحْبِسَهُ بِهِ ⑪ وَيُؤْمَرُ الْمُرْتَهِنُ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ، وَالرَّاهِنُ بِأَدَاءِ دَيْنِهِ أَوَّلًا ⑫ وَإِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ: لَا يُمَكِّنُهُ مِنَ الْبَيْعِ حَتَّى يَقْضِيَهُ الدَّيْنَ ⑬ فَإِذَا قَضَى: سَلَّمَ الرَّهْنَ ⑭ وَلَا يَنْتَفِعُ الْمُرْتَهِنُ بِالرَّهْنِ اِسْتِخْدَامًا، وَسُكْنَى، وَلُبْسًا، وَإِجَارَةً، وَإِعَارَةً.

ترجمہ: اور مرتہن کو حق ہے کہ راہن سے مطالبہ کرے اپنے دَین کا، اور اس کو قید کرسکتا ہے دَین کے سبب۔ اور حکم دیا جائے گا مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا، اور پہلے راہن کو (حکم دیا جائے گا) اس کے دَین ادا کرنے کا۔ اور اگر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو راہن کو قدرت نہ دے فروخت کرنے کی، یہاں تک کہ اس کو دَین ادا کردے۔ اور جب (دَین) ادا کردیا تو رہن تسلیم کردے۔ اور مرتہن نفع نہ اٹھائے رہن سے خدمت لے کر، رہائش کرکے، پہن کر، اجارہ پر دے کر اور عاریت پر دے کر۔

تشریح:

⑩ وله أن يطالب الراهن بدينه....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن کو حق حاصل ہے کہ راہن سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، اور اگر راہن دَین ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے تو مرتہن اُسے قید بھی کرسکتا ہے، اس لئے کہ رہن لینے کے بعد بھی مرتہن کا حق باقی ہے، اور جب تک راہن دَین ادا نہ کرے مرتہن کو ہر وقت مطالبہ کرنے اور راہن کو تنگ کرنے کا حق رہے گا۔

⑪ ويؤمر المرتهن بإحضار رهنه ....إلخ: جب مرتہن راہن سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے تو سب سے پہلے

مرتہن کو حکم دیا جائے گا کہ رہن لا کر مجلس میں حاضر کرو، ایسا نہیں ہوسکتا کہ مرتہن رہن کو حاضر نہ کرے اور دَین کا مطالبہ کرے، کیونکہ ایسا کرنے سے گویا وہ دو مرتبہ دَین وصول کررہا ہے: ایک مرتبہ رہن پر قبضہ کرکے وصول کیا، اور دوسری مرتبہ دَین کے دراہم و دنانیر پر قبضہ کرکے وصول کررہا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور جب مرتہن نے رہن کو مجلس میں حاضر کردیا تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے تم دَین ادا کرو، اس کے بعد مرتہن رہن حوالہ کردے، کیونکہ رہن معلوم و متعین ہے، اور راہن کا حق بھی اس میں ثابت ہے، اب اس بات کی ضرورت ہے کہ دَین بھی متعین ہوکر اس میں مرتہن کا حق ثابت ہوجائے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ پہلے راہن مرتہن کو دَین تسلیم کردے، جیسے بیع میں پہلے مشتری ثمن دیتا ہے، پھر بائع مبیع حوالہ کردیتا ہے، کتاب البیوع مسئلہ نمبر (۴۳) میں تفصیل گزر گئی ہے۔

⓬ وإن كان الرهن في يد المرتهن: لا يمكنه ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو اس کو حق حاصل ہے کہ جب تک راہن اس کا دَین ادا نہ کرے اس وقت تک وہ راہن کو رہن فروخت کرنے پر قدرت نہ دے، کیونکہ عقدِ رہن کی وجہ سے مرتہن کو احتباس (اپنے پاس روک لینے) کا حق حاصل ہے، اب اگر راہن کو رہن فروخت کرنے پر قدرت دی جائے تو اس سے مرتہن کا حق (احتباس) ضائع ہوجائے گا، اس لئے مرتہن راہن کو فروخت کرنے سے روک سکتا ہے۔

⓭ فإذا قضى: سلّم الرهنَ: جب راہن دَین ادا کردے تو مرتہن اس کو رہن تسلیم کردے، اب مرتہن کیلئے جائز نہیں ہے کہ رہن اپنے پاس روک لے، کیونکہ اس کو دَین کی وجہ سے احتباس کا حق حاصل تھا، جب دَین وصول ہوگیا تو اس کا یہ حق بھی ختم ہوگیا۔

⓮ ولا ينتفع المرتهن بالرهن استخداما، وسكنًى....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا، لہٰذا اگر رہن غلام ہو تو اس سے خدمت نہیں لے سکتا، اگر گھر ہو تو اس میں رہائش نہیں کرسکتا، اور اگر کپڑا ہو تو اس کو پہن نہیں سکتا، کیونکہ مرتہن کو صرف اپنے پاس روکنے کا حق ہے، نہ کہ نفع لینے کا۔ اور اسی طرح رہن کو نہ کرایہ پر دے سکتا ہے، اور نہ کسی کو عاریت پر دے سکتا ہے، اس لئے کہ جب وہ خود رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا تو دوسرے کو بھی نفع کا مالک نہیں بنا سکتا۔

رہن سے نفع اٹھانا

رہن سے نفع اٹھانے کی دو صورتیں ہیں: ﴿۱﴾ ایک یہ کہ اس کی شرط لگائی جائے، مثلاً مرتہن کہے کہ میں اس شرط پر ادھار دیتا ہوں کہ تم مجھے رہن دوگے اور میں رہن سے نفع اٹھاؤں گا، یا عقدِ رہن میں فائدہ اٹھانے کی شرط لگائی جائے۔ یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں مرتہن ادھار دے کر نفع اٹھاتا ہے، اور یہ ربا (سود) ہے، اور ہر وہ دَین جس سے نفع لیا جائے وہ ربا ہے۔

﴿۲﴾ دوسری صورت یہ ہے کہ مرتہن نے نفع اٹھانے کی شرط نہیں لگائی، راہن از خود اس کو نفع اٹھانے کی اجازت دے۔ اس صورت کو بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے، ایک تو اس لئے کہ مرتہن کا نفع اٹھانا ربا ہے، اور ربا اجازت دینے سے جائز نہیں ہوتا، اور دوسرے اس لئے کہ رہن سے نفع اٹھانے کا رواج ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ ادھار دے کر مکان یا زمین گروی لیتے ہیں وہ اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور اسی غرض سے ادھار دیتے ہیں، اور المعروف كالمشروط کے قاعدہ کے مطابق

یہ ایسا ہے جیسے شرط لگائی جائے، اس لئے جائز نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ ہمارے علاقوں میں گھر، مکان، زمین، دکان وغیرہ کی گروی کا جو رواج ہے یہ جائز نہیں ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: توثیق الدیون: ۱۲۱۵، أحسن الفتاوی: ۸/ ۲۹۷، إمداد الفتاوی: ۳/ ۴۵۴

⑮ وَيَحْفَظُهُ بِنَفْسِهِ، وَزَوْجَتِهِ، وَوَلَدِهِ، وَخَادِمِهِ الَّذِي فِي عِيَالِهِ ⑯ وَضَمِنَ بِحِفْظِهِ بِغَيْرِهِمْ، وَبِإِيْدَاعِهِ، وَتَعَدِّيهِ قِيمَتَهُ ⑰ وَأُجْرَةُ بَيْتِ حِفْظِهِ، وَحَافِظِهِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ⑱ وَأُجْرَةُ رَاعِيهِ، وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ، وَالْخَرَاجِ عَلَى الرَّاهِنِ.

ترجمہ: اور (مرتہن) حفاظت کرسکتا ہے خود، اپنی بیوی سے، اپنی اولاد سے اور اپنے خادم سے جو اس کے اہل وعیال میں سے ہو۔ اور ضمان دے گا رہن کی حفاظت کروانے سے ان علاوہ سے، اور اس کو ودیعت رکھوانے، اور اس پر تجاوز کرنے سے، اس کی قیمت کا۔ اور رہن کے کمرے کی حفاظت کا کرایہ، اور اس کے چوکیدار کا (کرایہ) مرتہن پر ہے۔ اور اس کے چرواہے کی مزدوری، اور رہن کا نان نفقہ، اور خراج راہن پر ہے۔

تشریح:

⑮ ويحفظه بنفسه، وزوجته ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن رہن کی حفاظت خود بھی کرسکتا ہے، اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد اور اپنے ایسے خادم سے بھی حفاظت کرواسکتا ہے جو مرتہن کے اہل وعیال میں سے ہو، کیونکہ عام طور پر کسی چیز کی حفاظت یہی لوگ کرتے ہیں۔ خادم کے ساتھ قید لگائی ہے کہ وہ اہل وعیال میں سے ہو، یعنی گھر کے افراد کے ساتھ مل کر رہتا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ وہ خادم جو گھر سے باہر کام کرتا ہو، مل کر نہ رہتا ہو، اس سے رہن کی حفاظت کروانا جائز نہیں ہے۔

⑯ وضمن بحفظه بغيرهم، وبإيداعه ....إلخ: اگر مرتہن نے رہن کی حفاظت مذکورہ اشخاص (بیوی، اولاد، خادم) کے علاوہ کسی اجنبی سے کرائی اور پھر اس کے پاس رہن ہلاک ہوگیا، یا مرتہن نے رہن کسی کے پاس ودیعت رکھوایا اور اس کے پاس ہلاک ہوگیا، یا مرتہن نے خود رہن پر زیادتی وتجاوز کیا جس سے رہن ہلاک ہوگیا، تو تمام صورتوں میں مرتہن پر رہن کی قیمت کا تاوان لازم ہوجائے گا، کیونکہ تینوں صورتوں میں مرتہن ایسا کام کرتا ہے جس کا وہ اختیار نہیں رکھتا، لہٰذا ہر صورت میں وہ تجاوز کرنے والا شمار ہوگا۔

⑰ وأجرة بيت حفظه، وحافظه على المرتهن: جس جگہ رہن کی حفاظت کی جاتی ہے اس کا کرایہ، اور حفاظت کرنے والے چوکیدار کی مزدوری مرتہن پر ہیں، کیونکہ رہن کی حفاظت مرتہن کی ذمہ داری ہے، تو حفاظت پر آنے والا خرچہ بھی اسی پر ہوگا۔

⑱ وأجرة راعيه، ونفقة الرهن، و....إلخ: اگر رہن کوئی جانور ہو تو اس کے چرواہے کی مزدوری، اور اگر رہن غلام ہو تو اس کا نان نفقہ، اور اگر خراجی زمین ہو تو اس کا خراج راہن پر ہے، کیونکہ یہ ایسے خرچے ہیں جن کا تعلق حفاظت سے نہیں ہے، بلکہ رہن کی ذات اور اس کی بقاء سے تعلق ہے، اور رہن کی ذات چونکہ راہن کی ملک میں ہے لہٰذا ذات سے متعلق خرچے بھی اس پر ہوں گے۔

﴿بَابُ مَا يَجُوزُ ارْتِهَانُهُ، وَالْارْتِهَانُ بِهِ، وَمَا لَا يَجُوزُ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام ما يجوز ارتهانه، والارتهان به، وما لا يجوز. یعنی یہ باب ان چیزوں کے احکام کے بیان میں ہے جن کو رہن لینا جائز ہے، اور جن کے عوض رہن لینا جائز ہے، اور جو جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے پہلے اجمالاً رہن کے چند بنیادی احکام ومسائل ذکر فرمائے، اب یہاں سے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے کہ کونسی چیزوں کو رہن میں لینا جائز ہیں اور کونسی نہیں؟ اور کن چیزوں کے عوض رہن لینا جائز ہے اور کن کے عوض نہیں؟ مصنفؒ نے اس باب میں ستائیس (۲۷) مسائل جمع کیے ہیں۔

(۱) لَا يَصِحُّ رَهْنُ الْمُشَاعِ (۲) وَالثَّمَرَةِ عَلَى النَّخْلِ دُوْنَهَا (۳) وَزَرْعِ الْأَرْضِ دُوْنَهَا (۴) وَنَخْلٍ فِي أَرْضٍ دُوْنَهَا (۵) وَالْحُرِّ، وَالْمُدَبَّرِ، وَالْمُكَاتَبِ، وَأُمِّ الْوَلَدِ (۶) وَلَا بِالْأَمَانَةِ (۷) وَلَا بِالدَّرَكِ (۸) وَبِالْمَبِيْعِ (۹) وَإِنَّمَا يَصِحُّ بِدَيْنٍ وَلَوْ مَوْعُوْدًا (۱۰) وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ (۱۱) وَثَمَنِ الصَّرْفِ (۱۲) وَالْمُسْلَمِ فِيْهِ (۱۳) فَإِنْ هَلَكَ: صَارَ مُسْتَوْفِيًا.

ترجمہ: رہن رکھنا صحیح نہیں ہے مشاع کا۔ اور پھل کا درخت کے اوپر بغیر درخت کے۔ اور زمین کی کھیتی کا بغیر زمین کے۔ اور زمین میں درخت کا بغیر زمین کے۔ اور آزاد، مدبر، مکاتب اور اُم لدکا۔ اور نہ امانت کے عوض۔ اور دَرک (لاحق ہونے والے نقصان) کے عوض۔ اور مبیع کے عوض۔ اور صحیح ہے دَین کے عوض، اگر چہ اس کا وعدہ کیا گیا ہو۔ اور سلم کے رأس المال کے عوض۔ اور بیع صرف کے ثمن کے عوض۔ اور مسلم فیہ کے عوض۔ پس اگر (رہن) ہلاک ہو گیا تو (مرتہن) وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح:

(۱) لا يصح رهن المُشاع: مشاع چیز کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ مشاع وہ مشترک چیز ہے جس کو تقسیم نہ کیا گیا ہو، مثلاً راہن کی ملک میں چار ہزار فٹ زمین ہے، اس میں سے دو ہزار فٹ مرتہن کو رہن میں دیا، مگر ان دو ہزار فٹ کو تقسیم اور الگ نہیں کیا گیا، ایسی مشاع چیز کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ یہ احنافؒ کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مشاع کا رہن صحیح ہے، کیونکہ رہن رکھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر راہن دَین ادا نہ کرے تو مرتہن رہن کو بیچ کر اس کے ثمن سے اپنا دَین وصول کر لے، اور یہ مقصد مشاع رہن سے حاصل ہو سکتا ہے، یعنی مرتہن اُسے فروخت کر سکتا ہے، لہٰذا مشاع کا رہن صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ رہن رکھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ مرتہن کو رہن پر کامل قبضہ حاصل ہو، تاکہ رہن اُس کے پاس ہمیشہ قید اور محبوس رہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ رہن مشاع نہ ہو، کیونکہ مشاع اور مشترک چیز پر کامل قبضہ نہیں ہو سکتا۔

② والثمرة على النخل دونها: أي: لا يصح رهن الثمرة... یعنی درخت پر لگے ہوئے پھل کو درخت کے بغیر رہن میں دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ لگا ہوا پھل اور لگی ہوئی کھیتی محوز (جمع کی ہوئی) نہیں ہے، اور کتاب الرہن مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوا کہ رہن صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ محوز ہو۔

③ وزرع الأرض دونها: زمین میں لگی ہوئی کھیتی کو زمین کے بغیر رہن دینا صحیح نہیں ہے، دلیل اوپر بیان ہوئی۔

④ ونخل في أرض دونها: اور اسی طرح زمین کے بغیر صرف درخت کو رہن میں دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہن کی شرط یہ ہے کہ وہ فارغ اور خالی ہو، جبکہ یہاں درخت فارغ نہیں ہے۔

⑤ والحرّ، والمدبّر، والمكاتب، وأم الولد: أي: لا يصح رهن الحرّ... آزاد شخص کو رہن میں رکھنا، مدبر، مکاتب اور اُمِ ولد کو رہن میں رکھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ماقبل میں بیان ہوا کہ رہن کا مقصد یہ ہے کہ مرتہن اس کو اپنے پاس روک کر اس سے اپنا دَین وصول کرے، حالانکہ آزاد، مدبر، مکاتب اور اُمِ ولد سے دَین وصول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ نہ تو ان کو اپنے پاس روکا جاسکتا ہے، اور نہ ان کو بیچا جاسکتا ہے۔ آزاد انسان کی طرح مدبر اور مکاتب بھی آزادی کے مستحق ہو چکے ہیں۔

⑥ ولا بالأمانة: أي: لا يصح الرهن بالأمانة. امانت کے عوض رہن رکھنا صحیح نہیں ہے، مثلاً مودِع نے مودَع کے پاس امانت رکھی اور پھر اس کے عوض میں مودَع سے رہن لے لیا، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ رہن اس چیز کے عوض میں ہوتا ہے جس کا تاوان ہوتا ہے، جبکہ امانت کا تاوان نہیں ہے، تو اس کے عوض میں رہن رکھنا بے فائدہ ہے۔

⑦ وبالدرك: أي: لا يصح الرهن بالدرک. دَرَک کے عوض رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ درک لاحق ہونے والے نقصان کو کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، مگر اس کو یہ اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس چیز کا کوئی مستحق نکل آئے اور میرے ہاتھ سے لے لے، اتنے میں زید آتا ہے اور مشتری سے کہتا ہے کہ بے فکر ہو کر خرید لو، اگر اس چیز کا کوئی مستحق نکل آیا اور تجھے کوئی نقصان ہوا، تو بائع سے میں ثمن واپس دلاؤں گا، اس پر مشتری نے زید سے رہن کا مطالبہ کیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہن کا مقصد یہ ہے کہ مرتہن اس سے اپنا حق وصول کرے، جبکہ یہاں زید پر مشتری کا کوئی حق ہے ہی نہیں، تو رہن کس چیز کا لے رہا ہے؟

⑧ وبالمبيع: أي: لا يصح الرهن بالمبيع. صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے کوئی چیز خرید لی، اور مبیع ابھی تک بائع کے ہاتھ میں ہے کہ مشتری نے اس سے مبیع کے عوض رہن کا مطالبہ کیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بائع کے ہاتھ میں جو مبیع ہے وہ مضمون بالغیر ہے[1]، لہٰذا اگر مبیع بائع کے ہاتھ میں ہلاک ہوجائے، یا بائع دینے سے انکار کرے تو مشتری کا کوئی حق بائع پر واجب نہیں ہوگا، البتہ مشتری پر جو ثمن واجب تھا وہ ساقط ہوجائے گا، تو جب مشتری کا بائع پر کوئی حق ہے ہی نہیں تو رہن کس چیز کا لے رہا ہے؟

⑨ وإنما يصح بدين ولو موعودا: ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں تمہیں ادھار دوں گا، تو یہ

---

① اس کی مکمل تفصیل کتاب الکفالۃ مسئلہ نمبر (۶۱) میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لیں۔

دَین اگرچہ فی الحال موجود نہیں ہے، مگر اس کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے، کیونکہ الموعود کالموجود، یعنی جس دَین کا وعدہ کیا جائے وہ موجود کے حکم میں ہے، تو جس طرح موجود دَین کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے اسی طرح موعود دَین کے عوض بھی صحیح ہوگا۔

⑩ وبرأس مال السلم: أي: يصح الرهن برأس... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مُسلِم اور مُسلَم الیہ کے درمیان ایک ہزار روپے کے عوض ایک من گندم میں عقدِ سلم ہوا، ابھی تک مُسلِم نے ہزار روپے نہیں دیئے کہ اسی مجلس میں اس نے مُسلَم الیہ کو ہزار روپے کے عوض رہن دیا، تو یہ صحیح ہے①، کیونکہ مُسلِم کے ذمہ ہزار روپے دَین ہوگئے، اور دَین کے عوض رہن دینا صحیح ہے۔

⑪ وثمنِ الصرف: أي: يصح الرهن بثمن الصرف. صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے دینار دے کر اس کے عوض دراہم خرید لئے، ابھی تک اس نے دراہم پر قبضہ نہیں کیا کہ اسی مجلس میں بائع سے دراہم کے عوض رہن لیا، تو یہ صحیح ہے②، کیونکہ یہاں بھی بائع کے ذمہ دراہم دَین ہوگئے، اور دَین کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے۔

⑫ والمسلم فيه: أي: يصح الرهن بالمسلم فيه. مُسلَم فیہ کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے، مثلاً مسئلہ نمبر (۱۰) کی صورت میں مُسلَم الیہ گندم کے عوض مُسلِم کو رہن دے، یہاں بھی چونکہ گندم مُسلَم الیہ کے ذمہ دَین ہے تو اس کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے۔

⑬ فإن هلك: صار مستوفيا: یعنی مذکورہ تینوں صورتوں میں اگر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا تو وہ اپنا حق وصول کرنے والا ہوگیا، مثلاً مسئلہ نمبر (۱۰) کی صورت میں مُسلَم الیہ کے ہاتھ میں رہن ہلاک ہوگیا تو گویا اس نے ہزار روپے وصول کرلیے، یا مسئلہ نمبر (۱۱) میں مشتری کے ہاتھ میں رہن ہلاک ہوگیا تو گویا اس کو دراہم وصول ہوگئے، اور اسی طرح مسئلہ نمبر (۱۲) کی صورت میں اگر مُسلِم کے ہاتھ میں رہن ہلاک ہوگیا تو گویا اس کو گندم وصول ہوگئی۔

⑭ وَلِلْأَبِ أَنْ يَرْهَنَ بِدَيْنٍ عَلَيْهِ عَبْدًا لِطِفْلِهِ ⑮ وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجَرَيْنِ، وَالْمَكِيلِ، وَالْمَوْزُوْنِ ⑯ فَإِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا: هَلَكَتْ مِنَ الدَّيْنِ ⑰ وَلَا عِبْرَةَ بِالْجَوْدَةِ.

ترجمہ: اور باپ کیلئے جائز ہے کہ رہن رکھے اُس پر دَین کے عوض اپنے بچے کا غلام۔ اور صحیح ہے رہن رکھنا سونے چاندی، کیلی اور وزنی چیز کو۔ پس (یہ چیزیں) اگر رہن رکھی گئیں اپنی جنس کے عوض تو ہلاک ہوں گی دَین میں سے۔ اور اعتبار نہیں ہے کھرے ہونے کا۔

تشریح:

⑭ وللأب أن يرهن بدين عليه ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ باپ پر دَین ہے، تو اس کیلئے جائز ہے کہ اپنے

① مگر اسی مجلس کے اخیر تک ضروری ہے کہ مُسلِم ہزار روپے دے کر اپنا رہن چھڑا لے، اگر اس نے ہزار روپے نہیں دیئے اور مجلس ختم ہوگئی تو عقدِ سلم باطل ہوجائے گا، کیونکہ عقدِ سلم کی شرط یہ ہے کہ اسی مجلس میں رأس المال (ثمن) پر قبضہ ہوجائے۔

② یہاں بھی یہ ضروری ہے کہ بائع مجلس ختم ہونے تک دراہم ادا کردے، ورنہ عقدِ صرف باطل ہوجائے گا۔

چھوٹے بچے کا غلام اپنے دَین کے عوض رہن رکھے، کیونکہ باپ کیلئے جائز ہے کہ حفاظت کی خاطر اپنے بچے کا مال کسی کے پاس امانت رکھے، تو رہن رکھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ رہن میں بچے کا مال زیادہ محفوظ رہتا ہے، کیونکہ رہن کی صورت میں اگر مال ہلاک ہوگیا تو مرتہن اس کا تاوان دے گا، جبکہ امانت کی صورت میں اگر مال ہلاک ہوا تو اس کا کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

⑮ وصحّ رهن الحجرين، والمكيل، والموزون: سونے چاندی، مکیل اور موزون چیزوں کو رہن رکھنا صحیح ہے، کیونکہ رہن رکھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ مرتہن اس سے اپنا حق وصول کر سکے، اور ان چیزوں سے حق وصول ہو سکتا ہے۔

⑯ فإن رُهنت بجنسها: هلكت من الدين: رهنت اور هلكت کی ضمائر کا مرجع مذکورہ چیزیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں کو اپنی جنس کے عوض رہن رکھا گیا تو ہلاک ہونے کی صورت میں دَین میں سے شمار ہوں گی، مثلاً راہن نے دس کھرے دراہم بطور دَین لے لئے اور ان کے عوض دس کھوٹے دراہم مرتہن کو بطور رہن دے دیئے، اور پھر مرتہن کے پاس وہ کھوٹے دراہم ہلاک ہوگئے، تو وہ دَین کے کھرے دراہم کے عوض ہلاک ہوئے، یعنی رہن کے دراہم کے عوض میں دَین کے دراہم ساقط ہوگئے، گویا مرتہن نے اپنا دَین وصول کرلیا، کھرے کھوٹے کے وصف کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ کتاب البیوع/ باب الربا مسئلہ نمبر (۹) میں گزر گیا ہے کہ اموالِ ربویہ کے آپس میں کھرے کھوٹے کے وصف کا اعتبار نہیں ہوتا، اور نہ ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

⑰ ولا عبرة بالجودة: یعنی مذکورہ صورت میں دَین اور رہن کے آپس میں کھرے کھوٹے کے وصف کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

⑱ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يَرْهَنَ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهِ، فَامْتَنَعَ: لَمْ يُجْبَرْ ⑲ وَلِلْبَائِعِ فَسْخُ الْبَيْعِ ⑳ إِلَّا أَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِي الثَّمَنَ حَالًّا، أَوْ قِيمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا ㉑ وَإِنْ قَالَ لِلْبَائِعِ: أَمْسِكْ هٰذَا الثَّوْبَ حَتّٰى أُعْطِيَكَ الثَّمَنَ: فَهُوَ رَهْنٌ ㉒ وَلَوْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ: لَا يَأْخُذُ أَحَدَهُمَا بِقَضَاءِ حِصَّتِهِ، كَالْمَبِيعِ.

ترجمہ: اور جس نے غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری رہن دے گا ثمن کے عوض میں کوئی معین چیز، پھر (مشتری نے) انکار کیا، تو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور بائع کیلئے بیع فسخ کرنا (جائز) ہے۔ مگر یہ کہ مشتری ثمن دے فی الحال، یا رہن کی قیمت دے رہن میں۔ اور اگر (مشتری نے) بائع سے کہا کہ اس کپڑے کو (اپنے پاس) رکھ لو یہاں تک کہ میں تمہیں ثمن دوں گا، تو وہ کپڑا رہن ہے۔ اور اگر دو غلاموں کو رہن رکھا ہزار کے عوض، تو ان میں سے ایک کو نہیں لے سکتا اس کے حصے کی ادائیگی کی وجہ سے، جیسے مبیع۔

تشریح:

⑱ ومن باع عبدا على أن يرهن المشتري ...إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے اپنا غلام اس شرط پر بیچا

کہ مشتری ثمن کے عوض یہ معین چیز رہن دے گا[1]، اس شرط کے مطابق بیع ہوگئی، اس کے بعد مشتری نے اس معین چیز کو رہن دینے سے انکار کیا، تو اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کتاب الرھن مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوا کہ عقدِ رہن تبرع کا عقد ہے، لہٰذا جب تک مرتہن نے قبضہ نہ کیا ہو را ہن انکار کر کے اس کو توڑ سکتا ہے، اور اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

⑲ وللبائع فسخ البیع: یعنی مذکورہ صورت میں جب مشتری رہن دینے سے انکار کرے تو بائع کو اختیار ملے گا کہ بیع کو فسخ کر دے، کیونکہ رہن ایک ایسا مرغوب وصف ہے جس کو دیکھ کر بائع بیع پر راضی ہوا تھا، اور جب وہ وصف فوت ہو گیا تو بائع کی رضامندی بھی ختم ہو جائے گی، اس لئے اُسے بیع فسخ کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔

⑳ إلا أن یدفع المشتري الثمنَ حالاً، أو قیمتَه ....إلخ: یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، مگر یہ کہ مشتری فی الحال ثمن ادا کر دے، یا مرہون چیز کی جگہ اس کی قیمت رہن میں دے دے، دونوں صورتوں میں بائع بیع کو فسخ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پہلی صورت میں بائع کو ثمن مل گیا، تو کس چیز کے عوض میں رہن مانگتا ہے؟ اور کیونکر بیع فسخ کرے گا؟ اور دوسری صورت میں اس کو رہن کی قیمت مل گئی، تو گویا بعینہ رہن مل گیا، لہٰذا بیع کو فسخ نہیں کر سکتا۔

㉑ وإن قال للبائع: أمسک هذا الثوبَ حتی ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے ہزار روپے کے عوض بائع سے کپڑا خریدا، مگر ہزار روپے فی الحال نہیں دیئے اور پھر بائع سے کہا کہ جب تک میں ثمن دوں گا اس وقت تک تم یہ کپڑا اپنے پاس روکے رکھو، تو بائع کے پاس یہ کپڑا ثمن کے عوض رہن ہوگا، کیونکہ مشتری نے اگرچہ رہن کا نام نہیں لیا ہے، مگر الفاظ ایسے استعمال کئے جو رہن کے معنی پر دلالت کر رہے ہیں، یعنی ثمن ادا کرنے تک کپڑے کو روکنا، اور عقود میں اصل اعتبار معنی کا ہوتا ہے، نہ کہ الفاظ کا۔

㉒ ولو رهن عبدین بألف: لا یأخذ أحدهما ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ راہن نے دو ہزار روپے دَین کے عوض اپنے دو غلام مرتہن کے پاس رہن رکھ دیے، ایک غلام کی قیمت گیارہ سو (۱۱۰۰) اور دوسرے کی قیمت نوسو (۹۰۰) روپے ہے، پھر راہن نے ایک غلام کی قیمت (مثلاً نوسو روپے) کے برابر دَین ادا کر دیا، تو وہ اس غلام کو مرتہن سے نہیں لے سکتا، جب تک سارا دَین ادا نہ کرے، کیونکہ دونوں غلام دَین کے ہر ہر روپے کے عوض مرہون ہیں، لہٰذا جب تک پورے دَین (دو ہزار روپے) میں سے ایک روپیہ باقی ہو دونوں غلام مرتہن کے پاس مرہون ہوں گے۔ اور یہی حکم مبیع کا بھی ہے، مثلاً کسی نے ایک عقد میں دو غلام دو ہزار روپے میں خرید لئے، اور ہر غلام کا الگ الگ ثمن مقرر نہیں کیا، تو جب تک سارے ثمن کا ایک روپیہ باقی ہو مشتری کسی ایک غلام پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

---

① قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عقد صحیح ہی نہ ہو، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس میں دوسرے عقد کی شرط لگائی گئی ہے، اور اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، مگر استحساناً اس عقد کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ بیع میں رہن کی جو شرط لگائی گئی وہ بیع کے ساتھ ملائم ومناسب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے عقدِ بیع مضبوط ہو جاتا ہے، اور کتاب البیوع / باب البیع الفاسد مسئلہ نمبر (۴۰) میں گزر چکا ہے کہ مناسب شرط لگانے سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ تفصیل وہاں دیکھیں۔

۲۳ وَلَوْ رَهَنَ عَيْنًا عِنْدَ رَجُلَيْنِ: صَحَّ ۲۴ وَالْمَضْمُونُ عَلَى كُلِّ حِصَّةُ دَيْنِهِ ۲۵ فَإِنْ قَضَى دَيْنَ أَحَدِهِمَا: فَالْكُلُّ رَهْنٌ عِنْدَ الْآخَرِ ۲۶ وَبَطَلَ بَيِّنَةُ كُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ رَهَنَهُ عَبْدَهُ، وَقَبَضَهُ ۲۷ وَلَوْ مَاتَ رَاهِنُهُ، وَالْعَبْدُ فِي أَيْدِيهِمَا، فَبَرْهَنَ كُلٌّ عَلَى مَا وَصَفْنَا: كَانَ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُهُ رَهْنًا بِحَقِّهِ.

ترجمہ: اور اگر کسی چیز کو رہن رکھا دو آدمیوں کے پاس تو صحیح ہے۔ اور مضمون ہر ایک پر اس کے دَین کا حصہ ہے۔ پس اگر (راہن نے) ان میں سے ایک کا دَین ادا کر دیا تو ساری چیز رہن ہوگی دوسرے کے پاس۔ اور باطل ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک کے گواہ ایک آدمی پر کہ اس نے رہن رکھا ہے ان کے پاس اپنا غلام، اور (اس نے) غلام پر قبضہ (بھی) کیا ہے۔ اور اگر غلام کا رہن دینے والا مر گیا اور غلام دونوں کے ہاتھ میں ہو، پھر ہر ایک نے گواہ پیش کئے اس دعوے پر جو ہم نے بیان کیا، تو ہر ایک کے ہاتھ میں آدھا غلام ہوگا رہن کے طور پر، اس کے حق کے عوض۔

تشریح:

۲۳ ولو رهن عينا عند رجلين: صح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پر دو آدمیوں کا دَین ہے، مدیون نے دونوں آدمیوں کو ایک چیز رہن میں دی، تو یہ صحیح ہے، اور وہ چیز پوری کی پوری ہر ایک کے پاس رہن ہوگی، کیونکہ ایک عقد میں پوری چیز کی طرف رہن کی نسبت کی گئی ہے، اور رہن کا مقصد احتباس (روک لینا) ہے، اور احتباس ایسا حق ہے جو تجزی اور تقسیم قبول نہیں کرتا، لہٰذا پوری چیز ایک آدمی کے پاس بھی رہن ہوگی اور دوسرے کے پاس بھی پوری چیز رہن ہوگی۔

۲۴ والمضمون على كلٍّ حصة دينه: یعنی مذکورہ صورت میں اگر رہن ہلاک ہوگیا تو ہر مرتہن پر اس کے دَین کے بقدر تاوان آئے گا، مثلاً راہن پر ایک مرتہن کا دَین ۱۰ ہزار روپے ہے اور دوسرے کا دَین ۵ ہزار ہے، اور رہن کی قیمت ۱۲ ہزار ہے، تو ہلاکت کی صورت میں رہن کی قیمت کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: پہلے مرتہن کے دَین سے دو حصے (یعنی ۸ ہزار روپے) ساقط ہو کر اس کا دَین ۲ ہزار روپے رہ گیا، اور دوسرے مرتہن کے دَین سے ایک حصہ (یعنی ۴ ہزار روپے) ساقط ہو کر اس کا دَین ایک ہزار روپے رہ گیا، یہ اس لئے کہ مرتہنوں کے دَین میں ایک اور دو کی نسبت ہے[1]، تو رہن کی ہلاکت کی وجہ سے ان پر جو تاوان آئے گا اس میں بھی ایک اور دو کی نسبت ہوگی، لہٰذا ایک پر ۴ ہزار اور دوسرے پر دو مرتبہ ۴، یعنی ۸ ہزار کا تاوان آئے گا۔[2]

۲۵ فإن قضى دينَ أحدهما: فالكلّ رهن عند الآخر: یعنی مذکورہ صورت میں اگر راہن نے ایک مرتہن کا دَین ادا کر دیا تو سارا رہن دوسرے مرتہن کے پاس مرہون ہو جائے گا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۲۳) میں بیان ہوا کہ رہن ہر مرتہن کے پاس مکمل

① یعنی ایک کا دَین ۵ ہزار ہے، اور دوسرے کا دَین دو مرتبہ ۵ یعنی ۱۰ ہزار ہے۔ ② یہاں تفصیل اس لئے بیان کی کہ اکثر شراح نے اس مسئلہ کی صورت نہیں لکھی۔

طور پر مرہون ہے، تو پہلے دونوں مرتہنوں میں سے ہر ایک کے پاس مکمل مرہون تھا، اور اب ایک مرتہن کے پاس مکمل مرہون ہوگیا۔

۶۱ وبطل بينة كلّ منهما على رجل أنه .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے الگ الگ یہ دعویٰ کیا کہ زید کے ہاتھ میں جو غلام ہے اُس کو زید نے میرے پاس رہن رکھا ہے اور میں نے اس پر قبضہ بھی کیا ہے، اور ہر مدّعی نے اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کیے، تو دونوں کے گواہ باطل ہوجائیں گے اور قاضی کوئی فیصلہ نہیں کرے گا، کیونکہ ہر مدّعی یہ دعویٰ کررہا ہے کہ زید نے میرے پاس غلام رہن رکھا ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں رکھا ہے، اب اگر ہر ایک کیلئے پورے غلام کا فیصلہ کیا جائے تو اس پر عمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایک غلام ایک وقت میں پورا کا پورا دو آدمیوں کے پاس رہن نہیں① ہوسکتا، اور اگر ان دو میں سے کسی ایک کیلئے فیصلہ کیا جائے تو اس پر بھی عمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ ترجیح بلا مرجح ہے، ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اور اگر ہر ایک کیلئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کیا جائے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۴۳) میں بیان ہوا کہ رہن کا احتباس ایسا حق ہے جو تقسیم و تجزّی قبول نہیں کرتا، لہٰذا جب فیصلہ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی تو دونوں مدّعیوں کے گواہ باطل ہوجائیں گے۔

۶۲ ولو مات راهنه، والعبد في أيديهما .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر راہن مرگیا اور غلام دو آدمیوں کے قبضہ میں ہے، اور ہر ایک وہ دعویٰ کررہا ہے جو ماقبل مسئلے میں بیان ہوا، اور ہر ایک نے اپنے دعوے پر گواہ بھی پیش کیے، تو فیصلہ کیا جائے گا کہ ہر ایک کے پاس آدھا آدھا غلام رہن ہے، لہٰذا غلام کو بیچ کر ہر ایک اس کے آدھے ثمن سے اپنا حق (دَین) وصول کرے، کیونکہ راہن کی موت کے بعد استیفاء (حق وصول کرنا) ہوتا ہے، اور استیفاء تقسیم و تجزّی قبول کرتا ہے، لہٰذا آدھے غلام سے ایک مدّعی استیفاء کرے اور آدھے سے دوسرا استیفاء کرے۔

اس کے برخلاف ماقبل مسئلے کی صورت میں ہر مدّعی رہن پر قبضہ اور احتباس کا دعویدار تھا، اور قبضہ و احتباس ایسا حق ہے جس میں تقسیم و تجزّی نہیں ہوسکتی، اس لئے دونوں کا دعویٰ باطل ہوگیا۔ والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆

① یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ مسئلہ نمبر (۴۳) کی صورت میں بیان ہوا کہ ایک چیز دو آدمیوں کے پاس رہن رکھنا صحیح ہے، تو یہاں ایک غلام دو مدّعیوں کو رہن میں کیوں نہیں دیا جاسکتا؟ جواب یہ ہے کہ وہاں ہر مرتہن اس بات پر راضی ہے کہ میرے ساتھ دوسرا مرتہن بھی ہے، جبکہ یہاں ہر مدّعی یہ دعویٰ کررہا ہے کہ غلام صرف میرے پاس رہن رہے، میرے علاوہ کسی کو قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے وہاں دو آدمیوں کیلئے ایک رہن کا فیصلہ ہوسکتا ہے، اور یہاں دو مدّعیوں کیلئے ایک غلام کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

﴿بَابُ الرَّهْنِ① يُوضَعُ عَلَى يَدِ عَدْلٍ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الرهن يوضع على يد عدل. یعنی یہ باب اس رہن کے احکام کے بیان میں ہے جس کو کسی معتبر آدمی کے پاس رکھا جائے۔ بعض اوقات کسی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر راہن اور مرتہن اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مرہون چیز کسی معتبر آدمی کے پاس رکھا جائے، جس پر دونوں کا اعتماد ہو، اس معتبر شخص کو عدل کہتے ہیں۔ یہ عدل آدمی راہن اور مرتہن کا نائب ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے منوب (راہن ومرتہن) کے بعد نائب کے احکام لائے۔ اس باب میں چودہ (۱۴) مسائل ہیں۔

① وَضَعَا الرَّهْنَ عَلَى يَدِ عَدْلٍ: صَحَّ ② وَلَا يَأْخُذُهُ أَحَدُهُمَا مِنْهُ ③ وَيَهْلِكُ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ ④ فَإِنْ وَكَّلَ الْمُرْتَهِنَ، أَوِ الْعَدْلَ، أَوْ غَيْرَهُمَا بِبَيْعِهِ عِنْدَ حُلُولِ الدَّيْنِ: صَحَّ ⑤ فَإِنْ شُرِطَتْ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ: لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ ⑥ وَبِمَوْتِ الرَّاهِنِ، وَالْمُرْتَهِنِ ⑦ وَلِلْوَكِيلِ بَيْعُهُ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ ⑧ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ الْوَكِيلِ.

ترجمہ: (راہن اور مرتہن) دونوں نے رہن رکھا کسی معتبر آدمی کے پاس، تو صحیح ہے۔ اور ان دونوں میں سے کوئی بھی رہن نہ لے اس سے۔ اور ہلاک ہوجائے گا مرتہن کے ضمان میں۔ اور اگر (راہن نے) وکیل بنایا مرتہن کو، یا اس معتبر آدمی کو، یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو، رہن کے فروخت کرنے کا، دَین کے (وقت) پہنچنے پر، تو صحیح ہے۔ اور اگر (وکالت کی) شرط لگائی گئی عقدِ رہن میں تو (وکیل) معزول نہیں ہوگا راہن کے معزول کردینے سے۔ اور نہ راہن اور مرتہن کی موت سے۔ اور وکیل کو اختیار ہے رہن فروخت کرنے کا راہن کے ورثہ کی غیر موجودگی میں۔ اور (وکالت) باطل ہوجائے گی وکیل کی موت سے۔

تشریح:

① وضعا الرهن على يد عدل: صح: اگر راہن اور مرتہن نے مل کر کسی عادل آدمی کے پاس رہن رکھنے پر اتفاق کیا تو یہ صحیح ہے، کیونکہ رہن پر قبضہ کرنا مرتہن کا حق ہے، اور وہ یہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنا یہ حق دوسرے آدمی کے سپرد کردے۔ اب وہ عادل آدمی مرہون کی ذات کی حفاظت کرنے میں راہن کا نائب ہے، اور قبضہ کرنے میں مرتہن کا نائب ہے۔

② ولا يأخذه أحدهما منه: مسئلہ یہ ہے کہ راہن اور مرتہن میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ عادل سے رہن لے

① الرهن موصوف ہے اور يوضع جملہ اس کی صفت ہے۔ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ الرهن معرفہ ہے اور جملہ معرفہ کی صفت نہیں بنتا بلکہ نکرہ کی صفت بنتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں الرهن کا الف لام عہد خارجی کیلئے نہیں ہے بلکہ عہد ذہنی کیلئے ہے، یعنی رہن کا ایک نامعلوم فرد، اور وہ نکرہ ہے، لہٰذا جملہ سے اس کی صفت صحیح ہے۔

لے، کیونکہ رہن میں راہن اور مرتہن دونوں کا حق ہے، راہن کو ملکیت کا حق حاصل ہے، اور مرتہن کو استیفاء کا حق حاصل ہے، لہٰذا ان دونوں میں سے جو بھی عادل سے رہن لے لے دوسرے کا حق باطل ہو جائے گا، اور دوسرے کا حق باطل کرنا جائز نہیں ہے۔

③ ویھلک في ضمان المرتهن: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عادل شخص کے ہاتھ میں رہن ہلاک ہو گیا تو یہ مرتہن کے ضمان میں شمار ہوگا، یعنی اس کا تاوان مرتہن پر آئے گا، کیونکہ عادل کا قبضہ بعینہ مرتہن کا قبضہ ہے، تو گویا رہن مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا، تو ضمان بھی اسی پر آئے گا۔

④ فإن وكّل المرتهنَ، أو العدلَ ....إلخ: وکّل میں ضمیر کا مرجع راهن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کو، یا عادل شخص کو، یا ان کے علاوہ کسی اجنبی شخص کو وکیل بنایا کہ جب دَین کا مقرر وقت آ جائے تو مرہون کو فروخت کر دو، تو یہ وکالت صحیح ہے، کیونکہ راہن مرہون چیز کا مالک ہے، اور مالک اپنی چیز بیچنے کیلئے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے، اور وکیل کو معزول بھی کر سکتا ہے۔

⑤ فإن شرطت في عقد الرهن: لم ینعزل ....إلخ: اگر رہن کے عقد میں وکالت کی شرط لگائی گئی، مثلاً راہن نے مرتہن سے کہا کہ میں یہ چیز رہن میں دیتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ جب دَین کا وقت پہنچے تو فلاں آدمی میرا وکیل ہو کر اس چیز کو فروخت کرے گا، مرتہن نے اس عقد کو قبول کیا، اس کے بعد اگر راہن وکیل کو وکالت سے معزول کرنا چاہے تو وہ معزول نہیں ہوگا، کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے وکالت رہن کے اوصاف میں سے ایک وصف ہو گئی، اور مرتہن کا حق جس طرح رہن سے متعلق ہے اسی طرح وکالت سے بھی متعلق ہو گیا، تو وکیل کو معزول کر دینے سے مرتہن کا حق ضائع ہو جائے گا، اس لئے وکیل معزول نہیں ہوگا۔

⑥ وبموت الراهن، والمرتهن: أي: لم ینعزل بموت الراهن والمرتهن. یعنی مذکورہ صورت میں اگر راہن مر جائے یا مرتہن مر جائے تو تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا، راہن کی موت سے تو اس لئے معزول نہیں ہوتا کہ اس کی موت کی وجہ سے عقدِ رہن باطل نہیں ہوتا، تو عقد کا وصف (وکالت) کیونکر باطل ہوگا؟ اور مرتہن کی موت سے اس لئے معزول نہیں ہوگا کہ مرتہن نے اس کو وکیل نہیں بنایا، لہٰذا اس کی موت سے وکالت پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔

⑦ وللوكيل بيعه بغيبة ورثه: «ه» کا مرجع راهن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ راہن نے کسی کو رہن فروخت کرنے کا وکیل بنا دیا، پھر راہن مر گیا، تو وکیل کو اختیار حاصل ہے کہ راہن کے ورثہ کی غیر موجودگی میں رہن فروخت کر دے، کیونکہ وکیل خود راہن کی غیر موجودگی میں فروخت کر سکتا ہے، تو اس کے ورثہ کی غیر موجودگی میں بھی فروخت کر سکتا ہے۔

⑧ ویبطل بموت الوكيل: اگر وکیل مر گیا تو وکالت ختم ہو جائے گی، خواہ وکیل کوئی بھی شخص ہو، لہٰذا وکیل کا وارث یا اس کا وصی رہن فروخت کرنے اختیار نہیں رکھتا، کیونکہ وکالت ایسا حق نہیں ہے جس میں وراثت جاری ہو کر مورِث سے وارث کو منتقل ہو جائے، وراثت اس حق میں جاری ہوتی ہے جو مورِث کیلئے ثابت ہو، اس حق میں جاری نہیں ہوتی جو مورِث پر واجب ہو، جبکہ وکالت ایسا حق ہے جو مورِث پر واجب ہے، یعنی اس پر واجب ہے کہ وکالت پر عمل کرے، اور ایسے حق میں وراثت نہیں چلتی۔

⑨ وَلَا يَبِيعُهُ الْمُرْتَهِنُ، أَوِ الرَّاهِنُ إِلَّا بِرِضَاءِ الْآخَرِ ⑩ فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلُ، وَغَابَ الرَّاهِنُ: أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلَى بَيْعِهِ ⑪ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا غَابَ مُوَكِّلُهُ: أُجْبِرَ عَلَيْهَا ⑫ وَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ، وَأَوْفَى مُرْتَهِنَهُ ثَمَنَهُ، فَاسْتُحِقَّ الرَّهْنُ، وَضَمِنَ: فَالْعَدْلُ يُضَمِّنُ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ، أَوِ الْمُرْتَهِنَ ثَمَنَهُ.

ترجمہ: اور مرہون کو فروخت نہ کریں مرتہن اور راہن مگر دوسرے کی رضامندی سے۔ اور اگر مدت پہنچ گئی اور راہن غائب ہوگیا تو وکیل کو مجبور کیا جائے گا اس کو فروخت کرنے پر۔ جیسے جوابدہی کا وکیل جب اس کا موکل غائب ہوجائے تو مجبور کیا جائے گا جوابدہی پر۔ اور اگر عادل نے مرہون کو فروخت کردیا اور اس کے مرتہن کو اس کا ثمن دے دیا، پھر رہن کا مستحق نکل آیا، اور (عادل نے اس کو) ضمان دے دیا، تو (عادل) راہن سے ضمان لے اس کی قیمت کا، یا مرتہن سے اس کے ثمن کا۔

تشریح:

⑨ **ولا يبيعه المرتهن، أو الراهن .....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ نہ راہن مرہون چیز کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ مرتہن، مگر یہ کہ دوسرا اجازت دے دے، مرتہن تو اس لئے فروخت نہیں کرسکتا کہ وہ مرہون کا مالک نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ دوسرے کی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور راہن اس لئے فروخت نہیں کرسکتا کہ مرہون چیز کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے، اگر راہن اس کو فروخت کردے تو مرتہن کا حق ضائع ہوجائے گا، اور ظاہر ہے کہ دوسرے کا حق ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔

⑩ **فإن حلّ الأجل، وغاب الراهن .....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ دَین کی ادائیگی کا وقت پہنچ گیا اور راہن غائب ہوگیا، اور راہن نے جس شخص کو رہن فروخت کرنے کیلئے وکیل بنایا ہے اس نے فروخت کرنے سے انکار کردیا، تو قاضی کی طرف سے اس کو فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ رہن سے مرتہن کا حق متعلق ہے، اگر وکیل فروخت کرنے سے انکار کرے تو اس کی وجہ سے مرتہن کا حق ضائع ہوجائے گا، لہٰذا مرتہن کا حق ضائع ہونے سے بچانے کیلئے وکیل کو فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

⑪ **كالوكيل بالخصومة إذا غاب .....إلخ:** یعنی ماقبل مسئلے کی طرح خصومت کا وکیل مجبور کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نے کیس لڑنے کیلئے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر مدعیٰ علیہ غائب ہوگیا اور وکیل نے کیس لڑنے سے انکار کردیا، تو قاضی کی طرف سے اس کو کیس لڑنے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اس کے انکار کی وجہ سے مدعی کا حق ضائع ہوجائے گا۔

⑫ **وإن باعه العدل، وأوفى مرتهنه ثمنه .....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ راہن اور مرتہن نے اتفاق کرکے مرہون کسی عادل شخص کے پاس رکھ دیا، عادل نے مرہون کو فروخت کرکے اس کا ثمن مرتہن کو دیا، اس کے بعد مرہون کا کوئی حقدار نکل آیا، اس نے مرہون میں اپنی ملکیت ثابت کردی، اور پھر عادل کو گریبان سے پکڑ کر اس سے اپنی چیز کا تاوان لے لیا، اب عادل کو اختیار ہے:

اگر چاہے تو راہن سے مرہون کی قیمت کا تاوان لے، کیونکہ وہ راہن کا وکیل ہے، اور راہن ہی کی وجہ سے وہ اس مصیبت میں پھنس گیا، لہٰذا عادل کو جو نقصان ہو وہ راہن پر ہے۔ اور اگر چاہے تو مرتہن سے ثمن واپس لے لے، کیونکہ مرتہن نے ناحق ثمن لیا ہے، اس لئے کہ عادل نے جب حقدار کو اپنی جیب سے تاوان ادا کر دیا تو عادل مرہون چیز کا مالک بن گیا، گویا عادل نے پہلے وہ چیز حقدار سے خرید لی اور پھر فروخت کردی، لہٰذا ثمن عادل کا حق بنتا ہے، اس لئے مرتہن سے واپس ثمن لے سکتا ہے۔

اگر عادل نے اپنا تاوان راہن سے لیا تو مرتہن راہن سے اپنے دَین کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ مرتہن نے ثمن وصول کر کے گویا اپنا دَین وصول کر لیا۔ اور اگر عادل نے مرتہن سے ثمن واپس لے لیا تو مرتہن اپنا دَین راہن سے مانگ سکتا ہے۔

⑬ وَإِنْ مَاتَ الرَّهْنُ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ، فَاسْتُحِقَّ، وَضَمَّنَ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ: مَاتَ بِالدَّيْنِ ⑭ وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ: رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيمَةِ، وَبِدَيْنِهِ.

ترجمہ: اور اگر رہن مر گیا مرتہن کے پاس، پھر وہ کسی اور کا نکلا، اور (حقدار نے) تاوان لیا راہن سے اس کی قیمت کا، تو مر چکا دَین کے مقابلے میں۔ اور اگر (حقدار نے) تاوان لیا مرتہن سے، تو (مرتہن) راہن پر رجوع کرے قیمت اور اپنے دَین کے ساتھ۔

تشریح:

⑬ **وإن مات الرهن عند المرتهن ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ مرہون غلام مرتہن کے پاس مر گیا، پھر اس غلام کا کوئی مستحق نکل آیا، اس نے غلام میں اپنا حق ثابت کر دیا، تو مستحق کو اختیار ہے: چاہے راہن سے تاوان لے چاہے مرتہن سے لے، کیونکہ دونوں نے زیادتی کی ہے، راہن کی زیادتی تو یہ ہے کہ اس نے غلام غصب کیا ہے، اور مرتہن کی زیادتی یہ ہے کہ اس نے تحقیق کے بغیر مستحق کے غلام پر قبضہ کیا ہے، لہٰذا مستحق دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے سکتا ہے۔

پھر اگر مستحق نے غلام کی قیمت کا تاوان راہن سے لیا تو غلام دَین کے مقابلے میں مرا ہے، یعنی غلام کے مرنے سے مرتہن کا دَین ساقط ہو گیا، اس لئے کہ راہن نے جب مستحق کو غلام کی قیمت ادا کر دی تو راہن غلام کا مالک بن گیا، تو گویا اس نے اپنا ملکیتی غلام مرتہن کو رہن میں دیا ہے، لہٰذا مرتہن کے ہاتھ میں رہن کی ہلاکت کی وجہ سے اس کو اپنا دَین وصول ہو جائے گا۔

⑭ **وإن ضمّن المرتهن: رجع على الراهن ....إلخ:** اگر مستحق نے اپنے غلام کی قیمت کا تاوان مرتہن سے لیا تو مرتہن راہن پر رجوع کر کے اس سے غلام کی قیمت بھی لے لے اور اپنا دَین بھی وصول کرے۔ قیمت تو اس وجہ سے لے گا کہ راہن نے دوسرے کا غلام رہن میں دے کر مرتہن کو دھوکا دیا ہے، اسی کی وجہ سے مرتہن نے قیمت دے کر تاوان اٹھایا، لہٰذا مرتہن قیمت کا یہ تاوان راہن سے لے سکتا ہے۔ اور اپنا دَین اس وجہ سے لے گا کہ مرتہن کے ہاتھ میں راہن کا ملکیتی غلام ہلاک نہیں ہوا، بلکہ اجنبی شخص (مستحق) کا غلام ہلاک ہوا، لہٰذا ہلاکت کی وجہ سے مرتہن دَین وصول کرنے والا نہیں ہوا، اس لئے وہ راہن سے اپنا دَین لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿بَابُ التَّصَرُّفِ فِي الرَّهْنِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ وَجِنَايَتِهِ عَلَى غَيْرِهِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام التصرف في الرهن، والجناية عليه، وجنايته على غيره. یعنی یہ باب مرہون چیز میں تصرف کرنے، اس پر جنایت کرنے اور دوسرے پر اس کی جنایت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ نفسِ رہن کے بعد یہاں سے رہن کے تصرفات کے احکام بیان فرمائیں گے۔ اس باب میں یہ احکام بیان ہوں گے کہ مرہون چیز میں کونسے تصرفات ہوسکتے ہیں اور کونسے نہیں؟ اور اسی طرح اگر مرہون پر کسی نے جنایت کرکے اُسے نقصان پہنچایا تو کیا حکم ہے؟ اور اگر مرہون نے کسی پر جنایت کرکے نقصان پہنچایا تو کیا حکم ہے؟ اس باب میں چھتیس (۳۶) مسائل ہیں۔

① تَوَقَّفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ عَلَى إِجَازَةِ مُرْتَهِنِهِ، أَوْ قَضَاءِ دَيْنِهِ ② وَنَفَذَ عِتْقُهُ ③ وَطُولِبَ بِدَيْنِهِ لَوْ حَالًّا ④ وَلَوْ مُؤَجَّلًا: أُخِذَ مِنْهُ قِيمَةُ الْعَبْدِ، وَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ ⑤ وَلَوْ مُعْسِرًا: سَعَى الْعَبْدُ فِي الْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ، وَمِنَ الدَّيْنِ ⑥ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى سَيِّدِهِ.

ترجمہ: راہن کی بیع موقوف رہے گی اس کے مرتہن کی اجازت پر، یا اس کے دَین کی ادائیگی پر۔ اور راہن کی آزادی نافذ ہوجائے گی۔ اور مطالبہ کیا جائے گا اس کے دَین کا بشرطیکہ فی الحال ہو۔ اور اگر مؤخر ہو تو اس سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور رہن میں رکھی جائے گی غلام کی جگہ۔ اور اگر (راہن) تنگدست ہو تو غلام مزدوری کرے گا اس کی قیمت اور دَین میں سے کمتر میں۔ اور اس کے ساتھ رجوع کرے گا اپنے مولیٰ پر۔

تشریح:

① تـوقف بيع الراهن على إجازة....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر راہن نے مرہون چیز فروخت کردی تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی، یا دَین کی ادائیگی پر موقوف رہے گی، کیونکہ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے، اور بیع کی وجہ سے مرہون اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کا حق ضائع ہوجائے گا، اس لئے یہ بیع نافذ نہیں ہوگی۔ البتہ اگر مرتہن اجازت دے دے، یا راہن اس کا دَین ادا کردے تو بیع نافذ ہوجائے گی، کیونکہ اب مرتہن کا مرہون سے کوئی حق متعلق نہیں رہا۔

② ونـفذ عتقه: اگر راہن نے مرہون غلام کو آزاد کردیا تو یہ آزادی نافذ ہوجائے گی، کیونکہ راہن عاقل بالغ انسان ہے، لہٰذا وہ اپنی ملک میں جو بھی تصرف کرے نافذ ہوجائے گا۔ مگر پچھلے مسئلے میں راہن کی بیع اس لئے نافذ نہیں ہوئی کہ مرہون غلام اس

کے قبضہ میں نہیں ہے، اور بیع نافذ ہونے کی شرط یہ ہے کہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو، جبکہ آزادی نافذ ہونے کیلئے غلام کا قبضہ میں ہونا شرط نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آزادی کی وجہ سے مرتہن کا حق جو ضائع ہو رہا ہے تو اس کا جواب اگلے تین مسائل میں ہے۔

❸ وطولب بدينه لو حالاً: مذکورہ صورت میں مرتہن کا حق ضائع ہونے سے بچانے کی تین صورتیں ہیں:

﴿۱﴾...... پہلی صورت یہ ہے کہ اگر دَین فی الحال واجب الاداء ہے اور راہن مالدار ہے، تو اس سے فی الحال دَین کا مطالبہ کیا جائے گا، مزید انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس میں مرتہن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

❹ ولو مؤجلا: أخذ منه قيمة....إلخ: ﴿۲﴾...... دوسری صورت یہ ہے کہ دَین مؤخر ہو، ابھی تک اس کی میعاد پوری نہیں ہوئی، تو اگر راہن مالدار ہے تو اس سے غلام کی قیمت لے کر اس کو غلام کی جگہ رہن رکھا جائے گا، کیونکہ راہن نے غلام کو آزاد کر کے مرتہن کے ہاتھ سے نکال دیا، اب مرتہن کو حق دلانے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کو غلام کی قیمت رہن میں دی جائے۔

❺ ولو معسرا: سعى العبدُ في الأقل....إلخ: ﴿۳﴾...... تیسری صورت یہ ہے کہ راہن تنگدست ہو، غلام کی قیمت دینے پر قادر نہ ہو، تو غلام کی قیمت اور دَین میں سے جو کمتر ہو اُسی کے بقدر غلام مزدوری کر کے مرتہن کو ادا کرے، اس لئے کہ جب راہن سے وصول کرنا مشکل ہو گیا تو اس شخص سے وصول کیا جائے گا جس نے آزادی سے فائدہ اٹھایا ہے، اور وہ غلام ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: الغُنم بالغُرم. یعنی فائدہ کے عوض تاوان اٹھانا پڑے گا، لہٰذا غلام نے اپنی آزادی سے جو فائدہ اٹھایا ہے اب اس کے مقابلے میں مرتہن کو تاوان بھی ادا کرے، اور وہ یہ ہے کہ قیمت اور دَین میں سے جو کمتر ہو اس میں مزدوری کر کے دے دے۔

❻ ويرجع به على سيده: به میں ضمیر کا مرجع ما سعىٰ ہے، یعنی غلام کی کمائی۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں جب غلام کمائی کر کے مرتہن کو ادا کرے تو بعد میں جب راہن (مولیٰ) مالدار ہو جائے تو غلام اس پر رجوع کر کے اس سے کمائی کے بقدر مال وصول کر لے، کیونکہ غلام جو کمائی مرتہن کو ادا کرتا ہے وہ حقیقت میں راہن پر لازم ہے، مگر غلام نے مجبور ہو کر اس کا بوجھ اُتار دیا، لہٰذا غلام کو حق حاصل ہے کہ جو کچھ اس نے مولیٰ (راہن) کی طرف سے ادا کیا ہے وہ اس سے لے لے۔

❼ وَإِتْلَافُ الرَّاهِنِ كَإِعْتَاقِهِ ❽ وَإِنْ أَتْلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ: فَالْمُرْتَهِنُ يُضَمِّنُهُ قِيْمَتَهُ، فَتَكُوْنُ رَهْنًا عِنْدَهُ ❾ وَخَرَجَ مِنْ ضَمَانِهِ بِإِعَارَتِهِ مِنْ رَاهِنِهِ ❿ فَلَوْ هَلَكَ فِي يَدِ الرَّاهِنِ: يَهْلِكُ مَجَّانًا ⓫ وَبِرُجُوْعِهِ: عَادَ ضَمَانُهُ ⓬ وَلَوْ أَعَارَ أَحَدُهُمَا أَجْنَبِيًّا بِإِذْنِ الْآخَرِ: سَقَطَ الضَّمَانُ ⓭ وَلِكُلٍّ أَنْ يَرُدَّهُ رَهْنًا.

ترجمہ: اور راہن کا (رہن کو) ہلاک کر دینا اس کے آزاد کرنے کی طرح ہے۔ اور اگر رہن کو ہلاک کر دیا کسی اجنبی نے تو مرتہن اس سے ضمان لے اس کی قیمت کا، پھر وہ رہن ہوگی اس کے پاس۔ اور مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گا اس کے عاریت پر دینے

سے اپنے راہن کو۔ پس اگر ہلاک ہو گیا راہن کے ہاتھ میں تو ہلاک ہو جائے گا مفت۔ اور واپس کرنے سے ضمان لوٹ آئے گا۔ اور اگر عاریت پر دیا ان دونوں میں سے ایک نے کسی اجنبی شخص کو دوسرے کی اجازت سے، تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔ اور ہر ایک کو حق ہے کہ اس کو لوٹا دے رہن بنا کر۔

تشریح:

❼ وإتلاف الراهن كإعتاقه: اگر راہن نے مرہون کو ہلاک کر دیا تو یہ ایسا ہے جیسے مرہون غلام کو آزاد کر دے، لہٰذا یہاں بھی وہی حکم ہوگا جو مسئلہ نمبر (۳، ۴، ۵) میں بیان ہوا، وہ یہ کہ: (۱) اگر راہن مالدار ہے اور دَین فی الحال واجب الاداء ہے تو اس سے دَین کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (۲) اور اگر دَین مؤخر ہے تو اس سے مرہون کی قیمت لے کر رہن رکھی جائے گی۔ (۳) اور اگر راہن تنگدست ہے، تو مالدار ہونے تک انتظار کیا جائے گا، کیونکہ یہاں مرہون کی ہلاکت کی وجہ سے اس سے کمائی کرانا ممکن نہیں ہے۔

❽ وإن أتلفه اجنبي: فالمرتهن يضمنه .....إلخ: اگر کسی اجنبی شخص نے مرہون چیز کو ہلاک کر دیا تو مرتہن اس شخص سے قیمت کا تاوان لے کر اپنے پاس رہن رکھے، یعنی اس اجنبی شخص کے ساتھ کیس لڑنا مرتہن کا کام ہے، اس لئے کہ اگر مرہون موجود ہو تو اس پر قبضہ کر کے حفاظت کرنا مرتہن کا کام ہے، تو مرہون کے قائم مقام (قیمت) کو وصول کرنا بھی مرتہن کا کام ہوگا۔

❾ وخرج من ضمانه بإعارته من راهنه: «ہ» کی دونوں ضمیروں کا مرجع مرتهن ہے، یعنی مرتہن کا اپنے راہن کو عاریت پر دینا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتہن نے مرہون چیز راہن کو عاریت پر دی، تو وہ چیز مرتہن کے ضمان سے نکل گئی، یعنی ہلاک ہونے سے مرتہن پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ مرتہن پر جو ضمان آتا ہے وہ قبضہ کرنے کی وجہ سے آتا ہے، اور جب مرہون راہن کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو مرتہن کا قبضہ ختم گیا، لہٰذا اس پر سے ضمان بھی اٹھ گیا۔

❿ فلو هلك في يد الراهن يهلك مجّانا: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مرہون راہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی، تو مفت میں ہلاک ہو گئی، یعنی اس کا ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ مالک کے ہاتھ میں اپنی چیز کی ہلاکت سے تاوان نہیں ہوتا۔

⓫ وبرجوعه عاد ضمانه: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مرتہن نے مرہون کو اپنے قبضہ میں لوٹا دیا، تو اس پر ضمان بھی واپس لوٹ آیا، کیونکہ قبضہ کرنے ہی کی وجہ سے مرتہن پر ضمان آتا ہے۔

⓬ ولو أعاره أحدهما أجنبيا بإذن .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر راہن اور مرتہن میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون چیز کسی اجنبی شخص کو عاریت پر دی تو مرہون کا ضمان ساقط ہو گیا، لہٰذا اگر مرہون چیز مستعیر کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو اس کا تاوان کسی پر نہیں آئے گا، مرتہن پر تو اس لئے ضمان نہیں آتا کہ اس کا قبضہ نہیں رہا، اور مستعیر پر اس لئے ضمان نہیں آتا کہ وہ امین ہے، اور امین پر ضمان و تاوان نہیں آتا۔ اور راہن پر اس لئے ضمان نہیں آتا کہ عاریت پر دینے میں مرتہن کی رضامندی شامل ہے، لہٰذا راہن نے زبردستی کر کے اس کا حق ضائع نہیں کیا۔

۱۳ ولكلّ أن يردّه رهنا: یعنی مذکورہ صورت میں راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ مستعیر سے وہ چیز لے کر واپس رہن بنادے، کیونکہ اس چیز کے ساتھ دونوں کا حق متعلق ہے، راہن کا حق تو یہ ہے کہ وہ اس چیز کا مالک ہے، اور مرتہن کا حق یہ ہے کہ وہ اس چیز پر قبضہ کر کے اس سے اپنا دین وصول کرسکتا ہے۔

۱۴ وَإِنِ اسْتَعَارَ ثَوْبًا لِيَرْهَنَهُ: صَحَّ ۱۵ وَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا، أَوْ جِنْسًا، أَوْ بَلَدًا فَخَالَفَ: ضَمَّنَ الْمُعِيرُ الْمُسْتَعِيرَ، أَوِ الْمُرْتَهِنَ ۱۶ وَإِنْ وَافَقَ، وَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ: صَارَ مُسْتَوْفِيًا ۱۷ وَوَجَبَ مِثْلُهُ لِلْمُعِيرِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ ۱۸ وَلَوِ افْتَكَّهُ الْمُعِيرُ: لَا يَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ إِنْ قَضَى دَيْنَهُ.

ترجمہ: اور اگر کپڑا عاریت پر مانگا تاکہ اس کو رہن رکھے، تو صحیح ہے۔ اور اگر (معیر نے) معیّن کردیا مقدار، یا جنس اور یا شہر کو، پھر (راہن/مستعیر نے) مخالفت کی، تو معیر تاوان لے مستعیر سے، یا مرتہن سے۔ اور اگر موافقت کی اور (رہن) ہلاک ہوگیا مرتہن کے پاس، تو وہ وصول کرنے والا ہوجائے گا۔ اور اس کی مثل واجب ہے معیر کیلئے مستعیر پر۔ اور اگر معیر اس کو چھڑائے تو مرتہن منع نہیں کرسکتا، بشرطیکہ اس کا دَین ادا کردے۔

تشریح:

۱۴ وإن استعار ثوبا ليرهنه: صح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دائن نے مدیون سے رہن کا مطالبہ کیا، اور مدیون کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، اس لئے مدیون نے کسی سے عاریتاً کپڑا لے لیا تاکہ اس کو رہن میں دے دے، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ معیر تبرع کر کے مرتہن (دائن) کو قبضہ دے رہا ہے، اور قبضہ کا تبرّع صحیح ہے، جیسے عین چیز کسی کو ہبہ کر کے قبضہ اور ملک دونوں کا تبرع صحیح ہے۔

۱۵ ولو عيّن قدرا، أو جنسا، أو بلدا ....إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر معیر نے مستعیر (مدیون) کو کپڑا دیتے ہوئے دَین کی مقدار بھی معین کردی، کہ میرا کپڑا اہزار درہم کے عوض رہن دو، یا جنس معین کردی، کہ گندم کے عوض رہن دو، یا شہر معین کردی، کہ لاہور میں میرا کپڑا رہن دو[1]، مگر مستعیر (راہن) نے اس تعیین کی مخالفت کی، اور پھر وہ کپڑا مرتہن (دائن) کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا، تو معیر کو اختیار ہے: چاہے اپنے کپڑے کا تاوان مستعیر سے لے، اور اگر چاہے تو مرتہن سے لے، کیونکہ معیر کے حق میں دونوں نے تجاوز کیا، مستعیر نے تعیین کی مخالفت کر کے گویا کپڑا غصب کرلیا، اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر کے گویا مستعیر سے غصب کیا، تو مستعیر غاصب کی طرح ہوا، اور مرتہن غاصب الغاصب کی طرح ہوا، اس لئے معیر کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے تاوان لے لے۔

۱۶ وإن وافق، وهلك عند المرتهن: صار مستوفيا: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں مستعیر نے معیر

① معیر کی طرف سے اس طرح تعیین کرنا صحیح ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ معیر کسی فائدے کی پیش نظر یہ تعیین کررہا ہو، لہٰذا مستعیر پر لازم ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے۔

کی تعیین کی موافقت کی اور پھر وہ مرہون کپڑا مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا، تو وہ اپنا دَین وصول کرنے والا① ہو گیا، لہٰذا اس کا دَین راہن (مستعیر) پر سے ساقط ہو گیا، کیونکہ ما قبل میں یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مرتہن کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے، لہٰذا اس کے قبضہ میں ہلاکت کی وجہ سے اس کا دَین ساقط ہو جائے گا۔

⑰ ووجب مثله للمعير على المستعير: مذکورہ صورت میں جب کپڑا مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا اور مستعیر پر سے دَین ساقط ہو گیا، تو اب مستعیر پر لازم ہے کہ معیر کو کپڑے کی مثل (قیمت) ادا کردے، کیونکہ مستعیر نے معیر کے کپڑے سے اپنا دَین ادا کر دیا، اور جو شخص دوسرے کے مال سے اپنا دَین ادا کرتا ہے اس پر دوسرے کے مال کا ضمان بھی واجب ہو جاتا ہے۔

⑱ ولو افتكه المعير: لا يمتنع المرتهن إن قضى دينه: اگر معیر چاہتا ہے کہ مستعیر کی طرف سے مرتہن کا دَین ادا کر کے اس سے اپنا کپڑا چھڑالے تو مرتہن منع نہیں کر سکتا، یعنی اس پر لازم ہے کہ معیر سے دَین قبول کر کے اس کا مرہون کپڑا دے دے، اس لئے کہ معیر کو اپنے کپڑے کی ضرورت ہے اور وہ اپنا حق چھڑا رہا ہے، اور صاحبِ حق ہر وقت اپنا حق لے سکتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر کوئی اجنبی آدمی تبرع کر کے مرتہن کو دَین ادا کرنا چاہے اور مرہون کپڑا چھڑانا چاہے تو مرتہن قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے، کیونکہ متبرع آدمی اپنا حق چھڑانے کی کوشش میں نہیں ہے۔

⑲ وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ، وَالْمُرْتَهِنِ مَضْمُونَةٌ ⑳ وَجِنَايَتُهُ عَلَيْهِمَا، وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ ㉑ وَإِنْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِي أَلْفًا بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ، فَرَجَعَتْ قِيمَتُهُ إِلَى مِائَةٍ، فَقَتَلَهُ رَجُلٌ، وَغَرِمَ مِائَةً، وَحَلَّ الْأَجَلُ: فَالْمُرْتَهِنُ يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهِ، وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ.

ترجمہ: اور (رہن پر) راہن اور مرتہن کی جنایت قابلِ تاوان ہے۔ اور مرہون کی جنایت ان دونوں پر اور ان کے مال پر رائیگاں ہے۔ اور اگر رہن رکھا غلام کو جو ہزار کے برابر ہے، ہزار مؤخر کے عوض، پھر اس کی قیمت گر گئی سو تک، پھر اس کو کسی آدمی نے قتل کر دیا اور سو کا تاوان دے دیا، اور مدت پہنچ گئی، تو مرتہن ہزار پر قبضہ کرے گا اپنے حق کی رُو سے، اور راہن پر رجوع نہ کرے کسی بھی چیز کا۔

تشریح:

⑲ وجناية الراهن، والمرتهن مضمونة: مسئلہ یہ ہے کہ اگر راہن یا مرتہن نے مرہون چیز پر جنایت کر کے اُسے نقصان پہنچایا تو اس کا تاوان ہو گا، کیونکہ مرہون کے ساتھ دونوں کا حق متعلق ہے، لہٰذا ان دونوں میں سے جو بھی جنایت کرے اس سے

① مرتہن کا دَین اس وقت وصول ہو جائے گا کہ مرہون کپڑے کی قیمت اس کے دَین کے برابر ہو، یا اس سے زیادہ ہو۔ اگر کپڑے کی قیمت دَین سے کم ہو تو ہلاکت کی وجہ سے وہ قیمت کے برابر وصول کرنے والا ہو جائے گا، اور باقی دَین راہن کے ذمہ پر رہے گا۔

دوسرے کا حق ضائع ہوجائے گا، اور دوسرے کے حق کو ضائع کرنے کا تاوان ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر راہن نے جنایت کی تو اس کی وجہ سے جتنا نقصان ہوا ہے اس کا عوض مرتہن کو دے دے، تاکہ مرتہن اس پر قبضہ کرکے دَین وصول کرنے تک اپنے پاس رکھ لے، اور اگر مرتہن نے جنایت کی تو اس کی وجہ سے جتنا نقصان ہوا ہے اس کے بقدر راہن سے دَین ساقط ہوجائے گا۔

۶۰ وجنايته عليهما، وعلى مالهما هدر: اگر مرہون غلام راہن پر یا مرتہن پر جنایت کرکے نقصان پہنچائے، یا ان کے مال پر جنایت کرکے ضائع کردے، تو یہ رائیگاں ہے، کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اگر راہن پر جنایت کرے تو اس لئے رائیگاں ہے کہ یہ مملوک کی جنایت ہے اپنے مالک پر، اور اس کا کوئی تاوان نہیں ہوتا، اور اگر مرتہن پر جنایت کرے تو اس لئے رائیگاں ہے کہ مرہون غلام مرتہن کے قبضہ میں ہے، لہٰذا مرہون جو بھی جنایت کرے اس کا ضمان خود مرتہن پر لازم ہوتا ہے، اور یہاں چونکہ جنایت مرتہن ہی پر ہوئی ہے، تو ضمان لازم کرنے کی صورت یہ ہے کہ مرتہن کیلئے مرتہن پر ضمان لازم کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۶۱ وإن رهن عبدا يساوي ألفا بألف مؤجل ... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ راہن پر ہزار روپے مؤخر دَین ہیں، اس نے مرتہن کو رہن میں ایسا غلام دیا جس کی قیمت ہزار روپے کے برابر ہے، پھر مرتہن کے ہاتھ میں غلام کی قیمت گھٹ کر سو روپے رہ گئی، اس کے بعد ایک آدمی نے غلام کو قتل کردیا، اور پھر قاتل نے مرتہن کو غلام کی موجودہ قیمت یعنی سو روپے[1] کا تاوان دے دیا، تو جب دَین کی مدت پہنچ جائے تو مرتہن دَین کی وصولی کے طور پر اُسی سو روپے پر قبضہ کرے، باقی نو سو روپے کا رجوع راہن پر نہ کرے، کیونکہ پہلے دن جب مرتہن نے غلام پر قبضہ کیا تو اس کی قیمت ہزار روپے تھی، اُسی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے گویا مرتہن کو اپنا پورا دَین وصول ہوگیا، اور جب غلام ہلاک ہوگیا تو مرتہن کی وہ وصولی متقرر و مضبوط ہوئی، اور قبضہ کرنے اور ہلاک ہونے کے درمیان قیمت گھٹ جانے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اصل اعتبار مرتہن کے قبضے کا ہے، اور قبضہ کے وقت قیمت ہزار روپے تھی، لہٰذا مرتہن ہزار روپے وصول کرنے والا ہوا۔

۶۲ وَلَوْ بَاعَهُ بِمِائَةٍ بِأَمْرِهِ: يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهِ، وَرَجَعَ بِتِسْعِمِائَةٍ ۶۳ وَإِنْ قَتَلَهُ عَبْدٌ قِيمَتُهُ مِائَةٌ، فَدُفِعَ بِهِ: افْتَكَّهُ بِكُلِّ الدَّيْنِ ۶۴ وَإِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ: بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ، وَقَضَى الدَّيْنَ ۶۵ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نُصِبَ لَهُ وَصِيٌّ، وَأُمِرَ بِبَيْعِهِ.

ترجمہ: اور اگر غلام کو فروخت کردیا سو میں راہن کے حکم سے، تو (مرتہن) سو پر قبضہ کرے اپنے حق کی ادائیگی کے طور پر، اور نو سو کے ساتھ رجوع کرے۔ اور اگر غلام کو قتل کردیا ایک ایسے غلام نے جس کی قیمت سو ہے، پھر (قاتل غلام) مقتول کے عوض (مرتہن کو) دیا گیا، تو (راہن) اس کو چھڑائے کُل دَین کے عوض۔ اور اگر راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن کو فروخت کردے اور دَین ادا کردے۔ اور اگر

---

[1] قاتل اس لئے سو روپے کا تاوان دے گا کہ تاوان دینے میں اصول یہ ہے کہ جس وقت تاوان واجب ہوتا ہے اسی وقت کی قیمت معتبر ہے، اور ہلاکت کے وقت غلام کی قیمت سو روپے ہے، لہٰذا قاتل پر اسی کا ضمان دینا واجب ہوگا۔

اس کا کوئی وصی ہے نہیں، تو مقرر کیا جائے اس کیلئے ایک وصی، اور (اس کو) حکم دیا جائے مرہون کی فروختگی کا۔

تشریح:

۶۲ **ولو باعه بمائة بأمره: يقبض.... إلخ:** حاصل یہ ہے کہ مسئلہ نمبر (۲۱) کی صورت میں جب غلام کی قیمت گھٹ کر سو روپے ہوئی، اگر مرتہن نے راہن کے حکم سے غلام کو سو روپے میں فروخت کر دیا تو مرتہن اسی سو روپے کو اپنے حق (ہزار روپے) میں سے وصول کرلے، اور باقی نو سو روپے میں راہن پر رجوع کر کے اس سے لے لے، کیونکہ مرتہن کا راہن کی اجازت سے فروخت کرنا ایسا ہے جیسے راہن خود فروخت کردے، اور ظاہر ہے کہ اگر راہن خود غلام کو سو روپے میں فروخت کر کے وہ سو روپے مرتہن کو دے دے تو مرتہن کے نو سو رہ جائیں گے، لہٰذا صورتِ مسئلہ میں بھی مرتہن کے نو سو روپے راہن کے ذمہ باقی رہ جائیں گے۔

۶۳ **وإن قتله عبد قيمته مائة، فدفع به: افتكه.... إلخ:** صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن کے پاس جو غلام ایک ہزار روپے کے عوض رہن ہے، اس کو کسی غلام نے قتل کر دیا، اور قاتل غلام کی قیمت صرف سو روپے ہے، پھر اس قاتل غلام کو مقتول کے عوض میں دے دیا گیا اور رہن میں رکھا گیا، تو حضرات شیخینؒ کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ جب دَین ادا کرنے کا وقت آجائے تو راہن پورا دَین (ہزار روپے) ادا کر کے قاتل غلام کو چھڑا لے، اس لئے کہ قاتل غلام بعینہٖ مقتول کے قائم مقام ہے، تو گویا مقتول غلام خود موجود ہے، صرف اس کی قیمت گھٹ گئی ہے، اور رہن کی قیمت کم ہونے کا دَین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ راہن کو اختیار دیا جائے گا: چاہے تو پورا دَین ادا کر کے قاتل غلام کو چھڑا لے، اور اگر چاہے تو وہ غلام پورے دَین کے عوض مرتہن کے پاس چھوڑ دے۔

۶۴ **وإن مات الراهن: باع وصيه الرهن.... إلخ:** اگر راہن مر گیا تو اس کے وصی کو چاہئے کہ مرتہن کی اجازت سے مرہون کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے مرتہن کا دَین ادا کردے، کیونکہ موت کی وجہ سے عقدِ رہن باطل نہیں ہوتا، اور اگر راہن زندہ ہوتا تو وہ خود فروخت کرسکتا، لہٰذا اس کا وصی بھی فروخت کرسکتا ہے۔

۶۵ **فإن لم يكن له وصي: نصب له وصي، وأمره ببيعه:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر راہن کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی کی طرف سے اس کیلئے کوئی وصی مقرر کیا جائے، اور پھر اس کو حکم دیا جائے کہ مرہون کو فروخت کر کے مرتہن کا دَین ادا کردے، کیونکہ قاضی کا کام یہی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی نگرانی کرے، اور یہاں مرتہن کو حق دلانے کا یہی طریقہ ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

الله

﴿فَصْلٌ﴾

أي: هذا فصل في أحكام تغير الرهن وزيادته. یعنی یہ فصل رہن میں تغیر آنے اور اس کی زیادتی کے احکام میں ہے۔
اس فصل میں یہ بیان کریں گے کہ اگر مرتہن کے ہاتھ میں رہن میں تغیر وتبدل آیا، یا اس میں زیادتی وبڑھوتری آئی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟
مصنفؒ نے اس فصل میں گیارہ (۱۱) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

⑪ رَهَنَ عَصِيرًا قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ، فَتَخَمَّرَ، ثُمَّ تَخَلَّلَ، وَهُوَ يُسَاوِي عَشَرَةً: فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ ⑫ وَإِنْ رَهَنَ شَاةً قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ، فَمَاتَتْ، فَدُبِغَ جِلْدُهَا، وَهُوَ يُسَاوِي دِرْهَمًا: فَهُوَ رَهْنٌ بِدِرْهَمٍ.

ترجمہ: شیرہ کو رہن رکھا جس کی قیمت دس ہے، دس کے عوض میں، پھر وہ شراب بن گیا اور پھر سرکہ بن گیا، اور وہ برابر ہے دس کے، تو وہ رہن ہے دس کے عوض۔ اور اگر بکری کو رہن رکھا جس کی قیمت دس ہے، دس کے عوض، پھر وہ مر گئی اور اس کی کھال کو پکایا گیا، اور وہ برابر ہے ایک درہم کے، تو وہ رہن ہے ایک درہم کے عوض۔

لغات:

تخمر: بابِ تفعّل سے ماضی ہے، خمر بن جانا، شراب بن جانا۔ تخلّل: تفعّل سے ماضی ہے، خلّ بن جانا، سرکہ بن جانا۔

تشریح:

⑪ رهن عصيرا قيمته عشرة بعشرة ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دس درہم کے عوض انگور کا شیرہ رہن رکھا جس کی قیمت دس درہم ہے، پھر مرتہن کے ہاتھ میں وہ شیرہ شراب بن گیا، اور پھر چند دن کے بعد سرکہ بن گیا، اور سرکہ کی قیمت بھی دس درہم ہے، تو یہ سرکہ سابقہ دس درہم کے عوض رہن رہے گا، کیونکہ جو چیز مبیع بن سکتی ہے وہ رہن بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہاں ابتداءً شیرہ پر جو عقدِ رہن ہوا وہ بھی صحیح ہے، اور انتہاءً سرکہ پر عقدِ رہن کو باقی رکھنا بھی صحیح ہے، اور درمیان میں شراب بن جانے کا اعتبار نہیں ہے، یعنی عقدِ رہن پر اس کا اثر نہیں پڑتا، کیونکہ شراب کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ابتداءً تو اس پر عقد نہیں ہو سکتا، مگر سابقہ عقد پر اس کا اثر نہیں پڑتا، مثلاً کسی نے شیرہ خریدا، مگر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع کے قبضہ میں وہ شراب بن گیا، تو عقدِ بیع باقی رہے گا، شراب بن جانے سے اس پر اثر نہیں پڑتا۔

⑫ وإن رهن شاة قيمتها عشرة بعشرة ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ راہن نے دس درہم کے عوض بکری

رہن میں دے دی، جس کی قیمت بھی دس درہم ہی ہے، پھر وہ بکری مرتہن کے ہاتھ میں مرگئی اور پھر اس کی کھال کو پکایا گیا، جس کی قیمت ایک درہم کے برابر ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کھال ایک درہم کے عوض میں رہن ہوگی، یعنی راہن کے ذمہ سے دَین کے نو درہم ساقط ہو جائیں گے، صرف ایک درہم باقی رہے گا، کیونکہ بکری کی ہلاکت سے مرتہن اپنا دَین وصول کرنے والا ہو گیا، اور بکری کے اجزاء میں سے صرف ایک جزء (کھال) باقی ہے، لہٰذا مرتہن کا بھی سارا دَین ساقط ہو گیا صرف ایک درہم باقی رہا۔

﴿۲۸﴾ وَنَمَاءُ الرَّهْنِ، كَالْوَلَدِ، وَالثَّمَرِ، وَاللَّبَنِ، وَالصُّوفِ لِلرَّاهِنِ ﴿۲۹﴾ وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْأَصْلِ ﴿۳۰﴾ وَيَهْلِكُ مَجَّانًا ﴿۳۱﴾ وَإِنْ بَقِيَ، وَهَلَكَ الْأَصْلُ: فُكَّ بِحَظِّهِ ﴿۳۲﴾ وَيُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيْمَتِهِ يَوْمَ الْفِكَاكِ، وَقِيْمَةِ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ، فَسَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ حِصَّةُ الْأَصْلِ، وَفُكَّ النَّمَاءُ بِحِصَّتِهِ.

ترجمہ: اور رہن کی بڑھوتری جیسے بچہ، پھل، دودھ اور اون راہن کی ہے۔ اور وہ رہن ہوگی اصل کے ساتھ۔ اور ہلاک ہوگی مفت۔ اور اگر زیادتی باقی رہی اور اصل ہلاک ہو گیا، تو چھڑا لی جائے گی اپنے حصے کے عوض۔ پس دَین کو تقسیم کیا جائے گا بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن اور اصل کی قیمت پر قبضہ کرنے کے دن، تو دَین میں سے ساقط ہو جائے گا اصل کا حصہ اور بڑھوتری کو چھڑا لیا جائے گا اپنے حصے کے عوض۔

لغات:

نماء: بڑھوتری، زیادتی۔ **الصوف:** اون۔ **فُکَّ:** باب نصر سے ماضی مجہول ہے، چھڑا لینا۔ **الفکاک:** چھڑا لینا۔

تشریح:

﴿۲۸﴾ **ونماء الرهن كالولد، والثمر.... الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتہن کے پاس رہن میں بڑھوتری اور زیادتی آ گئی، مثلاً رہن کا بچہ ہوا، یا رہن کے درختوں پر پھل آیا، یا رہن کے بھیڑ دنبوں پر اون آیا، تو یہ زیادتی راہن کی ہوگی، کیونکہ یہ راہن کی ملک کی زیادتی اور پیداوار ہے، لہٰذا جس طرح اصل رہن راہن کی ملک میں ہے، اس کی زیادتی بھی راہن کی ملک میں ہوگی۔

﴿۲۹﴾ **وهو رهن مع الأصل:** یعنی رہن کی زیادتی بھی اصل کے ساتھ رہن میں شامل ہوگی، کیونکہ یہ زیادتی اصل کی تابع ہے، لہٰذا جس طرح اصل مرہون ہے، اس کی زیادتی بھی مرہون رہے گی۔

﴿۳۰﴾ **ويهلك مجانا:** اگر مرتہن کے ہاتھ میں رہن کی زیادتی ہلاک ہوگئی تو وہ بغیر کسی عوض کے مفت ہلاک ہوگی، یعنی اس کے مقابلے میں دَین میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ دَین اصل کے مقابلے میں ہے، نہ کہ تابع کے مقابلے میں، لہٰذا تابع کی ہلاکت سے دَین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

⓫ وإن بقي، وهلك الأصل: فكّ بحظه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر اصل مرہون ہلاک ہوگیا اور اس کی زیادتی باقی رہی، مثلاً رہن کی بکری مرگئی اور اس کا بچہ باقی رہا، تو زیادتی کو اپنے حصے کے عوض میں چھڑایا جائے گا، یعنی راہن پر لازم ہے کہ زیادتی کے مقابلے میں دَین کا جتنا حصہ آتا ہے وہ مرتہن کو ادا کر کے اس کے ہاتھ سے زیادتی چھڑا لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اصل رہن ہلاک ہوگیا، اور مرتہن نے زیادتی کو اپنے قبضے میں محبوس کر لیا تو وہ زیادتی اصل کی طرح مقصود بالذات ہوگئی، لہٰذا پہلے دَین صرف اصل کے مقابلے تھا، اب اصل اور زیادتی دونوں کے مقابلے میں ہوگیا، اصل کے مقابلے میں جو حصہ آتا ہے وہ دَین میں سے ساقط ہوگیا، اور زیادتی کے مقابلے میں جو حصہ آتا ہے وہ راہن پر باقی ہے، لہٰذا راہن وہ حصہ ادا کر کے زیادتی کو چھڑا لے۔

⓬ فيقسم الدين على قيمته يوم الفكاك... إلخ: اس عبارت میں دَین کا وہ حصہ معلوم کرنے کا طریقہ بتا رہے ہیں جو زیادتی کے مقابلے میں آتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کرے کہ جس دن مرتہن نے اصل رہن پر قبضہ کیا تھا اس کی قیمت کتنی تھی؟ اور پھر یہ معلوم کرے کہ چھڑانے کے دن زیادتی کی قیمت کتنی ہے؟ اور پھر دَین کو ان دو قیمتوں پر تقسیم کر دیا جائے، تو دَین کا جو حصہ اصل رہن کے مقابلے میں آجائے وہ راہن کے ذمہ سے ساقط ہوگیا، اور جو حصہ زیادتی کے مقابلے میں آجائے وہ مرتہن کو ادا کر کے زیادتی کو چھڑا لے، مثلاً زیادتی کی قیمت ۵۰۰ روپے ہے، اور اصل رہن کی قیمت ۱۰۰۰ روپے تھی، اور دَین ۱۲۰۰ سو روپے ہے، تو دَین کو دونوں قیمتوں پر تقسیم کرنے سے اس کے تین حصے ہوں گے[①]: دو حصے (۸۰۰ سو روپے) اصل رہن کے مقابلے میں ہو کر راہن سے ساقط ہوگئے، اور ایک حصہ (۴۰۰ سو روپے) زیادتی کے مقابلے میں آیا، لہٰذا راہن پر لازم ہے کہ وہ ایک حصہ دَین ادا کر کے زیادتی کو مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا لے۔

⓭ وَتَصِحُّ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ ⓮ لَا فِي الدَّيْنِ ⓯ وَإِنْ رَهَنَ عَبْدًا بِأَلْفٍ، فَدَفَعَ عَبْدًا آخَرَ رَهْنًا مَكَانَ الْأَوَّلِ، وَقِيمَةُ كُلٍّ أَلْفٌ: فَالْأَوَّلُ رَهْنٌ حَتَّى يَرُدَّهُ إِلَى الرَّاهِنِ ⓰ وَالْمُرْتَهِنُ فِي الْآخَرِ أَمِينٌ حَتَّى يَجْعَلَهُ مَكَانَ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے رہن میں زیادتی کرنا۔ نہ کہ دَین میں۔ اور اگر غلام رہن رکھا ہزار کے عوض، پھر دوسرا غلام دیا بطور رہن پہلے کی جگہ، اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہے، تو پہلا رہن ہوگا یہاں تک کہ اس کو واپس کرے راہن کو۔ اور مرتہن دوسرے میں امین ہوگا یہاں تک کہ اس کو رکھے گا پہلے کی جگہ۔

تشریح: ⓭ وتصح الزيادة في الرهن: مسئلہ یہ ہے کہ رہن میں زیادتی کرنا صحیح ہے، مثلاً راہن نے ہزار روپے

---

① دَین کے تین حصے اس لئے بنیں گے کہ زیادتی اور اصل کی قیمتوں میں ایک اور دو کی نسبت ہے، یعنی زیادتی کی قیمت ۵۰۰ ہے، اور اصل کی قیمت دو مرتبہ ۵۰۰، یعنی ۱۰۰۰ ہے، تو ان دونوں قیمتوں کو ملا کر کل تین حصے (۵۰۰+۵۰۰+۵۰۰) ہوگئے، لہٰذا اس کے مطابق دَین کو بھی تین حصوں (۴۰۰+۴۰۰+۴۰۰) میں تقسیم کیا جائے گا۔

کے عوض کپڑا رہن میں دے دیا، اور پھر دوسرا کپڑا بھی رہن میں دے دیا، تو یہ صحیح ہے، لہٰذا اب دونوں کپڑے ہزار روپے کے عوض مرہون ہوں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع میں بائع مبیع کو زیادہ کردے، اور كتاب البيوع/باب التولية والمرابحة مسئلہ نمبر (۲۸) میں گزر گیا ہے کہ مبیع میں زیادتی کرنا صحیح ہے، لہٰذا رہن میں بھی زیادتی کرنا جائز ہوگی۔

⑪ لا في الدين: أي: لا تصح الزيادة في الدين یعنی دَین میں زیادتی صحیح نہیں ہوگی، مثلاً راہن نے ایک ہزار روپے کے عوض مرتہن کو ایک کپڑا رہن میں دے دیا، اور پھر مرتہن نے راہن کو دوسری مرتبہ ہزار روپے دَین دے کر کہا کہ اب وہ ایک کپڑا دو ہزار کے عوض رہن ہوگا، حضرات طرفینؒ کے نزدیک یہ صحیح نہیں① ہے، اس لئے کہ رہن کے کپڑے میں شیوع آ گیا، یعنی اس کا ایک نامعلوم حصہ پہلے ہزار کے عوض میں رہن ہوگیا اور دوسرا نامعلوم حصہ دوسرے ہزار کے عوض رہن ہوگیا، اور باب ما يجوز ارتهانه و الارتهان به مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوا کہ مشاع چیز کا رہن صحیح نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دَین میں بھی زیادتی کرنا صحیح ہے، جیسے بیع میں مشتری ثمن کو زیادہ کردے۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں تمام متون اور اکثر شراح نے حضرات طرفینؒ کا قول لیا ہے، لیکن مجلۃ الأحکام: المادة: ۷۱۴ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، تا کہ راہن ومرتہن کے مقصود کو صحیح قرار دیا جائے، اور عوام الناس کیلئے سہولت کا راستہ نکالا جائے۔ كذا قال محمد خالد الأتاسي في شرحه

⑫ وإن رهن عبدا بألف، فدفع عبدا آخر.... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ راہن نے ہزار روپے دَین کے عوض مرتہن کو رہن میں غلام دے دیا جس کی قیمت ہزار روپے ہے، پھر راہن نے اس غلام کو واپس لینا چاہا اور مرتہن کو اس کی جگہ دوسرا غلام دے دیا جس کی قیمت بھی ایک ہزار ہے، تو ایسا کرنا صحیح ہے، اور جب تک مرتہن پہلا غلام راہن کو واپس نہیں کرے گا اس وقت تک وہ رہن رہے گا، کیونکہ ابھی تک پہلا غلام مرتہن کے قبضہ میں داخل ہے اور راہن پر دَین بھی باقی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک مرتہن کا قبضہ اور راہن پر دَین باقی ہو رہن باقی رہے گا، لہٰذا پہلا غلام ابھی تک رہن میں ہے۔ البتہ جب مرتہن اس کو واپس کر کے اپنا قبضہ ختم کردے تو وہ رہن سے نکل جائے گا۔

⑬ والمرتهن في الآخر أمين حتى يجعله مكان الأول: یعنی ماقبل مسئلے کی صورت میں جب پہلا غلام رہن رہا تو دوسرا غلام مرتہن کے پاس امانت ہوگا، کیونکہ راہن اور مرتہن ایک غلام کو رہن رکھنے پر راضی ہیں، نہ کہ دونوں کو، تو جب تک پہلا غلام رہن میں داخل رہے دوسرا غلام رہن نہیں ہوگا، بلکہ امانت رہے گا۔ البتہ جب مرتہن پہلا غلام راہن کو واپس کر کے اس کی جگہ دوسرا غلام رکھ لے تو پہلا غلام رہن سے نکل کر دوسرا رہن میں داخل ہوجائے گا۔ والله أعلم بالصواب

① یعنی دوسری مرتبہ دَین دینا تو صحیح ہے، مگر سابقہ رہن کو نئے دَین کے عوض قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

﴿كِتَابُ الْجِنَايَاتِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الجنايات. یعنی یہ کتاب جنایات کے احکام کے بیان میں ہے۔ جنایات جمع ہے جناية کی، جَنٰی یَجْنِي کا مصدر ہے۔ اس لغوی معنی ہیں: جرم، غلطی، قصور۔ شریعت کی اصطلاح میں جناية کے معنی ہیں: کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچانا، ناجائز تصرف کرنا۔ لیکن فقہاءؒ نے جناية کو خاص کیا ہے انسان کی جان اور بدن کو نقصان پہنچانے کے ساتھ، اور کسی کے مال کو نقصان پہنچانے اور ناجائز تصرف کرنے کو غصب کا نام دیا ہے۔ تو اس کتاب میں انسان کی جان اور بدن کو ناجائز نقصان پہنچانے کے احکام بیان ہوں گے، یعنی قتل کرنا، ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا اور زخمی کرنا۔①

جنایت کا شرعی حکم یہ ہے کہ انسان کی جان، بدن اور مال کو کسی بھی قسم کا ناحق نقصان پہنچانا حرام ہے، جو اس دنیا میں سزا اور آخرت میں عذاب کا باعث ہے۔ جنایت کا قانونی حکم جنایت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مثلاً کبھی قصاص، کبھی دیت، کبھی تاوان، اور کبھی عادل آدمی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے اگلے باب تک قتل کی پانچ قسموں (قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطاء، قتل جاری مجری خطاء، قتل سبب) کے احکام سے متعلق بیس (۲۰) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ مُوجَبُ الْقَتْلِ عَمْدًا ❷ وَهُوَ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ، وَنَحْوِهِ فِي تَفْرِيقِ الْأَجْزَاءِ، كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ، وَالْحَجَرِ، وَاللِّيطَةِ، وَالنَّارِ ❸ اَلْإِثْمُ، وَالْقَوَدُ عَيْنًا ❹ إِلَّا أَنْ يُعْفٰى ❺ لَا الْكَفَّارَةُ ❻ وَشِبْهِهِ ❼ وَهُوَ أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ ❽ اَلْإِثْمُ، وَالْكَفَّارَةُ، وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ ❾ لَا الْقَوَدُ.

ترجمہ: اور قصداً قتل کا حکم۔ اور یہ وہ قتل ہے کہ قصد کیا ہو اس کے مارنے کا ہتھیار یا اس کی مثل سے، اجزاء کو الگ الگ کرنے میں، جیسے دھار دار لکڑی، پتھر، بانس وغیرہ کا چھلکا اور آگ۔ گناہ ہے، اور قصاص ہے، معیّن طور پر۔ مگر یہ کہ معاف کر دیا جائے۔ نہ کہ کفارہ۔ اور شبہ عمد کا (حکم)۔ اور وہ یہ ہے کہ قصد کرے اس کے مارنے کا بغیر ان چیزوں کے جو ذکر ہوئیں۔ گناہ، کفارہ اور دیت مغلظہ ہے عاقلہ پر۔ نہ کہ قصاص۔

لغات: **موجَب:** اِفعال (اِیجاب) کے باب سے اسم مفعول ہے، کسی چیز کا حکم، وہ چیز جس کو ثابت کر دیا جائے۔ **المحدّد:**

---

① یہ بات یاد رکھیں کہ جنایتیں تین ہیں: ① کسی کی جان یا بدن پر جنایت کرنا۔ ② کسی کے مال پر جنایت کرنا۔ ③ احرام یا حرم میں جنایت کرنا۔ پہلی قسم کا بیان یہاں کتاب الجنایات میں ہوتا ہے۔ دوسری قسم کا بیان کتاب الغصب میں ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم کا بیان کتاب الحج / باب الجنايات میں ہوتا ہے۔

تیز کیا ہوا، دھاردار۔ اللیطة: ہر مضبوط اور سخت چیز کا چھلکا جیسے بانس وغیرہ۔ القود: قصاص، خون کا بدلہ۔ مغلّظة: باب تفعیل سے مؤنث اسم مفعول ہے، سخت کی ہوئی، مضبوط کی ہوئی، دیة مغلّظة معنی سخت دیت، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ العاقلة: باپ کی طرف سے وہ رشتہ دار جو قتل کی دیت ادا کرتے ہیں۔ تفصیل آرہی ہے۔

تشریح:

❶ موجب القتل عمداً: یہ مبتدا ہے، اور مسئلہ نمبر (۳) میں الإثم، والقود اس کی خبر ہے۔ مبتدا و خبر کے درمیان لمبا جملہ معترضہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے انسان کو ناحق قصداً قتل کر دیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل سخت گنہگار ہوگا، اور اس کی سزا متعیّن طور پر قصاص ہے، یعنی قاتل کو بھی قتل کر دیا جائے گا، مگر یہ کہ مقتول کے ورثہ اُسے معاف کر دیں۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ شرک وکفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ناحق قتل کرنا ہے، چنانچہ آیت میں ہے: وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا. [نساء:۹۳] ''اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا''۔ اور ظاہر ہے کہ جہنم بڑے گنہگار کی سزا ہے۔ اور دوسری آیت میں ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى [بقرہ:۱۷۸] ''جو لوگ قتل کر دیے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کیا گیا ہے''۔ یعنی مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ ظالم کو پکڑ کر اس سے قصاص لیں، قصاص لینا کسی ایک آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتا، ورنہ مقتول کے ورثہ خود جا کر قاتل سے قصاص لیں گے، بلکہ یہ اسلامی حکومت کے قاضی کا کام ہے۔

❷ وهو ما تعمّد ضربه بسلاح، ونحوه في تفريق .... الخ: یہ قتل عمد کی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو قصداً ہتھیار سے مارے، یا ایسی چیز سے مارے جو بدن کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ہتھیار کی مثل ہو، جیسے دھار دار لکڑی، دھاردار پتھر، دھاردار چھلکا، یا آگ میں جلا دے، ان چیزوں سے قتل کرنا قتل عمد کہلاتا ہے، اس لئے کہ عمد قصد و ارادہ کو کہتے ہیں، اور یہ دل کا پوشیدہ عمل ہے، اور پوشیدہ چیز کا پتہ دلیل سے لگایا جاتا ہے، یہاں عمد کی دلیل یہ ہے کہ قاتل نے ایسا دھاردار قاتلہ آلہ استعمال کیا ہے جس سے یقیناً انسان مر جاتا ہے، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے قتل کا قصد و ارادہ کیا ہے۔

❸ الإثم، والقود عيناً: قتل عمد کا حکم گناہ اور متعیّن طور پر قصاص ہے۔ مبتدا و خبر کی تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوئی۔

عيناً کا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں قتل عمد کی سزا متعیّن طور پر صرف اور صرف قصاص ہے، دیت اصل سزا نہیں ہے، وہ سزا کا بدل ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شریعت میں قتل عمد کی غیر متعیّن طور پر دو سزائیں ہیں: ایک قصاص، اور دوسری دیت، مقتول کے ورثہ کو اختیار ہوگا کہ ایک سزا کی تعیین کریں، یا قاتل سے قصاص لیں یا دیت لیں، خواہ قاتل دیت دینے پر راضی ہو یا نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ کا نقصان پورا کیا جائے اور ان کو بدلہ ملے، اور نقصان کی تلافی قصاص اور دیت دونوں سے ہو سکتی ہے، لہٰذا ورثہ کو اختیار ہوگا کہ دو سزاؤں میں سے ایک کو متعیّن کریں۔

ہماری ایک دلیل یہ آیت ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ. [بقرہ:۱۷۸] نیز حدیث میں ہے: العمد قود. [ابوداؤد] یعنی قتل عمد کی سزا قصاص ہے۔ یہاں آیت وحدیث دونوں میں صرف قصاص کا ذکر ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قصاص کے لغوی معنی ہیں: بدلہ اور ظاہر ہے کہ قتل کا اصل بدلہ قصاص ہی ہے، نہ کہ مال (دیت)۔ حاصل یہ کہ قتل عمد کی اصل سزا قصاص ہے، مقتول کے ورثہ اگر قصاص چھوڑ کر دیت لینا چاہیں تو اس کیلئے قاتل کی رضامندی شرط ہے۔

❹ **إلا أن يعفى:** یہ ماقبل سے استثناء ہے، یعنی قتل عمد کی سزا قصاص ہے، مگر یہ کہ ورثہ کی طرف سے قاتل کو معاف کردیا جائے، یا صلح ہوجائے تو قاتل سے قصاص ساقط ہوجائے گا، کیونکہ قصاص لینا ورثہ کا حق ہے، وہ اپنا حق معاف کرسکتے ہیں۔

❺ **لا الكفارة:** أي: ليست الكفارة بموجب القتل عمدا. یعنی قتل عمد کا حکم کفارہ نہیں ہے، لہٰذا قتل عمد کے قاتل پر کفارہ ادا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قتل عمد میں بھی کفارہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ قتل خطاء قتل عمد سے کمتر ہے، جب خطاء میں کفارہ واجب ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے، جس میں جائز ہونے کا ذرا برابر شائبہ نہیں ہے، جبکہ کفارہ اس گناہ کیلئے ہوتا ہے، جس میں کچھ نہ کچھ جائز ہونے کا شائبہ بھی ہو[1]، لہٰذا کفارہ صرف قتل خطاء کیلئے ہوگا، اور قرآن وحدیث میں بھی صرف قتل خطاء کیلئے کفارہ مقرر کیا گیا ہے، تو اپنی رائے سے قتل عمد کیلئے کفارہ مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔

❻ **وشبهه:** یہ عطف ہے القتلِ پر۔ «ہ» کا مرجع قتل ہے، أي: موجبُ شبهِهِ یہ مبتدا ہے، اور مسئلہ نمبر (۸) میں الإثمُ والكفارةُ اس کی خبر ہے، مبتدا وخبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ قتل شبہ عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل سخت گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے مارنے کا قصد کیا ہے، اور اس پر کفارہ اور دیت ادا کرنا لازم ہوں گے، آیت کریمہ میں ہے: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ [النساء:۹۲] ''اور جس نے کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو مسلمان غلام آزاد کردے، اور دیت ادا کرے اس کے گھر والوں کو''۔ اور اگر غلام نہ پائے تو لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ یہ آیت اگرچہ قتل خطاء کے بارے میں ہے، مگر شبہ عمد بھی خطاء کے حکم میں ہے۔

قاتل جو دیت ادا کرے گا وہ مغلظہ (سخت) ہوگی، جس میں سو اونٹ ہوتے ہیں، پچیس یک سالہ اونٹنیاں، پچیس دو سالہ اونٹنیاں، پچیس تین سالہ اونٹنیاں اور پچیس چار سالہ اونٹنیاں۔ تفصیل كتاب الديات مسئلہ نمبر (۱) میں آئے گی۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

دیت کا مال قاتل کے عاقلہ سے لیا جائے گا[2]۔ عاقلہ باپ کی طرف سے وہ رشتہ دار ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں، جیسے بھائی، چچا وغیرہ۔ سرکاری ملازم کے عاقلہ ملازمین ہیں۔ تفصیل كتاب المعاقل مسئلہ نمبر (۳ اور ۵) میں آئے گی۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

❼ **وهو أن يتعمد ضربه بغير ما ذكر:** یہ قتل شبہ عمد کی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شبہ عمد وہ قتل ہے جس میں

---

① مثلاً قتل خطاء میں قاتل شکار کو تیر مارتا ہے وہ جاکر انسان کو لگتا ہے، تو چونکہ شکار کو مارنا جائز ہے اس لئے قتل میں بھی کچھ نہ کچھ جائز ہونے کا شائبہ پیدا ہوا۔ اسی طرح جہاں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے وہاں جواز کا شائبہ موجود ہوتا ہے۔ ② قاتل کے عاقلہ سے دیت لینے کی وجہ اور حکمت كتاب المعاقل کے شروع میں آئیگی۔ إن شاء اللہ

قاتل نے مارنے کا قصد وارادہ کیا ہو، مگر مذکورہ چیزوں سے نہ مارے، یعنی نہ ہتھیار سے مارے اور نہ ہتھیار کے قائم مقام دھار دار چیز سے مارے، بلکہ ایسی چیز سے مارے جس کو عام طور پر قتل کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا، جیسے پتھر، لکڑی وغیرہ ①، لہٰذا اگر بہت بڑے پتھر سے مار کر قتل کر دیا تو یہ بھی شبہ عمد ہے، کیونکہ اس کو عموماً قتل کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

حضرات صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد وہ قتل ہے جس میں قاتل ایسا چھوٹا اور کمزور آلہ قصداً استعمال کرے جس سے عموماً قتل واقع نہیں ہوتا، جیسے چھوٹا پتھر، چھوٹی لکڑی وغیرہ، لہٰذا بہت بڑے پتھر یا بہت بڑے ڈنڈے سے مار کر قتل کرنا قتل عمد ہے، کیونکہ اس کو استعمال کر کے یقیناً قتل واقع ہو جاتا ہے، تو یہ آلہ ہتھیار اور دھار دار چیز کے حکم میں ہوا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پتھر، ڈنڈا وغیرہ نہ تو قتل کیلئے بنائے گئے ہیں، اور نہ اس کو عموماً قتل کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، لہٰذا اس کے استعمال سے عمدیت کے معنی قاصر و کمزور ہو گئے، اس لئے یہ قتل عمد کے حکم میں نہیں ہوا۔

قول راجح:

متاخرین حنفیہؒ نے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ موجودہ دور میں مناسب یہ ہے کہ صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ [تقریر ترمذی: ۲/ ۱۳۱]

⑧ الإثم، والكفارة، ودية مغلظة على العاقلة: أي: موجب شبه العمد الإثم.... قتل شبہ عمد کا حکم یہ ہے کہ اس سے قاتل گنہگار ہوگا، اور اس پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہوگی۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۶) میں بیان ہوئی۔

⑨ لا القود: أي: ليس موجب قتل شبه العمد القود. یعنی قتل شبہ عمد کا حکم یہ نہیں ہے کہ قاتل کو قصاص کر دیا جائے، کیونکہ قصاص قتل عمد کے ساتھ خاص ہے، اس کے علاوہ کسی اور قتل کی سزا میں نہیں ہوگا۔ البتہ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر قاتل لا پرواہ آدمی ہو اور بار بار شبہ عمد میں قتل کرے تو قاضی سیاستاً اُسے قصاص کر سکتا ہے۔

⑩ وَالْخَطَأُ ⑪ وَهُوَ أَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا ظَنَّهُ صَيْدًا، أَوْ حَرْبِيًّا فَإِذَا هُوَ مُسْلِمٌ، أَوْ غَرَضًا فَأَصَابَ آدَمِيًّا ⑫ وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ ⑬ كَنَائِمٍ انْقَلَبَ عَلَى رَجُلٍ، فَقَتَلَهُ ⑭ اَلْكَفَّارَةُ، وَ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ⑮ وَالْقَتْلِ بِسَبَبٍ ⑯ كَحَافِرِ الْبِئْرِ، وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ ⑰ اَلدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ⑱ لَا الْكَفَّارَةُ ⑲ وَالْكُلُّ يُوجِبُ حِرْمَانَ الْإِرْثِ، إِلَّا هٰذَا ⑳ وَشِبْهُ الْعَمْدِ فِي النَّفْسِ عَمْدٌ فِيمَا سِوَاهَا

ترجمہ: اور خطاء کا (حکم)۔ اور وہ یہ ہے کہ تیر پھینکے انسان کو اس پر گمان کرے شکار کا، یا حربی کو (تیر پھینکے) اور وہ مسلمان ہو،

① چونکہ قاتل نے مارنے کا قصد کیا ہے اس لئے یہ عمد ہوا، مگر آلہ ایسا استعمال کیا ہے جس سے عموماً قتل نہیں ہوتا تو یہ عمد نہیں ہوا، اس لئے اُسے ''شبہ عمد'' کا نام دیا گیا۔

یا نشانہ پر (پھینکے) اور وہ انسان کو لگے۔ اور جاری مجریٰ خطاء کا (حکم) جیسے سونے والا الٹ جائے کسی آدمی پر اور اس کو قتل کردے۔ کفارہ اور دیت ہیں عاقلہ پر۔ اور سبب کی وجہ سے قتل کا (حکم)۔ جیسے کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا اپنی ملک کے علاوہ میں۔ دیت ہے عاقلہ پر۔ نہ کہ کفارہ۔ اور سب ثابت کردیتے ہیں میراث سے محروم ہونا، سوائے اسی کے۔ اور جان میں شبہ عمد اس کے علاوہ میں عمد ہے۔

تشریح:

⑩ والخطأ: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۱) میں القتل پر، أي: موجب الخطأ یہ مبتدا ہے، اور مسئلہ نمبر (۱۴) میں الكفارة، والدية اس کی خبر ہے۔ مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ قتل خطاء کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ ادا کرنا اور اس کے عاقلہ پر دیت ادا کرنا لازم ہیں۔ اس کی دلیل وہ آیت ہے جو مسئلہ نمبر (۶) میں گزر چکی۔

⑪ وهو أن يرمي شخصا ظنه صيدا، أو حربيا ... الخ: یہ قتل خطاء کی تفسیر ہے۔ خطاء کی دو قسمیں ہیں: خطأ في القصد، خطأ في الفعل. ① خطأ في القصد یہ ہے کہ قصد وارادہ میں غلطی ہوجائے، مثلاً دور سے کوئی سایہ دیکھا، اس پر شکار کا گمان کرکے تیر چلایا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شکار نہیں انسان تھا، یا مثلاً میدانِ جہاد میں کسی پر حربی کا گمان کرکے تیر چلایا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسلمان تھا، ان دونوں صورتوں میں قصد وارادہ میں غلطی کرکے قتل ہوگیا۔

اور ② خطأ في الفعل یہ ہے کہ قصد وارادہ تو صحیح کرے مگر فعل میں غلطی ہوجائے، مثلاً کسی نشانہ پر تیر چلایا وہ جا کر کسی آدمی کو لگ گیا، یہاں ارادہ تو صحیح کیا ہے لیکن فعل (تیر چلانے) میں بے احتیاطی کی۔

⑫ وما جرى مجراهُ: یہ عبارت بھی مسئلہ نمبر (۱) میں القتلِ پر عطف ہے، أي: موجب ما جرى مجراهُ یہ مبتدا ہے، اور مسئلہ نمبر (۱۴) میں الكفارة، والدية اس کی خبر ہے۔ ما سے مراد قتل ہے، اور "ہ" کا مرجع "قتل خطاء" ہے۔ یعنی وہ قتل جو قتلِ خطاء کے راستہ پر جاری (جاری مجریٰ خطاء / قائم مقام خطاء) ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت ادا کرنا لازم ہیں۔ دلیل وہی آیت ہے جو مسئلہ نمبر (۶) میں گزر چکی۔

⑬ كنائم انقلب على رجل فقتله: یہ قتل جاری مجریٰ خطاء کی تفسیر ہے۔ یعنی جاری مجریٰ قتل کی مثال ایسی ہے جیسے سویا ہوا شخص کروٹ بدل کر دوسرے آدمی پر پلٹ جائے اور اس کو نیچے دبا کر قتل کردے، یا ماں کروٹ بدل کر بچہ کو دبا کر قتل کردے۔ قتلِ خطاء اور جاری مجریٰ خطاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ خطاء میں قصد وارادہ ہوتا ہے، اور جاری مجریٰ خطاء میں ارادہ نہیں ہوتا۔

⑭ الكفارة، والدية على العاقلة: أي: موجب الخطأ، وموجب ما جرى مجراه الكفارة... یعنی قتل خطاء اور قتل جاری مجریٰ خطاء کا حکم کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے۔ تفصیل اوپر بیان ہوئی۔

⑮ والقتلِ بسبب: یہ عبارت بھی مسئلہ نمبر (۱) میں القتلِ پر عطف ہے، أي: موجب القتلِ بسبب یہ مبتدا ہے، اور الديةُ على العاقلة اس کی خبر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ قتل بالسبب کا حکم یہ ہے کہ قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوجائے گی،

کیونکہ قاتل نے اگر چہ براہِ راست قتل تو نہیں کیا ہے لیکن ناجائز کنواں کھود کر قتل کا سبب بن گیا ہے، تو یہ ایسا ہوا جیسے کسی کو دھکا دے کر کنویں میں گرادے، اس لئے عاقلہ پر دیت واجب ہوجائے گی۔

⑬ كحافر البئر، وواضع الحجر في غير ملكه: یہ قتل بالسبب کی مثال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قتل بالسبب یہ ہے کہ قاتل بذاتِ خود تو قتل نہیں کرتا مگر قتل کا سبب بن جاتا ہے، مثلاً اس نے دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھودا جس میں کوئی آدمی گر کر مر گیا، یا دوسرے کی زمین میں بلا اجازت بڑا پتھر رکھ دیا جس سے کوئی شخص ٹکرا کر مر گیا، یہاں قاتل براہِ راست تو قتل نہیں کرتا مگر کنواں کھودنے یا پتھر رکھنے کا ناجائز عمل کر کے قتل کا سبب بن رہا ہے۔

⑭ الدية على العاقلة: یہ مبتدا کی خبر ہے، جس کا بیان مسئلہ نمبر (۱۵) میں ہوگیا۔

⑮ لا الكفارة: أي: لا تجب الكفارة في القتل بالسبب. قتل بالسبب میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں کفارہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ کنواں کھودنے والا بھی قاتل ہے، جیسے قتلِ خطاء کا قاتل، لہٰذا قتلِ خطاء کی طرح قتل بالسبب میں بھی کفارہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ قتل بالسبب کو قتلِ خطاء پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ خطاء میں قاتل حقیقتاً قتل کا عمل کرتا ہے، جبکہ قتل بالسبب میں قاتل نے براہِ راست قتل کا عمل نہیں کیا، لہٰذا اس پر کفارہ بھی نہ ہوگا۔

⑯ والكل يوجب حرمان الإرث، إلا هذا: هذا کا مشار الیہ قتل بالسبب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ قتل کی مذکورہ قسموں میں سے ہر ایک میراث سے محروم کردیتا ہے، سوائے قتل بسبب کے، لہٰذا اگر وارث نے اپنا مورث عمداً قتل کردیا، یا شبہ عمد میں قتل کردیا، یا خطاءً قتل کردیا، یا جاری مجریٰ خطاء میں قتل کردیا، تو وارث (قاتل) میراث سے محروم ہوجائے گا، حدیث میں ہے: القاتل لا يرث. [ترمذی] قاتل کو میراث نہیں ملے گی، کیونکہ ان اقسام میں سے ہر قسم میں قاتل قتل کا عمل کرتا ہے، اور قتل بالسبب میں چونکہ قاتل نے قتل کا عمل نہیں کیا ہے اس لئے وہ میراث سے محروم نہیں کرتا۔

امام شافعیؒ قتل بالسبب کو قتل خطاء پر قیاس کرتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک قاتل بالسبب بھی میراث سے محروم ہوجائے گا، مگر پچھلے مسئلے میں ہم نے جواب دے دیا کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

⑰ وشبه العمد في النفس عمد فيما سواها: مسئلہ یہ ہے کہ شبہ عمد صرف جان (قتل) میں ہوتا ہے، جان کے علاوہ میں شبہ عمد نہیں ہوتا، وہ عمد ہی ہے، مثلاً اگر بڑے ڈنڈے سے کسی کو قتل کیا تو یہ شبہ عمد ہے، اور اگر اسی ڈنڈے سے جان کے علاوہ کوئی اور نقصان پہنچایا، مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، تو یہ عمد ہے، جس کی وجہ سے قصاص جاری ہوجائے گا، کیونکہ آلے کو دیکھ کر جان سے مارنے میں عمد اور شبہ عمد کا فرق تو کیا جاسکتا ہے، مگر عضو کاٹنے اور توڑنے میں یہ فرق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عضو میں ہر طرح کا آلہ استعمال ہوسکتا ہے، لہٰذا کسی بھی آلے سے عضو کو کاٹ دے یا توڑ دے یہ عمد ہی ہوگا۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ مَا يُوجِبُ الْقِصَاصَ وَمَا لَا يُوجِبُهُ﴾

أي: هذا باب في بيان ما يوجب القصاص، وما لا يوجبه. "ما" سے مراد "قتل عمد" ہے، یعنی یہ باب اس قتلِ عمد کے بیان میں ہے جو قصاص کو واجب کر دیتا ہے اور جو واجب نہیں کرتا۔ قتل کی مذکورہ پانچ اقسام میں سب سے اہم قسم قتلِ عمد ہے، اور قتلِ عمد سے بعض صورتوں میں قصاص ثابت ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں ثابت نہیں ہوتا، اس باب میں انہی صورتوں سے متعلق چھتیس (۳۶) مسائل ذکر کیے ہیں۔

①يَجِبُ الْقِصَاصُ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَى التَّأْبِيْدِ عَمْدًا ②وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ، وَبِالْعَبْدِ ③وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ ④وَلَا يُقْتَلَانِ بِالْمُسْتَأْمِنِ ⑤وَالرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ ⑥وَالْكَبِيْرُ بِالصَّغِيْرِ ⑦وَالصَّحِيْحُ بِالْأَعْمٰى، وَبِالزَّمِنِ، وَبِنَاقِصِ الْأَطْرَافِ، وَبِالْمَجْنُوْنِ ⑧وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ.

ترجمہ: قصاص ثابت ہو جاتا ہے ہر ہمیشہ کیلئے محفوظ خون والے کے قتل سے قصداً۔ اور قتل کیا جائے گا آزاد کو آزاد کے عوض اور غلام کے عوض۔ اور مسلمان کو ذمی کے عوض۔ اور ان دونوں کو قتل نہیں کیا جائے گا مستأمن کے عوض۔ اور مرد کو عورت کے عوض۔ اور بڑے کو چھوٹے کے عوض۔ اور صحتمند کو اندھے کے عوض، اپاہج کے عوض، ناقص اعضاء والے کے عوض اور پاگل کے عوض۔ اور بیٹے کو باپ کے عوض۔

لغات:

محقون: باب نصر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، بمعنی محفوظ۔ الزمن: اپاہج، لنجا۔

تشریح:

① **یجب القصاص بقتل کلّ محقون الدم** ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا خون ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو اس کو اگر کسی نے قصداً قتل کیا تو قاتل پر قصاص ثابت ہو جائے گا۔ **محقون الدم** (محفوظ خون والا) سے محصن زانی، حربی کافر اور مرتد نکل گئے، کیونکہ ان کا خون محفوظ نہیں ہے، مباح ہے، لہٰذا ان کو قتل کرنے سے قاتل پر قصاص ثابت نہیں ہوگا۔

علی التابید کی قید میں احتراز ہوا مستأمن سے، اس کا خون عارضی طور پر چند دن کیلئے دار الاسلام میں داخل ہونے کی جہ سے محفوظ ہے، ہمیشہ کیلئے محفوظ نہیں ہے، لہٰذا اگر مستأمن کو قتل کیا گیا تو قاتل پر قصاص نہیں ہوگا۔ **عمد** کی قید میں احتراز ہوا قتل خطاء اور

دیگر اقسام سے، کیونکہ ان میں قاتل پر قصاص نہیں ہے۔

❷ ویُقتل الحرّ بالحرّ، وبالعبدِ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد آدمی نے کسی آزاد شخص کو قتل کر دیا، یا آزاد نے غلام کو قتل کر دیا تو آزاد کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، آیت کریمہ میں ہے: أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. [مائدہ:۴۵] ”جان کے بدلے جان ہے۔“ یہ آیت مطلق ہے، اس میں آزاد اور غلام کا کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا قاتل خواہ آزاد ہو یا غلام ہو، اور مقتول خواہ آزاد ہو یا غلام ہو، قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد شخص کو غلام کے بدلے قصاص نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قصاص کا دار و مدار مساوات و برابری پر ہے اور آزاد و غلام برابر نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر آزاد نے غلام کا ہاتھ کاٹا تو آزاد کا ہاتھ قصاصاً نہیں کاٹا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ قصاص کا دار و مدار اس پر ہے کہ قاتل و مقتول عصمت و حفاظت کے اعتبار سے برابر ہوں، اور اس اعتبار سے آزاد و غلام برابر ہیں، کیونکہ دونوں کا خون محفوظ ہے۔ رہی یہ بات کہ آزاد کا ہاتھ غلام کے ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو مال کا درجہ دیا ہے (تفصیل باب القصاص في ما دون النفس میں آرہی ہے)۔ اور ظاہر ہے کہ مالیت میں آزاد، غلام، مرد اور عورت کے درمیان برابری نہیں ہے، اس لئے ان کے اعضاء میں قصاص جاری نہیں ہوتا۔

❸ والمسلم بالذمي: أي: يُقتل المسلم بالذمي. اگر مسلمان نے ذمی کو قتل کر دیا تو مسلمان سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاص نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ [ابوداود] اور اس لئے بھی کہ مسلمان اور ذمی کافر کے درمیان برابری نہیں ہے، کیونکہ کفر کی وجہ سے ذمی کے خون میں شبہ پیدا ہوا، اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کر دیا۔ [دار قطنی] نیز مسلمان اور ذمی کے درمیان خون کی حفاظت میں برابری موجود ہے، کیونکہ دونوں دار الاسلام کے مستقل باشندے ہیں، لہٰذا ان میں قصاص جاری ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں کافر سے مراد حربی ہے، نہ کہ ذمی۔

❹ ولا يقتلان بالمستأمن: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان نے کسی مستأمن کو قتل کر دیا، یا ذمی نے مستأمن کو قتل کر دیا تو مسلمان اور ذمی کو اس کے بدلے میں قصاص نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوا کہ مستأمن کا خون ہمیشہ کیلئے محفوظ نہیں ہے، لہٰذا اس کا خون مسلمان اور ذمی کے برابر نہیں ہے، جبکہ قصاص برابری کا تقاضا کرتا ہے۔

❺ والرجل بالمرأة: أي: يقتل الرجل بالمرأة. اگر مرد نے کسی عورت کو قتل کر دیا تو اس کے عوض میں مرد کو قصاص کیا جائے گا، کیونکہ آیت کریمہ: أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. [مائدہ:۴۵] میں ”نفس“ عام ہے، مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔ نیز خون کی عصمت و حفاظت میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، لہٰذا ان کے آپس میں قصاص جاری ہو جائے گا۔

❻ والكبير بالصغير: أي: يقتل الكبير بالصغير. اگر بڑے آدمی نے چھوٹے بچے کو قتل کر دیا تو بڑے کو

قصاص کیا جائے گا۔ دلیل وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی۔

۷ والصحيح بالأعمى، وبالزمن، وبناقص.... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر صحیح صحتمند آدمی نے کسی اندھے کو قتل کردیا، یا اپاہج کو قتل کردیا، یا ناقص اعضاء والے (جس کے ہاتھ پاؤں میں کوئی نقصان ہے) کو قتل کردیا، یا کسی پاگل کو قتل کردیا، تو صحتمند آدمی کو ان کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ دلیل وہی ہے جو مسئلہ نمبر (۵) میں بیان ہوئی۔

۸ والولد بالوالد: أي: يقتل الولد بالوالد. اگر بیٹے نے باپ کو قتل کردیا تو بیٹے کو اس کے عوض میں قصاص کیا جائے گا۔ دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

> ۹ وَلَا يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْوَلَدِ ۱۰ وَالْأُمُّ، وَالْجَدُّ، وَالْجَدَّةُ كَالْأَبِ ۱۱ وَبِعَبْدِهِ، وَبِمُدَبَّرِهِ، وَبِمُكَاتَبِهِ، وَبِعَبْدِ وَلَدِهِ، وَبِعَبْدٍ مَلَكَ بَعْضَهُ ۱۲ وَإِنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلٰى أَبِيهِ: سَقَطَ ۱۳ وَإِنَّمَا يُقْتَصُّ بِالسَّيْفِ.

ترجمہ: اور قتل نہیں کیا جائے گا آدمی کو بیٹے کے عوض۔ اور ماں، دادا اور دادی باپ کی طرح ہیں۔ اور اپنے غلام کے عوض، اور اپنے مدبر کے عوض، اور اپنے مکاتب کے عوض، اور اپنے بیٹے کے غلام کے عوض، اور اس غلام کے عوض جس کے بعض کا مالک ہو۔ اور اگر (بیٹا) قصاص کا وارث ہوا اپنے باپ کے اوپر تو ساقط ہو جائے گا۔ اور قصاص لیا جائے گا تلوار سے۔

تشریح:

۹ ولا يقتل الرجل بالولد: مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کردیا تو اس کے عوض میں باپ کو قصاص نہیں کیا جائے گا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باپ کو بیٹے کے عوض قصاص نہیں کیا جائے گا، اور نہ مولیٰ کو اپنے غلام کے عوض۔ نیز بیٹے کے وجود اور اس کی زندگی کا سبب باپ ہے، لہٰذا عقلاً بھی یہ غیر مناسب ہے کہ بیٹے کیلئے باپ کو قتل کردیا جائے۔

۱۰ والأم، والجد، والجدة كالأب: اگر ماں نے بیٹے کو قتل کردیا، یا دادا نے، یا دادی نے پوتے کو قتل کردیا، تو یہ سب باپ کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دادا، پڑدادا، لکڑ داد، سکڑ دادا اوپر تک، دادی، پڑدادی، لکڑ دادی، سکڑ دادی اوپر تک، اور اسی طرح نانا اور نانی اوپر تک سب کا حکم ایک ہے، کیونکہ یہ سب مقتول کی زندگی اور اس کے وجود کے سبب ہیں۔

۱۱ وبعبده، وبمدبره، وبمكاتبه، وبعبد ولده.... إلخ: أي: لايقتل السيدُ بعبده... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو قتل کردیا، یا اپنے مدبر کو قتل کردیا، یا اپنے مکاتب کو قتل کردیا، تو مولیٰ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، دلیل وہ حدیث ہے جو مسئلہ نمبر (۹) میں ذکر ہوئی۔ نیز غلام کا وارث مولیٰ ہے، تو اگر مولیٰ سے قصاص لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ کیلئے مولیٰ سے قصاص لیا گیا، اور یہ ناممکن ہے۔ اور اگر باپ نے بیٹے کے غلام کو قتل کردیا تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ باپ اگر خود

بیٹے کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جاتا، تو اس کے غلام کو قتل کرنے سے بطریق اولیٰ قصاص نہیں ہوگا۔ یا مولیٰ نے ایسے غلام کو قتل کر دیا جس کے بعض حصے کا وہ مالک ہے، تو اس صورت میں بھی مولیٰ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قصاص تجزی و تقسیم قبول نہیں کرتا، کہ جس حصے کا مالک ہے اس کا قصاص نہ لیا جائے اور جس حصے کا مالک نہیں ہے اس کا قصاص لیا جائے، لہٰذا سب کا قصاص نہیں ہوگا۔

⑫ وإن ورث قصاصا على أبيه: سقط: ورث کی ضمیر کا مرجع ولد ہے۔ اگر بیٹا باپ کے خلاف قصاص کا وارث ہوگیا تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا، اور مقتولہ کا وارث اس کا بیٹا ہے جو اسی قاتل سے پیدا ہوا ہے، تو اس صورت میں بیٹا اپنے باپ سے اپنی ماں کا قصاص نہیں لے سکتا، کیونکہ بیٹا ایسا ہے جیسے باپ کی ملک میں ہو، چنانچہ حدیث میں ہے: ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کے ہیں''۔ [ابوداود] تو جس طرح غلام مولیٰ کی ملکِ حقیقی میں ہوتا ہے اور وہ اپنے مولیٰ سے قصاص نہیں لے سکتا، اسی طرح بیٹا باپ کی شبہِ ملک میں ہے، لہٰذا وہ بھی اپنے باپ سے قصاص نہیں لے سکتا۔

⑬ وإنما يُقتصّ بالسيف: مسئلہ یہ ہے کہ قاتل خواہ کسی بھی طریقہ سے قتل کرے اس کو نہیں دیکھا جاتا، قاتل سے صرف اور صرف تلوار (یعنی ہتھیار) کے ذریعے قصاص لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاتل نے جس طریقہ سے قتل کیا ہے اسی طریقہ کو اختیار کر کے اس سے قصاص لیا جائے گا، اگر قاتل اس طریقہ سے نہ مرے تو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ قصاص کا دار و مدار برابری پر ہے، اور برابری اسی وقت ہوگی کہ قاتل نے جو حرکت کی ہے اس کے ساتھ بھی وہی حرکت کی جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے: لا قَوَدَ إلّا بالسيف. [ابن ماجہ] یعنی قصاص نہیں ہوگا مگر تلوار کے ذریعے۔ اور قصاص میں برابری کا مقصد یہ ہے کہ قاتل کی جان کو ختم کر دیا جائے جیسے اس نے مقتول کی جان کو ختم کر دیا ہے، اور جان کو ختم کرنے کا سب سے آسان طریقہ تلوار (ہتھیار) سے قتل کرنا ہے۔

> ⑭ مُكَاتَبٌ قُتِلَ عَمْدًا، وَتَرَكَ وَفَاءً، وَوَارِثُهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ ⑮ أَوْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً، وَلَهُ وَارِثٌ: يُقْتَصُّ ⑯ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً، وَوَارِثًا: لَا ⑰ وَإِنْ قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ: لَا يُقْتَصُّ حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ.

ترجمہ: مکاتب کو قصداً قتل کر دیا گیا، اور اس نے بدلِ کتابت چھوڑ دیا ہے، اور اس کا وارث صرف اس کا مولیٰ ہے۔ یا نہیں چھوڑا بدلِ کتابت اور اس کا وارث ہے، تو قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر چھوڑ دیے بدلِ کتابت اور وارث تو (قصاص) نہیں ہے۔ اور اگر قتل کر دیا گیا راہن کا غلام، تو قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ جمع ہو جائیں راہن اور مرتہن۔

تشریح:

⑭ مكاتب قُتل عمدا، وترک وفاءً....إلخ: یہ مبتدا ہے، اور اگلے مسئلے میں يُقتص اس کی خبر ہے۔ مسئلہ یہ

ہے کہ اگر مکاتب غلام کو قصداً قتل کردیا گیا، اور اس نے اتنا مال چھوڑا ہے جس سے بدلِ کتابت ادا ہوجائے، اور اس کا وارث صرف مولیٰ ہے، اور کوئی رشتہ دار نہیں ہے، تو مولیٰ قاتل سے قصاص لے سکتا ہے۔ یہ حضرات شیخینؒ کا مسلک ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مولیٰ اس مکاتب کا قصاص نہیں لے سکتا، کیونکہ قصاص لینے کی جہت میں اشتباہ پیدا ہوا، اگر فرض کریں کہ مکاتب آزاد ہوکر مرا ہے تو مولیٰ ولاء کی جہت سے اس کا قصاص لے گا، اور اگر فرض کریں کہ مکاتب غلام ہوکر مرا ہے تو مولیٰ ملک کی جہت سے قصاص لے گا، اب معلوم نہیں کہ مولیٰ کس جہت سے قصاص لے گا؟ اس لئے قصاص ساقط ہوگیا۔

شیخینؒ فرماتے ہیں کہ جہت کے مختلف ہونے سے مولیٰ کے حق میں کوئی اشتباہ نہیں آتا، ہر صورت میں مولیٰ ہی قصاص لینے کا حقدار ہے، لہٰذا جہت کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

⑮ أو لم يترك وفاءً، وله وارث: يُقتصّ: أي: مكاتب لم يترك.... یہ مبتدا ہے، اور يُقتص اس کی خبر ہے، اگر کسی مکاتب کو عمداً قتل کردیا گیا، اور اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا جس سے بدلِ کتابت ادا ہوجائے، اور مولیٰ کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث بھی ہے، تو بالاتفاق مولیٰ اس کا قصاص لے گا، اس لئے کہ مکاتب نے بدلِ کتابت کا مال نہیں چھوڑا ہے تو وہ یقیناً غلام ہوکر مرا ہے، اور غلام کا قصاص مولیٰ ہی لے گا، خواہ اس کا کوئی اور وارث ہو یا نہ ہو۔ عبارت میں وله وارث کی قید اتفاقی ہے۔

⑯ وإن ترك وفاءً، ووارثا: لا: أي: لا يُقتصّ. اگر مکاتب کو عمداً قتل کردیا گیا اور اس نے بدلِ کتابت ادا کرنے کیلئے مال چھوڑا ہے، اور مولیٰ کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث بھی ہے، تو قاتل سے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ یہاں قصاص کے حقدار میں اشتباہ پیدا ہوا، اس لئے کہ اگر فرض کریں کہ وہ غلام ہوکر مرا ہے تو قصاص لینے کا حقدار مولیٰ ہے، اور اگر فرض کریں کہ آزاد ہوکر مرا ہے تو قصاص لینے کا حقدار اس کا وارث ہے، اس اشتباہ کی وجہ سے نہ مولیٰ قصاص لے سکتا ہے اور نہ دوسرا وارث۔

⑰ وإن قُتل عبد الرهن: لا يُقتص حتى يجتمع....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرہون غلام کو عمداً قتل کردیا گیا تو جب تک راہن اور مرتہن جمع ہوکر اتفاق سے قصاص کا مطالبہ نہ کریں اس وقت تک قصاص نہیں لیا جاسکتا، لہٰذا نہ اکیلا راہن قصاص لے سکتا ہے اور نہ مرتہن لے سکتا ہے۔ مرتہن اس لئے نہیں لے سکتا کہ وہ غلام کا مالک نہیں ہے، اور راہن اس لئے نہیں لے سکتا کہ اگر اس نے قصاص لے لیا تو اس کی وجہ سے مرتہن کا حق ضائع ہوجائے گا، اس کے ہاتھ سے غلام بھی نکل گیا اور اس کا دَین بھی ساقط ہوگیا، کیونکہ مرہون کی ہلاکت سے دَین ساقط ہوجاتا ہے، تو قصاص لینے کیلئے دونوں کا جمع ہوکر مطالبہ کرنا ضروری ہے، تاکہ دونوں رضامند ہوں۔①

⑱ وَلِأَبِ الْمَعْتُوهِ الْقَوَدُ، وَالصُّلْحُ ⑲ لَا الْعَفْوُ بِقَتْلِ وَلِيِّهِ ⑳ وَالْقَاضِي كَالْأَبِ ㉑ وَالْوَصِيُّ يُصَالِحُ فَقَطْ ㉒ وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ ㉓ وَلِلْكِبَارِ الْقَوَدُ قَبْلَ كِبَرِ الصِّغَارِ

① مرتہن کیلئے یہ آپشن موجود ہے کہ وہ قصاص پر راضی نہ ہو، بلکہ قاتل سے غلام کی قیمت کا تاوان لے، اس صورت میں مرتہن کا دَین ساقط نہیں ہوگا۔

﴿وَإِنْ قَتَلَهُ بِمَرٍّ: يُقْتَصُّ إِنْ أَصَابَهُ الْحَدِيدُ ﴿۲۵﴾ وَإِلَّا: لَا، كَالْخَنْقِ، وَالتَّغْرِيقِ﴾

ترجمہ: اور معتوہ کے باپ کیلئے قصاص اور صلح کرنا ہے۔ نہ کہ معاف کرنا اس کے ولی کو قتل کیے جانے سے۔ اور قاضی باپ کی طرح ہے۔ اور وصی صرف صلح کرسکتا ہے۔ اور بچہ معتوہ کی طرح ہے۔ اور بڑوں کیلئے قصاص ہے چھوٹوں کے بڑے ہونے سے پہلے۔ اور اگر اس کو قتل کردیا پھاوڑے سے تو قصاص لیا جائے گا اگر اس کو لوہا لگ گیا ہو۔ ورنہ نہیں، جیسے گلا گھونٹنا اور ڈبو دینا۔

لغات:

المعتوہ: مشتق ہے عَتَهٌ سے، کم عقل ہونا، معتوہ وہ ہے جو پاگل نہ ہو، مگر مخلوط العقل ہو، کچھ باتیں عقلاء جیسی ہوں اور کچھ پاگلوں جیسی۔ مَرّ: بیلچہ، پھاوڑا۔ الخنق: گلا گھونٹنا۔

تشریح:

⑱ ولأب المعتوه القود، والصلح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ معتوہ شخص کے بیٹے کو عمداً قتل کردیا گیا، تو ظاہر ہے کہ معتوہ بے چارہ خود کیس نہیں لڑسکتا، لہٰذا معتوہ کے باپ کو حق حاصل ہے کہ قاتل سے اپنے پوتے کا قصاص لے لے، کیونکہ باپ کو معتوہ بیٹے کے نفس پر ولایت حاصل ہے، اور قصاص لینا بھی ایک ولایت ہے، لہٰذا باپ کو لینے کا حق ہے۔ اور اسی طرح معتوہ کا باپ قاتل سے مال پر صلح بھی کرسکتا ہے، کیونکہ یہ بھی معتوہ کے حق میں مفید ہے، اس کو مال مل جائے گا۔

⑲ لا العفو بقتل وليه: أي: ليس للأب العفو بقتل وليه. «ہ» کا مرجع معتوہ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں کہ معتوہ کا ولی (مثلاً بیٹا) عمداً قتل کیا گیا ہو، تو معتوہ کا باپ قاتل کو معاف نہیں کرسکتا، کیونکہ اس سے معتوہ کا حق ضائع ہوجائے گا۔

⑳ والقاضي كالأب: یعنی مذکورہ صورت میں اگر معتوہ کا باپ نہ ہو تو قاضی باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ قاضی کو بھی مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے جیسے باپ کو بیٹے پر حاصل ہوتی ہے، لہٰذا قاضی معتوہ کے بیٹے کا قصاص بھی لے سکتا ہے، اور قاتل سے مال پر صلح بھی کرسکتا ہے، مگر معاف نہیں کرسکتا۔

㉑ والوصي يصالح فقط: اگر مذکورہ صورت میں معتوہ کا باپ نہ ہو، بلکہ اس کی نگرانی کیلئے کسی وصی کو مقرر کیا گیا ہو تو وصی کو صرف یہ حق حاصل ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کرے، نہ قصاص لے سکتا ہے اور نہ معاف کرسکتا ہے۔ معاف تو اس لئے نہیں کرسکتا کہ اس میں معتوہ کا حق ضائع ہوجائے گا، اور قصاص اس لئے نہیں لے سکتا کہ قصاص لینا اس شخص کا حق ہے جس کو نفس پر ولایت حاصل ہو، جبکہ وصی کو معتوہ کے نفس پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، لہٰذا وہ معتوہ کیلئے قصاص بھی نہیں لے سکتا۔

㉒ والصبي كالمعتوه: نابالغ بچہ معتوہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر بچے کا کوئی ولی (مثلاً ماں شریک بھائی) قتل کردیا گیا تو بچے کا باپ بچے کیلئے قصاص بھی لے سکتا ہے اور مال پر صلح بھی کرسکتا ہے، مگر معاف نہیں کرسکتا، کیونکہ معتوہ کی طرح نابالغ بچہ بھی اپنے

امورانجام نہیں دے سکتا، دوسرے کا محتاج رہتا ہے۔

⓳ وللكبار القود قبل كبر الصغار: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا گیا، اس کے ورثہ میں سے بعض بڑے ہیں اور بعض نابالغ بچے ہیں، تو امام صاحبؒ کے نزدیک جو بڑے ہیں وہ فی الحال قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں، بچوں کے بالغ ہونے تک انتظار نہیں کیا جائے گا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قصاص کو بچوں کے بالغ ہونے تک مؤخر کیا جائے گا؛ کیونکہ قصاص بڑوں اور بچوں کا مشترک حق ہے، لہٰذا مل کر قصاص لیں گے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب بچے بالغ ہو جائیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قصاص ایسا حق ہے جو تقسیم قبول نہیں کرتا، کیونکہ قصاص لینے کا سبب رشتہ داری ہے، اور رشتہ داری میں ہر وارث کامل ہے، لہٰذا بڑے وارث کامل طور پر قصاص لے سکتے ہیں، بچوں کے بالغ ہونے تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قول راجح:

امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ قال الحصكفيؒ: وللكبار القود قبل كبر الصغار، خلافا لهما. [الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۰/۱۷۶]۔ أحسن الفتاویٰ: ۸/۵۳۴

⓴ وإن قتله بمرّ: يُقتصّ إن أصابه الحديد: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو پھاوڑے سے قتل کر دیا تو اگر مقتول کو پھاوڑے کا لوہا لگا ہو تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ لوہا اسلحہ کی طرح آلۂ قاتلہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس سے قتل کرنا قتل عمد ہے، جس کی سزا قصاص ہے۔ بیلچہ اور کدال سے قتل کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

㉕ وإلّا: لا، كالخنق، والتغريق: أي: وإن لايصبه الحديدُ: لا يُقتصّ، كالخنق، والتغريق. یعنی ماقبل مسئلے کی صورت میں اگر پھاوڑے کا لوہا نہ لگے، بلکہ اس کا دستہ لگنے سے مر جائے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسے گلا گھونٹ کر قتل کرنے سے، یا پانی میں ڈبو کر قتل کرنے سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جاتا، کیونکہ یہ قتل عمد نہیں ہے، اس میں نہ اسلحہ استعمال ہوا ہے اور نہ اسلحہ کے قائم مقام کاٹنے والا آلہ استعمال ہوا ہے، لہٰذا یہ قتل شبہ عمد ہے، جس کی سزا دیت مغلظہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیلچہ یا پھاوڑے کے دستہ سے قتل کرنا، یا گلا گھونٹ کر قتل کرنا، یا پانی میں ڈبو کر قتل کرنا قتل عمد ہے، کیونکہ ان سے قتل واقع ہونا یقینی ہے، لہٰذا قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ تفصیل کتاب الجنايات مسئلہ نمبر (۷) میں گزر چکی ہے۔

㉖ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمْدًا، فَصَارَ ذَا فِرَاشٍ، وَمَاتَ: يُقْتَصُّ ㉗ وَإِنْ مَاتَ بِفِعْلِ نَفْسِهِ وَزَيْدٍ وَأَسَدٍ وَحَيَّةٍ: ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ ㉘ وَمَنْ شَهَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ سَيْفًا: وَجَبَ قَتْلُهُ، وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ ㉙ وَمَنْ شَهَرَ عَلَى رَجُلٍ سِلَاحًا لَيْلًا، أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ، أَوْ غَيْرِهِ ㉚ أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مِصْرٍ ㉛ أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ،

فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ﴿۶۲﴾ وَإِنْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا نَهَارًا فِي مِصْرٍ، فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ: قُتِلَ بِهِ.

ترجمہ: اور جس نے کسی آدمی کو زخمی کر دیا قصداً، پھر وہ صاحب فراش رہا اور مر گیا، تو قصاص لیا جائے گا۔ اور جو شخص مر جائے اپنے فعل سے اور زید (کے فعل) اور شیر (کے فعل) اور سانپ (کے فعل) سے، تو زید تاوان دے تہائی دیت کا۔ اور جس نے تلوار سونتی مسلمانوں پر تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، اور کچھ بھی نہ ہوگا اس کو قتل کرنے سے۔ اور جس نے سونت لیا کسی آدمی پر ہتھیار رات کو یا دن کو، شہر میں یا اس کے علاوہ میں۔ یا اس پر لاٹھی اٹھائی رات کو شہر کے اندر۔ یا دن کو اس کے علاوہ میں، پھر اس کو قتل کر دیا مشہور علیہ نے، تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر اس پر لاٹھی اٹھائی دن کو شہر میں، پھر اس کو قتل کر دیا مشہور علیہ نے تو اس کے عوض قتل کر دیا جائے گا۔

لغات:

شهر: فتح کا باب ہے، کسی پر ہتھیار یا تلوار سونتنا، اٹھانا۔ مشهور عليه: وہ شخص جس پر تلوار اٹھائی جائے۔

تشریح:

﴿۶۶﴾ ومن جرح رجلا عمدا، فصار ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قصداً زخمی کر دیا جس کی وجہ سے وہ شخص مسلسل بسترِ مرگ پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا، تو زخمی کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ موت کا ظاہری سبب زخم ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے زخم لگانے کے فوراً بعد مر جائے۔

﴿۶۷﴾ ومن مات بفعل نفسه، وزيد....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خود اپنے آپ کو زخمی کر دیا، پھر زید نے اس کو دوسرا زخم لگایا، پھر شیر نے کاٹ کر زخمی کر دیا اور پھر سانپ نے ڈس کر زخمی کر دیا، ان تمام زخموں سے وہ شخص مر گیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید پر تہائی دیت دینا واجب ہے، کیونکہ مقتول کی موت اگرچہ چار زخموں سے ہوئی ہے مگر ہم ان کو تین قسموں پر تقسیم کریں گے: (۱) وہ زخم جو دنیا میں رائیگاں ہے اور آخرت میں معتبر ہے، یعنی اس سے گناہ ہوگا، یہ مقتول کا خود اپنے آپ کو زخمی کرنا ہے۔ (۲) وہ زخم جو دنیا و آخرت دونوں میں معتبر ہے، یہ زید کا زخم لگانا ہے۔ (۳) وہ زخم جو نہ دنیا میں معتبر ہے اور نہ آخرت میں، یہ شیر اور سانپ کے زخم ہیں، لہٰذا مقتول کی دیت کو بھی تین حصوں پر تقسیم کریں گے جن میں سے ایک حصہ زید پر آئے گا، باقی دو حصوں کا کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

﴿۶۸﴾ ومن شهر على المسلمين سيفا: وجب قتله ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمانوں پر تلوار (اسلحہ) اٹھائی تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، کیونکہ اپنے آپ کو اور عام مسلمانوں کو ضرر سے بچانا واجب ہے، اور اس ضرر سے اسی وقت بچا جا سکتا ہے جب شاہر (ہتھیار اٹھانے والے) کو قتل کر دیا جائے، اور اُس بے وقوف کو قتل کر دینے سے قاتل پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ اس کا خون رائیگاں ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے مسلمانوں پر تلوار سونتی اس نے اپنا خون رائیگاں کر دیا۔ [نسائی]

⑳ ومن شهر على رجل سلاحا ليلا ... الخ: یہ مبتدا ہے، اس کی خبر مسئلہ نمبر (۳۱) میں فقتله المشهور عليه: فلا شيء عليه ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے پر ہتھیار اٹھایا، خواہ دن ہو یا رات ہو، شہر کے اندر ہو یا باہر ہو، اور پھر مشہور علیہ نے اپنے بچاؤ کی خاطر اس کو قتل کر دیا، تو مشہور علیہ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ مقتول نے خود اپنا خون رائیگاں کر دیا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

⑳ او شهر عليه عصا ليلا في مصر ... اي: من شهر عليه ... یہ مبتدا ہے، اس کی خبر اگلے مسئلے میں فقتله المشهور عليه: فلا شيء عليه ہے۔ یعنی جس نے دوسرے آدمی پر رات کو شہر کے اندر لاٹھی اٹھائی اور پھر مشہور علیہ نے اس کو قتل کر دیا، تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ لاٹھی اگرچہ ہتھیار کے حکم میں نہیں ہے، مگر رات کو ایسا کرنے کی وجہ سے بظاہر مشہور علیہ کو کسی مددگار پہنچنے کی امید نہیں ہے، لہٰذا وہ اپنے بچاؤ کی خاطر شاہر (اٹھانے والے) کو قتل کر سکتا ہے۔ في مصر کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر رات کو شہر سے باہر کسی پر لاٹھی اٹھائی تو بطریق اولیٰ اٹھانے والے کو قتل کرنے سے ضمان نہیں ہوگا۔

㉑ او نهارا في غيره، فقتله المشهور عليه ... الخ: اي: مَن شهر عليه نهارا في غيره یہ مبتدا ہے، فقتله ... اس کی خبر ہے۔ اگر کسی نے دوسرے پر دن کو شہر سے باہر کسی جنگل میں لاٹھی اٹھائی، اور پھر مشہور علیہ نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ شہر سے باہر بھی بظاہر مددگار پہنچنے کی امید نہیں ہے، لہٰذا مشہور علیہ اپنے بچاؤ کی خاطر شاہر کو قتل کر سکتا ہے۔

نهارا کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر رات کو شہر سے باہر ایسا واقعہ پیش آیا تو بطریق اولیٰ شاہر (اٹھانے والے) کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

㉒ وان شهر عليه عصا نهارا في مصر ... الخ: اگر کسی نے دوسرے پر دن کو شہر کے اندر لاٹھی اٹھائی اور پھر مشہور علیہ نے اس کو قتل کر دیا، تو اس کے عوض میں مشہور علیہ کو قصاص کیا جائے گا، کیونکہ لاٹھی ہتھیار کے حکم میں نہیں ہے، اور یہ واقعہ دن کو شہر کے اندر پیش آیا ہے، لہٰذا مشہور علیہ کی جان کو خطرہ نہیں ہے، اس تک مددگار پہنچ سکتا ہے، اس لئے شاہر کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

> ㉓ وَإِنْ شَهَرَ الْمَجْنُوْنُ عَلَى غَيْرِهِ سِلَاحًا، فَقَتَلَهُ الْمَشْهُوْرُ عَلَيْهِ عَمْدًا: تَجِبُ الدِّيَةُ ㉔ وَعَلَى هٰذَا الصَّبِيُّ، وَالدَّابَّةُ ㉕ وَلَوْ ضَرَبَهُ الشَّاهِرُ، فَانْصَرَفَ، فَقَتَلَهُ الْآخَرُ: قُتِلَ الْقَاتِلُ ㉖ وَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ لَيْلًا، فَأَخْرَجَ السَّرِقَةَ، فَاتَّبَعَهُ، فَقَتَلَهُ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر پاگل نے دوسرے پر ہتھیار اٹھایا، پھر اس کو مشہور علیہ نے قصداً قتل کر دیا تو دیت واجب ہوگی۔ اور اسی پر (قیاس) ہے بچہ اور جانور۔ اور اگر اٹھانے والے نے اس کو مارا پھر واپس ہوگیا، پھر دوسرے نے اس کو قتل کر دیا، تو قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور جس پر داخل ہوا دوسرا شخص رات کو، اور چوری کا مال نکالا، پھر اس کا پیچھا کیا اور اس کو قتل کر دیا، تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔

تشریح: ㉓ وان شهر المجنون على غيره سلاحا ... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر پاگل نے دوسرے آدمی پر اسلحہ

اٹھایا اور اس آدمی نے پاگل کو قصداً قتل کر دیا، تو قاتل پر دیت واجب ہوگی۔ یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ پاگل نے ہتھیار اٹھا کر اپنا خون رائیگاں کر دیا، جیسے عاقل بالغ آدمی دوسرے پر ہتھیار اٹھائے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ پاگل کے فعل میں قصد وارادہ نہیں ہوتا، لہٰذا ہتھیار اٹھانے سے اس کا خون رائیگاں نہیں ہوگا۔ اور پاگل کو عاقل بالغ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عاقل بالغ دوسرے کے قتل کا ارادہ کرتا ہے، اس لئے اس کا خون رائیگاں ہو جائے گا۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پاگل کو قتل کرنے سے قاتل پر قصاص آنا چاہئے، کیونکہ اس نے ایک معصوم جان کو ناحق قتل کر دیا ہے، لیکن چونکہ قاتل اپنے سے دفاع کی خاطر مجبور ہو کر قتل کرتا ہے اس لئے اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا، اور دیت واجب ہو جائے گی۔

⓮ وعلى هذا الصبي، والدابة: یعنی پاگل پر قیاس کرتے ہوئے بچے اور جانور کا بھی یہی حکم ہے، لہٰذا اگر بچے نے دوسرے آدمی پر ہتھیار اٹھایا اور اس نے بچے کو قتل کر دیا، تو قاتل پر دیت واجب ہوگی، یا جانور نے کسی پر حملہ کر دیا، اس آدمی نے جانور کو قتل کر دیا تو جانور کی قیمت دینی پڑے گی۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ پچھلے مسئلے کی طرح ہم سے اختلاف کرتے ہیں، کہ نہ بچے کی دیت واجب ہوگی اور نہ جانور کی قیمت۔ دلائل کی وہی تفصیل ہے جو بیان ہوئی۔

⓯ ولو ضربه الشاهرُ، فانصرف، فقتله الآخرُ: قُتِلَ القاتِلُ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ہتھیار اٹھایا اور اس کی کچھ پٹائی کر کے لوٹ گیا، مشہور علیہ نے پیچھے سے اس پر وار کر کے قتل کر دیا، تو اس کو قصاص کیا جائے گا، کیونکہ شاہر کا خون ہتھیار اٹھانے کے وقت رائیگاں ہے، لیکن جب وہ قتل کا ارادہ چھوڑ کر لوٹ جائے تو اس کا خون دوبارہ معصوم ہو جائے گا، تو مشہور علیہ نے ناحق اُسے قتل کر دیا، اس لئے اس سے قصاص لیا جائے گا۔

⓰ ومن دخل عليه غيرُه ليلا، فأخرج ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی کے گھر میں رات کو چور داخل ہوا اور مال نکال کر بھاگنے لگا، گھر کے مالک نے اس کا پیچھا کر کے اُسے قتل کر دیا، تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے: قَاتِلْ دُوْنَ مَالِكَ. [مسلم] ''اپنے مال کی حفاظت کیلئے لڑو''۔ اور جس طرح ابتداءً مال کی حفاظت کیلئے چور سے لڑنا جائز ہے اسی طرح انتہاءً مال چھڑانے کیلئے بھی اس سے لڑنا جائز ہے۔

لیلا کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر چور دن کو آگیا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ [ردالمحتار: ۱۰/۱۸۹]

☆☆☆

﴿بَابُ الْقِصَاصِ فِيمَا دُوْنَ النَّفْسِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام القصاص فيما دون النفس. یعنی یہ باب جان (قتل) سے کم میں قصاص کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے جان کے قصاص کا بیان تھا، اب جان سے کم بدن کے اعضاء کے قصاص کے احکام کو بیان کریں گے۔ اس باب میں اکتالیس (۴۱) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① يُقْتَصُّ بِقَطْعِ الْيَدِ مِنَ الْمَفْصِلِ وَإِنْ كَانَتْ يَدُ الْقَاطِعِ أَكْبَرَ ② وَكَذَا الرِّجْلُ، وَمَارِنُ الْأَنْفِ، وَالْأُذُنُ، وَالْعَيْنُ إِنْ ذَهَبَ ضَوْءُهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ ③ وَلَوْ قَلَعَهَا: لَا ④ وَالسِّنُّ وَإِنْ تَفَاوَتَا ⑤ وَكُلُّ شَجَّةٍ تَتَحَقَّقُ فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ.

ترجمہ: قصاص لیا جائے گا ہاتھ کاٹنے سے پہنچے سے، اگرچہ کاٹنے والے کا ہاتھ بڑا ہو۔ اور اسی طرح ہے پاؤں، ناک کا نرم کنارہ، کان اور آنکھ، بشرطیکہ اس کی بینائی ختم ہو جائے اور وہ موجود رہے۔ اور اگر اس کو نکال دیا تو (قصاص) نہیں ہے۔ اور دانت، اگرچہ دونوں میں فرق ہو۔ اور ہر وہ زخم جس میں ثابت ہو سکتی ہے برابری۔

لغات:

المفصل: ہڈیوں کا جوڑ۔ مارن: ناک کا نرم کنارہ۔ ضوء: روشنی، آنکھ کی بینائی۔ شجة: سر، پیشانی یا چہرہ کا زخم، یہاں مطلق زخم مراد ہے۔

تشریح:

① يُقتص بقطع اليد من المفصل ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کا ہاتھ قصداً جوڑ سے کاٹ دیا تو کاٹنے والے سے قصاص لے کر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ. [مائدہ:۴۵] ''اور زخموں میں برابر کا بدلہ ہوگا''۔ لہٰذا ہر وہ زخم جس میں برابری ممکن ہو اس میں قصاص جاری ہوگا، اور جوڑ سے ہاتھ کاٹنے میں برابری ممکن ہے، خواہ گٹے سے کاٹے، یا کہنی سے، یا کندھے سے، اگرچہ قاطع کا ہاتھ مقطوع کے ہاتھ سے بڑا ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ ہاتھ کی منفعت و فائدہ میں بڑے چھوٹے ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔

② وكذا الرجل، ومارن الأنف، والأذن، والعين ....إلخ: اور اسی طرح قصاص جاری ہوگا اگر کسی کا پاؤں جوڑ سے قصداً کاٹ دیا، یا ناک کا نرم کنارہ کاٹ دیا، یا کان کاٹ دیا، یا آنکھ پر قصداً ایسا مارا جس سے آنکھ اپنی جگہ قائم رہی مگر اس کی بینائی

ختم ہوگئی، ان سب صورتوں میں مارنے والے سے قصاص لے کر برابری کی سزا دی جائے گی، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ. [مائدہ:۴۵] ''آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان''۔ اور یہ سب ایسے زخم ہیں جن میں برابری ممکن ہے۔

③ ولو قلعها: لا: أي: لا يقتص. اگر کسی نے دوسرے کو آنکھ پر ایسا مارا کہ آنکھ کو باہر نکال دیا تو اس میں قصاص جاری نہیں ہوگا کہ مارنے والے کی آنکھ کو بھی نکالا جائے گا، کیونکہ اس میں برابری نہیں ہوسکتی، یعنی مارنے والے کو بعینہٖ ایسا زخم نہیں لگایا جاسکتا جیسے اس نے مضروب کو لگایا ہے، جس سے آنکھ باہر آجائے، لہٰذا ایسی صورت میں صرف دیت واجب ہوگی۔

④ والسن وإن تفاوتا: أي: وكذا السن وإن تفاوتا. اگر کسی نے دوسرے کا دانت توڑ دیا، یا اکھاڑ دیا تو اس میں بھی قصاص جاری ہوگا، آیت کریمہ میں ہے: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ. [مائدہ:۴۵] ''اور دانت کے بدلے دانت''۔ اگرچہ ضارب اور مضروب کے دانتوں میں فرق ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ دانت کی منفعت وفائدہ میں بڑے چھوٹے ہونے کا فرق نہیں ہے۔

⑤ وكل شجة تتحقق فيها المماثلة: أي: وكذا كل شجة... ہر وہ زخم جس میں برابری ممکن ہو اس میں قصاص ہوگا، مارنے والے کو بعینہٖ اسی طرح کا زخم لگایا جائے گا جیسے اس نے مضروب کو لگایا ہے، وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ [مائدہ:۴۵] کا یہی مطلب ہے۔ اور جس زخم میں برابری ممکن نہ ہو اس میں قصاص جاری نہیں ہوگا، بلکہ دیت ہوگی، یا کوئی اور مناسب ضمان ہوگا۔

> ⑥ وَلَا قِصَاصَ فِي عَظْمٍ ⑦ وَطَرَفَيْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ ⑧ وَحُرٍّ وَعَبْدٍ ⑨ وَعَبْدَيْنِ ⑩ وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ سِيَّانِ ⑪ وَقَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ ⑫ وَجَائِفَةٍ بَرِئَ مِنْهَا ⑬ وَلِسَانٍ، وَذَكَرٍ ⑭ إِلَّا أَنْ تُقْطَعَ الْحَشَفَةُ ⑮ وَخُيِّرَ بَيْنَ الْقَوَدِ وَالْأَرْشِ إِنْ كَانَ الْقَاطِعُ أَشَلَّ، أَوْ نَاقِصَ الْأَصَابِعِ ⑯ أَوْ كَانَ رَأْسُ الشَّاجِّ أَكْبَرَ.

ترجمہ: اور قصاص نہیں ہے ہڈی میں۔ اور مرد اور عورت کے اطراف میں۔ اور آزاد اور غلام میں۔ اور دو غلاموں میں۔ اور مسلمان وکافر کے عضو برابر ہیں۔ اور ہاتھ کاٹنے میں آدھے بازو سے۔ اور جائفہ زخم میں جس سے ٹھیک ہوگیا ہو۔ اور زبان اور ذکر میں۔ مگر یہ کہ سپاری کو کاٹ دیا جائے۔ اور اختیار دیا جائے گا قصاص اور دیت میں اگر کاٹنے والا اشل ہو، یا ناقص انگلیوں والا ہو۔ یا زخم لگانے والے کا سر بڑا ہو۔

لغات:

طرفي: طرف کا تثنیہ ہے، بمعنی عضو۔ سیّان: سيّ کا تثنیہ ہے، برابر، ہم مثل۔ الساعد: بازو، کلائی۔ جائفة: وہ زخم جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے۔ بریٔ: سمع کے باب سے ماضی ہے، صحتیاب ہونا۔ الحشفة: سپاری، ذکر کا سر جہاں ختنہ کیا جاتا

ہے۔ الأرش: زخم کا تاوان، دیت۔ اشَلّ: لنجا آدمی جس کا ایک عضو بے کار ہو۔ الشاجّ: اسم فاعل ہے، زخم لگانے والا۔

تشریح:

❶ ولا قصاص في عظم: ہڈی میں قصاص نہیں ہوگا، لہٰذا اگر ایک شخص نے قصداً دوسرے آدمی کے ہاتھ یا پاؤں کی ہڈی توڑ دی تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ ہڈی توڑنے میں برابری ممکن نہیں ہے، اس میں کمی بیشی کا امکان ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہڈی میں قصاص نہیں ہے۔ [ہدایہ]

❷ وطرفي رجل وامرأة: أي: لا قصاص في طرفي رجل وامرأة. مرد اور عورت کے اعضاء میں قصاص نہیں ہے، لہٰذا اگر مرد نے عورت کا ہاتھ کاٹا، یا عورت نے مرد کا ہاتھ کاٹا تو قصاص جاری نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مرد اور عورت کے اعضاء میں قصاص جاری ہوگا، کیونکہ اعضاء نفس کے تابع ہیں، تو جب مرد اور عورت کے درمیان نفس (قتل) میں قصاص جاری ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی جاری ہونا چاہئے۔

ہم کہتے ہیں کہ اعضاء مال کے درجے میں ہیں، کیونکہ انسان اپنی جان کی حفاظت کیلئے جس طرح مال استعمال کرتا ہے اسی طرح اعضاء کو بھی استعمال کرتا ہے، اور مالیت کے اعتبار سے مرد اور عورت کے اعضاء میں تفاوت ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کے ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ ہے اور عورت کی پچیس اونٹ ہے، لہٰذا ان کے اعضاء میں برابری نہیں ہوسکتی، اس لئے قصاص بھی جاری نہیں ہوگا۔ برخلاف نفس میں قصاص کے، کہ اس میں روح ہلاک کرنے کا قصاص ہوتا ہے، اور روح میں مرد اور عورت برابر ہیں، اگرچہ مرد کی دیت سو اونٹ ہے، اور عورت کی پچاس اونٹ ہے۔

❽ وحرّ وعبد: أي: لا قصاص في طرفي حرّ وعبد. اگر آزاد نے غلام کا ہاتھ کاٹا، یا غلام نے آزاد کا ہاتھ کاٹا، تو ان میں قصاص نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قصاص ہوگا۔ دلائل کی تفصیل اوپر بیان ہوئی۔

❾ وعبدين: أي: لا قصاص في طرفي عبدين. اگر ایک غلام نے دوسرے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قصاص ہوگا۔ دلائل وہی ہیں جو مسئلہ نمبر (۷) میں بیان ہوئیں۔

❿ وطرف المسلم والكافر سيّان: مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اور کافر کے اعضاء برابر ہیں، لہٰذا اگر مسلمان قصداً کسی کافر کا ہاتھ کاٹے، یا کافر مسلمان کا ہاتھ کاٹے تو قصاص لیا جائے گا، کیونکہ مسلمان اور کافر (ذمی) کے درمیان نفس کا قصاص جاری ہوتا ہے، اور دیت میں بھی دونوں برابر ہیں، تو اعضاء کے قصاص میں بھی برابر ہوں گے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ مسلمان اور کافر (ذمی) کے درمیان نفس کا قصاص جاری نہیں ہوتا لہٰذا اعضاء کا قصاص بھی نہیں ہوگا۔ دلائل کی تفصیل باب ما یوجب القصاص وما لا یوجبه مسئلہ نمبر (۳) میں بیان ہوئی۔

⓫ وقطع يد من نصف الساعد: یہ عطف ہے عظم پر، أي: لا قصاص في قطع يد... اگر کسی کا ہاتھ

آدھے بازو پر کاٹ دیا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں ہڈی ٹوٹ جاتی ہے، اور ہڈی توڑنے میں قصاص نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (٦) میں بیان ہوا۔

⑫ وجائفة برئ منها: اي: لا قصاص في جائفة. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو پیٹ میں ایسا زخم لگایا جو پیٹ کے اندر تک پہنچ گیا، اور مضروب اس زخم سے صحتیاب ہوگیا، تو ضارب سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اس زخم میں برابری نہیں ہوسکتی، یعنی ضارب کو ایسا زخم نہیں لگایا جاسکتا جس سے وہ یقینی طور پر صحتیاب ہو جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ مر جائے، حالانکہ اس نے قتل نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مضروب اس زخم سے مر گیا تو ضارب سے قصاص لیا جائے گا۔

⑬ ولسان، وذكر: اي: لا قصاص في لسان، وذكر. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی زبان کاٹ دی، یا ذکر کاٹ دیا تو اس میں بھی قصاص جاری نہیں ہوگا، کیونکہ زبان اور ذکر ایسے اعضاء ہیں جو سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں، لہٰذا ان میں برابری ممکن نہیں ہے، حالانکہ قصاص کا دارومدار برابری پر ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر زبان یا ذکر کو جڑ سے کاٹ دیا ہو تو اس میں قصاص ہوگا، کیونکہ جڑ سے کاٹنے میں برابری ہوسکتی ہے، یعنی کاٹنے والے کی زبان یا ذکر کو بھی جڑ سے کاٹ دیا جائے۔

⑭ إلا أن تقطع الحشفةُ: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ یعنی ذکر کاٹنے میں قصاص نہیں ہے، مگر یہ کہ سپاری کو کاٹ دیا جائے، یہ معلوم جگہ ہے، اس میں برابری ہوسکتی ہے، جیسے ہاتھ کا جوڑ، لہٰذا کاٹنے والے کی بھی سپاری کاٹ کر قصاص لیا جائے گا۔

⑮ وخُيّر بين القود والأرش إن كان... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا ہاتھ شل ہے، یا اس کی انگلیاں ناقص (کم) ہیں، اس نے ایک آدمی کا صحیح سالم ہاتھ کاٹ دیا، تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو کاٹنے والے کا یہی شل اور ناقص ہاتھ کاٹ کر قصاص لے لے، یا قصاص چھوڑ کر اپنے ہاتھ کی دیت لے لے، کیونکہ مکمل قصاص لینا ممکن نہیں ہے، لہٰذا بدلہ لینے کی یہی دو صورتیں ہیں کہ: یا تو ناقص قصاص پر راضی ہوجائے، یا قصاص چھوڑ کر اپنے ہاتھ کی دیت وصول کرلے۔

⑯ أو كان رأس الشاجّ أكبر: یہ عطف ہے كان القاطع پر، أي: خُيّر بين القود والأرش إن كان رأس الشاجّ أكبر. صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا سر پھوڑ کر دس انچ بڑا زخم لگایا کہ ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک سارے سر کو گھیر لیا، حالانکہ زخم لگانے والے کا سر اتنا بڑا ہے کہ اگر اس کو اتنا ہی (دس انچ) زخم لگایا جائے تو اس کے سارے سر کو نہیں گھیرتا، تو اس صورت میں بھی مشجوج (جس کو زخم لگایا گیا ہے) کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اسی مقدار کا زخم لگا کر قصاص لے لے، یا قصاص چھوڑ کر اپنے زخم کا تاوان لے لے۔ زخموں کے تاوان کا بیان كتاب الديات/ فصل في الشجاج میں آئے گا۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

☆☆☆

❀❀❀

﴿فَصْلٌ فِي الصُّلْحِ وَغَيْرِهِ﴾

أي: هٰذا فصل في بيان أحكام الصلح وغيره. یعنی یہ فصل صلح وغیرہ کے احکام کے بیان میں ہے۔اس فصل میں صلح وغیرہ کے احکام سے متعلق تیرہ (۱۳) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

⑰ وَإِنْ صُوْلِحَ عَلٰى مَالٍ: وَجَبَ حَالًّا، وَسَقَطَ الْقَوَدُ ⑱ وَيُنَصَّفُ إِنْ أَمَرَ الْحُرُّ الْقَاتِلُ، وَسَيِّدُ الْقَاتِلِ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِهِمَا عَلٰى أَلْفٍ، فَفَعَلَ ⑲ فَإِنْ صَالَحَ أَحَدُ الْأَوْلِيَاءِ مِنْ حَظِّهِ عَلٰى عِوَضٍ، أَوْ عَفَا: فَلِمَنْ بَقِيَ حَظُّهُ مِنَ الدِّيَةِ ⑳ وَيُقْتَلُ الْجَمْعُ بِالْفَرْدِ ㉑ وَالْفَرْدُ بِالْجَمْعِ اكْتِفَاءً ㉒ فَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ: قُتِلَ لَهُ، وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ ㉓ كَمَوْتِ الْقَاتِلِ.

ترجمہ: اور اگر صلح ہوئی مال پر تو فی الحال واجب ہو جائے گا، اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور (صلح کا مال) آدھا آدھا کیا جائے اگر حکم دیا آزاد قاتل اور قاتل کے مولیٰ نے کسی آدمی کو صلح کرنے کا اُن کے خون کی طرف سے، ہزار پر، اور اس نے (صلح) کرادی۔ اور اگر صلح کی اولیاء میں سے ایک نے اپنے حصے سے کسی عوض پر، یا معاف کر دیا، تو جو باقی رہا اس کیلئے اس کا حصہ ہے دیت میں سے۔ اور قتل کیا جائے گا جماعت کو ایک کے بدلے۔ اور ایک کو جماعت کے بدلے اکتفاء کرتے ہوئے۔ اور اگر ایک حاضر ہوا تو اس کیلئے قتل کیا جائے گا، اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائے گا۔ جیسے قاتل کا مر جانا۔

تشریح:

⑰ وإن صولح على مال: وجب حالا ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثہ نے قاتل کے ساتھ مال پر صلح کی تو قاتل پر واجب ہے کہ یہ مال فی الحال ادا کر دے، اور اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ. [بقرہ:۱۷۸] ”پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (مال کا) مطالبہ کرنا (وارث) کا حق ہے، اور اُسے اچھے طریقے سے ادا کرنا ہے“۔ یہ آیت قتل سے صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

فی الحال ادا کرنا اس لئے واجب ہے کہ یہ مال عقد (صلح) کی وجہ سے واجب ہو گیا ہے، اور ہر وہ مال جو عقد میں واجب ہو جائے وہ فی الحال ادا کرنا واجب ہے۔ اور قاتل سے قصاص اس لئے ساقط ہو گیا کہ صلح کا مال قصاص کا بدل بن گیا، لہٰذا ورثہ بدل اور

مبدل منہ (قصاص) دونوں نہیں لے سکتے۔ اور قاتل بھی اسی وقت مال دینے پر راضی ہوگا جب اس سے قصاص ساقط ہو جائے۔

⑱ **ويُنصّف إن أمر الحرُّ القاتلُ وسيدُ القاتلِ ...الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ ایک آزاد اور ایک غلام نے مل کر کسی آدمی کو قصداً قتل کر دیا، پھر آزاد قاتل اور غلام کے مولیٰ نے کسی آدمی کو وکیل بنایا کہ ہزار روپے کے عوض مقتول کے ورثہ سے صلح کرا دے، وکیل نے دونوں قاتلوں کی طرف سے صلح کرا دی، تو صلح کا عوض (ہزار روپے) آزاد اور غلام کے مولیٰ پر آدھا آدھا دینا واجب ہوگا، کیونکہ یہ عوض اصل میں قصاص کا بدل ہے، اور قصاص آزاد اور غلام دونوں پر واجب ہو گیا تھا، تو اس کا بدل بھی دونوں پر یکساں واجب ہوگا۔

⑲ **فإن صالح أحد الأولياء من حظه على عوض ...الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا گیا جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب ہو گیا، پھر مقتول کے ورثہ میں سے ایک وارث نے اپنے حصے کے بدلے کسی عوض (مثلاً ایک لاکھ روپے) پر صلح کی، یا اپنا حق معاف کر دیا، تو باقی ورثہ کا حقِ قصاص بھی ساقط ہو کر دیت میں تبدیل ہو گیا، لہٰذا ان کو اپنے اپنے حصے کی دیت ملے گی، اس لئے کہ جب ایک وارث نے قصاص چھوڑ کر اس کے عوض مال لے لیا، یا اپنا حق بالکل معاف کر دیا، تو باقی ورثہ بھی قصاص نہیں لے سکتے، کیونکہ قصاص تجزی اور تقسیم قبول نہیں کرتا، کہ بعض لے لیں اور بعض چھوڑ دیں۔

⑳ **ويُقتل الجمع بالفرد:** اگر چند افراد کی جماعت نے مل کر کسی ایک شخص کو قتل کر دیا، تو ان سب سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ قتل میں سب برابر کے شریک ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صنعاء کے سات آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو قصاص کیا، اور فرمایا کہ اگر تمام صنعاء والے تعاون کرتے تو سب کو قتل کر دیتا۔ [ہدایہ]

㉑ **والفرد بالجمع اكتفاءً:** أي: اكتفاءً للجميع. اگر ایک شخص نے چند افراد کو قتل کر دیا، تو اس سے قصاص لیا جائے گا، اور اس کا قصاص پوری جماعت کیلئے کافی ہوگا، لہٰذا مقتولین کے ورثہ کو اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے مقتول کیلئے قاتل سے قصاص لیا جائے گا، اور باقی مقتولین کیلئے اس سے دیتیں لی جائیں گی، اور اگر پہلا مقتول معلوم نہ ہو تو مقتولین کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی، جس کا نام پہلے نکلے اس کیلئے قصاص لیا جائے گا اور باقی کیلئے دیتیں ہوں گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کو پوری جماعت کے بدلے قصاص کرنے میں برابری نہیں ہوگی، لہٰذا برابری کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک مقتول کیلئے قصاص لیا جائے اور باقیوں کو دیتیں دی جائیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قصاص کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کی روح کے بدلے قاتل کی روح کو نکال دیا جائے، اور روح نکالنے میں تقسیم و تجزی نہیں ہو سکتی، تو گویا ہر ہر مقتول کے بدلے کامل طور پر قاتل کو قصاص کیا گیا، لہٰذا برابری ثابت ہو گئی، جیسے ماقبل والے مسئلے میں ایک مقتول کے بدلے پوری جماعت سے قصاص لیا گیا۔

㉒ **فإن حضر واحد: قُتل له، وسقط حق الباقين:** یعنی ماقبل صورت میں اگر ایک مقتول کا وارث قاضی کی مجلس میں حاضر ہوا اور قاتل کے خلاف دعویٰ کیا، تو قاتل کو اس کیلئے قصاص کیا جائے گا، اور دیگر مقتولین کے ورثہ کا حق ساقط ہو جائے گا، لہٰذا وہ اپنے حق کیلئے دعویٰ نہیں کر سکتے، کیونکہ حق کا محل قاتل کی ذات ہے، اور قاتل کی ذات ختم ہو گئی، لہٰذا اُن ورثہ کا حق بھی ختم ہو گیا۔

۲۳ کموت القاتل: یعنی ماقبل صورت میں جب ایک مقتول کیلئے قصاص لیا گیا تو دیگر مقتولین کا حق ساقط ہو جائے گا، جیسے قصاص سے پہلے قاتل اپنی موت مر جائے، تو تمام مقتولین کے ورثہ کا حق ختم ہو جائے گا، کیونکہ ورثہ کا حق قاتل کی ذات سے متعلق ہے، اور قاتل کی ذات ختم ہو گئی۔

۲۴ وَلَا تُقْطَعُ يَدُ رَجُلَيْنِ بِيَدِ وَاحِدٍ ۲۵ وَضَمِنَا دِيَتَهَا ۲۶ وَإِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِينَي رَجُلَيْنِ: فَلَهُمَا قَطْعُ يَمِينِهِ، وَنِصْفُ الدِّيَةِ ۲۷ فَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ، وَقَطَعَ يَدَهُ: فَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ ۲۸ وَإِنْ أَقَرَّ عَبْدٌ بِقَتْلِ عَمْدٍ: يُقْتَصُّ بِهِ ۲۹ وَإِنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا، فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ إِلَى آخَرَ: يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ، وَلِلثَّانِي الدِّيَةُ.

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائے گا دو آدمیوں کا ہاتھ ایک کے ہاتھ کے بدلے۔ اور دونوں تاوان دیں اس کی دیت کا۔ اور اگر ایک نے کاٹے دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ، تو ان کیلئے اس کا دایاں ہاتھ کاٹنا ہے، اور آدھی دیت ہے۔ اور اگر ایک حاضر ہوا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو دوسرے کیلئے اس پر آدھی دیت ہے۔ اور اگر غلام نے اقرار کیا قتل عمد کا تو قصاص کیا جائے گا اس کے بدلے۔ اور اگر تیر چلایا کسی آدمی پر قصداً، پھر تیر پار ہوا اُس سے دوسرے کی طرف، تو قصاص لیا جائے گا پہلے کیلئے، اور دوسرے کیلئے دیت ہے۔

تشریح:

۲۴ ولا تُقطع يد رجلين بيد واحد: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا[1]، تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھ کا بعض حصہ کاٹا ہے، اور بعض حصہ کاٹنے کے بدلے ان کا پورا پورا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور ان کا بعض ہاتھ بھی نہیں کاٹا جاسکتا، کیونکہ اس میں برابری نہیں ہو سکتی۔

۲۵ وضمنا ديتها: یعنی مذکورہ صورت میں دونوں کاٹنے والے ہاتھ کی دیت کا تاوان ادا کریں، ہاتھ کی دیت انسان کی دیت کا نصف ہے، پھر نصف دیت کو دونوں نصف نصف کر کے ادا کریں، کیونکہ ہر ایک نے آدھا ہاتھ کاٹا ہے۔

۲۶ وإن قطع يميني رجلين: فلهما قطع يمينه، ونصف الدية: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ عمداً کاٹ لئے، تو انہیں یہ حق ہے کہ اس کا داہنا ہاتھ کاٹ کر قصاص لیں، اور اس سے نصف دیت لے کر آپس میں نصف نصف تقسیم کر لیں، خواہ کاٹنے والے نے ایک ساتھ دونوں ہاتھوں کو کاٹا ہو، یا یکے بعد دیگرے کاٹا ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یکے بعد دیگرے کاٹے ہیں تو پہلے کیلئے قصاص ہوگا اور دوسرے کو دیت ملے گی، اور اگر ایک ساتھ کاٹے ہیں تو قرعہ اندازی کر کے جس کا نام پہلے نکلے اس کیلئے قصاص ہوگا اور دوسرے کو دیت ملے گی، کیونکہ پہلا ہر صورت میں قصاص کا

---

① مل کر ہاتھ کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں چھری چلائیں۔ یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایک پکڑ کر دوسرا چھری چلائے، اس میں کاٹنے والا ایک ہے، اس سے قصاص لیا جائیگا۔

مستحق ہے اور دوسرا دیت کا۔ ہم کہتے ہیں کہ مستحق ہونے کے سبب (یعنی ہاتھ کاٹنے) میں دونوں برابر ہیں، لہٰذا حکم میں بھی دونوں برابر ہوں گے، اور برابری کی صورت یہ ہے کہ دونوں کیلئے قصاص بھی کیا جائے اور پھر دونوں کو نصف دیت① کا نصف نصف بھی ملے گا۔

❸ فإن حضر واحد، وقطع يده: فللآخر عليه نصف الدية: یعنی مذکورہ صورت میں جن دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹے گئے ہیں اگر ان میں سے ایک قاضی کے ہاں حاضر ہوا اور کاٹنے والے سے قصاص لے کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بعد دوسرا حاضر ہوا تو اس کیلئے کاٹنے والے پر نصف دیت واجب ہے، کیونکہ پہلے حاضر ہونے والے کیلئے اپنا حق (قصاص) لینا جائز ہے، اور جب اس نے اپنا حق وصول کر لیا تو دوسرے کیلئے حق وصول کرنے کا محل (ہاتھ) باقی نہیں رہا، اس لئے اس کا حق دیت میں متعین ہو گیا۔

❹ وإن أقرّ عبدٌ بقتل عمد: يُقتصّ به: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں آدمی کو قصداً قتل کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ خون کے حق میں غلام آزاد آدمی کی طرح ہے، لہٰذا آزاد آدمی کے اقرار کی طرح غلام کا اقرار بھی معتبر ہوگا۔ البتہ اگر غلام نے کسی کے مال ہلاک کرنے کا اقرار کیا تو یہ معتبر نہیں ہے، کیونکہ اس میں مولیٰ کا حق ضائع ہو جائے گا، جبکہ قتل کے اقرار میں مولیٰ سے زیادہ خود غلام کا نقصان ہے۔

❺ وإن رمى رجلا عمدا، فنفذ السهم منه إلى... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قصداً کسی انسان کو گولی ماردی، گولی اس آدمی کو لگ کر اس کے جسم سے پار ہوگئی اور دوسرے آدمی کو بھی لگ گئی، جس سے دونوں مر گئے، تو پہلے آدمی کیلئے قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اس کو قصداً قتل کیا ہے، اور دوسرے کیلئے دیت ہے، جو قاتل کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ اس کو خطاءً قتل کیا ہے۔

☆☆☆

فَصْلٌ فِي تَعَدُّدِ الْجِنَايَةِ

أي: هذا فصل في بيان أحكام تعدّد الجناية۔ یعنی یہ فصل متعدد جنایتوں کے احکام کے بیان میں ہے، مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر قتل بھی کیا۔ اس فصل میں کل بارہ (۱۲) مسائل ہیں۔

❶ وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ، ثُمَّ قَتَلَهُ: أُخِذَ بِالْأَمْرَيْنِ، وَلَوْ عَمْدَيْنِ، أَوْ خَطَأَيْنِ، أَوْ مُخْتَلِفَيْنِ، تَخَلَّلَ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ، أَوْ لَا ❷ إِلَّا فِي خَطَأَيْنِ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ: فَتَجِبُ دِيَةٌ وَاحِدَةٌ ❸ كَمَنْ ضَرَبَهُ مِائَةَ سَوْطٍ، فَبَرِئَ مِنْ تِسْعِينَ، وَمَاتَ مِنْ عَشَرَةٍ.

ترجمہ: اور جس نے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو قتل کر دیا، تو پکڑا جائے گا دونوں کاموں میں، اگرچہ دونوں عمد ہوں، یا

① نصف دیت سے مراد انسان کی نصف دیت ہے، یعنی پچاس اونٹ، یا پانچ سو دینار، یا پانچ ہزار دراہم۔

خطاء ہوں، یا مختلف ہوں، ان کے درمیان تندرستی ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔ مگر دو خطاؤں میں جن کے درمیان تندرستی نہ ہوئی ہو، پس ایک دیت واجب ہوگی۔ جیسے اس کو سو کوڑے مارے، پھر نوے سے ٹھیک ہو جائے اور دس سے مر جائے۔

تشریح:

⓴ ومن قطع يد رجل، ثم قتل: أخذ ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اس کو قتل بھی کر دیا، تو قاتل کو دونوں کاموں کی سزا میں پکڑا جائے گا۔ اس مسئلہ میں کُل آٹھ صورتیں بنتی ہیں:

①...... ہاتھ عمداً کاٹا اور قتل بھی عمداً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک ہو گیا، یعنی ہاتھ کا زخم ٹھیک ہونے کے بعد قتل کر دیا۔

②...... ہاتھ خطاءً کاٹا اور قتل بھی خطاءً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک ہو گیا۔

③...... ہاتھ خطاءً کاٹا اور قتل عمداً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک ہو گیا۔

④...... ہاتھ عمداً کاٹا اور قتل خطاءً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک ہو گیا۔

⑤...... ہاتھ عمداً کاٹا اور قتل بھی عمداً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک نہیں ہوا، یعنی ہاتھ کا زخم ٹھیک ہونے سے پہلے قتل کر دیا۔

⑥...... ہاتھ خطاءً کاٹا اور قتل بھی خطاءً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک نہیں ہوا۔

⑦...... ہاتھ خطاءً کاٹا اور قتل عمداً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک نہیں ہوا۔

⑧...... ہاتھ عمداً کاٹا اور قتل خطاءً کیا، اور دونوں کے درمیان ٹھیک نہیں ہوا۔

ان صورتوں میں اصول یہ ہے کہ جہاں دو فعل ایک جنس سے ہوں، یعنی دونوں عمد، یا دونوں خطاء ہوں، اور ان کے درمیان ٹھیک نہ ہوا ہو وہاں دونوں فعلوں میں تداخل ہوگا، یعنی دونوں کو ایک فعل قرار دے کر قاتل کو ایک سزا دی جائے گی۔ اور جہاں فعلوں کی جنس مختلف ہو، یعنی ایک عمداً اور دوسرا خطاء ہو، یا دونوں کے درمیان ٹھیک ہو گیا ہو وہاں تداخل نہیں ہوگا، ہر فعل کی الگ الگ سزا ہوگی۔

اس اصول کے مطابق پانچویں اور چھٹی صورت میں تداخل ہوگا، لہٰذا پانچویں صورت میں صرف قصاص کی سزا دی جائے گی، اور چھٹی صورت میں صرف ایک دیت لی جائے گی، جبکہ باقی تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹنے اور قتل کرنے دونوں کی سزائیں دی جائیں گی۔

㉑ إلّا في خطأين لم يتخلّل بينهما برء ....الخ: یہ مذکورہ آٹھ صورتوں میں سے چھٹی صورت کا استثناء ہے، یعنی اگر ہاتھ کاٹنا اور قتل کرنا دونوں خطاءً ہوں اور ان کے درمیان ٹھیک نہ ہوا ہو، تو قاتل کو دونوں کاموں میں نہیں پکڑا جائے گا، بلکہ دونوں میں تداخل ہو کر ایک دیت لی جائے گی، گویا اس نے صرف قتل کا جرم کیا، ہاتھ کاٹنا قتل میں داخل ہوا، اس کی الگ سزا نہیں ہوگی۔[1]

---

① مصنفؒ نے صرف چھٹی صورت کا استثناء فرمایا ہے، حالانکہ پانچویں صورت کا استثناء بھی کرنا چاہیے، مگر اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی کو اختیار ہے: چاہے پہلے قاتل کا ہاتھ کاٹے پھر قتل کر دے، اور چاہے صرف قتل کی سزا دے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک صرف قتل کی سزا دے، ہاتھ نہ کاٹے۔

۔ ⑥ کمن ضربه مائة سوط، فبرئ من تسعين، ومات.... إلخ: یعنی مذکورہ چھٹی صورت میں تداخل ہوکر ایک دیت واجب ہوگی جیسے کسی کو سو (۱۰۰) کوڑے مارے، نوے کوڑے بدن کی ایک جگہ پر مارے، اور دس کوڑے دوسری جگہ پر مارے، مضروب نوے کوڑوں کے زخم سے ٹھیک ہوگیا اور دس کوڑوں کے زخم سے مرگیا، تو مارنے والے پر ایک مکمل دیت واجب ہوگی، نوے کوڑے معتبر نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا زخم ٹھیک ہوگیا، ان کا وجود ہی نہیں رہا، تو گویا صرف دس کوڑے مار کر قتل کردیا۔

﴿وَإِنْ عَفَا الْمَقْطُوعُ عَنِ الْقَطْعِ، فَمَاتَ: ضَمِنَ الْقَاطِعُ الدِّيَةَ﴾ وَلَوْ عَفَا عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ عَنْهُ، أَوْ عَنِ الْجِنَايَةِ: لَا﴿ فَالْخَطَأُ مِنَ الثُّلُثِ، وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ﴾ وَإِنْ قَطَعَتْ اِمْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا، فَتَزَوَّجَهَا عَلَى يَدِهِ، ثُمَّ مَاتَ: فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا، وَالدِّيَةُ فِي مَالِهَا﴾ وَعَلَى عَاقِلَتِهَا: لَوْ خَطَأً.

ترجمہ: اور اگر معاف کردیا کٹے ہوئے شخص نے کٹنے کو، پھر مرگیا تو کاٹنے والا ضمان دے دیت کا۔ اور اگر معاف کردیا کاٹنے کو اور جو اس سے پیش آئے، یا جنایت کو (معاف کردیا) تو (ضمان) نہیں ہے۔ پس خطاء تہائی سے ہے، اور عمد سارے مال سے ہے۔ اور اگر کاٹ دیا کسی عورت نے کسی آدمی کا ہاتھ عمداً، پھر اس سے نکاح کیا اپنے ہاتھ پر، پھر مرگیا تو اس کیلئے مہر مثل ہوگا، اور دیت ہوگی عورت کے مال میں۔ اور اس کے عاقلہ پر (دیت) ہوگی اگر خطاء ہو۔

تشریح:

ⓐ وإن عفا المقطوع عن القطع، فمات .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا، پھر کٹے ہوئے شخص نے کاٹنے کا جرم معاف کردیا، اس کے بعد وہ اسی زخم سے مرگیا، تو کاٹنے والا قتل کی مکمل دیت ادا کرے، کیونکہ مقطوع نے کاٹنے کو معاف کیا تھا، نہ کہ قتل کو، جبکہ ابھی معلوم ہوا کہ کاٹنے والے نے قتل کیا ہے، لہٰذا اس کی دیت ادا کردے۔

ⓑ ولو عفا عن القطع وما يحدث عنه، أو عن الجناية: لا: أي: لا يضمن. یعنی مذکورہ صورت میں اگر کٹے ہوئے شخص نے کاٹنے کو بھی معاف کردیا اور جو کچھ اس سے پیش آئے اس کو بھی معاف کردیا، یا مطلقاً جنایت کو معاف کردیا، اس کے بعد وہ ہاتھ کے زخم سے مرگیا، تو کاٹنے والے پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ کاٹنے والے کا ہر طرح کا جرم معاف ہوگیا، خواہ کاٹنا ہو یا اس سے پیش آنے والا قتل ہو، لہٰذا اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

ⓒ فالخطأ من الثلث، والعمد من كلّ المال: یعنی مذکورہ صورت میں جب مقطوع نے ہر طرح کی جنایت کو معاف کردیا، تو اس کی دو صورتیں بن سکتی ہیں: ① کاٹنے والے نے خطاءً ہاتھ کاٹا ہے، اس صورت میں جب مقطوع نے قاطع (قاتل) کو معاف کیا تو اس نے دیت معاف کردی، اور دیت مال ہے جس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوگیا ہے، لہٰذا یہ معافی مقتول کے مال کی

ایک تہائی میں معتبر ہوگی، یعنی اگر مقتول مفلس ہے، اس نے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا تو قاتل کیلئے دیت کی ایک تہائی معاف ہوگی، باقی دو تہائی اس کے عاقلہ ورثہ کو ادا کریں گے۔ اور اگر مقتول بہت مالدار ہے کہ ساری دیت اس کے مال کی تہائی سے نکل سکتی ہے تو قاتل کیلئے ساری دیت معاف ہوگی۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ قاطع نے عمداً ہاتھ کاٹا ہو، اب اگر مقطوع معاف کرتا ہے تو قصاص کو معاف کرتا ہے، اور قصاص مال نہیں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق نہیں ہوگا، تو یہ معافی سارے مال سے معتبر ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے مال کو نہیں دیکھا جائے گا کہ اس نے مال چھوڑا ہے یا نہیں چھوڑا ہے، بلکہ قاتل کو مکمل معافی مل جائے گی، اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

۞ **وإن قطعت امرأة يد رجل عمدا، فتزوجها.....الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت نے کسی مرد کا ہاتھ عمداً کاٹ دیا، پھر مرد نے اپنے ہاتھ کے عوض عورت سے نکاح کیا، اس کے بعد مرد ہاتھ کے زخم سے مرگیا، تو اس صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا، اور عورت پر واجب ہے کہ اپنے مال سے مقتول کی دیت ادا کردے۔

عورت کو مہر مثل اس لئے ملے گا کہ اس نے ہاتھ کے قصاص پر نکاح کیا ہے، حالانکہ قصاص مال نہیں ہے، تو یہ نکاح مہر کے بغیر ہوگیا، اور ایسے نکاح میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور عورت پر دیت اس لئے واجب ہے کہ مرد نے ہاتھ کاٹنے پر نکاح کرکے کاٹنے کا جرم معاف کردیا، قتل کو معاف نہیں کیا ہے، (جیسے مسئلہ نمبر (۳۳) کی صورت میں)، لہٰذا عورت پر قتل کی دیت① واجب ہوگی۔ اور یہ دیت عورت اپنے مال سے ادا کرے، کیونکہ اس نے عمداً جنایت کی ہے، اور عمداً جنایت کا تاوان عاقلہ پر نہیں آتا، خود جانی پر آتا ہے۔

۞ **وعلى العاقلة لو خطأ:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر عورت نے خطاءً مرد کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر مرد نے ہاتھ کی دیت پر عورت سے نکاح کیا اور پھر مرد ہاتھ کے زخم سے مرگیا، تو اس صورت میں بھی عورت کو مہر مثل ملے گا، کیونکہ نکاح ہاتھ کی دیت پر ہوا ہے، اور جب شوہر مرگیا تو معلوم ہوا کہ عورت نے قتل کیا ہے، تو ہاتھ کی دیت کا وجود ہی نہیں، لہٰذا یہ نکاح مہر کے بغیر ہوا، اس لئے عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مگر یہاں مرد کی دیت عورت کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ عورت نے خطاءً جنایت کی ہے اور اس کا تاوان عاقلہ پر ہوتا ہے۔

> ۞وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا، أَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ، فَمَاتَ مِنْهُ: فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لَوْ عَمْدًا۞وَلَوْ خَطَاءً: رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا، وَلَهُمْ ثُلُثُ مَا تَرَكَ وَصِيَّةً۞وَلَوْ قَطَعَ يَدَهُ فَاقْتُصَّ لَهُ، فَمَاتَ الْأَوَّلُ: قُتِلَ بِهِ۞وَإِنْ قَطَعَ يَدَ الْقَاتِلِ، وَعَفَا: ضَمِنَ الْقَاطِعُ دِيَةَ الْيَدِ.

① اگرچہ عورت نے عمداً ہاتھ کاٹا ہے جس سے مرد مرگیا، تو گویا عورت نے مرد کو قصداً قتل کردیا لہٰذا عورت پر قصاص جاری ہونا چاہئے، مگر اس پر قصاص اس لئے جاری نہیں ہوگا کہ مرد کا ہاتھ کاٹنے پر نکاح کرنا معاف کرنا ہے جس سے شبہ پیدا ہوا، اسی شبہ کی وجہ سے عورت سے قصاص ساقط ہوگیا۔

ترجمہ: اور اگر اس کے ساتھ نکاح کیا ہاتھ پر اور جو کچھ اس سے پیش آئے، یا جنایت پر (نکاح کیا)، پھر مر گیا اس سے، تو عورت کیلئے اس کا مہر مثل ہے، اور اس پر کچھ بھی نہیں ہے اگر عمداً ہو۔ اور اگر خطاءً ہو تو عاقلہ سے اٹھ جائے گا عورت کا مہر مثل، اور ان کیلئے تہائی ہے اس دیت کی جو (مردنے) چھوڑا ہے وصیت کے طور پر۔ اور اگر کسی کا ہاتھ کاٹا، پھر اس کیلئے قصاص لیا گیا، پھر پہلا شخص مر گیا، تو قتل کیا جائے گا اس کے بدلے۔ اور اگر کاٹ دیا قاتل کا ہاتھ اور معاف کر دیا، تو کاٹنے والا تاوان دے ہاتھ کی دیت کا۔

تشریح:

⑧ **وإن تزوّجها على اليد وما يحدث.....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے قصداً مرد کا ہاتھ کاٹ دیا، پھر مرد نے ہاتھ کٹنے پر اور جو کچھ ہاتھ کٹنے سے پیش آئے اس پر عورت سے نکاح کیا، یا مطلقاً جنایت پر نکاح کیا، اس کے بعد مرد ہاتھ کے زخم سے مر گیا، تو عورت کو مہر مثل ملے گا، اور اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

عورت کو مہر مثل اس لئے ملے گا کہ مرد نے قصاص کے عوض اس سے نکاح کیا، اور قصاص مال نہیں ہے، تو گویا مہر کے بغیر نکاح ہوا، اور ایسے نکاح میں مہر مثل ہوتا ہے۔ اور عورت پر اس لئے کچھ واجب نہیں ہوگا کہ مرد نے ہاتھ کٹنے اور اس سے پیش آنے والے قتل پر نکاح کر کے ہر طرح کی جنایت سے عورت کو معاف کر دیا، لہٰذا عورت پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، جیسے مسئلہ نمبر (۳۴) کی صورت میں۔

⑨ **ولو خطأً رُفع عن العاقلة مهرُ مثلها.....إلخ:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر عورت نے خطاءً مرد کا ہاتھ کاٹ دیا، اور پھر مرد نے عورت سے ہاتھ کٹنے پر اور جو کچھ پیش آئے اس پر، یا مطلقاً جنایت پر نکاح کیا، اور پھر مرد مر گیا، تو عورت کو مہر مثل ملے گا، کیونکہ دراصل مرد نے اپنی پوری دیت پر عورت سے نکاح کیا ہے، مگر عورت کا مہر پوری دیت نہیں ہے، صرف مہر مثل ہے، کیونکہ مرد مرض الموت کا مریض ہے، اور ایسی صورت میں مہر مثل سے زیادہ پر نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ اس سے ورثہ کا حق ضائع ہو جائے گا۔ تو مرد نے جب اپنی پوری دیت پر عورت سے نکاح کر لیا اور نکاح مہر مثل پر ہوا، اور دیت عورت کے عاقلہ ادا کریں گے، تو گویا مرد نے مہر مثل سے دیت کا زائد حصہ عاقلہ کیلئے معاف کر دیا، اور مرض الموت میں معاف کرنا وصیت کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مرد نے اپنی دیت کے ایک حصے (مہر مثل کے بقدر) پر نکاح کیا اور دوسرے حصے (مہر مثل سے زائد) کی عاقلہ کیلئے وصیت کر دی۔ اب ہونا تو یہ چاہیئے کہ عاقلہ دیت میں سے مہر مثل کے بقدر عورت کو دے دیں، مگر عاقلہ سے عورت کا مہر مثل ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عاقلہ احسان کر کے عورت کی جنایت کی وجہ سے دیت بھی برداشت کریں، اور پھر عورت ان سے اپنی جنایت کا عوض (مہر مثل) بھی وصول کر لے، یہ بڑی بے انصافی کی بات ہے، لہٰذا عورت اپنا مہر مثل عاقلہ سے نہیں لے سکتی۔

جب عاقلہ کے ذمہ سے مہر مثل ساقط ہو گیا تو دیت کا جو حصہ مہر مثل سے زائد ہے وہ ان کیلئے وصیت ہوگا، اور قاعدہ یہ ہے کہ وصیت مال کی تہائی میں معتبر ہوتی ہے، لہٰذا اس زائد حصے کی ایک تہائی عاقلہ کیلئے وصیت ہے، اور باقی دو تہائی مرد کے ورثہ کو دے دیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مرد کی دیت مثلاً ایک لاکھ روپے ہے، اور عورت کا مہر مثل چالیس ہزار روپے ہے، تو عاقلہ سے چالیس

ہزار روپے ساقط ہو گئے، اور باقی ساٹھ ہزار عاقلہ کیلئے وصیت ہو گئے، مگر یہ وصیت ساٹھ ہزار کی تہائی (بیس ہزار) میں ان کیلئے نافذ ہوگی، لہٰذا عاقلہ دو تہائی (چالیس ہزار) مرد کے ورثہ کو ادا کریں۔

یہ حکم اس صورت میں ہوگا کہ مرد نے اپنی میراث میں دیت (ایک لاکھ روپے) کے علاوہ اور کوئی مال نہیں چھوڑا، اگر وہ مالدار ہو اور مہر مثل سے زائد حصہ (ساٹھ ہزار) اس کے مال کی تہائی سے نکل سکتا ہو تو سارے زائد حصہ میں عاقلہ کیلئے وصیت نافذ ہوگی۔

● ولو قطع يده، فاقتص له، فمات الأول: قتل به: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے عمداً دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا، پھر کاٹنے والے سے قصاص لے کر اس کا ہاتھ بھی کاٹا گیا، اس کے بعد پہلا شخص (جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے) ہاتھ کے زخم سے مر گیا، تو کاٹنے والے سے دوبارہ قصاص لے کر اُسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ پہلا شخص جب مر گیا تو معلوم ہوا کہ کاٹنے والے نے کاٹنے کا جرم نہیں کیا، بلکہ قتل کا جرم کیا ہے، لہٰذا اس کے عوض اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور پہلی مرتبہ جو قصاص لے کر اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی وجہ سے قتل کا قصاص ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ اُس وقت معلوم نہیں تھا کہ اس نے قتل کا جرم کیا ہے۔

● وإن قطع يد القاتل، وعفا: ضمن القاطع دية اليد: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کو عمداً قتل کر دیا، پھر مقتول کے وارث نے قاتل کا ہاتھ کاٹ دیا اور پھر قتل کے قصاص سے اس کو معاف کر دیا، تو وارث پر لازم ہے کہ مقتول کا جو ہاتھ کاٹا ہے اس کی دیت ادا کر دے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وارث پر ہاتھ کی دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کو حق حاصل ہے کہ قاتل سے قصاص لے کر قتل کر دے، تو ہاتھ کاٹنے کا حق بطریقِ اولیٰ اُسے حاصل ہوگا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وارث نے اپنے حق کے علاوہ دوسری چیز وصول کی ہے، کیونکہ اس کا حق یہ تھا کہ قاتل کو قتل کر دے، جبکہ اس نے ہاتھ کاٹ دیا، لہٰذا اس ناحق کام کرنے کی وجہ سے اس پر دیت واجب ہو جائے گی۔ اب ظاہرِ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ وارث سے قصاص لے کر کا بھی ہاتھ کاٹا جائے، مگر صاحبینؒ نے جو دلیل پیش کی ہے اس کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا، اس لئے وارث سے قصاص ساقط ہو کر اس پر دیت واجب ہوئی۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الشهادة في القتل. یعنی یہ باب قتل میں گواہی دینے کے احکام کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ نے قتل کے احکام بیان کرنے کے بعد قتل پر گواہی کے احکام شروع فرمائے، کیونکہ قتل پر گواہی قتل کے بعد ہی ہوتی ہے۔

جب قاتل اپنے جرم سے انکار کرے تو قتل کو گواہی سے ثابت کیا جائے گا، اب کن صورتوں میں قتل گواہی سے ثابت ہو جائے گا، اور کن صورتوں میں نہیں؟ اس کے بیان کیلئے مصنفؒ نے اس باب میں تیرہ (۱۳) مسائل جمع کئے ہیں۔

> ① وَلَا يُقِيدُ حَاضِرٌ بِحُجَّتِهِ إِذَا أُخُوهُ غَابَ عَنْ خُصُومَتِهِ ② فَإِنْ يَعُدْ: لَا بُدَّ مِنْ إِعَادَتِهِ؛ لِيَقْتُلَا ③ وَلَوْ خَطَأً، أَوْ دَيْنًا: لَا ④ فَإِنْ أَثْبَتَ الْقَاتِلُ عَفْوَ الْغَائِبِ: لَمْ يُقْتَلْ ⑤ وَكَذَا لَوْ قُتِلَ عَبْدُهُمَا، وَأَحَدُهُمَا غَائِبٌ.

ترجمہ: اور قصاص نہیں لے سکتا حاضر اپنی حجت سے جب اس کا بھائی غائب ہو اس کی خصومت سے۔ اور اگر وہ لوٹ آیا تو ضروری ہے اس (حجت) کو لوٹا دینا، تا کہ دونوں (قاتل کو) قتل کریں۔ اور اگر خطاء ہو یا دَین ہو تو نہیں (لوٹایا جائے گا)۔ اور اگر قاتل نے ثابت کردی غائب کی معافی تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اسی طرح (حکم) ہے اگر قتل کر دیا گیا دو (مولیٰ دوں) کا غلام، اور ان میں سے ایک غائب ہو۔

تشریح:

① ولا يُقيد[①] حاضر بحجته ☆ إذا أخوه غائب عن خصومته: یہ علامہ نسفیؒ کی منظومہ کا ایک بیت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو عمداً قتل کر دیا گیا اور اس کے دو وارث ہیں: ایک وارث نے قاضی کی مجلس میں حاضر ہو کر قتل پر گواہ پیش کئے، اور دوسرا وارث دعوے سے غائب ہے، تو حاضر وارث قاتل سے قصاص نہیں لے سکتا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غائب نے قاتل کو معاف کر دیا ہو، یا بعد میں معاف کر دے، اس لئے احتیاطاً قصاص نہیں لیا جائے گا۔

② فإن يعد: لا بدّ من إعادته؛ ليقتلا: «فإن يعد: لا بد من إعاته» یہ ماقبل والے بیت کے بعد دوسرا نیم بیت ہے۔ «ہ» کا مرجع حجة ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ماقبل صورت میں اگر غائب وارث آ گیا تو وہ قاضی کے سامنے دوبارہ قتل پر گواہ پیش کرے، اس کے بعد قاضی فیصلہ کر کے قاتل سے قصاص لے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

① يُقِيد اصل میں يُقْيِدُ تھا، جیسے يُكْرِم، افعال کا باب ہے، قَوَد سے مشتق ہے، بمعنی قصاص لینا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حاضر نے جو گواہ پیش کیے ہیں وہ کافی ہیں، غائب وارث کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اس نے جب حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کر دیا تو قاضی قاتل پر قصاص کا فیصلہ کر دے۔

امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف کو سمجھنے کیلیے یہ ضابطہ ذہن نشین کریں کہ ورثہ کو قصاص لینے کا جو حق ملتا ہے اس کے دو طریقے ہیں: (۱) خلافت کا طریقہ۔ (۲) وراثت کا طریقہ۔

خلافت کا مطلب یہ ہے کہ ورثہ مقتول کے خلیفہ بن کر قصاص لیتے ہیں، یعنی خود مقتول قصاص کا مالک نہیں ہے، بلکہ ورثہ کو نئے سرے سے یہ حق مل جاتا ہے، اور جو حق خلافت کے طور پر مل جائے اس میں ایک وارث دوسرے کا قائم مقام نہیں بن سکتا، بلکہ ہر ایک کیلیے ضروری ہے کہ خود حاضر ہو کر اپنے حق کا دعویٰ کرے۔

وراثت کا مطلب یہ ہے کہ قصاص کا حق پہلے مقتول کو ملتا ہے، پھر اس سے منتقل ہو کر ورثہ کو مل جائے گا، اور جو حق وراثت کے طور پر ملے اس میں ایک وارث دوسرے کا قائم مقام بن سکتا ہے۔

اب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ورثہ کو حقِ قصاص نئے سرے سے خلافت کے طور پر ملا ہے، کیونکہ خود مقتول کو یہ حق حاصل نہیں تھا، اور نہ مقتول قصاص لینے کی اہلیت رکھتا ہے، لہٰذا حاضر وارث غائب کا نائب نہیں بن سکتا، بلکہ ہر ایک کیلیے الگ الگ گواہ پیش کرنا ضروری ہیں۔ جبکہ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ورثہ کو حقِ قصاص وراثت کے طور پر ملا ہے، لہٰذا حاضر غائب کا نائب ہے، اور حاضر کے گواہ غائب کیلیے بھی کافی ہیں، دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

❸ **ولو خطأً، أو دينا: لا:** أي: لو كان القتل خطأً، أو كان الحق دينا: لا تُعاد البينة. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے آدمی کو خطاءً قتل کر دیا، اور ورثہ میں سے ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے، پھر حاضر نے قتل پر گواہ پیش کر دیے، تو بعد میں جب غائب وارث آ جائے تو اس کو دوبارہ گواہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر حاضر وارث نے دعویٰ کر کے اس بات پر گواہ پیش کیے کہ میرے مورث (میت) کا فلاں آدمی پر دَین ہے، تو بعد میں غائب وارث کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ قتلِ خطاء میں اصل مقصود مال (دیت) ہے، اور دَین میں بھی مال ہے، اور ورثہ کو مال کا حق وراثت کے طریقے سے ملتا ہے، اور مسئلہ نمبر (۲) میں بیان ہوا کہ ورثہ کو جو حق وراثت کے طریقے سے مل جائے اس میں ایک وارث دوسرے کا قائم مقام بن سکتا ہے، لہٰذا یہاں بھی حاضر غائب کا قائم مقام ہے اور حاضر نے جو گواہ پیش کیے ہیں وہ غائب کیلیے بھی کافی ہوں گے۔

❹ **فإن أثبت القاتلُ عفوَ الغائب: لم يُقتل:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا، مقتول کے ورثہ میں سے ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے، حاضر نے قتل پر گواہ پیش کر کے قاتل سے قصاص لینا چاہا، مگر قاتل نے گواہ پیش کیے کہ غائب نے مجھے معاف کر دیا ہے، تو اس کا یہ دعویٰ قبول ہوگا اور قصاص نہیں کیا جائے گا۔ اصل میں قاتل نے غائب پر گواہ پیش نہیں کیے، کیونکہ غائب پر گواہ پیش نہیں ہو سکتے، بلکہ حاضر پر گواہ پیش کیے کہ اس کا حقِ قصاص ساقط ہو کر مال (دیت) سے تبدیل ہو گیا، اور پھر ضمناً

غائب پر بھی فیصلہ ہوا، لہٰذا بعد میں غائب کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ گواہوں سے ثابت ہوگیا کہ اس نے اپنا حق معاف کر دیا ہے۔

❺ وکذا لو قُتل عبدھما، واحدھما غائب: یعنی ما قبل والا حکم اس صورت میں بھی ہے کہ کوئی غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، اور پھر کسی نے اس کو قتل کر دیا، اور مولی دوں میں سے ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے، اور حاضر نے قتل پر گواہ پیش کر دیئے، تو جب غائب آجائے اس کو دوبارہ گواہ پیش کرنا ضروری ہیں۔ اور اگر قاتل نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ غائب نے مجھے معاف کر دیا ہے تو اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

❻ وَإِنْ شَهِدَ وَلِيَّانِ بِعَفْوِ ثَالِثِهِمَا: لَغَتْ ❼ فَإِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ: فَالدِّيَةُ لَهُمْ أَثْلَاثًا ❽ وَإِنْ كَذَّبَهُمَا: فَلَا شَيْءَ لَهُمَا، وَلِلْآخَرِ ثُلُثُ الدِّيَةِ ❾ وَإِنْ شَهِدَا أَنَّهُ ضَرَبَهُ، فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ: يُقْتَصُّ.

ترجمہ: اور اگر دو ولیوں نے گواہی دی تیسرے کی معافی کی تو لغو ہوگی۔ اور اگر قاتل نے ان دونوں کی تصدیق کی تو دیت ان کیلئے تین تہائیاں ہوگی۔ اور اگر ان کی تکذیب کی تو ان دونوں کیلئے کچھ نہ ہوگا، اور تیسرے کیلئے دیت کی تہائی ہوگی۔ اور اگر دو نے گواہی دی کہ قاتل نے مقتول کو مارا اور وہ مسلسل صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا، تو قصاص لیا جائے گا۔

تشریح:

❻ وإن شهد وليان بعفو ثالثهما: لغت: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا گیا، اس کے تین وارث ہیں، ان میں سے دو نے گواہی دی کہ تیسرے وارث نے قاتل کو معاف کر دیا ہے، تو ان کی یہ گواہی لغو ہوگی، اور گواہی دینے سے معلوم ہوا کہ گواہ خود قاتل کو معاف کر رہے ہیں۔ گواہی اس لئے لغو ہوئی کہ اس میں شبہ پیدا ہوا کہ گواہی دینے والے کوشش کر رہے ہیں کہ قاتل سے قصاص ساقط ہو کر دیت ثابت ہو جائے، تاکہ ان کو مال مل جائے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس گواہی میں گواہوں کا اپنا فائدہ ہو وہ گواہی لغو ہوگی، کیونکہ یہ گواہی خالص اللہ کی رضا کیلئے نہیں ہوئی، بلکہ اپنے فائدے کیلئے ہوئی۔

❼ فإن صدقهما القاتل: فالدية لهم أثلاثا: یعنی مذکورہ صورت میں اگر قاتل نے گواہی دینے والے وارثوں کی تصدیق کی، تو قصاص ساقط ہو کر تینوں وارثوں کیلئے دیت ثابت ہو جائے گی، جو اُن کے درمیان تہائی تہائی تقسیم ہوگی، دلیل یہ ہے کہ جب دو وارثوں نے گواہی دے کہ تیسرے نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو ان کی گواہی سے معلوم ہوا کہ انہوں نے خود قاتل کو قصاص سے معاف کر دیا، پھر جب قاتل نے بھی ان کی گواہی کی تصدیق کی تو گویا قاتل نے ان کیلئے دیت کا اقرار کر لیا، لہٰذا قاتل پر دونوں کیلئے دیت واجب ہوگئی، اور تیسرا وارث چونکہ معاف کرنے سے انکار کر رہا ہے، اس لئے اس کے حق میں قاتل کی تصدیق صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا اس کو بھی دیت کا حصہ ملے گا، تو دیت کو تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کو تہائی حصہ ملے گا۔

❾ وإن كذبهما: فلا شيء لهما، وللآخر ثلث الدية: یعنی مذکورہ صورت میں اگر قاتل نے دو وارثوں کی تکذیب کی تو ان دونوں کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور تیسرے وارث کو تہائی دیت ملے گی، اس لئے کہ دو وارثوں نے جب تیسرے پر معاف کرنے کی گواہی دی تو انہوں نے خود اپنی گواہی سے قصاص کو ساقط کر دیا، اور پھر اپنے لئے مال (دیت) ثابت کرنے کا دعویٰ کیا، تو اُن کا یہ دعویٰ دلیل① کے بغیر نہیں مانا جائے گا، اور تیسرا وارث چونکہ معاف کرنے سے منکر ہے اس لئے اس کو دیت کی تہائی مل جائے گی۔

❾ وإن شهدا أنه ضربه، فلم يزل صاحب ...الخ: اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے زید کو آلۂ قاتلہ سے عمداً مار کر زخمی کر دیا جس سے زید مسلسل بستر پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا، تو مارنے والے سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ یہ ایسی گواہی ہے جیسے گواہوں نے قتل کرنے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو، کیونکہ قتل کا سبب زخم ہے جس کو گواہوں نے دیکھ لیا ہے، تو گویا قتل کو دیکھ لیا۔ باب مايوجب القصاص وما لا يوجبه مسئلہ نمبر (۲٦) میں اس جیسا مسئلہ گزر گیا ہے۔

⑩ وَإِنِ اخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ فِي الزَّمَانِ، أَوِ الْمَكَانِ، أَوْ فِيمَا بِهِ الْقَتْلُ، أَوْ قَالَ أَحَدُهُمَا: قَتَلَهُ بِعَصًا، وَقَالَ الْآخَرُ: لَمْ أَدْرِ بِمَاذَا قَتَلَ: بَطَلَتْ ⑪ وَإِنْ شَهِدَا أَنَّهُ قَتَلَهُ، وَقَالَا: لَمْ نَدْرِ بِمَاذَا قَتَلَهُ: تَجِبُ الدِّيَةُ ⑫ وَإِنْ أَقَرَّا أَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا قَتَلَهُ، وَقَالَ الْوَلِيُّ: قَتَلْتُمَاهُ جَمِيعًا: فَلَهُ قَتْلُهُمَا ⑬ وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْإِقْرَارِ شَهَادَةٌ: لَغَتْ.

ترجمہ: اور اگر اختلاف کیا قتل کے دو گواہوں نے وقت یا جگہ میں، یا اس آلہ میں جس سے قتل ہوا، یا ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کو قتل کیا لاٹھی سے اور دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کس چیز سے قتل کیا، تو (گواہی) باطل ہو جائے گی۔ اور اگر دو نے گواہی دی کہ اس نے اس کو قتل کیا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس چیز سے قتل کیا، تو دیت واجب ہوگی۔ اور اگر دو نے اقرار کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اس کو قتل کیا ہے، اور ولی نے کہا کہ تم دونوں نے مل کر قتل کیا ہے، تو ولی کیلئے دونوں کو قصاص کرنا ہے۔ اور اگر اقرار کی جگہ گواہی ہو تو لغو ہو جائے گی۔

تشریح:

⑩ وإن اختلف شاهدا القتل في الزمان ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے قتل کی گواہی دے کر وقت میں اختلاف کیا: ایک نے کہا کہ ہفتہ کے دن قتل کیا اور دوسرے نے کہا کہ اتوار کے دن قتل کیا، یا جگہ میں اختلاف کیا: ایک نے کہا کہ کراچی میں قتل کیا اور دوسرے نے کہا کہ کوئٹہ میں قتل کیا، یا قتل کے آلہ میں اختلاف کیا: ایک نے کہا کہ چھری سے قتل کیا اور دوسرے نے کہا کہ لاٹھی سے قتل کیا، یا دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کس چیز سے قتل کیا، تو ان تمام صورتوں میں گواہی باطل ہو جائے گی،

① دلیل یہ ہے کہ یا تو قاتل ان کی تصدیق کرے، یا تیسرا وارث تصدیق کرے، جبکہ یہاں کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی، تو ان کا دعویٰ بلا دلیل رہا۔

کیونکہ گواہوں نے ایک قتل پر گواہی نہیں دی، بلکہ دوقتلوں پر گواہی دی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کو دومرتبہ قتل نہیں کیا جاسکتا، کہ ایک مرتبہ کراچی میں قتل کیا جائے اور پھر کوئٹہ میں، اور ہر قتل پر ایک ایک گواہ گواہی دے رہا ہے، اور ایک کی گواہی باطل ہوگی۔

⑪ وإن شهدا أنه قتله، وقالا: لم ندر بما ذا قتله الخ: اگر گواہوں نے قتل کی گواہی دے کر کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس چیز سے قتل کیا، تو اس میں قاتل پر دیت واجب ہوگی۔ ظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ گواہی باطل ہو، اور قاتل پر کچھ بھی واجب نہ ہو، کیونکہ قتل کا آلہ معلوم نہیں ہے، اور آلہ کی تبدیلی سے قتل کے احکام بھی بدل جاتے ہیں، تو گواہوں نے مجہول قتل کی گواہی دی، اور یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ دیت واجب ہو جائے گی، کیونکہ گواہوں نے مطلق قتل کی گواہی دی ہے، اور مطلق مجہول نہیں ہے، اس پر عمل ہوسکتا ہے، تو گواہی سے مطلق قتل ثابت ہوا، اور مطلق قتل کا ادنی حکم دیت ہے، اس لئے دیت واجب ہوگی۔

⑫ وإن أقرّا أن كلًّا منهما قتله، وقال الولي الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے قتل کا اقرار کیا، ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ مقتول کو اکیلا میں نے قتل کیا، مقتول کا وارث کہتا ہے کہ نہیں، تم دونوں نے مل کر قتل کیا ہے، تو اس صورت میں وارث دونوں سے قصاص لے سکتا ہے، کیونکہ اقرار کرنے والے انفرادی قتل کا اقرار کر رہے ہیں اور وارث اجتماعی قتل کا دعویٰ کر رہا ہے، حاصل یہ کہ وارث نے بعض اقرار (قتل) میں مُقر کی تصدیق کی اور بعض (انفراد) میں تکذیب کی، اور اقرار کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اقرار کے بعض حصے کی تکذیب ہو جائے تو بقیہ حصہ میں اقرار باطل نہیں ہوتا[1]، لہٰذا دونوں اقرار کرنے والوں کی طرف سے قتل عمد کا اقرار صحیح ہے، اس لئے دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔

⑬ ولو كان مكان الإقرار شهادة: لغت: یعنی مذکورہ صورت میں اگر اقرار کی جگہ گواہی ہو تو وہ لغو ہو جائے گی، مثلاً دو گواہوں نے گواہی دی کہ مقتول کو اکیلے زید نے قتل کیا، اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اکیلے خالد نے قتل کیا، اور مقتول کے وارث نے دعویٰ کیا کہ زید اور خالد دونوں نے مل کر قتل کیا ہے، تو دونوں گواہیاں باطل ہوگئیں، اس لئے کہ وارث نے تمام گواہوں کی تکذیب کی، اور تکذیب کی وجہ سے گواہ فاسق ہو جائیں گے، اور فاسق کی گواہی باطل ہے۔ اور ماقبل والی صورت میں بھی اگرچہ وارث کی طرف سے اقرار کرنے والا فاسق قرار پایا، مگر فاسق کا اقرار صحیح ہے۔

☆☆☆

① مثلاً ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میرے اوپر زید کے پندرہ سو روپے ہیں، زید نے کہا کہ نہیں، ہزار روپے ہیں، تو زید نے اگرچہ پانچ سو میں مُقر کی تکذیب کی، مگر اس کی وجہ سے ہزار کا اقرار باطل نہیں ہوا، وہ صحیح ہے۔

﴿بَابٌ فِي اعْتِبَارِ حَالَةِ الْقَتْلِ﴾

أي: هذا باب في بيان اعتبار حالة القتل یعنی یہ باب قتل کی حالت معتبر ہونے کے بیان میں ہے۔ قتل کرنے میں دو حالتیں ہوتی ہیں: ایک تیر پھینکنے یا ہتھیار چلانے کی حالت ہے، دوسری تیر لگنے کی حالت ہے۔ ان دو حالتوں میں سے پہلی حالت کا اعتبار ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے قتل کے احکام بیان کرنے کے بعد قتل کی حالتیں بیان فرمائیں، کیونکہ حالت وصف ہے، اور وصف ذات کے بعد ہوتا ہے۔ اس باب میں آٹھ (۸) مسائل ہیں۔

① اَلْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمْيِ، فَتَجِبُ الدِّيَةُ بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ قَبْلَ الْوُصُولِ ② لَا بِإِسْلَامِهِ ③ وَالْقِيْمَةُ بِعِتْقِهِ ④ وَلَا يَضْمَنُ الرَّامِي بِرُجُوْعِ شَاهِدِ الرَّجْمِ بَعْدَ الرَّمْيِ ⑤ وَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّةِ الرَّامِي ⑥ لَا بِإِسْلَامِهِ ⑦ وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهِ ⑧ لَا بِإِحْرَامِهِ.

ترجمہ: تیر پھینکنے کی حالت معتبر ہے، لہٰذا دیت واجب ہوگی جس کی طرف تیر پھینکا گیا ہے اس کے مرتد ہونے سے، پہنچنے سے پہلے۔ نہ کہ اس کے اسلام لانے سے۔ اور قیمت (واجب ہوگی) غلام کے آزاد ہونے سے۔ اور ضمان نہیں دے گا پھینکنے والا رجم کے گواہ کے رجوع کرنے کی وجہ سے پھینکنے کے بعد۔ اور شکار حلال ہے پھینکنے والے کے مرتد ہونے سے۔ نہ کہ اس کے اسلام لانے سے۔ اور جزاء واجب ہوگی اس کے حلال ہونے سے۔ نہ کہ اس کے احرام باندھنے سے۔

تشریح:

① المعتبر حالة الرمي، فتجب الدية....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ قتل کرنے میں تیر پھینکنے کی حالت کا اعتبار ہوگا، تیر لگنے کی حالت معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ فاعل نے پھینکنے کا فعل کیا ہے، تو یہی حالت معتبر ہوگی، لہٰذا اگر کسی نے مسلمان کی طرف تیر پھینکا اور تیر لگنے سے پہلے وہ شخص (جس طرف تیر پھینکا گیا) مرتد ہوگیا (العیاذ باللہ) اور مرتد ہو کر مر گیا، تو پھینکنے والے پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس نے ایک مسلمان پر تیر چلایا ہے۔ اور قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلمان پر تیر چلانے سے قاتل کو قصاص کیا جائے، لیکن مرتد ہونے سے اس کا خون محفوظ نہیں رہا، اس لئے شبہ پیدا ہوا، جس کی وجہ سے قصاص ساقط ہو کر دیت واجب ہوئی۔

حضرات صاحبینؒ پہلے فرماتے تھے کہ تیر لگنے کی حالت معتبر ہوگی، لہٰذا مذکورہ صورت میں تیر لگنے کے وقت چونکہ وہ شخص مرتد ہے، اس لئے پھینکنے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، مگر بعد میں انہوں نے امام صاحبؒ کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔ [تکملہ بحر: ۹/۷۴]

② لا بإسلامه: أي: لا تجب الدية بإسلام المرمي إليه. یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر کسی نے مرتد

کی طرف تیر پھینکا اور تیر لگنے سے پہلے وہ شخص مسلمان ہوگیا اور پھر مرگیا، تو پھینکنے والے پر دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ تیر پھینکنے کے وقت وہ مرتد تھا، اور مرتد کا خون معصوم اور محفوظ نہیں ہے، لہٰذا اس کے قتل سے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

④ والقيمة بعتقه: أي: تجب القيمة بعتقه. «ہ» کا مرجع عبد ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے غلام پر تیر چلایا اور تیر لگنے سے پہلے وہ غلام آزاد ہوگیا اور آزاد ہوکر مرگیا، تو پھینکنے والے پر غلام کی قیمت واجب ہوگی، نہ کہ آزاد آدمی کی دیت، کیونکہ تیر پھینکنے کے وقت وہ غلام تھا، اور یہی حالت معتبر ہے۔

⑤ ولا يضمن الرامي برجوع شاهد الرجم... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی محصن شخص پر گواہوں نے زنا کی گواہی دی، قاضی نے گواہی کے مطابق رجم کا فیصلہ کیا، اس کے بعد ایک آدمی نے زانی کی طرف پتھر پھینکا، لیکن پتھر لگنے سے پہلے ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کیا اور پھر پتھر لگ کر وہ شخص مرگیا، تو پھینکنے والے پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ پھینکنے کی حالت معتبر ہے، اور اس وقت گواہ نے رجوع نہیں کیا تھا، اور اس وقت زانی کا خون مباح تھا، لہٰذا اس کی طرف پتھر پھینک کر قتل کرنے سے کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

⑥ وحلّ الصيد بردة الرامي: مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص نے بسم اللہ پڑھ کر شکار کی طرف تیر پھینکا، ابھی تیر شکار کو نہیں لگا ہے کہ پھینکنے والا مرتد ہوگیا (العیاذ باللہ)، اس کے بعد تیر لگ کر شکار مرگیا، تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے، کیونکہ پھینکنے کی حالت معتبر ہے، اور اس وقت پھینکنے والا مسلمان تھا، لہٰذا اس کا شکار حلال ہے۔

⑦ لا بإسلامه: أي: لا يحلّ بإسلامه. یعنی شکار کرنے والے کے اسلام لانے سے شکار حلال نہیں ہوگا، مثلاً ایک کافر نے شکار کی طرف تیر پھینکا، اور پھر تیر لگنے سے پہلے اس نے اسلام لایا، اس کے بعد تیر لگ کر شکار مرگیا، تو وہ حلال نہیں ہوگا، کیونکہ تیر پھینکنے کے وقت پھینکنے والا مسلمان نہیں تھا اور اسی حالت کا اعتبار ہوگا۔

⑧ ووجب الجزاء بحلّه: ایک محرم شخص نے حالتِ احرام میں شکار کی طرف تیر پھینکا اور تیر لگنے سے پہلے وہ حلال ہوگیا، اس کے بعد تیر لگ کر شکار مرگیا، تو پھینکنے والے پر شکار کی جزاء واجب ہوگی، کیونکہ پھینکنے کے وقت وہ محرم تھا، اور وہی حالت معتبر ہوگی، اور محرم شخص پر شکار مارنے کی وجہ سے جزاء واجب ہوجائے گی۔

⑨ لا بإحرامه: أي: لا يجب الجزاء بإحرامه. یعنی اگر ایک غیر محرم شخص نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور پھر تیر لگنے سے پہلے اس نے لبیک پڑھ کر احرام باندھ لیا، اس کے بعد تیر لگ کر شکار مرگیا، تو پھینکنے والے پر کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی، کیونکہ تیر پھینکنے کے وقت وہ محرم نہیں تھا۔

☆☆☆

﴿كِتَابُ الدِّيَاتِ﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الديات. یعنی یہ کتاب دیتوں کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے دیت کے احکام جنایات کے بعد لائے، اس لئے کہ جنایت (قتل) کے دو حکم ہیں: ایک قصاص اور دوسرا دیت، تو قصاص کے بعد مناسب یہی ہے کہ دیت کے احکام بیان کیے جائیں۔

دیات جمع ہے دية کی۔① دية مصدر ہے، وَدَى يَدِي کا، اس کے لغوی معنی ہیں: مقتول کے ورثہ کو خون بہا ادا کرنا، پھر خون بہا کے مال کو بھی دية کہا جانے لگا۔ فقہاء کی اصطلاح میں دية وہ مقررہ مال ہے جو انسان یا اس کے جسم کے کسی حصے کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے۔ دية کو عَقْل اور أَرْش بھی کہا جاتا ہے، مگر اکثر اوقات أرش کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو قتل سے کم جسم کے کسی حصے کے مقابلے میں ہوتا ہے۔

دیت کی مشروعیت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ. [نساء:۹۲] ''اور جس نے کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور دیت ہیں، جو اس کے رشتہ داروں کو ادا کی جائے گی''۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہلِ یمن کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں لکھا ہوا تھا: ''انسان کی جان کی دیت سو اونٹ ہے''۔ [نسائی] مصنفؒ نے دیت سے متعلق اٹھارہ (۱۸) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

> ① دِيَةُ شِبْهِ الْعَمْدِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَاعًا مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ إِلَى جَذَعَةٍ ② وَلَا تَغْلِيظَ إِلَّا فِي الْإِبِلِ ③ وَالْخَطَأِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَخْمَاسًا اِبْنُ مَخَاضٍ، وَبِنْتُ مَخَاضٍ، وَبِنْتُ لَبُوْنٍ، وَحِقَّةٌ، وَجَذَعَةٌ ④ أَوْ أَلْفُ دِيْنَارٍ، أَوْ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ.

ترجمہ: شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہے، چار حصے ہو کر، بنت مخاض سے جذعہ تک۔ اور سختی نہیں ہوگی مگر اونٹوں میں۔ اور خطاء کی سو اونٹ ہے، پانچ حصے ہو کر، ابن مخاض، بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ۔ اور ہزار دینار ہیں، یا دس ہزار دراہم ہیں۔

لغات:

أرباع: جمع ہے رُبع کی چوتھائی، یعنی چار چوتھائیاں، چار حصے۔ بنت مخاض: ایک سال کی اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہوئی ہو۔ جذعة: چار سالہ اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہوئی ہو۔ بنت لبون: وہ اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہوئی ہو۔

① دية اصل میں وَدْيٌ تھا، پھر ''واو'' کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں ''ة'' لایا، جیسے وَعْد سے عِدَة اور وَزْن سے زِنَة۔

حقة: جو چوتھے سال میں داخل ہوئی ہو۔ جذعة: جو پانچویں سال میں داخل ہوئی ہو۔

تشریح:

❶ دية شبه العمد مائة من ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ قتل شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہے، جن کے چار حصے ہوں گے: پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سو اونٹوں کے تین حصے ہوں گے: تیس جذعہ، تیس حقہ اور چالیس ثنیہ (پانچ سال سے زیادہ عمر کی اونٹنی)، اور یہ چالیس سب کی سب حاملہ ہوں گی۔ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: شبہ عمد کا مقتول کوڑے اور لاٹھی کا مقتول ہے، اور اس میں سو اونٹ ہیں، جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں اولاد ہوں گی۔ [ابوداؤد] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تیس حقے اور تیس جذعے ہوں گی۔ [ہدایہ] حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کی جان میں سو اونٹ ہیں۔ [ابوداؤد] اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سو اونٹوں کے چار حصے ہوں گے۔ [ہدایہ]

❷ ولا تغليظ إلا في الإبل: مسئلہ یہ ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں قاتل پر تغلیظ (سختی) ہوگی، شیخینؒ کے نزدیک تغلیظ کی صورت یہ ہے کہ سو اونٹوں کے چار حصے بنائے جائیں، اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین حصے بنائے جائیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کو "دیت مغلظہ" کہتے ہیں۔ اور تغلیظ صرف اونٹوں میں ہوگی، اگر قاتل اونٹوں کے علاوہ دراہم یا دنانیر سے دیت ادا کرنا چاہے تو اس میں تغلیظ نہیں ہوگی، کیونکہ اس بارے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے، اور رائے وقیاس سے تغلیظ کا حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

❸ والخطأ مائة من الإبل أخماسا ابن مخاض ....إلخ: أي: دية الخطأ مائة... قتل خطاء کی دیت سو اونٹ ہے، جن کے پانچ حصے ہوں گے: بیس ابن مخاض، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ ہوں گی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قتل خطاء کی دیت اسی ترتیب سے مقرر فرمائی۔ [ترمذی] اس میں شبہ عمد کی دیت کی بہ نسبت تخفیف[1] ہے۔ قتل خطاء میں قاتل معذور ہے، قصداً قتل نہیں کرتا، غلطی سے ہو جاتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

❹ أو ألف دينار، أو عشرة آلاف درهم: یعنی قتل خطاء کی دیت یا سو اونٹ ہے، یا ایک ہزار دینار (۴،۳۷۴ کلو گرام سونا) ہے، یا دس ہزار دراہم (۶۱۸، ۳۰ کلوگرام چاندی) ہے، قاتل کی مرضی ہے جو دینا چاہے دے دے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دراہم میں سے بارہ ہزار ہوں گے، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے قتل خطاء کی دیت بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائی۔ [ترمذی]

ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قتل خطاء میں دس ہزار دراہم کا فیصلہ فرمایا۔ [ابوداؤد]

---

① تخفیف اس طرح ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹوں کے چار حصے بنتے ہیں، اور خطاء کی دیت میں پانچ حصے بنتے ہیں۔ ہم لوگوں کو اگر چہ اس میں کوئی خاص تخفیف نظر نہیں آرہی، لیکن عربوں کے ماحول میں جو اونٹوں کے لین دین کا تجربہ رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ قتل خطاء کی دیت میں تخفیف و آسانی ہے شبہ عمد کی بہ نسبت۔

اور بارہ ہزار والی روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ دراہم تھے جن کا وزن چھ دینار کے برابر تھا، اس کے مطابق دیت بارہ ہزار دراہم بنتی ہے، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے ختم کر دیا اور وہ دراہم رائج کئے جو سات دینار کے برابر ہیں، اس کے مطابق دیت دس ہزار بنتی ہے، نہ کہ بارہ ہزار۔ دراہم کے وزن سے متعلق تفصیل كتاب الزكاة/ باب زكاة المال/ مسئلہ نمبر (۵) میں دیکھیں۔

❺ وَكَفَّارَتُهُمَا مَا ذُكِرَ فِي النَّصِّ ❻ وَلَا يَجُوزُ الْإِطْعَامُ، وَالْجَنِينُ ❼ وَيَجُوزُ الرَّضِيعُ لَوْ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمًا ❽ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا ❾ وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور دونوں کا کفارہ وہ ہے جو آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے۔ اور جائز نہیں ہے کھانا کھلانا اور پیٹ کا بچہ (آزاد کرنا)۔ اور جائز ہے دودھ پیتا بچہ، بشرطیکہ اس کے ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو۔ اور عورت کی دیت آدھی ہے مرد کی دیت سے، جان میں اور اس سے کم میں۔ اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

تشریح:

❺ **وكفارتهما ما ذكر في النص:** مسئلہ یہ ہے کہ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء دونوں میں کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور کفارہ وہ ہے جو آیت کریمہ میں مذکور ہے، کہ یا تو مسلمان غلام آزاد کرے، یا مسلسل دو مہینے روزے رکھے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ.... فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ. [نساء:۹۲] ''اور جس نے کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے جو ادا کر دی جائے اس کے رشتہ داروں کو، اور جس نے (غلام) نہیں پایا تو دو مہینے مسلسل روزے ہیں''۔ کفارہ اور دیت کے حکم میں شبہ عمد اور خطاء برابر ہیں۔

❻ **ولا يجوز الإطعام، والجنين:** قتل کے کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا، اور وہ غلام آزاد کرنا جو باندی کے پیٹ میں ہو جائز نہیں ہیں، کیونکہ مذکورہ آیت [نساء:۹۲] میں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں ہے، اور رائے و قیاس سے کفارہ کا اندازہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اور پیٹ کا بچہ آزاد کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ ابھی تک نہ اس کا زندہ ہونا معلوم ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح سالم ہے یا معیوب ہے۔ اور كتاب الطلاق/ باب الظهار/ فصل مسئلہ نمبر (۱۷) میں گزر گیا ہے کہ معیوب غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

❼ **ويجوز الرضيع لو أحد أبويه مسلما:** أي: يجوز تحرير الرضيع لو كان أحد.... مسئلہ یہ ہے کہ دودھ پیتے چھوٹے غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے، کیونکہ آزاد کرنے میں چھوٹے بڑے کا فرق نہیں ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو، تا کہ مسلمان ماں یا مسلمان باپ کا تابع ہو کر بچہ کو بھی مسلمان شمار کیا جائے۔ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو بطریق اولیٰ اس کو آزاد کرنا صحیح ہے۔ اور اگر غلام بچے کے ماں باپ دونوں کافر ہوں تو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں

ہے، کیونکہ ماں باپ کا تابع ہو کر بچہ بھی کافر شمار ہوگا، اور کافر غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

❽ ودية المرأة على النصف من دية الرجل في .... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی دیت مطلقاً مرد کی دیت کی آدھی ہے، خواہ قتل کی دیت ہو، یا اس سے کم اطراف (ہاتھ پاؤں) کی دیت ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔ [بیہقی] نیز عورت کی حالت مرد کی حالت سے ناقص ہے، اور اس کی منفعت بھی مرد کی منفعت سے کم ہے، اور اس نقصان کا اثر دیت میں بھی ظاہر ہوگا۔

❾ ودية المسلم والذمي سواء: مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ذمی کی دیت اس کے ذمہ میں ہزار دینار ہے۔ [ابوداؤد]

امام مالکؒ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار درہم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف ہے۔ [ترمذی] اور مسلمان کی دیت ان کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے، اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے، کیونکہ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ [بیہقی]

ہم کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی روایت کا راوی مجہول و نامعلوم ہے، لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، اور امام مالکؒ کی روایت سے ہماری روایت مشہور ہے، کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ اسی کے مطابق تھا۔ [ہدایہ]

☆☆☆

﴿فَصْلٌ﴾

أي: هذا فصل في بيان ديات الأطراف. یعنی یہ فصل اطراف (بدن کے اعضاء) کی دیتوں کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے نفس (جان) کی دیت کے احکام سے فارغ ہو کر اطراف کی دیت کے احکام شروع فرمائے۔ اس فصل میں نو (۹) مسائل ہیں۔

> ❿ فِي النَّفْسِ، وَالْمَارِنِ، وَاللِّسَانِ، وَالذَّكَرِ، وَالْحَشَفَةِ، وَالْعَقْلِ، وَالسَّمْعِ، وَالْبَصَرِ، وَالشَّمِّ، وَالذَّوْقِ، وَاللِّحْيَةِ إِنْ لَمْ تَنْبُتْ، وَشَعْرِ الرَّأْسِ، وَالْعَيْنَيْنِ، وَالْيَدَيْنِ، وَالشَّفَتَيْنِ، وَالْحَاجِبَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ، وَالْأُذُنَيْنِ، وَالْأُنْثَيَيْنِ، وَثَدْيَيِ الْمَرْأَةِ الدِّيَةُ ⓫ وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ.

ترجمہ: جان میں، ناک کے کنارہ میں، زبان میں، ذکر میں، سپاری میں، عقل میں، شنوائی میں، بینائی میں، سونگھائی میں،

ذائقہ میں، داڑھی میں بشرطیکہ نہ اُگے، سر کے بالوں میں، دونوں آنکھوں میں، دونوں ہاتھوں میں، دونوں ہونٹوں میں، دونوں آبروؤں میں، دونوں پاؤں میں، دونوں کانوں میں، دونوں خصیوں میں اور عورت کی دونوں پستانوں میں (مکمل) دیت ہے۔ اوران چیزوں میں سے ہرایک میں آدھی دیت ہے۔

لغات:

المارن: ناک کا نرم کنارہ۔ الحشفة: سپاری، ذکر کا سر۔ الأنثيين: خصيتين۔ ثدييي: تثنیہ ہے ثدي کا، پستان۔

تشریح:

⓾ في النفس، والمارن، واللسان، و ...إلخ: عبارت کے آخر میں الدية مبتدائے مؤخر ہے، اور في النفس سے لے کر آخر تک تمام معطوفات مل کر خبر مقدم ہیں۔ اس مسئلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو ایسا نقصان پہنچایا جس سے اس کے بدن کی مکمل منفعت ختم ہوئی، یا اس کا حسن و جمال ختم ہو گیا، تو مکمل دیت واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ یہ ہے کہ: ◎ غلطی سے کسی کو جان سے مارنے میں پوری دیت ہے۔ ◎ ناک کا نرم حصہ کاٹنے میں پوری دیت ہے، کیونکہ اس سے انسان کا حسن مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ ◎ اگر کسی کی زبان، یا ذکر کی سپاری کو کاٹ دیا تو پوری دیت ہے، کیونکہ اس سے بولنے یا جماع کرنے کی منفعت مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ ◎ اگر کسی کو ایسا مارا جس سے اس کی عقل ختم ہو گئی، یا بینائی ختم ہوئی، یا قوت شامہ (سونگھائی) ختم ہوئی، یا ذائقہ ختم ہو گیا تو پوری دیت ادا کرے، کیونکہ ان چیزوں سے بدن کی منفعت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ ◎ اگر کسی کی داڑھی یا سر کے بال ایسے اکھاڑ دیے کہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئے، دوبارہ نہیں اُگے، تو پوری دیت واجب ہو گی، کیونکہ اس سے خوبصورتی مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ ◎ یا کسی کی دونوں آنکھوں کو نکال دیا، یا دونوں ہاتھوں کو کاٹ دیا، یا دونوں ہونٹوں کو کاٹ دیا، تو مکمل دیت ادا کرے، کیونکہ اس سے دیکھنے، پکڑنے اور بولنے کی مکمل منفعت اور حسن و جمال ختم ہو جائے گا۔ ◎ یا دونوں آبروؤں کو ایسا صاف کر دیا کہ دوبارہ نہیں اُگے، یا دونوں پاؤں کو کاٹ دیا، یا دونوں کانوں کو کاٹ دیا، تو مکمل دیت واجب ہو گی، کیونکہ آبروؤں اور کانوں سے حسن و جمال ختم ہو جائے گا، اور پاؤں سے چلنے کی مکمل منفعت ختم ہو جائے گی۔ ◎ اگر کسی کے دونوں خصیوں کو کاٹ دیا تو اس میں بھی مکمل دیت واجب ہو گی، کیونکہ اس سے جماع کی منفعت ختم ہو جائے گی۔ اگر عورت کی دونوں پستانوں کو کاٹ دیا تو اس میں بھی مکمل دیت ہو گی، کیونکہ اس سے دودھ پلانے کی مکمل منفعت ختم ہو جائے گی۔

⓫ وفي كل واحد من هذه الأشياء نصف الدية: یعنی اگر مذکورہ دو دو چیزوں میں سے ایک چیز کاٹ دی، مثلاً ایک ہاتھ کاٹا، یا ایک پاؤں، یا ایک ہونٹ کاٹا تو آدھی دیت واجب ہو گی، کیونکہ اس سے آدھی منفعت یا آدھی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے

☆☆☆

⑫ وَفِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ دِيَةٌ ⑬ وَفِي أَحَدِهَا رُبُعُهَا ⑭ وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ، أَوِ الرِّجْلَيْنِ عُشْرُهَا ⑮ وَمَا فِيهَا مَفَاصِلُ فَفِي أَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ أُصْبُعٍ ⑯ وَنِصْفُهَا لَوْ فِيهَا مَفْصِلَانِ ⑰ وَفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ، أَوْ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ ⑱ وَكُلُّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ: فَفِيهِ دِيَةٌ، كَيَدٍ شَلَّتْ، وَعَيْنٍ ذَهَبَ ضَوْءُهَا.

ترجمہ: اور آنکھوں کی پلکوں میں (مکمل) دیت ہے۔ اور ان میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہے۔ اور ہر انگلی میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں سے دیت کا دسواں ہے۔ اور جس انگلی میں (تین) جوڑ ہوں تو ان میں سے ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کی تہائی ہے۔ اور اس کا نصف ہے اگر انگلی میں دو جوڑ ہوں۔ اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں، یا پانچ سو درہم ہیں۔ اور ہر وہ عضو جس کی منفعت ختم ہو جائے اس میں دیت ہے جیسے ہاتھ شل ہو جائے، اور آنکھ کی بینائی ختم ہو جائے۔

لغات:

أشفار: جمع ہے شُفْر کی، پلک کی جڑ، پپوٹے کا کنارہ جہاں بال اگتے ہیں، مگر یہاں پلکیں مراد ہیں۔ [رد: ۱/۲۶۱، ہدایہ]

تشریح:

⑫ وفي أشفار العينين دية: اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کی دونوں آنکھوں کی تمام پلکیں اس طرح اکھاڑ دیں کہ دوبارہ نہیں اگیں تو اکھاڑنے والا پوری دیت ادا کرے، کیونکہ اس سے آنکھوں کی مکمل خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے، اور مکمل منفعت بھی ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ پلکوں کے ذریعے آنکھوں سے خس و خاشاک کو دفع کیا جاتا ہے، اس لئے مکمل دیت واجب ہوگی۔

⑬ وفي أحدها ربعها: اگر پلکوں میں سے ایک کو اکھاڑ دیا تو چوتھائی دیت ادا کرے، کیونکہ پلکیں چار ہیں، ہر آنکھ کی اوپر نیچے دو پلکیں ہیں، تو چاروں کو اکھاڑنے سے پوری دیت ہوگی، اور دو کو اکھاڑنے سے نصف دیت ہوگی، اور ایک کو اکھاڑنے سے چوتھائی دیت ہوگی۔

⑭ وفي كلّ أصبع من أصابع اليدين، أو الرجلين عشرها: اگر کسی کے ہاتھوں یا پاؤں کی انگلیوں میں سے ایک انگلی کاٹ دی، تو اس میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، آپ ﷺ کا فرمان ہے: ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں۔ [ابوداود]
اور چونکہ ہاتھوں کی ساری انگلیاں ایک عضو کی طرح ہیں، اور پاؤں کی ساری انگلیاں ایک عضو کی طرح ہیں، لہٰذا ہاتھوں کی دسوں انگلیوں کو کاٹ دینے سے مکمل دیت واجب ہوگی، اور ایک انگلی کاٹ دینے سے دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، اور پاؤں کی بھی دسوں انگلیوں میں پوری دیت ہوگی، اور ایک انگلی میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔

⑮ وما فيها مفاصل ففي أحدها ثلث دية أصبع: «ما» سے مراد "أصبع" ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ انگلی جس

میں تین جوڑ ہیں اگر اس میں سے ایک جوڑ کو کاٹ دیا، تو انگلی کی دیت (دس اونٹ) میں سے ایک تہائی (یعنی تین اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی) واجب ہوگی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس انگلی میں دو جوڑ ہیں اگر اس میں سے ایک جوڑ کو کاٹ دیا تو انگلی کی دیت کا نصف (پانچ اونٹ) واجب ہوگا، جیسا کہ اگلے مسئلے میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہاتھوں کی دیت (سو اونٹوں) کو انگلیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح انگلی کی دیت (دس اونٹ) کو جوڑوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

● **ونصفها لو فيها مفصلان:** اگر انگلی میں دو جوڑ ہیں تو ایک جوڑ کو کاٹنے سے انگلی کی دیت کا نصف واجب ہوگا۔

● **وفي كلّ سنّ خمس من الإبل.....الخ:** اگر کسی کا ایک دانت خطاءً توڑ دیا تو اس میں پوری دیت (سو اونٹ) کا بیسواں حصہ واجب ہوگا، یعنی پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ [ابن ماجہ] اور دانت اور داڑھ سب برابر ہیں۔ [ابوداؤد]

● **وكلّ عضو ذهب نفعه: ففيه دية، كيد.....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے کسی عضو پر ایسا مارا جس سے وہ عضو کٹا تو نہیں مگر اس کی منفعت ختم ہوگئی، مثلاً ہاتھ پر مارا جس سے وہ شل ہوگیا، یا آنکھ پر مارا جس سے اس کی بینائی ختم ہوئی، تو مارنے والے پر اس عضو کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ اصل مقصودی چیز منفعت و فائدہ ہے، لہٰذا جب عضو کی منفعت ختم ہوگئی تو دیت واجب ہوگی، اگرچہ عضو کی ظاہری شکل و صورت باقی رہے، اس کا اعتبار نہیں ہے۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الشِّجَاجِ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام الشجاج. یعنی یہ فصل سر اور چہرہ کے زخموں کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے اطراف (اعضاء) کے احکام کے بعد زخموں کے احکام شروع فرمائے، کیونکہ عضو کاٹنے سے کمتر جنایت زخم ہی ہے۔

الشّجاج جمع ہے شجة کی، سر، پیشانی یا چہرہ کے زخم کو کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بدن کے دیگر حصوں کے زخم کو جراحة کہتے ہیں۔ اس فصل میں شجاج کے جو احکام ہیں وہ جراحة پر جاری نہیں ہوتے، کیونکہ شرعی دلیل (حدیث) سے صرف شجاج کا حکم ثابت ہے، لہٰذا جراحة کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ انسان کو سر اور چہرہ کے زخم سے جو عیب لاحق ہوتا ہے وہ بدن کے دیگر حصوں کے زخم سے لاحق نہیں ہوتا۔ [تبیین الحقائق: ۱۳۲/۴] اس فصل میں تیئس (۲۳) مسائل ہیں۔

① فِي الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ ② وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا ③ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ عُشْرٍ ④ وَفِي الْآمَّةِ، أَوِ الْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا ⑤ فَإِنْ نَفَذَتِ الْجَائِفَةُ: فَثُلُثَاهَا ⑥ وَفِي الْحَارِصَةِ، وَالدَّامِعَةِ، وَالدَّامِيَةِ، وَالْبَاضِعَةِ، وَالْمُتَلَاحِمَةِ، وَ السِّمْحَاقِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ ⑦ وَلَا قِصَاصَ فِي غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ.

ترجمہ: موضحہ زخم میں دیت کے دسویں کا نصف ہے۔ اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں ہے۔ اور منقلہ میں دسواں اور دسویں کا نصف ہے۔ اور آمہ میں اور جائفہ میں دیت کی تہائی ہے۔ اور اگر جائفہ آر پار ہو گیا تو دیت کی دو تہائیاں ہیں۔ اور حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سمحاق میں عادل کا فیصلہ ہے۔ اور قصاص نہیں ہے موضحہ کے علاوہ میں۔

لغات:

الموضحة: وہ زخم جس میں سے ہڈی نظر آنے لگے۔ الهاشمة: وہ زخم جس میں ہڈی کو توڑ دیا جائے۔ المنقلة: وہ زخم جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے ہٹ جائے، یا ریزہ ریزہ ہو جائے۔ الآمّة: وہ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔ الجائفة: وہ زخم جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے۔ نفذت: باب نصر (نفوذ) سے ماضی ہے، آر پار ہونا۔ الحارصة: وہ زخم جو کھال کو تھوڑا سا چیر دے، خراش کردے، مگر خون نہ نکلے۔ الدامعة: وہ زخم جس سے قطرہ دو قطرے خون نکلے، مگر بہے نہیں۔ الدامية: وہ زخم جس سے خون نکل کر بہہ جائے۔ الباضعة: وہ زخم جس میں گوشت تک کھال کو کاٹ دیا جائے۔ المتلاحمة: وہ زخم جس میں گوشت کو بھی کاٹ دیا جائے۔ السمحاق: وہ زخم جو سر کی ہڈی (کھوپڑی) تک پہنچ جائے، سمحاق ایک باریک جھلی کا نام ہے جو سر کی ہڈی پر چڑھی ہوئی ہے۔

تشریح:

❶ في الموضحة نصف عشر الدية: اگر ایک شخص نے دوسرے کو سر یا چہرہ پر خطاءً موضحہ زخم لگایا① تو لگانے والے پر دیت کے دسویں کا نصف② یعنی بیسواں حصہ ہے، آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں''۔[ابوداؤد]

❷ وفي الهاشمة عشرها: اگر کسی کے سر یا چہرہ کو ہاشمہ زخم لگایا، خواہ خطاءً ہو یا عمداً ہو③ تو اس میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں''۔[ابوداؤد]

❸ وفي المنقّلة عشر ونصف عشر: اگر منقلہ زخم لگایا خواہ عمداً ہو یا خطاءً ہو تو دیت کا دسواں حصہ اور دسویں کا نصف حصہ لازم ہوں گے، یعنی پندرہ اونٹ۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں''۔[ابوداؤد]

❹ وفي الآمة، والجائفة ثلثها: اگر کسی کے سر یا چہرہ کو آمہ زخم لگایا، یا پیٹ میں جائفہ زخم لگایا④ خواہ عمداً ہو یا خطاءً، تو لگانے والے پر دیت کی ایک تہائی واجب ہوگی، یعنی تینتیس اونٹ اور ایک اونٹ کا تیسرا حصہ، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آمہ میں تہائی دیت ہے''۔[ابوداؤد] ایک اور حدیث میں ہے کہ: ''جائفہ میں تہائی دیت ہے''۔[بیہقی]

❺ فإن نفذت الجائفة: فثلثاها: اگر پیٹ میں ایسا زخم لگایا جو بدن سے آر پار ہو گیا، خواہ عمداً ہو یا خطاءً، تو دیت کی دو تہائیاں واجب ہوں گی، یعنی چھیاسٹھ اونٹ اور ایک اونٹ کے دو حصے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔[تبیین:۶/۱۳۲] کیونکہ یہ دو جائفہ زخم ہیں: ایک پیٹ کی طرف سے اور ایک پیٹھ کی طرف سے۔

❻ وفي الخارصة، والدامعة، والدامية....إلخ: اگر کسی نے دوسرے کو سر یا چہرے پر حارصہ، یا دامعہ، یا دامیہ، یا باضعہ، یا متلاحمہ اور یا سمحاق زخم⑤ خطاءً لگا دیا، تو اس میں ایک عادل اور تجربہ کار آدمی جو فیصلہ کرے وہی واجب ہوگا، کیونکہ ان زخموں میں شریعت کی طرف سے کوئی معین دیت مقرر نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ رائیگاں کر دیں، لہٰذا عادل آدمی کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

❼ ولا قصاص في غير الموضحة: مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ گیارہ قسم کے زخموں میں سے صرف موضحہ ایسا زخم ہے کہ اگر عمداً لگایا جائے تو اس کا قصاص لیا جائے گا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے موضحہ میں قصاص کا فیصلہ فرمایا۔[بیہقی] باقی دس قسم کے زخم اگر چہ عمداً لگائے جائیں ان میں قصاص نہیں ہوگا، بلکہ مقررہ دیت ہوگی، یا عادل آدمی کا فیصلہ ہوگا۔

---

① اگر قصداً موضحہ زخم لگایا تو اس میں قصاص ہے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۷) میں آرہا ہے۔

② دیت سو اونٹ ہے، اس کا دسواں حصہ دس اونٹ ہے، اور اس کا نصف پانچ اونٹ ہے، جو پوری دیت کا بیسواں حصہ بنتا ہے۔

③ ہاشمہ میں قصاص نہیں ہوگا، اگر چہ عمداً ہو، اس لئے کہ اس میں ہڈی توڑ دی جاتی ہے، اور باب القصاص في ما دون النفس مسئلہ نمبر (۶) میں گزر چکا کہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ منقلہ اور آمہ زخموں کا بھی یہی حکم ہے۔

④ جائفہ میں قصاص نہیں ہوتا اگر چہ عمداً ہو، اس لئے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ کے اندر چلا جائے، تو ہوسکتا ہے کہ جس سے قصاص لیا جائے وہ اس سے مر جائے۔

⑤ اگر عمداً یہ زخم لگا دیئے تو ان میں قصاص ہوگا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۷) کی تفصیل میں آرہا ہے۔

لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ماقبل والے مسئلے میں جو زخم ذکر ہوئے وہ اگر عمداً لگائے گئے تو ان میں قصاص ہوگا، کیونکہ ان میں برابری ہوسکتی ہے۔[تکملہ بحر:۹/۹۰]

⑧ وَفِي أَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَلَوْ مَعَ الْكَفِّ ⑨ وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَحُكُومَةُ عَدْلٍ ⑩ وَفِي قَطْعِ الْكَفِّ وَفِيهَا أُصْبُعٌ، أَوْ أُصْبُعَانِ عُشْرُهَا، أَوْ خُمُسُهَا، وَلَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ ⑪ وَفِي الْأُصْبُعِ الزَّائِدَةِ، وَعَيْنِ الصَّبِيِّ، وَذَكَرِهِ، وَلِسَانِهِ إِنْ لَمْ تُعْلَمْ صِحَّتُهُ بِنَظَرٍ، وَحَرَكَةٍ، وَكَلَامٍ حُكُومَةُ عَدْلٍ.

ترجمہ: اور ہاتھ کی انگلیوں میں آدھی دیت ہے، اگرچہ ہتھیلی کے ساتھ ہو، اور آدھے بازو کے ساتھ (کاٹنے میں) آدھی دیت ہے اور عادل کا فیصلہ ہے۔ اور ہتھیلی کاٹنے میں جبکہ اس میں ایک انگلی ہو، یا دو انگلیاں ہوں، دیت کا دسواں ہے، یا اس کا پانچواں ہے، اور ہتھیلی میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور زائد انگلی میں، اور بچے کی آنکھ میں، اور اس کے ذکر میں، اور اس کی زبان میں، اگر ان کا ٹھیک ہونا معلوم نہ ہو دیکھنے سے، حرکت کرنے سے اور بولنے سے تو عادل کا فیصلہ ہے۔

تشریح:

⑧ وفي أصابع اليد نصف الدية ولو مع الكف: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے آدمی کے ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کاٹ دیں تو اس میں نصف دیت (پچاس اونٹ) واجب ہوگی، کیونکہ ماقبل میں ثابت ہوا کہ ایک انگلی میں دس اونٹ ہیں، تو پانچ انگلیوں میں نصف دیت ہوگی۔ اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی تو تب بھی نصف دیت ہوگی، ہتھیلی کا الگ اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ پکڑنے اور کام کاج کرنے میں اصل انگلیاں ہیں، ہتھیلی ان کی تابع ہے۔

⑨ ومع نصف الساعد نصف الدية، وحكومة عدل: اگر کسی کا ہاتھ آدھے بازو سے کاٹ دیا تو انگلیوں اور ہتھیلی میں آدھی دیت ہوگی، اور بازو میں کوئی تجربہ کار عادل آدمی جو فیصلہ کرے وہی واجب ہوگا، کیونکہ بازو کا جو حصہ کاٹا گیا ہے اس میں شریعت کی طرف سے کوئی معین ضمان مقرر نہیں ہے، اور اس کو رائیگاں بھی نہیں چھوڑا جاسکتا، اس لئے عادل آدمی کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

⑩ وفي قطع الكف وفيها أصبع، أو أصبعان .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی ایسی ہتھیلی کاٹ دی جس میں صرف ایک انگلی ہے تو اس میں دیت کا دسواں حصہ (دس اونٹ) ہے، اور اگر ہتھیلی میں صرف دو انگلیاں ہیں تو دیت کا پانچواں حصہ (بیس اونٹ) واجب ہوگا، ہتھیلی میں کچھ بھی نہیں ہوگا، کیونکہ مسئلہ نمبر (۸) میں بیان ہوا کہ اصل انگلیاں ہیں، ہتھیلی ان کی تابع ہے۔

⑪ وفي الأصبع الزائدة، وعين الصبي، وذكره .....إلخ: اگر کسی کے ہاتھ میں چھ انگلیاں ہوں، پھر کسی شخص نے زائد انگلی کاٹ دی، یا چھوٹے بچے کی آنکھ پھوڑ دی، یا اس کا ذکر کاٹ دیا، یا اس کی زبان کاٹ دی، اور ان اعضاء کی صحت اور سلامتی

معلوم نہیں ہے، یعنی یہ معلوم نہیں ہے کہ بچہ اس آنکھ سے دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اور اس کا ذکر حرکت کرتا ہے یا نہیں، اور زبان سے بول سکے گا یا نہیں، تو تمام صورتوں میں عادل آدمی جو فیصلہ کرے وہ کاٹنے والے پر لازم ہوگا، کیونکہ زائد انگلی میں اگرچہ کوئی فائدہ اور خوبصورتی نہیں ہے، مگر انسان کی عزت وکرامت کا تقاضا یہ ہے کہ کاٹنے والے سے کچھ تاوان لیا جائے۔ اور بچے کی آنکھ، ذکر اور زبان میں بھی چونکہ ابھی تک منفعت وفائدہ معلوم نہیں ہے، اس لئے دیت واجب نہیں ہوگی، مگر کاٹنے والے سے کچھ تاوان لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بچے کی آنکھ، ذکر اور زبان کاٹنے میں پوری دیت واجب ہوگی، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ بچے کے اعضاء صحیح سالم ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ شک اور گمان کی بنیاد پر پوری دیت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ [ہدایہ]

⑫ شَجَّ رَجُلًا، فَذَهَبَ عَقْلُهُ، أَوْ شَعْرُ رَأْسِهِ: دَخَلَ أَرْشُ الْمُوْضِحَةِ فِي الدِّيَةِ ⑬ وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ، أَوْ بَصَرُهُ، أَوْ كَلَامُهُ: لَا ⑭ وَإِنْ شَجَّهُ مُوْضِحَةً، فَذَهَبَتْ عَيْنَاهُ، أَوْ قَطَعَ أُصْبُعَهُ، فَشَلَّتْ أُخْرَى، أَوِ الْمَفْصِلَ الْأَعْلَى، فَشَلَّ مَا بَقِيَ، أَوْ كُلُّ الْيَدِ، أَوْ كَسَرَ نِصْفَ سِنِّهِ، فَاسْوَدَّ مَا بَقِيَ: فَلَا قَوَدَ.

ترجمہ: کسی آدمی کو زخمی کیا پھر اس کی عقل ختم ہوگئی، یا اس کے سر کے بال (جھڑ گئے)، تو موضحہ کا تاوان داخل ہوگا دیت میں۔ اور اگر ختم ہوئی اس کی شنوائی، یا بینائی، یا گویائی تو نہیں۔ اور اگر اس کو موضحہ زخم لگایا پس اس کی دونوں آنکھیں ختم ہوئیں، یا اس کی انگلی کاٹ دی پس دوسری شل ہوئی، یا اوپر والا جوڑ (کاٹ دیا) پس باقی (انگلی) شل ہوگئی، یا سارا ہاتھ (شل ہوگیا)، یا آدھا دانت توڑ دیا پھر کالا ہوگیا باقی، تو قصاص نہیں ہے۔

تشریح:

⑫ شَجَّ رجلا، فذهب عقله، أو ....الخ: اس مسئلہ میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ اگر ایک جنایت کی وجہ سے دو چیزیں ہلاک ہوئیں، ایک چیز کا تاوان زیادہ اور دوسری چیز کا کم ہے، تو جنایت کرنے والے پر زیادہ تاوان آئے گا، کم تاوان اس میں داخل ہوجائے گا، مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کو سر پر ایسا زخم لگایا جس سے مضروب کی عقل ختم ہوگئی، یا سر کے سارے بال ایسے جھڑ گئے کہ پھر نہیں اُگے، تو مارنے والے پر عقل کی وجہ سے یا بالوں کی وجہ سے مکمل دیت (مثلاً سو اونٹ) واجب ہوئی، اور زخم کا تاوان اس میں داخل ہوجائے گا، کیونکہ عقل ختم ہونے کی وجہ سے گویا انسان مرگیا، لہٰذا اس کی مکمل دیت واجب ہوگی، اور مکمل دیت بدن کے سارے اعضاء کو شامل ہوگی، اس لئے زخم کا علیحدہ تاوان نہیں ہوگا۔

⑬ وإن ذهب سمعه، او بصره، أو كلامه: لا: أي: لا يدخل الأرش في الدية. یعنی اگر کسی نے دوسرے کو سر پر ایسا زخم لگایا جس سے مضروب کی شنوائی ختم ہوئی، یا بینائی ختم ہوئی، یا قوت گویائی ختم ہوئی تو زخم کا تاوان دیت میں داخل

نہیں ہوگا، بلکہ شنوائی یا بینائی یا گویائی کی وجہ سے مکمل دیت واجب ہوگی اور زخم کا تاوان الگ ہوگا، اس لئے کہ سمع، بصر اور کلام میں سے ہر ایک الگ الگ قوت ہے اور ہر ایک کا تعلق ایک خاص عضو سے ہے، لہٰذا ان کی دیت بدن کے دیگر اعضاء کو شامل نہیں ہوگی، اس لئے زخم کا الگ تاوان ہوگا۔ اس کے برخلاف ماقبل مسئلے میں عقل کی منفعت کسی ایک عضو کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ بدن کے تمام اعضاء کو اس کی منفعت شامل ہے، لہٰذا عقل کی دیت بھی بدن کے تمام اعضاء کو شامل ہوگی، جس میں زخم کا تاوان بھی داخل ہوگا۔

⑭ وإن شجه موضحة، فذهبت عيناه، أو قطع أصبعه .....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو عمداً سر پر موضحہ زخم لگایا جس سے مضروب کی دونوں آنکھوں کی بینائی ختم ہوئی، یا عمداً ایک انگلی کاٹ دی جس کی وجہ سے ساتھ والی انگلی شل ہوگئی، یا انگلی کو اوپر والے جوڑ سے عمداً کاٹ دیا جس کی وجہ سے باقی ماندہ انگلی شل ہوگئی، یا سارا ہاتھ شل ہوگیا، یا کسی کے آدھے دانت کو عمداً توڑ دیا جس کی وجہ سے باقی ماندہ دانت کالا ہوگیا، تو تمام صورتوں میں جنایت کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قصاص وہاں ہوتا ہے جہاں برابری ممکن ہو، جبکہ یہاں برابری کا کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ جنایت کرنے والے کو ایسا موضحہ زخم نہیں لگایا جاسکتا جس کی وجہ سے دوسری انگلی شل ہوجائے، اسی طرح اور صورتوں میں بھی برابری کا قصاص نہیں لیا جاسکتا۔

لہٰذا پہلی صورت میں آنکھوں کی مکمل دیت (سو اونٹ) دے دے، اور دوسری صورت میں دونوں انگلیوں کی دیت (بیس اونٹ) دے، اور تیسری صورت میں اوپر والے جوڑ کی دیت (تین اونٹ اور ایک اونٹ کا تیسرا حصہ) دے، اور باقی ماندہ انگلی میں عادل کا فیصلہ ہوگا، اور چوتھی صورت میں ہاتھ کی دیت (پچاس اونٹ) دے، اور پانچویں صورت میں دانت کی دیت (پانچ اونٹ) دے دے۔

⑮ وَإِنْ قَلَعَ سِنَّهُ، فَنَبَتَتْ مَكَانَهَا أُخْرَى: سَقَطَ الْأَرْشُ ⑯ وَإِنْ أُقِيدَ فَنَبَتَتْ سِنُّ الْأَوَّلِ: تَجِبُ الدِّيَةُ ⑰ وَإِنْ شَجَّ رَجُلًا فَالْتَحَمَ، وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ، أَوْ ضَرَبَ فَجَرَحَ، فَبَرِئَ، وَذَهَبَ أَثَرُهُ: فَلَا أَرْشَ ⑱ وَلَا قَوَدَ بِجُرْحٍ حَتَّى يَبْرَأَ.

ترجمہ: اور اگر کسی کا دانت اکھاڑ دیا، پھر نکل آیا اس کی جگہ دوسرا دانت، تو تاوان ساقط ہوگیا۔ اور اگر قصاص لیا گیا، پھر پہلے (آدمی) کا دانت نکل آیا تو دیت واجب ہوگی۔ اور اگر کسی کو سر پر زخم لگایا، پھر وہ بھر گیا اور باقی نہ رہا اس کا اثر، یا (بدن کے کسی اور حصے پر) مار کر زخمی کر دیا پھر ٹھیک ہوگیا اور اس کا اثر جاتا رہا، تو تاوان نہیں ہے۔ اور قصاص نہیں ہوگا زخم کی وجہ سے یہاں تک کہ ٹھیک ہوجائے۔

تشریح:

⑮ وإن قلع سنّه، فنبتت مكانها .....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کا دانت اکھاڑ دیا اور پھر کچھ دنوں بعد اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آیا، تو نکالنے والے سے دیت وغیرہ تاوان ساقط ہوجائے گا۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اُس سے پورا تاوان لیا جائے گا، کیونکہ اس نے جنایت کی ہے تو اس کا تاوان لازماً دینا پڑے گا، اور نیا

دانت جو نکل آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے، اس کی وجہ سے جنایت ختم نہیں ہوتی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نئے دانت نکل آنے سے معنوی طور پر جنایت ختم ہوگئی، کیونکہ اس کا اثر باقی نہیں رہا، نہ منفعت ختم ہوئی اور نہ خوبصورتی، لہٰذا تاوان بھی ساقط ہو جائے گا۔

⑯ وإن أقيد، فنبتت سنُّ الأول: تجب الدية: أُقِيدَ جیسے أُقِيمَ باب إفعال (أقاد، يُقيد، إقادةً) سے ماضی مجہول ہے، اصل میں أُقْيِدَ تھا، جیسے أُكْرِمَ بمعنی: قصاص لیا گیا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے قصداً دوسرے کا دانت اکھاڑ دیا، اس کے بعد ضارب سے قصاص لیا گیا، یعنی اس کا دانت بھی اکھاڑ دیا گیا، پھر کچھ دنوں بعد پہلے آدمی (یعنی مضروب) کا دانت نکل آیا، تو اس پر واجب ہے کہ ضارب کا جو دانت قصاص میں اکھاڑ دیا ہے اس کی دیت ادا کر دے، کیونکہ مضروب کا دانت جب نکل آیا تو معنوی طور پر ضارب کی جنایت ختم ہوگئی، گویا اس نے جنایت کی ہی نہیں، تو مضروب نے ناحق قصاص لے کر اس کا دانت اکھاڑ دیا، لہٰذا مضروب پر واجب ہے کہ ضارب کو دانت کی دیت ادا کرے۔

⑰ وإن شجّ رجلا فالتحم، ولم يبق له أثر، أو ضرب ..... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو سر یا چہرہ پر مار کر زخمی کر دیا، یا بدن کے کسی اور حصے پر مار کر زخمی کر دیا، اور پھر وہ زخم ایسا بھر گیا جس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، تو مارنے والے پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ زخم ٹھیک ہونے سے معنوی طور پر جنایت ختم ہو جاتی ہے، گویا جنایت ہوئی نہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مارنے والے سے درد اور تکلیف پہنچانے کا تاوان لیا جائے گا، جس کا فیصلہ عادل آدمی کرے گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے علاج معالجے اور دوائی کا خرچہ لیا جائے گا۔

⑱ ولا قود بجرح حتى يبرأ: اگر کسی شخص نے دوسرے کو عمداً زخم لگایا، تو ضارب سے فوری طور قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ کچھ عرصے تک انتظار کیا جائے گا، تاکہ زخم کا آخری انجام معلوم ہو جائے، کہ اس سے مضروب مر جائے گا یا ٹھیک ہو جائے گا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”زخموں میں ایک سال تک تاخیر کی جائے گی“۔ [ہدایہ]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ضارب سے فوراً قصاص لیا جائے گا، کیونکہ قصاص کا سبب (زخم) موجود ہے، تو یہ ایسا ہے جیسے قصداً قتل کر دے، تو قاتل سے فوراً قصاص لیا جائے گا۔ مگر مذکورہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف ہماری حجت ہے۔

> ⑲ وَكُلُّ عَمْدٍ سَقَطَ قَوَدُهُ بِشُبْهَةٍ، كَقَتْلِ الْأَبِ ابْنَهُ عَمْدًا: فَدِيَتُهُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ ⑳ وَكَذَا مَا وَجَبَ صُلْحًا، أَوْ اِعْتِرَافًا، أَوْ لَمْ يَكُنْ نِصْفَ الْعُشْرِ ㉑ وَعَمْدُ الصَّبِيِّ، وَالْمَجْنُوْنِ خَطَأٌ، وَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ ㉒ وَلَا تَكْفِيْرَ فِيْهِ، وَلَا حِرْمَانَ ㉓ وَالْمَعْتُوْهُ كَالصَّبِيِّ.

ترجمہ: اور ہر وہ عمد جس کا قصاص شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے جیسے باپ کا عمداً اپنے بیٹے کو قتل کرنا، اس کی دیت قاتل کے مال میں ہے۔ اور اسی طرح وہ (مال) جو واجب ہو جائے صلح یا اقرار سے، یا دسویں کا آدھا نہ ہو۔ اور بچے اور پاگل کا عمد خطاء ہے، اور اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔ اور اس میں کفارہ دینا نہیں ہے، اور نہ (میراث سے) محروم ہونا ہے۔ اور معتوہ بچے کی طرح ہے۔

تشریح:

⑲ **و كلّ عمد سقط قوده بشبهة....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ قتلِ عمد جس میں شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے، مثلاً باپ اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دے، تو اس کی دیت قاتل اپنے مال سے ادا کرے، عاقلہ پر کچھ نہیں ہوگا، حدیث میں ہے کہ عاقلہ عمد کی دیت ادا نہیں کریں گے۔ [ہدایہ] اور اس لئے بھی کہ عاقلہ سے دیت لینے کا حکم اس لئے ہے تاکہ قاتل پر تخفیف اور آسانی ہو، اور ظاہر ہے کہ آسانی کا مستحق وہ قاتل ہے جس سے سہواً غلطی میں قتل ہو جائے، نہ کہ وہ قاتل جو عمداً قتل کرے۔

⑳ **و كذا ما وجب صلحا، أو اعترافا، أو لم يكن نصف عشر:** اور اسی طرح قتل کا وہ تاوان جو صلح کرنے کی وجہ سے واجب ہو جائے، یا قاتل خود قتل خطاء کا اقرار کر لے اور اس کی وجہ سے دیت واجب ہو جائے، یا تاوان اتنا کم ہو کہ دسویں کے آدھے (مثلاً پانچ اونٹ، یا پانچ سو درہم) کو بھی نہیں پہنچتا، ان تینوں صورتوں میں دیت عاقلہ پر نہیں ہوگی، بلکہ خود مجرم سے لی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عاقلہ عمد، صلح اور اقرار کی دیت ادا نہیں کریں گے۔ [رمز:۲/۴۴۶] اور اس لئے بھی کہ صلح کا مال عقد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور عاقلہ وہ دیت برداشت کرتے ہیں جو براہ راست قتل خطاء کی وجہ سے ثابت ہو جائے، نہ کہ عقد کی وجہ سے۔

اور اقرار ایسا تصرف ہے جو صرف مُقِر (اقرار کرنے والے) کے حق میں ظاہر ہوتا ہے، دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور وہ دیت جو نصف عشر سے بھی کم ہو (جیسے كتاب الديات مسئلہ نمبر (۱۵) کی صورت میں) وہ مجرم کیلئے ادا کرنا آسان ہے، لہٰذا عاقلہ سے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

㉑ **وعمد الصبي والمجنون خطأ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر نابالغ بچہ اور پاگل نے عمداً کوئی جنایت کی تو ان کا عمد بھی خطاء شمار ہوگا، لہٰذا ان پر قصاص نہیں ہوگا، اور دیت ان کے عاقلہ پر ہوگی۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان کا عمد عمد ہی ہے، لہٰذا شبہ کی وجہ سے اگرچہ قصاص ان سے ساقط ہو جائے گا، مگر دیت خود ان پر ہوگی، نہ کہ عاقلہ پر، کیونکہ عمد قصد و ارادے کا نام ہے، اور بچہ اور پاگل بھی قصد کر سکتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پاگل کی دیت کا فیصلہ اس کے عاقلہ پر کیا، اور فرمایا کہ اس کا عمد اور خطاء برابر ہیں۔ [ہدایہ]

اور ہم یہ بات نہیں مانتے کہ بچہ اور پاگل قصد کر سکتے ہیں، کیونکہ قصد و ارادہ کرنا عقل سے ہوتا ہے، اور بچے کی عقل ناقص ہوتی ہے، اور پاگل میں ہوتی نہیں، لہٰذا ان کا قصد معدوم کے حکم میں ہے۔

㉒ **ولا تكفير فيه، ولا حرمان:** یعنی اگر بچے یا پاگل نے اپنے قریبی رشتہ دار کو عمداً قتل کر دیا، تو یہ قتل اگرچہ قتل

خطاء شمار ہوگا، مگر اس میں بچہ یا پاگل پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور بچہ پاگل مقتول کی میراث سے محروم بھی نہیں ہوگا، اس لئے کہ کفارہ لازم ہونا، یا میراث سے محروم ہونا گناہ کی سزا ہے، حالانکہ بچہ اور پاگل مرفوع القلم ہیں، ان سے گناہ کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بچے پر بلوغ کے بعد اور پاگل پر ٹھیک ہونے کے بعد کفارہ لازم ہے، اور وہ میراث سے محروم ہونگے۔

● والمعتوه كالصبي: یعنی مذکورہ احکام میں معتوہ بچے کی طرح ہے، لہٰذا اس کا بھی عمداً جنایت کرنا خطاء شمار ہوگا، اور اس پر نہ کفارہ ہوگا، اور نہ وہ مقتول کی میراث سے محروم ہوگا، کیونکہ بچے کی طرح معتوہ کی بھی عقل نہیں ہوتی۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابٌ فِي الْجَنِيْنِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام الجنين. یعنی یہ باب جنین کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے پہلے کامل انسان کے احکام بیان فرمائے، اس کے بعد جنین کے احکام لائے، کیونکہ جنین کامل انسان کے جزء کی طرح ہے، اور جزء کُل کے بعد ہوتا ہے۔

جنین بروزنِ فعیل، بمعنی مفعول مجنون ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں: ''چھپا ہوا''۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: ''وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو''۔ بچہ بھی چونکہ ماں کے پیٹ میں چھپا ہوتا ہے اس لئے اُسے جنین کہتے ہیں۔ پاگل کو بھی مجنون اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی عقل چھپی ہوتی ہے۔ جنین بھی زندہ انسان ہے، لہٰذا اس کو قتل کرنے یا نقصان پہنچانے سے متعلق شریعت کے احکام موجود ہیں، لیکن اس کا حکم کامل انسان سے کم درجہ کا ہے، کیونکہ ابھی تک یقین سے اس کی زندگی کا علم نہیں ہے، اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح سالم ہے یا معیوب ہے۔ اس باب میں کُل تیرہ (۱۳) مسائل ہیں۔

❶ ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَةٍ، فَأَلْقَتْ جَنِيْنًا مَيِّتًا: تَجِبُ غُرَّةٌ: نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ ❷ فَإِنْ أَلْقَتْ حَيًّا، فَمَاتَ: فَدِيَةٌ ❸ وَإِنْ أَلْقَتْ مَيِّتًا، فَمَاتَتِ الْأُمُّ: فَدِيَةٌ وَغُرَّةٌ ❹ وَإِنْ مَاتَتْ، فَأَلْقَتْ مَيِّتًا: فَدِيَةٌ فَقَطْ ❺ وَمَا يَجِبُ فِيْهِ يُوْرَثُ عَنْهُ ❻ وَلَا يَرِثُ الضَّارِبُ ❼ فَلَوْ ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَتِهٖ فَأَلْقَتْ اِبْنَهٗ مَيِّتًا: فَعَلٰى عَاقِلَةِ الْأَبِ غُرَّةٌ ❽ وَلَا يَرِثُ مِنْهَا.

ترجمہ: کسی عورت کے پیٹ پر مارا، پس اس نے گرادیا مردہ بچہ، تو غرّہ واجب ہے، دیت کے دسویں کا نصف۔ اور اگر زندہ گرایا پھر مرگیا، تو دیت ہے۔ اور اگر مردہ گرایا پھر ماں بھی مرگئی، تو دیت اور غرّہ ہیں۔ اور اگر (ماں) مرگئی پھر مردہ گرایا، تو صرف دیت ہے۔ اور جو اس میں واجب ہوجائے وہ میراث میں لیا جائے گا اس سے۔ اور میراث نہیں لے گا مارنے والا۔ پس اگر اپنی بیوی کے پیٹ پر مارا اور اس کا مرا ہوا بیٹا گرادیا، تو باپ کے عاقلہ پر غرّہ ہے۔ اور (باپ) اس سے میراث نہیں لے گا۔

تشریح:

❶ ضرب بطن امرأة، فالقت جنينا ميتا ....إلخ: غُرَّةٌ مبدل منہ ہے، اور نصف عشر الدية اس کا بدل ہے۔ [رمز] مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی حاملہ عورت کو پیٹ پر مارا جس سے عورت نے مردہ بچہ گرادیا، تو مارنے والے پر غرّہ واجب ہوگا۔ غرّہ مرد کی دیت کے دسویں کا نصف ہے، جو پانچ سو درہم بنتا ہے۔[1] مرا ہوا بچہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ حدیث میں ہے کہ

[1] یعنی ۹ء ۱۵۳۰ گرام چاندی۔ یہ مقدار مرد کی دیت کے دسویں کا نصف ہے، اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جنین میں غرّہ ہے، یعنی غلام یا باندی جس کی قیمت پانچ سو درہم ہو۔ [ابوداؤد، بخاری] غرّة کے لغوی معنی ہیں: ہر چیز کا پہلا اور عمدہ حصہ، روشنی، چمک۔ فقہ کی اصطلاح میں دیت کے دسویں کے نصف حصے کو غرّة کہا جاتا ہے۔

② **فإن ألقت حيا، فمات: فدية:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر عورت نے زندہ بچہ گرایا پھر مر گیا، تو مارنے والے پر مکمل دیت واجب ہوگی، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ اسی چھوٹ سے مرا ہے جو مارنے والے نے اُسے لگائی ہے۔

③ **وإن ألقت ميتا، فماتت الأم: فدية وغرّة:** اگر حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے عورت نے مردہ بچہ گرادیا اور پھر بچے کی ماں بھی مر گئی، تو مارنے والے پر ماں کے قتل کی وجہ سے مکمل دیت ہے، اور بچے کی وجہ سے غرّہ ہوگا، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ عورت اور بچے دونوں کا قتل مارنے کی وجہ سے ہوا ہے، تو مارنے والے نے دو جنایتیں کی ہیں، لہٰذا دو تاوان ادا کرے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی صورت میں دیت اور غرّہ دونوں کا فیصلہ فرمایا۔ [بخاری]

④ **وإن ماتت، فألقت ميتا: فدية فقط:** اگر مذکورہ صورت میں پہلے عورت مر گئی اور اس کے بعد اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلا، تو ضارب پر صرف عورت کی مکمل دیت ہے، جنین میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنین کا غرّہ بھی واجب ہوگا، کیونکہ ماقبل مسئلے کی طرح یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ بچے کی موت مارنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بچے کی موت کے دو سبب ہو سکتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مارنے کی وجہ سے مر گیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کے مرنے کی وجہ سے وہ دم گھٹ کر مر گیا ہو، کیونکہ بچہ ماں کے سانس لینے سے سانس لیتا ہے، پس بچے کی موت کے سبب میں شک آ گیا، اور شک کی وجہ سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا بچے کا غرّہ واجب نہیں ہوگا۔

⑤ **وما يجب فيه يورث عنه:** «ہ» اور «ۂ» ضمائر کا مرجع جنین ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل صورت میں جنین میں جو کچھ واجب ہو جائے، خواہ غرّہ ہو یا دیت وہ اس کی طرف سے اس کے ورثہ کو میراث میں دیا جائے گا، کیونکہ واجب شدہ مال جنین کے نفس کا بدل ہے، اور نفس کا بدل ورثہ کا حق ہے۔

⑥ **ولا يرث الضارب:** یعنی اگر عورت کو پیٹ پر مارنے والا بھی جنین کے ورثہ میں سے ہو تو جنین کے غرّہ یا دیت میں سے اس کو حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ وہ جنین کا قاتل ہے، اور قاتل کو مقتول سے میراث نہیں ملتی۔

⑦ **فلو ضرب بطن امرأته، فألقت ابنه.....إلخ:** یہ ماقبل پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو پیٹ پر مارا جس سے بیوی نے شوہر (مارنے والے) کا بیٹا گرادیا، تو بیٹے کے باپ (مارنے والے) کے عاقلہ پر واجب ہے کہ بچے کا غرّہ ادا کریں، اور باپ کو اس غرّہ میں سے میراث کا حصہ نہیں ملے گا۔ عاقلہ پر اس لئے غرّہ واجب ہوگا کہ یہ قتل خطاء کا تاوان ہے، اور یہ عاقلہ پر ہوگا، اور باپ اس لئے محروم ہوگا کہ وہ قاتل ہے، اور قاتل کو مقتول کی میراث نہیں ملتی۔

⑧ **ولا يرث منها:** قاتل باپ اپنے مقتول جنین کے غرّہ میں سے میراث نہیں پائے گا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

⑨ وَفِي جَنِينِ الْأَمَةِ لَوْ ذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيمَتِهِ لَوْ كَانَ حَيًّا ⑩ وَعُشْرُ قِيمَتِهِ لَوْ أُنْثَى ⑪ فَإِنْ حَرَّرَهُ سَيِّدُهُ بَعْدَ ضَرْبِهِ، فَأَلْقَتْهُ، فَمَاتَ: فَفِيهِ قِيمَتُهُ حَيًّا ⑫ وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِينِ ⑬ وَإِنْ شَرِبَتْ دَوَاءً لِتَطْرَحَهُ، أَوْ عَالَجَتْ فَرْجَهَا حَتَّى أَسْقَطَتْهُ: ضَمِنَ عَاقِلَتُهَا الْغُرَّةَ إِنْ فَعَلَتْ بِلَا إِذْنٍ.

ترجمہ: اور باندی کے جنین میں اگر مذکر ہو تو اس کی قیمت کے دسویں کا آدھا ہے، (بالفرض) اگر زندہ ہوتا۔ اور اس کی قیمت کا دسواں ہے اگر مؤنث ہو۔ اور اگر اس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اس کے مارنے کے بعد، پھر (باندی نے) اس کو گرادیا، پھر مر گیا تو اس میں اس کی قیمت ہے زندہ ہونے کی حالت میں۔ اور جنین میں کفارہ نہیں ہے۔ اور اگر (عورت نے) دوا پی تا کہ جنین کو پھینک دے، یا اپنے فرج کا علاج کرایا یہاں تک کہ اس کو گرادیا، تو اس کے عاقلہ غرہ کا ضمان دیں گے، بشرطیکہ بغیر اجازت کیا ہو۔

تشریح:

⑨ وفي جنين الأمة لو ذكرا نصف عشر....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی حاملہ باندی کے پیٹ پر مارا جس سے باندی نے جنین گرایا، تو اگر وہ جنین مذکر ہو تو اندازہ لگایا جائے گا کہ بالفرض اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کی جو قیمت ہوتی اس کے دسویں کا نصف ضارب پر واجب ہوگا۔ یہ آزاد جنین کی دیت کی طرح ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باندی کی قیمت کا دسواں واجب ہوگا، کیونکہ جنین باندی کے بدن کا ایک جزء ہے، لہٰذا اس کے ضمان میں باندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ جنین جب باندی کے جسم سے الگ ہو گیا تو وہ اس کا جز نہیں رہا، اور جنین کی وجہ سے باندی کے جسم میں کوئی نقصان بھی نہیں آتا، لہٰذا ضمان میں جنین کی قیمت کا اعتبار ہوگا، نہ کہ باندی کی قیمت کا۔

⑩ وعشر قيمته لو أنثى: یعنی مذکورہ صورت میں اگر باندی کا جنین مؤنث ہو تو اندازہ لگایا جائے کہ بالفرض اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کی جو قیمت ہوتی اس کا دسواں حصہ مارنے والے پر واجب ہوگا، جیسے آزاد عورت کے جنین میں پانچ سو درہم واجب ہوتے ہیں، جو عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے۔

⑪ فإن حرّرهٗ سيدُهٗ بعد ضربه فألقته....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی باندی کے پیٹ پر مارا جس کے بعد مولیٰ نے پیٹ میں موجود جنین کو آزاد کر دیا، پھر باندی نے زندہ جنین گرادیا اور پھر مر گیا، تو مارنے والا زندہ جنین کی پوری قیمت کا تاوان دے گا، یعنی اگر وہ زندہ ہوتا اور اس کی جو قیمت ہوتی وہ پوری ادا کرے گا، کیونکہ ضارب نے یقیناً ایک زندہ بچے کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف مسئلہ نمبر (۹) کی صورت میں یہ یقین نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جنین مارنے سے پہلے ہی مر چکا ہو۔

صورت مسئلہ میں بچے کے آزاد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ موت کا سبب ضرب ہے، اور ضرب کے وقت وہ غلام تھا،

لہٰذا موت کے وقت بھی وہ غلام ہی سمجھا جائے گا، اگرچہ اس وقت وہ آزاد ہوگیا ہے۔

⑫ **ولا كفارة في الجنين:** کسی نے عورت کو پیٹ پر مارا جس سے عورت نے مرا ہوا جنین گرایا، تو ضارب پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضارب پر کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ اس نے ایک انسان کو قتل کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ جنین کی موت مارنے کی وجہ سے نہ ہوئی ہو، لہٰذا اس کی موت کے سبب میں شک آگیا اور شک کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ البتہ اگر عورت نے زندہ جنین گرایا اور پھر مر گیا تو بالاتفاق ضارب پر کفارہ واجب ہوگا۔

⑬ **وان شربت دواءً لتطرحه، أو عالجت** ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی ایسی دوائی لی جس سے جنین کو گرادیا، یا فرج کے راستے کوئی ایسا علاج اور آپریشن کرایا جس سے جنین کو گرادیا، تو عورت کے عاقلہ غرہ کا تاوان ادا کریں گے، کیونکہ عورت نے قتل کیا ہے۔ اگر عورت نے شوہر کی اجازت سے ایسا کام کیا تو اس کے عاقلہ پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ ایسی صورت میں عورت تجاوز کرنے والی نہیں سمجھی جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ مَا يُحْدِثُهُ الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام ما يحدثه الرجل في الطريق. یعنی یہ باب ان چیزوں کے احکام کے بیان میں ہے جن کو انسان راستے میں بنائے۔ اس سے پہلے مباشرتاً (براہ راست) قتل کے احکام کا بیان تھا، یہاں سے قتل بالسبب کے احکام بیان فرمائیں گے، مثلاً کسی نے عام راستہ میں یا دوسرے کی زمین میں بلا اجازت کوئی ایسی چیز بنائی یا رکھ دی جس کے سبب کوئی دوسرا شخص مر گیا۔ مباشرتاً (براہ راست) کوئی کام کرنا قوی اور ابلغ ہوتا ہے اور بالسبب کام کرنا اس کی بہ نسبت کمزور ہوتا ہے، اس لئے مصنفؒ نے قتل بالسبب کے احکام مؤخر فرمائے۔ اس باب میں کل اکیس (۲۱) مسائل ہیں۔

❶ مَنْ أَخْرَجَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا، أَوْ مِيزَابًا، أَوْ جُرْصُنًا، أَوْ دُكَّانًا: فَلِكُلٍّ نَزْعُهُ ❷ وَلَهُ التَّصَرُّفُ فِي النَّافِذِ، إِلَّا إِذَا أَضَرَّ ❸ وَفِي غَيْرِهِ لَا يَتَصَرَّفُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ ❹ فَإِنْ مَاتَ أَحَدٌ بِسُقُوطِهَا: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ❺ كَمَا لَوْ حَفَرَ بِئْرًا فِي طَرِيقٍ، أَوْ وَضَعَ حَجَرًا، فَتَلِفَ بِهِ إِنْسَانٌ ❻ وَلَوْ بَهِيمَةٌ: فَضَمَانُهَا فِي مَالِهِ.

ترجمہ: جس نے نکالا عام راستے کی طرف بیت الخلاء، یا پرنالہ، یا چھجا، یا چبوترہ تو ہر شخص کیلئے (جائز) ہے اس کو اکھاڑ دینا۔ اور اس کو تصرف کرنے کا حق ہے کھلے راستے میں، مگر جب ضرر پہنچائے۔ اور اس کے علاوہ میں تصرف نہیں کر سکتا، مگر شرکاء کی اجازت سے۔ پس اگر کوئی مر گیا ان چیزوں کے گرنے سے تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔ جیسے کنواں کھودے راستے میں، یا پتھر رکھے پھر اس سے کوئی انسان ہلاک ہو گیا۔ اور اگر جانور ہو تو اس کا تاوان اُسی کے مال میں ہے۔

لغات:

کنیف: بیت الخلاء۔ میزاب: پرنالہ۔ جرصن: چھجا، رف، کارنس (cornice)۔ دکّان: چبوترہ۔ النافذ: کھلی گلی، عام راستہ۔

تشریح:

❶ من أخرج إلى طريق العامّة كنيفا، أو ميزابا .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام راستے میں اپنے شخصی فائدہ کیلئے بیت الخلاء بنایا، یا چھت کا پرنالہ نکالا، یا چھجا نکالا، یا چبوترہ بنایا تو عوام الناس میں سے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اس چیز کو اکھاڑ کر راستہ صاف کر دے، کیونکہ عام راستے میں ہر شخص کو آنے جانے کا حق ہے، لہٰذا آنے جانے میں کوئی بھی رکاوٹ اور باعث

تکلیف چیز کو ہر شخص ہٹا سکتا ہے، اور کوئی بھی شخص عام راستہ میں ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

❷ ولـه التصرف في النافذ، إلا إذا أضر: لـهٗ میں ضمیر کا مرجع ہر صاحب تصرف شخص ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عام کھلا راستہ ہو تو اس میں ہر شخص تصرف کر کے کوئی چیز بنا سکتا ہے، مگر یہ کہ عوام الناس کیلئے ضرر کا باعث ہو، کیونکہ عام کھلے راستے میں ہر شخص کا حق ہے، لہٰذا ہر شخص اس میں تصرف کر کے اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ دوسروں کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچائے، ورنہ اس کا تصرف توڑ دیا جائے گا، جیسے ماقبل مسئلے میں بیان ہوا۔

❸ وفي غيره لا يتصرف إلا بإذنهم: یعنی کھلے راستے کے علاوہ کسی بند راستے میں، جیسے کالونی کی گلی ہوتی ہے، اس میں کوئی بھی شخص تصرف نہیں کر سکتا جب تک راستہ میں تمام شریکوں سے اجازت نہ لے، خواہ اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہو یا نہ ہو، کیونکہ ایسا خاص راستہ شریکوں کی ملک میں ہوتا ہے، اور دوسروں کی ملک میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام کھلا راستہ کسی کی ملک میں نہیں ہوتا، وہ سرکاری ہوتا ہے، لہٰذا اس میں ہر شخص تصرف کر سکتا ہے، بشرطیکہ لوگوں کیلئے مضر نہ ہو۔

❹ فإن مات أحد بسقوطها: فديته على عاقلته: «ها» کا مرجع "بیت الخلاء، پرنالہ، چھجا وغیرہ" ہے۔ اگر کسی نے راستے میں بیت الخلاء وغیرہ بنا دیا اور پھر وہ کسی پر گر گیا جس سے وہ شخص مر گیا، تو اس کی دیت بنانے والے کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ بنانے والے نے قتل کا سبب بنایا، اور قتل بالسبب کا یہی حکم ہے، جیسا کہ کتاب الجنایات مسئلہ نمبر (۱۷) میں گزر چکا ہے۔

❺ كما لو حفر بئرا في طريق، أو.....إلخ: یہ قتل بالسبب کی مثالیں ہیں، جن کا بیان کتاب الجنایات مسئلہ نمبر (۱۶) میں بھی گزر چکا ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص راستے میں، یا دوسرے کی زمین بلا اجازت کنواں کھودے، یا پتھر رکھے اور پھر کوئی شخص اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، تو یہ بھی قتل بالسبب ہے، لہٰذا کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

❻ ولو بهيمة فضمانها في ماله: أي: لو كان الهالك بهيمة.... یعنی مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی جانور ہلاک ہو گیا، یا کوئی اور مال تلف ہو گیا، تو اس کا تاوان خود فاعل کے مال میں سے دیا جائے گا، عاقلہ سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عاقلہ صرف انسان کی جان کا ضمان (دیت) برداشت کرتے ہیں، نہ کہ مال کا تاوان بھی۔

> ❼ وَمَنْ جَعَلَ بَالُوعَةً فِي طَرِيقٍ بِأَمْرِ سُلْطَانٍ، أَوْ فِي مِلْكِهِ ❽ أَوْ وَضَعَ خَشَبَةً فِيهَا، أَوْ قَنْطَرَةً بِلَا إِذْنِ الْإِمَامِ، فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُورَ عَلَيْهِمَا: لَمْ يَضْمَنْ ❾ وَمَنْ حَمَلَ شَيْئًا فِي الطَّرِيقِ، فَسَقَطَ عَلَى إِنْسَانٍ: ضَمِنَ ❿ وَلَوْ كَانَ رِدَاءً قَدْ لَبِسَهُ، فَسَقَطَ: لَا.

ترجمہ: اور اگر کسی نے نالی بنائی راستے میں بادشاہ کے حکم سے، یا اپنی ملک میں۔ یا لکڑی رکھ دی راستے میں، یا پُل (بنایا)

امام کی اجازت کے بغیر، پھر قصداً ایک آدمی ان پر سے گزرا، تو (بنانے والا) ضمان نہیں دے گا۔ اور جس نے کوئی چیز اٹھائی راستے میں، پھر وہ گرگئی کسی انسان پر تو ضمان دے گا۔ اور اگر چادر ہو جس کو اوڑھ لیا ہے پھر گرگئی تو (ضمان) نہیں۔

لغات:

بالوعة: نالی۔ قنطرة: پُل۔ رداء: چادر۔

تشریح:

❼ ومن جعل بالوعة في طريق بأمر ....إلخ: یہ مبتدا ہے، اگلے مسئلے میں لم يضمن اس کی خبر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام راستے میں بادشاہ (حکومت) کی اجازت سے کوئی نالی کھودی، یا اپنی ملکیتی زمین میں نالی، کنواں وغیرہ کھودا، جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہوگیا، تو کھودنے والے پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ بادشاہ کی اجازت سے کھودائی کرنا یا اپنی ملکیتی زمین میں کرنا ناجائز تجاوز نہیں ہے، لہٰذا یہ قتل بالسبب نہیں ہے، قتل بالسبب وہ ہے کہ ناجائز تصرف اور تجاوز کرے۔

❽ أو وضع خشبة فيها، أو قنطرة بلا إذن ....إلخ: أي: من وضع یہ مبتدا ہے، اور لم يضمن اس کی خبر ہے۔ اگر کسی شخص نے راستے میں کوئی لکڑی، پتھر وغیرہ رکھ دیا، یا کوئی پُل بنادیا، اور یہ کام اس نے امام (حکومت) کی اجازت کے بغیر کیا، پھر ایک آدمی قصداً لکڑی یا پُل پر سے گزرنے لگا اور گر کر ہلاک ہوگیا، تو پتھر رکھنے اور پُل بنانے والے پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، اس لئے کہ پتھر رکھنے والے یا پُل بنانے والے نے بھی تجاوز کرکے قتل کا سبب بنایا، اور گزرنے والے نے بھی تجاوز کرکے مباشرتاً (براہ راست) قتل کا عمل (یعنی قصداً گزرنے کا عمل) کیا، اور قتل کی نسبت نزدیک والی مباشرت کی طرف ہوگی، نہ کہ دور والے سبب کی طرف، تو گویا اس آدمی کی ہلاکت قصداً گزرنے کی وجہ سے ہوئی، نہ کہ پتھر یا پُل کی وجہ سے، لہٰذا پتھر رکھنے اور پُل بنانے والے پر تاوان نہیں آئے گا۔

❾ ومن حمل شيئا في الطريق، فسقط على إنسان: ضمن: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا سامان لاد کر راستے میں لے جارہا ہے، اتفاق سے وہ سامان کسی شخص پر گرگیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا، تو سامان لے جانے والا دیت کا ضامن ہوگا، کیونکہ سامان لاد کر راستہ میں لے جانا ایک مباح اور جائز کام ہے، اور مباح کام کی شرط یہ ہے کہ اس کو سلامتی کے ساتھ کیا جائے، جبکہ یہاں لادنے والے نے سلامتی کے ساتھ کام نہیں کیا، اس لئے اس پر دیت ادا کرنا لازم ہے۔

❿ ولو كان رداء قد لبسه، فسقط: لا: أي: لا يضمن. یعنی مذکورہ صورت میں اگر وہ چیز چادر ہو جس کو ایک آدمی نے اوڑھ لیا ہے، اتفاقاً وہ چادر گرگئی اور ایک آدمی اس میں الجھ کر گر گیا اور مرگیا، تو چادر اٹھانے والے پر دیت کا تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ عام طور سے چادر اوڑھنے والا شخص چادر کی حفاظت کی نیت نہیں کرتا، لہٰذا اس پر یہ شرط نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ چادر کو گرنے سے بچائے۔ اس کے برخلاف ماقبل والے مسئلے میں سامان لادنے والا اس کی حفاظت کا بھی خیال رکھتا ہے، لہٰذا اس پر یہ شرط لگائی جائے گی کہ سامان کو گرنے سے بچائے، ورنہ ضامن ہوگا۔

⑪ مَسْجِدٌ لِعَشِيرَةٍ، فَعَلَّقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ قِنْدِيلًا، أَوْ جَعَلَ فِيهِ بَوَارِيَّ، أَوْ حَصَاةً، فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ: لَمْ يَضْمَنْ ⑫ وَإِنْ كَانَ مِنْ غَيْرِهِمْ: ضَمِنَ ⑬ وَإِنْ جَلَسَ فِيهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَعَطِبَ بِهِ أَحَدٌ: ضَمِنَ إِنْ كَانَ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ ⑭ وَإِنْ كَانَ فِيهَا: لَا.

ترجمہ: کسی قبیلے کی مسجد ہے (جس میں) قندیل لٹکائی ان میں سے ایک آدمی نے، یا چٹائیاں بچھائیں، اور یا کنکریاں (بچھائیں)، پھر اس میں ایک آدمی ہلاک ہوگیا، تو ضمان نہیں دے گا۔ اور اگر ان کے علاوہ میں سے ہو تو ضمان دے گا۔ اور اگر مسجد میں بیٹھ گیا کوئی آدمی ان (قبیلہ والوں) میں سے، پھر اس میں کوئی ہلاک ہوگیا، تو ضمان دے گا، بشرطیکہ نماز کے علاوہ میں ہو۔ اور اگر نماز میں ہو تو (ضمان) نہیں۔

لغات:

عشيرة: قبیلہ، قوم۔ علّق: لٹکا دیا۔ قنديل: قندیل، فانوس۔ بواري: یہ باریاء یا بُوريّ کی جمع ہے، بوریا، چٹائی۔ حصاة: کنکر۔ عطب: سمع کے باب سے ماضی ہے، ہلاک ہوگیا۔

تشریح:

⑪ **مسجد لعشيرة، فعلّق رجل منهم .... إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قبیلے یا محلّے کی خاص مسجد ہے اور اسی قبیلے کے ایک آدمی نے اس میں قندیل لٹکائی، یا چٹائیاں بچھائیں، یا کنکریاں بچھائیں اور پھر ان چیزوں سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا، تو قندیل یا چٹائی یا کنکر لانے والا شخص کوئی ضمان نہیں دے گا، کیونکہ مسجد کا انتظام کرنا محلّہ والوں کا کام ہے، لہٰذا یہ چیزیں مسجد میں لا کر لگانا اور بچھانا کوئی ناجائز تجاوز نہیں ہے، اس لئے لانے والے پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

⑫ **وإن كان من غيرهم: ضمن:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر قندیل یا چٹائی یا کنکریاں لانے والا شخص قبیلہ اور محلہ والوں میں سے نہ ہو، کسی اور جگہ کا رہنے والا ہو، تو وہ ہلاک ہونے والے آدمی کا ضمان دے گا، کیونکہ مسجد میں چیزیں لانا اور مسجد کا انتظام کرنا غیر آدمی کا کام نہیں ہے، لہٰذا وہ اگر ایسا کام کرتا ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ کرے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غیر قبیلے کے آدمی پر بھی ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ مسجد کا انتظام اور خدمت کرنا ثواب کا کام ہے، خواہ قبیلہ والا کرے یا غیر قبیلہ والا کرے، کسی پر ہلاک ہونے والے آدمی کا ضمان نہیں آئے گا۔

قول راجح:

حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ أكثر المشائخ أخذوا بقولهما، وعليه الفتوى. [تکملۃ البحر: ۹/۱۱۹۔ تبیین: ۶/۱۴۶]

⑬ **وإن جلس فيه رجل منهم، فعطب به أحد .... إلخ:** اگر اسی قبیلہ اور محلّہ والوں میں سے کوئی شخص مسجد میں

بیٹھ گیا اور کوئی آدمی اس سے ٹکرا کر گر گیا اور مر گیا، تو اگر بیٹھا ہوا شخص نماز میں نہ ہو بلکہ تلاوت کرنے، یا ذکر و اذکار پڑھنے کیلئے بیٹھا ہو تو وہ ہلاک ہونے والے شخص کا ضمان دے گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد صرف نماز کیلئے بنائی جاتی ہے، نہ کہ بیٹھنے کیلئے، لہٰذا بیٹھنا ایک مباح عمل ہے، اور اس کی شرط سلامتی ہے، نہ کہ نقصان پہنچانا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں بیٹھنے والے پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ مسجد نماز، ذکر، تلاوت اور دیگر عبادات کیلئے بنائی جاتی ہے، لہٰذا ذکر، تلاوت وغیرہ بھی نماز کے حکم میں ہیں، جس کیلئے بیٹھنے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں بھی صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ وفي الذخيرة: بقولهما يُفتىٰ. [تکملۃ البحر الرائق: ۹/۱۳۲]

⑭ وإن كان فيها: لا: أي: لا يضمن. یعنی مذکورہ صورت میں اگر بیٹھا ہوا شخص نماز میں ہو، کہ ایک آدمی آ کر اس سے ٹکرا گیا اور گر کر مر گیا، تو بیٹھا ہوا شخص ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ نماز پڑھنا ہی مسجد بنانے کا مقصد وغرض ہے، لہٰذا اس کیلئے بیٹھنا اصل مقصد کا کام کرنا ہے، اور مقصودی کام کی وجہ سے اگر کسی کو نقصان ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہوگا۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

فَصْلٌ فِي الْحَائِطِ الْمَائِلِ

أي: هذا فصل في بيان أحكام الحائط المائل. یعنی یہ فصل جھکی ہوئی دیوار کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں یہ بیان فرمائیں گے کہ اگر کسی شخص کی ملکیتی دیوار جھک کر گر گئی اور اس کے نیچے کوئی شخص دب کر ہلاک ہو گیا، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس فصل میں سات (۷) مسائل ہیں۔

⑮ حَائِطٌ مَالَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ: ضَمِنَ رَبُّهُ مَا تَلَفَ بِهِ مِنْ نَفْسٍ، أَوْ مَالٍ، إِنْ طَالَبَ بِنَقْضِهِ مُسْلِمٌ، أَوْ ذِمِّيٌّ، وَلَمْ يَنْقُضْهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ ⑯ وَإِنْ بَنَاهُ مَائِلًا اِبْتِدَاءً: ضَمِنَ مَا تَلَفَ بِسُقُوطِهِ بِلَا طَلَبٍ.

ترجمہ: کوئی دیوار جھک گئی عام راستے کی طرف، تو اس کا مالک تاوان دے گا اس کا جو ہلاک ہو جائے اس سے، جان ہو یا مال ہو، بشرطیکہ مطالبہ کیا ہو اس کے توڑنے کا مسلمان یا ذمی نے، اور اس کو نہیں توڑا اتنی مدت میں کہ قدرت رکھتا ہو اس کو توڑ دینے پر۔ اور اگر جھکی ہوئی بنائی شروع ہی سے، تو تاوان دے اس کا جو ہلاک ہو جائے اس کے گرنے سے، مطالبہ کے بغیر۔

تشریح: ⑮ حائط مال إلى طريق العامة: ضمن ربه....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کی دیوار عام راستے

کی طرف جھک کر گرنے لگی، اور پھر عام لوگوں میں سے مسلمان یا ذمی نے دیوار کے مالک سے مطالبہ کیا کہ دیوار کو توڑ کر ٹھیک کر دے، اور پھر مطالبہ کے وقت سے اتنی مدت گزر گئی کہ وہ بہ آسانی دیوار کو توڑ سکتا، لیکن اس نے غفلت کرتے ہوئے نہیں توڑی اور دیوار گر گئی جس کے نیچے کوئی انسان دب کر مر گیا، یا کسی کا مال دب کر ہلاک ہو گیا، تو دیوار کا مالک تاوان دے گا، اگر انسان مرا ہے تو اس کی دیت مالک کے عاقلہ پر ہو گی، اور اگر مال ہلاک ہوا تو اس کا تاوان مالک اپنی جیب سے ادا کرے، اس لئے کہ اس نے اپنی دیوار سے عوام الناس کا راستہ مشغول کیا، اور اس کو توڑ کر ہٹانے پر قادر بھی تھا، مگر اس نے نہیں ہٹائی، تو یہ تجاوز ہے، اس لئے ضمان ادا کرے۔

اگر دیوار کے مالک سے کسی نے مطالبہ نہیں کیا تھا اور دیوار گر گئی، تو اس سے جو کچھ ہلاک ہو جائے اس کا ضمان نہیں ہوگا۔

⑯ **وإن بناه مائلا ابتداء: ضمن ما تلف .....الخ:** اگر کسی نے شروع ہی سے دیوار کو جھکا کر بنایا اور پھر اس نے گر کر کسی چیز کو ہلاک کر دیا، تو کسی کی طرف سے مطالبہ کئے بغیر بھی بنانے والا ضامن ہوگا، کیونکہ وہ شروع ہی سے تجاوز کرنے والا ہو گیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے راستے میں پتھر وغیرہ رکھے۔

> ⑰ فَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ رَجُلٍ فَالطَّلَبُ إِلَى رَبِّهَا، أَوْ سَاكِنِهَا ⑱ فَإِنْ أَجَّلَهُ، أَوْ أَبْرَأَهُ: صَحَّ ⑲ بِخِلَافِ الطَّرِيقِ ⑳ حَائِطٌ بَيْنَ خَمْسَةٍ، أُشْهِدَ عَلَى أَحَدِهِمْ، فَسَقَطَ عَلَى رَجُلٍ: ضَمِنَ خُمُسَ الدِّيَةِ ㉑ دَارٌ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ، حَفَرَ أَحَدُهُمْ فِيهَا بِئْرًا، أَوْ بَنَى حَائِطًا، فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ: ضَمِنَ ثُلُثَي الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور اگر (دیوار) جھک گئی کسی آدمی کے گھر کی طرف تو مطالبہ کرنا اس کے مالک کا، یا اس کے رہنے والے کا حق ہے۔ اور اگر (اس نے) دیوار والے کو مہلت دی یا اس کو بری کر دیا تو صحیح ہے۔ برخلاف راستہ کے۔ کوئی دیوار پانچ (آدمیوں) کے درمیان (مشترک) ہے، گواہ بنائے گئے ان میں سے ایک پر، پھر گر گئی کسی آدمی پر، تو ضمان دے گا دیت کے پانچویں حصے کا۔ کوئی گھر تین (آدمیوں) کے درمیان (مشترک) ہے، ان میں سے ایک نے اس میں کنواں کھودا، یا دیوار بنائی، پھر اس سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا، تو ضمان دے گا دیت کی دو تہائیوں کا۔

تشریح:

⑰ **فإن مال إلى دار رجل فالطلب.....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی دیوار دوسرے آدمی (یعنی پڑوسی) کے گھر کی طرف جھک گئی، تو دیوار گرانے کا مطالبہ اسی مالکِ مکان (پڑوسی) کا حق ہے، لہٰذا وہ دیوار والے سے مطالبہ کرے کہ دیوار کو ٹھیک کرو، اور اسی طرح اگر اس گھر میں مالک مکان کے علاوہ اور لوگ رہتے ہیں تو وہ بھی دیوار والے سے مطالبہ کر سکتے ہیں، کیونکہ اس گھر میں مالک اور رہنے والوں کا حق ہے، اور جس کا حق ہو وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔

⑱ فإن أجله، أو ابرأه: صح: یعنی مذکورہ صورت میں اگر پڑوسی نے دیوار والے کو مہلت دی کہ اتنی مدت میں دیوار گرا کر ٹھیک کرو، یا بالکل بری کر دیا تو صحیح ہے، لہٰذا اس کے بعد اگر دیوار گر گئی اور اس کی وجہ سے پڑوسی کا نقصان ہو گیا، تو دیوار والا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ حق پڑوسی کا ہے، وہ اپنا حق مؤخر بھی کر سکتا ہے، اور بالکل ساقط بھی کر سکتا ہے۔

⑲ بخلاف الطریق: یعنی ماقبل مسئلے کا حکم عام راستے کے برخلاف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی دیوار عام راستے کی طرف جھک گئی، اور قاضی نے دیوار والے کو مہلت دی، یا اس کو بالکل بری کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا اس کے بعد اگر دیوار گر کر اس سے کسی کو نقصان ہو گیا تو دیوار والا ضامن ہوگا، کیونکہ عام راستے میں تمام عوام الناس کا حق ہے، اور کوئی ایک شخص (قاضی یا کوئی اور) ایسے عوامی حق کو باطل نہیں کر سکتا۔

⑳ حائط بین خمسة، أشهد علی أحدهم، فسقط ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی دیوار پانچ آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، یہ دیوار راستے کی طرف جھک گئی، پھر شرکاء میں سے ایک شریک سے مطالبہ کیا گیا کہ دیوار کو توڑ کر ٹھیک کرو، اور اس پر گواہ بھی بنائے گئے، مگر اس نے ٹھیک نہیں کی، یہاں تک کہ دیوار کسی آدمی پر گر گئی اور اس کو ہلاک کر دیا، تو جس شریک سے مطالبہ کیا گیا ہے وہ مقتول کی دیت کا پانچواں حصہ ادا کرے، کیونکہ وہ دیوار کے پانچویں حصے کا مالک ہے، لہٰذا اپنی ملک کے بقدر ضمان ادا کرے، اور باقی چار شرکاء پر کچھ بھی نہ ہوگا، کیونکہ ان سے مطالبہ نہیں کیا گیا۔

㉑ دار بین ثلاثة، حفر أحدهم فیها بئرا ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی گھر تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک نے اپنے شریکوں کی اجازت کے بغیر اس گھر میں کنواں کھودا، یا دیوار بنائی، اور پھر کوئی شخص اس کنویں یا دیوار کی وجہ سے مر گیا، تو کنواں یا دیوار بنانے والے پر مقتول کی دیت کی دو تہائیاں واجب ہوں گی، کیونکہ بنانے والے نے اپنی ملک (یعنی تیسرے حصے) کے بقدر تجاوز نہیں کیا ہے، بلکہ دو شریکوں کے حصوں (یعنی دو تہائیوں) کے بقدر تجاوز کیا ہے، لہٰذا تجاوز کے بقدر دیت کی دو تہائیاں ادا کرے۔ یہ تفصیل امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بنانے والے پر نصف دیت واجب ہوگی، کیونکہ بنانے والے نے اپنی ملکیت کے اعتبار سے تجاوز نہیں کیا، اور باقی دو شریکوں کی ملکیت کے اعتبار سے تجاوز کر لیا، تو ہلاکت کے سبب کی دو قسمیں ہوئیں، لہٰذا دیت کو بھی آدھا آدھا کر کے دو حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، بنانے والا ایک حصہ (آدھے) کا تاوان دے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ضمان تجاوز کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، لہٰذا جتنا تجاوز ہوگا اتنا ضمان ہوگا، اور بنانے والے نے دو شریکوں کے حصوں میں تجاوز کیا ہے، لہٰذا اسی کے بقدر ضمان کے بھی دو حصوں (دو تہائیوں) کا ادا کرے۔ واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهَا وغَيرِ ذٰلِكَ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام جناية البهيمة، والجناية عليها، وغير ذٰلك. یعنی یہ باب جانور کی جنایت کرنے، اس پر جنایت کرنے وغیرہ کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے انسانوں کی جنایت سے متعلق احکام سے فراغت کے بعد جانوروں کی جنایت کے احکام شروع فرمائے۔ انسان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے جانور کو سنبھال کر رکھے، ورنہ اگر جانور نے کسی کو نقصان پہنچایا، یا جانور کو نقصان پہنچایا گیا، تو اس کا ضمان ہوگا۔ اس باب میں انیس (۱۹) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ ضَمِنَ الرَّاكِبُ مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ بِيَدٍ، أَوْ رِجْلٍ، أَوْ رَأْسٍ، أَوْ كَدَمَتْ، أَوْ خَبَطَتْ، أَوْ صَدَمَتْ ❷ لَا مَا نَفَحَتْ بِرِجْلٍ، أَوْ ذَنَبٍ ❸ إِلَّا إِذَا أَوْقَفَهَا فِي الطَّرِيقِ ❹ وَإِنْ أَصَابَتْ بِيَدِهَا، أَوْ رِجْلِهَا حَصَاةً، أَوْ نَوَاةً، أَوْ أَثَارَتْ غُبَارًا، أَوْ حَجَرًا صَغِيرًا، فَفَقَأَ عَيْنًا: لَمْ يَضْمَنْ ❺ وَلَوْ كَبِيرًا: ضَمِنَ.

ترجمہ: سوار ضامن ہوگا اس کا جو روندے اس کا جانور اگلے پاؤں سے، یا پچھلے پاؤں سے، یا سر سے (مارے)، یا (دانتوں سے) کاٹے، یا اگلے پاؤں سے مارے، یا ٹکر مارے۔ نہ وہ جس کو پچھلے پاؤں سے لات مارے، یا دُم سے (مارے)۔ مگر جب اس کو کھڑا کرے راستے میں۔ اور اگر اُڑائی اپنے اگلے پاؤں سے یا پچھلے پاؤں سے کنکری، یا گٹھلی، یا غبار اڑایا، یا چھوٹا پتھر، پھر (کسی کی) آنکھ پھوڑ دی تو ضمان نہیں دے گا۔ اور اگر بڑا (پتھر) ہو تو ضمان دے۔

لغات:

وطئت: روندنا، پامال کرنا۔ ید: ہاتھ، جانور کے اگلے پاؤں۔ رجل: پچھلے پاؤں۔ کدمت: دانتوں سے کاٹنا۔ خبطت: ضرب کا باب ہے، اگلے پاؤں سے مارا۔ صدمت: ٹکر ماری، دھکا دیا۔ نفحت: جانور کا کسی چیز کو کھر کے کنارے سے مارنا۔ أوقف: کھڑا کر دیا۔ أصابت: پہنچا دیا، لگا دیا، اڑا دیا۔ فقأ: آنکھ پھوڑ دی۔

تشریح:

❶ ضمن الراكب ما وطئت دابته بيد، أو.....الخ: پہلے یہ اصول سمجھ لیں کہ عام راستے میں چلنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ چلے، یعنی کسی کو کوئی ایسا نقصان نہ پہنچائے جس سے بچنا ممکن ہو، ورنہ ضمان آئے گا۔ اور وہ نقصان جس سے بچنا ممکن نہ ہو اس کا ضمان نہیں ہے۔

عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانور پر سوار ہو کر جا رہا ہے، جانور نے کسی انسان کو یا کسی کے مال کو اگلے پاؤں سے روند دیا، یا پچھلے پاؤں سے روند دیا، یا سر سے مارا، یا دانتوں سے کاٹا، یا اگلے پاؤں سے لات ماری، یا ٹکر ماری، تو جو بھی نقصان ہو جائے سوار شخص اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ یہ ایسا نقصان ہے جس سے بچنا ممکن ہے، لہٰذا سوار شخص پر لازم ہے کہ جانور کو کنٹرول میں رکھ کر کسی کو نقصان نہ پہنچائے لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا اور نقصان کر دیا تو ضمان ادا کر دے۔

② **لا ما نفحت برجل، أو ذنب:** **أي: لا يضمن ما نفحت....** یعنی اگر جانور نے پچھلے پاؤں سے کسی کو لات مار کر نقصان پہنچایا، یا دُم سے مارا تو سوار شخص نقصان کا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسا نقصان ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے، یعنی سوار شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جانور کے پچھلے پاؤں کو یا اس کی دُم پر کنٹرول رکھے۔

③ **إلّا إذا أوقفها في الطريق:** یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ یعنی پچھلے پاؤں اور دُم سے نقصان پہنچانے کی صورت میں سوار شخص ضامن نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ جانور کو راستے میں کھڑا کر دے، اور اس حالت میں جانور نے کسی کو پچھلے پاؤں سے یا دُم سے نقصان پہنچایا تو سوار شخص ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے راستے میں کھڑا کر کے تجاوز کیا ہے، اور اس سے بچنا ممکن بھی ہے، لہٰذا ضمان لازم ہوگا۔

فائدہ:

آج کل کی سواریاں جیسے سائیکل، گاڑی وغیرہ جانور کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان کے ذریعے اگر کسی کو نقصان پہنچایا تو ڈرائیور ضامن ہوگا۔ البتہ ان سواریوں میں آگے سے نقصان ہونے اور پیچھے سے نقصان ہونے میں فرق نہیں ہے، دونوں صورتوں میں ڈرائیور ضامن ہوگا، کیونکہ گاڑی وغیرہ کے آگے پہیے اور پچھلے پہیے دونوں ڈرائیور کے اختیار میں ہیں۔ برخلاف جانور کے، کہ اس کے پچھلے پاؤں سوار شخص کے اختیار میں نہیں ہیں۔ حاصل یہ کہ گاڑی کی ہر حرکت ڈرائیور کی طرف منسوب ہوگی، اور جانور کی صرف اگلے پاؤں کی حرکت سوار شخص کی طرف منسوب ہوگی، نہ کہ پچھلے پاؤں کی۔ كذا في تقرير ترمذي: ۱/۳۴۴

④ **فإن أصابت بيدها، أو رجلها حصاةً، أو ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور نے اگلے پاؤں سے یا پچھلے پاؤں سے کنکری اُڑائی، یا کھجور کی گٹھلی اڑائی، یا غبار اڑایا، یا چھوٹا پتھر اڑایا اور اس کی وجہ سے کسی کی آنکھ پھوڑ دی یا کوئی اور نقصان پہنچایا، تو سوار شخص ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسا نقصان ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے، یعنی سوار شخص جتنی بھی کوشش کرے جانور کو کنکری، چھوٹے پتھر وغیرہ سے نہیں بچا سکتا، لہٰذا وہ نقصان کا ضامن نہیں ہوگا۔

⑤ **ولو كبيرا: ضمن:** **أي: لو كان الحجر كبيرا: ضمن.** یعنی مذکورہ صورت میں اگر جانور کے پاؤں نے بڑا پتھر اڑا کر کسی کی آنکھ پھوڑ دی، یا کوئی اور نقصان پہنچایا تو سوار شخص ضامن ہوگا، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔

فائدہ: مذکورہ دو مسئلوں سے معلوم ہوا کہ اگر سائیکل، موٹر کار وغیرہ کے ٹائر نے چھوٹا پتھر یا کنکر اڑایا جس کی وجہ سے کسی کا نقصان ہوا، تو ڈرائیور ضامن نہیں ہوگا، اور اگر بڑا پتھر اڑایا تو ڈرائیور نقصان کا ضامن ہوگا۔

❻ فَإِنْ رَاثَتْ، أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ: لَمْ يَضْمَنْ مَنْ عَطِبَ بِهِ، وَإِنْ أَوْقَفَهَا لِذٰلِكَ ❼ وَإِنْ أَوْقَفَهَا لِغَيْرِهِ: ضَمِنَ ❽ وَمَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ ضَمِنَهُ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ ❾ وَعَلَى الرَّاكِبِ الْكَفَّارَةُ، لَا عَلَيْهِمَا ❿ وَلَوْ اِصْطَدَمَ فَارِسَانِ، أَوْ مَاشِيَانِ، فَمَاتَا: ضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلٍّ دِيَةَ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور اگر لید کردی، یا پیشاب کر دیا راستے میں تو ضمان نہیں دے گا اس کا جو اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، اگر چہ کھڑا کر دیا ہو اسی لئے۔ اور اگر کھڑا کر دیا ہو کسی اور چیز کیلئے تو ضمان دے گا۔ اور جس چیز کا ضمان دیتا ہے سوار اس کا ضمان دے گا ہانکنے والا اور کھینچنے والا۔ اور سوار پر کفارہ ہے، نہ کہ ان دونوں پر۔ اور اگر ٹکرا جائیں دو گھڑ سوار، یا دو پیادہ چلنے والے اور دونوں مر جائیں تو ضمان دیں ہر ایک کے عاقلہ دوسرے کی دیت کا۔

لغات:

راثت: جیسے قالت، ماضی مؤنث کا صیغہ ہے، جانور نے لید کردی۔ بالت: جیسے قالت، پیشاب کر دیا۔ أوقف: باب اِفعال سے ماضی ہے، کھڑا کر دیا۔ السائق: پیچھے سے ہانکنے والا۔ القائد: آگے سے کھینچنے والا۔

تشریح:

❻ فإن راثت، أو بالت في الطريق .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور نے چلتے چلتے راستے میں لید کردی، یا پیشاب کیا اور کوئی شخص اس میں پھسل کر ہلاک ہو گیا، تو سوار شخص اس کا ضامن نہیں ہوگا، اگر چہ سوار نے جانور کو پیشاب یا پاخانہ ہی کیلئے کھڑا کر دیا ہو، کیونکہ جانور کا پیشاب یا پاخانہ کرنا راستے کی ضروریات میں سے ہے، اور بعض جانور تو لازماً رک کر پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، اس لئے ضمان نہیں ہوگا۔

❼ وإن أوقفها لغيره: ضمن: یعنی ماقبل صورت میں اگر سوار نے پیشاب پاخانہ کے علاوہ کسی اور کام کیلئے جانور کو راستے میں کھڑا کر دیا اور جانور نے وہاں پیشاب یا پاخانہ کر دیا جس میں کوئی شخص پھسل کر مر گیا تو سوار شخص دیت کا ضامن ہوگا، کیونکہ جانور کو راستے میں کھڑا کرنا کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس سے بچنا ممکن بھی ہے، لہٰذا یہ تجاوز ہے، جس کی وجہ سے وہ ضامن ہوگا۔

❽ وما ضمنه الراكب ضمنه السائق والقائد: مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ضمان سوار شخص پر واجب ہوتا ہے سائق (ہانکنے والے) اور قائد (کھینچنے والے) پر بھی اس کا ضمان واجب ہوگا، اس لئے کہ راکب، سائق اور قائد میں سے ہر ایک ہلاکت کا سبب بن رہا ہے، کیونکہ ہر ایک جانور کو ہلاکت کی جگہ کے قریب لے جاتا ہے، حالانکہ ان کیلئے یہ ممکن ہے کہ جانور کو یہاں سے دور رکھے۔

❾ وعلى الراكب الكفارة، لا عليهما: اس مسئلہ میں راکب کا سائق اور قائد کے ساتھ فرق بتا رہے ہیں، وہ یہ

کہ اگر جانور نے کسی انسان کو پاؤں سے روند کر ہلاک کر دیا تو راکب پر دیت کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی ہوگا، جبکہ سائق اور قائد پر کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ مقتول اگرچہ جانور اور راکب دونوں کے بوجھ سے مرگیا ہے، مگر راکب اصل ہے جانور اس کا تابع ہے، تو گویا مقتول صرف راکب کے بوجھ سے مرگیا[①]، لہٰذا وہ کفارہ ادا کرے، جبکہ سائق اور قائد کا بوجھ مقتول پر پڑا ہی نہیں، وہ صرف جانور کے بوجھ سے مرگیا ہے، اس لئے ان پر کفارہ نہیں ہوگا۔

⑩ ولو اصطدم فارسان، أو ماشيان، فماتا: ضمن ...الخ: اگر دو گھڑ سواروں کی آپس میں ٹکر ہوگئی، یا دو پیادہ چلنے والوں کی آپس میں ٹکر ہوگئی اور دونوں مرگئے، تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی[②]۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف دیت واجب ہوگی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے فعل اور دوسرے کے فعل سے مرا ہے، اور اپنے فعل کا ضمان نہیں ہوگا، لہٰذا جنایت کا نصف ضمان دوسرے پر واجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کا اپنا فعل مباح ہے، لہٰذا اس کی طرف جنایت کی نسبت نہیں ہوگی، بلکہ ساری جنایت کی نسبت دوسرے کے فعل کی طرف ہوگی، اس لئے دوسرے کے عاقلہ پر ساری دیت واجب ہوگی[③]۔

⑪ وَلَوْ سَاقَ دَابَّةً، فَوَقَعَ السَّرْجُ عَلٰى رَجُلٍ، فَقَتَلَهُ: ضَمِنَ ⑫ وَإِنْ قَادَ قِطَارًا، فَوَطِئَ بَعِيْرٌ إِنْسَانًا: ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ ⑬ فَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ: فَعَلَيْهِمَا ⑭ وَإِنْ رَبَطَ بَعِيْرًا عَلٰى قِطَارٍ: رَجَعَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ بِدِيَةِ مَا تَلَفَ عَلٰى عَاقِلَةِ الرَّابِطِ.

ترجمہ: اور اگر جانور کو ہانکا اور زین کسی آدمی پر گر گیا اور اس کو قتل کر دیا تو ضمان دے گا۔ اور اگر (اونٹوں کی) قطار کھینچی، پھر اونٹ نے کسی انسان کو روند ڈالا، تو ضمان دیں گے کھینچنے والے کے عاقلہ دیت کا۔ اور اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا (بھی) ہو تو دونوں پر (دیت) ہوگی۔ اور اگر اونٹ کو باندھ لیا قطار میں تو کھینچنے والے کے عاقلہ رجوع کریں جو ہلاک ہوا اس کی دیت کا باندھنے والے کے

---

① جیسے آج کل کوئی شخص گاڑے کے ٹائر کے نیچے آکر مرجائے، تو اگرچہ وہ گاڑی کے بوجھ سے مرجائے، مگر ڈرائیور پر کفارہ لازم گا۔

② یعنی ہر ایک میت کے عاقلہ دوسرے کے ورثہ کو دیت کا مال ادا کریں۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ مثلاً ایک مقتول کے عاقلہ سونا والے ہیں وہ دوسرے کے ورثہ کو ہزار دینار ادا کریں گے، اور دوسرے مقتول کے عاقلہ مویشی والے ہیں، وہ پہلے مقتول کے ورثہ کو سو اونٹ دیں گے۔

③ اس پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ كتاب الجنايات / باب ما يوجب القصاص وما لا يوجبه مسئلہ نمبر (۲۷) میں گزر چکا کہ اگر کسی شخص نے خود اپنے آپ کو زخمی کیا اور زید نے زخمی کیا اور شیر نے کاٹا اور پھر سانپ نے ڈس لیا اور پھر مرگیا، تو دیت کا ایک حصہ خود اپنے کو زخمی کرنے کے مقابلہ میں ہوگا، اور دوسرا حصہ شیر اور سانپ کے زخموں کے مقابلہ میں ہوگا اور تیسرا حصہ زید پر واجب ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ مقتول کا خود اپنا فعل بھی معتبر ہے، لہٰذا یہاں بھی امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق دیت کا نصف حصہ اپنے فعل کے مقابلے میں آکر ساقط ہونا چاہئے، اور دوسرے پر صرف آدھی دیت واجب ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں مقتول نے عمداً اپنے اوپر جنایت کی ہو تو وہ معتبر ہوگی، جیسے كتاب الجنايات والا مسئلہ ہے، اور اگر مقتول نے اپنے اوپر خطأً جنایت کی تو وہ معتبر نہیں ہوگی، یہاں عبارت کا مسئلہ اسی طرح ہے۔

عاقلہ پر۔

لغات: السرج: زین۔ قطار: اونٹوں کی قطار، لائن۔

تشریح:

⑪ ولو ساق دابة، فوقع السرج علی.....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کو ہانکتے ہوئے لے جارہا ہے، اتفاق سے جانور کا زین کسی آدمی پر گر گیا جس سے وہ مر گیا، تو ہانکنے والا دیت کا ضمان دے گا، کیونکہ وہ ہلاکت کا سبب بنا، اس نے زین کو مضبوط باندھنے میں کوتاہی کی ہے، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور ہلاکت کا سبب بن گیا۔

⑫ وإن قاد قطارا، فوطیء بعیر انسانا: ضمن.....الخ: اگر کوئی شخص اونٹوں کی قطار کھینچتے ہوئے لے جارہا ہے، اور اونٹ نے کسی انسان کو روند کر قتل کر دیا تو کھینچنے والے کے عاقلہ دیت کا ضمان دیں گے، کیونکہ کھینچنے والے پر لازم ہے کہ اونٹوں کی حفاظت کرے، لیکن جب اس نے حفاظت میں غفلت کی تو وہ لاکت کا سبب بن گیا، اس لئے اس پر دیت کا ضمان لازم ہو جائے گا۔

⑬ وإن کان معه سائق: فعلیهما: یعنی مذکورہ صورت میں اگر کھینچنے والے کے ساتھ پیچھے سے ہانکنے والا بھی ہو، تو دونوں پر دیت کا ضمان آئے گا، کیونکہ قطار کی حفاظت اور نگرانی کرنے میں دونوں نے کوتاہی کی، لہٰذا دونوں ہلاکت کا سبب بن گئے۔

⑭ وإن ربط بعیرا علی قطار: رجع عاقلة.....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قائد اونٹوں کی قطار کھینچتے ہوئے لے جارہا ہے، پیچھے سے ایک شخص نے اس کی بے خبری میں اپنا اونٹ قطار میں باندھ لیا، اور پھر اس اونٹ نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا، تو اس کی دیت قائد کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ قائد نے قطار کی حفاظت میں سستی کی، اور اگر وہ بیداری کے ساتھ نگرانی کرتا تو دوسرے آدمی کو اونٹ باندھنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ پھر جب قائد کے عاقلہ نے دیت ادا کریں تو ان کو حق حاصل ہے کہ باندھنے والے کے عاقلہ پر رجوع کر کے ان سے دیت وصول کر لیں، کیونکہ ہلاکت کا اصل سبب باندھنے والا ہے، اسی کی وجہ سے قائد کے عاقلہ پھنس گئے۔

⑮ وَمَنْ أَرْسَلَ بَهِيْمَةً، وَكَانَ سَائِقَهَا، فَأَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا: ضَمِنَ ⑯ وَإِنْ أَرْسَلَ طَيْرًا، أَوْ كَلْبًا، وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا ⑰ أَوْ انْفَلَتَتْ دَابَّةٌ فَأَصَابَتْ مَالًا، أَوْ آدَمِيًّا، لَيْلًا أَوْ نَهَارًا: لَا ⑱ وَفِي فَقْءِ عَيْنِ شَاةٍ لِقَصَّابٍ ضَمِنَ النُّقْصَانَ ⑲ وَفِي عَيْنِ بَدَنَةِ الْجَزَّارِ وَالْحِمَارِ، وَالْفَرَسِ رُبْعُ الْقِيْمَةِ.

ترجمہ: اور جس نے جانور چھوڑا اور اس کا ہانکنے والا تھا اور اس نے فوراً نقصان کر دیا تو ضمان دے گا۔ اور اگر پرندہ یا کتا چھوڑا اور ہانکنے والا نہیں تھا۔ یا جانور چھوٹ گیا اور نقصان پہنچایا مال کو یا آدمی کو، رات کو یا دن کو، تو (ضمان) نہیں ہے۔ اور قصائی کی بکری کی آنکھ کو پھوڑ دینے میں نقصان کا ضمان دے۔ اور قصائی کے بدنہ کی آنکھ میں اور گھوڑے اور گدھے کی (آنکھ) میں چوتھائی قیمت ہے۔

تشریح:

⑮ ومن أرسل بهيمة، وكان سائقها ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا جانور (مثلاً کتا) چھوڑ دیا اور پیچھے سے اس کو ہنکایا بھی، جانور نے چھٹتے ہی فوراً کسی کو نقصان پہنچایا تو چھوڑنے والا اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے جانور چھوڑ کر ہنکادیا ہے، لہٰذا جانور کا فعل اسی کی طرف منتقل ہوگا، اور وہ تجاوز کرنے والا ہو جائے گا، اس لئے ضامن ہوگا۔

مصنفؒ نے وکان سائقها کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر چھوڑنے والے نے جانور نہیں ہنکایا تو وہ نقصان کا ضامن نہیں ہوگا، جیسا کہ اگلے مسئلے میں ہے۔ مگر امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ چھوڑنے والا نقصان کا ضامن ہوگا، خواہ ہنکائے یا نہ ہنکائے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ [ردالمحتار: ۱۰/۲۸۹]

⑯ وإن أرسل طيرا، أو كلبا، ولم يكن سائقا: یہ شرط ہے، اور اگلے مسئلے میں لا (أي: لا يضمن) اس کی جزاء ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پرندہ چھوڑا، خواہ پیچھے سے ہنکائے یا نہ نہیں، اور یا کتا چھوڑا اور پیچھے سے نہیں ہنکایا، اور پھر پرندے یا کتے نے کسی کو نقصان پہنچایا، تو چھوڑنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ پرندہ چھوڑنے سے تو اس لئے ضامن نہیں ہوگا کہ پرندہ کوئی خطرناک کاٹنے والا جانور نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں ہانکنا اور نہ ہانکنا برابر ہیں۔ اور کتا چھوڑنے کی میں اس لئے ضامن نہیں ہوگا کہ اس نے ہنکایا نہیں ہے، تو کتے کا فعل چھوڑنے والے کی طرف منسوب نہیں ہوگا، لہٰذا نقصان پہنچانے میں کتا خود مختار ہے، چھوڑنے والے کا اس سے تعلق نہیں ہے۔ مگر ماقبل والے مسئلے میں امام ابو یوسفؒ کا قول اس کے خلاف بیان ہوا۔

⑰ أو انفلتت دابة، فأصابت مالا ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی جانور از خود چھوٹ کر بھاگ گیا اور کسی کے مال یا کسی آدمی کو نقصان پہنچایا، خواہ دن ہو یا رات ہو، تو مالک ضامن نہیں ہوگا، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جانوروں کا زخم ہدر ہے۔ [بخاری] اس سے مراد وہ جانور ہیں جو از خود چھوٹ گئے ہوں، ان کا فعل مالک کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ [ہدایہ]

⑱ وفي فقء عين شاة لقصاب ضمن النقصان: اگر کسی نے قصاب کی بکری کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی وجہ سے بکری کی قیمت میں جو نقصان ہو جائے اس کا تاوان دے، کیونکہ بکری سے گوشت مقصود ہوتا ہے، اور آنکھ پھوڑنے سے گوشت میں کوئی خرابی نہیں آتی، لہٰذا گوشت وغیرہ کا ضمان نہیں ہوگا صرف آنکھ کا تاوان دے۔

عبارت میں لقصاب کی قید اتفاقی ہے، لہٰذا بکری خواہ کسی کی بھی ہو اس کا یہی حکم ہے۔ [رمز الحقائق: ۲/۲۵۶]

⑲ وعين بدنة الجزار، والفرس، والحمار ربع القيمة: اگر کسی شخص نے قصاب کے اونٹ کی آنکھ، یا کسی کے گھوڑے یا گدھے کی آنکھ کو پھوڑ دیا، تو اُس جانور کی چوتھائی قیمت کا ضمان دے۔ امام شافعیؒ بکری پر قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ یہاں بھی صرف آنکھ کا نقصان ادا کرنا ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دابہ کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا فیصلہ فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فیصلہ فرمایا۔ [ہدایہ] اس مسئلہ میں بھی الجزار کی قید اتفاقی ہے، جیسے اوپر والے مسئلے میں۔

﴿بَابُ جِنَايَةِ الْمَمْلُوكِ، وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام جناية المملوك، والجناية عليه. یعنی یہ باب مملوک کی جنایت کرنے اور مملوک پر جنایت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے پہلے آزاد انسان کی جنایت کے احکام بیان فرمائے، پھر جانور کی جنایت کے احکام اور آخر میں غلام کی جنایت کے احکام بیان فرمائے۔ غلام کا مرتبہ اگرچہ جانور سے بلند ہے، مگر اس کے احکام جانور سے اس لئے مؤخر فرمائے کہ جانور کے احکام راکب، سائق، قائد اور مرسِل کے اعتبار سے ہیں، اور وہ آزاد انسان ہیں۔

اس باب میں مملوک کی جنایت اور اس پر جنایت سے متعلق پینتیس (۳۵) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ جِنَايَاتُ الْمَمْلُوكِ لَاتُوجِبُ إِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا لَوْ مَحَلًّا لَهُ ❷ وَإِلَّا: قِيمَةً وَاحِدَةً ❸ جَنٰى عَبْدُهُ خَطَأً دَفَعَهُ بِالْجِنَايَةِ، فَيَمْلِكُهُ، أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا ❹ فَإِنْ فَدَاهُ، فَجَنٰى: فَهِيَ كَالْأُولٰى ❺ فَإِنْ جَنٰى جِنَايَتَيْنِ: دَفَعَهُ بِهِمَا، أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهِمَا.

ترجمه: مملوک کی جنایتیں واجب نہیں کرتیں مگر ایک دفعہ دینا، بشرطیکہ (مملوک) اس کا محل ہو۔ ورنہ ایک قیمت ہوگی۔ اس کے غلام نے خطاءً جنایت کی تو اس کو دے دے جنایت کے عوض، تو (جنایت والا) اس کا مالک ہوجائے گا، یا اس کا فدیہ دے دے جنایت کے تاوان کے عوض۔ پس اگر اس کا فدیہ دے دیا اور پھر جنایت کی تو وہ پہلی (جنایت) کی طرح ہے۔ اور اگر دو جنایتیں کیں تو اس کو دے دے دونوں کے عوض، یا اس کا فدیہ دے دے دونوں کے تاوان کے عوض۔

تشریح:

❶ جنايات المملوك لا توجب إلّا دفعا.... إلخ: لهٗ میں ضمیر کا مرجع دفع (دینا) ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کسی مملوک (غلام یا باندی) نے کئی جنایتیں کیں، مثلاً ایک شخص کو خطاءً قتل کر دیا، دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا، تیسرے شخص کا مال ہلاک کیا، تو اگر مملوک دینے کا محل ہو، یعنی نہ مکاتب ہو، نہ مدبر اور نہ اُم ولد ہو تو مولیٰ ان تمام جنایتوں میں ایک ہی دفعہ مملوک دے دے، اور جن لوگوں کی جنایت ہوئی ہے وہ اس مملوک کو بیچ کر اس کا ثمن آپس میں تقسیم کرلیں۔ اس کے علاوہ مولیٰ پر اور کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ جنایت والوں کے حق کا تعلق مملوک کے رقبہ سے ہے، اور مولیٰ نے رقبہ ان کو دے دیا، اس لئے مولیٰ پر اور کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

❷ وإلّا: قيمةً واحدةً: أي: وإن لا يكون محلًّا له: فتوجب قيمةً واحدةً. یعنی مذکورہ صورت میں اگر جنایتیں کرنے والا مملوک دینے کا محل نہ ہو، یعنی وہ دوسرے شخص کی ملک میں نہیں آسکتا، مثلاً مکاتب ہے، یا مدبر ہے، یا اُم ولد ہے، تو ایسی

صورت میں مولیٰ کیلئے جائز نہیں ہے کہ جنایت والوں کو مملوک دے دے، بلکہ مملوک کی ایک قیمت ان کو دینا واجب ہے، کیونکہ قیمت مملوک کے رقبے کی قائم مقام ہے، تو یہ ایسا ہوا جیسے مملوک کا رقبہ ان کو دیا جائے۔

③ جنی عبده خطأ، دفعه بالجناية، فيملكه .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غلام نے خطاءً کوئی جنایت کی، مثلاً کسی کو قتل کردیا، تو اس کے مولیٰ کو دو اختیار ہیں: یا تو یہی غلام جنایت والے کو دے دے، جنایت والا اس کا مالک بن جائے گا۔ اور یا غلام کا فدیہ ادا کرے، یعنی اس کی جنایت کا تاوان (دیت) اپنی جیب سے ادا کرے، کیونکہ جنایت کا تعلق غلام کے رقبہ سے ہے، لہٰذا مولیٰ یا تو یہی غلام دے کر جان چھڑائے، یا جنایت کا تاوان دے کر غلام چھڑائے۔

④ فإن فداه، فجنى: فهي كالأولى: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غلام نے کوئی جنایت کردی، مولیٰ نے اس کا فدیہ ادا کردیا، اس کے بعد غلام نے دوسری جنایت کی، تو اس کا حکم پہلی جنایت کی طرح ہے، یعنی اس میں بھی مولیٰ کو دو اختیار ہیں: کہ یا تو غلام جنایت میں دے دے، اور یا اس کا فدیہ ادا کردے، کیونکہ پہلی جنایت کا فدیہ جب ادا ہوگیا تو غلام جنایت سے پاک ہوگیا، گویا اس نے جنایت کی ہی نہیں، اور یہ دوسری جنایت گویا اس کی پہلی جنایت ہے۔

⑤ فإن جنى جنايتين: دفعه بهما .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے دو الگ الگ جنایتیں کیں، مثلاً دو آدمیوں کو خطاءً قتل کردیا، تو مولیٰ کو دو اختیار ہیں: یا تو یہی غلام جنایت والوں کو دے، وہ اس کو بیچ کر ثمن آپس میں تقسیم کرلیں، اور یا دونوں جنایتوں کا تاوان (دیتیں) اپنی جیب سے ادا کر کے غلام اپنے پاس روک لے۔ وجہ یہ ہے کہ غلام نے جب پہلی جنایت کی تو تاوان اس کے رقبہ سے متعلق ہوگیا، اور جب دوسری تیسری جنایت کرے تو اس کا تاوان بھی اس کے رقبہ سے متعلق ہوجائے گا، لہٰذا مولیٰ ساری جنایتوں میں غلام بھی دے سکتا ہے، اور اپنی جیب سے ان کا ضمان بھی ادا کرسکتا ہے۔

> ⑥ فَإِنْ أَعْتَقَهُ غَيْرَ عَالِمٍ بِالْجِنَايَةِ: ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الْأَرْشِ ⑦ وَلَوْ عَالِمًا بِهَا: لَزِمَهُ الْأَرْشُ، كَبَيْعِهِ ⑧ وَتَعْلِيقِ عِتْقِهِ بِقَتْلِ فُلَانٍ، وَرَمْيِهِ، وَشَجِّهِ إِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ ⑨ عَبْدٌ قَطَعَ يَدَ حُرٍّ عَمْدًا، وَدُفِعَ إِلَيْهِ، فَحَرَّرَهُ، فَمَاتَ مِنَ الْيَدِ: فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِالْجِنَايَةِ ⑩ وَإِنْ لَمْ يُحَرِّرْهُ: رُدَّ عَلٰى سَيِّدِهِ، وَيُقَادُ.

ترجمہ: اور اگر غلام کو آزاد کردیا جنایت سے بے خبر ہو کر، تو ضمان دے اس کی قیمت اور تاوان میں سے کمتر کا۔ اور اگر جنایت سے باخبر ہو تو اس پر تاوان لازم ہوگیا، جیسے اس کو فروخت کرنا۔ اور اس کی آزادی کو معلق کرنا فلاں کے قتل پر، اور اس کو تیر مارنے پر، اور اس کو زخمی کرنے پر، اگر (غلام) یہ کام کردے۔ کسی غلام نے آزاد کا ہاتھ عمداً کاٹا، اور (غلام) اس کو دے دیا گیا، پھر اس نے آزاد کردیا، پھر (آزاد شخص) ہاتھ کی وجہ سے مرگیا، تو غلام (دینا) صلح ہے جنایت کے عوض۔ اور اگر اس کو آزاد نہیں کیا تو واپس کردیا جائے گا اس

کے مولیٰ کو، اور (اس کو) قصاص کر دیا جائے گا۔

تشریح:

❻ فإن أعتقه غير عالم بالجناية .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غلام نے کوئی جنایت کی، مگر مولیٰ کو اس کا علم نہیں ہوا، پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا، اس کے بعد جنایت کا علم ہوا، تو غلام کی قیمت اور تاوان میں سے جو کم ہو وہ مولیٰ پر واجب ہوگا، اس لئے کہ اگر قیمت کم ہے تو مولیٰ نے غلام کو آزاد کر کے قیمت ہی کو ضائع کر دیا ہے، لہٰذا صرف قیمت اس پر واجب ہوگی، اور اگر تاوان کم ہے تو اس کو ادا کرنے سے جنایت والے کا سارا حق ادا ہو جائے گا، لہٰذا تاوان کے علاوہ اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

❼ ولو عالما بها: لزمه الأرش، كبيعه: یعنی ماقبل صورت میں اگر مولیٰ کو جنایت کا علم تھا، پھر اس نے غلام کو آزاد کر دیا، تو اس پر جنایت کا سارا تاوان لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ جنایت سے باخبر ہو کر غلام کو آزاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مولیٰ جنایت کے عوض میں نہ غلام دینا چاہتا ہے اور نہ اس کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے، بلکہ اپنے اختیار سے تاوان دینے کو منتخب کرتا ہے، اس لئے اس پر تاوان ہی لازم ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے جنایت کا علم ہوتے ہوئے غلام کو بیچ دے، یہاں بھی مولیٰ پر سارا تاوان لازم ہو جائے گا، کیونکہ بیچ کر اس نے خود تاوان دینے کو منتخب کر لیا۔ اس کے برخلاف ماقبل صورت میں جب بے خبر ہو کر غلام کو آزاد کر دیا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس نے تاوان دینے کو اختیار کیا ہے، اس لئے وہاں آسانی کی خاطر جو چیز کمتر ہو وہ اس پر لازم ہوگی۔

❽ وتعليقِ عتقه بقتل فلان، ورميه ....إلخ: یہ بیعه پر عطف ہے، أي: كتعليق عتقه... یعنی اگر مولیٰ نے غلام کی آزادی کو کسی شخص کے قتل پر معلق کر دیا، مثلاً مولیٰ نے غلام سے کہا کہ اگر تو نے فلاں آدمی کو قتل کر دیا تو تُو آزاد ہے، یا تیر مارنے پر معلق کر کے کہا کہ اگر فلاں کو تیر مارا تو تُو آزاد ہے، یا زخمی کرنے پر معلق کر کے کہا کہ اگر فلاں کو زخمی کر دیا تو تُو آزاد ہے، اور غلام نے بھی وہ کام کر دیا اور آزاد ہو گیا، تو ماقبل صورت کی طرح یہاں بھی مولیٰ پر تاوان لازم ہوگا، کیونکہ مولیٰ نے قصداً غلام سے جنایت کروا کر اس کو آزاد کر دیا، تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے تاوان دینے کو اختیار کیا۔

❾ عبد قطع يدَ حرّ عمدا، ودفع إليه، فحرّره ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام نے کسی آزاد شخص کا ہاتھ قصداً کاٹ دیا، پھر مولیٰ نے وہ غلام آزاد شخص کو دیا اور اس نے غلام کو آزاد کر دیا، اس کے بعد آزاد شخص ہاتھ کے زخم سے مر گیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ نہ غلام پر کوئی تاوان ہوگا، اور نہ اس کے مولیٰ پر، کیونکہ ہاتھ کے عوض غلام پر صلح ہوئی، یعنی آزاد شخص نے جب غلام کو قبول کر کے اُسے آزاد کر دیا تو یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس نے ہاتھ کی جنایت اور جو کچھ اس سے پیش آئے سب کو معاف کر کے غلام کے عوض صلح کر لی، اس لئے کسی پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

❿ وإن لم يحرّره: ردّ على سيده، ويُقاد: يُقاد جیسے يُقام، اصل میں يُقْيَدُ تھا جیسے يُكْرَمُ. یعنی مذکورہ صورت میں اگر آزاد شخص نے غلام کو آزاد نہیں کیا اور پھر وہ ہاتھ کے زخم سے مر گیا تو غلام اپنے سابقہ مولیٰ کو واپس کر دیا جائے گا، اور اس

سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں قتل سے صلح نہیں ہوئی، اس لئے کہ آزاد شخص نے ہاتھ کاٹنے کے عوض صلح کر کے غلام کو قبول کرلیا تھا، حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ غلام نے قتل کی جنایت کی ہے، اور اس سے صلح نہیں ہوئی، اس لئے غلام سے قصاص لیا جائے گا۔

⑪ جَنٰى مَأْذُوْنٌ مَدْيُوْنٌ خَطَأً، فَحَرَّرَهُ سَيِّدُهُ بِلَا عِلْمٍ عَلَيْهِ قِيْمَةٌ لِرَبِّ الدَّيْنِ، وَ قِيْمَةٌ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ ⑫ مَأْذُوْنَةٌ مَدْيُوْنَةٌ وَلَدَتْ بِيْعَتْ مَعَ وَلَدِهَا لِلدَّيْنِ ⑬ وَإِنْ جَنَتْ، فَوَلَدَتْ: لَمْ يُدْفَعِ الْوَلَدُ لَهُ ⑭ عَبْدٌ زَعَمَ رَجُلٌ أَنَّ سَيِّدَهُ حَرَّرَهُ، فَقَتَلَ وَلِيَّهُ خَطَأً لَا شَيْءَ لَهُ.

ترجمہ: ماذون مدیون نے خطاءً جنایت کی، پھر اس کے مولیٰ نے اُسے آزاد کردیا علم کے بغیر، تو اس پر ایک قیمت دَین والے کیلئے ہے، اور ایک جنایت والے کیلئے ہے۔ ماذونہ مدیونہ نے بچہ جنا، تو فروخت کردیا جائے گا اس کو اس کے بچہ سمیت دَین کیلئے۔ اور اگر اس نے جنایت کی پھر بچہ جنا، تو بچہ نہیں دیا جائے گا اس (جنایت والے) کو۔ کوئی غلام ہے، کسی آدمی نے گمان کیا کہ اس کے مولیٰ نے اُسے آزاد کردیا ہے، پھر (غلام نے) خطاءً اس (آدمی) کے ولی کو قتل کردیا، تو اس (آدمی) کیلئے کچھ بھی نہ ہوگا۔

تشریح:

⑪ **جنى مأذون مديون خطأ، فحرّره.....الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دے کر اُسے ماذون بنادیا، تجارت میں ماذون پر دَین آگیا، پھر اس مدیون ماذون نے کوئی جنایت بھی کی، مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، مولیٰ کو اس جنایت کا علم نہیں[1] تھا کہ اس کو آزاد کردیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ مولیٰ پر دو ضمان واجب ہوں گے: وہ یہ کہ غلام کی ایک قیمت دَین والے کو دے، اور ایک قیمت جنایت والے کو دے، کیونکہ دَین والے کا حق بھی غلام سے متعلق ہوگیا ہے، اور جنایت والے کا حق بھی اس سے متعلق ہوگیا ہے، مگر مولیٰ نے غلام کو آزاد کر کے دونوں حق والوں کا حق ضائع کردیا، اس لئے دونوں کو قیمت ادا کرے۔

⑫ **مأذونة مديونة ولدت بيعت مع ولدها للدين:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کسی آدمی سے کردیا، پھر مولیٰ نے باندی کو تجارت کرنے کی اجازت دے کر ماذونہ بنادیا، تجارت میں اس پر دَین آگیا، پھر اس ماذونہ مدیونہ باندی نے اپنے شوہر[2] سے بچہ جنا، تو باندی کو اپنے بچے کے ساتھ فروخت کر کے ان کے ثمن سے دَین ادا کیا جائے گا، اس لئے کہ دَین ایسا وصف ہے جس کا تعلق باندی کے رقبہ (یعنی ذات) سے ہے، لہٰذا یہ وصف باندی سے تجاوز کر کے اس کے بچے کو بھی لاحق ہوجائے گا، کیونکہ بچہ اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے، لہٰذا ماں کے ساتھ بچے کو بھی فروخت کردیا جائے گا۔

---

① اگر جنایت کا علم ہوتے ہوئے آزاد کردیا تو مولیٰ دَین والے کو قیمت ادا کرے، اور جنایت والے کو جنایت کا پورا ضمان ادا کرے۔

② اگر باندی کا بچہ اپنے مولیٰ سے ہوگیا، تو وہ باندی مولیٰ کی اُم ولد بن جائے گی، لہٰذا اس کو بیچنا جائز نہیں ہوگا، ایسی صورت میں مولیٰ اپنی جیب سے دَین ادا کرے۔

⑬ وإن جنت، فولدت: لم يدفع الولد لـهٗ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر باندی پر کوئی دَین نہیں تھا، اور اس نے کوئی جنایت کی، مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹا، اور پھر بچہ جنا، تو جنایت والے کو صرف باندی دی جائے گی، اس کا بچہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ جنایت ایسا وصف ہے جس کا تعلق باندی کے رقبہ سے نہیں ہے، بلکہ مولیٰ کے فعل سے ہے، یعنی مولیٰ پر واجب ہے کہ جنایت کا تاوان ادا کرے، لہٰذا یہ وصف بچے کو لاحق نہیں ہوگا، اب مولیٰ کی مرضی ہے کہ یا تو جنایت کا تاوان ادا کرے اور یا باندی دے دے۔

⑭ عبد زعم رجل أن سيده حرّره، فقتل وليّـهٗ خطأ ....إلخ: ولیہٗ میں ضمیر کا مرجع رجل ہے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے گمان کیا (یعنی اقرار کیا) کہ فلاں آدمی نے اپنا غلام آزاد کر دیا ہے، اس کے بعد اُس غلام نے زید کے کسی رشتہ دار کو خطاءً قتل کر دیا، تو زید کو ضمان میں کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ زید خود اقرار کر رہا ہے کہ قاتل آزاد ہے، تو اس کا اقرار خود اس پر حجت ہے، لہٰذا غلام (قاتل) کے مولیٰ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اور غلام پر بھی کوئی ضمان نہیں ہوگا، بلکہ اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، لیکن چونکہ زید کے پاس اس بات پر گواہ نہیں ہیں کہ غلام کی آزادی کو ثابت کرے، اس لئے غلام کے عاقلہ پر بھی کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

⑮ قَالَ مُعْتَقٌ لِرَجُلٍ: قَتَلْتُ أَخَاكَ خَطَأً، وَأَنَا عَبْدٌ، وَقَالَ: بَعْدَ الْعِتْقِ، فَالْقَوْلُ لِلْعَبْدِ ⑯ وَإِنْ قَالَ لَهَا: قَطَعْتُ يَدَكِ وَأَنْتِ أَمَتِي، وَقَالَتْ: بَعْدَ الْعِتْقِ، فَالْقَوْلُ لَهَا ⑰ وَكَذَا كُلُّ مَا أَخَذَ مِنْهَا ⑱ إِلَّا الْجِمَاعَ، وَالْغَلَّةَ ⑲ عَبْدٌ مَحْجُورٌ أَمَرَ صَبِيًّا حُرًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ، فَقَتَلَهُ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الصَّبِيِّ ⑳ وَكَذَا إِنْ أَمَرَ عَبْدًا مَحْجُورًا.

ترجمہ: کسی آزاد شدہ نے کسی آدمی سے کہا کہ میں نے تمہارے بھائی کو خطاءً قتل کر دیا تھا، اس حال میں کہ میں غلام تھا، اور (اس آدمی نے) کہا کہ آزادی کے بعد (قتل کیا)، تو بات غلام کی (معتبر) ہے۔ اور اگر (کسی آدمی نے آزاد شدہ) باندی سے کہا کہ میں نے تمہارا ہاتھ کاٹا اس حال میں کہ تو میری باندی تھی، اور (باندی نے) کہا کہ آزادی کے بعد (کاٹا)، تو بات باندی کی (معتبر) ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جو باندی سے لی ہو۔ سوائے جماع اور کمائی۔ کسی محجور غلام نے حکم دیا آزاد بچے کو کسی شخص کو قتل کرنے کا، پس (بچے نے) اُسے قتل کر دیا، تو اس کی دیت بچے کے عاقلہ پر ہے۔ اور اسی طرح اگر حکم دیا محجور غلام کو۔

تشریح:

⑮ قال معتق لرجل: قتلتُ أخاک ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آزاد شدہ غلام نے کسی آدمی سے کہا کہ میں نے تمہارا بھائی خطاءً قتل کر دیا، اور اس وقت میں غلام تھا، لہٰذا تم جاؤ میرے سابق مولیٰ سے ضمان لے لو، اس آدمی نے کہا کہ نہیں، تم نے میرے بھائی کو اس وقت قتل کیا جب تو آزاد ہو چکا تھا، لہٰذا قتل کا ضمان (دیت) تمہارے عاقلہ پر ہوگا، تو اس میں آزاد شدہ غلام کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ وہ قتل کو غلامی کی حالت کی طرف منسوب کر کے ضمان سے انکار کر رہا ہے، اور مدعی اس پر ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے، اور

قاعدہ یہ ہے کہ جب مدّعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو بات منکر کی معتبر ہوتی ہے۔

⑯ **وإن قال لها: قطعتُ يدكِ وأنتِ أمتي.... إلخ:** لها کا مرجع ''آزادشدہ باندی'' ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا، اور پھر اس سے کہا کہ میں نے تمہارا ہاتھ کاٹ دیا تھا اور اس وقت تو میری باندی تھی، لہٰذا مجھ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، باندی نے کہا کہ نہیں، میرے آزاد ہونے کے بعد تو نے میرا ہاتھ کاٹا، لہٰذا تمہارے اوپر ضمان واجب ہے۔ تو یہاں آزادشدہ باندی کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ معتِق نے ایک مرتبہ خود ضمان کے سبب (کاٹنے) کا اقرار کرلیا، تو گویا اس نے مان لیا کہ میرے اوپر ضمان واجب ہے، اور پھر ایسا دعویٰ کیا جس سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ اس وقت تو میری باندی تھی، لہٰذا اس کا یہ دعویٰ بغیر دلیل کے قبول نہیں ہوگا، اس لئے باندی کا قول معتبر ہو کر معتِق پر ضمان واجب ہوگا۔

⑰ **وكذا كلّ ما أخذ منها:** یعنی ماقبل مسئلے کی طرح باندی کا قول معتبر ہوگا ہر اس چیز میں جس کو معتِق نے باندی سے لیا ہو، مثلاً معتِق نے آزادشدہ باندی سے کہا کہ میں نے فلاں مال تجھ سے لیا تھا اور اس وقت تو میری باندی تھی، مگر باندی نے کہا کہ نہیں، بلکہ اس وقت میں آزاد ہو چکی تھی، تو اس میں بھی ماقبل مسئلے کی طرح باندی کا قول معتبر ہوگا۔

⑱ **إلّا الجماع، والغلّة:** یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو مولیٰ نے باندی سے لیا ہو اس میں باندی کا قول معتبر ہے، سوائے جماع کرنے اور غلّہ[①] لینے کے، ان میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا، مثلاً مولیٰ نے اپنی آزادکردہ باندی سے کہا کہ میں نے تجھ سے جماع کیا تھا اس وقت تو میری باندی تھی، لہٰذا جماع کی وجہ سے مجھ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، باندی نے کہا کہ نہیں، اس وقت میں آزاد ہو چکی تھی، لہٰذا تمہارے اوپر جماع کرنے کا ضمان واجب ہے، تو اس میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

اور اسی طرح اگر مولیٰ نے آزادکردہ باندی سے کہا کہ جس وقت میں نے تمہاری کمائی (غلہ) لی اس وقت تو میری باندی تھی، باندی نے کہا کہ نہیں، اس وقت میں آزاد ہو چکی تھی، یہاں بھی مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ماقبل مسئلے کی طرح یہاں بھی باندی کا قول معتبر ہو، مگر استحساناً اس صورت میں مولیٰ کا قول معتبر مانا گیا۔[②]

⑲ **عبد محجور أمر صبيا حرّا بقتل رجل.... إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ کسی مجور (پابند، غیر ماذون) غلام نے کسی آزاد بچے کو حکم دیا کہ فلاں آدمی کو قتل کرو، بچے نے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر دیا، تو مقتول کی دیت بچے کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ قتل کا عمل بچے نے کیا ہے، نہ کہ غلام نے۔ البتہ جب غلام آزاد ہو جائے تو بچے کے عاقلہ اس پر رجوع کریں گے، کیونکہ غلام عاقل بالغ انسان ہے، لہٰذا بچے کو غلط حکم کرنے کا ذمہ دار ہوگا، مگر فی الحال وہ غلام ہے، اس کے پاس کچھ ہے نہیں، اس لئے اس پر رجوع نہیں ہوگا۔

---

① غلّہ بمعنی پیداوار، کمائی، مزدوری اور منافع۔

② استحسان کی وجہ یہ ہے کہ باندی ہونے کی حالت میں مولیٰ کو ہر وقت باندی سے جماع کرنے اور اس کا غلّہ لینے کا حق ہے، خواہ باندی پر لوگوں کا دَین ہو یا نہ ہو۔ اس کے برخلاف ماقبل مسئلوں میں اگر باندی مدیونہ ہو تو مولیٰ نہ اس کا ہاتھ کاٹ سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی مال لے سکتا ہے، اس لئے ان مسئلوں میں باندی کا قول معتبر مانا گیا۔

محجور کی قید میں احتراز ہے مکاتب سے، لہٰذا مکاتب اگر بچے کو ایسا حکم دے تو بچے کے عاقلہ فی الحال اس پر رجوع کر کے اس کی قیمت اور دیت میں سے جو کمتر ہو وہ اس سے لے لیں گے۔

⑳ وكذا إن أمر عبدا محجورا: یعنی ماقبل حکم کی طرح اگر ایک مجور غلام نے دوسرے مجور غلام کو حکم دیا کہ فلاں آدمی کو قتل کرو، اس نے قتل کردیا، تو قاتل غلام کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ مقتول کے ضمان میں یا تو یہی غلام دے دو، یا اس کی قیمت ادا کرو، بعد میں جب حکم دینے والا غلام آزاد ہو جائے گا تو قاتل غلام کا مولیٰ اس پر رجوع کر کے تاوان وصول کرے گا۔

㉑ عَبْدٌ قَتَلَ رَجُلَيْنِ عَمْدًا، لِكُلٍّ وَلِيَّانِ، فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا: دَفَعَ سَيِّدُهُ نِصْفَهُ إِلَى الْآخَرَيْنِ، أَوْ فَدَاهُ بِالدِّيَةِ ㉒ فَإِنْ قَتَلَ أَحَدَهُمَا عَمْدًا، وَالْآخَرَ خَطَأً، فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ: فَدَى بِالدِّيَةِ لِوَلِيَّيِ الْخَطَأِ، وَبِنِصْفِهَا لِأَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمْدِ، أَوْ دَفَعَهُ إِلَيْهِمْ أَثْلَاثًا ㉓ عَبْدُهُمَا قَتَلَ قَرِيبَهُمَا، فَعَفَا أَحَدُهُمَا: بَطَلَ الْكُلُّ.

ترجمہ: کسی غلام نے دو آدمیوں کو قتل کیا قصداً، اور ہر ایک کے دو دو ولی ہیں، اور ہر ایک کے دو ولیوں میں سے ایک ایک نے معاف کردیا، تو غلام کا مولیٰ غلام کا نصف دے دوسرے دو کو، یا اس کا فدیہ دے دیت کے ذریعے۔ اور اگر دو میں سے ایک کو قتل کیا قصداً اور دوسرے کو خطاءً، پھر قصداً کے دو ولیوں میں سے ایک نے معاف کردیا، تو دیت کے ذریعے فدیہ دے خطاء کے دو ولیوں کو، اور دیت کا نصف دے قصداً کے دو ولیوں میں سے ایک کو، یا غلام ان کو دے تین تہائیاں کر کے۔ دو کے غلام نے قتل کردیا ان کے رشتہ دار کو، پھر ایک نے معاف کردیا، تو سب باطل ہو جائے گا۔

تشریح:

㉑ عبد قتل رجلين عمدا، ولكلّ وليان.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی غلام نے دو آدمیوں کو قصداً قتل کردیا، اور دونوں مقتولوں میں سے ہر ایک کے دو دو ولی ہیں، پھر ہر مقتول کے دو دو ولیوں میں سے ایک ایک نے غلام کو معاف کردیا، تو اب غلام کے مولیٰ کو دو اختیار ہیں: ایک یہ کہ معاف نہ کرنے والے ایک ایک ولی کو غلام کا آدھا حصہ دے دے، کیونکہ معاف کرنے کی وجہ سے غلام سے قصاص ساقط ہو کر مال میں تبدیل ہو گیا، اور غلام کے رقبہ میں چار افراد کا حق تھا، مگر جب دو نے اپنا حق معاف کردیا تو معاف نہ کرنے والے دو کو غلام کا نصف حصہ ملے گا، پھر وہ دو ولی اس نصف حصے کو آپس میں آدھا آدھا کرلیں۔

مولیٰ کو دوسرا اختیار یہ ہے کہ معاف نہ کرنے والے ایک ایک ولی کو پوری دیت (مثلاً سو اونٹ) دے دے، کیونکہ غلام نے دو قتل

کئے ہیں جس کی وجہ سے دو دیتیں واجب ہوئیں، مگر جب ایک ایک ولی نے اپنا اپنا حق معاف کر دیا تو ایک دیت ساقط ہوگئی، اس لئے مولیٰ معاف نہ کرنے والے دو ولیوں کو ایک دیت ادا کرے، پھر وہ دو ولی اس دیت کو آپس میں آدھا آدھا کر لیں۔

㉒ فإن قتل أحدهما عمداً، والآخر خطأ فعفا ... إلخ: یعنی ماقبل صورت میں اگر غلام نے ایک آدمی کو قصداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاءً قتل کیا، اور پھر قصداً مقتول کے دو ولیوں میں سے ایک نے غلام کو معاف کر دیا، تو مولیٰ کو دو اختیار ہیں: ایک یہ کہ خطاءً مقتول کے دو ولیوں کو مکمل دیت ادا کرے، کیونکہ انہوں نے معاف نہیں کیا ہے، اور قصداً مقتول کے معاف نہ کرنے والے ایک ولی کو نصف دیت ادا کرے، کیونکہ اس کے ایک ولی نے جب اپنا حق معاف کر دیا تو اس کا حصہ (نصف دیت) ساقط ہوگیا۔

اور مولیٰ کو دوسرا اختیار یہ ہے کہ یہ غلام مذکورہ تین ولیوں (دو خطاءً مقتول کے ولی اور ایک قصداً مقتول کا ولی جس نے معاف نہیں کیا) کو دے دے، جس کو وہ آپس میں تہائی تہائی تقسیم کریں گے، یعنی تہائی حصہ ایک کا، تہائی دوسرے کا، اور تہائی تیسرے کا ہوگا۔

㉓ عبدهما قتل قريبهما، فعفا أحدهما: بطل الكلّ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام دو بھائیوں کے درمیان مشترک ہے، غلام نے ان بھائیوں کے رشتہ دار (مثلاً ان کی ماں) کو قتل کر دیا، پھر ایک بھائی نے غلام کو معاف کر دیا، تو دوسرے بھائی کا حق قصاص اور دیت دونوں میں باطل ہوگیا، لہٰذا اُسے کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ دونوں بھائیوں کو غلام کے رقبہ میں قصاص کا حق حاصل تھا، پھر جب ایک بھائی نے اپنا نصف حصہ معاف کر دیا تو دوسرے بھائی کا نصف حقِ قصاص ساقط ہو کر مال سے تبدیل ہوگیا، مگر مولیٰ اپنے غلام سے مال کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ غلام مال کا مالک بن ہی نہیں سکتا۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

فصل

أي: هذا فصل في بيان أحكام الجناية على العبد. یعنی یہ فصل غلام پر جنایت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔

ما سے پہلے غلام کی جنایت کا بیان تھا، یہاں غلام پر جنایت کرنے کے احکام بیان ہوں گے۔ اس فصل میں بارہ (۱۲) مسائل ہیں۔

> ㉔ قُتِلَ عَبْدٌ خَطَأً تَجِبُ قِيمَتُهُ ㉕ وَنُقِصَ عَشَرَةٌ لَوْ كَانَتْ عَشَرَةَ آلَافٍ، أَوْ أَكْثَرَ ㉖ وَفِي الْأَمَةِ عَشَرَةٌ مِنْ خَمْسَةِ آلَافٍ ㉗ وَفِي الْمَغْصُوبِ تَجِبُ قِيمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ ㉘ وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ قُدِّرَ مِنْ قِيمَتِهِ، فَفِي يَدِهِ نِصْفُ قِيمَتِهِ.

ترجمہ: کسی غلام کو خطاءً قتل کر دیا گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اور دس (درہم) کم ہوں گے اگر (قیمت) دس ہزار یا

زیادہ ہو۔ اور باندی میں دس (کم) ہوں گے پانچ ہزار سے۔ اور مغصوب میں اس کی قیمت واجب ہوگی جہاں تک پہنچ جائے۔ اور جو مقدار مقرر ہو آزادی کی دیت سے وہ مقرر ہوگی غلام کی قیمت سے، پس غلام کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہوگی۔

تشریح:

۲۴ **قتل عبد خطأ تجب قيمته:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام کو خطاءً قتل کر دیا گیا تو قاتل پر واجب ہے کہ غلام کے مولیٰ کو اس کی قیمت ادا کر دے، کیونکہ غلام کی قیمت ایسی ہے جیسے آزاد آدمی کی دیت، لہٰذا جس طرح آزاد آدمی کے قتل خطاء میں دیت واجب ہوگی بالکل اسی طرح غلام کے قتل خطاء میں اس کی قیمت واجب ہوگی۔

۲۵ **ونقص عشرة لو كانت عشرة آلاف، أو أكثر:** اگر مقتول غلام کی قیمت اتنی زیادہ ہو کہ آزاد آدمی کی دیت (دس ہزار درہم) کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو، تو اس میں آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کی کمی کی جائے گی، لہٰذا مولیٰ کو ۹۹۹۰ درہم ملیں گے، اس لئے کہ غلام کا مرتبہ آزاد آدمی سے کم ہے، لہٰذا غلام کے خون کا تاوان بھی آزاد آدمی کے خون کے تاوان سے کم ہوگا۔ یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل پر مقتول غلام کی مکمل قیمت واجب ہوگی، خواہ جتنی بھی ہو۔

۲۶ **وفي الأمة عشرة من خمسة آلاف:** یعنی اگر باندی کو خطاءً قتل کر دیا گیا اور اس کی قیمت آزاد عورت کی دیت (پانچ ہزار درہم) کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو، تو اس کے تاوان میں آزاد عورت کی دیت سے دس درہم کم کر دیئے جائیں گے، لہٰذا مولیٰ کو ۴۹۹۰ درہم ملیں گے، تا کہ آزاد عورت اور باندی کے خون کے مرتبہ میں فرق کو ظاہر کیا جائے۔

۲۷ **وفي المغصوب تجب قيمته بالغة ما بلغت:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے کا غلام یا باندی کو غصب کر لیا، اور پھر وہ مغصوب غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، تو اس پر مکمل قیمت دینا واجب ہے، خواہ جتنی بھی ہو، کیونکہ یہ مغصوب کی مالیت کا تاوان ہے، نہ کہ اس کے خون کا، اور مالیت کا پورا تاوان واجب ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قتل خطاء میں مقتول کے خون کا تاوان واجب ہوتا ہے، اس لئے وہاں غلام کے خون کا تاوان آزاد آدمی کے خون کے تاوان سے کم ہونا ضروری ہے۔

۲۸ **وما قُدّر من دية الحر قُدّر من قيمته ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ آزاد آدمی کی دیت میں سے جو مقدار مقرر کر دی جاتی ہے غلام کی قیمت میں سے وہی مقدار مقرر ہوگی، مثلاً اگر آزاد آدمی کے ایک ہاتھ کو خطاءً کاٹا گیا تو اس میں نصف دیت واجب ہوگی، اور اگر غلام کے ایک ہاتھ کو خطاءً کاٹا گیا تو اس میں نصف قیمت واجب ہوگی، اور اگر آزاد آدمی کی ایک انگلی کاٹی گئی تو اس میں عشرِ دیت واجب ہوگا، اور اگر غلام کی ایک انگلی کاٹی گئی تو اس میں عشرِ قیمت واجب ہوگی۔

۲۹ **قُطِعَ يَدُ عَبْدٍ، فَحَرَّرَهُ سَيِّدُهُ، فَمَاتَ مِنْهُ، وَلَهُ وَرَثَةٌ غَيْرُهُ: لَا يُقْتَصُّ** ۳۰ **وَإِلَّا: اُقْتُصَّ مِنْهُ** ۳۱ **قَالَ: أَحَدُكُمَا حُرٌّ، فَشُجَّا،**

فَبَيَّنَ فِي أَحَدِهِمَا: فَأَرْشُهُمَا لِلسَّيِّدِ ㉜ فَقَأَ عَيْنَيْ عَبْدٍ: دَفَعَ سَيِّدُهُ عَبْدَهُ، وَأَخَذَ قِيمَتَهُ، أَوْ أَمْسَكَهُ، وَلَا يَأْخُذُ النُّقْصَانَ.

ترجمہ: کسی غلام کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس کے مولیٰ نے اُسے آزاد کر دیا، پھر مر گیا اس کی وجہ سے، اور اس کیلئے وارث ہیں مولیٰ کے علاوہ، تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (مولیٰ نے) کہا: "تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، پھر دونوں کو زخمی کر دیا گیا، پھر (مولیٰ نے) بیان کیا ان میں سے ایک میں، تو ان کا تاوان مولیٰ کیلئے ہوگا۔ کسی غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں، تو اس کا مولیٰ اپنا غلام دے دے، اور اس کی قیمت لے لے، یا غلام (اپنے پاس) روک لے اور نقصان نہ لے۔

تشریح:

㉙ قطع يدَ عبد، فحرّره سيدُه، فمات .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے قصداً کسی غلام کا ہاتھ کاٹا، پھر مولیٰ نے غلام کو آزاد کر دیا، اس کے بعد غلام ہاتھ کے زخم سے مر گیا، اور مولیٰ کے علاوہ غلام کے اور ورثہ بھی ہیں، تو ہاتھ کاٹنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قصاص کے حقدار میں اشتباہ آ گیا، اگر ہاتھ کاٹنے کے وقت کا اعتبار کریں تو قصاص لینا مولیٰ کا حق ہے، اور اگر مرنے کے وقت کا اعتبار کریں تو قصاص لینا ورثہ کا حق ہے، لہٰذا اس اشتباہ کی وجہ سے نہ مولیٰ قصاص لے سکتا ہے اور نہ ورثہ۔ اس مسئلے کا مثل مسئلہ كتاب الجنايات/ باب ما يوجب القصاص وما لا يوجبه مسئلہ نمبر (۱۶) میں گزر چکا ہے۔

㉚ وإلَّا: أُقتصّ منه: أي: وإن لا يكون له ورثة غيره: أُقتصّ منه. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مولیٰ کے علاوہ غلام کا کوئی اور وارث نہ ہو، تو ہاتھ کاٹنے والے سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ یہاں قصاص لینے کا حقدار یقینی طور پر مولیٰ ہے، خواہ کاٹنے کے وقت کا اعتبار کیا جائے یا مرنے کے وقت کا۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی قصاص نہیں ہوگا۔ اس مسئلے کا مثل مسئلہ كتاب الجنايات/ باب ما يوجب القصاص وما لا يوجبه مسئلہ نمبر (۱۴) میں گزر چکا ہے، دلائل کی تفصیل وہاں دیکھیں۔

㉛ قال: أحدُكما حرّ، فشُجّا، فبيّن في .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے، پھر کسی آدمی نے ان دونوں غلاموں کا سر پھوڑ دیا، اس کے بعد مولیٰ نے وضاحت کی اور ان میں سے کسی ایک کو آزادی کیلئے متعین کر کے اس پر آزادی واقع کر دی، تو دونوں غلاموں کے زخم کا تاوان مولیٰ کو ملے گا، آزاد ہونے والے کو اپنے زخم کا تاوان نہیں ملے گا، اس لئے کہ مولیٰ نے اگر چہ زخم لگنے سے پہلے ان میں سے ایک کو آزاد کر دیا تھا، لیکن چونکہ وہ ایک معلوم نہیں تھا، اس لئے متعین کرنے تک دونوں پر غلامی کے احکام جاری ہوں گے، اور غلام کے زخم کا تاوان مولیٰ ہی کو ملتا ہے۔

㉜ فقأ عينَي عبد: دَفع سيدُه عبدَه وأخذ .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے کسی غلام کی دونوں آنکھیں

چھوڑ دیں، تو غلام کے مولیٰ کو دو اختیار ہیں: یا تو یہی غلام زید کو دے کر اس سے غلام کی پوری قیمت لے لے، اور یا غلام اپنے پاس روک لے اور زید سے کوئی تاوان وصول نہ کرے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ غلام اپنے پاس روک کر زید سے آنکھوں کا نقصان لے لے، کیونکہ غلام کے اعضاء میں مال کے احکام جاری ہوتے ہیں، تو جس طرح ایک شخص دوسرے کا مال ہلاک کرے تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے، اسی طرح غلام کی آنکھوں کا بھی نقصان لیا جائے گا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ غلام میں انسانیت اور مالیت دونوں کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ غلام ایک اعتبار سے انسان ہے اور دوسرے اعتبار سے مال ہے، تو انسانیت کے اعتبار سے غلام کی آنکھوں کا علیحدہ تاوان نہیں ہوتا، جیسے آزاد انسان کی دونوں آنکھوں کا علیحدہ ضمان نہیں ہے، بلکہ مکمل دیت ہوگی، لہٰذا غلام کی دونوں آنکھوں میں بھی مکمل قیمت ہوگی۔ اور مالیت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ نہیں ہوسکتا کہ مولیٰ غلام کی پوری قیمت بھی وصول کرے اور غلام بھی اپنے پاس روک لے، کیونکہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہوسکتے، لہٰذا مولیٰ اگر غلام کی پوری قیمت لینا چاہے تو غلام جانی (جنایت کرنے والے) کو دے دے۔

> ۲۲ جَنٰى مُدَبَّرٌ، أَوْ أُمُّ وَلَدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ، وَ مِنَ الْأَرْشِ ۲۳ فَإِنْ دَفَعَ الْقِيمَةَ بِقَضَاءٍ، فَجَنٰى أُخْرٰى: شَارَكَ الثَّانِي الْأَوَّلَ ۲۴ وَلَوْ بِغَيْرِ قَضَاءٍ: اِتَّبَعَ السَّيِّدَ، أَوْ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ.

ترجمہ: مدبّر یا اُم ولد نے جنایت کی تو مولیٰ ضمان دے کمتر کا قیمت اور تاوان میں سے۔ اور اگر قیمت دی (قاضی کے) فیصلہ سے پھر دوسری جنایت کی تو دوسرا شریک ہوگا پہلے کا۔ اور اگر فیصلہ کے بغیر ہو تو (دوسرا) پیچھا کرے مولیٰ کا، یا (پہلی) جنایت والے کا۔

تشریح:

۲۲ جنى مدبر، أو أم ولد ضمن السيد ....الخ: اگر کسی مدبر غلام یا اُم ولد باندی نے کوئی جنایت کی تو مولیٰ اس کی قیمت اور جنایت کے تاوان میں سے جو کمتر ہو وہ دے دے، کیونکہ مدبر ہونے اور اُم ولد ہونے کی وجہ سے یہ ناممکن ہے کہ ان کو جنایت میں دے دیا جائے، تو یہ ایسا ہوا جیسے مولیٰ اس جنایتکار مملوک کو آزاد کردے اور اس کو جنایت کا علم نہ ہو، جس کا حکم باب جناية المملوک والجناية عليه مسئلہ نمبر (۶) میں گزر چکا ہے۔

۲۳ فإن دفع القيمة بقضاء، فجنى أخرى ....الخ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مولیٰ نے قاضی کے فیصلہ سے جنایت والے کو قیمت دی، اس کے بعد غلام نے دوسری جنایت کی، تو مولیٰ پر دوسری قیمت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ غلام کی جنایتوں کے عوض مولیٰ پر صرف ایک قیمت واجب ہوگی، جیسا کہ باب جناية المملوک والجناية عليه مسئلہ نمبر (۲) میں گزر چکا ہے، اور

مولیٰ نے پہلی جنایت والے کو جو قیمت دی ہے وہ ازخود تجاوز کر کے نہیں دی، بلکہ قاضی کے فیصلہ سے دی ہے، لہٰذا اب دوسری جنایت والا جا کر پہلی جنایت والے کے ساتھ قیمت میں شریک ہو جائے، اور جو قیمت پہلی جنایت والے کو ملی ہے وہ آپس میں بانٹ لیں۔

⑤ ولو بغير قضاء: اتبع السيد، أو وليّ الجناية: یعنی مذکورہ صورت میں اگر مولیٰ نے پہلی جنایت والے کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ازخود قیمت دی تو دوسری جنایت والے کو دو اختیار ہوں گے: یا تو مولیٰ کے پیچھے پڑ کر اس سے اپنے تاوان کے بقدر قیمت لے لے، کیونکہ مولیٰ نے ساری قیمت پہلی جنایت والے کو ازخود دے کر تجاوز کیا ہے، اور اگر چاہے تو پہلی جنایت والے سے مطالبہ کر کے اس سے اپنے تاوان کے بقدر قیمت لے لے، کیونکہ پہلی جنایت والے نے بھی تجاوز کیا ہے کہ ازخود ساری قیمت پر قبضہ کیا ہے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک مولیٰ پر کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ اس نے وہی کام کیا ہے جو قاضی نے کرنا تھا، لہٰذا یہ تجاوز نہیں ہے۔ والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆

﴿بَابُ غَصْبِ الْعَبْدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالصَّبِيِّ وَالْجِنَايَةِ فِي ذٰلِكَ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام غصب العبد، والمدبر، والصبي، والجناية في ذٰلك. یعنی یہ باب غلام، مدبر اور بچے کو غصب کرنے اوران پر جنایت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ ذٰلک سے مراد غلام، مدبر اور بچے میں سے ہر ایک ہے۔

اس سے پہلے غلام اور مدبر کی جنایت کرنے اوران پر جنایت کرنے کے احکام کا بیان تھا، اب یہاں سے ان کو غصب کرنے اوراسی دوران پر جنایت کرنے کے احکام بیان ہوں گے، گویا پہلے مفرد (جنایت) کا بیان تھا اوراس باب میں مرکب (غصب اور جنایت) کا بیان ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مفرد مرکب سے مقدم ہوتا ہے۔ بچے کے احکام غلام کے تبع میں لائے۔ اس باب میں گیارہ (۱۱) مسائل ہیں۔

❶ قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ، فَغَصَبَهُ رَجُلٌ، وَمَاتَ مِنْهُ: ضَمِنَ قِيمَتَهُ أَقْطَعَ ❷ وَإِنْ قَطَعَ يَدَهُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ، فَمَاتَ مِنْهُ بَرِئَ ❸ غَصَبَ مَحْجُورٌ مِثْلَهُ، فَمَاتَ فِي يَدِهِ: ضَمِنَ ❹ مُدَبَّرٌ جَنٰى عِنْدَ غَاصِبِهِ، ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهِ: ضَمِنَ قِيمَتَهُ لَهُمَا، وَرَجَعَ بِنِصْفِ قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ، وَدَفَعَ إِلَى الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَجَعَ بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ ❺ وَبِعَكْسِهِ لَا يَرْجِعُ بِهِ ثَانِيًا.

ترجمہ: (کسی نے) اپنے غلام کا ہاتھ کاٹا، پھر کسی آدمی نے اُسے غصب کیا، اوراس (زخم) سے مرگیا، تواس کی قیمت کا ضمان دے کٹا ہوا۔ اور اگر اس کا ہاتھ کاٹا غاصب کے ہاتھ میں، پھر اس (زخم) سے مرگیا، تو (غاصب) بری ہوگیا۔ کسی مجور (غلام) نے غصب کیا اپنی مثل کو، پھراس کے ہاتھ میں مرگیا تو ضمان دے گا۔ کسی مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے یہاں، پھر اپنے مولیٰ کے یہاں، تو (مولیٰ) اس کی قیمت کا ضمان دے دونوں کیلئے، اور رجوع کرے اس کی نصف قیمت کے ساتھ غاصب پر اور پہلے (جنایت والے) کو دے دے، پھر اس کے ساتھ رجوع کرے غاصب پر۔ اوراس کے برعکس اس کے ساتھ رجوع نہ کرے دوسری مرتبہ۔

تشریح:

❶ قطع يد عبده، فغصبه رجلٌ، ومات....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا، اس کے بعد کسی آدمی نے اس غلام کو غصب کرلیا، اور پھر غلام ہاتھ کے زخم سے غاصب کے ہاں مرگیا، تو غاصب ہاتھ کٹے ہوئے غلام کا تاوان دے گا، یعنی ہاتھ کٹنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان غاصب پر نہیں ہے، باقی ماندہ قیمت کا تاوان

دے دے، کیونکہ غاصب پر غصب کی وجہ سے ضمان آتا ہے، اور غصب ایسی حالت میں ہوا ہے کہ غلام کا ہاتھ کٹ چکا تھا، لہٰذا اسی حالت میں غلام کی جو قیمت ہے غاصب پر اس کا ضمان واجب ہو جائے گا۔

❷ وإن قطع يده في يد الغاصب، فمات منه: برئ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے کسی کا غلام غصب کر لیا، اس کے بعد مولیٰ نے غاصب کے ہاں غلام کا ہاتھ کاٹ دیا، اور پھر اس زخم کی وجہ سے غلام مر گیا، تو غاصب ضمان سے بری ہو گیا، اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ مولیٰ جب غلام کا ہاتھ کاٹتا ہے تو اس نے غلام پر قدرت پا کر قبضہ کر لیا، لہٰذا غصب ختم ہو گیا، اور غاصب غاصب نہیں رہا، اس لئے بعد میں مرنے کی وجہ سے اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

❸ غصب محجورٌ مثله، فمات في يده: ضمن: کسی مجور غلام نے اپنے جیسے مجور غلام کو غصب کیا، اور پھر مغصوب غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، تو غاصب پر اس کا تاوان ہوگا، اس لئے کہ غلام اپنے فعل وعمل کا ضامن ہوتا ہے، مگر فی الحال چونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے آزاد ہونے کے بعد اس سے مغصوب کی قیمت لی جائے گی۔

❹ مدبر جنى عند غاصبه، ثم عند سيده... إلخ: لهما کا مرجع "دو جنایت والے" ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے مدبر غلام غصب کر لیا، مدبر نے غاصب کے ہاں جنایت کی، پھر مولیٰ نے مدبر پر واپس قبضہ کر لیا، اور مدبر نے مولیٰ کے ہاں دوسری جنایت کی، تو مولیٰ مدبر کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا، جو دونوں جنایت والوں میں آدھی آدھی تقسیم کی جائے گی، کیونکہ مولیٰ نے غلام کو مدبر بنا کر اس بات کو ناممکن بنا دیا کہ غلام جنایت والوں کو دے دیا جائے، جیسے آزاد کر دے، لہٰذا مولیٰ پوری قیمت ادا کرے۔

اس کے بعد مولیٰ غاصب پر رجوع کر کے اس سے آدھی قیمت لے لے، کیونکہ مولیٰ نے پہلی جنایت والے کو آدھی قیمت اُس جنایت کی وجہ سے دی جو مدبر نے غاصب کے ہاں کی تھی، لہٰذا غاصب وہ آدھی قیمت مولیٰ کو دے دے۔

جب مولیٰ نے آدھی قیمت غاصب سے لے لی تو وہ پہلی جنایت والے کو دے دے، تاکہ اس کو مکمل قیمت مل جائے، کیونکہ وہ مکمل قیمت کا حقدار ہے، اس لئے کہ مدبر نے جب پہلی جنایت کی تو اس وقت مدبر کی قیمت کا کوئی دوسرا حقدار نہیں تھا، اس لئے پہلی جنایت والے کو مکمل قیمت ملے گی۔ اس کے بعد مولیٰ دوبارہ غاصب پر رجوع کر کے اس سے آدھی قیمت لے لے، اور اس کو اپنے پاس رکھے، کیونکہ مولیٰ نے پہلی مرتبہ جو آدھی قیمت غاصب سے لی تھی وہ اس نے پہلی جنایت والے کو دی، اور مولیٰ بے چارے کے پاس کچھ بھی نہ رہا، لہٰذا اُسے حق ہے کہ غاصب پر دوبارہ رجوع کر کے اس سے آدھی قیمت وصول کر لے۔

❺ وبعكسه لا يرجع به ثانيا: یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر مدبر نے پہلی جنایت مولیٰ کے پاس کی اور دوسری جنایت غاصب کے یہاں کی، پھر مولیٰ نے مدبر پر قبضہ کر کے دونوں جنایتوں کی پوری قیمت کا ضمان ادا کر دیا، اور پھر غاصب پر رجوع کر کے اس سے آدھی قیمت لے لی، تو اس کے بعد دوبارہ غاصب پر رجوع نہ کرے، کیونکہ مولیٰ نے پہلی جنایت والے کو جو آدھی قیمت کا تاوان ادا کیا ہے وہ اس جنایت کا تاوان ہے جو مدبر نے مولیٰ کے پاس کی ہے، لہٰذا اس کا تاوان غاصب سے نہیں لے سکتا۔

❶ وَالْقِنُّ كَالْمُدَبَّرِ، غَيْرَ أَنَّ الْمَوْلَى يَدْفَعُ الْعَبْدَ هُنَا، وَثَمَّ الْقِيمَةَ ❷ مُدَبَّرٌ جَنَى عِنْدَ غَاصِبِهِ، فَرُدَّ، فَغَصَبَهُ، فَجَنَى، فَعَلَى سَيِّدِهِ قِيمَتُهُ لَهُمَا، وَرَجَعَ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ، وَدَفَعَ نِصْفَهَا إِلَى الْأَوَّلِ، وَرَجَعَ بِذَلِكَ النِّصْفِ عَلَى الْغَاصِبِ.

ترجمہ: اور قن مدبر کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ مولیٰ غلام دے گا یہاں اور وہاں قیمت۔ کسی مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے ہاں، پھر واپس کردیا گیا، پھر اس کو غصب کرلیا، اور پھر جنایت کی، تو اس کے مولیٰ پر اس کی قیمت ہے دونوں کیلئے، اور پھر اس کی قیمت کے ساتھ رجوع کرے غاصب پر، اور اس کا نصف دیدے پہلے کو، اور اس نصف کے ساتھ رجوع کرے غاصب پر۔

تشریح:

❶ **والقنّ کالمدبر، غیر أن المولی یدفع** ....الخ: یعنی مذکورہ دو مسئلوں (۴۔۵) میں قن غلام کا وہی حکم ہے جو مدبر کا تھا، لہٰذا اگر غاصب قن غلام کو غصب کرے تو اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو مدبر کو غصب کرنے میں تھی۔ البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ قن غلام کی صورت میں مولیٰ دونوں جنایت والوں کو یہی غلام دے گا، اور مدبر غلام کی صورت میں قیمت دے گا، کیونکہ مدبر تدبیر کی وجہ سے آزادی کا مستحق بن گیا ہے، لہٰذا وہ دوسرے کی ملک میں نہیں دیا جاسکتا۔

❷ **مدبر جنی عند غاصبه، فرُدَّ، فغصبه، فجنی** ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے مدبر غلام غصب کیا، مدبر نے غاصب کے پاس جنایت کی، پھر وہ مدبر مولیٰ کو واپس کردیا گیا، اس کے بعد غاصب نے دوبارہ مدبر کو غصب کیا، اور مدبر نے غاصب کے پاس دوسری جنایت کی، تو مولیٰ مدبر کی پوری قیمت ادا کرکے دونوں جنایت والوں کو نصف نصف دے دے، کیونکہ مولیٰ نے غلام کو مدبر بنا کر اس بات کو ناممکن بنادیا کہ یہی غلام جنایت والوں کو دے دیا جائے، اس لئے مدبر کی جگہ اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے۔

اس کے بعد مولیٰ غاصب پر رجوع کرکے اس سے پوری قیمت وصول کرلے، کیونکہ دونوں جنایتیں غاصب کے پاس واقع ہوئی ہیں، لہٰذا دونوں کا تاوان اسی پر آئے گا۔

اس کے بعد وہ قیمت جو مولیٰ نے غاصب سے لی اس کا نصف پہلی جنایت والے کو دے، تاکہ اس کو مکمل قیمت مل جائے، کیونکہ مدبر نے جب پہلی جنایت کی تو اس وقت اس کی قیمت کا دوسرا کوئی حقدار نہیں تھا، لہٰذا پہلی جنایت والا مدبر کی پوری قیمت کا حقدار بن گیا۔

اس کے بعد مولیٰ نے جو نصف قیمت پہلی جنایت والے کو دی ہے وہ غاصب پر رجوع کرکے اس سے لے لے، کیونکہ مولیٰ نے پہلی جنایت والے کو جو ضمان ادا کیا اس کا سبب وہ جنایت ہے جو غاصب کے پاس ہوئی ہے، لہٰذا اس کا تاوان بھی غاصب ادا کرے۔

حاصل یہ ہے کہ غاصب نے ایک مرتبہ پوری قیمت کا تاوان دیا اور پھر نصف قیمت کا تاوان دیا، اور پہلی جنایت والے کو پوری قیمت مل گئی، اور دوسری جنایت والے کو نصف قیمت مل گئی، اور مولیٰ کو مدبر کی پوری قیمت مل گئی۔

۸ غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا، فَمَاتَ فِي يَدِهِ فَجْأَةً، أَوْ بِحُمَّى لَمْ يَضْمَنْ ۹ وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ، أَوْ نَهْشِ حَيَّةٍ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْغَاصِبِ ۱۰ كَصَبِيٍّ أُودِعَ عَبْدًا فَقَتَلَهُ ۱۱ وَإِنْ أُودِعَ طَعَامًا، فَأَكَلَهُ: لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: (کسی نے) آزاد بچے کو غصب کیا، پھر وہ اس کے ہاتھ میں اچانک مرگیا، یا بخار سے (مرگیا) تو ضمان نہیں دے گا۔ اور اگر آسمانی بجلی سے مرا، یا سانپ کے ڈسنے سے (مرا)، تو اس کی دیت غاصب کے عاقلہ پر ہے۔ جیسے وہ بچہ جس کو ودیعت میں دیا گیا کوئی غلام، پھر (بچے نے) اس کو قتل کردیا۔ اور اگر کھانا ودیعت رکھا گیا، پھر (بچے نے) اس کو کھالیا تو ضمان نہیں دے گا۔

تشریح:

۸ **غصب صبیا حرّا، فمات في یدہ.....إلخ:** اگر کسی شخص نے کوئی ناسمجھ بچہ غصب (اغوا) کرلیا، اور پھر اس کے ہاتھ میں اچانک مرگیا، یعنی کوئی ظاہری سبب یا بیماری نہیں تھی، یا بخار کی وجہ سے مرگیا، تو غاصب پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ہلاکت غصب کی وجہ سے نہیں ہوئی، اگر غاصب غصب نہ کرتا تب بھی بچہ اسی وقتِ مقرر پر مرجاتا، لہٰذا غصب کا ہلاکت میں کوئی دخل ہی نہیں۔

۹ **وإن مات بصاعقة، أو نهش حية: فديته....إلخ:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر بچہ غاصب کے پاس آسمانی بجلی گرنے یا سانپ کے ڈسنے سے مرگیا تو غاصب کے عاقلہ پر اس کی پوری دیت واجب ہوگی، کیونکہ آسمانی بجلی ہر جگہ نہیں گرتی، اور اسی طرح سانپ ہر جگہ نہیں ہوتا، لہٰذا بچہ اگر اپنے گھر میں ہوتا تو بظاہر اس کی موت نہ ہوتی، غاصب نے بچے کو ہلاکت کی جگہ تک منتقل کیا، اس لئے اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوجائے گی۔

۱۰ **کصبي أودع عبدا فقتله:** یعنی ماقبل مسئلے میں غاصب کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جیسے اگر کسی نے بچے کے پاس اپنا غلام ودیعت رکھا، اور پھر بچے نے اس غلام کو قتل کردیا تو بچے کے عاقلہ پر غلام کی قیمت واجب ہوگی، کیونکہ غلام کا خون آزاد آدمی کی طرح محفوظ ومعصوم ہے، ودیعت رکھنے سے وہ غیر معصوم نہیں ہوتا، اس لئے بچے کے عاقلہ پر اس کا تاوان واجب ہوگا۔

۱۱ **وإن أودع طعاما فأکله: لم یضمن:** اگر کسی نے کھانے کی چیز بچے کے پاس ودیعت رکھی اور بچے نے اس کو کھالیا تو اس کا تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ بچہ ودیعت رکھنے کا اہل ہی نہیں، لہٰذا مودِع نے جب بچے کے پاس کھانا رکھ دیا تو اس نے خود اپنا کھانا غیر محفوظ اور غیر معصوم کردیا، اور غیر معصوم چیز کا ضمان نہیں ہوتا۔

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْقَسَامَةِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام القسامة. یعنی یہ کتاب قسامت کے احکام کے بیان میں ہے۔

قسامة اسم ہے، مصدر کے معنی میں ہے، قسم کھانا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں: ''جس محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو تو وہاں کے پچاس افراد یوں قسم کھائیں: ''خدا کی قسم! نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کو جانتے ہیں''۔

قاتل کو معلوم کرنے کیلئے قسامت مشروع ہے، اگر اس کے ذریعے قاتل معلوم ہو گیا تو قصاص واجب ہوگا، ورنہ اس محلہ والوں پر دیت واجب ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے ایک مقتول کے بارے میں انصاریوں کے درمیان قسامت کا فیصلہ فرمایا۔ [مسلم]

قسامت کے جائز ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جس مقتول کا قاتل معلوم نہ ہو اس کا خون رائیگاں نہ جائے، یا تو قاتل کو معلوم کر کے اس سے قصاص لیا جائے، اور یا دیت واجب ہوگی۔

مصنفؒ نے قسامت کے احکام جنایات اور دیات کے بعد لائے، کیونکہ وہاں اُس مقتول کے احکام تھے جس کا قاتل معلوم ہو، جبکہ قسامت میں اُس مقتول کے احکام بیان ہوں گے جس کا قاتل معلوم نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ معلوم مقدم ہوتا ہے نامعلوم سے۔

مصنفؒ نے اس کتاب میں قسامت سے متعلق بتیس (۳۲) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

❶ قَتِيلٌ وُجِدَ فِي مَحَلَّةٍ لَمْ يُدْرَ قَاتِلُهُ حُلِّفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ ❷ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ ❸ بِاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ، وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا ❹ فَإِنْ حَلَفُوْا: فَعَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ الدِّيَةُ ❺ وَلَا يُحَلَّفُ الْوَلِيُّ ❻ وَحُبِسَ الْآبِيُّ حَتّٰى يَحْلِفَ ❼ وَإِنْ لَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ: كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ لِيَتِمَّ خَمْسُوْنَ.

ترجمہ: کوئی مقتول پایا گیا کسی محلہ میں جس کا قاتل معلوم نہ ہوا، تو قسم دی جائے گی پچاس آدمیوں کو ان میں سے۔ ان کو منتخب کرے گا (مقتول کا) ولی۔ ''اللہ کی قسم! نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کا قاتل جانتے ہیں''۔ پس اگر انہوں نے قسم کھالی تو محلہ والوں پر دیت ہے۔ اور قسم نہیں دی جائے گی ولی کو۔ اور قید کر لیا جائے گا انکار کرنے والے کو، یہاں تک کہ قسم کھائے۔ اور اگر (پچاس کی) تعداد پوری نہیں ہوئی تو قسم کو مکرر کیا جائے گا ان پر، تا کہ پچاس پورے ہو جائیں۔

تشریح:

❶ **قتيل وُجد في محلّة لم يُدر ....إلخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی محلہ میں مقتول پایا گیا جس کا قاتل معلوم نہیں

ہے، مقتول کے ولی نے محلہ والوں پر دعویٰ کیا، اور محلہ والوں نے انکار کیا، تو محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں کو قسم دی جائے گی۔

❷ يتخيرهم الولي: پچاس آدمیوں کا انتخاب مقتول کا ولی کرے گا، وہ ایسے لوگوں کو منتخب کرے گا جن پر قتل میں ملوث ہونے کا شبہ ہو، یا محلّہ میں سے نیک اور صالح لوگوں کو منتخب کرے، تا کہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے پرہیز کرتے ہوئے قاتل بتا دیں۔

❸ بالله ما قتلناه، ولا علمنا له قاتلا: قسم کھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پچاس آدمیوں میں سے ہر ایک یوں کہے: ''اللہ کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کا قاتل جانتا ہوں''۔ متن کی عبارت میں اگرچہ جمع متکلم کا صیغہ لایا ہے، لیکن قسم کھاتے ہوئے ہر آدمی اپنے لئے واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرے گا۔

❹ فإن حلفوا: فعلى أهل المحلّة الدية: اگر محلّہ کے پچاس آدمیوں نے مذکورہ طریقے کے مطابق قسمیں کھالیں تو قاضی ان پر دیت کا فیصلہ کرے گا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جب محلّہ والے قسم کھالیں تو ان پر دیت نہیں ہوگی، کیونکہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو خیبر میں قتل کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے ورثہ سے فرمایا کہ یہود قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔ [مسلم] یعنی قسم کھا کر ان پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قبیلہ وادعہ میں مقتول پایا گیا تو آپ ﷺ نے ان سے قسمیں بھی لیں، اور ان پر دیت کا فیصلہ بھی فرمایا۔ [ہدایہ] محلّہ والوں سے قسمیں لینے کا فائدہ یہ نہیں ہے کہ ان سے دیت ساقط ہو جائے، بلکہ یہ فائدہ ہے کہ ان سے قصاص ساقط ہو جائے، اور وہ قید سے بچ جائیں، اور مذکورہ حدیث میں یہودیوں کے بری ہونے کا یہی مطلب ہے۔ محلّہ والوں سے دیت اس لئے لی جاتی ہے کہ ان کے علاقے میں مقتول پایا گیا ہے، انہوں نے اپنے علاقے کی حفاظت نہیں کی، اس لئے دیت ادا کریں۔

❺ ولا يحلف الولي: احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مقتول کے ولی کو قسم نہیں دی جائے گی، بلکہ محلّہ والوں کو دی جائے گی، اگر انہوں نے قسمیں کھالیں تو ان پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر قسمیں نہیں کھائیں تو قید میں ڈالے جائیں گے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ اگر محلّہ والوں کی قتل میں ملوث ہونے کی نشانی موجود ہو تو سب سے پہلے مقتول کے اولیاء میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے، کہ قتل انہی لوگوں نے کیا ہے، اس کے بعد محلّہ کے پچاس آدمیوں کو قسم دی جائے گی، اگر انہوں نے قسمیں کھالیں تو دیت کا فیصلہ نہیں ہوگا، اور اگر قسم کھانے سے انکار کیا تو ان پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اور اگر قتل میں ملوث ہونے کی نشانی موجود نہ ہو تو مقتول کے اولیاء کو قسم نہیں دی جائے گی، بلکہ محلّہ والوں کو دی جائے گی، اگر انہوں نے قسمیں کھالیں تو دیت کا فیصلہ نہیں ہوگا، اور اگر انکار کیا تو ان پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مقتول کے اولیاء کو قسم دینے کا حکم دیا۔ [مسلم]

ہم کہتے ہیں کہ مقتول کے اولیاء مدعی ہیں، اور قسم مدعی پر نہیں ہوتی، بلکہ مدعیٰ علیہ پر ہوتی ہے، اس لئے محلّہ والے قسم کھائیں، اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہود (اہل محلّہ) کو قسم دینے کا حکم دیا۔ [ہدایہ]

❼ وحُبس الآبي حتى يحلف: مسئلہ یہ ہے کہ مقتول کے ولی نے جب محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں کو منتخب کیا تو اگر ان میں سے کوئی شخص قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید میں ڈالا جائے گا، کیونکہ قسم دینا مقتول کے ولی کا حق ہے، اور جو آدمی قسم کھانے سے انکار کرے وہ حق دینے سے انکار کرتا ہے، اس لئے قسم کھانے تک اُسے قید میں رکھا جائے گا۔

❼ وإن لم يتم العدد: كرّر الحلف عليهم ليتم خمسون: مسئلہ یہ ہے کہ اگر محلہ میں پچاس افراد کی تعداد پوری نہ ہو جائے تو جتنے افراد ہیں ان کو مکرر قسمیں دی جائیں گی، یعنی ایک شخص کو دو تین قسمیں دی جائیں گی، تا کہ پچاس پوری ہو جائیں، یہاں تک کہ اگر پورے محلہ میں ایک آدمی ہو تو اُسے پچاس قسمیں دی جائیں گی، اس لئے کہ پچاس کی تعداد حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا فائدہ کیا ہے؟ [ہدایہ]

> ❽ وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ، وَمَجْنُونٍ، وَامْرَأَةٍ، وَعَبْدٍ ❾ وَلَا قَسَامَةَ، وَلَا دِيَةَ فِي مَيِّتٍ لَا أَثَرَ بِهِ ❿ أَوْ يَسِيلُ دَمٌ مِنْ أَنْفِهِ، أَوْ فَمِهِ، أَوْ دُبُرِهِ ⓫ بِخِلَافِ عَيْنِهِ، وَأُذُنِهِ ⓬ قَتِيلٌ عَلَى دَابَّةٍ مَعَهَا سَائِقٌ، أَوْ قَائِدٌ، أَوْ رَاكِبٌ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ⓭ مَرَّتْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا قَتِيلٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَعَلَى أَقْرَبِهِمَا.

ترجمہ: اور قسامت نہیں ہے بچے، پاگل، عورت اور غلام پر۔ اور نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے ایسے مردے میں جس پر علامت نہ ہو۔ یا خون بہتا ہو اس کی ناک، یا اس کے منہ اور یا اس کے دُبر سے۔ برخلاف اس کی آنکھ اور اس کے کان کے۔ کوئی مقتول کسی جانور پر ہے جس کے ساتھ ہانکنے والا ہے، یا کھینچنے والا ہے، یا سوار ہے، تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ کوئی جانور گزر گیا جس پر مقتول ہے دو بستیوں کے درمیان، تو ان میں سے قریب والی پر (دیت) ہے۔

تشریح:

❽ ولا قسامة على صبي، ومجنون، وامرأة ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ بچے، پاگل، عورت اور غلام پر قسامت نہیں ہے، یعنی ان کو قسم نہیں دی جائے گی، کیونکہ بچے اور پاگل میں عقل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی قسم کا کوئی اعتبار ہی نہیں، اور عورت اور غلام دونوں نصرت اور مدد کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، اور قسم اس شخص کو دی جاتی ہے جو اہلِ نصرت میں سے ہو، جس کیلئے قتل کرنا یا قتل میں مدد کرنا آسان ہو، جبکہ عورت اور غلام ہمیشہ تابع رہتے ہیں، قتل یا اس میں نصرت نہیں کر سکتے، اس لئے انہیں قسم نہیں دی جائے گی۔

❾ ولا قسامة، ولا دية في ميت لا أثر به: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مردہ شخص کسی محلہ میں پایا گیا اور اس کے جسم پر قتل کا کوئی اثر نہیں ہے، نہ زخم ہے اور نہ مارنے کا کوئی نشان وغیرہ ہے، تو اس میں نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے، کیونکہ قسامت اور دیت مقتول میں ہوتی ہیں، جبکہ یہ شخص مقتول نہیں ہے، بلکہ اپنی موت مر گیا ہے۔

⑮ أو يسيل دم من أنفه، أو فمه، أو دبره: اوراسی طرح اگر مردہ پائے گئے شخص کی ناک سے، یا منہ سے اوریا دُبر سے خون نکلا ہو تو یہ قتل کی علامت نہیں ہے، لہٰذا محلہ والوں پر قسامت اور دیت نہیں ہوگی، کیونکہ ان جگہوں سے بعض اوقات خود بخود خون بہنے لگتا ہے، لہٰذا یہ شخص مقتول نہیں ہے، بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنی موت مرا ہے۔

⑯ بخلاف عينه، و اذنه: ماقبل حکم کے برخلاف اگر مقتول کی آنکھ سے یا کان سے خون نکلا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ کسی نے اس کو قتل کردیا ہے، کیونکہ آنکھ اور کان سے خود بخود خون نہیں نکلتا، لہٰذا اس میں قسامت اور دیت ہوگی۔

⑫ قتيل على دابة معها سائق، أو قائد ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول شخص کسی جانور، گھوڑے وغیرہ پر باندھا ہوا ملا، اور اس جانور کو ایک آدمی ہانک رہا ہے، یا کھینچ رہا ہے، یا اس پر سوار ہے، تو مقتول کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، یعنی پہلے اس آدمی کو پچاس قسمیں دی جائیں گی، اس کے بعد اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ مقتول اس کے ہاتھ میں ہے، یہ ایسا ہے جیسے اس کے گھر میں مقتول پایا جائے۔

⑬ مرت دابة عليها قتيل بين قريتين ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گاؤں کے درمیان کوئی سواری جا رہی ہو، اور اس پر مقتول شخص کی لاش لدی ہوئی ہے، اور اس کے ساتھ کوئی آدمی نہیں ہے، تو جس گاؤں کے زیادہ قریب ہے وہاں کے رہنے والوں پر قسامت اور دیت ہوگی، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان ملا تھا، تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پیمائش کر کے معلوم کیا جائے کہ کونسے گاؤں کے قریب ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسا ہی مروی ہے۔[ہدایہ]

⑭ وَإِنْ وُجِدَ فِي دَارِ إِنْسَانٍ: فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ، وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ ⑮ وَهِيَ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ، دُوْنَ السُّكَّانِ، وَالْمُشْتَرِيْنَ ⑯ فَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ: فَعَلَى الْمُشْتَرِيْنَ ⑰ وَإِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ عَلَى التَّفَاوُتِ: فَهِيَ عَلَى الرُّؤُوْسِ ⑱ وَإِنْ بِيْعَتْ، وَلَمْ تُقْبَضْ: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ ⑲ وَفِي الْخِيَارِ عَلَى ذِي الْيَدِ.

ترجمہ: اور اگر (مقتول) پایا گیا کسی آدمی کے گھر میں تو اس پر قسامت ہے، اور دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔ اور دیت خطہ والوں پر ہے، نہ کہ رہنے والوں اور خریدنے والوں پر۔ اور اگر ان (خطہ والوں) میں سے کوئی باقی نہیں رہا تو خریدنے والوں پر ہے۔ اور اگر (مقتول) پایا گیا مشترک گھر میں تفاوت کے ساتھ، تو قسامت اشخاص (کی تعداد) پر ہوگی۔ اور اگر (گھر کو) فروخت کردیا گیا اور قبضہ نہیں کیا گیا، تو (دیت) بائع کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور خیار میں قبضہ والے پر ہے۔

لغات:

الخطة: وہ زمین جو حکومت کی طرف سے مفت دی جائے۔ أهل الخطة وہ لوگ ہیں جن کو زمینیں دی گئی ہیں۔ السكان:

جمع ہے ساکن کی، سکونت والے، رہنے والے۔

تشریح:

⑭ وإن وجد في دار إنسان: فعليه ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے گھر میں مقتول پایا گیا اور مقتول کے ولی نے گھر والے پر دعویٰ کیا، تو قسامت اُسی پر ہوگی، یعنی گھر والے کو پچاس قسمیں دی جائیں گی، کیونکہ گھر اور مقتول دونوں اُسی کے قبضہ میں ہیں، اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ وہی لوگ گھر والے کی نصرت اور مدد کرنے والے ہیں۔

⑮ وهي على أهل الخطّة، دون السكان، والمشترين: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی گاؤں میں اصل مالک بھی رہتے ہیں جن کو یہ شہر فتح ہونے کے وقت زمینیں ملی ہیں، اور کرایہ یا عاریت پر لینے والے بھی رہتے ہیں، اور خریدنے والے بھی رہتے ہیں جنہوں نے اصل مالکوں سے زمینیں خرید لی ہیں، پھر اس گاؤں میں کوئی مقتول پایا گیا، تو قسامت اور دیت اصل مالکوں پر ہوں گی، نہ کہ رہنے والوں اور خریدنے والوں پر۔ یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سب گاؤں پر قسامت اور دیت واجب ہیں، کیونکہ کہ تدبیر، انتظام اور نگرانی سب پر لازم ہے، لہٰذا قسامت اور دیت میں بھی سب شریک ہوں گے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ گاؤں کے اصل باشندے مالکان ہیں، ان کی رہائش یہاں دائمی ہے، جبکہ خریدنے والوں اور کرایہ داروں وغیرہ کی رہائش عارضی ہے، لہٰذا گاؤں کی تدبیر اور نگرانی مالکوں کا کام ہے، تو صرف انہی پر قسامت اور دیت ہوں گی۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے۔ وفي عرفنا على المشترين لأن التدبير لهم. ذكره القهستاني و غيره. [ملتقی الأبحر علی ہامش مجمع الأنہر بحوالہ ہامش الہدایہ: ۴/۶۳۵]

⑯ فإن لم يبق واحد منهم: فعلى المشترين: یعنی مذکورہ صورت میں اگر اصل مالکوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، تو قسامت اور دیت خریدنے والوں پر ہوں گی، کیونکہ ایسی صورت میں گاؤں کا انتظام اور نگرانی انہی کا کام ہے۔

⑰ وإن وجد في دار مشتركة على التفاوت ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مقتول کسی ایسے گھر میں پایا گیا جو چند لوگوں کے درمیان مشترک ہے، اور ملکیت میں ان کے حصے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مثلاً تین ہزار فٹ ایک کے ہیں، دو ہزار فٹ دوسرے کے ہیں اور ایک ہزار فٹ تیسرے کے ہیں، تو دیت اور قسامت میں حصوں کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ شرکاء کے اشخاص کا اعتبار ہوگا، لہٰذا دیت اور قسامت میں تینوں شرکاء برابر شریک ہوں گے، کیونکہ گھر کا انتظام اور نگرانی کرنے کی ذمہ داری تینوں پر عائد ہوتی ہے۔

⑱ وإن بيعت، ولم تُقبض: فعلى عاقلة البائع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی گھر کو فروخت کر دیا گیا اور ابھی تک مشتری نے گھر پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس میں مقتول پایا گیا، تو دیت اور قسامت بائع کے عاقلہ پر ہیں۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دیت اور قسامت مشتری کے عاقلہ پر ہوں گی، کیونکہ ملک اُسی کی ہے، لہٰذا گھر کی دیکھ بھال اور نگرانی

بھی اُسی کا کام ہے، اس لئے دیت اور قسامت بھی اُسی کے عاقلہ پر ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دیکھ بھال اور نگرانی پر قدرت قبضہ سے حاصل ہوتی ہے، نہ کہ ملک سے، اور اس صورت میں گھر چونکہ بائع کے قبضہ میں ہے لہٰذا اُسی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور اُسی کے عاقلہ پر دیت اور قسامت ہوں گی۔

⑲ **وفي الخيار على ذي اليد:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے خیار شرط کے ساتھ اپنا گھر فروخت کر دیا، خواہ بائع کیلئے خیار ہو یا مشتری کیلئے، اور پھر خیار کی مدت کے اندر گھر میں کوئی مقتول پایا گیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک دیت اور قسامت اس (کے عاقلہ) پر ہوں گی جس کے قبضہ میں گھر ہے، کیونکہ ان کے نزدیک گھر کی نگرانی قبضہ والے پر ہے، تو ضمان بھی اُسی پر ہوگا۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک خیار کی مدت ختم ہونے کی بعد گھر جس کی ملک میں چلا جائے گا اُسی پر دیت اور قسامت ہوں گی، کیونکہ ان کے نزدیک نگرانی کرنے کی ذمہ داری مالک پر ہے، جیسا کہ ماقبل والے مسئلے میں بیان ہوا۔

> ⑳ **وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ حَتّٰى يَشْهَدَ الشُّهُوْدُ أَنَّهَا لِذِي الْيَدِ** ㉑ **وَفِي الْفُلْكِ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ، وَ الْمَلَّاحِيْنَ** ㉒ **وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ عَلٰى أَهْلِهَا** ㉓ **وَفِي الْجَامِعِ، وَالشَّارِعِ لَا قَسَامَةَ، وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ** ㉔ **وَيُهْدَرُ لَوْ فِي بَرِيَّةٍ، أَوْ وَسْطِ الْفُرَاتِ** ㉕ **وَلَوْ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِىءِ: فَعَلٰى أَقْرَبِ الْقُرٰى.**

ترجمہ: اور عاقلہ دیت نہیں دیں گے یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ گھر قبضہ والے کا ہے۔ اور کشتی میں اُن پر ہے جو اس میں ہیں سوار اور کشتی باں۔ اور محلّہ کی مسجد میں اس کے رہنے والوں پر ہے۔ اور جامع مسجد اور عام راستہ میں قسامت نہیں ہے، اور دیت بیت المال میں ہے۔ اور رائیگاں ہے اگر جنگل یا فرات کے درمیان ہو۔ اور اگر اٹکا ہوا ہو نہر کے کنارے میں تو قریب ترین بستی پر ہے۔

لغات:

الركاب: جمع ہے راکب کی، بمعنی سوار۔ **الملاحين:** جمع ہے ملاح کی، کشتی باں۔ **الشارع:** عام راستہ۔ **يهدر:** نصر کے باب سے مضارع ہے، رائیگاں ہوگا۔ **برية:** جنگل، بیابان۔ **محتبسا:** باب افتعال سے اسم مفعول ہے، اٹکا ہوا، پھنسا ہوا۔ **الشاطىء:** وادی یا دریا کا کنارہ، ساحلِ سمندر۔

تشریح:

⑳ **ولا تعقل العاقلة حتى يشهد الشهودُ.... الخ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی گھر کسی شخص کے قبضہ میں ہے، اس گھر میں کوئی مقتول پایا گیا، تو قابض کے عاقلہ اس وقت تک دیت ادا نہیں کریں گے جب تک گواہ یہ گواہی نہ دیں کہ قابض اس گھر کا مالک ہے، کیونکہ عاقلہ پر دیت اُسی صورت میں واجب ہوگی کہ قابض گھر کا مالک ہو، اور اس کی ملکیت ثابت کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ

گواہ اس کی گواہی دیں۔ قابض کا قبضہ ملکیت کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس میں کرایہ اور عاریت وغیرہ کا احتمال بھی ہے۔ البتہ اگر عاقلہ خود اقرار کریں کہ قابض اس گھر کا مالک ہے تو اس صورت میں گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۱ وفي الفلک علی من فیها من الرکاب ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر چلتی کشتی میں کوئی مقتول پایا گیا تو دیت اور قسامت کشتی میں موجود سواروں اور ملاحوں پر ہیں، خواہ وہ کشتی کے مالک ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ مقتول انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

یہاں دیت خود سواروں اور ملاحوں پر ہوگی، نہ کہ ان کے عاقلہ پر، کیونکہ عاقلہ وہاں دیت دیتے ہیں جہاں حاضر ہوں، جبکہ یہاں وہ حاضر نہیں ہیں۔ [ردالمحتار: ۱۰/۳۴۰]

۲۲ وفي مسجد محلة علی أهلها: اگر کسی محلّہ کی مسجد میں مقتول پایا گیا تو قسامت اُسی محلّہ کے رہنے والوں پر ہے، اور دیت ان کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ مسجد کی تدبیر، حفاظت اور انتظام محلّہ والوں کا کام ہے۔

۲۳ وفي الجامع، والشارع لا قسامة ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جامع مسجد میں یا شارع عام میں مقتول پایا گیا تو اس میں قسامت نہیں ہے، کیونکہ جامع مسجد اور شارع عام کی تدبیر، حفاظت اور نگرانی کی ذمہ داری خاص لوگوں پر عائد نہیں ہوتی، لہٰذا کسی پر قسامت نہیں ہوگی، اور اس مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، کیونکہ ایسی جگہوں کی تدبیر اور نگرانی حکومت کا کام ہے، اور عام مسلمانوں کا مال بیت المال میں پڑا ہوا ہے، لہٰذا اُسی سے دیت دی جائے گی۔

۲۴ ویهدر لو في بریة، أو وسط الفرات: اگر مقتول کی لاش غیر آباد جنگل اور صحراء میں پائی گئی، یا دریا جیسی بڑی نہر میں پائی گئی، تو اس کا خون رائیگاں ہے، یعنی اس میں نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے، کیونکہ جنگل، صحراء اور بڑے دریاؤں کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری نہ خاص لوگوں پر ہے، اور نہ حکومت یہ کام کرسکتی ہے، لہٰذا کسی پر دیت اور قسامت نہیں ہوگی۔

۲۵ ولو محتبسا بالشاطیء: فعلی أقرب القری: أي لو وجد محتبسا... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول شخص کی لاش کسی بڑے دریا کے کنارے میں اٹکی ہوئی ملی تو جو بستی اس کنارے سے سب سے زیادہ قریب ہو اُسی کے رہنے والوں پر قسامت اور دیت ہیں، کیونکہ یہ کنارہ انہی لوگوں کے قبضہ میں ہے۔

۲۶ وَدَعْوَی الْوَلِيِّ عَلٰی وَاحِدٍ مِنْ غَیْرِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ تُسْقِطُ الْقَسَامَةَ عَنْهُمْ ۲۷ وَعَلٰی مُعَیَّنٍ مِنْهُمْ لَا ۲۸ وَإِنِ الْتَقٰی قَوْمٌ بِالسُّیُوْفِ، فَأَجْلَوْا عَنْ قَتِیْلٍ: فَعَلٰی أَهْلِ الْمَحَلَّةِ ۲۹ إِلَّا أَنْ یَدَّعِيَ الْوَلِيُّ عَلٰی أُولٰئِکَ، أَوْ عَلٰی مُعَیَّنٍ مِنْهُمْ ۳۰ وَإِنْ قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ مِنْهُمْ: قَتَلَهُ زَیْدٌ: حُلِّفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُ، وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَیْرَ زَیْدٍ ۳۱ وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰی قَتْلِ غَیْرِهِمْ ۳۲ أَوْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ.

ترجمہ: اور ولی کا دعویٰ کرنا کسی شخص پر اہل محلّہ کے علاوہ میں سے قسامت کو ساقط کردیتا ہے ان سے۔ اور ان میں سے کسی معین پر (دعویٰ کرنا قسامت کو ساقط) نہیں کرتا۔ اور اگر لوگوں کا مقابلہ ہوا تلواروں سے، پھر جدا ہوئے کسی مقتول سے، تو محلّہ والوں پر (دیت وقسامت) ہیں۔ مگر یہ کہ ولی دعویٰ کرے ان پر یا ان میں سے کسی معین پر۔ اور اگر اس شخص نے جس کو قسم دی جاتی ہے ان میں سے کہا کہ اس کو زید نے قتل کیا ہے، تو اُسے قسم دی جائے گی: ''اللہ کی قسم میں نے قتل نہیں کیا اور نہ اس کا قاتل جانتا ہوں سوائے زید کے''۔ اور گواہی باطل ہے بعض محلّہ والوں کی ان کے غیر کے قتل کرنے پر۔ یا ان میں سے کسی ایک کے (قتل کرنے پر)۔

لغات:

التقى: لوگوں نے آپس میں مقابلہ کیا۔ أجلَوا: باب إفعال سے جمع مذکر ماضی معلوم ہے، لوگ ہٹ گئے، کسی جگہ سے الگ ہوگئے۔ المستحلَف: باب استفعال سے اسم مفعول ہے، وہ شخص جسے قسم دی جائے۔

تشریح:

㉖ وعوى الوليّ على واحد من غير.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس محلّہ میں مقتول پایا گیا ہے ولی نے اس محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر قتل کا دعویٰ کیا، تو محلّہ والوں سے قسامت اور دیت ساقط ہوجائیں گی، کیونکہ محلّہ والوں پر قسامت اور دیت اس لئے لازم ہیں کہ ان پر قتل کا شبہ کیا جاتا ہے، اور جب مقتول کے ولی نے کسی دوسرے آدمی پر دعویٰ کردیا تو محلّہ والوں پر سے شبہ ختم ہوگیا، اس لئے ان سے قسامت اور دیت دونوں ساقط ہوگئیں۔

㉗ وعلى معيّن منهم لا: أي: دعوى الولي على واحد منهم لا تسقط القسامة عنهم. یعنی اگر ولی نے محلّہ والوں میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو اس کی وجہ سے محلّہ والوں سے قسامت اور دیت ساقط نہیں ہوں گی، کیونکہ اس صورت میں قاتل کا تعلق انہی میں سے ہے، لہٰذا وہ لوگ قتل کے شبہے سے بری نہیں ہوئے، اس لئے ان پر قسامت اور دیت لازم ہیں۔

㉘ وإن التقى قوم بالسيوف، فأجلوا عن قتيل.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو جماعتوں کی آپس میں تلواروں سے مقابلہ ہوا، جب وہ لوگ میدانِ جنگ سے الگ ہوئے تو وہاں ایک مقتول ملا، اور مقتول کے ولی نے دعویٰ کیا کہ جس محلّہ میں مقتول ملا ہے وہیں کے لوگ قاتل ہیں، تو محلّہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہیں، کیونکہ مقتول انہی کے درمیان ملا ہے، انہی لوگوں پر حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مگر انہوں نے حفاظت میں کوتاہی کی۔

㉙ إلّا أن يدّعي الولي على أولئك.....إلخ: یہ ماقبل مسئلے سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر ولی نے قتل کا دعویٰ ان لڑنے والوں پر کیا، یا ان میں سے کسی معین شخص پر دعویٰ کیا تو محلّہ والوں پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہوں گی، کیونکہ ولی کا دعویٰ ان پر نہیں ہے، اور قسامت اور دیت اُسی صورت میں واجب ہوتی ہیں کہ ولی دعویٰ کرے۔ اور لڑنے والوں پر بھی قسامت اور دیت نہیں ہیں، کیونکہ ولی نے ان کے خلاف گواہ پیش نہیں کئے، اور گواہوں کے بغیر محض دعویٰ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

❿ وإن قال المستحلف منهم: قتله زيد: حُلّف بالله ما قتلتُ ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ کسی محلہ میں مقتول پایا گیا، وہاں کے ایک آدمی کو جب قسم دی گئی تو اس نے کہا کہ میں قاتل کو جانتا ہوں، وہ زید ہے، تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہوگا، لہٰذا اُسے قسم دی جائے گی، کیونکہ وہ اس قول سے اپنے آپ کو قسامت سے چھڑانا چاہتا ہے، حالانکہ جس شخص کو قسامت میں قسم دی جائے وہ جو بھی بہانہ کرے نہیں چھوٹ سکتا۔ البتہ اس دعوے کی وجہ سے اب اُسے یوں قسم دی جائے گی: ''اللہ کی قسم! نہ میں نے قتل کیا ہے، اور نہ زید کے علاوہ اس کا دوسرا قاتل جانتا ہوں''۔

⓫ وبطلت شهادة بعض أهل المحلّة على قتل غيرهم ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی محلہ میں مقتول پایا گیا، مقتول کے ولی نے محلے کے علاوہ کسی اور شخص پر قتل کا دعویٰ کیا، اور محلے کے بعض لوگوں نے مدعیٰ علیہ کے خلاف گواہی دی، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ گواہی باطل ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ گواہی قبول ہوگی، اس لئے کہ جب ولی نے ان کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کیا تو محلے والے قتل کے شبے اور خصم بننے سے بچ گئے، لہٰذا وہ قتل کے معاملے سے لاتعلق ہوگئے، اس لئے ان کی گواہی قبول ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں محلے والے اگرچہ مدعیٰ علیہم تو نہیں ہیں مگر چونکہ مقتول ان کے درمیان سے ملا ہے، اس لئے حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے وہ قاتل کے درجے میں ہیں، اور گواہی دینے سے وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی کوتاہی کا بوجھ دوسرے کے پر ڈال دیں، لہٰذا اس شبہ کی وجہ سے ان کی گواہی باطل ہو جائے گی۔

قول راجح:

یہاں حضرات صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔ قال الرافعي: نقل عبدالحليم عن الإسرار أن ما قاله الإمام أظهر، و ما قالاه أحق. قال: وأشار بقوله: أحق أن قولهما أرجح. [ردالمحتار: ۱۰/۳۴۴]

⓬ أو واحد منهم: أي: بطلت شهادة بعض أهل المحلّة على قتل واحد منهم. یعنی مذکورہ صورت میں جس محلے میں مقتول پایا گیا ہے اگر ولی نے اُسی محلے کے کسی معین شخص پر دعویٰ کیا، اور پھر محلے کے بعض لوگوں نے اُس شخص کے قتل پر گواہی دی، تو یہ گواہی باطل ہوگی، کیونکہ یہاں بھی محلے والے گواہی دے کر اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس سے شبہ پیدا ہوا، جس کی وجہ سے گواہی باطل ہوگی۔ والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب

☆☆☆

﴿كِتَابُ الْمَعَاقِلِ﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام (أهل) المعاقل. یعنی یہ کتاب دیتوں (کو ادا کرنے والوں) کے احکام کے بیان میں ہے۔ ماقبل میں بار بار اس بات کا ذکر ہوا کہ دیت عاقلہ پر ہے، مصنفؒ اس کتاب میں یہ بیان فرمائیں گے کہ عاقلہ کون لوگ ہیں؟

معاقل جمع ہے مَعْقُلَة کی، بمعنی دیت۔ یہ بات سمجھ لیں کہ اس کتاب میں دیتوں کا بیان نہیں ہے، بلکہ دیتوں کو ادا کرنے والوں، یعنی عاقلہ کا بیان ہے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''كتاب أهل المعاقل''.

أهل المعاقل سے مراد عاقلة ہیں۔ عاقلة جمع ہے عاقل کی، بمعنی دیت ادا کرنے والا۔ عَقل دیت کو کہتے ہیں۔①

اس بات پر اتفاق ہے کہ قتل شبہ عمد، قتل خطاء، قتل جاری مجری خطاء کی دیت قاتل پر نہیں ہے، بلکہ اس کے عاقلہ پر ہے، حدیث میں ہے کہ قبیلہ ہذیل کی ایک عورت نے دوسری کو پتھر مار کر قتل کر دیا، تو آپ ﷺ نے قاتلہ کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ فرمایا۔ [مسلم]

عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی حکمت یہ ہے کہ قاتل جب قتل کرتا ہے تو وہ اپنے عاقلہ (رشتہ داروں اور مددگاروں) کی قوت اور مدد پر غرّا ہوتا ہے، اور بے باک و بے احتیاط ہو کر قتل کرتا ہے، تو گویا عاقلہ نے اس کو قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اسی طرح قاتل کا قتل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عاقلہ نے اس بدمعاش کی صحیح طرح تربیت اور نگرانی نہیں کی، اس لئے اس کوتاہی کی وجہ سے ان پر لازم ہے کہ قاتل کے قتل کا تاوان ادا کریں۔② مصنفؒ نے اس کتاب میں پندرہ (۱۵) مسائل ذکر کیے ہیں۔

> ❶ هِيَ جَمْعُ مَعْقُلَةٍ، وَهِيَ الدِّيَةُ ❷ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ ❸ وَهِيَ أَهْلُ الدِّيْوَانِ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْهُمْ ❹ تُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ ❺ فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ، أَوْ أَقَلَّ: أُخِذَ مِنْهَا ❻ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ دِيْوَانِيًّا: فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ.

ترجمہ: وہ جمع ہے معقلة کی، اور وہ دیت ہے۔ ہر وہ دیت جو واجب ہو جائے نفس قتل سے وہ عاقلہ پر ہے۔ اور وہ رجسٹر والے ہیں، اگر قاتل انہی میں سے ہو۔ (دیت) لی جائے گی ان کی تنخواہوں سے تین سالوں میں۔ اور اگر تنخواہیں نکل آئیں تین

---

① دیت کو اس لئے عقل کہتے ہیں کہ عقل کے لغوی معنی ہیں: روکنا، انسان کی قوتِ عاقلہ بھی برے کاموں سے روک دیتی ہے، اور دیت بھی مقتول کا خون بہائے جانے سے روک دیتی ہے۔

② اگر اسلامی معاشرہ میں عاقلہ پر دیت واجب ہونے کے حکم پر عمل کیا جائے تو ہر قوم و قبیلہ اور ہر شعبہ سے وابستہ افراد ایک دوسرے کی نگرانی کا خیال رکھیں گے، اور بدمعاش و بدقماش لوگ خود بخود کنٹرول میں آ جائیں گے، اور پورا معاشرہ سدھر جائے گا۔

سالوں سے زائد میں، یا کم میں، تو ان سے لی جائے گی۔ اور جو رجسٹر والا نہ ہو، تو اس کے عاقلہ اس کا قبیلہ ہے۔

لغات:

الديوان: رجسٹر، جس میں فوجیوں اور ملازمین کے نام لکھے جاتے ہیں، دفتر۔ عطايا: جمع ہے عطية کی، بمعنی تنخواہ، حکومت کی طرف سے ملنے والی اُجرت۔

تشریح:

❶ هي جمع معقلة، وهي الدية: معاقل جمع ہے معقلة کی، دیت کو کہتے ہیں۔ تفصیل اوپر بیان ہوئی۔

❷ كلّ دية وجبت بنفس القتل على العاقلة: مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ دیت جو محض قتل کی وجہ سے واجب ہو جائے وہ قاتل پر نہیں ہے، بلکہ اس کے عاقلہ پر ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قاتل کے عاقلہ سے فرمایا: قُوموا فَدُوْهُ. [ہدایہ] ''کھڑے ہو جاؤ اس کی دیت ادا کرو''۔ نفسِ قتل (محض قتل) کا مطلب یہ ہے کہ دیت کا سبب صرف اور صرف قتل ہو۔ اس میں احتراز ہوا اس دیت سے جو صلح سے واجب ہو جائے، یا قاتل کے اقرار سے واجب ہو جائے، یہ دیت عاقلہ پر نہیں ہے، بلکہ قاتل خود ادا کرے گا۔

❸ وهي أهل الديوان إن كان القاتل منهم: مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کا تعلق سرکاری رجسٹر سے ہو، یعنی کسی دفتر میں ملازم ہے، تو اس دفتر میں کام کرنے والے اور تنخواہ لینے والے قاتل کے عاقلہ ہیں، سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری رجسٹروں اور دفتروں کو ترتیب دے کر تنخواہ دار لوگوں کے نام درج کرائے، اور ان لوگوں کو ایک دوسرے کے عاقلہ قرار دیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عاقلہ صرف خاندان اور قبیلہ والے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے زمانہ میں ایسا ہی تھا، اور آپ ﷺ کے بعد کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیت کا فیصلہ اہل دیوان (دفتر والوں) پر فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، تو گویا اس پر اجماع ہو گیا۔ اور یہ آپ ﷺ کے حکم کو منسوخ کرنا نہیں ہے، بلکہ ثابت کرنا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں قاتل کو خاندان اور قبیلہ والوں کی طرف سے نصرت اور مدد ملتی تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اہل دیوان سے بھی نصرت ملنا شروع ہو گئی، اس سے معلوم ہوا کہ قاتل کو جہاں سے مدد و نصرت مل رہی ہو وہیں کے لوگ اس کے عاقلہ ہیں۔

فائدہ:

عاقلہ کا دار و مدار آپس میں مدد اور نصرت کرنے پر ہے، آج کل اس کی کئی صورتیں ہیں: مثلاً سیاسی جماعتیں، اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، یونین وغیرہ، لہٰذا اگر قاتل کا تعلق کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم اور یونین سے ہو تو اس کے عاقلہ یہ تنظیم اور یونین والے ہوں گے۔ كذا في أحسن الفتاوى: ۸/۵۴۱

❹ وتؤخذ من عطاياهم في ثلاث سنين: یعنی دیت عاقلہ کی تنخواہوں سے تین سالوں میں وصول کر لی جائے

گی، پہلے زمانے میں پورے سال کی تنخواہ یک مشت دی جاتی تھی، جیسے آج کل ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے، تو دیت کے تین حصے ہوں گے: ایک حصہ پہلے سال کی تنخواہ سے، دوسرا حصہ دوسرے سال کی تنخواہ سے، اور تیسرا حصہ تیسرے سال کی تنخواہ سے لیا جائے گا، نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔[ہدایہ]

⑤ فإن خرجت العطايا في أكثر من ثلاث....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عاقلہ کی تین سالوں کی تنخواہیں تین سے زیادہ سالوں میں نکلیں، یا تین سے کم سالوں میں نکلیں تو دیت پر اس کا اثر نہیں پڑتا، لہٰذا ہر تنخواہ سے اپنے حساب کے بقدر دیت لی جائے گی، کیونکہ عاقلہ کی تنخواہوں سے دیت وصول کرنے کا مقصد تخفیف اور آسانی ہے، تو تنخواہ جب بھی نکلے مقصد پورا ہو جائے گا، خواہ تین سالوں میں نکلے یا اس سے زیادہ مدت میں، یا کم مدت میں۔

⑥ ومن لم يكن ديوانيا: فعاقلته قبيلته: اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہ ہو، یعنی سرکاری رجسٹر میں اس کا نام نہ ہو، تو اس کے عاقلہ اس کے خاندان اور قبیلہ کے لوگ ہیں، کیونکہ اس کی نصرت اور مدد کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

⑦ تُقْسَمُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ ⑧ لَا يُؤْخَذُ مِنْ كُلٍّ فِي كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمٌ، أَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثٌ ⑨ فَلَمْ يُزَدْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ كُلِّ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ عَلَى أَرْبَعَةٍ ⑩ فَإِنْ لَمْ تَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ لِذٰلِكَ: ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ نَسَبًا عَلَى تَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ.

ترجمہ: (دیت) اُن پر تقسیم کی جائے گی تین سالوں میں۔ نہیں لیا جائے گا ہر ایک سے ہر سال مگر ایک درہم، یا ایک درہم اور تہائی۔ پس ہر ایک پر زیادتی نہیں ہوگی ساری دیت میں سے تین سالوں میں چار (دراہم) پر۔ اور اگر خاندان کی گنجائش نہ ہو اس کیلئے تو ان کے ساتھ ملایا جائے گا قبائل میں سے قریب ترین نسب کے لحاظ سے، عصبات کی ترتیب پر۔

تشریح:

⑦ تقسم عليهم في ثلاث سنين: یعنی دیت کو عاقلہ کے تمام افراد پر برابر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ عاقلہ ہونے کے سبب میں سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔

⑧ لا يؤخذ من كلّ في كلّ سنة إلّا ....إلخ: عاقلہ کے ہر فرد سے پورے سال میں صرف ایک درہم (۳،۰۶۱۸ گرام چاندی)، یا ایک درہم اور تہائی درہم (۴،۰۸۲۴ گرام چاندی) لیا جائے گا، اس سے زیادہ لینے میں حرج اور تکلیف کا اندیشہ ہے۔

⑨ فلم يُزد كلُّ واحد من كلّ الدية في....إلخ: یعنی مذکورہ مقدار کے مطابق ہر فرد سے تین سالوں میں مکمل دیت میں سے چار دراہم سے زیادہ نہیں لیا جائے گا۔ اگر سالانہ ایک ایک درہم لیا جائے تو تین سالوں میں تین دراہم (۱۰،۸۵۴ گرام

چاندی) ہوں گے، اور اگر سالانہ ایک درہم اور تہائی درہم لیا جائے تو تین سالوں میں چار دراہم (۱۲،۴۲۷۶ گرام چاندی) ہوں گے۔

⑩ فإن لم تتسع القبيلة لذلك: ضُمّ إليهم ... إلخ: اگر قاتل کا خاندان چھوٹا ہو، اور ہر فرد سے مذکورہ مقدار لینے سے تین سالوں میں پوری دیت ادا نہیں ہوتی، تو اس خاندان کے ساتھ اس کے قریب ترین رشتہ دار قبیلہ کو ملایا جائے گا، تاکہ اس کو شامل کرنے سے پوری دیت ادا ہو جائے۔

قریب ترین رشتہ دار سے مراد عصبات کی ترتیب ہے، مثلاً سب سے پہلے قاتل کے بھائیوں سے لیا جائے گا، اگر وہ کم ہیں، دیت ادا نہیں کر سکتے تو بھائیوں کے بیٹوں (قاتل کے بھتیجوں) کو ملایا جائے گا، اگر وہ بھی کم پڑ جائیں تو قاتل کے چچاؤں کو ملایا جائے گا، اگر وہ بھی کم پڑ جائیں تو چچاؤں کے بیٹوں کو ملایا جائے گا۔ قاتل کے بیٹے اور باپ دادے اگرچہ عصبات میں سے ہیں، لیکن ایک روایت کے مطابق وہ دیت میں شامل نہیں ہوں گے، اور دوسری روایت کے مطابق شامل ہوں گے۔ [ہدایہ]

⑪ وَالْقَاتِلُ كَأَحَدِهِمْ ⑫ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ مَوْلَاهُ ⑬ وَيَعْقِلُ عَنْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَتُهُ ⑭ وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ جِنَايَةَ الْعَبْدِ، وَالْعَمْدِ، وَمَا لَزِمَ صُلْحًا، أَوْ اِعْتِرَافًا، إِلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ ⑮ وَإِنْ جَنَى حُرٌّ عَلَى عَبْدٍ خَطَأً: فَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِ.

ترجمہ: اور قاتل جیسے عاقلہ کا ایک فرد۔ اور آزاد شدہ غلام کے عاقلہ اس کے مولیٰ کا خاندان ہے۔ اور دیت ادا کرے گا مولیٰ الموالات سے اس کا مولیٰ اور اس کا قبیلہ۔ اور عاقلہ دیت نہیں دیں گے غلام کی جنایت کی، عمد کی، اور جو لازم ہو جائے صلح سے یا اِقرار سے، مگر یہ کہ (عاقلہ) اس کی تصدیق کرلیں۔ اور اگر آزاد نے کوئی جنایت کی غلام پر خطاءً تو یہ اس کے عاقلہ پر ہے۔

تشریح:

⑪ والقاتل كأحدهم: مسئلہ یہ ہے کہ قاتل عاقلہ کے ایک فرد کی طرح ہے، لہٰذا وہ بھی دیت میں سے تین یا چار دراہم ادا کرے گا، کیونکہ قاتل ہی نے قتل کا عمل کیا ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ عاقلہ سے دیت لی جائے اور قاتل کو چھوڑ دیا جائے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل عاقلہ میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ معذور ہے، اس سے غلطی میں قتل ہوا ہے، اور معذور معاف ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر قاتل معذور ہے تو عاقلہ بطریق اولیٰ معذور ہوں گے، کیونکہ ان بے چاروں نے تو غلطی میں بھی قتل نہیں کیا تو ان سے کیوں دیت کا مطالبہ ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ قاتل سو فیصد معذور بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کی بے احتیاطی اور بے باکی کی وجہ سے قتل واقع ہو گیا ہے، لہٰذا لازماً وہ دیت ادا کرنے میں شامل ہوگا۔

⑫ وعاقلة المعتق قبيلة مولاه: اگر کسی آزاد شدہ غلام نے قتل خطاء کیا تو اس کے دیت ادا کرنے والے عاقلہ

اس کے مولیٰ کا خاندان ہے، کیونکہ آزاد شدہ غلام پر جو بھی مصیبت پڑے اس کی نصرت اور مدد یہی لوگ کرتے ہیں، اور غلام کی نسبت انہی کی طرف ہوتی ہے، حدیث میں ہے: مولی القوم منهم. [نسائی] "قوم کا آزاد کردہ غلام انہی میں سے ہے"۔

⑬ ویعقل عن مولی الموالاۃ مولاہ وقبیلته: اگر زید نے خالد کے ساتھ عقدِ موالاۃ کیا ہے، اور پھر زید نے خطاءً قتل کیا، تو اس کی دیت خالد اور خالد کا قبیلہ ادا کریں گے، دلیل وہی ہے جو اوپر والے مسئلے میں بیان ہوئی۔

مولی الموالاۃ کی تعریف اور تفصیل کتاب الولاء/ فصل کے شروع میں دیکھیں۔

⑭ ولا تعقل عاقلة جنایة العبد، والعمد.... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے غلام نے قتل خطاء کیا تو مولیٰ کے عاقلہ اس غلام کی جنایت کی دیت ادا نہیں کریں گے، کیونکہ دیت ادا کرنے کا دار و مدار نصرت اور مدد پر ہے، اور غلام کی نہ نصرت کی جاتی ہے اور نہ اس سے بدلہ لی جاتی ہے۔ اور اسی طرح اگر قتل عمد① سے دیت واجب ہو جائے، اور وہ دیت جو صلح سے واجب ہو جائے، یا قاتل خود قتل خطاء کا اقرار کر کے دیت واجب ہو جائے، تو تمام صورتوں میں قاتل کے عاقلہ دیت ادا نہیں کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی منقول ہے۔ [ہدایہ] البتہ اگر قاتل نے قتل کا اقرار کیا اور عاقلہ نے اس کی تصدیق کی، تو اس صورت میں عاقلہ دیت ادا کریں گے، کیونکہ یہاں عاقلہ نے قاتل کی تصدیق کر کے خود اپنے اوپر دیت ثابت کر دی۔

⑮ وإن جنی حرّ علی عبد خطأ: فهي علی عاقلته: هي کا مرجع "قیمة" ہے۔ اگر کسی آزاد شخص نے غلام پر خطاءً جنایت کر کے اُسے قتل کر دیا، تو اس کی قیمت قاتل کے عاقلہ پر ہو گی، کیونکہ یہ قیمت غلام کے خون (جان) کا عوض ہے، اور خون کا عوض عاقلہ پر ہوتا ہے، جیسے آزاد شخص کی دیت عاقلہ پر ہوتی ہے۔

البتہ اگر غلام کے کسی عضو پر جنایت کی تو اس کا تاوان جانی خود ادا کر دے، کیونکہ یہ جان کا عوض نہیں ہے، بلکہ عضو کا عوض ہے، اور عضو کے ساتھ مال جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، اور مال کا تاوان عاقلہ سے نہیں لیا جاتا۔

☆☆☆

سبحان اللہ وبحمدہ

---

① قتل عمد سے دیت واجب ہونے کی صورت یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا، تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ دیت لی جائے گی۔

﴿كِتَابُ الْوَصَايَا﴾

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام الوصايا. یعنی یہ کتاب وصیتوں کے احکام کے بیان میں ہے۔ مصنفؒ نے وصیت کے احکام تمام عبادات اور معاملات کے بعد لائے، اس لئے کہ انسان کی زندگی کا سب سے آخری عمل وصیت کرنا ہے۔

وصایا① جمع ہے وصیة کی، وصیة اسم ہے، مصدر کے معنی میں ہے، یعنی وصیت کرنا۔ اس معنی کیلئے عام طور پر اِفعال کا باب (أوصٰی، یُوصي، إیصاء) استعمال ہوتا ہے۔

وصیة اور إیصاء کے لغوی معنی ہیں: حکم، نصیحت۔ اور شرعی اصطلاحی معنی ہیں: "موت کے بعد کسی کو مال کا مالک بنانا"۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں ہے۔ پھر جس چیز کی وصیت کی جائے (یعنی موصٰی بہ) اس کو بھی وصیة کہتے ہیں۔

وصیت، ہبہ اور صدقہ کی طرح ہے۔ البتہ ہبہ اور صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں کسی شخص کو بلاعوض مال کا مالک بنادے، اور وصیت یہ ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو بلاعوض مال کا مالک بنادے۔ یہ بھی ثواب کا کام ہے۔

وصیت کی مشروعیت قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ. "وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وصیت کردی جائے، یا دَین (ادا کرنے) کے بعد"۔ [نساء:۱۲] حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ایک تہائی مال کی وصیت کرو، تہائی بھی بہت ہے"۔ [مسلم]

وصیت کا فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان دنیا میں نیک نام حاصل کرے، اور غریبوں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرکے آخرت کیلئے ثواب حاصل کرے۔ وصیت کرنے والے کو مُوصِي، اور جس کیلئے وصیت کی جائے اس کو مُوصٰی لهٗ اور جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو مُوصٰی به کہا جاتا ہے۔ ان اصطلاحات کو یاد رکھیں۔

مصنفؒ نے اگلے باب تک وصیت سے متعلق سترہ (۱۸) مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

❶ اَلْوَصِيَّةُ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ ❷ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ ❸ وَلَا تَصِحُّ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ ❹ لَا لِقَاتِلِهٖ، وَوَارِثِهٖ ❺ إِنْ لَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ ❻ وَيُوصِي الْمُسْلِمُ لِلذِّمِّيِّ، وَبِالْعَكْسِ ❼ وَقَبُوْلُهَا بَعْدَ مَوْتِهٖ ❽ وَبَطَلَ رَدُّهَا، وَقَبُوْلُهَا فِي حَيَاتِهٖ.

① وصایا اصل میں وَصَايِيُ تھا، پہلی یاء ہمزہ سے تبدیل ہوکر وَصَائِيُ ہوگیا، پھر ہمزہ کا کسرہ فتحہ سے تبدیل ہوکر وَصَاءَيُ ہوگیا، پھر آخری یاء الف سے تبدیل ہوکر وَصَاءَا ہوگیا، پھر ہمزہ یاء سے تبدیل ہوکر وَصَایَا ہوگیا۔ [ردالمحتار:۱۰/۳۵۳]

ترجمہ: وصیت مالک بنانا ہے جو منسوب ہو موت کے بعد کی طرف۔ اور وہ مستحب ہے۔ اور صحیح نہیں ہے جو زائد ہو ایک تہائی سے۔ اور نہ اپنے قاتل کیلئے، اور اپنے وارث کیلئے، بشرطیکہ ورثا اجازت نہ دیں۔ اور وصیت کرسکتا ہے مسلمان ذمی کیلئے اور برعکس۔ اور وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہوگا۔ اور باطل ہے اس کو رد کرنا اور قبول کرنا موصی کی زندگی میں۔

تشریح:

❶ **الوصية تمليك مضاف إلى ما بعد الموت:** یہ وصیت کی فقہی تعریف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فقہ کی اصطلاح میں وصیت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو مفت (تبرّعاً) کسی چیز کا مالک بنادے، اور اس کی نسبت موت کے بعد کی طرف کرے، مثلاً یوں کہے: "میری موت کے بعد میری گاڑی زید کی ہے"۔ یا یوں کہے: "میں زید کیلئے اپنی گاڑی کی وصیت کرتا ہوں"۔ ظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس طرح تملیک صحیح نہ ہو، کیونکہ تملیک کو مستقبل کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، مثلاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے: "آئندہ کل میری گاڑی زید کی ہے"، تو موت کے بعد کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، لیکن چونکہ وصیت صریح نصوص سے ثابت ہے، اس لئے خلاف القیاس اس کو جائز مانا گیا۔

❷ **وهي مستحبة:** یہ وصیت کا حکم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وصیت کرکے کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنانا واجب اور ضروری نہیں ہے، بلکہ ایک مستحب کام ہے، کیونکہ یہ ہبہ کی طرح تبرّع ہے، اور تبرّعات مستحب ہیں۔

❸ **ولا تصح بما زاد على الثلث:** مسئلہ یہ ہے کہ وصیت کی زیادہ سے زیادہ مقدار ایک تہائی ہے، یعنی اپنے سارے مال کی ایک تہائی کے اندر اندر وصیت کرے، تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مال کی دو تہائی سے ورثہ کا حق متعلق ہے، لہٰذا ایک تہائی سے زائد وصیت کرنے میں ورثہ کا حق ضائع ہوجائے گا، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تہائی سے زائد وصیت کرنے سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ ایک تہائی کی وصیت کرو، تہائی بھی بہت ہے۔ [مسلم]

❹ **ولا لقاتله، ووارثه:** أي: لا تصح لقاتله ... مسئلہ یہ ہے کہ اپنے قاتل کیلئے اور اپنے وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے: **لا وصية لقاتل.** [دارقطنی] ایک اور حدیث میں ہے: **لا وصية لوارث.** [ابوداود] نیز قاتل نے اپنے موصی کو قتل کرکے جلدی اپنے لئے نفع حاصل کرنے کی کوشش کی، اس لئے اس کو محروم کردیا گیا۔ اور وارث کیلئے شریعت نے اپنا حصہ مقرر کیا ہے، تو اس کیلئے وصیت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

❺ **إن لم تجز الورثة:** اس کا تعلق مذکورہ تینوں حکموں سے ہے، یعنی ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرنا، اپنے قاتل کیلئے وصیت کرنا، اور اپنے وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ ورثہ اس کی اجازت نہ دیں، اگر انہوں نے اجازت دی تو تینوں صورتوں میں وصیت جائز ہوگی، کیونکہ وصیت جائز نہ ہونا ورثہ کے حق کی خاطر ہے، تاکہ ان کا حق ضائع نہ ہو، اگر وہ اجازت دے کر خود اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہوں تو ان کو اس کا اختیار حاصل ہے۔

❾ ويوصي المسلم للذمي، وبالعكس: مسلمان ذمی کیلئے وصیت کرسکتا ہے، اور ذمی مسلمان کیلئے کرسکتا ہے، کیونکہ وصیت کرنا ایک تبرع اور احسان ہے، اور مسلمان اور ذمی آپس میں اپنی زندگی میں ایک دوسرے سے احسان کرسکتے ہیں، تو موت کے بعد بھی کرسکیں گے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ. [ممتحنہ:۸] ''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو''۔

❼ وقبولها بعد موته: موصی لہ کی طرف سے وصیت کو قبول کرنے کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے، لہٰذا موصی لہ کو چاہئے کہ موصی کی موت کے بعد وصیت کو قبول کرے، اگر موصی کی زندگی میں قبول کی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اس کے قبول کرنے کے بعد بھی موصی کو اختیار حاصل ہے کہ وصیت سے رجوع کرکے اُسے باطل کردے، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، موصی کی موت سے پہلے وصیت کے حکم کا وجود ہی نہیں، تو موت سے پہلے قبول کرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

❽ ويبطل ردها وقبولها في حياته: یعنی اگر موصی لہ نے موصی کی زندگی میں وصیت کو رد کردیا، یا قبول کرلیا تو یہ رد کرنا یا قبول کرنا باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا اگر موصی کی زندگی میں وصیت کو رد کردیا تو اس کی موت کے بعد واپس قبول کرسکتا ہے، اور اگر موصی کی زندگی میں قبول کرلیا ہے تو اس کی موت کے بعد رد کرسکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قبول کرنا یا رد کرنا وہی معتبر ہے جو موصی کی موت کے بعد ہو۔ دلیل وہی ہے جو اوپر والے مسئلے میں بیان ہوئی۔

> ❾ وَنُدِبَ النَّقْصُ مِنَ الثُّلُثِ ❿ وَمَلَكَ بِقَبُوْلِهِ ⓫ إِلَّا أَنْ يَمُوْتَ الْمُوْصٰى لَهُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِي قَبْلَ قَبُوْلِهِ ⓬ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمَدْيُوْنِ إِنْ كَانَ دَيْنُهُ مُحِيْطًا ⓭ وَالصَّبِيِّ، وَالْمُكَاتَبِ ⓮ وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِهِ إِنْ وَلَدَتْ لِأَقَلِّ مُدَّتِهِ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ ⓯ وَلَا تَصِحُّ الْهِبَةُ لَهُ.

ترجمه: اور مستحب ہے تہائی سے کم کرنا۔ اور (موصی لہ) مالک ہوجائے گا قبول کرنے سے۔ مگر یہ کہ موصی لہ مرجائے موصی کی موت کے بعد اس کے قبول کرنے سے پہلے۔ اور صحیح نہیں ہے مدیون کی وصیت بشرطیکہ اس کا دین گھیر لینے والا ہو۔ اور بچے اور مکاتب کی۔ اور صحیح ہے وصیت کرنا حمل کیلئے، اور حمل کی، بشرطیکہ جنے حمل کی کمتر مدت میں وصیت کے وقت سے۔ اور صحیح نہیں ہے ہبہ کرنا حمل کیلئے۔

تشریح:

❾ وندب النقص من الثلث: موصی کیلئے مستحب یہ ہے کہ اپنے مال کی مکمل ایک تہائی کی وصیت نہ کرے، بلکہ تہائی

سے کم کی وصیت کرے، اگر چہ اس کے ورثہ مالدار ہوں①، کیونکہ تہائی سے کم وصیت کرنے میں اپنے ورثہ کیلئے مال چھوڑ کر ان کے ساتھ صلہ رحمی ہوگی، جبکہ مکمل تہائی کی وصیت کرنے میں کوئی صلہ رحمی اور احسان نہیں ہوگا، اور صلہ رحمی کرنا اولیٰ و بہتر ہے۔

⑩ **وملكٌ بقبوله:** مسئلہ یہ ہے کہ موصی کی موت کے بعد جب موصیٰ لہٗ وصیت کو قبول کرلے تو وہ موصیٰ بہ کا مالک ہوجائے گا، قبول کیے بغیر مالک نہیں②بنے گا۔ یہ جمہور احناف کا مسلک ہے۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق موصیٰ لہٗ قبول کیے بغیر مالک ہوجائے گا، ان کے نزدیک وصیت میراث کی مشابہ ہے، دونوں میں خلافت③کے طور پر ملک ثابت ہوتی ہے، لہٰذا جس طرح وارث قبول کئے بغیر میراث کا مالک بنتا ہے اسی طرح موصیٰ لہٗ بھی قبول کیے بغیر مالک بن جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ وصیت میں موصیٰ لہٗ کو نئی ملک حاصل ہورہی ہے، اور اس کیلئے قبول کرنا شرط ہے، جیسے مشتری کو قبول کرنے سے نئی ملک حاصل ہوجاتی ہے، جبکہ وارث کو نئی ملک حاصل نہیں ہوتی، بلکہ وہ مورث کا خلیفہ بن کر ملک حاصل کرتا ہے، اس لئے اس کیلئے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

⑪ **إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصي .....إلخ:** یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ایک صورت ایسی ہے جس میں قبول کیے بغیر موصیٰ لہٗ موصیٰ بہ کا مالک ہوجائے گا، وہ یہ کہ موصی وصیت کرکے مر گیا اور اس کے بعد موصیٰ لہٗ قبول کیے بغیر مر گیا، تو اس صورت میں موصیٰ لہٗ مالک ہوجائے گا، اور پھر اس کی ملک اس کے ورثہ کو منتقل ہوجائے گی۔

اگر چہ ظاہر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی موصیٰ لہٗ مالک نہ بنے، کیونکہ اس نے قبول نہیں کیا، مگر استحساناً اُسے مالک سمجھا گیا، کیونکہ موصی کی طرف سے وصیت تمام اور مکمل ہوگئی ہے، جس میں فسخ ہونے کا احتمال نہیں رہا، اب صرف موصیٰ لہٗ کے حق کی وجہ سے اس کے قبول کرنے پر موقوف ہے، لیکن جب وہ بھی مر گیا تو اس کا حق ساقط ہوکر ڈائریکٹ موصیٰ بہ اس کی ملک میں داخل ہوگیا، اور پھر اس سے منتقل ہوکر اس کے ورثہ کی ملک میں آگیا۔

⑫ **ولا تصح وصية المديون إن كان دينه محيطا:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر اتنا دَین ہے جو اس کے سارے مال کو گھیر لیتا ہے، یعنی سارا مال دَین میں چلا جاتا ہے، تو اس شخص کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ دَین وصیت پر مقدم ہے، دَین ادا کرنا فرض ہے اور وصیت مستحب ہے، لہٰذا جو زیادہ اہم ہو اس پر عمل کرکے غیر اہم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر دَین محیط نہ ہو، یعنی سارا مال دَین میں ختم نہیں ہوتا تو دَین ادا کرنے کے بعد جتنا مال بچ جاتا ہے اس کی ایک تہائی میں وصیت صحیح ہوگی۔

⑬ **والصبيِّ، والمكاتبِ:** أي: لا تصح وصية الصبي، والمكاتبِ. نابالغ بچے اور مکاتب کی وصیت صحیح

---

① اگر موصی کے ورثہ فقیر ہوں تو اولیٰ وبہتر یہ ہے کہ وصیت ہی نہ کرے، تاکہ سارا مال ورثہ کو ملے، اور وہ مستغنی ہوجائیں۔[ہدایہ]

② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملکیت حاصل کرنے کیلئے قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، صرف زبانی قبول کرنے سے ملکیت حاصل ہوجائے گی۔

③ خلافت کے طور پر ملک ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ موصی کا خلیفہ بن جاتا ہے، اور موصی سے ملک منتقل ہوکر موصیٰ لہٗ کیلئے ثابت ہوجاتی ہے۔

نہیں ہے، کیونکہ وصیت ایک تبرّع ہے، اور بچہ تبرّع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اور مکاتب کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ حقیقتاً اس کا مالک نہیں ہے، لہٰذا ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کی وصیت بھی صحیح نہیں ہوگی۔

⑭ **وتصح الوصية للحمل، وبه إن ولدت .....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ حمل کیلئے وصیت کرنا صحیح ہے①، مثلاً یوں کہے کہ فلاں عورت کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کیلئے ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں، اور دوسرے شخص کیلئے حمل کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے، مثلاً یوں کہے: اس باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے میں زید کیلئے اس کی وصیت کرتا ہوں۔ حمل کیلئے تو وصیت اس لئے صحیح ہے کہ وصیت مشابہ ہے میراث کی، اور حمل چونکہ میراث میں خلیفہ بن کر حصہ لے سکتا ہے، تو وصیت بھی لے سکے گا۔

اور دوسرے شخص کیلئے حمل کی وصیت اس لئے صحیح ہے کہ حمل وجود میں آنے والا ہے، اور وصیت غیر موجود چیز کی بھی صحیح ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے باغ کے پھل کی وصیت کرے اور پھل فی الحال موجود نہ ہو، تو وصیت صحیح ہے، لہٰذا حمل کی وصیت بطریق اولیٰ صحیح ہوگی۔

مگر حمل کیلئے وصیت اور حمل کی وصیت صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ وصیت کے وقت سے لے کر چھ مہینے سے کم مدّت میں پیدائش ہوجائے، تاکہ اس بات کا یقین ہوجائے کہ وصیت کے وقت حمل پیٹ میں موجود تھا۔

⑮ **ولا تصح الهبة له:** حمل کیلئے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہبہ صحیح ہونے کیلئے موہوب لہٗ کا قبول کرنا شرط ہے، جبکہ حمل قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

> ⑯ وَإِنْ أَوْصٰى بِأَمَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا: صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ، وَالْاِسْتِثْنَاءُ ⑰ وَلَهُ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ قَوْلًا، وَفِعْلًا بِأَنْ بَاعَ، أَوْ وَهَبَ، أَوْ قَطَعَ الثَّوْبَ، أَوْ ذَبَحَ الشَّاةَ ⑱ وَالْجُحُوْدُ لَا يَكُوْنُ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور اگر باندی کی وصیت کی سوائے اس کے حمل کے، تو صحیح ہیں وصیت اور استثناء۔ اور موصی لہٗ رجوع کرسکتا ہے وصیت سے قولاً (بھی) اور فعلاً (بھی) کہ بیچ دے، یا ہبہ کردے، یا کپڑا کاٹ دے، یا بکری ذبح کردے۔ اور انکار کرنا رجوع نہیں ہے۔

تشریح:

⑯ **وإن أوصى بأمة إلا حملها: صحت .....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کی وصیت کردی، مگر اس کے حمل کا استثناء کیا، مثلاً یوں کہا: میں زید کیلئے اپنی باندی کی وصیت کرتا ہوں سوائے اس کے حمل کے، تو وصیت اور استثناء دونوں صحیح ہیں، لہٰذا موصی لہٗ (زید) کو باندی ملے گی، حمل نہیں ملے گا۔ باندی کی وصیت تو اس لئے صحیح ہے کہ أمة (باندی) کا لفظ حمل پر دلالت

---

① یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ وصیت صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ موصی لہٗ قبول کرے، حالانکہ حمل قبول نہیں کرسکتا، تو اس کیلئے وصیت کیونکر صحیح ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ جہاں قبول کرنا ممکن ہو وہاں وصیت ہبہ کی مشابہ ہے، لہٰذا قبول کرنا شرط ہے، اور جہاں قبول کرنا ممکن نہ ہو وہاں وصیت مشابہ ہے میراث کی، لہٰذا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

نہیں کرتا، لہٰذا وصیت کے الفاظ صرف باندی کو شامل ہوئے، نہ کہ حمل کو۔ اور حمل کا استثناء اس لئے صحیح ہے کہ مسئلہ نمبر (۱۳) میں بیان ہوا کہ صرف حمل کی وصیت کرنا صحیح ہے، اور جس چیز کا تنہا عقد کرنا صحیح ہو اس کو عقد سے استثناء کرنا بھی صحیح ہوتا ہے۔

حمل کو عقد سے مستثنیٰ کرنے کی صورتیں کتاب البیوع / باب البیع الفاسد مسئلہ نمبر (۴۱) میں دیکھیں۔

⑰ وله الرجوع عن الوصية قولا، وفعلا بأن باع .... الخ: مسئلہ یہ ہے کہ موصی کو اختیار حاصل ہے کہ وصیت سے رجوع کرکے باطل کردے، کیونکہ موصیٰ لہ کی طرف سے ابھی تک قبول نہیں ہوا، لہٰذا وصیت ناتمام ہے، اور ناتمام عقد سے رجوع کرنا صحیح ہے، جیسے مشتری کے قبول کرنے سے پہلے بائع اپنا ایجاب واپس لے کر رجوع کرے۔

پھر رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ صراحتاً زبان سے کہے کہ میں اپنی وصیت سے رجوع کرتا ہوں، اور دوسرا یہ کہ کوئی ایسا فعل و عمل کرے جو رجوع کرنے پر دلالت کرے، مثلاً موصی نے موصیٰ بہ چیز کو فروخت کردیا، یا کسی کو ہبہ کردیا، یا موصیٰ بہ کپڑے کو کاٹ دیا، یا موصیٰ بہ بکری کو ذبح کردیا، تو یہ ایسے افعال ہیں جو اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ موصی نے اپنی وصیت سے رجوع کرلیا، لہٰذا وصیت ختم ہوگئی۔

⑱ والجحود لا يكون رجوعا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کیلئے وصیت کردی، اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں، مگر بعد میں اس نے انکار کیا کہ میں نے وصیت نہیں کی، تو یہ انکار کرنا رجوع شمار نہیں ہوگا، لہٰذا اس کی وصیت باطل نہیں ہوئی۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک انکار کرنا رجوع کرنے کے حکم میں ہے، کیونکہ رجوع کرنا یہ ہے کہ زمانۂ حال میں نفی کرے، اور انکار یہ ہے کہ ماضی اور حال دونوں میں نفی کرے، کہ نہ وصیت کی تھی اور نہ کرتا ہوں، لہٰذا انکار کرنا بطریق اولیٰ رجوع پر دلالت کرتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ انکار اور رجوع کی حقیقت میں فرق ہے، وہ یہ کہ انکار کا تعلق ماضی سے ہے، کہ میں نے وصیت نہیں کی تھی، اور رجوع کا تعلق حال سے ہے، کہ وصیت تو کی تھی مگر ابھی لغو کررہا ہوں، لہٰذا ایک دوسرے پر دلالت نہیں کرتے، اس لئے انکار کرنے سے رجوع ثابت نہیں ہوتا۔

قول راجح:

یہاں امام محمدؒ کا قول راجح ہے۔ قال العيني: وبه يُفتى. [رمز الحقائق:۲/۴۲۶] كذا في رد المحتار: ۱۰/۳۷۱

والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام الوصية بثلث المال. یعنی یہ باب تہائی مال کی وصیت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔ موصی کیلئے صرف تہائی مال کی وصیت کرنا جائز ہے، ورثہ کی اجازت کے بغیر تہائی سے زائد کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، اس لئے وصیت کے زیادہ تر مسائل کا تعلق ثلثِ مال سے ہے، اسی وجہ سے مصنفؒ نے ان مسائل کیلئے الگ باب قائم فرمایا۔ اس باب میں کل چالیس (۴۰) مسائل ہیں۔

❶ أَوْصَى لِهٰذَا بِثُلُثِ مَالِهِ، وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ، وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ: فَثُلُثُهُ لَهُمَا ❷ وَإِنْ أَوْصَى لِآخَرَ بِسُدُسِ مَالِهِ، فَالثُّلُثُ أَثْلَاثًا ❸ وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ، وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ، وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ: فَثُلُثُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ ❹ وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصَى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ ❺ إِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ، وَالسِّعَايَةِ، وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: اُس کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی، اور دوسرے کیلئے (بھی) اپنے تہائی مال کی (وصیت کی) اور ورثہ نے اجازت نہیں دی، تو مال کی تہائی ان دونوں کیلئے ہے۔ اور اگر دوسرے کیلئے وصیت کی اپنے مال کے چھٹے حصے کی تو تہائی تین تہائیاں ہوگی۔ اور اگر وصیت کی دو میں سے ایک کیلئے اپنے سارے مال کی، اور دوسرے کیلئے اپنے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی، تو مال کی تہائی ان کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔ اور (کوئی زائد چیز) نہیں لے گا تہائی سے زیادہ کا موصی لہٗ۔ سوائے محابات، سعایہ اور دراہمِ مرسلہ میں۔

لغات:

لا يضرب: معنی لا يأخذ، نہیں لے گا۔ المحابات: باب مفاعلہ (حابى، يحابي، محاباة) بیع میں نرمی اور چشم پوشی کرنا، مثلاً سو کی چیز ڈیڑھ سو میں خریدنا، یا سو کی چیز پچاس میں فروخت کرنا۔ السعاية: غلام سے سعی اور مزدوری کروانا۔ المرسلة: باب اِفعال (اِرسال) سے مؤنث اسم مفعول ہے، مطلق اور آزاد چھوڑا گیا، الدراهم المرسلة وہ دراہم ہیں جن کو مطلق ذکر کیا گیا ہو، جیسے سو، ہزار وغیرہ، یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ دراہم کُل مال کا نصف ہے، یا ثلث ہے، یا ربع وغیرہ ہے۔

تشریح:

❶ أوصى لهذا بثلث ماله، ولآخر بثلث ...إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور خالد کیلئے بھی تہائی مال کی وصیت کی، یعنی کُل دو تہائی کی وصیت کی، مگر ورثہ نے ایک تہائی سے زیادہ دینے کی اجازت

نہیں دی، تو موصی کے مال میں سے ایک تہائی کو دونوں موصٰی لہما کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ حقدار ہونے میں دونوں برابر ہیں، اور ہر ایک کو پوری ایک ایک تہائی نہیں مل سکتی، للہذا ایک تہائی میں دونوں برابر شریک ہوں گے۔

❷ وإن أوصى لآخر بسدس ماله: فالثلث أثلاثا: أثلاثا حال ہے، أي: فيُقسم الثلثُ حالكونه أثلاثًا.
مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے زید کیلئے تہائی مال کی وصیت کی، اور پھر خالد کیلئے اپنے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی، اور ورثہ نے ایک تہائی سے زیادہ دینے کی اجازت نہیں دی، تو ایک تہائی کو زید اور خالد کے درمیان تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: دو حصے زید کو ملیں گے اور ایک حصہ خالد کو ملے گا، کیونکہ وصیت دونوں کیلئے صحیح ہے، اور ایک تہائی دونوں کیلئے ناکافی ہے، تو جس کیلئے زیادہ کی وصیت ہوئی ہے اس کو تہائی میں سے دو حصے ملیں گے، اور جس کیلئے کم کی وصیت ہوئی ہے اس کو ایک حصہ ملے گا۔

❸ إن أوصى لأحدهما بجميع ماله، ولآخر بثلث.... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے زید کیلئے اپنے سارے مال کی وصیت کی اور خالد کیلئے تہائی مال کی وصیت کی، اور ورثہ نے ایک تہائی سے زیادہ دینے کی اجازت نہیں دی، تو ایک تہائی زید اور خالد کے درمیان برابر آدھی آدھی تقسیم کی جائے گی۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔
صاحبینؒ کے نزدیک ایک تہائی کو چار حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: تین حصے زید کو ملیں گے اور ایک حصہ خالد کو ملے گا، کیونکہ موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے: (۱) زید کو سارے مال اور خالد کو تہائی مال کا مستحق قرار دینا۔ (۲) زید کو خالد پر ترجیح دینا۔ موصی کے پہلے ارادے پر عمل نہیں ہوسکتا، یعنی دونوں کو وصیت کے مطابق پورا پورا حصہ نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس سے ورثہ کا حق ضائع ہو جائے گا۔ مگر دوسرے ارادے پر عمل ہوسکتا ہے، وہ اس طرح کہ ایک تہائی میں سے زید کو تین حصے ملے اور خالد کو ایک حصہ ملے۔
امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ورثہ کے حق کی وجہ سے ثلث سے زائد کی وصیت باطل ہوئی، للہذا نہ تو ثلث سے زائد میں دونوں کا استحقاق رہا اور نہ ترجیح رہی، تو گویا موصی نے دونوں کیلئے صرف ثلث کی وصیت کی، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہی نہیں، اس لئے ایک ثلث میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

❹ ولا يضرب الموصى له بأكثر من الثلث: لا يضرب کا مفعول محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: لا يضرب الموصى له بأكثر من الثلث شيئًا زائدا. اس عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ایک اصول بیان فرما رہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر موصی نے ایک شخص کیلئے تہائی سے زائد کی وصیت کی، جیسے ماقبل مسئلے میں سارے مال کی وصیت کی، اور دوسرے کیلئے تہائی سے کم کی وصیت کی، تو جس موصٰی لہ کیلئے تہائی سے زائد کی وصیت کی ہے اس کو کوئی زائد چیز نہیں ملے گی، بلکہ دونوں موصٰی لہما تہائی میں برابر برابر شریک ہوں گے، جیسے ماقبل مسئلے کی صورت میں بیان ہوا۔
جبکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جس موصٰی لہ کیلئے تہائی سے زائد کی وصیت ہوئی ہے اس کو دوسرے موصٰی لہ سے زائد حصہ ملے گا۔ تفصیل اوپر والے مسئلے میں بیان ہوئی۔

⑤ **إلا في المحاباة، والسعاية، والدراهم المرسلة:** یہ پچھلے مسئلے کے حکم سے استثناء ہے۔حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس موصٰی لہٗ کیلئے تہائی سے زائد کی وصیت کی جائے اس کوئی زائد چیز نہیں ملے گی، سوائے محابات، سعایہ اور دراہم مرسلہ کے۔ان تین صورتوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی تہائی سے زائد کے موصٰی لہٗ کیلئے زائد حصہ ملے گا۔

محابات کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے دو غلام ہیں: ایک کی قیمت گیارہ سو روپے ہے، اور دوسرے کی قیمت چھ سو روپے ہے، مولیٰ نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد گیارہ سو والا غلام زید کے ہاتھ سو روپے میں بیچ دیا جائے، اور چھ سو والا غلام خالد کے ہاتھ سو روپے میں بیچ دیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موصی نے زید کیلئے ہزار روپے کی وصیت کی، اور خالد کیلئے پانچ سو روپے کی وصیت کی، اب اگر وصیت کی کُل مقدار (۱۵۰۰) موصی کے ثلث مال سے نکل سکتی ہے، تو وصیت کے مطابق عمل ہوسکتا ہے، اور اگر موصی کا مال یہی دو غلام ہے، تو ظاہر ہے کہ وصیت کی مقدار ثلث سے نہیں نکل سکتی، اور ورثہ بھی ثلث سے زائد کی اجازت نہیں دیتے، تو وصیت ایک ثلث میں نافذ ہوگی، مثلاً موصی کا کُل مال (یعنی دونوں غلاموں کی قیمت) ۱۷۰۰ سو روپے ہے، اس کا ثلث تقریباً ۵۶۶ روپے ہے، اب اس ثلث کے تین حصے بنا کر زید کو دو حصے (تقریباً ۳۷۷ روپے) ملیں گے، اور خالد کو ایک حصہ (تقریباً ۱۸۸ روپے) ملے گا۔

سعایۃ یہ ہے کہ کسی شخص کے دو غلام ہیں: ایک غلام کی قیمت دو ہزار اور دوسرے کی قیمت ایک ہزار ہے، مولیٰ نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا جائے، تو اس نے ایک غلام کیلئے دو ہزار روپے کی وصیت کی، اور دوسرے کیلئے ایک ہزار کی وصیت کی، اب اگر موصی کے مال میں سے وصیت کی مقدار (۳۰۰۰) نکل سکتی ہے تو وصیت کے مطابق عمل ہوسکتا ہے، اور اگر موصی کا مال یہی دو غلام ہے، اور ورثہ ثلث سے زائد کی اجازت نہیں دیتے، تو وصیت ایک ثلث (۱۰۰۰) میں نافذ ہوگی، اور پھر ایک ثلث کو تین حصوں پر تقسیم کر کے دو حصے (تقریباً ۶۶۶ روپے) دو ہزار والے غلام کے آزاد ہوں گے، اور باقی میں وہ سعی (مزدوری) کر کے ورثہ کو ادا کردے، اور ایک حصہ (تقریباً ۳۳۳ روپے) ایک ہزار والے غلام کا آزاد ہوجائے گا، اور باقی قیمت میں وہ سعی کر کے ورثہ کو ادا کردے۔

دراھم مرسلۃ کی صورت یہ ہے کہ موصی ثلث وغیرہ کا ذکر نہ کرے، بلکہ مطلق دراہم کی وصیت کر کے کہے کہ زید کیلئے دو ہزار کی وصیت کرتا ہوں، اور خالد کیلئے ایک ہزار کی وصیت کرتا ہوں، یہاں بھی اگر موصی کے مال سے یہ تین ہزار نکل سکتے ہیں تو اس پر عمل ہوگا، اور اگر موصی کا مال صرف یہی تین ہزار ہو، اور ورثہ ثلث سے زیادہ کی اجازت نہ دیں، تو وصیت کُل مال کے ایک ثلث (یعنی ۱۰۰۰) میں نافذ ہوگی، اور پھر اس ایک ثلث کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے (۶۶۶ روپے) زید کو، اور ایک حصہ (۳۳۳) خالد کو دیا جائے گا۔

مذکورہ تین صورتوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک جس موصٰی لہٗ کیلئے ثلث سے زیادہ کی وصیت ہوئی ہے، اس کو زائد چیز ملے گی، اس لئے کہ ان تین صورتوں میں اگر اچانک موصی کا بہت زیادہ مال ظاہر ہوا تو وصیت کے مطابق عمل کرنا ممکن ہوجائے گا، اس امکان کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ جس کیلئے زیادہ کی وصیت ہوئی اس کو زیادہ حصہ دیا جائے۔

اس کے برخلاف مسئلہ نمبر (۳) کی صورت میں موصی کا مال جتنا بھی زیادہ نکلے اس کی وصیت کے مطابق عمل کرنا ممکن نہیں

ہوگا، اور اس عدمِ امکان کا اثر یہ ہوا کہ جس کیلئے ثلث سے زائد کی وصیت ہوئی وہ بالکل باطل ہے، اور دونوں موصٰی لہما برابر ہوں گے۔

❻ وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ بَطَلَ ❼ وَبِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّ ❽ فَإِنْ كَانَ لَهُ ابْنَانِ: فَلَهُ الثُّلُثُ ❾ وَبِسَهْمٍ، أَوْ جُزْءٍ مِنْ مَالِهِ: فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ ❿ فَإِنْ قَالَ: سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ، ثُمَّ قَالَ: لَهُ ثُلُثُ مَالِي: لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ ⓫ وَإِنْ قَالَ: سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ، ثُمَّ قَالَ: لَهُ سُدُسُ مَالِي: لَهُ السُّدُسُ.

ترجمہ: اور اپنے بیٹے کے حصے کی (وصیت کرنا) باطل ہے۔ اور اپنے بیٹے کے حصے کی مثل کی (وصیت کرنا) صحیح ہے۔ پس اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصٰی لہ کیلئے ثلث ہے۔ اور سهم یا جزء کی (وصیت کرنا) اس کے مال میں سے، تو بیان (کرنے کا اختیار ہے) ورثہ کو ہے۔ اور اگر کہا: "میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کیلئے ہے، پھر کہا کہ اس کیلئے میرے مال کا ثلث ہے"، تو اس کیلئے اس کے مال کا ثلث ہے۔ اور اگر کہا: "میرے مال کا سدس فلاں کیلئے ہے، پھر کہا کہ اس کیلئے میرے مال کا سدس ہے"، تو اس کیلئے سدس ہے۔

تشریح:

❻ وبنصيب ابنه بطل: اگر ایک آدمی نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ "میں زید کیلئے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کرتا ہوں"، تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے کو میری میراث میں جو حصہ ملے گا اس کی وصیت میں زید کیلئے کرتا ہوں، حالانکہ بیٹے کا حصہ اسی کا حق ہے، اور دوسرے کے حق کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔

❼ وبمثل نصيب ابنه صحّ: اگر کسی نے وصیت کرتے ہوئے کہا: "میں زید کیلئے اپنے بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کرتا ہوں"، تو یہ صحیح ہے، کیونکہ حصے کی مثل بیٹے کا حصہ نہیں ہے۔ اگر بیٹے کے حصے کی مثل ثلثِ مال کے برابر یا اس سے کم ہو تو وصیت نافذ ہوجائے گی، اور اگر ثلثِ مال سے زیادہ ہو تو ورثہ کی اجازت سے نافذ ہوگی، ورنہ صرف ثلث تک نافذ ہوگی۔

❽ فإن كان له ابنان: فله الثلث: "ہُ" کا مرجع موصى له ہے۔ یعنی ماقبل مسئلے کی صورت میں اگر موصی کے ورثہ صرف دو بیٹے ہوں، تو موصٰی لہ کو مال کا ایک ثلث ملے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ موصٰی لہ کو نصف مال ملے، کیونکہ اس صورت میں ایک بیٹے کو نصف ملے گا، اور اس کی مثل نصف ہی ہے، لیکن ہم نے موصٰی لہ کو ثلث اس لئے دیا کہ موصی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ موصٰی لہ کو بیٹے سے زیادہ نوازے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ بیٹے کے برابر کردے، تو گویا موصی کے تین بیٹے ہیں، اس لئے موصٰی لہ کو ثلث ملے گا، اور ہر ایک بیٹے کو بھی ثلث ثلث ملے گا۔

❾ وبسهم، أو جزء من ماله: فالبيان إلى الورثة: أي: لو أوصى بسهم.... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں آدمی کیلئے ایک سہم (حصہ) یا ایک جزء کی وصیت کرتا ہوں، تو موصی کی موت کے بعد ورثہ سے کہا جائے گا کہ تم خود

وضاحت کرو کہ سہم یا جزء سے کیا مراد ہے؟ لہٰذا ورثہ جو وضاحت کریں اور موصی لہ کو جو کچھ دے دیں صحیح ہے، کیونکہ سہم یا جزء مجہول ہے، اور مجہول چیز کی وصیت کرنا صحیح ہے، لہٰذا اس وصیت پر عمل کرنے کا یہی طریقہ ہے ورثہ جو کچھ دینا چاہیں دے دیں۔

⑩ فإن قال: سدس مالي لفلان، ثم قال: له.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کیلئے وصیت ہے، اور پھر اس کے بعد کہا کہ میرے مال کا ثلث اس کیلئے وصیت ہے، تو موصی لہ کو ایک ثلث ملے گا، کیونکہ چھٹا حصہ ثلث کے ضمن میں داخل ہے، تو ثلث ملنے سے گویا ثلث بھی ملا اور سدس بھی ملا، لہٰذا ثلث سے زائد نہیں ملے گا۔

⑪ وإن قال: سدس مالي لفلان، ثم قال.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا سدس زید کیلئے ہے، اور اس کے بعد پھر کہا کہ میرے مال کا سدس زید کیلئے ہے، تو زید کو صرف ایک سدس ملے گا، دو سدس نہیں ملیں گے، اس لئے کہ دوسری مرتبہ سدس مالي اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو معرفہ لاکر مکرر ذکر کیا جائے تو اس سے بعینہٖ اول مراد ہوتا ہے، لہٰذا دوسری مرتبہ کہنے سے دوسرے سدس کی وصیت نہیں ہوگی، بلکہ پہلے سدس کا تکرار ہے۔

⑫ وَإِنْ أَوْصَى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ، أَوْ غَنَمِهِ، وَهَلَكَ ثُلُثَاهُ: لَهُ مَا بَقِيَ ⑬ وَلَوْ رَقِيقًا، أَوْ ثِيَابًا، أَوْ دُورًا: لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ ⑭ وَبِأَلْفٍ، وَلَهُ عَيْنٌ وَ دَيْنٌ، فَإِنْ خَرَجَ الْأَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ: دُفِعَ إِلَيْهِ ⑮ وَإِلَّا فَثُلُثُ الْعَيْنِ ⑯ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ: لَهُ ثُلُثُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأَلْفَ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کی اپنے دراہم یا اپنی بکریوں کے ثلث کی، اور ہلاک ہو گئے اس کے دو ثلث، تو موصی لہ کیلئے وہ ہے جو باقی رہ گیا۔ اور اگر غلام ہوں، یا کپڑے ہوں، یا گھر ہوں، تو موصی لہ کیلئے باقی کا ثلث ہے۔ اور (اگر وصیت کی) ہزار کی، اور موصی کیلئے عین بھی ہے اور دَین بھی ہے، تو اگر ہزار نکلے عین کے ثلث میں سے تو اس کو دے دیا جائے گا۔ ورنہ عین کا ثلث (دیا جائے گا)۔ اور جب بھی کچھ وصول ہو دَین میں سے تو موصی لہ کیلئے اس کا ثلث ہوگا یہاں تک کہ پورے وصول کر لے ہزار کو۔

تشریح:

⑫ وإن أوصى بثلث دراهمه.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ میرے دراہم کا ایک ثلث فلاں کیلئے وصیت ہے، یا کہا کہ میری بکریوں کا ایک ثلث فلاں کیلئے وصیت ہے، پھر دراہم یا بکریوں کے دو ثلث ہلاک ہو گئے، اور ایک ثلث باقی رہ گیا، تو موصی لہ کو باقی ایک ثلث پورا مل جائے گا[1]، بشرطیکہ یہ ثلث دیگر مالوں کے ثلث سے نکلے۔

---

① مثلاً موصی کے پاس کل ۹۰۰ دراہم ہیں، یا ۹۰۰ بکریاں ہیں، اور پھر ۶۰۰ دراہم یا بکریاں ہلاک ہوئیں، صرف ۳۰۰ رہ گئیں، تو یہ ۳۰۰ سب کی سب موصی لہ کا حق ہیں، بشرطیکہ موصی کے پاس دراہم یا بکریوں کے علاوہ بھی بہت سارا مال ہو جس کے ثلث سے یہ ۳۰۰ دراہم یا بکریاں نکل سکتی ہیں۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ باقی ایک ثلث موصٰی لہٗ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہے، لہٰذا باقی ثلث کو تین حصوں پر تقسیم کرکے موصٰی لہٗ کو اس کا ایک ثلث اور ورثہ کو دو ثلث ملیں گے، کیونکہ سارے دراہم یا ساری بکریاں موصٰی لہٗ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہیں، تو جو دو ثلث ہلاک ہوگئے وہ بھی مشترک ہیں اور باقی ماندہ ایک ثلث بھی مشترک رہے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ دراہم یا بکریوں کا تعلق ایک جنس سے ہے، اور ایک جنس میں قاعدہ یہ ہے کہ جب چند شرکاء جمع ہوجائیں اور پھر کچھ مال ہلاک ہوجائے، تو ہلاک شدہ کو تابع کی طرف پھیرا جائے گا، اور باقی ماندہ اصل کی طرف ہوگا، اور یہاں موصٰی لہٗ اصل ہے اور ورثہ تابع ہیں، کیونکہ وصیت میراث سے مقدم ہے، لہٰذا ہلاک شدہ دو ثلث ورثہ کا حق ہے، اور باقی ایک ثلث پورا موصٰی لہٗ کا حق ہے۔

⑬ ولو رقيقا، أو ثيابا، أو دورا: له ثلث ما بقي: أي: لو كان الباقي رقيقا... یعنی مذکورہ صورت میں اگر موصی نے اپنے تہائی غلاموں کی، یا تہائی کپڑوں کی اور یا تہائی مکانوں کی وصیت کی، اور پھر دو ثلث غلام، یا دو ثلث کپڑے، یا دو ثلث مکانات ہلاک ہوگئے تو باقی ایک ثلث کو تین حصوں پر تقسیم کرکے موصٰی لہٗ کو اس کا ایک ثلث ملے گا، کیونکہ غلام، کپڑے اور مکانات مختلف جنس① سے تعلق رکھتے ہیں، اور مختلف اجناس میں سے اگر کچھ ہلاک ہوجائے تو اس میں اصل اور تابع کا قاعدہ نہیں چلتا، لہٰذا جو ہلاک ہو جائے وہ بھی مشترک ہے اور جو باقی رہ جائے وہ بھی مشترک ہے، لہٰذا باقی ماندہ ایک ثلث کو موصٰی لہٗ اور ورثہ کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ موصٰی لہٗ کو اس کا ایک ثلث اور ورثہ کو دو ثلث ملیں گے۔

⑭ وبألف، وله عين ودين، فإن خرج الألف ....إلخ: أي: لو أوصى بألف... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے وصیت کی کہ میرے مال سے ہزار روپے فلاں کو دیئے جائیں، اور موصی نے نقد روپے بھی چھوڑے اور لوگوں پر دَین بھی چھوڑا، اور نقد روپے اتنے ہیں جن کے ثلث سے وصیت کے ہزار روپے نکل جاتے ہیں، تو موصٰی لہٗ کو فی الحال ہزار روپے مل جائیں گے، دَین وصول کرنے تک انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نقد روپے اس قدر موجود ہیں جس سے ہر حقدار (موصٰی لہٗ اور ورثہ) کو اس کا پورا حق دیا جاسکتا ہے، لہٰذا موصٰی لہٗ کو فی الحال فارغ کیا جائے گا، اور بعد میں جو دَین وصول ہوگا وہ ورثہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

⑮ وإلّا: فثلث العين: أي: وإن لا يخرج الألف من ثلث العين: فيُدفع إليه ثلث العين. یعنی مذکورہ صورت میں اگر نقد مال کم ہے، اس کے ثلث سے ہزار روپے نہیں نکلتے، مثلاً موصی نے نقد روپے ۱۵۰۰ چھوڑے ہیں، تو موصٰی لہٗ کو فی الحال پورے ہزار روپے نہیں ملیں گے، بلکہ نقد مال کا ثلث (۵۰۰) دیا جائے گا، اس لئے کہ اگر اس کو ہزار روپے دیئے گئے تو ورثہ کیلئے دو ثلث (۲۰۰۰) نہیں بچیں گے، ان کا حق کم ہوگیا، اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک شریک (موصٰی لہٗ) کو پورا حق ملے اور دوسرے (ورثہ) کو کم ملے۔

⑯ وكلما خرج شيء من الدين: له ثلثه ....إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں جب موصٰی لہٗ کو نقد مال کا ثلث مل گیا تو بعد میں جتنا دَین وصول ہوتا رہے اس کا ثلث موصٰی لہٗ کو ملتا رہے گا، مثلاً دَین کے تین سو روپے وصول ہوئے تو سو روپے موصٰی لہٗ کو ملیں

---

① یعنی ہر غلام کی جنس دوسرے غلام سے مختلف ہے، اور ہر کپڑے کی جنس دوسرے کپڑے سے مختلف ہے، اور اسی طرح ہر گھر کی جنس دوسرے گھر سے مختلف ہے۔

گے، اسی طرح ہر مرتبہ وصول شدہ دَین کا ثلث اُسے ملتا رہے گا، یہاں تک کہ اُسے ہزار روپے وصول ہو جائیں، کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

⑰ وَبِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، وَهُوَ مَيِّتٌ فَلِزَيْدٍ كُلُّهُ ⑱ وَلَوْ قَالَ: بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، وَعَمْرٌو مَيِّتٌ: لِزَيْدٍ نِصْفُهُ ⑲ وَبِثُلُثِهِ لَهُ، وَلَا مَالَ لَهُ: لَهُ ثُلُثُ مَا مَلَكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ ⑳ وَبِثُلُثِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ، وَهُنَّ ثَلَاثٌ، وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ: لَهُنَّ ثَلَاثَةٌ مِنْ خَمْسَةٍ، وَسَهْمٌ لِلْفُقَرَاءِ، وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) مال کے ثلث کی زید اور عمرو کیلئے، حالانکہ عمرو مرا ہوا ہے، تو زید کیلئے سارا مال ہے۔ اور اگر کہا: "زید اور عمرو کے درمیان ہے"، حالانکہ عمرو مرا ہوا ہے، تو زید کیلئے اس کا نصف ہے۔ اور (اگر وصیت کی) مال کے ثلث کی کسی کیلئے، حالانکہ اس کا کوئی مال ہے نہیں، تو موصیٰ لہٗ کیلئے ثلث ہے اس مال کا جس کا وہ مالک ہو موت کے وقت۔ اور (اگر وصیت کی) مال کے ثلث کی اپنی اُم ولد باندیوں کیلئے، اور وہ تین ہیں، اور فقراء اور مساکین کیلئے، تو باندیوں کیلئے تین حصے ہیں پانچ میں سے، اور ایک حصہ فقراء کیلئے، اور ایک حصہ مساکین کیلئے ہے۔

تشریح:

⑰ وبثلثه لزيد وعمرو، وهو ميت ....إلخ: أي: وإن أوصى بثلث ماله لزيد... صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی نے وصیت کی کہ میرے مال کا ایک ثلث زید اور عمرو کیلئے ہے، حالانکہ عمرو مر چکا ہے، تو وصیت کا سارا مال زید کو ملے گا، کیونکہ عمرو وصیت قبول کرنے کا اہل ہی نہیں ہے، لہٰذا اس کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے زید اور دیوار کیلئے وصیت کرے، تو ظاہر ہے کہ دیوار کا ذکر باطل ہے، اور سارا مال زید کو ملے گا۔

⑱ ولو قال بين زيد وعمرو، وعمرو ميت ....إلخ: أي: لو قال: ثلث مالي بين زيد... یعنی اگر موصی نے کہا کہ میرے مال کا ثلث زید اور عمرو کے درمیان مشترک ہے، حالانکہ عمرو مر چکا ہے، تو زید کو ثلث کا نصف ملے گا، پورا ثلث نہیں ملے گا، کیونکہ "بیـــن" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موصی کا مقصد زید اور عمرو کو شریک کرنا ہے، اور شرکت کا مطلب یہ ہے کہ زید کو پورا ایک ثلث نہ ملے، اگرچہ عمرو کا ذکر باطل ہو گیا ہے۔

⑲ وبثلثه له، ولا مال له: له ثلث ما ملكه عند موته: أي: إن أوصى بثلثه... پہلی ضمیر کا مرجع مال ہے، دوسری کا مرجع موصى له ہے، تیسری کا مرجع موصي ہے، چوتھی کا مرجع موصى له ہے، پانچویں کا مرجع ما ہے، چھٹی کا مرجع موصي ہے۔ مسئلہ یہ کہ موصی نے وصیت کی کہ میرے مال کا ایک ثلث زید کیلئے ہے، حالانکہ اس وقت موصی کے پاس کوئی مال نہیں ہے، تو موصی کے مرنے کے وقت اس کے پاس جتنا مال ہو اس کا ثلث موصیٰ لہٗ کو ملے گا، وصیت کے وقت مال ہونے نہ ہونے کا

اعتبار نہیں ہے، کیونکہ وصیت کا تعلق بعد الموت سے ہے، لہٰذا موت کے وقت مال موجود ہونا شرط ہے، نہ کہ موت سے پہلے۔

⑳ وبثلثه لأمهات أولاده، وهن ... إلخ: أي: إن أوصى بثلثه ... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی تین اُم ولد باندیوں، فقراء اور مساکین کیلئے ثلثِ مال کی وصیت کی، تو ثلثِ مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا: ایک ایک حصہ اُم ولد باندیوں کو دیا جائے گا اور ایک حصہ فقراء کو اور ایک حصہ مساکین کو دیا جائے گا۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: ایک ایک حصہ اُمہات الأولاد کو اور دو حصے فقراء کو اور دو حصے مساکین کو ملیں گے، کیونکہ فقراء اور مساکین جمع کے صیغے ہیں، اور جمع کی کمتر تعداد دو ہے، لہٰذا فقراء اور مساکین میں سے کم از کم دو دو افراد کو وصیت کا مال دیا جائے گا۔ شیخینؒ فرماتے ہیں کہ فقراء اور مساکین ایسی جمعیں ہیں جن پر الف لام داخل ہے، اور جس جمع پر الف لام داخل ہو جائے اس سے جنس مراد ہوتی ہے، اور جنس کی کمتر تعداد ایک ہے، لہٰذا ایک فقیر اور ایک مسکین کو وصیت کا مال ملے گا۔

> ㉑ وَبِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ، وَلِلْمَسَاكِيْنَ: لِزَيْدٍ نِصْفُهُ، وَلَهُمْ نِصْفُهُ ㉒ وَبِمِائَةٍ لِرَجُلٍ، وَبِمِائَةٍ لِآخَرَ، فَقَالَ لِآخَرَ: أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا: لَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ ㉓ وَبِأَرْبَعِمِائَةٍ لَهُ، وَبِمِائَتَيْنِ لِآخَرَ، فَقَالَ لِآخَرَ: أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا: لَهُ نِصْفُ مَا لِكُلٍّ مِنْهُمَا.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) ثلث مال کی زید اور مساکین کیلئے، تو زید کیلئے اس کا نصف ہے، اور ان کیلئے اس کا نصف ہے۔ اور (اگر وصیت کی) سو کی ایک آدمی کیلئے اور سو کی دوسرے کیلئے، پھر کسی اور سے کہا کہ میں نے تجھے شریک کر دیا ان دونوں کے ساتھ، تو اس کیلئے ثلث ہے ہر سو کا۔ اور (اگر وصیت کی) اس کیلئے چار سو کی اور دو سو کی دوسرے کیلئے، پھر کہا کسی اور سے کہ میں نے تجھے شریک کر دیا ہے ان دو کے ساتھ، تو اس کیلئے نصف ہے اس حصے کا جو اُن دو میں سے ہر ایک کیلئے ہے۔

تشریح:

㉑ وبثلثه لزيد، وللمساكين: لزيد ... إلخ: أي: لو أوصى بثلث ماله لزيد ... اگر ایک آدمی نے اپنے ثلثِ مال کی وصیت زید اور مساکین کیلئے کی، تو ثلث کا نصف زید کو ملے گا اور نصف مساکین کو ملے گا۔ یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک ثلث کے تین حصے ہوں گے: ایک حصہ زید کو اور دو حصے دو مسکینوں کو ملیں گے۔ دلائل اوپر بیان ہوئے۔

㉒ وبمائة لرجل، وبمائة لآخر، فقال ... إلخ: أي: لو أوصى بمائة ... مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے ایک شخص کیلئے سو دراہم کی وصیت کی، اور دوسرے شخص کیلئے بھی سو دراہم کی وصیت کی، اور پھر تیسرے شخص سے کہا کہ میں نے تجھے اُن دو کے ساتھ شریک کر دیا، تو تیسرے شخص کو ہر سو کا ثلث ملے گا، یعنی اس کو پہلے سو سے بھی ۳۳،۳ دراہم اور دوسرے سو سے بھی ۳۳،۳

دراہم ملیں گے، تو اُس کو کل ۶۶ء۶ دراہم ملے، اور پہلے دو شریکوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس ۶۶ء۶ دراہم باقی رہے، کیونکہ موصی نے تیسرے کو پہلے دو کے ساتھ شریک کر دیا، اور شرکت برابری کا تقاضا کرتی ہے، اور اس تقسیم میں تینوں برابر ہو گئے۔

۲۳ وبأربعمائة له، وبمائتين لآخر، فقال لآخر ....إلخ: أي: لو أوصى بأربعمائة له... اگر موصی نے کسی آدمی کیلئے چار سو دراہم کی وصیت کی، اور دوسرے کیلئے دو سو دراہم کی وصیت کی، اور پھر تیسرے آدمی سے کہا کہ میں نے تجھے اُن دو کے ساتھ شریک کر دیا ہے، تو تیسرا شخص پہلے دو میں سے ہر ایک سے آدھا آدھا لے جائے گا، یعنی پہلے کے چار سو میں سے دو سو لے گا، اور دوسرے کے دو سو میں سے ایک سو لے گا، کیونکہ یہاں بھی شرکت برابری تقاضا کرتی ہے، مگر چونکہ پہلے شخص اور دوسرے شخص کے حصوں میں فرق ہے، اس لئے ان دو کے درمیان برابری نہیں ہو سکتی، لہٰذا حتی الامکان برابری کی کوشش کرتے ہوئے تیسرے شخص کو ان دو میں سے ہر ایک کے ساتھ برابر کیا جائے گا، تو پہلے شخص کو دو سو ملے، اور دوسرے کو سو ملے، اور تیسرے کو تین سو ملے۔

۲۴ وَإِنْ قَالَ لِوَرَثَتِهِ: لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ، فَصَدِّقُوهُ، فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ إِلَى الثُّلُثِ
۲۵ فَإِنْ أَوْصَى بِوَصَايَا: عُزِلَ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا، وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ، وَقِيلَ لِكُلٍّ: صَدِّقُوهُ فِيمَا شِئْتُمْ، وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ: فَلِلْوَصَايَا
۲۶ وَلِأَجْنَبِيٍّ وَوَارِثِهِ: لَهُ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ، وَبَطَلَتْ وَصِيَّتُهُ لِلْوَارِثِ.

ترجمہ: اور اگر اپنے ورثہ سے کہا کہ فلاں آدمی کا میرے اوپر دَین ہے، تم اس کی تصدیق کرو، تو اس کی تصدیق کی جائے گی ثلث تک۔ اور اگر کئی وصیتوں کی وصیت کی، تو ایک ثلث کو الگ کیا جائے گا وصیتوں والوں کیلئے، اور دو ثلث (کو الگ کیا جائے گا) ورثہ کیلئے، اور ہر ایک سے کہا جائے گا کہ اس کی تصدیق کرو جتنے میں تم چاہو، اور ثلث سے جو بچے وہ وصیتوں کیلئے ہے۔ اور (اگر وصیت کی) اجنبی اور اپنے وارث کیلئے، تو اس کیلئے آدھی وصیت ہے، اور باطل ہے اس کی وصیت وارث کیلئے۔

تشریح:

۲۴ وإن قال لورثته: لفلان عليّ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے اپنے ورثہ سے کہا کہ فلاں آدمی کا مجھ پر دَین ہے، لہٰذا جب بھی وہ آ کر مطالبہ کرے تم اس کی تصدیق کرو، اس کے بعد زید مر گیا، اور دائن نے آ کر دَین کا مطالبہ کر دیا، تو زید کے ٹوٹل مال کے ایک ثلث تک استحساناً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دائن کی تصدیق نہ کی جائے، کیونکہ زید نے اس کیلئے ایسا مجہول اِقرار کیا ہے جس پر عمل نہیں کیا جا سکتا، اور دائن جس مقدار کا دعویٰ کر رہا ہے اس پر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، اور دلیل کے بغیر دعویٰ قابل قبول نہیں ہے۔

لیکن استحساناً تصدیق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زید کے اِقرار کو وصیت سمجھا جائے گا، اس طرح مجہول وصیت میں ثلث تک موصی

لہٗ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ اور بعض اوقات مجہول اقرار کرنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے، وہ اس طرح کہ زید کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی کا مجھ پر کچھ حق ہے، مگر اس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی، اس لئے وہ مجہول حق کا اقرار کرتا ہے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس اقرار کو وصیت قرار دے کر دائن کی تصدیق کی جائے۔

⑮ فإن أوصى بوصايا: عُزل الثلث لأصحاب ....إلخ: یہ ماقبل مسئلے کی ایک اور صورت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زید نے اپنے ورثہ سے کہا کہ فلاں آدمی کا مجھ پر دَین ہے، جب بھی وہ آکر مطالبہ کرے تم اس کی تصدیق کرو، اس کے بعد زید نے اور لوگوں کیلئے کچھ وصیتیں بھی کیں، تو مرنے کے بعد زید کے مال کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: ایک ثلث موصٰی لہم کو دیا جائے گا، اور دو ثلث ورثہ کو ملیں گے، کیونکہ موصٰی لہم اور ورثہ کا حق معلوم ہے، لہٰذا دائن کے مجہول حق کی وجہ سے ان کا معلوم حق مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد جب دائن آکر اپنے دَین کا مطالبہ کرے تو موصٰی لہم اور ورثہ سے کہا جائے گا کہ جتنی مقدار میں چاہو دائن کی تصدیق کرلو، پھر موصٰی لہم جس مقدار کی تصدیق کریں اس کا ایک ثلث دائن کو ادا کریں، اور ورثہ جس مقدار کی تصدیق کریں اس کے دو ثلث ادا کریں، مثلاً دائن نے دعویٰ کیا کہ میرا دَین تین ہزار روپے ہے، مگر موصٰی لہم نے صرف ایک ہزار میں اس کی تصدیق کی، تو ان پر لازم ہے کہ ایک ہزار کا ثلث (۳۳۳ روپے) دائن کو ادا کریں۔ اور ورثہ نے پندرہ سو میں دائن کی تصدیق کی، تو ان پر لازم ہے کہ پندرہ سو کے دو ثلث (۱۰۰۰ روپے) دائن کو ادا کریں، کیونکہ موصٰی لہٗ کو کل مال کا ایک ثلث ملا ہے، لہٰذا ان کے گمان کے مطابق وہ دین کا بھی ایک ثلث ادا کریں، اور ورثہ کو کل مال کے دو ثلث ملے ہیں، لہٰذا وہ اپنے گمان کے مطابق دَین کے بھی دو ثلث ادا کریں۔

⑯ ولأجنبي ووارثه: له نصف الوصية....إلخ: أي: لو أوصى لأجنبي ووارثه.... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک اجنبی شخص اور اپنے وارث کیلئے ایک ہزار روپے کی وصیت کی، تو اجنبی شخص کیلئے وصیت کی نصف مقدار (۵۰۰ روپے) مل جائے گی، اور وارث کیلئے وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی نے ایسی چیز کی وصیت کی جس کا اُسے اختیار ہے، اور ایسی چیز کی بھی وصیت کی جس کا اُسے اختیار نہیں ہے، تو اول میں وصیت صحیح ہوئی، اور دوسرے میں باطل ہے۔

⑰ وَبِثِيَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ لِثَلَاثَةٍ، فَضَاعَ ثَوْبٌ، وَلَمْ يُدْرَ أَيٌّ، وَالْوَارِثُ يَقُولُ لِكُلٍّ: هَلَكَ حَقُّكَ: بَطَلَتْ ⑱ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمُوْا مَا بَقِيَ: فَلِذِي الْجَيِّدِ ثُلُثَاهُ، وَلِذِي الرَّدِيءِ ثُلُثَاهُ، وَلِذِي الْوَسَطِ ثُلُثُ كُلٍّ ⑲ وَبِبَيْتٍ عَيْنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ، وَ قُسِمَتْ، وَوَقَعَ فِي حَظِّهِ: فَهُوَ لِلْمُوْصَى لَهُ ⑳ وَإِلَّا: مِثْلُ ذَرْعِهِ ㉑ وَالْإِقْرَارُ مِثْلُهَا.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) تین مختلف کپڑوں کی، تین (آدمیوں) کیلئے، پھر ایک کپڑا ضائع ہوگیا، اور معلوم نہ ہوا کہ (ضائع ہونے والا) کونسا ہے، اور وارث ہر ایک سے کہتا ہے کہ تمہارا حق ہلاک ہوا، تو وصیت باطل ہوئی۔ مگر یہ کہ ورثہ تسلیم کردیں جو کپڑے باقی رہ

گئے، تو عمدہ والے کیلئے عمدہ کے دوثلث ہیں، اور گھٹیا والے کیلئے گھٹیا کے دوثلث ہیں، اور درمیانہ والے کیلئے ہر ایک کا ایک ایک ثلث ہے۔
اور (اگر وصیت کی) کسی معین کمرے کی مشترک گھر میں سے، اور (گھر کو) تقسیم کیا گیا، اور (وہ کمرہ) واقع ہوا موصی کے حصے میں، تو وہ موصی لہٗ کیلئے ہے۔ ورنہ اس کے گزوں کے برابر (زمین) ہے۔ اور اقرار وصیت کی مثل ہے۔

تشریح:

⑰ وبثياب متفاوتة لثلاثة، فضاع ....إلخ: أي: وإن أوصى بثياب .... صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کے پاس تین کپڑے ہیں: عمدہ، درمیانہ اور گھٹیا، اس نے تین آدمیوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک کپڑے کی وصیت کی، یعنی ایک آدمی کیلئے عمدہ کپڑے کی وصیت کی، دوسرے کیلئے درمیانہ کی وصیت کی اور تیسرے کیلئے گھٹیا کی وصیت کی، پھر موصی مر گیا، اور ان تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا، اور موصی کے ورثہ ہر موصی لہٗ سے کہتے ہیں کہ بعینہٖ وہی کپڑا ہلاک ہو گیا جو تیرا حق تھا، تو اس صورت میں وصیت باطل ہوئی، کیونکہ موصیٰ بہٖ مجہول ہے، معلوم نہیں کہ کونسا کپڑا کس کو دیا جائے، اس لئے وصیت پر عمل نہیں ہو سکتا۔

⑱ إلّا أن يسلّموا ما بقي فلذي الجيد ثلثاه، و....إلخ: یہ ماقبل والے حکم استثناء ہے۔ یعنی ماقبل صورت میں اگر ورثہ نے انکار نہیں کیا اور باقی دو کپڑے تینوں موصیٰ لہم کو تسلیم کر دیئے تو وصیت باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اب اس پر عمل ہو سکتا ہے، وہ اس طرح کہ جس کیلئے عمدہ کپڑے کی وصیت ہوئی ہے اس کو موجودہ دو کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے کے دوثلث دیئے جائیں گے، اور جس کیلئے گھٹیا کی وصیت ہوئی ہے اس کو موجودہ گھٹیا کپڑے کے دوثلث دیئے جائیں گے، اور جس کیلئے درمیانہ کپڑے کی وصیت ہوئی ہے اس کو دونوں کپڑوں میں سے ایک ایک ثلث دیا جائے۔ اس طرح تقسیم کرنے سے تینوں کے درمیان برابری بھی ہو جائے گی۔①

⑲ وببيت عين من دار مشتركة، وقُسمت، ووقع ....إلخ: أي: إن أوصى ببيت عين... مسئلہ یہ ہے کہ کوئی گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک شریک نے اس گھر کے ایک معین کمرے کی وصیت کسی کیلئے کر دی، اس کے بعد دونوں شریکوں کے درمیان گھر کی تقسیم ہو گئی، اور وہ کمرہ موصی کے حصے میں آیا، اس کے بعد موصی مر گیا، تو بعینہٖ وہی کمرہ موصیٰ لہٗ کو دیا جائے گا، کیونکہ وصیت کرنے سے موصی کا مقصد یہی ہے کہ موصیٰ لہٗ کیلئے ایسی چیز کی وصیت کرے جس سے موصیٰ لہٗ نفع اٹھائے، اور نفع اٹھانا اسی وقت ممکن ہے کہ موصیٰ لہٗ کو بعینہٖ وہی کمرہ دیا جائے، اور اس وصیت پر آسانی کے ساتھ عمل کرنا ممکن بھی ہے۔

---

① اس طرح تقسیم کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جس کیلئے عمدہ کی وصیت ہوئی ہے اس کا موجودہ گھٹیا کپڑے میں یقیناً حق نہیں ہے، کیونکہ یہ گھٹیا کپڑا یا تو حقیقت میں درمیانہ والا ہے یا گھٹیا والا ہے، اور دونوں میں عمدہ موصیٰ لہٗ کا حق نہیں ہے، اور جس کیلئے گھٹیا کی وصیت ہوئی ہے اس کا موجودہ عمدہ کپڑے میں یقیناً حق نہیں ہے، کیونکہ یہ عمدہ کپڑا یا تو حقیقت میں بھی عمدہ ہے، یا درمیانہ والا ہے، اور دونوں میں گھٹیا موصیٰ لہٗ کا حق نہیں ہے۔ اور جس کیلئے درمیانہ کی وصیت ہوئی ہے اس کیلئے یہ بھی احتمال موجود ہے کہ اس کا حق موجودہ عمدہ میں ہو، اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ اس کا حق موجودہ گھٹیا میں ہو، لہٰذا ان کے درمیان برابری کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ عمدہ موصیٰ لہٗ کو موجودہ عمدہ کپڑے کے دوثلث دیئے جائیں، اور گھٹیا میں سے اُسے کچھ نہ ملے، اور گھٹیا موصیٰ لہٗ کو گھٹیا میں سے دوثلث دیئے جائیں، اور عمدہ میں سے اُسے کچھ نہ ملے، اور درمیانہ موصیٰ لہٗ کو دونوں کپڑوں میں سے ایک ایک ثلث دیا جائے۔

⑳ وإلّا: مثل ذرعه: أي: وإن لا يقع في حظه: فللموصى له مثل ذرعه. یعنی ماقبل مسئلے کی صورت میں اگر تقسیم کرنے سے وہ کمرہ موصی کے حصے میں نہیں آیا، بلکہ دوسرے شریک کے حصے میں آیا، تو اس صورت میں کمرے کے گزوں کے برابر موصی کے حصے سے موصٰی لہ کو زمین دی جائے گی، اس لئے کہ بعینہٖ وہی کمرہ موصٰی لہ کو نہیں دیا جاسکتا، اور اس کمرے کا عوض اور بدل موصی کو مل چکا ہے، لہٰذا اب موصی پر لازم ہے کہ اس کمرے کا عوض موصٰی لہ کو دے دے، اور اس کا عوض اس کے برابر زمین ہے۔

㉑ والإقرار مثلها: یعنی مذکورہ صورت میں اِقرار وصیت کی طرح ہے، لہٰذا اگر ایک شریک نے مشترک گھر کے کسی معین کمرے کا اقرار کسی کیلئے کردیا، اور پھر تقسیم کرنے سے وہ کمرہ مُقِر کے حصے میں آیا، تو بعینہٖ وہی کمرہ مُقَر لہ کو دیا جائے گا، اور اگر کمرہ دوسرے شریک کے حصے میں آیا تو مُقِر کے حصہ سے کمرے کی مساحت کے برابر زمین مُقَر لہ کو دی جائے گی۔

㉒ وَبِأَلْفِ عَيْنٍ مِنْ مَالِ آخَرَ، فَأَجَازَ رَبُّ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِي، وَدَفَعَهُ: صَحَّ ㉓ وَلَهُ الْمَنْعُ بَعْدَ الْإِجَازَةِ ㉔ وَصَحَّ إِقْرَارُ أَحَدِ الْاِبْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ أَبِيْهِ فِي ثُلُثِ نَصِيْبِهِ ㉕ وَبِأَمَةٍ، فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَخَرَجَا مِنْ ثُلُثِهِ: فَهُمَا لَهُ ㉖ وَإِلَّا: أَخَذَ مِنْهَا، ثُمَّ مِنْهُ.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) ہزار معین کی دوسرے کے مال سے، اور مال کے مالک نے اجازت دے دی، موصی کی موت کے بعد اور اس کو دے دیئے، تو صحیح ہے۔ اور اس کو منع کرنے کا اختیار ہے اجازت دینے کے بعد۔ اور صحیح ہے دو بیٹوں میں سے ایک کا اِقرار کرنا تقسیم کرنے کے بعد اپنے باپ کی وصیت کا، اپنے حصے کے ثلث میں۔ اور (اگر وصیت کی) باندی کی، پھر بچہ جنا اس کی موت کے بعد، اور (باندی اور بچہ) دونوں نکل جاتے ہیں ثلث مال سے، تو دونوں موصٰی لہ کیلئے ہیں۔ ورنہ باندی سے لے، پھر بچے سے (لے)۔

تشریح:

㉒ وبألف عين من مالِ آخر، فأجاز .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے دوسرے آدمی کے مال میں سے ہزار روپے متعین[1] کرکے کہا کہ میں خالد کیلئے ان ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں، اس کے بعد زید (موصی) مرگیا، تو یہ وصیت مال کے مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی، اگر اس نے اجازت دے کر وہ ہزار روپے موصٰی لہ کو دے دیئے تو وصیت صحیح ہوگی، اور اگر مالک نے اجازت نہیں دی تو باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ یہ حقیقت میں زید کی طرف سے وصیت نہیں ہے، بلکہ مال کے مالک کی طرف سے ہبہ ہے، اور دوسرے کے مال میں ہبہ کرنے کیلئے مالک کی اجازت شرط ہے۔

① اگر زید نے ہزار روپے متعین نہیں کئے، بلکہ مطلقاً کہا کہ میں فلاں کے مال سے خالد کیلئے ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں، تو یہ بالکل صحیح نہیں ہے، اگرچہ مال کا مالک اجازت دے دے۔

⓺ ولـه الـمـنـع بعد الإجازة: مذکورہ صورت میں اگر مالکِ مال نے اجازت دے دی، تو اس کے بعد بھی وہ دینے سے انکار کرسکتا ہے، کیونکہ یہ ہبہ اور تبرّع ہے، اور ہبہ میں واہب ایجاب کرنے اور اجازت دینے کے بعد بھی انکار کرسکتا ہے۔

⓻ وصـح إقرار أحد الابنين بعد القسمة ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرگیا، اس کے ورثہ میں دو بیٹے ہیں، دونوں بیٹوں نے باپ کی میراث تقسیم کردی، اس کے بعد ایک بیٹے نے اقرار کیا کہ ہمارے باپ نے اپنے مال کا ثلث حصہ فلاں شخص کیلئے وصیت کردیا ہے، تو اس کا اقرار اپنے حصے کے ثلث میں صحیح ہے، یعنی اس بیٹے کو جو حصہ ملا ہے اس کا ثلث موصٰی لہٗ کو دے دے، اس لئے کہ یہ بیٹا ساری میراث میں وصیت کا اقرار کررہا ہے، اور میراث کا آدھا حصہ خود اسی کے ہاتھ میں ہے، اور آدھا حصہ دوسرے بیٹے کے ہاتھ میں ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کا اقرار خود اپنے اوپر تو صحیح ہے، دوسرے پر صحیح نہیں ہے، لہٰذا اقرار کرنے والا بیٹا اپنے حصے کا ثلث موصٰی لہٗ کو دے دے، دوسرے بیٹے سے کچھ نہیں لے سکتا۔

⓼ وبـأمـة، فـولـدت بعد موته، وخرجا....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی کیلئے اپنی باندی کی وصیت کردی، پھر موصی مرگیا، اور اس کے بعد باندی نے بچہ جنا، اور باندی اور بچے دونوں کی قیمتیں ملاکر ثلثِ مال سے نکل سکتی ہیں، تو موصٰی لہٗ کو باندی اور بچہ دونوں ملیں گے، اس لئے کہ باندی اصلاً وصیت میں داخل ہے، اور بچہ اپنی ماں کا تابع ہوکر وصیت میں داخل ہوجائے گا، کیونکہ وصیت کے وقت وہ ماں کے ساتھ متصل تھا، لہٰذا وہ ماں کی بڑھوتری اور نما ہے۔

⓽ وإلَّا: أخذ منها، ثم منهُ: أي: وإلَّا يخرجا من الثلث: أخذ.... یعنی مذکورہ صورت میں اگر باندی اور بچے کی قیمتیں ثلث سے نہ نکلے، یعنی ثلث مال سے بڑھ جائیں، تو موصٰی لہٗ ثلث مال باندی سے وصول کرلے، اگر باندی میں ثلث پورا ہوگیا تو بچے سے کچھ بھی نہ لے، اور اگر ثلث میں سے کچھ باقی رہ گیا تو ثلث پورا ہونے تک بچے کی قیمت میں سے بھی کچھ لے، اس لئے کہ وصیت میں باندی اصل ہے اور بچہ اس کا تابع ہے، لہٰذا سب سے پہلے باندی سے ثلث مال کو پورا کیا جائے گا، اگر باندی سے پورا نہ ہوجائے تو کمی کو بچے سے پورا کیا جائے گا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ موصٰی لہٗ کو اختیار حاصل ہے کہ دونوں سے تھوڑا تھوڑا لے کر ثلث پورا کرلے، کیونکہ ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے، دونوں یکساں وصیت میں داخل ہیں۔

> ⓾ وَلابْنِهِ الْكَافِرِ، أَوِ الرَّقِيقِ فِي مَرَضِهِ، فَأَسْلَمَ، أَوْ عَتَقَ: بَطَلَ ⑱ كَهِبَتِهِ، وَ إِقْرَارِهِ ⑲ وَالْمُقْعَدُ، وَالْمَفْلُوجُ، وَالْأَشَلُّ، وَالْمَسْلُولُ إِنْ تَطَاوَلَ ذٰلِكَ، فَلَمْ يُخَفْ مِنَ الْمَوْتِ: فَهِبَتُهُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ ⑳ وَإِلَّا: فَمِنَ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) اپنے کافر بیٹے یا غلام (بیٹے) کیلئے اپنی بیماری میں، پھر (بیٹے نے) اسلام لایا، یا (غلام) آزاد

ہوگیا، تو وصیت باطل ہوگئی۔ جیسے اس کا ہبہ کرنا اور اِقرار کرنا۔ اور اپاہج، فالج زدہ، لُنجا اور سِل والا اگر (اس کی) بیماری لمبی ہوجائے اور اس پر مرجانے کا ڈر نہ ہو تو اس کا ہبہ سارے مال سے ہوگیا۔ ورنہ ثلث سے ہوگا۔

لغات

المقعد: اپاہج لنگڑا۔ **المفلوج:** فالج زدہ۔ **الأشل:** لُنجا، جس کا ہاتھ یا پاؤں خشک ہوگیا ہو۔ **المسلول:** سِل بیماری میں مبتلا، تپ دق والا، جس کے پھیپھڑوں میں زخم ہوجاتے ہیں اور منہ سے خون آنے لگتا ہے۔

تشریح:

⓹ **ولابنه الكافر، أو الرقيق في مرضه....إلخ:** أي: إن أوصیٰ لابنه.... اگر کسی شخص نے بیماری کی حالت میں اپنے کافر بیٹے کیلئے، یا اپنے غلام بیٹے کیلئے وصیت کی، پھر بیٹے نے اسلام لایا، یا آزاد ہوگیا، اس کے بعد باپ مرگیا، تو اس کی وصیت باطل ہوگئی، اس لئے کہ وصیت میں اصل اعتبار موصی کی موت کے وقت کا ہے، اور یہاں موصی کی موت کے وقت اس کا بیٹا مسلمان اور آزاد ہے، لہٰذا بیٹا وارث ہوگیا، اور وارث کیلئے وصیت باطل ہے۔

⓺ **كهبته، وإقراره:** «ہ» کا مرجع مریض ہے۔ یعنی اگر بیمار شخص نے اپنے کافر بیٹے کو یا اپنے غلام بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردی، یا بیمار شخص نے اپنے کافر بیٹے کیلئے یا غلام بیٹے کیلئے اِقرار کیا کہ اس کا مجھ پر دَین ہے، اور پھر بیٹے نے اسلام لایا، یا آزاد ہوگیا، تو موصی (باپ) کا ہبہ اور اِقرار دونوں باطل ہوگئے، اس لئے کہ مرض کی حالت میں وارث کیلئے ہبہ کرنا یا اِقرار کرنا دونوں وصیت کے حکم میں ہیں، اور وارث کیلئے وصیت باطل ہے، تو ہبہ اور اِقرار بھی باطل ہوں گے۔ ہبہ کرنے یا اِقرار کرنے کے وقت اگرچہ بیٹا کفر یا غلامی کی وجہ سے وارث نہیں ہے، لیکن بعد میں باپ کی موت کے وقت اسلام لانے یا آزاد ہونے کی وجہ سے وہ وارث بن چکا ہے۔

⓻ **والمقعد، والمفلوج، والأشل، والمسلول....إلخ:** عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مریض اس شخص کو کہتے ہیں کہ مرض کی وجہ سے ہر وقت اس کی موت کا خطرہ ہو، لہٰذا اپاہج، فالج زدہ، لُنجا اور سِل والے کی بیماری اگر لمبی ہوگئی اور موت کا خطرہ نہ رہا تو وہ صحتمند کے حکم میں ہوں گے، کیونکہ یہ بیماری اب اس کی عادت وفطرت بن گئی ہے، جیسے اندھاپن، لہٰذا وہ اگر کسی کو ہبہ کریں تو وہ ہبہ وصیت کے حکم میں نہیں ہوگا، بلکہ پورے مال سے معتبر ہوگا، یعنی اس کا ہبہ نافذ ہوجائے گا، اگرچہ اس میں ثلث مال سے زائد چلا جائے۔

⓼ **وإلّا: فمن الثلث:** أي: وإن لا يتطاول ذلك: فمن الثلث. یعنی اگر کسی کو مذکورہ بیماریوں میں سے کوئی بیماری لاحق ہوئی، اور پھر اس نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کردی، اور اس کی بیماری لمبی نہ ہوئی، چند دن بعد مرگیا، تو اس کا ہبہ پورے مال سے معتبر نہیں ہوگا، بلکہ ثلث سے معتبر ہوگا، یعنی کُل مال کے ثلث تک ہبہ نافذ ہوگا، اس سے زائد میں نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ شخص مریض ہے، اور مریض کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے، اور وصیت ثلثِ مال میں معتبر ہوتی ہے۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ الْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام العتق في المرض. یعنی یہ باب بیاری کی حالت میں آزاد کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔مرض کی حالت میں غلام آزاد کرنا وصیت کے حکم میں ہے، اس لئے اس بحث کو كتاب الوصية میں ذکر فرمایا۔مگر آزاد کرنا چونکہ صراحتاً وصیت نہیں ہے، اس لئے صراحتاً وصیت کے بعد اس کیلئے الگ باب قائم فرمایا۔مرض میں غلام آزاد کرنا کیوں وصیت کے حکم میں ہے؟ اس کی تفصیل مسئلہ نمبر ایک میں ہے۔اس باب میں کل اٹھارہ (۱۸) مسائل ہیں۔

① تَحْرِيرُهُ فِي مَرَضِهِ، وَمُحَابَاتُهُ، وَهِبَتُهُ: وَصِيَّةٌ ② وَلَمْ يَسْعَ إِنْ أُجِيزَ ③ فَإِنْ حَابَى، فَحَرَّرَ: فَهِيَ أَحَقُّ ④ وَبِعَكْسِهِ اسْتَوَيَا ⑤ وَإِنْ أَوْصَى بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ، فَهَلَكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ: لَمْ تُنَفَّذْ ⑥ بِخِلَافِ الْحَجِّ ⑦ وَبِعِتْقِ عَبْدِهِ، فَمَاتَ، فَجَنَى، وَدُفِعَ: بَطَلَتْ ⑧ وَإِنْ فُدِيَ: لَا.

ترجمہ: مریض کا آزاد کرنا اپنے مرض الموت میں، اس کا محابات کرنا، اور اس کا ہبہ کرنا وصیت ہیں۔اور (غلام) کمائی نہ کرے اگر اجازت دی گئی۔اور اگر کم قیمت پر (غلام کو) فروخت کیا، اور پھر آزاد کیا، تو فروخت کرنا زیادہ حقدار ہے۔اور اس کے برعکس دونوں برابر ہیں۔اور اگر وصیت کی کہ اس کی طرف سے آزاد کر دیا جائے ان سو کے عوض کوئی غلام، پھر ان میں سے ہلاک ہو گیا ایک درہم، تو (وصیت) نافذ نہیں کی جائے گی۔بر خلاف حج کے۔اور (اگر وصیت کی) اپنے غلام کی آزادی کی، پھر (موصی) مر گیا، پھر (غلام نے) جنایت کی اور (جنایت میں) دے دیا گیا، تو (وصیت) باطل ہو گئی۔اور اگر فدیہ دے دیا گیا تو (وصیت باطل) نہیں۔

تشریح:

① تحريره في مرض موته، ومحاباته، و.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بیمار شخص نے مرض الموت کی حالت میں اپنا غلام آزاد کیا، یا محابات① کے ساتھ کسی چیز کا سودا کیا، مثلاً ہزار روپے کی چیز پندرہ سو میں خرید لی، یا ہزار کی چیز پانچ سو میں فروخت کر دی، یا کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دی، تو یہ تمام تصرفات وصیت کے حکم میں ہیں، لہٰذا غلام آزاد کرنا ایسا ہے جیسے غلام کی قیمت کی وصیت کرے، اور محابات کرنا ایسا ہے جیسے پانچ سو روپے کی وصیت کرے، اور ہبہ بھی ایسا ہے جیسے اس کی وصیت کرے، تو یہ تصرفات ثلث مال میں معتبر ہوں گے، یعنی اگر غلام کی قیمت یا محابات کے پانچ سو روپے یا ہبہ کی ہوئی چیز کی قیمت ثلث مال سے نکل سکتی ہے تو یہ تصرف نافذ ہوگا،

① محابات لغت کی تفصیل باب الوصية بثلث المال مسئلہ نمبر (۵) کی لغات میں گزر چکی ہے۔

ورنہ ثلث مال تک نافذ ہوگا،اور اس سے زائد میں باطل ہوگا۔

اب یہ بات سمجھ لیں کہ مذکورہ تصرفات کیوں وصیت کے حکم میں ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بیمار جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو وہ مال ودولت سے مستغنی ہوگیا،اب اس کو مال کی ضرورت نہیں ہے،لہٰذا اس کے مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوگیا،تو ورثہ کے حق کی وجہ سے وہ جو بھی تصرف کرے گا وہ ثلث مال میں نافذ ہوگا،اس سے زائد میں باطل ہوگا۔

❷ ولم يسع إن أجيز: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرض الموت میں مبتلا شخص نے اپنا غلام آزاد کیا،غلام کی قیمت پندرہ ہزار روپے ہے،اور مریض کا ثلث مال دس ہزار روپے بنتا ہے،تو غلام دس ہزار تک آزاد ہوا،اور پانچ ہزار میں وہ مزدوری کر کے ورثہ کو ادا کرے گا،لیکن اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو غلام پوری قیمت میں آزاد ہو جائے گا،اب اس پر سعی کرنا لازم نہیں ہے،کیونکہ اس پر ورثہ کے حق کی وجہ سے سعی لازم تھی،جب انہوں نے اجازت دی تو ان کا حق نہیں رہا،اس لئے غلام پر سعی بھی لازم نہیں ہوگی۔

❸ فإن حابى، فحرّر: فهي أحق: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرض الموت میں مبتلا شخص کے مال میں صرف دو غلام ہیں،اور کوئی چیز نہیں ہے،ایک غلام کی قیمت دو ہزار ہے،اور دوسرے کی قیمت ایک ہزار ہے،اس نے محابات کرتے ہوئے پہلے غلام کو ہزار روپے میں فروخت کر دیا،یعنی ہزار روپے کا محابات کیا،اور اس کے بعد ہزار والے غلام کو آزاد کر دیا،اب ظاہر ہے کہ ہزار روپے کا محابات اور ہزار روپے آزاد شدہ غلام کی قیمت دونوں ثلث مال سے نہیں نکلتے،لہٰذا اس صورت میں محابات زیادہ حقدار ہے،اس لئے فرخت شدہ غلام مشتری کے حوالے کیا جائے گا،اور ہزار روپے کا جو محابات ہوا ہے وہ گویا مشتری کیلئے وصیت ہے،اور ہزار روپے ثلث مال سے نکل جاتے ہیں،اس لئے صحیح ہے،اور جس غلام کو آزاد کیا ہے وہ اپنی پوری قیمت میں سعی کر کے ورثہ کو ادا کر دے۔

یہاں محابات اس لئے مقدم ہوا کہ وہ لفظاً تو عقد بیع ہے،اور عقد کے ضمن میں معناً ہزار روپے کا تبرّع ہوا،جبکہ آزاد کرنا لفظاً و معناً دونوں لحاظ سے تبرّع ہے،اور عقد تبرّع سے قوی ہے،اس لئے محابات کو قوت حاصل ہوئی،اور آزاد کرنے سے مقدم ہوا۔

❹ وبعكسه استويا: یعنی اگر مذکورہ صورت کے برعکس کیا،مثلاً پہلے ایک ہزار والا غلام آزاد کر دیا اور اس کے بعد دو ہزار والے غلام میں محابات کرتے ہوئے ایک ہزار میں فروخت کر دیا،تو اس صورت میں آزادی اور محابات دونوں برابر ہیں،لہٰذا پہلے غلام میں پانچ سو کے بقدر آزادی صحیح ہوئی،اور پانچ سو میں وہ کمائی کر کے ورثہ کو ادا کر دے،اور دوسرے غلام میں بھی پانچ سو کے بقدر محابات صحیح ہوئی،اور پانچ سو میں غلام کمائی کر کے ورثہ کو ادا کرے،دونوں اس وجہ سے برابر ہوئے کہ محابات کو تو اس لئے قوت حاصل ہے کہ وہ لفظاً عقد ہے،اور آزادی کو اس لئے قوت حاصل ہوئی کہ وہ تصرف میں محابات سے مقدم ہے۔

یہ ساری تفصیل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔حضرات صاحبینؒ کے نزدیک پچھلے مسئلے اور اس مسئلے دونوں صورتوں میں آزادی کو ترجیح حاصل ہے،کیونکہ وہ منسوخ نہیں ہوسکتی،جبکہ محابات جو عقد بیع کے ضمن میں ہوئی ہے وہ بیع فسخ ہونے کی وجہ سے منسوخ ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔

❺ وإن أوصى بأن يُعتق عنه بهذه المائة...إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد ان سو دراہم کا غلام خرید کر آزاد کرو، پھر وہ مر گیا، اس کے بعد ان سو دراہم میں سے ایک درہم ہلاک ہو گیا، تو باقی ننانوے دراہم سے موصی کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، یعنی ننانوے دراہم میں غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ موصی کی وصیت سو دراہم کے غلام کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اگر سو دراہم سے کم میں غلام خرید کر آزاد کیا جائے تو یہ وصیت کے مطابق عمل نہیں ہوا، اس لئے یہ وصیت باطل ہوئی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ننانوے دراہم میں غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا، کیونکہ موصی کا مقصد غلام آزاد کر کے ثواب کمانا ہے، خاص طور پر سو دراہم خرچ کرنا مقصد نہیں ہے، لہٰذا سو دراہم سے کم میں بھی وصیت پر عمل ہو سکتا ہے۔

❻ بخلاف الحجّ: یعنی مذکورہ صورت کا حکم حج کے برخلاف ہے، لہٰذا اگر کسی نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد ان سو دراہم سے حج کرایا جائے، پھر ان میں سے ایک درہم ہلاک ہو گیا، تو باقی ننانوے دراہم میں وصیت نافذ ہو کر ان سے حج کرایا جائے گا، کیونکہ حج ایک عبادت ہے جو بالذات مقصود ہے، لہٰذا موصی کا مقصد حج کرانا ہے، خاص طور پر سو دراہم خرچ کرنا مقصود نہیں ہیں۔

❼ وبعتق عبده، فمات، فجنى، ودُفع: بطلت: أي: وإن أوصى بعتق.... اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس غلام کو آزاد کر دیا جائے، پھر موصی مر گیا، اس کے بعد غلام نے کوئی جنایت کی اور جنایت کے جرم میں غلام جنایت والے کو دے دیا گیا، تو موصی کی وصیت باطل ہوگئی، کیونکہ جرم کی وجہ سے غلام میں جنایت والے کا حق آ گیا، اور اس کا حق وصیت سے مقدم ہے، جس کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔

❽ وإن فُدي: لا: أي: لا تبطل. یعنی مذکورہ صورت میں اگر ورثہ نے اپنی طرف سے غلام کا فدیہ دے کر جنایت کا تاوان ادا کر دیا تو موصی کی وصیت باطل نہیں ہوئی، کیونکہ اب غلام میں وصیت کے علاوہ اور کوئی حق نہیں ہے، اور ورثہ نے جو فدیہ دیا ہے یہ ان کی طرف سے تبرع ہے، کسی پر اس کا رجوع نہیں کر سکتے۔

> ❾ وَبِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ، وَتَرَكَ عَبْدًا، فَادَّعَى زَيْدٌ عِتْقَهُ فِي صِحَّتِهِ، وَالْوَارِثُ فِي مَرَضِهِ: فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ ❿ وَلَا شَيْءَ لِزَيْدٍ، إِلَّا أَنْ يَفْضُلَ مِنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ، أَوْ يُبَرْهِنَ عَلَى دَعْوَاهُ ⓫ وَلَوِ ادَّعَى رَجُلٌ دَيْنًا، وَالْعَبْدُ عِتْقًا، وَصَدَّقَهُمَا الْوَارِثُ: سَعَى فِي قِيمَتِهِ، وَتُدْفَعُ إِلَى الْغَرِيمِ.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) ثلث مال کی زید کیلئے، اور ایک غلام چھوڑا، پس زید نے دعویٰ کیا اس کے آزاد ہونے کا موصی کی صحت میں، اور وارث نے (دعویٰ کیا) اس کی بیماری میں، تو بات وارث کی (معتبر) ہے۔ اور زید کیلئے کچھ بھی نہیں ہے، مگر یہ کہ بچ جائے

مال کے ثلث سے کوئی چیز، یا گواہ پیش کرے اپنے دعوے پر۔ اور اگر کسی آدمی نے دعویٰ کیا (میت پر) دَین کا، اور غلام نے (دعویٰ کیا) آزاد ہونے کا، اور وارث نے دونوں کی تصدیق کی، تو (غلام) سعی کرے اپنی قیمت میں، اور وہ دی جائے گی قرض خواہ کو۔

تشریح:

❾ وبثلثه لزيد، وترك عبدا، فادعى .....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے زید کیلئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی، پھر موصی مر گیا اور اس نے ایک غلام اور کچھ اور مال چھوڑا، اس کے بعد زید (موصیٰ لہ) نے دعویٰ کیا کہ موصی نے اپنی صحت کے زمانہ میں اس غلام کو آزاد کر دیا تھا، اور موصی کے وارث نے دعویٰ کیا کہ موصی نے بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کر دیا تھا، تو اس اختلاف میں وارث کی بات معتبر ہوگی، اس لئے کہ زید کے دعوے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ موصی نے غلام کو صحت کی حالت میں آزاد کیا ہے، للہٰذا یہ آزادی وصیت کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے یہ سارے مال سے معتبر ہوگی، اور مجھے غلام کے علاوہ باقی مال کا ثلث دیا جائے۔ اور وارث کے دعوے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ موصی نے غلام کو بیماری کی حالت میں آزاد کیا ہے، للہٰذا یہ آزادی وصیت کے حکم میں ہے اور ثلث سے معتبر ہے، اور ظاہر ہے کہ ثلث مال غلام کی قیمت میں ختم ہو جاتا ہے[1]، للہٰذا زید کیلئے کچھ بھی نہیں بچتا۔ اس اختلاف کا حاصل یہ نکلا کہ زید غلام کے علاوہ باقی مال کے ثلث کا دعویٰ کر رہا ہے، اور وارث اس کا منکر ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مدّعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات معتبر ہوتی ہے، قسم کھانے کے ساتھ۔

❿ ولا شيء لزيد، إلّا أن يفضل من ثلثه شيء.....إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں زید کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ ثلث مال غلام کی آزادی میں ختم ہو گیا۔ البتہ اگر غلام کی قیمت ثلث مال سے نکالنے کے بعد بھی ثلث میں سے کچھ بچ جائے تو وہ زید کو ملے گا، کیونکہ ثلث کے اندر اندر وصیت اس کا حق ہے۔ اور اسی طرح اگر زید نے اپنے دعوے پر گواہ پیش کئے تو اس کو غلام کے علاوہ باقی مال کا ثلث دیا جائے گا، کیونکہ گواہوں سے اس کا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔

⓫ ولو ادّعى رجل دينا، والعبد عتقا، وصدقهما.....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مر گیا، اور اس نے میراث میں صرف ایک غلام چھوڑا، پھر ایک آدمی نے آکر دعویٰ کیا کہ میت پر میرا دَین ہے، اور غلام نے دعویٰ کیا کہ میت نے مجھے صحت کے زمانہ میں آزاد کر دیا تھا، اور میت کے وارث نے دَین کے مدّعی اور غلام دونوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ تم دونوں سچ کہہ رہے ہو، تو اس صورت میں حکم یہ ہوگا کہ غلام اپنی قیمت میں مزدوری کمائی کر کے دائن کو دے دے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ صحت کے زمانہ میں آزاد ہوا ہے، اور جو غلام صحت کے زمانہ میں آزاد ہو جائے اس کی آزادی وصیت کے حکم میں نہیں ہے، للہٰذا کل مال سے معتبر ہے، اور اس پر کمائی کرنا واجب نہیں ہوگی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دَین آزادی سے قوی ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ غلام کی آزادی بالکل باطل ہو جائے، لیکن چونکہ

---

① یعنی جب غلام کا ثلث آزاد ہو جائے تو ثلث مال اس میں چلا جائے گا، موصیٰ لہ کیلئے کچھ نہیں بچے گا۔

آزادی باطل نہیں ہو سکتی، اس لئے غلام پر واجب ہے کہ اپنی قیمت کما کر دائن کو دے دے، تا کہ دائن اور غلام دونوں کا خیال رکھا جائے۔

⑫ وَبِحُقُوقِ اللّٰهِ تَعَالَى: قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ وَإِنْ أَخَّرَهَا، كَالْحَجِّ، وَالزَّكَاةِ، وَالْكَفَّارَاتِ ⑬ وَإِنْ تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ: بُدِئَ بِمَا بَدَأَ بِهِ ⑭ وَبِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ: أَحَجُّوا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهِ ⑮ يَحُجُّ رَاكِبًا ⑯ وَإِلَّا: فَمِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ ⑰ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ حَاجًّا، فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ، وَأَوْصَى بِأَنْ يُحَجَّ عَنْهُ: يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ ⑱ وَالْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهِ مِثْلُهُ.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) اللہ تعالیٰ کے حقوق کی، تو فرائض کو مقدم کیا جائے گا، اگر چہ (موصی نے) ان کو مؤخر کر دیا ہو، جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات۔ اور اگر (فرائض) قوت میں برابر ہوں تو شروع کیا جائے گا اس سے جس سے (موصی نے) شروع کیا ہے۔ اور (اگر وصیت کی) فرض حج کی، تو حج کرائیں کسی آدمی سے اس کے شہر سے۔ حج کرے سوار ہو کر۔ ورنہ جہاں سے پہنچ جائے۔ اور جو شہر سے نکل گیا حج کرتے ہوئے، پس راستے میں مر گیا اور وصیت کی کہ اس سے حج کرایا جائے، تو حج کرایا جائے گا اس کے شہر سے۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا اسی کی مثل ہے۔

تشریح:

⑫ وبحقوق الله تعالى: قُدّمت الفرائض .....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے حقوق اللہ میں سے چند وصیتیں کیں، ان میں سے کچھ فرائض ہیں، مثلاً اس نے کہا کہ میرے پیچھے میرے لئے فرض حج کرایا جائے، زکوٰۃ دی جائے، فلاں کفارہ ادا کیا جائے، اور کچھ وصیتیں نوافل ہیں، مثلاً کہا کہ میرے مال سے مسجد بنائی جائے، تو سب سے پہلے فرائض کی وصیتوں پر عمل کیا جائے گا، اس کے بعد اگر ثلث مال میں سے کچھ بچا تو نفل وصیتوں پر بھی عمل کیا جائے گا، کیونکہ فرائض نوافل کی بہ نسبت زیادہ اہم ہیں، اور اہم کو غیر اہم پر مقدم کیا جائے گا۔

⑬ وإن تساوت في القوه: بُدئ بما بدأ به: یعنی مذکورہ صورت میں اگر تمام وصیتیں قوت میں برابر ہوں، مثلاً سب فرائض ہوں یا سب نوافل ہوں، اور ثلث مال کے اندر اندر سب پر عمل نہیں ہو سکتا، تو موصی نے جس وصیت کو پہلے ذکر کیا ہے اس پر پہلے عمل کیا جائے گا، اگر اس کے بعد مال بچ جائے تو بعد والی پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ موصی نے جس کو پہلے ذکر کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اہم ہے، اور اہم کو مقدم کیا جائے گا۔

⑭ وبحجة الإسلام: أحجوا عنه رجلا من بلده: أي: إن أوصى بحجة الإسلام.... حجة

الإسلام سے مراد دین اسلام کا فرض حج ہے، اگر کسی شخص نے اپنے اوپر فرض حج کی وصیت کی، تو ورثہ موصی کی طرف سے موصی کے شہر سے کسی آدمی سے حج کرائیں، یعنی موصی کے شہر سے حج پر جو خرچہ آتا ہے وہ حج کرنے والے کو دے دیں، کیونکہ موصی پر اپنے ہی شہر سے حج کرنا فرض ہو گیا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے حج بدل بھی اسی کے شہر سے ہوگا۔

⑮ یحجّ راکبا: موصی کی طرف سے حج بدل کرنے والا سوار ہو کر سفر کرے، کیونکہ موصی پر اسی صفت کے ساتھ فرض ہوا تھا، لہٰذا اسی صفت کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔

⑯ وإلّا: فمن حيث يبلغ: أي: وإن لا يبلغ الثلث: فمن حيث يبلغ: یعنی مسئلہ نمبر (۱۴) کی صورت میں اگر ثلث مال موصی کے شہر سے خرچہ کیلئے کافی نہ ہو تو حج اس جگہ سے کرایا جائے جہاں سے ثلث مال کافی ہو جائے، مثلاً اگر لاہور سے کسی کو حج پر بھیجا جائے تو ثلث مال سے خرچہ پورا نہیں ہوتا، اور اگر کراچی سے بھیجا جائے تو پورا ہو جائے گا، تو کراچی ہی سے بھیجا جائے۔ اور اگر ثلث مال بہت کم ہے تو مکہ مکرمہ ہی میں کسی کو تھوڑا خرچہ دے کر موصی کی طرف سے حج کرایا جائے، تاکہ وصیت پر عمل ہو سکے۔

⑰ ومن خرج من بلده حاجًا، فمات في الطريق ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلا اور راستے میں مر گیا، اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرایا جائے، تو حج بدل اس کے شہر سے کرایا جائے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جہاں تک موصی پہنچ چکا ہے وہاں سے حج بدل کا سفر شروع جائے، کیونکہ اس جگہ تک سفر کا فریضہ ساقط ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب ثابت ہو چکا، لہٰذا حج بدل کا سفر اسی جگہ سے شروع کیا جائے گا، گویا موصی اسی جگہ کا اصلی باشندہ ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ موصی حج کرنے سے پہلے فوت ہو گیا، لہٰذا جو سفر اس نے کیا وہ باطل ہو گیا، اس لئے حج بدل میں مکمل سفر کرنا ہوگا، اور مکمل سفر موصی کے شہر سے شروع ہوگا۔

⑱ والحاجّ عن غيره مثلهُ: «ہٗ» کا مرجع پچھلے مسئلے میں مَن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسرے کی طرف سے حج بدل کرتے ہوئے گھر سے نکلا اور راستے میں مر گیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنا حج کرتے ہوئے راستے میں مر جائے، لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک حج بدل کرنے والے کی جگہ جب دوسرا آدمی حج کرے گا تو اس کے شہر سے سفر شروع کرے گا، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک وہاں سے سفر شروع کرے گا جہاں تک وہ پہنچ کر مر گیا ہے۔

☆☆☆

﴿بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام الوصية للأقارب وغيرهم. یعنی یہ باب رشتہ داروں وغیرہ کیلئے وصیت کرنے کے احکام کے بیان میں ہے۔اس باب کو ماقبل ابواب سے اس لئے مؤخر فرمایا کہ اُن ابواب کے احکام عام تھے، جبکہ اس باب کے احکام رشتہ داروں کے ساتھ خاص ہیں، اور ظاہر ہے کہ خاص عام سے مؤخر ہوتا ہے۔اس باب میں کُل چودہ (۱۴) مسائل ہیں۔

① جِيرَانُهُ مُلَاصِقُوهُ ② وَأَصْهَارُهُ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنِ امْرَأَتِهِ ③ وَأَخْتَانُهُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ ④ وَأَهْلُهُ زَوْجَتُهُ ⑤ وَآلُهُ أَهْلُ بَيْتِهِ ⑥ وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيهِ ⑦ وَإِنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ، أَوْ لِذَوِي قَرَابَتِهِ، أَوْ لِأَرْحَامِهِ، أَوْ لِأَنْسَابِهِ: فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ.

ترجمہ: اس کے پڑوسی اس کے متصل (رہنے) والے ہیں۔اور اس کے سسرالی رشتہ دار ہر محرم رشتہ دار ہے اس کی بیوی کا۔اور اس کے داماد اس کی ہر محرم عورت کا شوہر ہیں۔اور اس کا اہل اس کی بیوی ہے۔اور اس کا آل اس کے گھر والے ہیں۔اور اس کی جنس اس کے باپ کے گھر والے ہیں۔اور اگر وصیت کی اپنے رشتہ داروں کیلئے، یا اپنے قرابت والوں کیلئے، یا اپنے محارم کیلئے، یا اپنے نسب والوں کیلئے، تو یہ قریب کے بعد قریب کیلئے ہے اس کے ہر محرم رشتہ دار میں سے۔

لغات:

جیران: جمع ہے جار کی، بمعنی پڑوسی۔ملاصقوہ: جمع ہے ملاصق کی، جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، متصل پڑوسی۔أصهار: جمع ہے صِهر کی، ازدواجی رشتہ دار، سسرالی رشتہ دار، جیسے بیوی کے خویش واقارب، پشتو میں خیشان۔أختان: جمع ہے ختن کی، ہر وہ رشتہ دار جو عورت کی طرف سے ہو، جیسے سسر، سالا، داماد، بہنوئی۔

تشریح:

① جیرانہ ملاصقوہ: اگر کسی آدمی نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میرا ثلث مال میرے پڑوسیوں کو دیا جائے، تو اس کے پڑوسی وہ لوگ ہیں جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہیں۔یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ موصی کے محلّے میں رہتے ہیں وہ سب اس کے پڑوسی ہیں، کیونکہ عرف میں ان سب پر پڑوسی کا اطلاق ہوتا ہے۔امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ محلّہ کے سارے لوگوں کو وصیت شامل کرنا متعذر اور مشکل ہے، لہٰذا وصیت خاص لوگوں کو

شامل ہوگی، اور خاص لوگ وہ پڑوسی ہیں جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہیں۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ والصحيح قول الإمام، كما أفاده في الدر المنتقى، وصرّح به العلامة قاسم. [ردالمحتار:۱۰/۴۰۷]

❷ وأصهاره كلّ ذي رحم محرم من امرأته: اگر کسی شخص نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میرے ثلث مال میرے سسرالی رشتہ داروں کو دیا جائے، تو اس کے سسرالی رشتہ دار اس کی بیوی کے ذی رحم محرم لوگ ہیں، جیسے بیوی کا باپ، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بھی ان کے ذی رحم محرم کا مالک تھا اس کو حضرت جویریہؓ کے اکرام میں آزاد کر دیا۔ [أبوداود] اور ان لوگوں کو آپؐ کے أصهار کہا جاتا تھا۔ [ہدایہ]

❸ وأختانه زوج كلّ ذات رحم محرم منه: اگر کسی شخص نے اپنے دامادی رشتہ داروں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت موصی کی ہر ذی رحم محرم عورت کے شوہر کو شامل ہوگی، مثلاً بیٹی کا شوہر، بہن کا شوہر، خالہ کا شوہر وغیرہ، کیونکہ عرب کے عرف میں محرم عورت کے شوہر کو ختن (داماد) کہا جاتا تھا، ان وصیتوں کا زیادہ تر تعلق عرف ورواج سے ہے، ہمارے عرف میں صرف بیٹی کے شوہر کو داماد کہا جاتا ہے۔

❹ وأهله زوجته: اگر کسی شخص نے زید کے اہل کیلئے وصیت کی، تو یہ وصیت صرف زید کی بیوی کیلئے ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک اہل میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن کا نفقہ زید پر واجب ہے، یعنی اس کے تمام گھر والے، کیونکہ آیت کریمہ میں ہے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ. [طٰہٰ:۱۳۲] یہاں اہل سے مراد تمام گھر والے ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اہل کا اطلاق حقیقتاً بیوی پر ہوتا ہے، اور مجازاً تمام گھر والوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے، اور لفظ جب مطلق ذکر ہو جائے تو اس سے حقیقی معنی مراد ہوتے ہیں، جیسے آیت کریمہ میں ہے: وَسَارَ بِأَهْلِهِ. [قصص:۲۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہل (یعنی بیوی) لے گئے۔

قول راجح:

امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔ ومیل الشارح إلى ترجيح قول الإمام وإن كان هو القياس. [ردالمحتار:۱۰/۴۱۰]

❺ وآله أهل بيته: اگر موصی نے زید کے آل کیلئے وصیت کی، تو اس سے زید کا خاندان اور اس کا قبیلہ مراد ہوگا، کیونکہ آل اس قبیلے کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان کی نسبت ہوتی ہے۔

❻ وجنسه أهل بيت أبيه: اگر کسی شخص نے اپنے جنس والوں کیلئے وصیت کی تو اس سے موصی کے باپ کا خاندان مراد ہوگا، کیونکہ انسان کو جنسیت باپ سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اس کے ہم جنس باپ کا خاندان ہے۔

❼ وإن أوصى لأقاربه، أو لذوي قرابته، أو ...إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے رشتہ داروں کیلئے، یا اپنے قرابت والوں کیلئے، یا اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں کیلئے، یا اپنے نسب والوں کیلئے وصیت کی، تو یہ وصیت موصی کے ذی رحم محرم رشتہ داروں میں سے قریب کے بعد قریب کیلئے ہوگی، یعنی محرم رشتہ داروں میں سے جو سب سے زیادہ قریب ہو اس کیلئے ہوگی، اگر وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے قریب کیلئے ہوگی، مثلاً چچا کیلئے ہوگی، اگر وہ نہ ہو تو چچا کے بیٹے کیلئے ہوگی۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک موصی کے جس دادا نے سب سے پہلے اسلام لایا ہے اس دادا کی تمام اولاد کو یہ وصیت شامل ہوگی، کیونکہ وصیت کے الفاظ ان تمام رشتہ داروں کو شامل ہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی مشابہ ہے، اور میراث میں الأقرب فالأقرب کا اصول چلتا ہے، لہٰذا وصیت میں بھی ایسا ہی ہوگا، اور اَقرب کی وجہ سے اَبعد محروم ہوگا۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے۔ قال ابن عابدینؒ: قول الإمام هو الصحيح. [ردالمحتار: ۱۰/۴۱۳]

> ❽ وَلَا يَدْخُلُ الْوَالِدَانِ، وَالْوَلَدُ، وَالْوَارِثُ ❾ وَتَكُوْنُ لِلْإِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا ❿ فَإِنْ كَانَ لَهُ عَمَّانِ، وَخَالَانِ: فَهِيَ لِعَمَّيْهِ ⓫ وَلَوْ عَمٌّ، وَخَالَانِ: لَهُ النِّصْفُ، وَلَهُمَا النِّصْفُ ⓬ وَلَوْ لَهُ عَمٌّ، وَعَمَّةٌ: اِسْتَوَيَا ⓭ وَلِوَلَدِ فُلَانٍ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى عَلَى السَّوَاءِ ⓮ وَلِوَرَثَةِ فُلَانٍ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: اور (وصیت میں) داخل نہیں ہوں گے ماں باپ، اولاد اور وارث۔ اور وصیت ہوگی دو یا زیادہ کیلئے۔ پس اگر موصی کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت دو چچاؤں کیلئے ہوگی۔ اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کیلئے نصف اور ماموؤں کیلئے نصف ہوگا۔ اور اگر اس کا ایک چچا اور ایک پھوپھی ہے تو دونوں برابر ہوں گے۔ اور (اگر وصیت کی) فلاں کی اولاد کیلئے، تو مذکر اور مؤنث برابر ہوں گے۔ اور (اگر وصیت کی) فلاں کے ورثہ کیلئے، تو مذکر کیلئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

تشریح:

❽ ولا يدخل الوالدان، والولد، والوارث: یعنی ماقبل والے مسئلے کی صورت میں موصی کا ماں باپ، اس کی اولاد اور اس کے وارث وصیت میں داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ موصی نے قریب (رشتہ دار) یا نسب والے کیلئے وصیت کی ہے، اور ماں باپ اور اولاد کو قریب① (رشتہ دار) نہیں کہا جاتا، کیونکہ قریب اس کو کہتے ہیں جس کا رشتہ کسی واسطے سے ہو، حالانکہ ماں باپ اور اپنی اولاد کا

① علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے باپ کے بارے میں کہا کہ یہ میرا قریب ہے تو اس نے نافرمانی کی۔ [ہدایہ]

رشتہ بغیر واسطے ہوتا ہے۔ اور وارث اس لئے وصیت میں داخل نہیں ہوگا کہ اس کیلئے وصیت صحیح ہی نہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

❾ وتكون للإثنين فصاعدا: یعنی مسئلہ نمبر (۷) کی صورت میں وصیت کم از کم دو افراد یا اس سے زیادہ کیلئے ہوگی، کیونکہ أقارب اور ذوی الأرحام وغیرہ جمع کے صیغے ہیں، اور میراث اور وصیت میں جمع کا اطلاق کم از کم دو یا زیادہ افراد پر ہوتا ہے۔

❿ فإن كان له عمّان، وخالان: فهي لعمّيه: یہ مسئلہ نمبر (۷) پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسئلہ نمبر (۷) کے مطابق وصیت کی، اور اس کے رشتہ داروں میں صرف دو چچا اور دو ماموں ہیں، تو یہ وصیت دو چچاؤں کیلئے ہوگی، ماموں محروم ہوں گے، کیونکہ وہاں بیان ہوا کہ یہ وصیت سب سے قریبی رشتہ دار کیلئے ہوگی، اور ظاہر ہے کہ چچا قریب ہے ماموں کی بہ نسبت۔

⓫ ولو عمّ وخالان: له النصف، ولهما النصف: یعنی مذکورہ صورت میں اگر موصی کے رشتہ داروں میں صرف ایک چچا اور دو ماموں ہوں، تو وصیت کا آدھا حصہ چچا کو اور دوسرا آدھا حصہ دونوں ماموؤں کو ملے گا، کیونکہ موصی نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، حالانکہ چچا ایک ہے، اور چچا کے بعد قریبی رشتہ دار ماموں ہیں، لہٰذا جمع کے صیغے پر عمل کرتے ہوئے نصف حصہ چچا کو اور نصف حصہ دونوں ماموؤں کو ملے گا۔

⓬ ولو له عمّ وعمة: استويا: مسئلہ نمبر (۷) کی صورت میں اگر موصی کے رشتہ داروں میں صرف ایک چچا اور ایک پھوپھی ہوں، تو وہ دونوں برابر ہوں گے، لہٰذا وصیت ان کے درمیان نصف نصف ہوگی، کیونکہ رشتہ داری میں دونوں برابر ہیں، تو حق میں بھی برابر ہوں گے۔

⓭ ولولد فلان: للذكر والأنثى على السواء: أي: إن أوصى لولد فلان... اگر کسی شخص نے زید کی اولاد کیلئے وصیت کی تو زید کی مذکر اولاد اور مؤنث اولاد برابر وصیت کے مال میں شریک ہوگی، کیونکہ اولاد کا اطلاق سب پر ایک طرح ہوتا۔

⓮ ولورثة فلان: للذكر مثل حظ الأنثيين: أي: إن أوصى لورثة.... اگر کسی نے زید کے ورثہ کیلئے وصیت کی، تو وصیت کا مال زید کے ورثہ کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دوگنا ملے گا، کیونکہ موصی نے ورثة کا لفظ استعمال کیا ہے، ورثہ وہ ہوتے ہیں جن کو میراث کے مطابق حصہ ملے، لہٰذا وصیت کا مال بھی ان میں میراث کے مطابق تقسیم ہوگا۔

☆☆☆

﴿بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالْخِدْمَةِ، وَالسُّكْنٰى، وَالثَّمَرَةِ﴾

أي: هٰذا باب في بيان أحكام الوصية بالخدمة، والسكنٰى، والثمرة. یعنی یہ باب خدمت، رہائش اور پھل کی وصیت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے اَعیان (موجود چیزوں) کی وصیت کا بیان تھا، اس باب میں منافع کی وصیت کا بیان ہوگا۔ اس باب کو ماقبل سے مؤخر فرمایا، اس لئے کہ منافع اَعیان کے بعد وجود میں آتے ہیں۔ اس باب میں نو (۹) مسائل ہیں۔

① وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ، وَسُكْنٰى دَارِهٖ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً، وَأَبَدًا ② فَإِنْ خَرَجَ الْعَبْدُ مِنْ ثُلُثِهٖ: سُلِّمَ إِلَيْهِ لِيَخْدِمَهٗ ③ وَإِلَّا: خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا ④ وَبِمَوْتِهٖ يَعُوْدُ إِلَى وَرَثَةِ الْمُوْصِيْ ⑤ وَلَوْ مَاتَ فِيْ حَيَاةِ الْمُوْصِيْ: بَطَلَتْ.

ترجمہ: اور وصیت صحیح ہے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی رہائش کی، معلوم مدت تک، اور ہمیشہ۔ پس اگر غلام نکلے مال کے ثلث سے تو (غلام کو) سپرد کیا جائے گا موصٰی لہٗ کو تاکہ اس کی خدمت کرے۔ ورنہ ورثہ کی خدمت کرے دو دن، اور موصٰی لہٗ کی ایک دن۔ اور موصٰی لہٗ کے مرنے سے (غلام) واپس لوٹ آئے گا موصی کے ورثہ کے پاس۔ اور اگر (موصٰی لہٗ) مر گیا موصی کی زندگی میں تو وصیت باطل ہوگئی۔

تشریح:

① وتصحّ الوصية بخدمة عبده، وسكنٰى ...إلخ: اگر کسی شخص نے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میری موت کے بعد میرا غلام زید کی خدمت کرے گا، یا اپنے گھر کی رہائش کی وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میری موت کے بعد میرے گھر میں زید رہائش کرے، تو یہ وصیت صحیح ہے، خواہ کسی معلوم مدت کیلئے وصیت کرے یا ہمیشہ کیلئے کرے، کیونکہ موصی اختیار رکھتا ہے کہ اپنی چیز کے منافع (خدمت یا رہائش وغیرہ) اپنی زندگی میں کسی کو عوض کے مقابلے میں دے دے، مثلاً کرایہ پر دے دے، یا مفت دے دے، مثلاً عاریت پر دے دے، تو موت کے بعد بھی اپنی چیز کے منافع دوسرے کو مفت دے کر وصیت کر سکتا ہے۔

② فإن خرج العبدُ من ثلثه: سُلّم إليه ليخدمه: یعنی مذکورہ صورت میں اگر غلام ثلث مال سے نکل سکتا ہے، یعنی غلام کی قیمت موصی کے مال کے ثلث سے نکل سکتی ہے تو یہ غلام موصٰی لہٗ کو سپرد کیا جائے گا، تاکہ اس کی خدمت کرے، کیونکہ غلام موصٰی لہٗ کو سپرد کرنے کی وجہ سے ورثہ کے حق میں کوئی نقصان نہیں آتا، ان کیلئے مال کے دو ثلث بچ جاتے ہیں، لہٰذا موصٰی لہٗ کو اس کا حق (غلام کی خدمت) دیا جائے گا۔

③ وإلّا: خدم الورثة يومين، والموصى له يوما: أي: وإن لا يخرج العبد من ثلثه: خدم.... یعنی مسئلہ نمبر (۱) کی صورت میں اگر غلام کی قیمت ثلث مال سے نہیں نکل سکتی، مثلاً موصی نے غلام کے علاوہ اور کوئی مال چھوڑا ہی نہیں، یا اور مال چھوڑا تو ہے لیکن اس کا ثلث اتنا کم ہے کہ غلام کی قیمت اس سے نہیں نکل سکتی، تو ایسی صورت میں غلام موصٰی لہٗ کو سپرد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس سے ورثہ کی حق تلفی ہو جائے گی، لہٰذا اس صورت میں غلام دو دن ورثہ کی خدمت کرے گا، اور ایک دن موصٰی لہٗ کی خدمت کرے گا، اس طرح ورثہ کو دو ثلث کے مطابق ان کا حق مل جائے گا، اور موصٰی لہٗ کو ایک ثلث کے مطابق اس کا حق مل جائے گا۔

④ وبموته يعود إلى ورثة الموصي: یعنی مسئلہ نمبر (۱) کی صورت میں اگر موصٰی لہٗ مر گیا تو غلام موصی کے ورثہ کی طرف واپس لوٹ کر آئے گا، موصٰی لہٗ کے ورثہ کو غلام کی قیمت نہیں ملے گی، کیونکہ موصی نے صرف موصٰی لہٗ کیلئے خدمت کی وصیت کی تھی، نہ کہ اس کے ورثہ کیلئے، اگر ہم اس کے ورثہ کو بھی خدمت کا مالک بنا دیں تو یہ موصی کی رضامندی کے خلاف ہوگا۔

⑤ ولو مات في حياة الموصي: بطلت: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے موصٰی لہٗ کیلئے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی، لیکن موصٰی لہٗ موصی کی زندگی ہی میں مر گیا، تو وصیت باطل ہوگی، کیونکہ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ موصٰی لہٗ موصی کی موت کے بعد مالک بن جائے، اور جب موصی کی زندگی میں موصٰی لہٗ مر جائے تو وہ مالک بننے کا اہل نہیں رہتا، اس لئے وصیت باطل ہوئی، جیسے کوئی شخص دیوار کیلئے وصیت کرے۔

> ⑥ وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهِ، فَمَاتَ وَفِيهِ ثَمَرَةٌ: لَهُ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ ⑦ وَإِنْ زَادَ: أَبَدًا: لَهُ هٰذِهِ، وَمَا يَسْتَقْبِلُ ⑧ كَغَلَّةِ بُسْتَانِهِ ⑨ وَبِصُوفِ غَنَمِهِ، وَوَلَدِهَا، وَلَبَنِهَا: لَهُ الْمَوْجُودُ عِنْدَ مَوْتِهِ، قَالَ: أَبَدًا، أَوْ لَا.

ترجمہ: اور (اگر وصیت کی) اپنے باغ کے پھل کی، پھر مر گیا اور اس میں پھل ہے، تو موصٰی لہٗ کیلئے یہی پھل ہے۔ اور اگر اضافہ کیا کہ "ہمیشہ" تو اس کیلئے یہی پھل ہے اور جو آئندہ ہوگا۔ جیسے اپنے باغ کا غلہ۔ اور (اگر وصیت کی) اپنی بکریوں کے اون کی، اور ان کے بچوں کی، اور ان کے دودھ کی، تو اس کیلئے موجودہ ہے موصی کی موت کے وقت، (خواہ) "ہمیشہ" کہا ہو یا نہ۔

تشریح:

⑥ وبثمرة بستانه، فمات وفيه ثمرة: له .....إلخ: أي: إن أوصى بثمرة.... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے باغ کا پھل زید کو دے دیا جائے، پھر موصی مر گیا اور باغ میں پھل موجود تھا، تو موصٰی لہٗ کو یہی موجودہ پھل ملے گا، اس کے بعد آنے والا پھل نہیں ملے گا، کیونکہ عرف و رواج میں ثمرة اس پھل کو کہتے ہیں جو فی الحال موجود ہو، معدوم (آئندہ آنے والے) پر ثمرة کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۞ وإن زاد: أبدا: له هذه، وما يستقبل: یعنی مذکورہ صورت میں اگر موصی نے أبدا (ہمیشہ) کے لفظ کا اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے باغ کا پھل ہمیشہ کیلئے زید کا ہے، تو اس صورت میں موصٰی لہٗ کو موجودہ پھل بھی ملے گا، اور مستقبل میں آنے والا پھل بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ملتا رہے گا، کیونکہ أبدا کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

❽ كغلة بستانه: یعنی مذکورہ صورت میں أبدا کا اضافہ کرنا ایسا ہے جیسے اپنے باغ کے غلے (پیداوار) کی وصیت کرے، مثلاً یوں کہے: میرے باغ کا غلہ زید کیلئے ہے، اس میں موجودہ غلہ اور مستقبل میں آنے والا غلہ دونوں موصٰی لہٗ کیلئے ہوں گے، خواہ أبدا کہے یا نہ کہے، کیونکہ عرف میں موجود اور معدوم دونوں پر غلہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

❾ وبصوف غنمه، وولدها، ولبنها: له الموجود.....إلخ: أي: إن أوصى بصوف..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے وصیت کی کہ میری بکریوں کا اون زید کیلئے ہے، یا بکریوں کے بچے زید کیلئے ہیں، یا بکریوں کا دودھ زید کیلئے ہے، تو زید کو وہی چیز ملے گی جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو، مستقبل میں آنے والا اون یا بچے یا دودھ نہیں ملے گا، خواہ أبدا کہے یا نہ کہے، کیونکہ وصیت کا تعلق موجود چیز سے ہوتا ہے، نہ کہ معدوم سے۔

لیکن مذکورہ مسائل میں معدوم پھل اور معدوم غلہ کی وصیت اس لئے صحیح ہے کہ شریعت میں معدوم پھل اور معدوم غلہ پر عقد وارد ہونے کی مثال موجود ہے، جیسے مساقات اور اجارہ میں معدوم پھل یا غلہ پر عقد ہوتا ہے، جس کا فی الحال وجود نہیں ہوتا، لہٰذا وصیت کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف اون، بچے اور دودھ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس میں معدوم پر عقد وارد ہو، اس لئے ان چیزوں میں معدوم کی وصیت بھی درست نہیں ہوگی۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

﴿بَابُ وَصِيَّةِ الذِّمِّيِّ﴾

أي: هذا باب في بيان أحكام وصية الذمّي. یعنی یہ باب ذمی کی وصیت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی وصیت کے احکام تھے، یہاں سے ذمیوں کی وصیت کے احکام بیان فرمائیں گے۔ ذمی چونکہ مسلمان کا تابع ہے، اس لئے اس کے احکام مؤخر فرمائے، کیونکہ تابع متبوع کے بعد ہوتا ہے۔ اس باب میں چار (۴) مسائل جمع فرمائے ہیں۔

① ذِمِّيٌّ جَعَلَ دَارَهُ بِيْعَةً، أَوْ كَنِيْسَةً فِي صِحَّتِهِ، فَمَاتَ: فَهِيَ مِيْرَاثٌ ② وَإِنْ أَوْصَى بِذٰلِكَ لِقَوْمٍ مُسَمَّيْنَ: فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ ③ وَبِدَارِهِ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمَّيْنَ: صَحَّتْ ④ كَوَصِيَّةِ حَرْبِيٍّ مُسْتَأْمِنٍ بِكُلِّ مَالِهِ لِمُسْلِمٍ، أَوْ ذِمِّيٍّ.

ترجمہ: ذمی نے اپنے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنایا اپنی صحت میں، پھر مر گیا، تو وہ میراث ہے۔ اور اگر اس کی وصیت کی معلوم لوگوں کیلئے، تو وہ ثلث سے ہے۔ اور (اگر وصیت کی) اپنے گھر کی کنیسہ کیلئے نامعلوم لوگوں کیلئے، تو صحیح ہے۔ جیسے حربی مستأمن کی وصیت اپنے سارے مال کی، کسی مسلمان یا ذمی کیلئے۔

لغات:

بيعة: کلیسا، یہودیوں کا عبادت خانہ۔ **كنيسة:** گرجا، نصاریٰ کا عبادت خانہ۔ **مسمّين:** باب تفعیل (تسمية) سے جمع مذکر اسم مفعول ہے، اصل میں مُسَمَّيِيْنَ تھا، وہ لوگ جن کا نام لیا گیا ہو، یعنی معلوم لوگ۔

تشریح:

① **ذمي جعل دارَه بيعة، أو كنيسة ....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی کافر نے اپنی صحت کے زمانہ میں اپنے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنایا اور پھر مر گیا، تو وہ گھر میراث ہو کر اس کے ورثہ کو ملے گا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ذمی کا یہ کام کرنا وقف ہے، اور ان کے نزدیک وقف لازم نہیں ہوتا، لہٰذا یہ گھر ورثہ کو دیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک وقف لازم تو ہوتا ہے، لیکن ذمی نے گناہ کے کام میں وقف کیا ہے، اس لئے اس پر عمل نہیں ہوگا، اور یہ گھر اس کے ورثہ کو دیا جائے گا۔

عبارت میں في صحته کی قید میں احتراز کیا اس صورت سے کہ ذمی اپنے گھر کو بیماری کی حالت میں بیعہ یا کنیسہ بنادے، اس صورت میں یہ وصیت ہے، جس کا حکم اگلے مسئلے میں ہے۔

② **وإن أوصى بذٰلك لقوم مسمّين: فهو من الثلث:** اگر ذمی نے معلوم لوگوں کے نام لے کر ان کیلئے

وصیت کی کہ میرا گھر ان کیلئے بیعہ یا کنیسہ بنایا جائے، تو یہ وصیت صحیح ہے، اور ذمی کے ثلث مال سے معتبر ہوگی، کیونکہ ذمی اپنی زندگی میں کسی کو اپنا مال دے سکتا ہے، تو اپنی موت کے بعد بھی کسی معلوم شخص کیلئے وصیت کر کے اُسے مالک بنا سکتا ہے۔

③ **وبداره كنيسة لقوم غيرِ مسمّين: صحت:** أي: إن أوصى بداره.... اگر ذمی نے نامعلوم لوگوں کیلئے وصیت کی، مثلاً کہا کہ میرا گھر عام ذمیوں کیلئے کنیسہ بنایا جائے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ وصیت صحیح ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک یہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ کنیسہ بنانے کیلئے وصیت کرنا گناہ کا کام ہے، اور گناہ کی وصیت صحیح نہیں ہوتی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کے عقیدے کے مطابق یہ ثواب کی وصیت ہے، اور شریعت میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ذمیوں کے عقائد کو تعرض نہ کریں، اس لئے اس وصیت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

④ **كوصية حربيّ مستأمن بكل ماله....الخ:** یعنی مذکورہ صورت میں وصیت صحیح ہے جیسے حربی کافر دارالاسلام میں داخل ہو کر مستامن بن جائے، اور پھر اپنے سارے مال کی وصیت کسی مسلمان یا ذمی کیلئے کر دے، یہ وصیت بھی صحیح ہے، کیونکہ سارے مال کی وصیت کا صحیح نہ ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، اور حربی مستامن کے جو ورثہ دارالحرب میں ہیں ان کا کوئی حق ہے ہی نہیں[1]، اس لئے اس کی سارے مال کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ والله أعلم بالصواب

☆☆☆

---

① کیونکہ حربی کفار مردوں کے حکم میں ہیں۔

﴿بَابُ الْوَصِيِّ﴾

أي: هٰذا باب بيان احكام الوصيّ. یعنی یہ باب وصی کے احکام کے بیان میں ہے۔ وصيّ بروزن فعیل، بمعنی مفعول ہے، یعنی وہ شخص جس کو ذمہ دار اور نگراں بنایا جائے، اس کو موصٰی إلیه بھی کہا جاتا ہے۔①

اصطلاح میں وصي وہ شخص ہے جس کو کوئی شخص اپنے معاملات کا ذمہ دار بنائے، تاکہ وہ اس کی موت کے بعد ان کو سنبھالے، مثلاً موصی کے مال اور بچوں کی حفاظت کرے۔ مصنفؒ نے موصٰی لہٗ (جس کیلئے وصیت کی جائے) کے احکام کو مقدم اور وصی (موصٰی الیہ، جس کو وصی بنایا جائے) کے احکام کو مؤخر کر دیئے، اس لئے کہ موصٰی لہٗ کے مسائل بکثرت واقع ہوتے ہیں۔

اگر کسی شخص کو وصی بنایا گیا تو اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول نہ کرے، بلا وجہ اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالے، لیکن اگر کسی نے قبول کر لی، اور امانتداری سے پوری کی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مأجور ہوگا۔ اس باب میں چونتیس (۳۴) مسائل ہیں۔

> ❶ أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ، فَقَبِلَ عِنْدَهُ، وَرَدَّ عِنْدَهُ: يَرْتَدُّ ❷ وَإِلَّا: لَا ❸ وَبَيْعُهُ تَرِكَتَهُ كَقَبُولِهِ ❹ وَإِنْ مَاتَ، فَقَالَ: لَا أَقْبَلُ، ثُمَّ قَبِلَ: صَحَّ إِنْ لَمْ يُخْرِجْهُ قَاضٍ مُذْ قَالَ: لَا أَقْبَلُ ❺ وَإِلَى عَبْدٍ، وَكَافِرٍ، وَفَاسِقٍ: بَدَّلَ بِغَيْرِهِمْ ❻ وَإِلَى عَبْدِهِ، وَوَرَثَتُهُ صِغَارٌ: صَحَّ ❼ وَإِلَّا: لَا.

ترجمہ: کسی آدمی کو وصی بنایا اور اس نے قبول کر لیا اس کے سامنے، اور (پھر) رد کر دیا اس کے سامنے، تو و (صی بنانا) رد ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور وصی کا فروخت کر دینا موصی کے ترکہ کو جیسے اس کا قبول کرنا۔ اور اگر (موصی) مر گیا، اور (وصی نے) کہا کہ میں قبول نہیں کرتا، پھر قبول کر لیا تو صحیح ہے، بشرطیکہ قاضی نے اس کو نہ نکالا ہو جب اس نے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا۔ اور (اگر وصی بنایا) غلام کو، کافر کو، اور فاسق کو، تو (قاضی) تبدیل کر دے ان کے علاوہ سے۔ اور (اگر وصی بنایا) اپنے غلام کو اور اس کے ورثہ چھوٹے ہیں تو صحیح ہے۔ ورنہ نہیں۔

تشریح:

❶ أوصٰی إلی رجل، فقبل عنده....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کو اپنا وصی بنایا، وصی نے اس کے سامنے وصی بننے کو قبول کر لیا، اور پھر اس کے سامنے رد کر کے کہا کہ میں وصی نہیں بنوں گا، تو وصی بنانا رد ہو جائے گا، کیونکہ وصی

---

① أوصٰی لزید یعنی زید کیلئے وصیت کی، زید کو موصٰی لہ کہا جاتا ہے، اس کا مصدر إیصاء ہے، اور اسم وصیة ہے۔ اور أوصٰی إلی زید کے معنی ہیں: زید کو وصیت کی، یعنی اس کو وصی بنایا، تو زید کو موصٰی إلیه کہا جاتا ہے، اس کا مصدر إیصاء ہے، اور اسم وِصایة ہے۔ اس کو خوب یاد کریں۔

بنا ایک تبرع ہے، اور متبرع ہر وقت تبرع کو رد کر سکتا ہے۔

② وإلّا: لا: أي: وإن لا يردّ عنده: لا يرتدّ. یعنی مذکورہ صورت میں اگر وصی نے قبول تو کر لیا، اور پھر موصی کے سامنے رد نہیں کیا، بلکہ اس کی عدم موجودگی میں رد کیا، تو وصی بنانا رد نہیں ہوگا، لہٰذا وصی اب بھی وصی ہی رہے گا، کیونکہ موصی نے وصی پر اعتماد کرتے ہوئے اُسے وصی بنایا ہے، اور وصی نے اس کے سامنے قبول بھی کیا ہے، اب موصی کی عدم موجودگی میں رد کرنا ایک طرح کا دھوکہ دینا ہے، جس کی وجہ سے موصی کو ضرر لاحق ہو جائے گا، اس لئے یہ رد کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

③ وبيعه تركته كقبوله: مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے کسی کو اپنا وصی بنایا، اور وصی نے زبان سے قبول نہیں کیا، بلکہ عملاً جا کر موصی کے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کر دیا، تو یہ ایسا ہے جیسے زبان سے قبول کر لے، کیونکہ عقد قبول کرنا کبھی زبانی ہوتا ہے، اور کبھی عملی ہوتا ہے، اور دونوں طرح قبول کرنا صحیح ہے۔

④ وإن مات، فقال: لا أقبل، ثم قبل: صحّ ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے کسی کو اپنا وصی بنایا، وصی نے اس کی زندگی میں تو کچھ نہیں کہا، پھر جب موصی مر چکا تو وصی نے کہا کہ میں وصی بننے کو قبول نہیں کرتا، اور پھر کہا کہ قبول کرتا ہوں، تو اس کا یہ قبول کرنا صحیح ہے، اگر چہ پہلی مرتبہ اس نے رد کر دیا ہے۔ ظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بعد میں قبول کرنا صحیح نہ ہو، لیکن موصی کا فائدہ و مصلحت اس میں ہے کہ وِصایت کو برقرار رکھ کر وصی کا قبول کرنا صحیح مانا جائے۔ مگر اس کیلئے شرط یہ ہے کہ موصی نے جب وِصایت کو رد کر دیا اس وقت قاضی نے اس کے خارج ہونے کا فیصلہ نہ کیا ہو، اگر قاضی نے وصی کے خارج ہونے کا فیصلہ کر دیا تو اس کے بعد موصی کا قبول کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کا فیصلہ نافذ ہو گیا، لہٰذا اس کے بعد موصی قبول کر کے اس کا فیصلہ نہیں توڑ سکتا۔

⑤ وإلى عبد، وكافر، وفاسق: بدّل بغيرهم: أي: إن أوصى إلى عبد، و..... اگر کسی شخص نے غلام کو، یا کافر کو اور یا فاسق کو اپنا وصی بنایا، تو قاضی ان کو وِصایت سے خارج کر کے ان کے بدلے کسی اہل آدمی کو وصی بنائے، کیونکہ ان میں ایسے عیوب ہیں جن کی وجہ سے ضرر اور نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ غلام کے اندر تو یہ عیب ہے کہ وہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر تصرف کر ہی نہیں سکتا، اور اگر مولیٰ اجازت دے بھی تو اس کو ہر وقت روک بھی سکتا ہے، اور کافر میں یہ عیب ہے کہ وہ دین کا دشمن ہے، لہٰذا نقصان ہی پہنچائے گا، اور فاسق میں یہ عیب ہے کہ وہ خیانت کرے گا، لہٰذا فائدہ و مصلحت اسی میں ہے کہ ان کی جگہ اہل آدمی کو وصی بنایا جائے۔

⑥ وإلى عبده، وورثته صغار: صحّ: أي: إن أوصى إلى عبده.... اگر ایک آدمی نے اپنے غلام کو وصی بنایا، اور اس کے ورثہ سب نابالغ بچے ہیں، تو یہ وصی بنانا صحیح ہے۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ غلام میں تصرف کرنے کی اہلیت نہیں ہے، اور جب تصرف نہ کر سکے تو وصی بنانے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ غلام عاقل بالغ انسان ہے، لہٰذا اس میں تصرف کرنے کی اہلیت موجود ہے، اور اس کو تصرف کرنے سے کوئی روک بھی نہیں سکتا، کیونکہ موصی کے ورثہ نابالغ بچے ہیں، اور بچوں میں روکنے کی اہلیت نہیں ہوتی، لہٰذا غلام وصی بن کر تصرف کرنے میں خود مختار ہوگا۔

⑦ وإلّا: لا: أي: وإن لا تكون الورثة صغارا: لا يصح یعنی مذکورہ صورت میں اگر موصی کے ورثہ نابالغ نہ ہوں، بلکہ عاقل بالغ ہوں، تو غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ بالغ وارث کو حق حاصل ہے کہ غلام کو تصرف کرنے سے روک دے، اور وہ غلام میں سے اپنا حصہ فروخت بھی کر سکتا ہے، اس لئے غلام تصرف کرنے سے منع ہو جائے گا، اور وصی بنانے کا فائدہ ختم ہو جائے گا۔

⑧ وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا: ضَمَّ غَيْرَهُ إِلَيْهِ ⑨ وَبَطَلَ فِعْلُ أَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ ⑩ فِي غَيْرِ التَّجْهِيزِ، وَشِرَاءِ الْكَفَنِ، وَحَاجَةِ الصِّغَارِ، وَالْاِتِّهَابِ لَهُمْ، وَ رَدِّ وَدِيعَةِ عَيْنٍ، وَقَضَاءِ دَيْنٍ، وَتَنْفِيذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ، وَعِتْقِ عَبْدٍ عَيْنٍ، وَالْخُصُومَةِ فِي حُقُوقِ الْمَيِّتِ ⑪ وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ: وَصِيُّ التَّرِكَتَيْنِ.

ترجمہ: اور جو شخص عاجز ہو جائے وِصایت پر عمل کرنے سے تو (قاضی) کسی اور کو ملائے اس کے ساتھ۔ اور باطل ہے عمل کرنا دو وصیوں میں سے ایک کا، سوائے تجہیز، کفن خریدنے، بچوں کی حاجت، ان کیلئے ہبہ قبول کرنے، معین ودیعت رد کرنے، دَین ادا کرنے، معین وصیت نافذ کرنے، معین غلام آزاد کرنے اور میت کے حقوق میں خصومت کرنے میں۔ اور وصی کا وصی وصی ہے دونوں ترکوں میں۔

لغات:

التجہیز: باب تفعیل کا مصدر ہے، بمعنی سامان دینا، میت کے کفن دفن کا انتظام کرنا۔ الاتہاب: باب افتعال کا مصدر ہے، اصل میں اِوْتِهاب تھا، ہبہ قبول کرنا۔

تشریح:

⑧ ومن عجز عن القيام بها: ضمّ غيره إليه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنا وصی بنایا، مگر وصی وِصایت کے مطابق عمل کرنے سے عاجز ہوگیا، تو قاضی کو چاہئے کہ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی ملائے، تاکہ دونوں مل کر وِصایت پر عمل کریں، اس میں وصی کی وِصایت پر عمل بھی ہوگا، اور ورثہ کا فائدہ و مصلحت بھی اسی میں ہے۔

⑨ وبطل فعل أحد الوصيين: مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو لوگوں کو اپنا وصی بنایا، تو ان دو وصیوں کو چاہئے کہ ایک ساتھ مل کر تصرف کریں، اگر ایک نے دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کیا تو اس کا یہ تصرف باطل ہوگا۔ یہ طرفینؒ کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر ایک کا تصرف الگ الگ بھی نافذ اور صحیح ہوگا، کیونکہ وِصایت کی بنیاد اہلیت اور ولایت پر ہے، اور اہلیت وولایت دونوں وصیوں میں الگ الگ موجود ہے، لہٰذا ہر ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں کہ موصی نے دونوں کو ایک ساتھ ولایت سپرد کر دی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موصی دونوں کی اجتماع

رائے سے تو راضی ہے، الگ الگ ہر ایک کی انفرادی رائے سے راضی نہیں ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں انفرادی طور پر تصرف کرے، تو یہ موصی کی مرضی کے خلاف ہے، اس لئے یہ تصرف باطل ہوگا۔

قول راجح:

یہاں حضرات طرفینؒ کا قول راجح ہے۔ والعمل في الغالب على قول الإمام. [ردالمحتار: ۱۰/۴۴۱]

⑩ في غير التجهيز، وشراء الكفن، وحاجة ...الخ: اس عبارت میں ماقبل حکم سے چند چیزوں کا استثناء فرما رہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دو وصیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا، سوائے نو (۹) چیزوں کے، ان چیزوں میں ہر ایک وصی دوسرے کی عدم موجودگی میں بھی تصرف کرسکتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

➢ التجهيز: اگر خود موصی مرگیا، یا ورثہ میں سے کوئی مرگیا، تو اس کی تجہیز (غسل دینے، قبر کھودنے وغیرہ) میں ہر ایک وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، اس لئے کہ اگر ایک وصی دوسرے کے آنے تک انتظار میں بیٹھا رہے تو میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ جلدی میں کام کیا جائے۔

➢ وشراء الكفن: میت کیلئے کفن خریدنے میں ایک وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، وجہ اوپر بیان ہوئی۔

➢ وحاجة الصغار: اگر موصی کے ورثہ میں چھوٹے بچے ہوں تو ان کی حاجت وضرورت (کھانے پینے، کپڑے، علاج وغیر) کو پورا کرنے میں ایک وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، اس لئے کہ اگر دوسرے کے آنے تک انتظار کرے گا، تو بچوں کے ضائع ہونے یا ان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

➢ والاتهاب لهم: اگر کسی شخص نے موصی کے ورثہ کو کوئی چیز ہبہ کردی، تو اس ہبہ کو قبول کرنے میں ہر وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، کیونکہ ہبہ قبول کرنا ایسا تصرف ہے جس میں باہمی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ہر ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں بھی یہ کام کرسکتا ہے۔

➢ ورد وديعة عين: اگر موصی کے پاس کسی آدمی کی معین چیز امانت پڑی ہو، تو اس امانت کو اپنے مالک تک پہنچانے میں ہر وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی باہمی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔

➢ وقضاء دين: اگر موصی پر کسی کا دین ہو تو اس کو ادا کرنے میں بھی ایک وصی دوسرے کے بغیر تصرف کرسکتا ہے، وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

➢ وتنفيذ وصية معينة: اگر موصی نے وصیت کی کہ یہ معین چیز زید کیلئے ہے، تو اس چیز کو زید تک پہنچا کر وصیت نافذ کرنے میں ہر وصی دوسرے کے بغیر بھی تصرف کرسکتا ہے، وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

➢ وعتق عبد عين: اگر موصی نے وصیت کی کہ اس معین غلام کو آزاد کردیا جائے، تو اس کو آزاد کرنے میں ہر وصی دوسرے

کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے، وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

➤ والخصومة في حقوق الميت: اگر کسی شخص پر میت کا حق ہو تو اس حق کو وصول کرنے میں مدعیٰ علیہ کے ساتھ خصومت کرنے میں بھی ایک وصی دوسرے کے بغیر تصرف کر سکتا ہے، کیونکہ دونوں مل کر خصومت نہیں کر سکتے، اگر دونوں خصومت کر کے قاضی کے سامنے بولیں گے تو شور و شغف ہوگا، لہٰذا مل کر خصومت کرنے کا فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے ہر ایک اکیلا بھی یہ کام کر سکتا ہے۔

⑪ ووصيّ الوصيّ وصيّ التركتين: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے کسی شخص کو اپنا وصی بنایا، وصی نے اپنے لئے ایک اور شخص کو وصی بنایا، تو یہ دوسرا وصی دونوں ترکوں میں وصی شمار ہوگا، یعنی وہ موصی کے ترکہ میں بھی تصرف کر سکتا ہے، اور پہلے وصی کے ترکہ میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرا وصی پہلے وصی کے ترکہ میں تصرف کر سکتا ہے، اور پہلے موصی کے ترکہ میں تصرف نہیں کر سکتا، کیونکہ پہلا موصی پہلے وصی کی رائے سے تو راضی ہے، نہ کہ دوسرے وصی کی رائے سے، لہٰذا دوسرا وصی اگر پہلے موصی کے ترکہ میں تصرف کرے گا تو یہ اس کی مرضی کے خلاف ہوگا، اور یہ جائز نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا وصی اُسی ولایت سے تصرف کرتا ہے جو اُسے پہلے موصی کی طرف سے منتقل ہو کر حاصل ہوئی ہے، اور ظاہر ہے کہ پہلے موصی کی طرف سے اُسے مکمل ولایت حاصل ہوئی ہے، لہٰذا اُسی ولایت سے وہ خود بھی تصرف کر سکتا ہے، اور دوسرے شخص کو بھی اپنا نائب بنا سکتا ہے، لہٰذا جس طرح پہلا وصی اپنے مال میں بھی تصرف کر سکتا تھا اور پہلے موصی کے ترکہ میں بھی کر سکتا تھا، اسی طرح دوسرا وصی بھی دونوں کے ترکوں میں تصرف کر سکے گا۔

⑫ وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ عَنِ الْوَرَثَةِ مَعَ الْمُوصَى لَهُ ⑬ وَلَوْ عَكَسَ: لَا ⑭ فَلَوْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ، وَأَخَذَ نَصِيبَ الْمُوصَى لَهُ، فَضَاعَ: رَجَعَ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ ⑮ وَإِنْ أَوْصَى الْمَيِّتُ بِحَجَّةٍ، فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ، فَهَلَكَ مَا فِي يَدِهِ، أَوْ دَفَعَ إِلَى مَنْ يَحُجُّ عَنْهُ، فَضَاعَ فِي يَدِهِ: حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ.

ترجمہ: اور صحیح ہے وصی کا تقسیم کرنا ورثہ کی طرف سے موصیٰ لہٗ کے ساتھ۔ اور اگر برعکس ہوا تو (صحیح) نہیں۔ اور اگر (وصی نے) تقسیم کی ورثہ کے ساتھ اور موصیٰ لہٗ کا حصہ لے لیا اور ضائع ہو گیا، تو (موصیٰ لہٗ) رجوع کرے باقی ماندہ کے ثلث کے ساتھ۔ اور اگر میت نے وصیت کی حج کی، پھر (وصی نے) تقسیم کی ورثہ کے ساتھ اور پھر ہلاک ہو گیا جو اس کے ہاتھ میں تھا، یا دے دیا اس شخص کو جو حج کرتا ہے میت کی طرف سے، پھر ضائع ہو گیا اس کے ہاتھ میں، تو حج کرایا جائے میت کی طرف سے باقی ماندہ کے ثلث سے۔

تشریح: ⑫ وتصح قسمته عن الورثة مع الموصى له: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے ایک شخص کو اپنا وصی بنایا،

اوراسی طرح اپنی زندگی میں موصیٰ لہ کیلئے ایک لاکھ روپے کی وصیت بھی کی، پھر جب موصی مرگیا تو وصی نے ورثہ کی عدم موجودگی میں ان کی طرف سے نائب ہوکر موصیٰ لہ کے ساتھ تقسیم کی، اور اُسے ایک لاکھ روپے دے دیئے، تو یہ تقسیم صحیح ہے، کیونکہ وصی اور ورثہ دونوں میت کے قائم مقام ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کے نائب بن سکتے ہیں، اور وصی نے ورثہ کی طرف سے نائب ہوکر جو تقسیم کی ہے وہ صحیح ہے۔

⑬ ولو عكس: لا: أي: لا يصح. یعنی مذکورہ صورت کے برعکس اگر موصیٰ لہ غائب ہوا، اور وصی اس کی طرف سے نائب ہوکر ورثہ کے ساتھ تقسیم کرے تو صحیح نہیں ہے، کیونکہ موصیٰ لہ میت کا قائم مقام نہیں ہے، لہٰذا نہ تو وصی اس کا نائب بن سکتا ہے، اور نہ وہ وصی کا نائب بن سکتا ہے۔

⑭ فلو قاسم الورثة، وأخذ نصيب الموصى له....إلخ: یہ ماقبل پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ موصیٰ لہ کی عدم موجودگی میں وصی کا تقسیم کرنا تو صحیح نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر وصی نے ورثہ کے ساتھ ایسی تقسیم کردی، اور موصیٰ لہ کا حصہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور وہ حصہ وصی کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا، تو موصیٰ لہ کو حق حاصل ہے کہ ورثہ کے پاس جو مال باقی بچا ہے اس کے ثلث میں رجوع کرکے ان سے لے لے، کیونکہ وصی نے جو تقسیم کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا موصیٰ لہ کو اپنا حق پہنچا ہی نہیں، تو گویا سرے سے تقسیم ہوئی نہیں، اس لئے وہ باقی ماندہ مال کے ثلث میں رجوع کرسکتا ہے۔

⑮ وإن أوصى الميتُ بحجّة، فقاسم الورثة....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے ایک شخص کو اپنا وصی بنایا اور ساتھ ہی وصیت کی کہ میرے لئے حج کرایا جائے، جب موصی مرچکا تو وصی نے ورثہ کے ساتھ تقسیم کی اور حج کا خرچہ الگ کرکے اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور پھر موصی کے ہاتھ میں وہ خرچہ ہلاک ہوگیا، یا ایسا ہوا کہ وصی نے حج کا خرچہ اس شخص کو دے دیا جو موصی کی طرف سے حج کرتا ہے، اور پھر اُسی شخص کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا، تو اس ہلاکت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا ورثہ کے پاس جو مال باقی بچا ہے اس کے ثلث سے حج کرایا جائے گا، کیونکہ حج کیلئے جو خرچہ الگ کیا گیا ہے وہ حج میں مصرف ہونے سے پہلے ہلاک ہوگیا، لہٰذا تقسیم کا مقصد پورا نہیں ہوا، اس لئے دوبارہ تقسیم کرکے باقی ماندہ مال کا ثلث الگ کرکے اس سے حج کرایا جائے تاکہ مقصد (حج) پورا ہوجائے۔

> ⑯ وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي، وَأَخْذُهُ حَظَّ الْمُوصَى لَهُ إِنْ غَابَ ⑰ وَبَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ ⑱ وَضَمِنَ الْوَصِيُّ إِنْ بَاعَ عَبْدًا أُوصَى بِبَيْعِهِ، وَتَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ إِنْ اُسْتُحِقَّ الْعَبْدُ بَعْدَ هَلَاكِ ثَمَنِهِ عِنْدَهُ ⑲ وَيَرْجِعُ فِي تَرِكَةِ الْمَيِّتِ ⑳ وَ فِي مَالِ الطِّفْلِ إِنْ بَاعَ عَبْدَهُ، وَاسْتُحِقَّ، وَهَلَكَ الثَّمَنُ فِي يَدِهِ ㉑ وَهُوَ عَلَى الْوَرَثَةِ فِي حِصَّتِهِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے قاضی کا تقسیم کرنا، اور اس کا لے لینا موصٰی لہٗ کا حصہ، اگر وہ غائب ہو۔ اور (صحیح ہے) وصی کا فروخت کرنا ترکہ میں سے کوئی غلام غرماء کی عدم موجودگی میں۔ اور وصی ضامن ہوگا اگر غلام فروخت کیا کہ (موصی نے) وصیت کی ہے اس کی فروختگی کی، اور اس کے ثمن کو صدقہ کرنے کی، اگر غلام کا مستحق نکل آیا اس کے ثمن کے ہلاک ہونے کے بعد وصی کے پاس۔ اور (وصی) رجوع کرے گا میت کے ترکہ میں۔ اور بچے کے مال میں (رجوع کرے گا) اگر اس کا غلام فروخت کردیا اور اس کا مستحق نکل آیا، اور ثمن ہلاک ہوگیا وصی کے ہاتھ میں۔ اور بچہ (رجوع کرے) ورثہ پر اپنے حصے میں۔

تشریح:

⑯ وصحّ قسمة القاضي، وأخذه حظّ ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے زید کیلئے ہزار روپے کی وصیت کی، پھر موصی مرگیا اور موصٰی لہٗ (زید) غائب ہوگیا، تو قاضی کیلئے جائز ہے کہ موصٰی لہٗ کا نائب ہوکر ورثہ کے ساتھ تقسیم کرے، اور موصٰی لہٗ کا حصہ لے کر اپنے پاس محفوظ کرے، کیونکہ قاضی اسی لئے مقرر ہوا ہے کہ عوام الناس کے حقوق کی نگرانی کرے، خاص کر مُردوں اور غائب لوگوں کے حقوق کی، لہٰذا وہ غائب موصٰی لہٗ کی طرف سے نائب بن سکتا ہے۔

⑰ وبيع الوصيّ عبدا من التركة بغيبة الغرماء: أي: صحّ بيع الوصي..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مدیون ہے، اس پر لوگوں کے دیون ہیں، اس نے اپنے لئے ایک وصی مقرر کیا اور پھر مرگیا، اس کے بعد وصی نے غرماء کی عدم موجودگی میں یعنی ان کی اجازت کے بغیر موصی کے ترکہ میں سے ایک غلام کو فروخت کردیا، تو یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ وصی موصی کا نائب ہے، اگر موصی خود اپنا غلام غرماء کی اجازت کے بغیر فروخت کرتا تو بیع صحیح ہوتی، لہٰذا اس کے نائب کی بیع بھی صحیح ہے۔

⑱ وضمن الوصيُّ إن باع عبدا أوصى ببيعه ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس غلام کو فروخت کرکے اس کے ثمن کو صدقہ کردیا جائے، اور پھر اس نے ایک شخص کو اپنا وصی مقرر کیا اور مرگیا، اس کے بعد وصی نے وصیت کے مطابق ترکہ میں سے اس غلام کو فروخت کردیا، اور اس کا ثمن اپنے پاس محفوظ رکھ لیا، مگر وہ ثمن وصی کے پاس ہلاک ہوگیا، اس کے بعد غلام کا کوئی مستحق نکل آیا اور مشتری کے ہاتھ سے غلام لے لیا، اب مشتری جا کر وصی پر رجوع کرکے اس سے اپنا دیا ہوا ثمن واپس لے لے گا، اور وصی اپنی جیب سے مشتری کو ثمن ادا کردے، کیونکہ مشتری کے ساتھ عقد وصی نے کیا ہے، اور عقد کی ذمہ داری عاقد پر عائد ہوتی ہے، لہٰذا وصی پر لازم ہے کہ ثمن کا تاوان ادا کردے۔

⑲ ويرجع في تركة الميت: یعنی مذکورہ صورت میں جب وصی نے اپنی جیب سے ثمن کا تاوان ادا کر دیا تو بعد میں وصی جا کر میت (موصی) کے ترکہ میں رجوع کرکے ثمن کے بقدر مال لے لے، کیونکہ وصی نے موصی کیلئے کام کیا، جس کی وجہ سے وہ مصیبت میں پڑ گیا، لہٰذا وصی کو جو نقصان پہنچا ہے وہ موصی کے ترکہ سے لے سکتا ہے۔

⑳ وفي مال الطفل إن باع عبده، واستُحق ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنے لئے وصی مقرر کیا،

موصی مر گیا اور وصی نے ورثہ کے درمیان ترکہ کا مال تقسیم کر دیا، تقسیم میں چھوٹے بچے کو کوئی غلام مل گیا، اس کے بعد وصی نے اس غلام کو فروخت کر دیا، پھر غلام کا مستحق نکل آیا اور مشتری سے غلام لے لیا، اور وصی کے پاس غلام کا جو ثمن تھا وہ ہلاک ہو گیا، پھر مشتری نے وصی پر رجوع کر کے اس سے ثمن کا تاوان لے لیا، اب وصی کو چاہئے کہ وہ بچے کے مال میں رجوع کر کے ثمن کے بقدر مال اس سے لے لے، کیونکہ وصی نے جو کچھ کیا وہ بچے کیلئے کیا، لہٰذا مشتری کو ثمن کا تاوان ادا کر کے وصی کو جو نقصان پہنچا ہے، وہ بچے کے مال سے لے سکتا ہے۔

(۲۱) وهو على الورثة في حصته: یعنی مذکورہ صورت میں جب وصی نے ثمن کا تاوان بچے کے مال سے لے لیا تو بعد میں بچہ دیگر ورثہ پر رجوع کر کے ان سے اپنا حصہ (ثمن کے بقدر) لے لے، اس لئے کہ بچے کے حصے میں جو غلام آیا تھا جب اس کا مستحق نکل آیا، تو اس غلام میں تقسیم ٹوٹ گئی، اور بچے کے حصے میں غلام کے ثمن کے بقدر کمی واقع ہوئی، اس کمی کو پورا کرنے کیلئے بچہ دیگر ورثہ پر رجوع کر کے اپنا حصہ پورا کرلے۔

(۲۲) وَصَحَّ اِحْتِيَالُهُ بِمَالِهِ لَوْ خَيْرًا لَهُ (۲۳) وَبَيْعُهُ، وَشِرَاؤُهُ بِمَا يُتَغَابَنُ (۲۴) وَبَيْعُهُ عَلَى الْكَبِيرِ فِي غَيْرِ الْعَقَارِ (۲۵) وَلَا يَتَّجِرُ فِي مَالِهِ (۲۶) وَوَصِيُّ الْأَبِ أَحَقُّ بِمَالِ الطِّفْلِ مِنَ الْجَدِّ (۲۷) فَإِنْ لَمْ يُوْصِ الْأَبُ: فَالْجَدُّ كَالْأَبِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے حوالہ قبول کرنا بچے کے مال کا، بشرطیکہ بچے کیلئے بہتر ہو۔ اور (صحیح ہے) وصی کا فروخت کرنا اور اس کا خرید لینا اتنے نقصان کے ساتھ جس کو برداشت کیا جاتا ہے۔ اور (صحیح ہے) وصی کا فروخت کرنا بڑے کیلئے، غیر منقول جائیداد کے علاوہ میں۔ اور تجارت نہ کرے یتیم کے مال میں۔ اور باپ کا وصی زیادہ حق دار ہے بچے کے مال کا دادا سے۔ اور اگر باپ نے وصیت نہ کی ہو تو دادا باپ کی طرح ہے۔

تشریح:

(۲۲) وصحّ احتياله بماله لو خيرا له: مسئلہ یہ ہے کہ یتیم بچے کا کسی شخص پر دَین ہے، وصی نے جا کر مدیون سے دَین کا مطالبہ کیا، مدیون نے کسی اور شخص پر حوالہ دے کر کہا کہ جاؤ اس سے دَین وصول کرو، تو اس حوالہ کو قبول کرنے میں اگر بچے کا فائدہ ہو تو وصی کیلئے جائز ہے کہ قبول کرے، کیونکہ وصی کی ولایت کی بنیاد فائدہ پر ہے، لہٰذا ہر وہ تصرف جس میں یتیم کا فائدہ ہو وہ صحیح اور نافذ ہوگا۔

(۲۳) وبيعه، وشراؤه بما يُتغابن: أي: صحّ بيعه، و.... اگر وصی یتیم بچے کے مال میں سے کوئی چیز فروخت کرنا چاہے، یا اس کیلئے خرید لینا چاہے تو اتنے نقصان کے ساتھ خرید و فروخت کر سکتا ہے جتنے نقصان میں عام طور پر دھوکہ کھا کر برداشت کر لیا جاتا ہے، کیونکہ عام طور سے خرید و فروخت میں تھوڑی بہت اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے، اس سے بچنا ممکن بھی نہیں، لیکن بہت زیادہ نقصان کے ساتھ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں بچے کا فائدہ و شفقت نہیں ہے۔

㉓ وبيعهٔ علي الكبير في غير العقار: أي: صح بيعهٔ علي... مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی کے ورثہ میں کوئی بالغ شخص موجود ہے اور فی الحال غائب ہے، تو وصی کیلئے جائز ہے کہ اس کا منقولہ مال فروخت کردے، مگر غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہیں کرسکتا، اس لئے کہ بعض اوقات منقولہ چیز کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، تو اس کی حفاظت کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ فروخت کردیا جائے، یہی وجہ ہے کہ باپ بھی یہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنے بالغ بیٹے کا منقولہ مال فروخت کردے، لہٰذا وصی کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگا۔ اس کے برخلاف غیر منقولہ جائیداد خود محفوظ رہتی ہے، لہٰذا نہ باپ اس کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ وصی۔ متن کے مسئلے سے معلوم ہوا کہ اگر وصی نے نابالغ بچے کی غیر منقولہ جائیداد فروخت کردی تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں بچے کا فائدہ ہو۔

㉔ ولا يتجر في ماله: وصی کیلئے جائز نہیں ہے کہ یتیم بچے کا مال اپنے فائدے کیلئے تجارت میں لگائے، کیونکہ وصی کا کام مال کی حفاظت کرنا ہے، نہ کہ تجارت کرنا، البتہ بچے کے فائدے کیلئے اس کا مال تجارت میں لگاسکتا ہے، کہ بچے کا فائدہ اسی میں ہے۔

㉕ ووصيُّ الأب أحق بمال الطفل من الجدّ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے بچوں کیلئے وصی مقرر کیا، پھر موصی مرگیا، تو بچوں کے مال کی حفاظت کیلئے وصی زیادہ حق دار ہے بچوں کے دادا سے، لہٰذا مال وصی کو دیا جائے گا۔ یہ ہمارا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مال کا حق دار بچوں کا دادا ہے، کیونکہ وہ بچوں کے باپ کے قائم مقام ہے، یہی وجہ ہے کہ بچوں کے باپ کی میراث دادا کو ملتی ہے، نہ کہ وصی کو۔ ہم کہتے ہیں کہ باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوگئی ہے، نہ کہ دادا کی طرف، لہٰذا باپ کا قائم مقام وصی ہے، نہ کہ دادا، اور جب دادا کے موجود ہوتے ہوئے باپ نے اپنے بچوں کیلئے وصی مقرر کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کیلئے وصی زیادہ فائدہ مند ہے دادا سے، لہٰذا بچوں کے مال کی حفاظت کا حق دار وصی ہی ہوگا۔

㉖ فإن لم يوص الأبُ: فالجدّ كالأب: یعنی مذکورہ صورت میں اگر بچوں کے باپ نے کسی کو اپنا وصی نہیں بنایا، تو بچوں کا دادا باپ کے قائم مقام ہے، کیونکہ بچوں کیلئے دادا سب سے زیادہ قریب بھی ہے، اور تمام لوگوں سے زیادہ مہربان بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ بچوں کے نکاح کا اختیار بھی دادا کو ہے۔

☆☆☆

﴿فَصْلٌ فِي الشَّهَادَةِ﴾

أي: هذا فصل في بيان أحكام شهادة الأوصياء. یعنی یہ فصل وصیوں کی گواہی دینے کے احکام کے بیان میں ہے۔
بعض اوقات وصی وصیت کے متعلق کسی چیز کی گواہی دیتا ہے، تو کونسی صورت میں اس کی گواہی قبول ہے؟ اور کونسی صورت میں مردود ہے؟ اس فصل میں اسی کا بیان ہے۔ مصنفؒ نے گواہی کی بحث کو كتاب الوصايا کے آخر میں لایا، اس لئے کہ وصیت اصل ہے، اور گواہی اس کے عوارض میں سے ہے، اور ظاہر ہے کہ عوارض اصل سے مؤخر ہوتے ہیں۔ اس فصل میں سات (۷) مسائل ہیں۔

۲۸ شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى إِلَى زَيْدٍ مَعَهُمَا: لَغَتْ ۲۹ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ زَيْدٌ ۳۰ وَكَذَا الْإِبْنَانِ ۳۱ وَكَذَا لَوْ شَهِدَا لِوَارِثٍ صَغِيرٍ بِمَالٍ ۳۲ أَوْ لِكَبِيرٍ بِمَالِ الْمَيِّتِ ۳۳ وَلَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ عَلَى مَيِّتٍ بِدَيْنٍ أَلْفٍ، وَشَهِدَ الْآخَرَانِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ: تُقْبَلُ ۳۴ وَإِنْ كَانَتْ شَهَادَةُ كُلِّ فَرِيقٍ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ: لَا.

ترجمہ: دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے زید کو وصی بنایا ان کے ساتھ، تو (یہ گواہی) لغو ہوگی۔ مگر یہ کہ زید دعویٰ کرے۔ اور اسی طرح ہیں دو بیٹے۔ اور اسی طرح ہے اگر دو (وصیوں) نے گواہی دی چھوٹے وارث کیلئے مال کی۔ یا بڑے کیلئے میت کے مال کی۔ اور اگر گواہی دی دو آدمیوں نے دو آدمیوں کیلئے میت پر ایک ہزار دین کی، اور دوسرے دو نے گواہی دی پہلے دو کیلئے اسی کی مثل، تو قبول ہو جائے گی۔ اور اگر ہر فریق کی گواہی ایک ہزار وصیت کی ہو، تو (قبول) نہیں۔

تشریح:

۲۸ شهد الوصيان بأن الميت أوصى إلى .... إلخ: کسی میت کے دو وصیوں نے قاضی کے سامنے گواہی دی کہ میت نے ہمارے ساتھ زید کو بھی وصی بنایا ہے، لہٰذا ہم تینوں میت کے وصی ہیں، مگر زید خود اپنے وصی ہونے سے انکار کر رہا ہے، تو ان کی یہ گواہی لغو ہوگی، کیونکہ اس گواہی میں گواہوں پر تہمت لگے گی کہ انہوں نے اپنے فائدے کیلئے گواہی دیں، وہ اپنے ساتھ ایک اور ساتھی اور مددگار ملانا چاہتے ہیں، اور ہر وہ گواہی جس میں گواہ کا اپنا فائدہ ہو وہ لغو ہوگی۔

۲۹ إلا أن يدعي زيد: یعنی ماقبل صورت میں اگر زید خود دعویٰ کرے کہ میت نے مجھے ان دو کے ساتھ وصی بنایا ہے، تو قاضی ان دو کی گواہی کو قبول کرتے ہوئے زید کو ان کے ساتھ ملائے گا، اس لئے کہ قاضی کو ہر وقت یہ اختیار رہتا ہے کہ ان دو کے ساتھ ایک تیسرے شخص کو بھی ملائے، اور جب ان دو نے زید کیلئے گواہی بھی دی اور زید نے خود بھی اپنے وصی ہونے کا دعویٰ کر دیا، تو قاضی کیلئے اور بھی راستہ ہموار ہو گیا تا کہ زید کو ان کے ساتھ ملائے۔

۳۰ و كذا الابنان: یعنی دو بیٹوں کا حکم بھی دو وصیوں کی طرح ہے، لہٰذا اگر میت کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے زید کو وصی بنایا ہے، مگر زید اس سے انکار کر رہا ہے، تو ان کی گواہی لغو ہوگی، کیونکہ بیٹے اس گواہی کے ذریعے اپنے لئے ایک نگران مقرر نے کا فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ البتہ اگر زید خود بھی اپنے وصی ہونے کا دعویٰ کرے تو قاضی زید کے وصی ہونے کا فیصلہ کرے گا۔

۳۱ و كذا لو شهدا لوارث صغير بمال: ماقبل حکم کی طرح ان دو گواہوں کا حکم بھی ہے جو چھوٹے وارث کیلئے مال کی گواہی دیں، مثلاً ایک آدمی نے اپنے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا، پھر موصی مر گیا، اور وصیوں نے موصی کے ایک چھوٹے نابالغ وارث کیلئے گواہی دی کہ یہ مال اس بچے کا ہے، تو ان کی گواہی لغوی ہوگی، کیونکہ اس گواہی میں گواہوں پر یہ تہمت لگتی ہے کہ وہ بچے کیلئے مال

ثابت کر کے اس مال کو اپنی ولایت اور نگرانی میں لینا چاہتے ہیں، تو اس گواہی میں خود گواہوں کا فائدہ ہے، اس لئے گواہی لغو ہوئی۔

⑬ أو لكبير بمال الميت: أي: وكذا لو شهدا لوارث كبير.... یعنی اسی طرح حکم ہے اگر مذکورہ صورت میں دو وصیوں نے موصی کے کسی بڑے بالغ وارث کیلئے گواہی دی کہ میت (موصی) کے ترکہ میں سے یہ مال اس بڑے وارث کا ہے، تو یہ گواہی بھی لغو ہوگی۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک یہ گواہی قبول ہوگی، کیونکہ بڑے وارث کیلئے جو مال ثابت ہو جائے اس کی ولایت وصیوں کو حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا ان پر ولایت حاصل کرنے کی تہمت نہیں لگتی، اس لئے ان کی گواہی قبول ہوگی۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر بڑا وارث غائب ہو جائے تو اس کے منقول مال کی ولایت اور نگرانی وصیوں کو حاصل ہو جائے گی، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۲۴) میں بیان ہوا، لہٰذا وصیوں کی اس گواہی میں یہ تہمت موجود ہے کہ وہ وارث کے غائب ہونے کی صورت میں اپنے لئے ولایت حاصل کر رہے ہیں، اس لئے ان کی گواہی لغو ہوگی۔

عبارت میں بمال الميت کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر وصیوں نے موصی کے ترکہ کے علاوہ کسی اور مال کی گواہی بڑے وارث کیلئے دی، تو بالاتفاق یہ گواہی قبول ہوگی، کیونکہ اس مال کی ولایت وصیوں کیلئے ثابت نہیں ہوگی، لہٰذا یہ گواہی تہمت سے پاک ہے۔

⑬ ولو شهد رجلان لرجلين على ميت بدين ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مر گیا، پھر احمد اور محمد نے گواہی دی کہ اس میت پر خالد اور جاوید کا ہزار روپے دَین ہے، اور پھر خالد اور جاوید نے گواہی دی کہ اس میت پر احمد اور محمد کا ہزار روپے دَین ہے، تو دونوں گواہیاں قبول ہوں گی، اس لئے احمد اور محمد کیلئے جو ہزار روپے ثابت ہو رہے ہیں ان میں خالد اور جاوید نہ شریک ہیں اور نہ ان کا کوئی فائدہ ہے①۔ اور اسی طرح خالد اور جاوید کیلئے جو دَین ثابت ہو رہا ہے اس میں احمد اور محمد نہ شریک ہیں اور نہ ان کا کوئی فائدہ ہے، تو دونوں گواہیاں تہمت سے پاک ہیں، اس لئے قبول ہوں گی۔

⑬ وإن كانت شهادة كلّ فريق بوصية ألف: لا: أي: لا تقبل. یعنی مذکورہ صورت میں اگر دَین کی بجائے ایک دوسرے کیلئے ہزار روپے وصیت کی گواہی دیں، مثلاً احمد اور محمد گواہی دیں کہ میت نے خالد اور جاوید کیلئے ہزار روپے کی وصیت کی، اور خالد اور جاوید ان کیلئے اسی طرح کی گواہی دیں تو دونوں گواہیاں لغو ہوں گی، کیونکہ وصیت کا تعلق ایک معیّن مال (مال کے ثلث) سے ہوتا ہے، لہٰذا اگر میت کا ثلث مال صرف ہزار روپے ہو تو اس میں سب شریک ہوں گے، یعنی اگر پہلے فریق کیلئے ہزار روپے ثابت ہو جائیں تو اس میں دوسرا فریق شریک ہوگا، اور اگر دوسرے فریق کیلئے ثابت ہو جائیں تو اس میں پہلا فریق شریک ہوگا، تو ہر فریق کی گواہی میں تہمت پیدا ہوئی کہ وہ اپنی شرکت کے فائدے کیلئے گواہی دے رہا ہے، اس لئے دونوں کی گواہیاں لغو ہو گئیں۔

☆☆☆

① مثلاً اگر کوئی اجنبی آدمی میت کی طرف سے احمد اور محمد کو ہزار روپے دے دے، تو اس میں خالد اور جاوید کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

﴿كِتَابُ الْخُنْثٰى﴾

أي: هذا كتاب في بيان أحكام الخنثى. یعنی یہ کتاب ہیجڑے کے احکام کے بیان میں ہے۔خنثی لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نہ خالص مرد ہو اور نہ عورت ہو، یا اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس مرد اور عورت دونوں کے آلے (ذکر اور فرج) ہوں۔اور اصطلاحی معنی بھی یہی ہیں، جس کی تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں آرہی ہے۔

مصنفؒ نے خنثیٰ کے احکام مردوں اور عورتوں کے احکام کے بعد کنز الدقائق کے آخر میں ذکر فرمائے، کیونکہ خنثیٰ کی جنس نادر الوجود ہے، تو اس کے احکام بھی شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں، اور شاذ و نادر کا درجہ مؤخر ہوتا ہے۔اس کتاب میں چودہ (۱۴) مسائل ہیں۔

① هُوَ مَنْ لَهُ فَرْجٌ وَذَكَرٌ ② فَإِنْ بَالَ مِنَ الذَّكَرِ: فَغُلَامٌ ③ وَإِنْ بَالَ مِنَ الْفَرْجِ: فَأُنْثٰى ④ وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا: فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ ⑤ وَإِنِ اسْتَوَيَا: فَمُشْكِلٌ ⑥ وَلَا عِبْرَةَ بِالْكَثْرَةِ ⑦ فَإِنْ بَلَغَ، وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ، أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ: فَرَجُلٌ ⑧ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ، أَوْ لَبَنٌ، أَوْ حَاضَ، أَوْ حَبِلَ، أَوْ أَمْكَنَ وَطْؤُهُ: فَامْرَأَةٌ.

ترجمه: خنثیٰ وہ ہے جس کیلئے فرج اور ذکر (دونوں) ہوں۔پس اگر پیشاب کرے ذکر سے تو لڑکا ہے۔اور اگر پیشاب کرے فرج سے تو عورت ہے۔اور اگر پیشاب کرے دونوں سے تو حکم ہوگا پہلے کا۔اور اگر دونوں برابر ہوں تو مشکل ہے۔اور اعتبار نہیں ہے زیادتی کا۔اور اگر بالغ ہوا اور اس کی داڑھی نکل آئی، یا عورتوں سے صحبت کی تو مرد ہے۔اور اگر ظاہر ہو گئے اس کے پستان، یا دودھ، یا حیض آگیا، یا حمل ٹھہر گیا، یا ممکن ہوا اس سے وطی کرنا تو عورت ہے۔

تشریح:

① هو من له ذكر وفرج: مسئلہ یہ ہے کہ کسی بچے کے پیدائشی ذکر اور فرج دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ (ہیجڑا) ہے۔فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ شخص جس کے پاس نہ ذکر ہو اور نہ فرج ہو، محض ایک سوراخ سے پیشاب نکلتا ہو، وہ بھی خنثیٰ ہے۔[ردالمحتار:۱۰/۴۷۷]

② فإن بال من الذكر: فغلام: خنثیٰ پر مرد کے احکام جاری ہوں گے یا عورت کے؟ اس بارے میں پیشاب نکلنے کی جگہ کا اعتبار ہے۔اگر اس کا پیشاب ذکر سے نکلتا ہو تو وہ لڑکا شمار ہوگا، لہٰذا اس پر مرد کے احکام جاری ہوں گے، کیونکہ اس کے دو اعضاء میں سے ذکر اصل ہے، فرج ایک زائد عیب ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

③ وإن بال من الفرج: فأنثى: خنثیٰ اگر فرج کے راستے سے پیشاب کرتا ہے تو وہ لڑکی ہے، لہٰذا اس پر عورت کے

احکام جاری ہوں گے، کیونکہ اس کا اصلی عضو فرج ہے، ذکر ایک عیب ہے۔

۴ وإن بال منهما: فالحكم للأسبق: اگر خنثیٰ کا پیشاب ذکر اور فرج دونوں سے نکلتا ہو تو حکم میں اس عضو کا اعتبار ہوگا جس سے پہلے پیشاب نکلتا ہے، کیونکہ اصلی عضو وہی ہے، لہٰذا اگر پیشاب پہلے ذکر سے نکلنا شروع ہوتا ہے تو لڑکا ہے، اور اگر فرج سے نکلنا شروع ہوتا ہے تو لڑکی ہے۔

۵ وإن استويا: فمشكل: اگر پیشاب نکلنے میں دونوں اعضاء برابر ہوں، یعنی بیک وقت دونوں سے نکلنا شروع ہوجاتا ہے، تو یہ خنثیٰ مشکل ہے، یعنی اس پر حکم لگانا مشکل ہے، نہ مرد شمار ہوگا اور نہ عورت۔

۶ ولا عبرة بالكثرة: مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ کے دو عضو میں سے کسی ایک عضو سے زیادہ پیشاب نکلنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اگر ذکر سے زیادہ نکلتا ہے اور فرج سے کم نکلتا ہے، یا اس کے برعکس ہے، تو دونوں کو برابر سمجھا جائے گا، اور خنثیٰ کو مشکل ہی کہا جائے گا۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک جس عضو سے زیادہ پیشاب نکلے اسی کی طرف خنثیٰ کو منسوب کیا جائے گا، اگر ذکر سے زیادہ نکلے تو لڑکا کہلائے گا، اور اگر فرج سے زیادہ نکلے تو لڑکی کہلائے گی، کیونکہ زیادہ پیشاب نکلنا اس بات کی علامت ہے کہ اس عضو میں قوت ہے، لہٰذا یہی عضو اصلی ہے، اور اسی کے مطابق حکم ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ پیشاب نکلنا قوت کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس عضو کا سوراخ کشادہ ہے، اور دوسرے عضو کا سوراخ تنگ ہے، لہٰذا قوت میں دونوں اعضاء برابر ہیں۔

۷ فإن بلغ، وخرجت له لحية، أو وصل إلى النساء: فرجل: اگر خنثیٰ مشکل بچہ بالغ ہوگیا، اور اس کی داڑھی نکل آئی، یا عورتوں سے صحبت کرنے پر قادر ہوگیا، تو اُسے مرد سمجھا جائے گا، اس پر سارے احکام مردوں کے جاری ہوں گے، کیونکہ داڑھی نکل آنا اور عورتوں سے صحبت کرنا مردوں کی علامات میں سے ہیں۔

۸ وإن ظهر له ثدي، أو لبن، أو حاض، أو حبل ....إلخ: اگر خنثیٰ مشکل کے بالغ ہونے کے بعد اس کی چھاتی ابھر کر پستان ظاہر ہوگئے، یا پستانوں میں دودھ اتر آیا، یا اُسے حیض آگیا، یا حمل ٹھہر گیا، یا اس سے فرج میں جماع کرنا ممکن ہوگیا، تو ان صورتوں میں اُسے عورت قرار دیا جائے گا، کیونکہ یہ سب عورتوں کی علامات ہیں۔

> ۹ وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ لَهُ عَلَامَةٌ، أَوْ تَعَارَضَتْ: فَمُشْكِلٌ ۱۰ فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ ۱۱ وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ ۱۲ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ: فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ، ثُمَّ تُبَاعُ ۱۳ وَلَهُ أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ ۱۴ فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ، وَتَرَكَ اِبْنًا: لَهُ سَهْمَانِ، وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ.

ترجمہ: اور اگر ظاہر نہ ہوئی اس کی کوئی علامت، یا علامات متعارض ہوئیں، تو مشکل ہے۔ پس کھڑا ہو مردوں اور عورتوں

کی صف کے درمیان۔ اور اس کیلئے خریدی جائے ایک باندی تا کہ اس کا ختنہ کرے۔ اور اگر اس کیلئے مال نہ ہو تو بیت المال سے (خریدی جائے) پھر فروخت کر دی جائے۔ اور اس کیلئے دو حصوں میں سے کمتر ہے۔ تو اگر اس کا باپ مر گیا، اور بیٹا چھوڑا، تو ان کیلئے دو حصے ہیں اور خنثیٰ کیلئے ایک حصہ ہے۔

تشریح:

❾ **وإن لم تظهر له علامة، أو تعارضت: فمشكل:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ میں مذکورہ علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی، نہ مرد کی اور نہ عورت کی، یا مرد اور عورت دونوں کی متعارض علامات ظاہر ہوئیں، تو بلوغ کے بعد اُسے پھر مشکل قرار دیا جائے گا، خنثیٰ مشکل کے احکام اگلے مسائل میں ہیں۔

❿ **فيقف بين صف الرجال والنساء:** نماز باجماعت میں خنثیٰ مشکل کا حکم یہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہوگا، یعنی مردوں کے پیچھے اور عورتوں سے آگے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو تو اگر مردوں کی صف میں کھڑی ہوئی تو ان کی نماز محاذات کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو، تو اگر عورتوں کی صف میں کھڑا ہوا تو خود اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان کھڑا ہو۔

⓫ **وتُبتاع له الأمةُ تختنه:** اگر خنثیٰ مشکل ختنہ ہوئے بغیر بالغ ہو جائے تو اگر اس کے پاس مال موجود ہو تو اُسی کے مال سے اس کیلئے ایک باندی خرید لی جائے، تا کہ وہ باندی اس کا ختنہ کرا دے، کیونکہ باندی اس کی مملوکہ ہوگی، اب اگر خنثیٰ کو مرد سمجھا جائے تو باندی اپنے مولیٰ کو دیکھ سکتی ہے، اور اگر وہ عورت ہو تو باندی بھی عورت ہے، اور عورت کا دوسری عورت کو دیکھنا نسبتاً آسان ہے۔

⓬ **فإن لم يكن له مال: فمن بيت المال، ثم تُباع:** یعنی مذکورہ صورت میں اگر خنثیٰ مشکل کے پاس مال نہ ہو تو اس کیلئے بیت المال سے ایک باندی خرید لی جائے تا کہ اس کا ختنہ کرا دے، کیونکہ بیت المال مسلمانوں کی ضروریات ہی کیلئے تو ہے۔ یہ باندی ضرورت پوری ہونے تک، یعنی ختنہ ہونے تک خنثیٰ کی ملک میں رہے گی، جب ختنہ ہو چکا تو اس کی ملک ختم ہو کر باندی کو فروخت کر دیا جائے گا، اور اس کا ثمن بیت المال میں واپس کر دیا جائے گا۔

⓭ **وله أقلُّ النصيبين:** مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل کو میراث میں کمتر حصہ ملے گا، یعنی مرد اور عورت کے حصوں میں سے جس کا حصہ کم ہو وہ خنثیٰ کو ملے گا۔ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ مثلاً اگر باپ مر گیا، اس نے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ مشکل کو چھوڑا، تو بیٹے کو دو حصے اور خنثیٰ کو ایک حصہ ملے گا، یہاں خنثیٰ کو عورت فرض کیا گیا۔

اگر کوئی عورت مر گئی، اس نے شوہر، ماں اور ایک خنثیٰ بہن کو چھوڑا، تو شوہر کو نصف مال ملے گا، ماں کو ثلث ملے گا، جو باقی بچے وہ خنثیٰ کو ملے گا، یہاں خنثیٰ کو مرد فرض کیا گیا، اگر اس کو عورت فرض کیا جائے تو اس کو پورا نصف ملے گا، اور مسئلہ میں عول ہوگا، مگر ہم اس کو مرد فرض کریں گے تا کہ عصبہ ہونے کی وجہ سے اُسے کمتر حصہ (باقی بچا ہوا) ملے۔

صاحبینؒ کے نزدیک خنثیٰ مشکل کو میراث میں آدھا حصہ مرد کا اور آدھا حصہ عورت کا ملے گا،① کیونکہ خنثیٰ کے مرد ہونے کا احتمال بھی ہے اور عورت ہونے کا احتمال بھی ہے، لہٰذا آدھا حصہ ایک کا اور آدھا دوسرے کا لے گا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کمتر حصہ یقینی ہے اور اس سے زیادہ میں شک ہے، اور ہر جگہ شک کو چھوڑ کر یقین پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

● **فلو مات أبوه، وترک ابنا: له سهمان، وللخنثی سهم:** یہ امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ماقبل والے مسئلے کی صورت ہے، جس کو ہم نے بیان کیا، یہاں خنثیٰ کو عورت فرض کیا گیا ہے، تاکہ اُسے کمتر حصہ ملے، اگر اس کو مرد فرض کیا جائے تو اس کو دوسرے بھائی کے برابر نصف حصہ ملے گا۔

☆☆☆



① پھر صاحبینؒ کے درمیان مسئلہ کی تخریج میں اختلاف ہے، مثلاً اگر باپ مرجائے، اور ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ کو چھوڑ دے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کے درمیان سارے مال کو ۷ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، ۴ بیٹے کو اور ۳ خنثیٰ کو ملیں گے، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک مال کو ۱۲ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، ۷ حصے بیٹے کو اور ۵ حصے خنثیٰ کو ملیں گے۔ تفصیل ہدایہ میں ہے۔

مَسَائِلُ شَتّٰی

اي: هذه مسائل شتى. یعنی یہ متفرق مسائل ہیں۔ شتّٰی جمع ہے شتیت کی، بمعنی متفرق۔ حضرات مصنّفین کتاب یا باب کے آخر میں "مسائل شتی" یا "مسائل متفرقة" وغیرہ عنوانات سے بعض چھوٹے ہوئے متفرق مسائل جمع کرتے ہیں۔ ہمارے مصنفؒ نے بھی کنز الدقائق کے آخر میں مختلف ابواب سے متعلق چوراسی (۸۴) مسائل کو یہاں جمع فرمایا ہے۔

❶ إِيْمَاءُ الْأَخْرَسِ، وَكِتَابَتُهُ كَالْبَيَانِ ❷ بِخِلَافِ مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ ❸ فِي وَصِيَّةٍ، وَنِكَاحٍ، وَطَلَاقٍ، وَبَيْعٍ، وَشِرَاءٍ، وَقَوَدٍ ❹ لَا فِي حَدٍّ ❺ غَنَمٌ مَذْبُوحَةٌ وَمَيْتَةٌ، فَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ: تَحَرّٰى، وَأَكَلَ ❻ وَإِلَّا: لَا ❼ لُفَّ ثَوْبٌ نَجِسٌ رَطْبٌ فِي ثَوْبٍ طَاهِرٍ يَابِسٍ، فَظَهَرَتْ رُطُوبَتُهُ عَلَى الثَّوْبِ الطَّاهِرِ، لٰكِنْ لَا يَسِيْلُ لَوْ عُصِرَ: لَا يَتَنَجَّسُ.

ترجمہ: گونگے کا اشارہ کرنا اور اس کا لکھنا بیان کی طرح ہیں۔ برخلاف وہ جس کی زبان بند ہوگئی ہو۔ وصیت، نکاح، طلاق، بیع، شراء اور قصاص میں۔ نہ کہ حد میں۔ کچھ بکریاں ہیں ذبح کی ہوئیں اور مردار، تو اگر ذبح کی ہوئیں زیادہ ہوں تو سوچ بچار کرکے کھالے۔ ورنہ نہیں۔ لپیٹا گیا ناپاک گیلا کپڑا پاک خشک کپڑے میں، پس ظاہر ہوئی اس کی تری پاک کپڑے پر، لیکن بہتا نہیں اگر نچوڑا جائے، تو ناپاک نہیں ہوگا۔

لغات:

إيماء: باب اِفعال کا مصدر ہے، اشارہ کرنا۔ معتقل: باب افتعال سے اسم مفعول ہے، عارضی طور پر بند۔

تشریح:

❶ إيماء الأخرس، وكتابته كالبيان: مسئلہ یہ ہے کہ گونگا آدمی اگر کوئی اشارہ کرے، یا کچھ لکھ دے تو یہ زبان سے بیان کی طرح ہیں، لہٰذا اس پر احکام جاری ہوجائیں گے، مثلاً گونگا اشارہ سے کسی کیلئے وصیت کرے، یا نکاح کرے، یا بیوی کو طلاق دے، یا بیع وشراء کرے، یا اشارہ سے قتل عمد کا اقرار کرکے اپنے اوپر قصاص ثابت کرے، تو یہ سارے احکام نافذ ہوجائیں گے، اور اسی طرح اگر ان چیزوں کے بارے میں لکھ دے تو بھی احکام نافذ ہوجائیں گے، کیونکہ ان احکام کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بندوں کو ان کی حاجت وضرورت پڑتی ہے، اس لئے ضرورت کے پیش نظر گونگے کا اشارہ اور اس کی لکھائی کو ان احکام میں معتبر مانا گیا۔

❷ بخلاف معتقل اللسان: وہ آدمی جو اصلی گونگا نہیں ہے، ایک بیماری کی وجہ سے عارضی طور پر اس کی زبان بند ہوگئی ہے، وہ گونگے کے برخلاف ہے، یعنی اس کا اشارہ اور لکھائی معتبر نہیں ہیں، اس لئے کہ جس کی عارضی طور پر زبان بند ہوئی ہے اس کا عذر دائمی نہیں، جلد ختم ہونے کی امید ہے، لہٰذا اس کے اشارہ اور لکھائی کو معتبر قرار دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ گونگا آدمی لمبے عرصے سے اشارہ استعمال کرتا ہے، لہٰذا اس کے اشارے سمجھ میں آجاتے ہیں، اس کے برخلاف جس کی زبان عارضی طور پر بند ہوئی ہے اس کے اشارے جلدی سمجھ میں نہیں آتے، اس لئے ان سے احکام ثابت نہیں ہوسکتے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک گونگے اور زبان بند ہونے والے کے درمیان فرق نہیں ہے، دونوں کا اشارہ اور لکھائی معتبر ہیں۔ مگر ہم نے اوپر دونوں کے درمیان دو فرق بیان کئے۔

❸ في وصية، ونكاح، وطلاق، وبيع، وشراء، وقود: جار و مجرور کا تعلق کالبیان سے ہے، یعنی مذکورہ احکام میں گونگے کا اشارہ اور اس کی لکھائی بیان کے حکم میں ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر (۱) میں بیان ہوئی۔

❹ لا في حدّ: أي: لا يكون إيماء الأخرس، وكتابته كالبيان في حدّ. یعنی حدود میں گونگے کا اشارہ اور اس کی کتابت بیان کے حکم میں نہیں ہیں، لہٰذا اگر گونگے نے اشارہ یا لکھائی سے زنا کا اقرار کیا تو اس کا یہ اشارہ اور لکھائی معتبر نہیں ہوں گے اور حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ حدود خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں، اس میں بندوں کی حاجت و ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اس میں گونگے کے اشارے اور کتابت کو معتبر ماننے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اشارے اور کتابت میں شک وشبہ باقی رہتا ہے، جبکہ حدود ادنیٰ شبہ کی وجہ سے بھی ساقط ہوجاتی ہیں۔

❺ غنم مذبوحة وميتة، فإن كانت المذبوحة أكثر .... إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی کی بہت ساری بکریاں مری ہوئی ہیں، بعض ذبح کی ہوئی ہیں اور بعض مردار ہیں، معلوم نہیں کہ کونسی مذبوحہ اور کونسی مردار ہیں، مگر اتنا یقین ہے کہ ان میں سے مذبوحہ زیادہ ہیں، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ بکریوں کا مالک سوچ بچار کر کے جن بکریوں کو مذبوحہ سمجھے ان کو کھا سکتا ہے، اور جن کو مردار سمجھے وہ نہ کھائے۔ حاصل یہ ہے کہ تحری کرنے کے بعد مذبوحہ بکریوں کو کھانا جائز ہے، اگرچہ کھانے والا اختیاری حالت میں ہو، یعنی بھوک وغیرہ سے مجبور نہ ہو۔ اور اگر اضطرار (مجبوری) کی حالت میں ہو تو بغیر تحری سب کو کھانا جائز ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حالتِ اختیار میں تحری کے بعد بھی کھانا جائز نہیں ہے، اگرچہ مذبوحہ زیادہ ہوں، کیونکہ تحری اضطرار کی حالت میں ہوتی ہے، جبکہ یہاں اختیار کی حالت ہے، اور اختیار کی حالت میں مشکوک چیز کھانا جائز نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہاں چونکہ مذبوحہ بکریاں زیادہ ہیں، اس لئے ان کی زیادتی کی وجہ سے حلت کا حکم ہوگا، نہ کہ تحری کی وجہ سے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسلمانوں کے بازاروں میں حلال، حرام، مسروق اور مغصوب وغیرہ ہر طرح کی چیزیں ملتی ہیں، مگر چونکہ حلال زیادہ ہوتا ہے اس لئے تحری کر کے وہاں سے خریدنا اور کھانا جائز ہے۔

❻ وإلا: لا: أي: وإن لا تكون المذبوحة أكثر: لا يأكل. یعنی ماقبل صورت میں اگر مری ہوئیں بکریوں میں مذبوحہ زیادہ نہ ہوں، بلکہ مردار زیادہ ہوں، تو تحرّی کر کے ان میں سے نہ کھائے، کیونکہ ماقبل میں بیان ہوا کہ حلت کا حکم مذبوحہ کی زیادتی کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب مردار زیادہ ہو جائیں تو کھانا جائز نہیں ہوگا، خواہ سو مرتبہ تحرّی کرے۔

❼ لف ثوب نجس رطب في ثوب طاهر.....الخ: لایسیل اور عُصر کی ضمائر کا مرجع طاهر ہے۔ [ردالمحتار:۱۰/۴۸۶] صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک گیلا ناپاک کپڑا ہے اس کو ایک پاک خشک کپڑے میں لپیٹا گیا جس کی وجہ سے ناپاک کپڑے کی تری پاک کپڑے میں ظاہر ہوئی، مگر یہ ایسی تری ہے کہ اگر اس پاک کپڑے کو نچوڑا جائے تو اس سے پانی نہیں بہتا، تو محض تری ظاہر ہونے سے پاک کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ ناپاک کپڑے سے نجاست پاک کپڑے کی طرف منتقل نہیں ہوئی، صرف ایک دوسرے سے متصل ہونے کی وجہ سے تری ظاہر ہوئی، اور اس پر نجاست کا حکم نہیں لگتا۔

> ❽ رَأْسُ شَاةٍ مُتَلَطِّخٌ بِدَمٍ، أُحْرِقَ، وَزَالَ عَنْهُ الدَّمُ، فَاتُّخِذَ مِنْهُ مَرَقَةٌ: جَازَ ❾ وَالْحَرْقُ كَالْغَسْلِ ❿ سُلْطَانٌ جَعَلَ الْخَرَاجَ لِرَبِّ الْأَرْضِ: جَازَ ⓫ وَإِنْ جَعَلَ الْعُشْرَ: لَا ⓬ وَلَوْ دَفَعَ الْأَرَاضِي الْمَمْلُوكَةَ إِلَى قَوْمٍ لِيُعْطُوا الْخَرَاجَ: جَازَ.

ترجمہ: بکری کا سر ہے جو خون سے آلودہ ہے، جس کو جلا دیا گیا، اور اس سے خون زائل ہو گیا، پھر اس سے شوربا بنایا گیا، تو جائز ہے۔ اور جلا دینا دھونے کی طرح ہے۔ باشاہ نے خراج مقرر کیا زمین کے مالک کیلئے تو جائز ہے۔ اور اگر عشر مقرر کیا تو (جائز) نہیں۔ اور اگر مملوکہ زمینیں دیں لوگوں کو تا کہ وہ خراج ادا کریں تو جائز ہے۔

لغات:

متلطّخ: باب تفعّل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، آلودہ ہونا۔ مرقة: شوربا۔

تشریح:

❽ رأس شاة متلطخ بالدم، أحرق ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر بکری کا کوئی خون آلود سر ہو، اس کو آگ پر جلا دیا گیا، یہاں تک کہ خون اس سے زائل ہو گیا، اور پھر اس سر کو پکا کر اس سے شوربا بنایا گیا، تو وہ پاک اور جائز ہے، کیونکہ آگ میں جلانے کی وجہ سے خون جل کر پاک ہو جاتا ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے پانی سے دھولیا جائے۔

❾ والحرق كالغسل: یعنی نجاست کو آگ سے جلا دینا ایسا ہے جیسے پانی سے دھولیا جائے، کیونکہ پانی سے دھو کر بھی نجاست زائل ہو جاتی ہے، اور آگ سے جلا کر بھی زائل ہو جاتی ہے، اصل مقصد نجاست کو زائل کرنا ہے، خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو۔

❿ سلطانٌ جعل الخراج لرب الأرض: جاز: مسئلہ یہ ہے کہ بادشاہ نے خراجی زمین کے مالک سے کہا کہ

تمہاری زمین کا خراج تمہارا ہی ہے، یعنی خراج کو اس کیلئے معاف کردیا، تو یہ جائز ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔

طرفینؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ خراج تمام مسلمانوں کا حق ہے، للہٰذا زمیندار کو دینا جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ خراج بادشاہ کا حق ہے، وہ جہاں مناسب سمجھے خرچ کرسکتا ہے، للہٰذا اسی زمیندار کو بھی دے سکتا ہے۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے۔ وعلى قول أبي يوسفؒ الفتوىٰ. [ہندیہ:۶/۴۴۳۔رمز الحقائق:۲/۵۰۱]

⑪ وإن جعل العشر: لا: أي: لايجوز. یعنی اگر بادشاہ نے عشری زمین کا عشر اسی زمیندار کیلئے مقرر کردیا، یعنی معاف کردیا، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ عشر زکوٰۃ کی طرح مساکین کا حق ہے۔ البتہ اگر اسی زمین کا مالک مستحق مسکین ہو تو اس کو اپنی زمین کا عشر دینا بالاتفاق جائز ہے۔

⑫ ولو دفع الأراضي المملوكة إلى قوم....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر بعض لوگ اپنی مملوکہ زمینوں کو کاشت کرنے اور حکومت کو خراج ادا کرنے سے عاجز ہوگئے، تو بادشاہ کیلئے جائز ہے کہ یہ زمینیں اور لوگوں کو کرایہ پر دے، تاکہ وہ لوگ کرایہ سے خراج ادا کریں، اور خراج ادا کرنے کے بعد بھی اگر کرایہ سے کچھ بچ گیا تو وہ زمینوں کے مالکوں کا حق ہے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ زمینوں کا خراج مجاہدین اور بیت المال کا حق ہے، اور ان زمینوں کو بے کار چھوڑنے سے یہ حق ضائع ہوجائے گا، للہٰذا فائدہ ومصلحت اسی میں ہے کہ ان کو کرایہ پر دے کر حق وصول کرلیا جائے۔

> ⑬ وَلَوْ نَوَىٰ قَضَاءَ رَمَضَانَ، وَلَمْ يُعَيِّنِ الْيَوْمَ: صَحَّ وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَيْنِ ⑭ كَقَضَاءِ الصَّلَاةِ: صَحَّ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ أَوَّلَ صَلَاةٍ، أَوْ آخِرَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ ⑮ اِبْتَلَعَ بُزَاقَ غَيْرِهِ: كَفَّرَ لَوْ صَدِيقَهُ ⑯ وَإِلَّا: لَا ⑰ قَتْلُ بَعْضِ الْحَاجِّ عُذْرٌ فِي تَرْكِ الْحَجِّ.

ترجمہ: اور اگر نیت کی رمضان کی قضا کی، اور دن کو معین نہیں کیا تو صحیح ہے، اگر چہ دو رمضانوں سے ہو۔ جیسے نماز کی قضا صحیح ہے، اگر چہ نیت نہ کی ہو پہلی نماز کی یا آخری نماز کی جو اس پر ہے۔ نگل لیا کسی اور کا تھوک تو کفارہ دے اگر اس کا دوست ہو۔ ورنہ (کفارہ) نہیں ہے۔ بعض حاجیوں کا قتل ہوجانا عذر ہے حج کو چھوڑ دینے میں۔

تشریح:

⑬ ولو نوى قضاء رمضان، ولم يعين....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی کے ذمے رمضان کے کئی روزے قضا ہیں، اس نے قضا روزہ رکھ لیا، اور یہ تعیین نہیں کی کہ پہلے دن کی قضا رکھتا ہے یا دوسرے تیسرے دن کی، تو اس کا یہ قضا رکھنا صحیح ہے، دن کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا ایک ہی سبب ہے، یعنی چاند دیکھنا، للہٰذا اب ہر دن کی

قضا رکھنے کیلئے اس دن کو متعین کرنا ضروری نہیں ہے، اگر چہ دو سال کے رمضانوں کی قضا رکھنا چاہے، یعنی اس پر دو سال کے رمضانوں کے روزے قضا رکھنا واجب ہے، تو مطلقاً رمضان کے روزوں کی قضا کی نیت کرنا کافی ہے، یہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ پہلے سال کی قضا ہے، یا دوسرے سال کی۔

لیکن مصنفؒ نے جو حکم بیان فرمایا ہے فتویٰ اس پر نہیں ہے، فتویٰ یہ ہے کہ اگر دو سال کے رمضانوں کے روزوں کی قضا رکھنا چاہتا ہے تو سال کو متعین کرنا ضروری ہے۔ [تکملۃ البحر: ۹/۳۴۷]

⑭ كقضاء الصلاة: صح وإن لم ينو....الخ: یہ ماقبل مسئلے کی مثال ہے، یعنی روزوں کی قضا میں دن کو متعین کرنا ضروری نہیں ہے، جیسے کسی شخص کے ذمے بہت ساری نمازیں قضا ہوں، اس نے مطلق چار رکعت کی قضا نماز پڑھ لی، اور یہ تعیین نہیں کی کہ یہ پہلے ظہر کی قضا ہے، یا دوسرے تیسرے کی، تو اس طرح قضا پڑھنا صحیح ہے۔

یہاں بھی فتویٰ مصنفؒ کے قول پر نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اگر مختلف نمازوں کی قضا پڑھنا چاہتا ہے تو دن اور نماز کو متعین کرنا ضروری ہے۔ [تکملۃ البحر: ۹/۳۴۷]

مسئلہ:

اگر بہت ساری نمازیں قضا ہوں اور ہر نماز کو متعین کرنا ممکن نہ ہو تو قضا پڑھتے ہوئے یہ نیت کرے: ''فجر کی پہلی نماز جو میرے ذمے ہے اس کی قضا پڑھتا ہوں''، ہر نماز کی قضا پڑھتے ہوئے اس طرح نیت کرے۔

⑮ ابتلع بزاق غيره: كفر لو صديقهُ: صدیق سے مراد محبوب ہے۔ اگر رمضان کے روزے میں ایک شخص نے دوسرے آدمی کا تھوک نگل لیا، تو وہ دوسرا آدمی اگر اس کا محبوب ہے، تو اس کی وجہ سے اس کا روزہ بھی ٹوٹا، اور کفارہ بھی ادا کرے، کیونکہ محبوب کا تھوک نگلنے سے انسان کو راحت اور فرحت حاصل ہوتی ہے، جیسے کھائے یا پیے، اس لئے کفارہ دینا پڑے گا۔

⑯ وإلّا: لا: أي: وإن لا يكون صديقه: لا يكفر. یعنی مذکورہ صورت میں اگر وہ دوسرا آدمی روزہ دار کا محبوب نہیں ہے، تو اس کے تھوک نگلنے سے روزہ تو ٹوٹ جائے گا، لیکن کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ عام طور سے دوسرے آدمی کے تھوک نگلنے سے انسان کراہت اور گھن محسوس کرتا ہے، لہٰذا یہ مٹی یا پتھر نگلنے کی طرح ہوا۔

⑰ قتلُ بعضِ الحاجّ عذر في ترك الحجّ: اگر حج کو جاتے ہوئے راستے میں بعض حاجیوں کو قتل کر دیا گیا، تو یہ اور لوگوں کیلئے عذر ہے کہ اس سال حج نہ کریں، کیونکہ حج کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ راستہ پرامن ہو، اور جہاں قتل کا اندیشہ ہو وہاں امن نہیں ہوتا اور یہ عذر ہے، جس کی وجہ سے حج کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

⑱ تو زنِ من شُدی؟ فَقالَتْ: شُدَم: لَمْ يَنْعَقِدِ النِّكَاحُ ⑲ خویشتن را زنِ من گردانیدی،

فَقَالَتْ: گردانیدم، وَقَالَ: پذیرفتم: يَنْعَقِدُ ⑳ دخترِ خویش رابہ پسرِ من ارزانی داشتی؟ فَقَالَ: داشتم: لَا يَنْعَقِدُ ㉑ مَنْعُهَا زَوْجَهَا عَنِ الدُّخُولِ عَلَيْهَا، وَهُوَ يَسْكُنُ مَعَهَا فِي بَيْتِهَا: نُشُوزٌ ㉒ وَلَوْ سَكَنَ فِي بَيْتِ الْغَصْبِ، فَامْتَنَعَتْ مِنْهُ: لَا.

ترجمہ: (مردنے کہا:) تو میری بیوی ہوئی، عورت نے کہا کہ میں ہوگئی، تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ (مردنے کہا) تونے اپنے آپ کو میری بیوی کردیا؟ عورت نے کہا کہ میں نے کردیا، مردنے کہا کہ میں نے قبول کرلیا، تو (نکاح) منعقد ہوگیا۔ تونے اپنی بیٹی میرے بیٹے کی لائق کردی؟ دوسرے نے کہا کہ میں نے کردی، تو (نکاح) منعقد نہیں ہوا۔ عورت کا منع کرنا اپنے شوہر کو اس پر داخل ہونے سے، حالانکہ شوہر اس کے ساتھ رہتا ہے اس کے گھر میں، نافرمانی ہے۔ اور اگر غصب کے گھر میں رہتا ہے، پھر عورت نے انکار کیا اس سے، تو (یہ نافرمانی) نہیں۔

تشریح:

⑱ توزنِ من شدی؟ فقالت: شدم: لم ينعقد النكاح: ایک آدمی نے[1] کسی اجنبیہ عورت سے کہا: کیا تو میری بیوی ہوگئی؟ عورت نے جواب میں کہا کہ میں ہوگئی، تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں ایجاب وقبول کے الفاظ نہیں پائے جاتے، عورت کی طرف سے ''ہوگئی'' کہنا اگرچہ ایجاب ہے، مگر اس کے بعد مرد کی طرف سے قبول نہیں ہے۔

⑲ خویشتن رازنِ من گردانیدی؟ فقالت.....الخ: ایک آدمی نے کسی اجنبیہ عورت سے کہا: کیا تو نے اپنے آپ کو میری بیوی کردیا؟ عورت نے کہا کہ میں نے کردیا، پھر آدمی نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا، تو نکاح منعقد ہوگیا، کیونکہ یہاں ایجاب وقبول کے الفاظ پائے گئے، عورت کی طرف سے ''میں نے کردیا'' ایجاب ہے، اور مرد کی طرف سے ''میں نے قبول کرلیا'' قبول ہے۔

⑳ دخترِ خویشتن رابہ پسرِ من ارزانی داشتی؟ فقال.....الخ: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ کیا تو نے اپنی بیٹی میرے بیٹے کی لائق کردی؟ دوسرے نے کہا کہ میں نے کردی، تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ ایجاب وقبول کے الفاظ نہیں پائے گئے۔

㉑ منعها زوجها عن الدخول عليها، وهو يسكن.....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی اپنے گھر میں رہتی ہے، اور شوہر بھی بیوی کے گھر میں اس کے ساتھ رہتا ہے، اور بیوی نے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دیا، تو یہ بیوی کی نافرمانی ہے، کیونکہ وہ بلاوجہ شوہر کو روک رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی شوہر کے گھر میں رہ کر شوہر کو منع کرے تو بطریق اولیٰ وہ نافرمان ہوگی، اور نافرمان بیوی کا حکم یہ ہے کہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

---

① یہاں سے مصنفؒ چودہ مسائل فارسی میں ذکر کرتے ہیں، اور وہ بھی پے در پے نہیں ہیں، درمیان میں عربی عبارتیں بھی ہیں۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ کنز الدقائق میں ہزاروں مسائل عربی لکھے ہیں اور یہ چودہ مسائل فارسی میں زبان میں لکھ دیئے۔

۞ ولو سكن في بيت الغصب، فامتنعت منه: لا: أي: لا تكون ناشزة. اگر شوہر نے کسی مکان کو غصب کردیا، اور پھر اسی مکان میں رہنے لگا، اور بیوی نے اس مکان میں شوہر کے پاس آنے سے انکار کر دیا، تو یہ نافرمانی نہیں ہے، کیونکہ غصب کے مکان میں رہنا حرام ہے، للہذا بیوی کو حق حاصل ہے کہ اس مکان میں رہنے پر احتجاج کرتے ہوئے آنے سے انکار کرے۔

۞ قَالَتْ: لَا اَسْكُنُ مَعَ أَمَتِكَ، وَأُرِيْدُ بَيْتًا عَلٰى حِدَةٍ: لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ ۞ قَالَتْ: مَرا طلاق دِه، فَقَالَ دادَه گير، أَوْ كردَه گير، أَوْ دادَه باد، أَوْ كردَه باد: يَنْوِى ۞ وَلَوْ قَالَ: دادَه است، أَوْ كردَه است: يَقَعُ، نَوٰى، أَوْ لَا ۞ وَلَوْ قَالَ: دادَه انگار، أَوْ كردَه انگار: لَا يَقَعُ وَإِنْ نَوٰى ۞ دَى مَرا نه شايد تا قيامت، أَوْ همه عمر: لَا يَقَعُ، إِلَّا بِنِيَّةٍ.

ترجمہ: بیوی نے کہا: میں تمہاری باندی کے ساتھ نہیں رہوں گی، میں ارادہ رکھتی ہوں علیحدہ گھر کا، تو اس کیلئے یہ حق نہیں ہے۔ بیوی نے کہا: مجھے طلاق دو، شوہر نے کہا: دی ہوئی لے لو، یا: کی ہوئی لے لو، یا: دی ہوئی ہو۔ یا: کی ہوئی ہو، تو نیت معلوم کی جائے گی۔ اور اگر شوہر نے کہا: دی ہوئی ہے، یا: کی ہوئی ہے، تو واقع ہو جائے گی، نیت کی ہو یا نہ۔ اور اگر شوہر نے کہا: دی ہوئی جان لو، یا کی ہوئی جان لو، تو واقع نہ ہوگی، اگر چہ نیت کرے۔ وہ مجھے نہیں چاہیے قیامت تک، یا عمر بھر، تو (طلاق) واقع نہیں ہوگی، مگر نیت سے۔

تشریح:

۞ قالت: لا أسكن مع أمتك، و.....إلخ: اگر بیوی نے شوہر سے مطالبہ کیا کہ مجھے الگ گھر دو، میں تمہاری باندی کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہوں گی، تو اس کو ایسے مطالبے کا حق نہیں ہے، کیونکہ شوہر کو حق حاصل ہے کہ جہاں چاہے اپنے لئے ایک خادمہ باندی رکھ لے، بیوی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۞ قالت: مَرا طلاق دِه، فقال: دادَه گير، أو.....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ مَرا طلاق دِه (مجھے طلاق دو) شوہر نے جواب میں کہا: دادَه گير (دی ہوئی لے لو)، یا کہا: كردَه گير (کی ہوئی لے لو) یا کہا: دادَه باد (دی ہوئی ہو) یا کہا: كردَه باد (کی ہوئی ہو) تو ان ساری صورتوں میں شوہر کی نیت معلوم کی جائے گی، اگر اس نے طلاق دینے کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر یہ نیت نہ ہو تو واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں، صراحتاً طلاق دینے پر دلالت نہیں کرتے، اس لئے نیت معتبر ہوگی۔

۞ ولو قال: دادَه است، أو كردَه است: يقع نوى، أو لا: یعنی مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے جواب میں کہا: دادَه است (دی ہوئی ہے) یا کہا: كردَه است (کی ہوئی ہے) تو طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ الفاظ صراحتاً زمانہ ماضی میں طلاق دینے پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے فی الحال طلاق پڑ جائے گی۔

۞ ولو قال: دادَه انگار، أو كردَه انگار: لا يقع وإن نوى: یعنی مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے جواب میں کہا:

دادہ انگار (دی ہوئی جان لو) یا کہا: کردہ انگار (کی ہوئی جان لو) تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اگرچہ طلاق دینے کی نیت کی ہو، کیونکہ "انگار" (جان لو، فرض کرو) نہ صراحتاً طلاق دینے پر دلالت کرتا ہے اور نہ کنایتاً، یہ محض فرضی الفاظ ہیں، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۷ وَی مَرا نہ شاید تا قیامت، یا ہمہ عمر: لا یقع، إلا بنیة: شوہر نے بیوی کے بارے میں کہا: وہ مجھے نہیں چاہئے قیامت تک، یا: عمر بھر نہیں چاہئے، تو اس سے نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر طلاق کی نیت ہو تو واقع ہو جائے گی، کیونکہ "نہ شاید" (نہیں چاہئے) کنایہ الفاظ میں سے ہے، جس سے طلاق واقع ہونے کیلئے نیت شرط ہے۔

۲۸ حیلۂ زنان کُن إقرارٌ بالثّلاث ۲۹ حیلۂ خویش کُن: لا ۳۰ کابینِ تُرا بخشیدم، مَرا ازِ جنگ باز دار إنْ طَلَّقَهَا: سَقَطَ الْمَهْرُ ۳۱ وَإلّا: لا ۳۲ قَالَ لِعَبْدِهٖ: یَا مَالِکِيْ، أوْ لِأمَتِهٖ: أنَا عَبْدُکِ: لا یَعْتِقُ ۳۳ بَرمن سوگند است کہ این کار نہ کنم إقرارٌ بالْیَمِیْنِ بِاللّٰهِ تَعَالٰی ۳۴ وَإنْ قَالَ: بَر من سوگند است بطلاق لَزِمَهٗ ذٰلِکَ ۳۵ فَإنْ قَالَ: قُلْتُ ذٰلِکَ کِذْبًا: لا یُصَدَّقُ ۳۶ وَلَوْ قَالَ: مَرا سوگند خانہ است کہ این کار نہ کنم: فَهُوَ إقْرَارٌ بالْیَمِیْنِ بالطَّلاقِ.

ترجمہ: (شوہر کا یہ کہنا:) تو عورتوں کا حیلہ کر، تین طلاقوں کا اقرار ہے۔ اپنا حیلہ کرو (اقرار) نہیں ہے۔ (بیوی نے کہا:) میں نے مہر تجھے بخش دیا، مجھے جھگڑے سے نجات دو، اگر (شوہر نے) اُسے طلاق دے دی تو مہر ساقط ہو گیا۔ ورنہ نہیں۔ اپنے غلام سے کہا: اے میرے مالک، یا اپنی باندی سے (کہا:) میں تیرا غلام ہوں، تو آزاد نہیں ہوگا۔ مجھ پر قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا، اقرار ہے اللہ تعالیٰ کی قسم کا۔ اور اگر کہا: مجھ پر قسم ہے طلاق کی، تو اس پر یہ (قسم) لازم ہو جائے گی۔ اور اگر کہا: میں نے یہ جھوٹ کہا تھا، تو اس کی تصدیق نہیں ہوگی۔ اور اگر کہا: مجھے گھر کی قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو یہ اقرار ہے طلاق کی قسم کا۔

تشریح:

۲۸ حیلۂ زنان کُن إقرار بالثلاث: شوہر نے اپنی بیوی سے کہا: عورتوں کا حیلہ کرو، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے اقرار کر لیا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں، کیونکہ ان کے عرف میں "عورتوں کا حیلہ" کرنے کا مطلب یہ تھا کہ عدّت کے دن شمار کرو، اور عورت عدّت کے دن اسی وقت شمار کرتی ہے جب تین طلاقیں پڑ جائیں۔

۲۹ حیلۂ خویش کُن: لا: اي: لا یکون إقرار ا بالثلاث. اگر شوہر نے بیوی سے کہا: اپنا حیلہ کرو، تو یہ تین طلاقیں واقع کرنے کا اقرار نہیں ہے، کیونکہ ان کے عرف میں اس کا مطلب عدّت کے دن شمار کرنا نہیں تھا۔

۳۰ کابینِ تُرا بخشیدم، مَرا از جنگ باز دار، إن طلّقها: سقط المهر: کابین معنی مہر۔ مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے شوہر سے کہا: میں نے اپنا مہر تجھے بخش دیا ہے، مجھے جھگڑے سے نجات دو، اگر شوہر نے طلاق دی تو مہر ساقط ہو گیا، کیونکہ عورت مہر کے عوض

طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے، یا مہر کے عوض خلع چاہتی ہے، لہٰذا جب اُسے طلاق مل جائے تو مہر ساقط ہو گیا۔

۶۱ وإلا: لا: أي: وإن لا يطلقها: لا يسقط المهر. یعنی مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عورت کا مطالبہ پورا نہیں ہوا، تو بلا وجہ مہر کیونکر ساقط ہو؟

۶۲ قال لعبده: یا مالکي، أو لأمته: أنا عبدكِ: لا يعتق: مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا: اے میرے مالک، تو اس سے وہ غلام آزاد نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر اپنی باندی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں، تو اس سے باندی آزاد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ نہ صراحتاً آزاد کرنے پر دلالت کرتے ہیں، اور نہ کنایتاً۔

۶۳ بر من سوگند است کہ این کار نہ کنم: إقرار .....الخ: سوگند بمعنی قسم۔ ایک آدمی نے کہا: مجھ پر قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھانے کا اقرار ہے، لہٰذا اگر اس نے وہ کام کر لیا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ قسم اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی ہوتی ہے، اگرچہ صراحتاً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، جیسے ہمارے لوگ کہتے ہیں: ''قسم ہے''۔

۶۴ وإن قال: بر من سوگند است بطلاق: لزمه ذلك: ایک آدمی نے کہا: مجھ پر طلاق کی قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو یہ قسم اس پر لازم ہو جائے گی، لہٰذا اگر وہ کام کر لیا تو بیوی طلاق ہو جائے گی، کیونکہ اس نے گویا طلاق کو کام سے معلق کر دیا، جیسے ہمارے (پٹھان) لوگ کہتے ہیں: طلاق سے یہ کام کروں گا، یا طلاق سے یہ کام نہیں کروں گا۔

۶۵ فإن قال: قلت ذلك كذبا: لا يُصدق: یعنی مذکورہ صورت میں اگر اس آدمی نے کہا کہ میں نے جھوٹ کہا تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، یعنی بہر صورت اس کی قسم منعقد ہو جائے گی، کیونکہ قسم کے صریح الفاظ کہنے کے بعد اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔

۶۶ ولو قال: مرا سوگند خانہ است کہ این کار نہ کنم: فهو .....الخ: ایک آدمی نے کہا: مجھے گھر کی قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو یہ اس نے طلاق کی قسم کھانے کا اقرار کیا، لہٰذا اگر اس نے وہ کام کر لیا تو اس کی بیوی طلاق ہو جائے گی، کیونکہ ان کے عرف میں خانہ (گھر) کنایہ ہوتا تھا عورت سے، تو ان الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے عورت کی طلاق کی قسم ہے کہ یہ کام نہیں کروں گا۔

> ۶۷ قَالَ لِلْبَائِعِ: بَہا را باز دِہ، فَقَالَ الْبَائِعُ: باز دِہم: يَكُوْنُ فَسْخًا لِلْبَيْعِ ۶۸ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا مَا دُمْتُ بِبُخَارَا، فَخَرَجَ مِنْهَا، وَرَجَعَ، وَفَعَلَ: لَا يَحْنَثُ ۶۹ بَاعَ أَتَانًا: لَا يَدْخُلُ جَحْشُهَا فِي الْبَيْعِ ۷۰ اَلْعَقَارُ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ لَا يَخْرُجُ مِنْ يَدِ ذِي الْيَدِ مَا لَمْ يُبَرْهِنِ الْمُدَّعِي ۷۱ عَقَارٌ لَا فِي وَلَايَةِ الْقَاضِي لَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ فِيْهِ.

ترجمہ: (مشتری نے) بائع سے کہا: ثمن واپس دو، بائع نے کہا: واپس کر دیتا ہوں، تو یہ بیع کو فسخ کرنا ہے۔ اگر میں ایسا

کروں جب تک بخارا میں ہوں، پھر وہاں سے نکل گیا اور واپس آ گیا، اور (وہی) کام کرلیا، تو حانث نہیں ہوگا۔ گدھی کو فروخت کیا تو بیع میں اس کا بچہ داخل نہیں ہوگا۔ وہ جائیداد جس میں جھگڑا ہے قابض کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی جب تک مدعی گواہ پیش نہ کرے۔ کوئی جائیداد جو قاضی کی ولایت میں نہیں ہے تو اس کا فیصلہ صحیح نہیں اس میں۔

لغات:

بہا: ثمن، قیمت۔ باز: واپس، پھر سے۔ دِہ: دے دو۔ أتان: گدھی۔ جحش: گدھی کا بچہ۔

تشریح:

⑰ قال للبائع: بہا باز دِہ، فقال البائع ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ مشتری اور بائع کے درمیان بیع ہوگئی، اس کے بعد مشتری نے بائع سے کہا کہ ثمن واپس کردو، بائع نے کہا کہ واپس کردیتا ہوں، تو ان کے درمیان بیع فسخ ہوگئی، اس لئے کہ ثمن واپس کرنا بیع فسخ کرنا ہی ہے، ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ بیع باقی رہے اور ثمن واپس کردیا جائے۔

⑱ إن فعلتُ كذا ما دمتُ ببخار، فخرج منها، و ....إلخ: بخارا میں رہنے والے شخص نے کہا: جب تک میں بخارا میں ہوں اگر میں نے یہ کام کیا تو میری بیوی کو طلاق ہے، پھر وہ وہاں سے نکل گیا اور واپس بخارا آ گیا، اس کے بعد وہ کام کرلیا، تو حانث نہیں ہوگا، کیونکہ قسم کا تعلق پہلی مرتبہ بخارا میں رہنے سے ہے، نہ کہ دوسری مرتبہ رہنے سے۔

⑲ باع أتانًا: لا يدخل جَحشُها في البيع: ایک آدمی نے گدھی کو فروخت کیا، تو بیع میں اس کا بچہ داخل نہیں ہوگا، کیونکہ أتان (گدھی) کا اطلاق صرف گدھی پر ہوتا ہے، نہ کہ اس کے بچے پر بھی، لہٰذا اس بیع میں بچہ داخل نہیں ہوگا۔

⑳ العقار المتنازع فيه: لا يخرج من يد ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ فلاں آدمی کے پاس جو زمین ہے وہ میری ہے، اور اس دعوے پر گواہ بھی پیش کئے، تو قاضی مدعی کیلئے فیصلہ نہیں کرے گا، اور زمین مدعیٰ علیہ کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی، جب تک مدعی اس بات پر بھی گواہ پیش نہ کرے کہ زمین فی الحال مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مدعی دو مرتبہ گواہ پیش کرے: ایک یہ کہ زمین فی الحال مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہے، اور دوسرے یہ کہ یہ زمین میری ملک ہے۔ اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ کرنے کیلئے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے، اور دعویٰ اسی وقت صحیح ہوگا کہ زمین مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہو، اور مدعیٰ علیہ کا قبضہ گواہوں سے ثابت ہوگا۔

㉑ عقار لا في ولاية القاضي: لا يصح قضاؤه فيه: مسئلہ یہ ہے کہ کسی زمین و جائیداد میں لوگوں کا جھگڑا ہے، یہ دعویٰ ایک ایسے قاضی کے پاس لے جایا گیا جس کی حکومت کی حدود میں یہ جائیداد داخل نہیں ہے، تو اس قاضی کا فیصلہ اس میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ فیصلہ کرنے کیلئے قاضی کی ولایت و حکومت ضروری ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسی جائیداد میں قاضی کا فیصلہ صحیح ہے، اگرچہ وہ جائیداد قاضی کی حکومت کی حدود سے باہر ہو۔ [ردالمحتار: ۱۰/ ۴۹۷]

٩١ إِذَا قَضَى الْقَاضِي فِي حَادِثَةٍ بِبَيِّنَةٍ، ثُمَّ قَالَ: رَجَعْتُ عَنْ قَضَائِي، أَوْ بَدَا لِي غَيْرُ ذٰلِكَ، أَوْ وَقَعْتُ فِي تَلْبِيْسِ الشُّهُودِ، أَوْ أَبْطَلْتُ حُكْمِي، وَنَحْوَ ذٰلِكَ: لَا يُعْتَبَرُ، وَالْقَضَاءُ مَاضٍ إِنْ كَانَ بَعْدَ دَعْوَى صَحِيْحَةٍ، وَشَهَادَةٍ مُسْتَقِيْمَةٍ ٩٢ خَبَّأَ قَوْمًا، ثُمَّ سَأَلَ رَجُلًا عَنْ شَيْءٍ، فَأَقَرَّ بِهِ، وَهُمْ يَرَوْنَهُ، وَيَسْمَعُوْنَ كَلَامَهُ، وَهُوَ لَا يَرَاهُمْ: جَازَتْ شَهَادَتُهُمْ ٩٣ وَإِنْ سَمِعُوْا كَلَامَهُ، وَلَمْ يَرَوْهُ: لَا.

ترجمہ: جب قاضی فیصلہ کرے کسی واقعہ میں گواہوں سے، پھر کہے کہ میں نے رجوع کرلیا اپنے فیصلے سے، یا میرے لئے ظاہر ہوا اس کے علاوہ، یا میں واقع ہوا گواہوں کے دام میں، یا میں نے باطل کردیا اپنا فیصلہ، یا اس کی مثل کچھ اور کہے، تو (اس کا کہنا) معتبر نہیں ہوگا اور فیصلہ نافذ ہوگا، بشرطیکہ صحیح دعویٰ اور ٹھیک ٹھیک گواہی کے بعد ہو۔ کچھ لوگوں کو چھپایا، پھر کسی آدمی سے کسی چیز کا سوال کیا، اس نے اس چیز کا اقرار کیا، اور وہ لوگ اُسے دیکھ رہے ہیں اور اس کی بات سن رہے ہیں، اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہا، تو ان کی گواہی جائز ہے۔ اور اگر وہ لوگ اس کی بات سن لیں اور اس کو نہ دیکھیں تو (گواہی جائز) نہیں ہے۔

لغات:

بدا: جیسے دعا، باب نصر سے ماضی ہے، ظاہر ہوا۔ تلبیس: حقیقت کے خلاف ظاہر کرنا، مکروفریب، دام۔ خبأ: چھپایا۔

تشریح:

٩٢ إذا قضى القاضي في حادثة ببينة، ثم ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی واقعہ میں گواہوں کے ذریعے فیصلہ کیا اور پھر کہا کہ میں اپنے فیصلے سے رجوع کرتا ہوں، یا کہا کہ مجھے اس فیصلے کے خلاف ایک اور رائے ظاہر ہوئی، یا کہا کہ میں گواہوں کے مکروفریب میں آگیا، گواہوں نے مجھے دھوکا دیا، یا کہا کہ میں اپنے فیصلے کو باطل کردیتا ہوں، یا اس طرح کچھ اور کہا، تو قاضی کے اس طرح کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور جو فیصلہ اس نے کیا ہے وہی نافذ ہوگا، بشرطیکہ صحیح دعوے اور ٹھیک ٹھیک گواہی کے بعد اس نے فیصلہ کیا ہو، کیونکہ جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کو ترجیح مل گئی، اب اُسے توڑ کر اس کے برخلاف دوسرا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

٩٢ خبّأ قوما، ثم سأل رجلا عن شيء، فأقرّ به ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدّعی نے کچھ لوگوں کو کسی جگہ چھپالیا، اور پھر مدّعیٰ علیہ سے پوچھا کہ کیا وہ میری چیز تمہارے پاس ہے؟ مدّعیٰ علیہ نے اس کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہاں! میرے پاس ہے، وہ چھپائے ہوئے لوگ مدّعیٰ علیہ کی آواز بھی سن رہے ہیں اور اُسے دیکھ بھی رہے ہیں، مگر مدّعیٰ علیہ ان کو نہیں دیکھ رہا، تو ان لوگوں کیلئے جائز ہے کہ قاضی کے سامنے مدّعیٰ علیہ پر گواہی دیں، کیونکہ گواہی دینے کی شرط یہ ہے کہ گواہوں کو یقینی علم حاصل ہو، اور مدّعیٰ علیہ کو دیکھ کر اور اس کی آواز کو سن کر گواہوں کو علم حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا گواہی بھی دے سکیں گے۔

٦٧ إن سمعوا كلامه، ولم يروه: لا: أي: لا تجوز شهادتهم. یعنی مذکورہ صورت میں اگر وہ لوگ مدّعٰی علیہ کی آواز تو سن رہے ہیں، مگر اس کو دیکھ نہیں رہے، تو اس کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ محض کسی کی آواز سننے سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ ایک آواز دوسری آواز کی مشابہ بھی ہوسکتی ہے۔

٦٥ بَاعَ عَقَارًا، وَبَعْضُ أَقَارِبِهِ حَاضِرٌ يَعْلَمُ الْبَيْعَ، ثُمَّ ادَّعَى: لَا تُسْمَعُ ٦٦ وَهَبَتْ مَهْرَهَا لِزَوْجِهَا، فَمَاتَتْ، فَطَالَبَ وَرَثَتُهَا مَهْرَهَا مِنْهُ، وَقَالُوْا: كَانَتِ الْهِبَةُ فِي مَرَضِ مَوْتِهَا، فَقَالَ: بَلْ فِي الصِّحَّةِ: فَالْقَوْلُ لَهُ ٦٧ أَقَرَّ بِدَيْنٍ، أَوْ غَيْرِهِ، ثُمَّ قَالَ: كُنْتُ كَاذِبًا فِيمَا أَقْرَرْتُ: حُلِّفَ الْمُقَرُّ لَهُ عَلَى أَنَّ الْمُقِرَّ مَا كَانَ كَاذِبًا فِيمَا أَقَرَّ، وَلَسْتُ بِمُبْطِلٍ فِيمَا أَدَّعِيهِ عَلَيْهِ ٦٨ اَلْإِقْرَارُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِلْمِلْكِ.

ترجمہ: کسی نے جائیداد فروخت کردی، اور اس کے بعض رشتہ دار حاضر ہیں، ان کو بیع کا علم ہے، پھر دعویٰ کیا، تو نہیں سنا جائے گا۔ بیوی نے ہبہ کردیا اپنا مہر اپنے شوہر کو، پھر مرگئی، اور اس کے ورثہ نے مطالبہ کیا اس کے مہر کا شوہر سے، اور انہوں نے کہا کہ ہبہ اس کے مرض الموت میں تھا، اور شوہر نے کہا: بلکہ صحت میں تھا، تو شوہر کا قول (معتبر) ہے۔ کسی نے دین وغیرہ کا اقرار کیا، پھر کہا کہ میں جھوٹا تھا اس اقرار میں جو میں نے کیا، تو قسم دی جائے گی مقر لہ کو اس بات پر کہ مقر جھوٹا نہیں تھا اس اقرار میں جو اس نے کیا، اور میں باطل پر نہیں ہوں اس دعوے میں جو میں نے اس پر کیا ہے۔ اقرار سبب نہیں ہے ملک کیلئے۔

تشریح:

٦٥ باع عقارا، وبعض أقاربه حاضر يعلم البيع ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے جائیداد (مثلاً زمین) کو بیچ دیا، اور اس کا ایک رشتہ دار بھی بیع کے وقت حاضر ہے، اُسے بیع کا علم بھی ہے اور خاموشی اختیار کی ہوئی ہے، بیع مکمل ہونے کے بعد اس رشتہ نے دعویٰ کیا کہ اس جائیداد میں میرا حق ہے، تو اس کا یہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا، کیونکہ بیع کے وقت حاضر ہوکر خاموش رہنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ میرا حق نہیں ہے، اگر اس کا حق ہوتا تو اسی وقت دعویٰ کرتا۔

٦٦ وهبت مهرها لزوجها، فماتت، فطالب ورثتها مهرها ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت نے اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کردیا، پھر عورت مرگئی، اس کے بعد عورت کے ورثہ نے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ عورت نے مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، اور یہ ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اور وصیت صرف ثلث میں معتبر ہوتی ہے، للہٰذا مہر کے دو ثلث ہمیں واپس کردیے جائیں، شوہر نے کہا کہ نہیں، بلکہ عورت نے صحت کے وقت مہر مجھے ہبہ کردیا، للہٰذا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس دعوے میں نہ ورثہ کے پاس گواہ ہیں اور نہ شوہر کے پاس، تو شوہر کا قول معتبر ہے، کیونکہ ورثہ اس پر مہر واپس کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں، اور شوہر انکار

کررہا ہے، اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے، بشرطیکہ قسم کھالے۔

● أقرَّ بدين، أو غيره، ثم قال: كنتُ كاذبا فيما.....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں آدمی کا دَین ہے، یا کوئی امانت وغیرہ ہے، اس کے بعد مُقِر نے کہا کہ میں نے جھوٹا اقرار کیا، میرے ذمے کچھ بھی نہیں ہے، مگر مُقَرلہٗ دعویٰ کررہا ہے، تو مُقَرلہٗ کو اس طرح قسم دی جائے گی: "اللہ کی قسم مُقِر اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں تھا، اور میں نے جو دعویٰ اس پر کیا ہے اس میں مَیں ناحق پر نہیں ہوں"۔ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔

طرفینؒ کے نزدیک مُقَرلہٗ کو قسم نہیں دی جائے گی، کیونکہ مُقِر کا اقرار خود اس پر حجت ہے، جیسے اس پر گواہ پیش ہوجائیں، تو جس طرح گواہ پیش ہونے کی صورت میں مدّعی کو قسم نہیں دی جاتی، اسی طرح اقرار کرنے کی صورت میں بھی مُقَرلہٗ کو قسم نہیں دی جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر جب لوگ لین دین کا معاملہ کرتے ہیں تو کوئی دستاویز وغیرہ لکھ لیتے ہیں، جبکہ یہاں مُقَرلہٗ کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور محض اقرار کرنا کوئی قوی دلیل نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات مُقِر اپنی سادگی، غلط فہمی یا دباؤ میں آکر بھی اقرار کرتا ہے، لہٰذا مُقِر کے اقرار میں جھوٹ یا غلط فہمی وغیرہ کے احتمال کو ختم کرنے کیلئے مُقَرلہٗ کو قسم دی جائے گی۔

● الإقرار ليس بسبب للملك: اقرار ملک حاصل ہونے کا سبب نہیں ہے، مثلاً زید نے اقرار کیا کہ یہ قلم جو میرے پاس ہے یہ خالد کا ہے، اور خالد جانتا ہے کہ قلم میرا نہیں ہے، تو زید کے اقرار سے خالد کیلئے قلم کی ملک ثابت نہیں ہوگی، اور خالد کیلئے قلم لینا جائز نہیں[1] ہے، کیونکہ اقرار قوی دلیل نہیں ہے، اس میں بہت سے احتمالات ہیں، جن کا ذکر ما قبل والے مسئلے میں ہوگیا۔

> ● قَالَ لِآخَرَ: وَكَّلْتُكَ بِبَيْعِ هٰذَا، فَسَكَتَ: صَارَ وَكِيلًا ● وَكَّلَهَا بِطَلَاقِهَا: لَا يَمْلِكُ عَزْلَهَا ● وَكَّلْتُكَ بِكَذَا عَلٰى أَنِّي مَتٰى عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلِي: يَقُولُ فِي عَزْلِهٖ: عَزَلْتُكَ، ثُمَّ عَزَلْتُكَ ● وَلَوْ قَالَ: كُلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلِي: يَقُولُ: رَجَعْتُ عَنِ الْوَكَالَةِ الْمُعَلَّقَةِ، وَعَزَلْتُكَ عَنِ الْوَكَالَةِ الْمُنَجَّزَةِ.

ترجمہ: (ایک نے) دوسرے سے کہا: میں نے تجھے وکیل بنایا اس (چیز) کے بیچنے کا، اور وہ خاموش رہا، تو وکیل ہوگیا۔ بیوی کو وکیل بنایا اس کی طلاق کی، تو اختیار نہیں رکھتا اس کو معزول کرنے کا۔ میں نے تجھے وکیل بنایا اس چیز کا اس شرط پر کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تُو میرا وکیل ہے، تو اس کو معزول کرنے میں (یوں) کہے: میں نے تجھے معزول کردیا، پھر معزول کردیا۔ اور اگر کہا: جب

---

① اگرچہ زید کے اقرار کے مطابق قاضی خالد کیلئے قلم کا فیصلہ کرے گا، مگر نہ خالد کیلئے لینا جائز ہے، اور نہ اس کیلئے ملک ثابت ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر خالد نے جھوٹے گواہ پیش کرکے ثابت کردیا کہ یہ قلم میرا ہے، اور قاضی نے خالد کیلئے فیصلہ کردیا، تو اگرچہ خالد کیلئے دیانۃً لینا جائز نہیں ہے، مگر قاضی کے فیصلے سے اس کیلئے ملک ثابت ہوجائے گی، لہٰذا فیصلہ کے بعد اگر خالد قسم کھالے کہ یہ قلم میری ملک میں ہے تو حانث نہیں ہوگا۔

بھی میں تجھے معزول کروں تو تُو میرا وکیل ہے، تو (معزول کرنے میں یوں) کہے: میں نے رجوع کیا معلق وکالت سے، اور میں نے تجھے معزول کردیا موجودہ وکالت سے۔

تشریح:

⑭ قال لآخر: وكلتك ببيع هذا .....الخ: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے تجھے اس چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا، وہ آدمی خاموش رہا، تو وکیل بن گیا، کیونکہ ایسی جگہ خاموش رہنے کے یہی معنی ہیں کہ اس نے وکالت کو قبول کرلیا۔

⑮ وكلها بطلاقها: لا يملك عزلها: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنا کر اس سے کہا: تو اپنے آپ کو طلاق دے لو، تو بعد میں بیوی کو معزول نہیں کرسکتا، کیونکہ بیوی کو طلاق کا اختیار دینا اس کو طلاق کا مالک بنانا ہے، تو یہ توکیل نہیں، بلکہ تملیک ہے، کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے کیلئے کام کرے، جبکہ بیوی اپنے لئے طلاق کا کام کرتی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنایا جائے واپس اس سے رجوع نہیں ہوسکتا، لہٰذا بیوی کو طلاق کا اختیار دے کر واپس اُس سے اختیار نہیں لیا جاسکتا۔

⑯ وكلتك بكذا على أني متى عزلتك فأنت وكيلي .....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے اس کام کیلئے تجھے وکیل بنایا، اس شرط پر کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تُو میرا وکیل ہے، تو اس وکیل کو معزول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ موکل اس سے یوں کہے: میں نے تجھے معزول کردیا، پھر معزول کردیا، دومرتبہ کہنا اس لئے ضروری ہے کہ وکیل کو دومرتبہ وکیل بنایا گیا ہے: ایک مرتبہ غیر مشروط اور دوسری مرتبہ وکالت کو معزول کرنے سے مشروط کردیا، لہٰذا اب اس کو معزول کرنا بھی دومرتبہ میں ہوگا، تاکہ مشروط اور غیر مشروط دونوں وکالتوں سے معزول ہوجائے۔

⑰ ولو قال: كلما عزلتك فأنت وكيلي: يقول.....الخ: ایک آدمی نے دوسرے کو اپنا وکیل بنا کر کہا: جب بھی میں تجھے معزول کردوں تو تُو میرا وکیل ہے۔ اب اس وکیل کو معزول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ موکل اس سے یوں کہے: جس وکالت کو میں نے معزولی سے مشروط کیا تھا اس سے میں رجوع کرتا ہوں، اور موجودہ وکالت سے میں نے تجھے معزول کردیا۔ یہاں بھی وکیل کو دومرتبہ وکیل بنایا گیا ہے: ایک مرتبہ غیر مشروط اور پھر مشروط۔ لہٰذا اگر اس کو مشروط وکالت سے معزول کردیا جائے تو وہ پھر سے وکیل بن جائے گا، اور مسلسل ایسا ہوتا رہے گا، کیونکہ موکل نے كلما (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا ہے، اور یہ مسلسل تکرار پر دلالت کرتا ہے، تو معزول کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے مشروط وکالت سے رجوع کیا جائے تاکہ كلما کے ذریعے جو وکالت مشروط تھی وہ ختم ہوجائے، اس کے بعد غیر مشروط (منجزة) وکالت سے معزول کردے، اس کے بعد دوبارہ وکیل نہیں بنے گا۔

⑱ قَبْضُ بَدَلِ الصُّلْحِ شَرْطٌ إِنْ كَانَ دَيْنًا بِدَيْنٍ ⑲ وَإِلَّا: لَا ⑳ اِدَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى صَبِيٍّ دَارًا، فَصَالَحَهُ أَبُوْهُ عَلٰى مَالِ الصَّبِيِّ، فَإِنْ كَانَ لِلْمُدَّعِي بَيِّنَةٌ: جَازَ إِنْ كَانَ بِمِثْلِ

الْقِيْمَةِ، أَوْ أَكْثَرَ مِمَّا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْهِ ۞ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ، أَوْ كَانَتْ غَيْرَ عَادِلَةٍ: لَا ۞ قَالَ: لَا بَيِّنَةَ لِي، فَبَرْهَنَ، أَوْ: لَا شَهَادَةَ لِي، فَشَهِدَ: تُقْبَلُ.

ترجمہ: قبضہ کرنا بدلِ صلح پر شرط ہے، بشرطیکہ (صلح) دَین ہو دَین کے عوض۔ ورنہ نہیں۔ ایک آدمی نے دعویٰ کیا بچے پر گھر کا، پس اس سے صلح کی بچے کے باپ نے بچے کے مال پر، تو اگر مدّعی کے پاس گواہ ہوں تو جائز ہے، بشرطیکہ مثلِ قیمت سے ہو، یا زیادہ ہو جس میں لوگ چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، یا غیر عادل ہیں تو (جائز) نہیں ہے۔ (مدّعی نے) کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، پھر گواہ پیش کئے، یا (گواہ نے) کہا کہ میرے لئے گواہی نہیں ہے، پھر گواہی دے دی، تو قبول کی جائے گی۔

تشریح:

۞ قبض بدلِ الصلح شرط إن كان ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ کے ذمہ میرے سو دراہم دین ہیں، مدّعیٰ علیہ نے انکار کیا، بعد میں پچاس دینار پر صلح ہوئی، تو یہ ایسی صلح ہے جو دَین (سو دراہم) سے دَین (پچاس دینار) کے عوض ہوئی، اس صلح کی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ بدلِ صلح (پچاس دینار) پر اسی مجلس میں قبضہ کرلیا جائے، ورنہ صلح صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں درحقیقت سو دراہم کا پچاس دینار سے تبادلہ ہوگیا، اور یہ بیع صَرف ہے، کیونکہ دونوں طرف ثمن ہے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ ایک عوض پر مجلس میں قبضہ کیا جائے، ورنہ بیع الكالي بالكالي (ادھار کی بیع ادھار سے) ہوجائے گی، جس سے حدیث میں منع آیا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الصرف مسئلہ نمبر (۲) میں گزر چکی ہے۔

۞ وإلّا: لا: أي: وإن لا يكون دينا بدين: لا يشترط القبض. یعنی مذکورہ صورت میں اگر دَین کی صلح دَین کے عوض نہ ہو، بلکہ عین کے عوض ہو، تو بدلِ صلح پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، مثلاً مذکورہ صورت میں اگر سو دراہم سے گھڑی کے عوض صلح ہوجائے، تو اسی مجلس میں گھڑی پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ یہاں بیع الكالي بالكالي لازم نہیں آتی، بلکہ یہ بیع العين بالدين ہے، اور اس میں عین (مثلاً گھڑی) پر فی الحال قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

۞ ادّعى رجلٌ على صبيّ دارا، فصالحه أبوه ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی بچے کی ملک میں کوئی مکان ہے، ایک آدمی نے آکر بچے پر اس مکان کا دعویٰ کیا، اور اس نے اپنے دعوے کو گواہوں سے ثابت بھی کیا، پھر بچے کے باپ نے بچے کا کچھ مال دے کر مدّعی سے صلح کی، تو یہ صلح صحیح ہے، بشرطیکہ باپ نے مدّعی کو جو مال دیا ہے وہ اس مکان کی قیمت کے برابر ہو، یا قیمت سے تھوڑا سا زیادہ ہو جس میں لوگ چشم پوشی کرلیتے ہیں۔ صلح اس لئے جائز ہے کہ اس میں بچے کا فائدہ ہے، اس کیلئے مکان صحیح سالم رہے گا، اگر باپ صلح نہ کرے تو مدّعی مکان لے جائے گا۔ البتہ باپ کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ مکان کی قیمت سے اتنے زیادہ مال پر صلح کرے جس میں لوگ چشم پوشی نہیں کرتے، کیونکہ اس میں بچے کا سراسر نقصان ہے۔

۵۷ وإن لم تكن له بينه، أو كانت غير عادلة: لا: أي: لا يجوز الصلح. یعنی مذکورہ صورت میں اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں، یا گواہ تو ہیں لیکن وہ عادل نہیں ہیں فاسق ہیں، تو ایسی صورت میں باپ کیلئے بالکل جائز نہیں کہ مدعی سے بچے کے مال پر صلح کرے، کیونکہ یہاں مدعی سے کوئی خطرہ نہیں ہے کہ وہ مکان لے جائے گا، تو صلح کر کے مال برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

۵۸ قال: لا بينة لي، فبرهن، أو لا شهادة لي، فشهد: تقبل: مدعی نے کہا کہ اس دعوے میں میرے پاس گواہ نہیں ہیں، مگر بعد میں گواہ پیش کردیے، یا گواہ نے کہا کہ اس واقعہ میں میری گواہی نہیں ہے، مگر بعد میں گواہی دے دی، تو دونوں صورتوں میں گواہی قبول ہوگی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مدعی کو پہلے اپنے گواہ یاد نہیں تھے، بعد میں یاد آئے، یا گواہ کو وہ واقعہ یاد نہیں تھا، بعد میں یاد آیا، اور اس طرح بھول جانا ممکن بھی ہے، لہٰذا اس سے گواہی مردود نہیں ہوگی۔

۵۸ لِلْإِمَامِ الَّذِي وَلَّاهُ الْخَلِيفَةُ أَنْ يُقْطِعَ إِنْسَانًا مِنْ طَرِيقِ الْجَادَّةِ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ ۵۹ وَمَنْ صَادَرَهُ السُّلْطَانُ، وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَالِهِ، فَبَاعَ مَالَهُ: صَحَّ ۶۰ خَوَّفَهَا بِالضَّرْبِ حَتّٰى وَهَبَتْهُ مَهْرَهَا: لَمْ تَصِحَّ إِنْ قَدَرَ عَلَى الضَّرْبِ ۶۱ وَإِنْ أَكْرَهَهَا عَلَى الْخُلْعِ: وَقَعَ الطَّلَاقُ، وَلَا يَسْقُطُ الْمَالُ.

ترجمہ: اس امام کیلئے جائز ہے جس کو مقرر کیا ہو خلیفہ نے کہ کسی شخص کو دے دے عام راستے میں سے، بشرطیکہ ضرر نہ پہنچائے گزرنے والوں کو۔ اور وہ شخص جس سے بادشاہ مال لینا چاہے اور معین نہ کیا ہو اس کے مال کی بیع کو، پس اس نے اپنا مال فروخت کردیا تو صحیح ہے۔ (شوہر نے) بیوی کو ڈرایا مارنے سے، یہاں تک کہ بیوی نے اپنا مہر اُسے ہبہ کردیا، تو صحیح نہیں ہے، بشرطیکہ قادر ہو اس کو مارنے پر۔ اور اگر اس کو مجبور کردیا خلع کرنے پر تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور مال ساقط نہیں ہوگا۔

لغات:

وَلّاهُ: وَلّٰى، يُوَلِّي، تَوْلِيَةً کے معنی ہیں: مقرر کرنا، والی بنانا، گورنر بنانا۔ يُقْطِعُ: اِفعال کے باب سے مضارع ہے، کسی کو زمین دینا۔ الجادّة: عام راستہ، شاہراہ۔ المارّة: جمع ہے مارّ کی، گزرنے والے۔ صادرَ: کسی سے زبردستی مال کا مطالبہ کرنا، جرمانہ لگانا، چھاپہ مار کرلینا۔

تشریح:

۵۸ لـلإمـام الّذي ولّاه الخليفةُ أن يُقطع .... إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ وہ امام (قاضی/حاکم) جس کو خلیفہ (امیر المؤمنین/بادشاہ) نے مقرر کیا ہے اس کیلئے جائز ہے کہ عام راستے میں سے کچھ زمین کسی شخص کو دے دے، کیونکہ امام نائب ہوتا ہے خلیفہ کا، لہٰذا جس طرح خلیفہ عوام الناس کے مصالح میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے اسی طرح اس کا نائب بھی کرسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس تصرف

کرنے سے گزرنے والوں کو ضرر نہ پہنچے۔ اگر راستہ تنگ ہو کر گزرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو کسی کیلئے ایسا تصرف کرنا جائز نہیں۔

۵۹ ومن صادره السلطانُ، ولم يُعيِّن بيعَ ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ بادشاہ نے کسی شخص سے زبردستی مال کا مطالبہ کیا، مگر یہ متعین کر کے نہیں کہا کہ تم ضرور اپنا مال بیچ کر اس کا ثمن مجھے دے دو، اس آدمی نے خود جا کر اپنا مال بیچ کر ثمن بادشاہ کو دے دیا، تو اس کی یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ بیع کرنے میں وہ بادشاہ کی طرف سے مجبور نہیں ہے، بلکہ اپنی مرضی سے کرتا ہے، اور اپنی مرضی سے اپنا مال بیچنا صحیح ہے، بادشاہ نے اس کو مطلقاً مال دینے پر مجبور کیا ہے، خواہ یہ مال وہ بیع کے ذریعے حاصل کرے، یا کسی اور طریقہ سے حاصل کرے۔

۶۰ خوّفها بالضرب حتى وهبته مهرَها: لم تصح ...الخ: مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو مارنے کی دھمکی دے کر ڈرایا تا کہ وہ اُسے اپنا مہر بخش دے، چنانچہ بیوی نے بھی ڈر کے مارے اپنا مہر اُسے بخش دیا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر واقعی مارنے پر قادر ہو تو بیوی کا بخشنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے زبردستی میں بخشا ہے، اور بخشنا تملیک ہے، اور تملیک زبردستی میں نہیں ہوتی، خوشی سے ہوتی ہے۔ البتہ اگر شوہر مارنے پر قادر نہ ہو اور بیوی اُسے مہر بخش دے تو صحیح ہے، کیونکہ یہاں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

۶۱ وإن أكرهها على الخلع: وقع الطلاق، ولا يسقط المال: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو خلع کرنے پر مجبور کر دیا، اور خلع کا عوض اس مہر کو قرار دیا جو شوہر کے ذمہ پر ہے، بیوی نے بھی مجبور ہو کر خلع کر لیا، تو اس سے طلاق پڑ جائے گی، کیونکہ مُکرَہ کی طلاق پڑ جاتی ہے، لیکن وہ مال (مہر) جو شوہر کے ذمہ ہے وہ ساقط نہیں ہوگا، شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو دے دے، کیونکہ مال (مہر) ساقط ہونے اور بخشنے میں رضامندی شرط ہے، اور وہ یہاں نہیں ہے۔

۶۲ وَلَوْ أَحَالَتْ إِنسَانًا عَلَى الزَّوْجِ، ثُمَّ وَهَبَتِ الْمَهْرَ لِلزَّوْجِ: لَاتَصِحُّ ۶۳ اِتَّخَذَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ، أَوْ بَالُوعَةً، فَنَزَّ مِنْهَا حَائِطُ جَارِهِ، وَطَلَبَ تَحْوِيلَهُ: لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ ۶۴ فَإِنْ سَقَطَ الْحَائِطُ مِنْهُ: لَمْ يَضْمَنْ ۶۵ عَمَّرَ دَارَ زَوْجَتِهِ بِمَالِهِ بِإِذْنِهَا: فَالْعِمَارَةُ لَهَا، وَالنَّفَقَةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا ۶۶ وَلِنَفْسِهِ بِلَا إِذْنِهَا: فَلَهُ ۶۷ وَلَوْ عَمَّرَهَا لَهَا بِلَا إِذْنِهَا: فَالْعِمَارَةُ لَهَا، وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ فِي النَّفَقَةِ.

ترجمہ: اور اگر بیوی نے حوالہ دیا کسی شخص کو شوہر پر، اور پھر مہر ہبہ کر دیا شوہر کو تو صحیح نہیں ہے۔ کنواں بنایا اپنی ملک میں، یا نالی (بنائی)، پھر اس سے نمناک ہوئی پڑوسی کی دیوار اور (پڑوسی نے) مطالبہ کیا اس کے پھیر دینے کا، تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دیوار گر گئی اس وجہ سے تو ضمان نہیں دے گا۔ تعمیر کیا اپنی بیوی کے گھر کو اپنے مال سے، اس کی اجازت سے، تو عمارت بیوی کی ہے، اور خرچہ اس پر دَین ہے۔ اور (اگر) اپنے لئے (تعمیر کیا) اس کی اجازت کے بغیر، تو (عمارت) اُسی کی ہے۔ اور اگر تعمیر کیا بیوی کیلئے اس کی اجازت کے بغیر، تو عمارت بیوی کی ہے، اور شوہر متبرّع ہوگا خرچہ کرنے میں۔

لغات:

أحـالـتْ: باب إفعال (إحالة) سے ماضی مؤنث ہے، حوالہ دینا۔ بـالـوعة: نالی۔ نـزّ: باب نصر سے ماضی ہے، کسی جگہ کا مرطوب اور نمناک ہونا۔ تحویل: پھیر دینا، موڑ دینا۔ عمّر: تعمیر کرنا، آباد کرنا، عمارت بنانا۔

تشریح:

● ولو أحالت إنسانا على الزوج، ثم ....الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت پر ایک آدمی کا دَین ہے، دائن نے عورت سے اپنے دَین کا مطالبہ کیا، عورت نے دائن کو اپنے شوہر پر حوالہ دے کر کہا کہ جاؤ میرے شوہر پر میرا جو مہر ہے اس کو اپنے دَین میں اس سے وصول کرلو، اس کے بعد عورت نے اپنا مہر شوہر کو ہبہ کر دیا، تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ مہر کے ساتھ دائن کا حق متعلق ہوگیا، وہ اسی مہر سے اپنا دَین وصول کرے گا، اور ہبہ کرنے سے اس کا حق ضائع ہوجائے گا، اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا۔

● اتّخذ بئرا في ملكه، أو بالوعة، فنزّ منها حائط ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی ملکیتی زمین میں کنواں بنایا، یا پانی نکالنے کی نالی بنائی، اور اس سے پڑوسی کی دیوار نمناک ہوگئی، پھر پڑوسی نے بنانے والے سے مطالبہ کیا کہ کنویں یا نالی کو یہاں پھیر کر دوسری جگہ بناؤ، تو بنانے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس نے خالص اپنی ملک میں تصرف کیا ہے، جس کا اُسے حق ہے۔ البتہ پڑوسی سے ضرر دفع کرنے کی خاطر نرمی کے ساتھ بنانے والے سے پھیرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

● فإن سقط الحائط منه: لم يضمن: یعنی مذکورہ صورت میں اگر اس کنویں یا نالی کی وجہ سے پڑوسی کی دیوار گرگئی تو بنانے والا اس کا تاوان نہیں دے گا، کیونکہ اس نے کوئی ناجائز تجاوز نہیں کیا ہے، بلکہ تجاوز کے بغیر نقصان کا سبب بن گیا ہے، اور اس کی وجہ سے ضمان واجب نہیں ہوتا۔

● عـمّـر دارَ زوجته بماله بإذنها: فالعمارة لها ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کے مکان میں بیوی کی اجازت سے اپنے پیسوں سے عمارت بنائی، تو یہ عمارت بیوی کی ہوگی، کیونکہ مکان کی ملکیت بیوی کی ہے، اور بیوی نے شوہر کو تعمیر کرنے کی جو اجازت دی ہے وہ صحیح ہے، تو یہ ایسا ہوا جیسے بیوی خود اپنے مکان میں تعمیر کرے۔ اور شوہر نے جو خرچہ کیا ہے وہ بیوی پر دَین ہوگا، کیونکہ شوہر اس میں متبرع نہیں ہے، بلکہ بیوی کی اجازت اور اس کے حکم سے خرچہ کیا ہے، لہٰذا وہ اپنا خرچہ بیوی سے لے سکتا ہے۔

● ولـنـفـسـه بـلا إذنها: فلَهُ: أي: إن عمّر لنفسه بلا .... یعنی مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے بیوی سے اجازت لئے بغیر اپنے لئے عمارت بنائی، تو عمارت شوہر کی ہوگی، کیونکہ عمارت کا میٹریل (اینٹ، پتھر وغیرہ) شوہر کا ہے، تو اس سے بننے والی عمارت بھی اسی کی ملک ہوگی۔ البتہ شوہر نے اپنی عمارت سے بیوی کی زمین کو مشغول کر دیا ہے، لہٰذا بیوی کو حق ہے کہ شوہر کو عمارت توڑنے پر مجبور کردے۔

● ولو عـمّـرهـا لها بـلا إذنها: فالعمارة لها ....إلخ: یعنی مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے بیوی کیلئے اس کی

اجازت کے بغیر تعمیر کی، تو عمارت بیوی کی ہوگی، کیونکہ شوہر نے اسی کیلئے بنا کر اس کو مالک بنادیا، اور شوہر نے جو خرچہ کیا ہے اس میں وہ متبرع ہوگا، بیوی سے نہیں لے سکتا، کیونکہ اس نے بیوی کی اجازت کے بغیر یہ خرچہ کیا ہے، اور دوسرے کیلئے اس کی اجازت کے بغیر خرچہ کرنا تبرع ہی ہے۔

۱۸ وَلَوْ أَخَذَ غَرِيمَهُ، فَنَزَعَهُ إِنْسَانٌ مِنْ يَدِهِ: لَمْ يَضْمَنْ ۱۹ فِي يَدِهِ مَالُ إِنْسَانٍ، فَقَالَ لَهُ السُّلْطَانُ: اِدْفَعْ إِلَيَّ هٰذَا الْمَالَ، وَإِلَّا: اَقْطَعُ يَدَكَ، أَوْ أَضْرِبُكَ خَمْسِينَ، فَدَفَعَ: لَمْ يَضْمَنْ ۲۰ وَضَعَ مِنْجَلًا فِي الصَّحْرَاءِ لِيَصِيدَ بِهِ حِمَارَ وَحْشٍ، وَسَمّٰى عَلَيْهِ، فَجَاءَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي، وَوَجَدَ الْحِمَارَ مَجْرُوحًا مَيِّتًا: لَمْ يُؤْكَلْ ۲۱ كُرِهَ مِنَ الشَّاةِ: الْحَيَاءُ، وَالْخُصْيَةُ، وَالْغُدَّةُ، وَالْمَثَانَةُ، وَالْمَرَارَةُ، وَالدَّمُ الْمَسْفُوحُ، وَالذَّكَرُ، وَنُخَاعُ الصُّلْبِ.

ترجمہ: اگر (کسی نے) پکڑلیا اپنا مدیون، پھر اس کو اس کے ہاتھ سے چھڑالیا کسی آدمی نے تو ضمان نہیں دے گا۔ کسی کے ہاتھ میں کسی آدمی کا مال ہے، پس بادشاہ نے اس سے کہا: یہ مال مجھے دے دو، ورنہ میں تمہارا ہاتھ کاٹ دوں گا، یا تجھے ماروں گا پچاس (کوڑے) پس اس نے دے دیا، تو ضمان نہیں دے گا۔ (کسی نے) درانتی رکھ دی جنگل میں تاکہ اس سے شکار کرے وحشی گدھا، اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی، پھر دوسرے دن آ گیا اور گدھے کو زخمی مرا ہوا پایا، تو نہیں کھایا جائے گا۔ مکروہ ہیں بکری میں سے فرج، خصیہ، غدود، مثانہ، پتا، بہتا ہوا خون، ذکر اور پیٹھ کا حرام مغز۔

لغات:

منجلا: درانتی، کھیت کاٹنے کا آلہ۔ الحیاء: فرج۔ الخصیة: خصیہ، فوطہ۔ الغدة: غدود۔ المثانة: مثانہ، پیشاب جمع ہونے کی تھیلی۔ المرارة: پتا۔ المسفوح: بہتا ہوا۔ نخاع: حرام مغز۔

تشریح:

۱۸ ولو أخذ غريمه، فنزعه إنسان.....إلخ: ایک آدمی نے اپنا مدیون پکڑ لیا، دوسرے آدمی نے آ کر اس کے ہاتھ سے چھڑالیا، اور مدیون بھاگ کر غائب ہوگیا، تو چھڑانے والے پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ دائن کے دَین کی ہلاکت کا اصل سبب قریب مدیون کا بھاگنا ہے، جو مدیون کا اختیاری فعل ہے، ہاتھ سے چھڑالینا سبب بعید ہے، لہٰذا دَین کی ہلاکت کی نسبت مدیون کے فعل (بھاگنے) کی طرف ہوگی، نہ کہ چھڑانے کی طرف، یعنی ہم کہتے ہیں کہ دائن کا دَین بھاگنے کی وجہ سے ہلاک ہوا، نہ کہ چھڑانے کی وجہ سے۔

㊴ في يده مال إنسان، فقال له السلطان ....إلخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کے ہاتھ میں دوسرے آدمی کا مال ہے، بادشاہ نے زید سے کہا کہ یہ مال میرے حوالے کردو، ورنہ میں تمہارا ہاتھ کاٹ دوں گا، یا پچاس کوڑے لگاؤں گا، زید نے بھی ڈر کے مارے وہ مال بادشاہ کو دے دیا، تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ بادشاہ کو دینے میں وہ مجبور ہے، اور مجبور پر ضمان نہیں آتا۔

㊵ وضع منجلا في الصحراء ليصيد به حمارَ....إلخ: ایک آدمی نے جنگل میں درانتی اس غرض سے گاڑ دی تاکہ اس سے وحشی گدھا شکار کرے، اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھی، اگلے دن آکر دیکھا کہ وہاں ایک وحشی گدھا زخمی مرا ہوا پڑا ہے، تو وہ مردار ہے، اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ شکاری اس جانور کو ذبح کرے، یا زخمی کردے، جبکہ یہاں اس نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ گدھا خود گر کر زخمی ہوگیا ہو، اور یہ ایسا ہے جیسے پہاڑ سے گر کر زخمی ہوجائے، ظاہر ہے کہ مردار ہے۔

㊶ وكره من الشاة: الحياء، والخصية، والغدة، و ....إلخ: مسئلہ یہ ہے کہ حلال جانور جیسے بکری وغیرہ کے جسم میں آٹھ چیزوں کا کھانا مکروہ تحریمی ہے: فرج، خصیے، غدود، مثانہ، پتا، بہتا ہوا خون، ذکر اور ریڑھ کی ہڈی کا حرام مغز۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے بکری میں سے ذکر، خصیے، فرج، غدود، پتا، مثانہ اور خون کو مکروہ قرار دیا۔ [تبیین: ۶/۲۲۶] امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ خون حرام ہے، اور باقی چیزیں مکروہ ہیں۔

کنز کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حرام مغز کھانا بھی مکروہ ہے، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ حرام مغز نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ، بیچارہ یوں ہی بدنام ہوگیا۔ [کفایت المفتی: ۹/۱۲۳] یہی وجہ ہے کہ کنز الدقائق کے تصحیح شدہ نسخوں میں "ونخاع الصلب" کے الفاظ نہیں ہیں۔

> ㊷ لِلْقَاضِي أَنْ يُقْرِضَ مَالَ الْغَائِبِ، وَالطِّفْلِ، وَاللُّقْطَةِ ㊸ صَبِيٌّ حَشَفَتُهُ ظَاهِرَةٌ، بِحَيْثُ لَوْ رَآهُ إِنْسَانٌ ظَنَّهُ مَخْتُونًا، وَلَا تُقْطَعُ جِلْدَةُ ذَكَرِهِ إِلَّا بِتَشْدِيدٍ: تُرِكَ ㊹ كَشَيْخٍ أَسْلَمَ، وَقَالَ أَهْلُ الْبَصِيرَةِ: لَا يُطِيقُ الْخِتَانَ ㊺ وَوَقْتُهُ سَبْعُ سِنِينَ ㊻ وَالْمُسَابَقَةُ بِالْفَرَسِ، وَالْإِبِلِ، وَالْأَرْجُلِ، وَالرَّمْيِ جَائِزَةٌ ㊼ وَحَرُمَ شَرْطُ الْجُعْلِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، لَا مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ.

ترجمہ: قاضی کیلئے (جائز) ہے کہ قرض پر دے غائب، بچے اور لقطہ کا مال۔ کسی بچے کی سپاری ایسی کھلی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص اُسے دیکھے تو اس پر گمان کرے مختون ہونے کا، اور نہیں کاٹی جاسکتی اس کے ذکر کی کھال مگر سختی کے ساتھ، تو چھوڑ دیا جائے گا۔ جیسے وہ بوڑھا جو اسلام لائے اور تجربہ کار لوگ کہیں کہ ختنہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اس کا وقت سات سال ہے۔ آپس میں مقابلہ کرنا گھوڑے، اونٹ، پاؤں اور تیراندازی سے جائز ہے۔ اور حرام ہے انعام کی شرط لگانا دونوں جانب سے، نہ کہ ایک جانب سے۔

تشریح:

للقاضي أن يُقرِض مالَ الغائب، و ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کیلئے جائز ہے کہ غائب آدمی کا مال، یتیم بچے کا مال اور لقطہ کا مال کسی شخص کو قرض پر دے دے، کیونکہ ایسے مال کی حفاظت کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسے قرض پر دیا جائے۔
مگر قاضی کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کام نہیں کرسکتا، کیونکہ قاضی قرض پر دے کر واپس وصول بھی کرسکتا ہے، جبکہ قاضی کے علاوہ دوسرا آدمی اگر قرض پر دے دے تو ہوسکتا ہے کہ اس کیلئے وصول کرنا مشکل ہوجائے۔

صبي حشفتة ظاهرة بحيث لو رآه إنسان ظنه مختونا ....الخ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائشی طور پر ایسا ہے کہ اس کی سپاری (ذکر کا سر) ایسی کھلی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص اُسے دیکھے تو اس پر ختنہ کئے ہوئے کا خیال کرے، اور سپاری کے ارد گرد جو کھال ہے وہ اتنی چھوٹی ہے کہ اس کو سختی کے ساتھ کھینچے بغیر نہیں کاٹا جاسکتا، تو اس کو ختنہ کئے بغیر چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ ختنہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سپاری کھل جائے، اور یہاں جب پہلے ہی سے سپاری ظاہر ہے تو ختنہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

كشيخ أسلم، وقال أهلُ البصيرة ....الخ: یعنی مذکورہ مسئلے میں بچہ ایسا ہے جیسے وہ بڈھا آدمی جو اسلام لائے اور اس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس کا ختنہ ہوجائے تو وہ تکلیف کو برداشت نہیں کرسکے گا، یا اس کا زخم ٹھیک ہی نہ ہوگا، تو اس کو بھی بغیر ختنہ چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ وہ معذور ہے، ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا۔

ووقته سبعُ سنين: بچے کا ختنہ کرانے کی مستحب عمر سات سال ہے، کیونکہ اسی وقت سے بچے کو نماز اور طہارت کے احکام سکھائے جاتے ہیں۔ اگر بچہ کمزور ہے، ختنہ کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا، تو بالغ ہونے تک مؤخر کیا جائے، بالغ ہونے پر ختنہ کرانا واجب ہے، اس سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔

والمسابقة بالفرس، والإبل، و ....الخ: آپس میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ، اونٹ دوڑانے کا مقابلہ، پیدل دوڑنے کا مقابلہ اور تیر اندازی کا مقابلہ کرنا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقابلہ نہیں ہے مگر اونٹ دوڑانے، تیر اندازی کرنے اور گھوڑے دوڑانے میں۔ [أبوداؤد] اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو کسی شخص کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرنے کی اجازت دی۔ [تبیین: ۶/۲۲۷] اور مجاہدین کو تو اس طرح کی ریاضتوں اور مشقوں کی حاجت وضرورت بھی ہے۔

وحرم شرط الجُعل من الجانبين، لا ....الخ: مقابلہ اور مسابقہ کرنے میں دونوں طرف سے انعام مقرر کرنا حرام ہے، مثلاً یوں کہے: اگر میں آگے نکل گیا تو تمہارے اوپر ہزار روپے دینا لازم ہوں گے، اور اگر تم آگے نکل گئے تو میرے اوپر ہزار روپے دینا لازم ہیں، یہ اس لئے حرام ہے کہ یہ قمار (جوا) ہے جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔
البتہ ایک طرف سے انعام مقرر کرنا حرام نہیں ہے، مثلاً یوں کہے: اگر میں آگے نکل گیا تو تمہارے اوپر ہزار روپے دینا ہوں گے، اور اگر تم آگے نکل گئے تو میرے اوپر کچھ بھی نہیں ہے، اس میں قمار نہیں ہے، اس لئے جائز ہے۔

⑱ وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ، وَالْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، إِلَّا بِطَرِيْقِ التَّبَعِ ⑲ وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيْرُوْزِ، وَالْمَهْرَجَانِ لَا يَجُوْزُ ⑳ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْقَلَانِسِ ㉑ وَنُدِبَ لُبْسُ السَّوَادِ ㉒ وَإِرْسَالُ ذَنَبِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ إِلٰى وَسَطِ الظَّهْرِ ㉓ وَلِلشَّابِ الْعَالِمِ أَنْ يَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّيْخِ الْجَاهِلِ ㉔ وَلِحَافِظِ الْقُرْآنِ أَنْ يَخْتِمَ فِي كُلِّ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا.

ترجمہ: اور درود نہ پڑھا جائے انبیاء اور ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ پر مگر تبعیت کے طریقہ سے۔ اور دینا نیروز اور مہر جان کے نام سے جائز نہیں ہے۔ اور حرج نہیں ہے گوشہ دار ٹوپی پہننے میں۔ اور مستحب ہے سیاہ پہننا۔ اور عمامے کا شملہ چھوڑنا کندھوں کے درمیان پیٹھ کے درمیان تک۔ اور جوان عالم کیلئے (جائز) ہے کہ آگے ہو جائے جاہل بوڑھے سے۔ اور حافظ قرآن کیلئے چاہئے کہ ختم کرلیا کرے ہر چالیس دن میں۔

تشریح:

⑱ **ولا يُصلّٰى على غير الأنبياء، و...... الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ اور لوگوں پر درود نہ پڑھا جائے، یہ مکروہ اور گناہ کا کام ہے۔ [ردالمحتار: ۱۰/۵۱۸] کیونکہ درود میں وہ تعظیم ہے جو اس کے علاوہ کسی بھی دعا میں نہیں ہے، لہٰذا نبی اور فرشتے کے علاوہ کسی بھی انسان کے ساتھ کہنا مناسب نہیں ہے، جس سے ہر وقت گناہ صادر ہونا ممکن ہو۔ البتہ نبی اور فرشتے کے علاوہ پر تبعیت میں درود پڑھنا جائز ہے، یعنی اصلاً و بالذات تو نبی پر پڑھا جائے اور ان کی تبعیت میں غیر پر بھی پڑھا جائے، جیسے ہم پڑھتے ہیں: "اللّٰهم صلّ على محمّد و آله و أصحابه" یہاں آل اور اصحاب پر درود پڑھنا حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعظیم ہے۔

صحابی کے نام کے ساتھ "رضي الله عنه" اور امت کے دیگر صلحاء کے ساتھ "رحمة الله تعالى عليه" کہنا مستحب ہے، اور اس کے برعکس کرنا بھی جائز ہے۔

⑲ **والإعطاء باسم النيروز، والمهرجان لايجوز:** مسئلہ یہ ہے کہ نوروز اور مہرجان کے نام سے کسی کو ہدیہ وتحفہ دینا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی کو کچھ دے کر کہے: "یہ اس دن کا ہدیہ ہے"، کیونکہ یہ کفار کی خوشی کے دن[1] ہیں، مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ ان کے تہواروں میں شریک ہو کر خوشی منائے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے نوروز کی خوشی اور تعظیم میں کسی کافر کو ایک انڈا بھی ہبہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔ نوروز موسم بہار کی شروعات ہیں، اور مہرجان موسم خزاں کی شروعات کو کہتے ہیں۔

---

① تاریخی اعتبار سے نوروز اور مہرجان مجوسیوں اور آتش پرستوں کے تہوار ہیں، آج کل ایران میں سرکاری سطح پر بڑے زور وشور کے ساتھ یہ تہوار منائے جاتے ہیں، حتی کہ ان کے ہاں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی نوروز کی ہے۔

⑩ ولا بـأس بلبس القلانس: گوشہ دارٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے مراد ''کُلاہ'' ہے، یعنی وہ ٹوپی جس کے لٹکے ہوئے کنارے ہوتے ہیں، جن میں کان چھپ جاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس گوشہ دارٹوپیاں تھیں جن کو آپ پہنا کرتے تھے۔[تکملۃ البحر:۹/۳۶۲]

⑪ وندب لبس الأسود: سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہننا مستحب① ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے السیر الکبیر کے باب الغنائم میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سیاہ پہننا مستحب ہے۔[تکملۃ البحر:۹/۳۶۲]

ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ ﷺ کے مبارک سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ مگر آپ ﷺ کو سب سے زیادہ سفید لباس پہننا پسند تھا۔

⑫ وإرسال ذنب العمامة بين كتفيه إلى وسط الظهر: أي: نُدب إرسال.... مستحب یہ ہے کہ عمامہ کا شملہ کندھوں کے درمیان چھوڑا جائے، اور لمبائی میں پیٹھ کے درمیان تک ہو، آپ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔[رمزالحقائق:۲/۵۱۲]

عمامہ سے متعلق چند اہم باتیں:

①پگڑی باندھنا سنن زوائد میں سے ہے، یعنی مستحب ہے، سنت مؤکدہ نہیں ہے، آپ ﷺ کبھی ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھتے، اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے، لہٰذا اگر کوئی شخص سنت کی نیت سے پگڑی باندھ لے تو بہتر ہے، اور اگر صرف ٹوپی پہنے تو اس پر کوئی نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہمارے بعض علاقوں میں پگڑی کا جو رواج ہے اور اس کے بارے میں جس سختی سے کام لیا جاتا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔ بیشک پگڑی کی ترغیب دینی چاہئے، مگر اُسے واجب اور لازم سمجھنا غلط ہے۔

②آپ ﷺ کبھی ٹوپی کے بغیر بھی عمامہ باندھ لیتے، لیکن آپ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے، لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر ٹوپی پگڑی باندھنا چاہے تو اس بات کا خیال رکھے کہ سر کے درمیان کو بھی ڈھانپ لے، ننگا نہ چھوڑے، یہ مکروہ ہے۔

③متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کالے رنگ کا عمامہ زیب تن فرمایا، زرد رنگ کا عمامہ بھی ثابت ہے، مگر عام طور پر لباس میں آپ ﷺ سفید رنگ پسند فرماتے تھے، اس لئے افضل یہ ہے کہ سفید رنگ کا عمامہ باندھا جائے۔

④پگڑی کی لمبائی کے بارے میں آپ ﷺ سے سات ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا عمامہ باندھنا ثابت ہے، اور ۱۲ ہاتھ لمبا عمامہ باندھنا بھی ثابت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی خاص مقدار نہیں ہے، ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق مناسب انداز کا عمامہ باندھ لے، نہ بہت بڑی ہو کہ بے ڈھنگی سے شکل بن جائے، اور نہ بہت چھوٹی ہو کہ اس کو عمامہ ہی نہ سمجھا جائے۔

⑤عمامہ کے شملہ کے بارے میں آپ ﷺ سے ایک بالشت شملہ رکھنے کی روایت منقول ہے، علماء نے پیٹھ کے درمیان تک

---

① امام محمدؒ سیاہ پگڑی باندھتے تھے، ایک دن کوئی عورت ان کے پاس آئی اور ان کی طرف حیرت سے دیکھتی رہی، امامؒ نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس عورت نے کہا کہ مجھے آپ کی سیاہ پگڑی کے نیچے آپ کے سفید چہرہ سے تعجب ہو رہا ہے، اسی دن سے امام محمدؒ نے سیاہ پگڑی رکھ دی، پھر کبھی نہیں باندھی۔[تکملۃ البحر:۹/۳۶۲]

شملہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔ بہت لمبا شملہ نہیں چھوڑنا چاہئے، یہ صلحاء کی علامات میں سے نہیں ہے۔

﴿۹﴾ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے بغیر عمامہ پڑھنے سے، یہ بات غلط ہے، اس بارے میں جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ موضوع ہیں۔ البتہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس علاقے میں عمامہ لباس کا ایک جزء سمجھا جاتا ہو اور بغیر عمامہ باہر نکلنا اور بڑے مجمع میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہو وہاں بغیر عمامہ نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ عمامہ کی سنت پر عمل نہ ہوا، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ نامکمل اور ناقص لباس میں نماز پڑھی۔ کذا فی إمداد الفتاویٰ: ۱/۲۵۶

۱۳ وللشاب العالم أن يتقدّم على الشيخ الجاهل: مسئلہ یہ ہے کہ جوان عالم بوڑھے جاہل سے آگے بڑھ سکتا ہے، چلنے میں بھی، نماز وغیرہ میں بھی، کیونکہ جوان عالم کو فضیلت حاصل ہے بوڑھے جاہل پر، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. [زمر:۹] ''کیا برابر ہو سکتے ہیں علم رکھنے والے اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟''۔ اور کیونکر آگے نہیں بڑھ سکتا؟ حالانکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ [تکملۃ البحر: ۱۰/۳۶۲]

۱۴ ولحافظ القرآن أن يختم في كلّ أربعين يوما: مسئلہ یہ ہے کہ حافظ قرآن کو چاہئے کہ چالیس دن میں ختم کیا کرے، تاکہ آہستہ آہستہ غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے، اس طرح ہر روز ایک پارہ کے تین چوتھے پڑھنے میں مشکل بھی نہ ہوگی، اور چالیس دن میں قرآن کریم بھی ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

وما توفيقي إلا بالله

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

أي: هٰذا كتاب في بيان أحكام الفرائض. یعنی یہ کتاب فرائض کے احکام کے بیان میں ہے۔ فرائض جمع ہے فریضۃ کی، جو مشتق ہے الفرض سے، اس کے لغوی معنی ہیں: مقرر کرنا، فرائض ان حصوں کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ورثہ کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔ اصطلاح میں علم الفرائض کی تعریف یہ ہے کہ: هو علم باصول من فقه وحساب يُعرف بها حقُّ كلِّ واحد من الورثة من التركة. یعنی فقہ اور حساب کے ایسے اصول کا جاننا ہے جن کے ذریعے ترکہ میں سے ہر وارث کا حصہ معلوم کیا جاسکے۔

میراث (ترکہ) تقسیم کرنے کی مشروعیت قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے، قرآن کریم میں میراث کی آیات اس کی دلیل ہیں۔ اور احادیث میں بھی میراث سے متعلق متعدد روایات منقول ہیں، مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا: الحقوا الفرائض بأهلها، لما بقي فلأولى رجلٍ ذكرٍ. [بخاری] یعنی میراث کے حصے ان کے مستحقین کو دے دو، اور جو مال بچ جائے وہ قریب ترین مرد رشتہ دار (عصبہ) کا ہے۔

علم فرائض نہایت اہم علم ہے، رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ روایت میں ہے: تعلّموا الفرائضَ، وعلِّموها الناسَ، فإني امرؤ مقبوض. [ترمذی] یعنی فرائض سیکھو اور سکھاؤ، کیونکہ میں مرنے والا ہوں۔

مصنفؒ نے وصیت کے بعد کتاب الفرائض قائم فرمائی، اس لئے کہ وصیت کا تعلق انسان کی زندگی کی آخری حالت سے ہے، اور میراث کا تعلق زندگی ختم ہونے کے بعد والی حالت سے ہے، اسی وجہ سے تمام فقہی ابواب کے آخر میں فرائض کی کتاب قائم فرمائی۔

مصنفؒ نے اس کتاب میں میراث سے متعلق ننانوے (۹۹) مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

❶ يُبْدَأُ مِنْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ بِتَجْهِيزِهِ، ثُمَّ دَيْنِهِ، ثُمَّ وَصِيَّتِهِ، ثُمَّ تُقْسَمُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ ❷ وَهُمْ ذُوْ فَرْضٍ، أَيْ: ذُوْ سَهْمٍ مُقَدَّرٍ ❸ فَلِلْأَبِ السُّدُسُ مَعَ الْوَلَدِ، أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ ❹ وَالْجَدُّ كَالْأَبِ إِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ فِي نِسْبَتِهِ أُمٌّ ❺ إِلَّا فِي رَدِّهَا إِلَى ثُلُثِ مَا بَقِيَ، وَحَجْبِ أُمِّ الْأَبِ ❻ فَيَحْجُبُ الْإِخْوَةَ.

ترجمہ: شروع کی جائے گی میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز، پھر اس کا دین، پھر اس کی وصیت، پھر (ترکہ کو) تقسیم کیا جائے گا ورثہ کے درمیان۔ اور وہ فرض والے ہیں، یعنی مقرر حصہ والے۔ پس باپ کیلئے چھٹا حصہ ہے اولاد کے ساتھ، یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ۔ اور دادا باپ کی طرح ہے، بشرطیکہ اس کی نسبت کے درمیان میں ماں نہ آئے۔ مگر ماں کو رد کرنے میں باقی بچے ہوئے کے ثلث کی

طرف، اور محروم کرنے میں باپ کی ماں کو۔ پس (دادا) محروم کرے گا بھائی بہنوں کو۔

لغات:

تركة: میت کا چھوڑا ہوا مال، میراث۔ **تجهيز**: سامان دینا، یعنی میت کو قبر تک پہنچانے کا انتظام کرنا۔ **فرض**: مقرر حصہ۔ **يتخلل**: درمیان میں آنا۔ **حجب**: باب نصر کا مصدر ہے، رکاوٹ بننا، حائل بننا، محروم کردینا۔

تشریح:

❶ **يُبدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم ..... الخ**: **ترکہ سے متعلق حقوق**: اس عبارت میں میت کے ترکہ سے متعلق حقوق کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میت کے ترکہ سے چار حقوق متعلق ہیں: میت کی تجہیز وتکفین کرنا۔ اس کے دُیون ادا کرنا۔ اس کی وصیت نافذ کرنا۔ ورثہ کے درمیان تقسیم کرنا۔ تفصیل درج ذیل ہے:

﴿۱﴾ میت کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین[۱] کا انتظام کیا جائے گا، خواہ اس پر جتنا بھی خرچہ آئے، خواہ اس میں سارا ترکہ ختم ہو جائے، یہ میت کا حق ہے، جس طرح اپنی زندگی میں وہ اپنے مال سے اپنی ضروریات پوری کرنے کا حق رکھتا تھا، اسی طرح مرنے کے بعد بھی وہ اپنے مال سے اپنی ضروریات (کفن، دفن کے انتظامات) کو پورا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن تجہیز وتکفین میں وہی خرچے معتبر ہیں جو شرعی اصول کے مطابق ہوں، لوگوں کے بنائے ہوئے فضول خرچے اور بدعات وخرافات معتبر نہیں ہیں۔

﴿۲﴾ تجہیز وتکفین کے بعد ترکہ سے جو مال بچ جائے دوسرے نمبر میں اس سے میت کے اوپر جو دَین ہے اس کو ادا کیا جائے گا، خواہ اس میں سارا ترکہ ختم ہو جائے۔ تجہیز وتکفین کے بعد دَین سب سے مقدم ہے، کیونکہ یہ بندے کا حق ہے، اس کو ادا کرنا واجب ہے۔

﴿۳﴾ دَین ادا کرنے کے بعد ترکہ سے جو مال بچ جائے تیسرے نمبر میں اس سے میت کی وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔ وصیت کی شرط یہ ہے کہ مال کی ایک تہائی کے اندر ہو، اس سے زیادہ نہ ہو، اور جائز کام کی وصیت ہو، ناجائز نہ ہو، اور اجنبی شخص کیلئے ہو، اپنے وارث کیلئے نہ ہو۔ اس کے احکام کتاب الوصیا میں گزر چکے۔

﴿۴﴾ وصیت نافذ کرنے کے بعد جو مال بچ جائے چوتھے نمبر میں اس کو میت کے ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ مذکورہ چار حقوق کو اسی ترتیب کے ساتھ نافذ کیا جائے گا، آگے پیچھے کرنا جائز نہیں ہے۔

❷ **وهم ذو فرضٍ، أي: ذو سهمٍ مقدّرٍ**: کنز کی عبارت میں معطوفات ملا کر تقدیر عبارت یوں ہے: **وهم ذو فرض......، وعصبةٌ......، وذو رحمٍ**. حاصل یہ ہے کہ میت کے ورثہ کی تین اصناف ہیں: **ذوي الفروض**. ان کا بیان مسئلہ (۲) سے شروع ہو رہا ہے۔ **عصبات**، ان کا بیان مسئلہ نمبر (۳۶) سے شروع ہوگا۔ **ذوي الأرحام**، ان کا بیان مسئلہ نمبر (۵۴) سے شروع ہوگا۔

---

[۱] تجہیز وتکفین سے مراد میت کو غسل دینے، کفن خریدنے، قبر کی جگہ خریدنے، قبر کھدوانے اور قبر تک لے جانے کا انتظامات ہیں۔

ذوی الفروض

ذوی الفروض وہ لوگ ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں معلوم ومقرر ہے، یہ کل بارہ ہیں، جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ چار مرد یہ ہیں: باپ، شوہر، دادا اور ماں شریک (خیفی) بھائی۔ آٹھ عورتیں یہ ہیں: بیوی، بیٹی، بیٹے کی بیٹی، بہن، باپ شریک (علاتی) بہن، ماں شریک (خیفیہ) بہن، ماں، دادی/ نانی۔ ہر ایک کے تفصیلی احکام اگلے مسائل میں ہیں۔

③ فللأب السدس مع الولد، أو ولد الابن: ذوی الفروض میں سے پہلے نمبر پر میت کا باپ ہے، اس کے تین حال ہیں، مصنفؒ نے صرف پہلی صورت کو ذکر فرمایا ہے: ① اگر باپ کے ساتھ میت کی اولاد[1] یا میت کے بیٹے کی اولاد ہو، تو باپ کو میراث میں سے چھٹا حصہ ملے گا، آیت کریمہ میں ہے: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ. [نساء:۱۱] اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے اس کی میراث میں سے، بشرطیکہ اس کی اولاد ہو۔ ② اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو باپ عصبہ ہوگا، یعنی اس صورت میں اس کا کوئی مقرر حصہ نہیں ہے، بلکہ دوسرے ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ گیا تو باپ کو ملے گا، ورنہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ③ اگر میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور عصبہ بھی ہوگا۔ مصنفؒ نے آخری دو صورتوں کو ذکر نہیں فرمایا۔

④ والجد كالأب إن لم يتخلل في نسبته أم: ذوی الفروض میں سے دوسرے نمبر پر میت کا دادا ہے۔ وہ میراث میں باپ کی طرح ہے، لہٰذا اگر میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد ہو تو دادا کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو دادا عصبہ ہوگا، اور اگر میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو دادا کو چھٹا بھی ملے گا اور عصبہ بھی ہوگا۔ البتہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو دادا محروم ہوگا۔

إن لم يتخلل في نسبته أم کا مطلب یہ ہے کہ دادا کے میراث پانے کی شرط یہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان نسبت میں ماں کا واسطہ نہ ہو، اگر درمیان میں میت کی ماں کا واسطہ آ گیا تو وہ دادا نہیں ہے، بلکہ نانا ہے، اور نانا ذوی الفروض میں سے نہیں ہے، بلکہ ذوی الأرحام میں سے ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں دادا کو جدّ صحیح، اور نانا کو جدّ فاسد کہتے ہیں۔

⑤ إلّا في ردّها إلى ثلث ما بقي، وحجب أم الأب: یہ ماقبل والے مسئلے کے حکم سے استثناء ہے، حاصل یہ ہے کہ میت کا دادا میت کے باپ کی طرح ہے، سوائے دو مسئلوں کے: ایک ہے ماں کو باقی بچے ہوئے کے ثلث (ثلث ما بقي) کی طرف رد کرنا، اور دوسرا ہے: باپ کی ماں (دادی) کو محروم کرنا۔ ان دو مسئلوں میں دادا باپ کی طرح نہیں ہے۔ پہلے مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ میت نے زوجہ، باپ اور ماں کو چھوڑا، مثلاً یہ صورت ہے:

زوجہ	باپ	ماں
		(ثلث مابقی)

(میت)

---

① یہاں اولاد سے مراد یہ ہے کہ صرف مذکر اولاد ہو، یا مذکر اور مؤنث دونوں ہوں، صرف مؤنث اولاد مراد نہیں ہے۔

اس صورت میں سب سے پہلے بیوی کو حصہ ملے گا، بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو مال باقی بچے گا اس کا ثلث ماں کو ملے گا، اس کو "ثلث ما بقي" کہتے ہیں۔ یہاں باپ نے ماں کو ثلث ما بقی کی طرف لوٹا دیا، اگر باپ نہ ہوتا تو ماں کل مال کا ثلث لے جاتی۔

دوسرے مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو اس کی وجہ سے میت کی دادی محروم ہے، اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اگر میت کا باپ نہ ہو، اس کا دادا موجود ہو تو میت کی دادی محروم نہیں ہے، اس کو حصہ ملے گا، یہاں بھی دادا باپ کی طرح نہیں ہوا۔

❻ فيحجب الإخوة: یہ مسئلہ نمبر (۴) پر تفریع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دادا باپ کی طرح ہے، لہٰذا دادا میت کے بھائی بہنوں کو محروم کر دیتا ہے، جیسے باپ محروم کرتا ہے، یعنی اگر میت کا دادا موجود ہو تو اس کی وجہ سے میت کے بھائی بہن سب محروم ہوں گے، جیسے باپ کی موجودگی میں سب محروم ہوتے ہیں۔

❼ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ ❽ وَمَعَ الْوَلَدِ، أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ، أَوِ الْإِثْنَيْنِ مِنَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ، لَا أَوْلَادِهِمْ: اَلسُّدُسُ ❾ وَمَعَ الْأَبِ، وَأَحَدِ الزَّوْجَيْنِ ثُلُثُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرْضِ أَحَدِهِمَا ❿ وَلِلْجَدَّاتِ وَإِنْ كَثُرَتْ اَلسُّدُسُ إِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ جَدٌّ فَاسِدٌ فِي نِسْبَتِهَا إِلَى الْمَيِّتِ ⓫ وَذَاتُ جِهَتَيْنِ كَذَاتِ جِهَةٍ ⓬ وَالْبُعْدَى تُحْجَبُ بِالْقُرْبَى ⓭ وَالْكُلُّ بِالْأُمِّ.

ترجمہ: اور ماں کیلئے ثلث ہے۔ اور اولاد کے ساتھ، یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ اگر چہ نیچے ہو، یا بھائیوں بہنوں میں سے دو کے ساتھ، نہ کہ ان کی اولاد کے، سدس ہے۔ اور باپ اور زوجین میں سے ایک کے ساتھ باقی کا ثلث ہے، ان میں سے ایک کے حصے کے بعد۔ اور دادیوں کیلئے اگر چہ زیادہ ہوں، سدس ہے، بشرطیکہ درمیان میں نہ آئے فاسد دادا اس کی نسبت میں میت کی طرف۔ اور دو جہتوں والی ایک جہت والی کی طرح ہے۔ اور دور والی محروم ہو جاتی ہے نزدیک والی سے۔ اور سب (محروم ہوتی ہیں) ماں سے۔

تشریح:

❼ وللأم الثلث: ذوی الفروض میں سے تیسرا وارث ماں ہے، اس کے تین حال ہیں: {۱} پہلا حال یہ ہے کہ اس کو میت کے مال میں سے ایک ثلث ملے گا، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو، اس کے دو بہن بھائی نہ ہوں، باپ اور احد الزوجین بھی نہ ہو، آیت کریمہ میں ہے: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ. [نساء:۱۱] "اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کی میراث ماں باپ لے جاتے ہوں تو ماں کیلئے ثلث ہے۔

❽ ومع الولد، أو ولد الإبن وإن سفل، أو الإثنين ....إلخ: {۲} ماں کا دوسرا حال یہ ہے کہ میت کی اولاد ہے،

یا میت کے بیٹے کی اولاد ہے، اگر چہ نیچے کی ہو، ① یا بہن بھائیوں میں سے دو ہوں، تو ماں کو کل مال کا سدس ملے گا، آیت کریمہ میں ہے: وَ لِأَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ. [نساء:۱۱] ''اور ماں باپ میں سے ہر ایک کیلئے سدس ہے اس مال کا جو اس (میت) نے چھوڑا ہے، بشرطیکہ اس کی اولاد ہو''۔ اس کے بعد ارشاد ہے: فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ. [أيضا] ''اور اگر اس (میت) کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کیلئے سدس ہے''۔

لا أولادِهم، یعنی لا مع أولادِهم. ''نہ کہ بہن بھائیوں کی اولاد کے ساتھ''۔ اس کا مطلب یہ کہ اگر میت کے دو بہن بھائی تو نہیں ہیں، مگر بہن بھائیوں کی اولاد موجود ہے، تو اس کے ساتھ ماں کا یہ حکم نہیں ہے، اس اولاد کا ماں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

❾ ومع الأب وأحد الزوجين ثلث الباقي .....إلخ: ﴿۳﴾ ماں کا تیسرا حال یہ ہے کہ میت کا باپ بھی موجود ہے، اور أحد الزوجین بھی موجود ② ہے۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب أحد الزوجین کا حصہ دیا جائے اور اس کے بعد جو مال باقی بچ جائے اس کا ایک ثلث ماں کو ملے گا، اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔

❿ وللجدات وإن كثرت السدس إن لم يتخلّل .....إلخ: ذوی الفروض میں سے چوتھا وارث جدۃ صحیحة ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیں کہ جدّ ۃ (دادی، یا نانی) کی دو قسمیں ہیں: جدۃ صحیحة، جدۃ فاسدة.

جــدۃ صحیحة وہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان جدّ فاسد کا واسطہ نہ ہو، مثلاً أم الأم (ماں کی ماں/نانی)، أم الأب (باپ کی ماں/دادی) یہاں سرے سے جدّ ہی نہیں، أم أب الأب (دادے کی ماں) یہاں درمیان جدّ تو ہے مگر وہ صحیح ہے، فاسد نہیں ہے۔

جدۃ فاسدة وہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان جدّ فاسد کا واسطہ ہو، جیسے أم أب الأم (نانے کی ماں)، یہاں أب الأم (نانے) کا واسطہ ہے، جو جدّ فاسد ہے۔

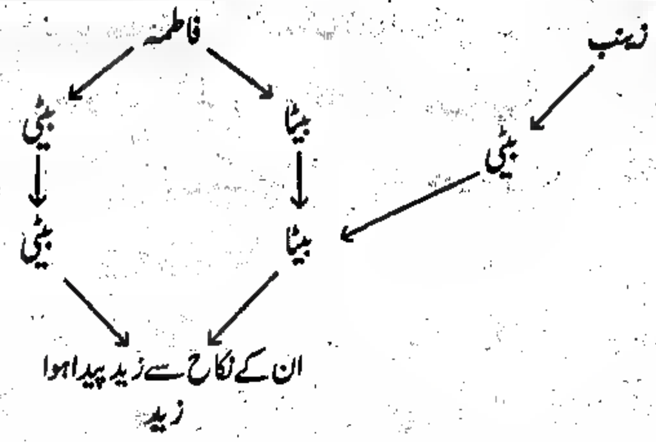
جدہ صحیحہ کے تین حال ہیں: ①...... پہلا حال یہ ہے کہ اس کو مال کا سدس ملے گا، اگر چہ وہ ایک سے زیادہ ہوں، پھر بھی سب کو ایک سدس ملے گا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ صحیحہ ہو، یعنی اس کے اور میت کے درمیان نسبت میں جدّ فاسد نہ ہو، اگر جدّ فاسد درمیان میں آ گیا تو وہ جدّ ہ فاسدہ ہے، وہ ذوی الفروض میں سے نہیں ہے۔

⓫ وذات جهتين كذات جهة: مسئلہ یہ ہے کہ وہ جدّ ہ جو دو جہتوں سے جدّ ہ بن رہی ہے، وہ ایسی ہے جیسی وہ جدّ ہ جو ایک جہت سے جدّ ہ بن رہی ہے، لہٰذا دونوں سدس میں برابر کی شریک ہوں گی، مثلاً فاطمہ زید کی پڑنانی بھی ہے، اور پڑدادی بھی ہے، اور زینب زید کے باپ کی نانی ہے، اس کی صورت یہ ہے:

↓

---

① یعنی بیٹے کے بیٹے کی اولاد، یا بیٹے کے بیٹے کے بیٹے کی اولاد، یا اس سے بھی نیچے۔ ② یعنی اگر شوہر مرا ہے تو بیوی موجود ہے، اور اگر بیوی مری ہے تو شوہر موجود ہے۔



یہاں فاطمہ زید کی ماں باپ کی دونوں جہتوں سے جدّہ بن رہی ہے، جبکہ زینب صرف باپ کی جہت سے زید کی جدّہ بن رہی ہے، اب اگر زید مر گیا تو اس کی میراث میں فاطمہ اور زینب برابر ہوں گی۔

⑫ **والبعدیٰ تُحجب بالقربیٰ:** ②......جدّہ صحیحہ کا دوسرا حال یہ ہے کہ دور والی جدّہ نزدیک والی جدّہ کی وجہ سے محروم ہو جائے گی، مثلاً اگر میت کی دادی موجود ہو تو پڑدادی محروم ہوگی، کیونکہ قریب والی کی موجودگی میں دور والی کا حق نہیں بنتا۔

⑬ **والکلُّ بالأم:** أي: وتُحجب الكلُّ بالأم. ③......جدّہ صحیحہ کا تیسرا حال یہ ہے کہ اگر میت کی ماں موجود ہو تو اس کی وجہ سے تمام جدّات محروم ہو جائیں گی، خواہ باپ کی جہت سے ہوں، یا ماں کی جہت سے، اور خواہ دور والی ہوں یا نزدیک والی، کیونکہ ماں جدّہ سے قریب ہے، اور قریب کے ہوتے ہوئے بعید کا حق نہیں بنتا۔

> ⑭ وَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ ⑮ وَمَعَ الْوَلَدِ، أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ الرُّبُعُ ⑯ وَلِلزَّوْجَةِ الرُّبُعُ ⑰ وَمَعَ الْوَلَدِ، أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ الثُّمُنُ ⑱ وَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ ⑲ وَلِلْأَكْثَرِ الثُّلُثَانِ ⑳ وَعَصَّبَهَا الْإِبْنُ ㉑ وَلَهُ مِثْلَا حَظِّهَا ㉒ وَوَلَدُ الْإِبْنِ كَوَلَدِهِ عِنْدَ عَدَمِهِ ㉓ وَيُحْجَبُ بِالْإِبْنِ ㉔ وَمَعَ الْبِنْتِ لِأَقْرَبِ الذُّكُورِ الْبَاقِي.

ترجمہ: اور شوہر کیلئے نصف ہے۔ اور اولاد، یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ اگر چہ نیچے ہو، ربع ہے۔ اور زوجہ کیلئے ربع ہے۔ اور اولاد، یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ اگر چہ نیچے ہو، ثمن ہے۔ اور بیٹی کیلئے نصف ہے۔ اور زیادہ کیلئے ثلثان ہیں۔ اور اس کو عصبہ بنا دیتا ہے بیٹا۔ اور بیٹے کیلئے دو برابر ہیں بیٹی کے حصے کے۔ اور بیٹے کی اولاد اپنی اولاد کی طرح ہے اس کی عدم موجودگی میں۔ اور (بیٹے کی اولاد) محروم ہوگی بیٹے کی وجہ سے۔ اور بیٹی کے ساتھ قریب ترین مرد کیلئے باقی ہے۔

تشریح:

⑭ **وللزوج النصف:** ذوی الفروض میں سے پانچواں وارث شوہر ہے۔ اس کے دو حال ہیں: ﴿۱﴾...... پہلا حال

یہ ہے کہ اس کو بیوی کی میراث میں سے پورے مال کا آدھا حصہ ملے گا، شرط یہ ہے کہ بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو۔

⑮ ومع الولد، أو ولد الإبن وإن سفل الربع: ﴿۲﴾...... شوہر کا دوسرا حال یہ ہے کہ اگر بیوی کی اولاد موجود ہو، یا بیوی کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اگر چہ نیچے تک چلا جائے①، تو شوہر کو ترکہ کا ربع ملے گا، آیت کریمہ میں ہے: وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ. [نساء:۱۲] ''اور بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے ان کے ترکہ کا''۔

⑯ وللزوجة الربع: ذوی الفروض میں سے چھٹا وارث بیوی ہے۔اس کے دو حال ہیں: [۱]...... پہلا حال یہ ہے کہ اس کو شوہر کے ترکہ سے ربع ملے گا، شرط یہ ہے کہ شوہر کی کوئی اولاد نہ ہو۔

⑰ ومع الولد، أو ولد الإبن وإن سفل الثمن: [۲]...... بیوی کا دوسرا حال یہ ہے کہ شوہر کی اولاد موجود ہو، یا شوہر کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اگر چہ نیچے تک ہو، تو اس حالت میں بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا، آیت کریمہ میں ہے: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ. [نساء:۱۲] ''اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کی ایک چوتھائی بیویوں کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا''۔

⑱ وللبنت النصف: ذوی الفروض میں سے ساتواں وارث بیٹی ہے، اس کے تین حال ہیں: ﴿۱﴾ پہلا حال یہ ہے کہ اس کو میت کے ترکہ سے آدھا مال ملے گا، شرط یہ ہے کہ بیٹی صرف ایک ہو، اور اس کے ساتھ میت کا بیٹا نہ ہو، آیت کریمہ میں ہے: وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ. [نساء:۱۱] ''اور اگر بیٹی ایک ہو تو اس کیلئے نصف ہے''۔

⑲ وللأكثر الثلثان: ﴿۲﴾ بیٹی کا دوسرا حال یہ ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہیں تو ان کیلئے دو ثلث ہیں، یعنی میت کے مال کو تین حصوں پر تقسیم کر کے دو حصے بیٹیوں کے ہیں، شرط یہ ہے کہ میت کا بیٹا نہ ہو، آیت کریمہ میں ہے: فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. [نساء:۱۱] ''اور اگر عورتیں ہوں دو سے زیادہ، تو ان کیلئے دو ثلث ہیں ترکہ کے۔'' آیت کریمہ میں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ (دو سے زیادہ) کا حکم ہے، مگر دو بیٹیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

⑳ وعصبها الإبنُ: ﴿۳﴾ بیٹی کا تیسرا حال یہ ہے کہ بیٹا اس کو عصبہ بنا دیتا، یعنی اگر بیٹی کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو اس کی وجہ سے بیٹی ذوی الفروض میں سے نہیں ہوگی، بلکہ عصبہ ہو جائے گی، اور بیٹا خود بھی عصبہ ہوگا، لہٰذا دونوں کیلئے معین حصہ مقرر نہیں ہے، بلکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا۔

㉑ وله مثلا حظها: مذکورہ صورت میں جب میت کی بیٹی اور بیٹا دونوں عصبہ ہو گئے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بچا ہوا مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو بیٹی کے حصے کا دو برابر حصہ ملے گا، آیت میں ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِ

① یعنی بیوی کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، یا بیٹے کے بیٹے کے بیٹے کی اولاد موجود، یا اس سے بھی نیچے ہو۔

ثُمّ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ. [نساء:۱۱] ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

۲۲ وولد الابن كولده عند عدمه: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کی اپنی کوئی اولاد موجود نہ ہو تو بیٹے کی اولاد (پوتا، پوتی) اس کی اپنی اولاد کی طرح ہے، اس لئے کہ بیٹے کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد بیٹے کی قائم مقام ہے، لہٰذا اگر میت کی صرف ایک پوتی ہے، تو اس کو نصف ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہیں تو ان کو دو ثلث ملیں گے، اور اگر پوتی کے ساتھ پوتا بھی ہو تو پوتے پوتیاں سب عصبہ ہوں گے، اور پوتے کو پوتی کا دوگنا حصہ ملے گا۔

۲۳ ويحجب بالابن: یعنی اگر میت کا اپنا بیٹا زندہ ہو تو اس کی وجہ سے بیٹے کی اولاد محروم ہو جائے گی، کیونکہ ماقبل میں بتایا جاچکا ہے کہ قریب کی وجہ سے بعید کا حق نہیں بنتا۔

۲۴ ومع البنت لأقرب الذكور الباقي: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کی ایک بیٹی ہے اور اس کے ساتھ میت کے بیٹے کا بیٹا ہے اور بیٹے کے بیٹے کا بیٹا ہے، تو سب سے پہلے بیٹی کو نصف دیا جائے گا، اس کے بعد باقی مال قریب ترین مرد اولاد (ابن الابن) کو دیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہے:

بنت	ابن الابن	ابن ابن الابن
نصف	باقی نصف	محروم

(میت)

یہاں سب سے پہلے بیٹی کو اس کا نصف حصہ دیا گیا، اس کے بعد جو مال باقی بچا وہ قریب ترین مرد کو یعنی ابن الابن کو دیا گیا، اور بعید یعنی ابن ابن الابن محروم ہو گیا، یہ اس لئے کہ بیٹی کے ساتھ بیٹے کا بیٹا عصبہ ہو جاتا ہے، اور عصبہ کو وہی ملے گا جو ذوی الفروض سے بچ جائے، لہٰذا یہاں بھی بیٹی سے جو بچ جائے (یعنی نصف) وہ بیٹے کے بیٹے کو ملے گا، کیونکہ وہ قریب ترین ہے۔

۲۵ وَلِلْإِنَاثِ السُّدُسُ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ ۲۶ وَحُجِبْنَ بِبِنْتَيْنِ ۲۷ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُنَّ، أَوْ أَسْفَلَ مِنْهُنَّ ذَكَرٌ، فَيُعَصِّبُ مَنْ كَانَتْ بِحِذَائِهِ، وَمَنْ كَانَتْ فَوْقَهُ مِمَّنْ لَمْ تَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ ۲۸ وَيُسْقِطُ مَنْ دُونَهُ ۲۹ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبٍ وَأُمٍّ كَبَنَاتِ الصُّلْبِ عِنْدَ عَدَمِهِنَّ ۳۰ وَلِأَبٍ كَبَنَاتِ الِابْنِ مَعَ الصُّلْبِيَّاتِ ۳۱ وَعَصَبَهُنَّ إِخْوَتُهُنَّ، وَالْبِنْتُ، وَبِنْتُ الِابْنِ.

ترجمہ: اور عورتوں کیلئے سدس ہے، ثلثین پورا کرنے کیلئے۔ اور وہ محروم ہو جائیں گی دو بیٹیوں سے۔ مگر یہ کہ ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی مرد ہو، تو وہ عصبہ بنا دیتا ہے اس کو جو اس کے برابر ہے اور جو اس کے اوپر ہے ان میں سے جو حصہ والی نہیں ہے۔ اور ساقط کر دیتا ہے جو اس سے نیچے ہے۔ اور حقیقی بہنیں بیٹیوں کی طرح ہیں ان کی عدم موجودگی کے وقت۔ اور علاتی (بہنیں) پوتیوں کی طرح

ہیں بیٹیوں کے ساتھ۔ اوران کوعصبہ بنادیتے ہیں ان کے بھائی، بیٹی اور پوتی۔

تشریح:

⑮ ولـلإنـاث الســدس تكملةً للثلثين: یہاں إناث (عورتوں) سے مرادمیت کی پوتیاں ہیں۔ذوی الفروض میں سے آٹھواں وارث پوتی ہے۔سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ شریعت میں لڑکیوں کیلئے زیادہ سے زیادہ ثلثان (دوتہائی) مقرر ہیں، یعنی پورے مال کے تین حصوں میں سے دو حصے۔اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نصف اور سدس جب مل جائیں توان سے ثلثان بن جاتے ہیں، مثلاً ٦ کانصف ٣ ہے،اوراس کا سدس ایک ہے،٣، اورایک کا مجموعہ ٤ ہے،اور یہ ٦ کے ثلثان ہیں۔

پوتیوں کے چار حال ہیں: (۱)...... پہلا حال یہ ہے کہ ان کوایک سدس ملے گا،شرط یہ ہے کہ ان کے ساتھ میت کی ایک بیٹی ہو،اس صورت میں بیٹی کونصف ملے گا،اورثلثان کو پورا کرنے کیلئے پوتیوں کوسدس دیا جائے گا، تاکہ لڑکیوں کا مقررہ حصہ پورا ہوجائے۔

⑯ وحُجبن ببنتين: (۲)...... پوتیوں کا دوسرا حال یہ ہے کہ اگرمیت کی دوبیٹیاں موجود ہوں توان کی وجہ سے پوتیاں محروم ہوجائیں گی، کیونکہ اس صورت میں بیٹیاں ثلثان لے جائیں گی، لہٰذا پوتیوں کیلئے کچھ نہیں بچے گا، کیونکہ لڑکیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ ثلثان ہے،اوروہ بیٹیاں لے گئیں۔

⑰ إلّا أن يكون معهنّ، أو أسفل منهنّ ذكر.....إلخ: (۳)...... یہ ماقبل حکم سے استثناء ہے،اور پوتیوں کا تیسرا حال ہے۔حاصل یہ ہے کہ دوبیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہیں،مگر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی مرد(پوتا) ہو،اس صورت میں یہ پوتا اُس پوتی کوبھی عصبہ بنادیتا ہے جو پوتے کے ساتھ درجے میں برابر ہو،اوراس پوتی کوبھی عصبہ بنادیتا ہے جو پوتے سے اوپر (میت کونزدیک) ہے،مگر شرط یہ ہے کہ پوتی کا اپنا حصہ مقرر نہ ہو،اس کی صورت یہ ہے:

میت

بنت ٢	بنت الابن	ابن الابن
ثلثان	عصبہ	عصبہ

مذکورہ بالاصورت میں پوتی اور پوتے کا درجہ برابر ہے،اس لئے پوتے نے پوتی کوعصبہ بنادیا،اورخود پوتا بھی عصبہ بن گیا۔

میت

بنت ٢	بنت الابن	ابن ابن الابن
ثلثان	عصبہ	عصبہ

یہاں پوتی درجہ میں پوتے سے اوپر (نزدیک) ہے،اور پوتی کا اپنا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، کیونکہ دوبیٹیوں کی وجہ سے وہ محروم ہے،اس لئے پوتے نے اس پوتی کوبھی عصبہ بنادیا،اورخود پوتا بھی عصبہ ہوگیا۔

⑱ ويُسقط مَن دونه: يُسقط میں ضمیر کا مرجع ذکر ہے۔ (۴)...... یہ پوتیوں کا چوتھا حال ہے۔حاصل یہ ہے کہ اگرمیت کی دوبیٹیاں موجود ہوں اور پوتیوں کے ساتھ پوتا بھی ہو،تو پوتا اس پوتی کومحروم کردے گا جو پوتے سے نیچے (دُور) ہو،اس کی

صورت یہ ہے: میت

بنت۲	بنت ابن الابن	ابن الابن
ثلثان	محروم	عصبہ

یہاں پوتی درجہ میں پوتے سے نیچے (دور) ہے، اس لئے پوتے نے اس کو محروم کردیا۔

۞ والأخوات لأب وأم كبنات الصلب ....الخ: ذوی الفروض میں سے نواں وارث میت کی ماں باپ شریک (حقیقی) بہنیں ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ بیٹیوں کی عدم موجودگی میں حقیقی بہنیں بیٹیوں کی طرح ہیں، لہٰذا اگر ایک حقیقی بہن ہے تو اُسے نصف ملے گا، اور اگر دو یا زیادہ ہیں تو ان کو ثلثان ملیں گے، اور اگر ان کے ساتھ حقیقی بھائی بھی ہے تو سب بہن بھائی عصبہ ہوں گے، آیت کریمہ میں ہے: إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ. [نساء:۱۷۶] ''اگر کوئی شخص مر جائے اس حال میں کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے ترکہ میں سے اس کیلئے آدھا ہے، اور بھائی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو، اور اگر بہنیں دو ہوں تو ان کیلئے دو ثلث ہیں بھائی کے ترکہ سے''۔

۞ ولأب كبنات الابن مع الصلبيات: أي: والأخوات لأب.... ذوی الفروض میں سے دسواں وارث باپ شریک (علاتی) بہنیں ہے۔ ان کے دو حکم بیان فرمائے ہیں: ﴿۱﴾...... پہلا حکم یہ ہے کہ علاتی بہنیں اگر حقیقی بہنوں کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ ایسا ہے جیسے پوتیاں بیٹیوں کے ساتھ جمع ہو جائیں، لہٰذا اگر میت کی کوئی حقیقی بہن نہ ہو اور علاتی بہن ایک ہو تو اس کو نصف ملے گا، اور اگر حقیقی بہن ایک ہو تو اس کو نصف دے کر ثلثان پورے کرنے کیلئے علاتی کو سدس ملے گا، اور اگر حقیقی دو ہوں تو علاتی محروم ہوگی۔

۞ وعصبهن إخوتهن، والبنتُ، وبنتُ الابن: ﴿۲﴾......علاتی بہنوں کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو وہ علاتی بہنوں کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اگر علاتی بہنوں کے ساتھ میت کی بیٹی ہو، یا پوتی ہو، تو وہ بھی علاتی بہنوں کو عصبہ بنا دیتی ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔ [بخ:۹/۳۷۹]

> ۞ وَلِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ السُّدُسُ ۞ وَلِلْأَكْثَرِ الثُّلُثُ، ذُكُورُهُمْ كَإِنَاثِهِمْ ۞ وَ حُجِبْنَ بِالْإِبْنِ، وَابْنِهِ وَإِنْ سَفَلَ، وَبِالْأَبِ، وَالْجَدِّ ۞ وَالْبِنْتُ تَحْجُبُ وَلَدَ الْأُمِّ فَقَطْ.

ترجمہ: اور ماں کی اولاد میں سے ایک کیلئے سدس ہے۔ اور زیادہ کیلئے ثلث ہے، اُن کے مرد اُن کی عورتوں کی طرح ہیں۔ اور بہنیں محروم ہوں گی بیٹے سے، بیٹے کے بیٹے سے اگرچہ نیچے ہو، اور باپ اور دادا سے۔ اور بیٹی محروم کر دیتی ہے صرف ماں کی اولاد کو۔

تشریح:

۞ وللواحد مِن ولد الأم السدسُ: ذوی الفروض میں سے گیارہواں وارث ماں شریک (اَخیافی) بھائی ہے، اور

بارہواں وارث ماں شریک (اَخیافی) بہن ہے۔اَخیافی بہن اوراَخیافی بھائی کا حکم ایک ہے،ان کو أولاد الأم کہا جاتا ہے۔

اَخیافی بہن بھائی کے دوحال ہیں: ① ...... پہلا حال یہ ہے کہ اگر میت کے ورثہ میں سے صرف ایک اَخیافی بھائی یا اَخیافی بہن ہوتواس کوسدس ملے گا۔

㉒ وللأكثر الثلث، ذكورهم كإناثهم: ② ...... اَخیافی بہن بھائی کا دوسرا حال یہ ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہیں،خواہ سب بہنیں ہوں،یا سب بھائی ہوں،یا ملے جلے ہوں،توان کوایک ثلث ملے گا،اورثلث کی تقسیم میں ان کے مرداورعورتیں برابر ہوں گے،لہٰذا بہن اور بھائی کا حصہ برابر ہوگا،آیت میں ہے: وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُوْرَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ. [نساء:۱۲] ''اوراگرکوئی مرد جس کی میراث تقسیم ہونی ہے ایسا ہو کہ اس کے ماں باپ اوراولاد نہ ہوں اوراس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو،توان میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے،اوراگر وہ اس سے زیادہ ہوں توسب ایک تہائی میں شریک ہوں گے''۔ اس آیت میں أخ اور أخت سے مراد اَخیافی بہن بھائی ہیں۔

㉓ وحُجبن بالابن، وابنه وإن سفل، والأب، والجدّ: بہنیں (خواہ حقیقی ہوں،یاعلاتی ہوں،یا اَخیافی ہوں) سب محروم ہوں گی بیٹے،بیٹے کے بیٹے،اگرچہ نیچے تک ہو اور باپ اوردادا کی وجہ سے،لہٰذا ان لوگوں میں سے اگر کوئی ایک موجود ہوتو کسی بھی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا،کیونکہ مذکورہ آیت[نساء:۱۲] میں بہنوں کیلئے اس شرط پر حصہ مقرر کیا گیا ہے کہ میت كلالة ہو،یعنی اس کی نہ اولاد ہو اور نہ باپ دادا ہو،اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر میت كلالة نہ ہو،یعنی اس کی اولاد یا باپ دادا ہوتو بہنوں کیلئے حصہ نہیں ہوگا۔

㉔ والبنتُ تحجب ولدَ الأم فقط: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کی مذکر اولاد (بیٹا،پوتا،پڑپوتا نیچے تک) اور باپ دادا میں سے کوئی نہیں ہے،مگراس کی بیٹی موجود ہے تو یہ بیٹی صرف أولاد الأم (اَخیافی بہن بھائی) کو محروم کردیتی ہے،حقیقی اور علاتی بہن بھائی کو محروم نہیں کرتی۔حقیقی اورعلاتی بہنیں بیٹی کی موجودگی میں مقرر حصہ (نصف،ربع،ثلث وغیرہ) سے تومحروم ہوں گی،مگرعصبہ ہونے بناء پر میراث لے سکیں گی،جبکہ اَخیافی بہنیں بیٹی کی موجودگی میں مقرر حصہ سے بھی محروم ہوں گی اورعصبہ بھی نہیں بن سکتیں۔

> ㉕ وَعَصَبَةٌ، أَيْ: مَنْ أَخَذَ الْكُلَّ إِنِ انْفَرَدَ، وَالْبَاقِي مَعَ ذِي سَهْمٍ ㉖ وَالْأَحَقُّ الْاِبْنُ، ثُمَّ ابْنُهُ وَإِنْ سَفَلَ ㉗ ثُمَّ الْأَبُ، ثُمَّ أَبُ الْأَبِ وَإِنْ عَلَا ㉘ ثُمَّ الْأَخُ لِأَبٍ وَأُمٍّ، ثُمَّ الْأَخُ لِأَبٍ، ثُمَّ ابْنُ الْأَخِ لِأَبٍ وَأُمٍّ، ثُمَّ ابْنُ الْأَخِ لِأَبٍ ㉙ ثُمَّ الْأَعْمَامُ، ثُمَّ أَعْمَامُ الْأَبِ، ثُمَّ أَعْمَامُ الْجَدِّ عَلَى التَّرْتِيبِ ㉚ ثُمَّ الْمُعْتِقُ، ثُمَّ عَصَبَتُهُ عَلَى التَّرْتِيبِ.

ترجمہ: اور (ورثہ) عصبہ ہیں،یعنی وہ جو سارا مال لے جاتا ہے اگر اکیلا ہو،اورباقی (مال لے جاتا ہے) حصہ والے کے ساتھ۔اورسب سے حقدار بیٹا ہے،پھر اس کا بیٹا ہے اگرچہ نیچے ہو۔پھر باپ ہے،پھر باپ کا باپ ہے اگرچہ اوپر ہو۔پھر ماں باپ

شریک بھائی ہے، پھر باپ شریک بھائی ہے، پھر ماں باپ شریک بھائی کا بیٹا ہے، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا ہے۔ پھر چچے ہیں، پھر باپ کے چچے ہیں، پھر دادا کے چچے ہیں، ترتیب کے مطابق۔ پر آزاد کرنے والا ہے، پھر اس کے عصبہ ہیں، ترتیب کے مطابق۔

تشریح: عصبات

⓰ هو عصبة، أي: من أخذ الكلَّ إذا ....إلخ: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۲) میں ذوي فرض پر، أي: هم عصبة. اس مسئلہ میں عصبہ کی تعریف بتارہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عصبہ میت کا وہ رشتہ دار ہے کہ جب اکیلا ہو، یعنی اس کے ساتھ ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو وہ میت کا سارا مال لے جاتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ حصہ دار ذوی الفروض بھی ہو تو ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ عصبہ لے جائے گا، اور اگر سارا مال ذوی الفروض لے گئے، کچھ نہیں بچا تو عصبہ کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

⓱ والأحق الأب، ثمّ ابنه وإن سفل: پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عصبات کی دو قسمیں ہیں: عصبة نسبية. عصبة سببية. عصبہ نسبیہ وہ ہے جو نسب اور رشتہ داری کی وجہ سے عصبہ ہو، اور عصبہ سببیہ وہ ہے جو نسب کے علاوہ کسی سبب، مثلاً آزادی کی وجہ سے عصبہ ہو۔ پھر عصبہ نسبیہ کے چار درجات ہیں: ﴿۱﴾ میت کے فروع، یعنی بیٹا، پوتا نیچے تک۔ ﴿۲﴾ میت کے اصول، یعنی باپ، دادا نیچے تک۔ ﴿۳﴾ میت کے باپ کے فروع، یعنی میت کا بھائی، بھتیجا اور ان کی اولاد۔ ﴿۴﴾ میت کے دادا، یا پڑ دادا کے فروع، یعنی میت کا چچا اور چچا کی اولاد۔ متن کی عبارت میں پہلے درجے کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عصبات میں سب سے زیادہ حقدار میت کا بیٹا ہے، اگر وہ نہ ہو تو حقدار بیٹے کا بیٹا (پوتا) ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو حقدار پڑپوتا ہے، اس طرح نیچے چلتے جاؤ۔

⓲ ثمّ الأب، ثمّ أب الأب وإن علا: اس عبارت میں دوسرے درجے کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے فروع نہ ہوں تو دوسرے نمبر میں حقدار میت کا باپ ہے، اگر باپ نہ ہو تو باپ کا باپ (دادا) حقدار ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو پڑ دادا حقدار ہے، اسی طرح اوپر چڑھتے جاؤ۔

⓳ ثمّ الأخ لأب وأم، ثمّ الأخ لأب، ثمّ ....إلخ: اس عبارت میں تیسرے درجے کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے نہ فروع ہیں اور نہ اصول ہیں تو میراث کا حقدار ماں باپ شریک (حقیقی) بھائی ہے، اگر وہ نہ ہو تو حقدار باپ شریک (علاتی) بھائی ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو حقدار حقیقی بھائی کا بیٹا ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو علاتی بھائی کا بیٹا حقدار ہے۔

⓴ ثمّ الأعمام، ثمّ أعمام الأب، ثمّ أعمام الجدّ على الترتيب: اس عبارت میں چوتھے درجے کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے نہ فروع ہیں، نہ اصول ہیں اور نہ باپ کے فروع ہیں، تو میراث کا حقدار میت کے دادا کے فروع، یعنی میت کے چچے ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو حقدار میت کے باپ کے چچے ہیں، اگر وہ بھی نہ ہو تو حقدار میت کے دادا کے چچے ہیں، اُسی مذکورہ ترتیب کے مطابق، یعنی پہلے نمبر پر حقیقی چچا ہے، دوسرے نمبر پر علاتی چچا ہے، پھر حقیقی چچا کے بیٹے ہیں، پھر علاتی چچا کے بیٹے ہیں۔

㉑ ثمّ المعتِق، ثمّ عصبته على الترتيب: یہ عصبہ سببیہ کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عصبہ نسبیہ میں سے کوئی

بھی موجود نہ ہو تو میراث کا حقدار میت کا معتِق (آزاد کرنے والا) ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو معتِق کے عصبہ حقدار ہیں اُسی مذکورہ ترتیب کے مطابق، یعنی سب سے پہلے معتِق کے فروع، پھر اس کے اصول، پھر اس کے باپ کے فروع اور پھر اس کے دادا کے فروع حقدار ہوں گے۔

۶۲ وَاللَّاتِي فَرْضُهُنَّ النِّصْفُ وَالثُّلُثَانِ يَصِرْنَ عَصَبَةً بِإِخْوَتِهِنَّ ۶۳ وَمَنْ يُدْلِي بِغَيْرِهٖ: حُجِبَ بِهٖ، سِوٰى وَلَدِ الْأُمِّ ۶۴ وَالْمَحْجُوْبُ يَحْجُبُ كَالْأَخَوَيْنِ، أَوِ الْأُخْتَيْنِ يَحْجُبَانِ الْأُمَّ مِنَ الثُّلُثِ إِلَى السُّدُسِ مَعَ الْأَبِ ۶۵ لَا الْمَحْرُوْمُ بِالرِّقِّ، وَالْقَتْلِ مُبَاشَرَةً، وَاخْتِلَافِ الدِّيْنِ، أَوِ الدَّارِ.

ترجمہ: وہ عورتیں جن کا حصہ نصف یا ثلثان ہے، وہ عصبہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائیوں کی وجہ سے۔ اور جو منسوب ہو غیر کے ذریعے وہ محروم ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے، سوائے ماں کی اولاد کے۔ اور محجوب محجوب کر دیتا ہے، جیسے دو بھائی یا دو بہنیں محجوب کر دیتے ہیں ماں کو ثلث سے سدس کی طرف، باپ کے ساتھ۔ نہ کہ وہ جو محروم ہو غلامی، براہ راست قتل کرنے اور دین یا ملک کے اختلاف کی وجہ سے۔

تشریح:

۶۲ **واللاتي فرضهنّ النصف والثلثان يصرن ....الخ:** مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جن کا حصہ نصف یا ثلثان ہے، وہ اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہیں، یہ چار عورتیں ہیں: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن۔ ان میں سے اگر کوئی اکیلی وارثہ بن جائے تو اُسے نصف ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو ثلثان ملیں گے، اور اگر ان کے ساتھ بھائی ہو تو بہن اور بھائی دونوں عصبہ ہو جاتے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں ایسی عورتوں کو "عصبة مع غيره" کہا جاتا ہے۔

۶۳ **ومن يُدلي بغيرهٖ: حُجب به، سوٰى ولد الأم:** أدلى، يُدلي، إدلاءً کے معنی ہیں: منسوب ہونا، نزدیک ہونا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی وارث کسی واسطے کے ذریعے میت کی طرف منسوب ہوتا ہو، تو اگر وہ واسطہ موجود ہو تو یہ وارث اس کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے، مثلاً میت کا پوتا میت کے بیٹے کے واسطے سے منسوب ہے، تو اگر میت کا بیٹا خود موجود ہو تو پوتا محروم ہو جائے گا، کیونکہ ماقبل میں بتایا جا چکا ہے کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کا حق نہیں بنتا۔

مگر اس قاعدہ سے ماں کی اولاد (اَخیافی بہن بھائی) مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ ماں کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود ماں کے ہوتے ہوئے وہ محروم نہیں ہوتے، اس لئے کہ وہ ماں کا حصہ نہیں لے جاتے، ماں کو ولادة کی وجہ سے حصہ ملتا ہے، اور اَخیافی بہن بھائی کو أخوة کی وجہ سے حصہ ملتا ہے، دونوں کی جہتیں مختلف ہیں، لہٰذا ماں کی وجہ سے وہ محروم نہیں ہوتے۔

۶۴ **والمحجوب يحجب كالأخوين، أو الأختين ....الخ:** اس عبارت میں ایک قاعدہ بتا رہے ہیں، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص دوسرے وارث کی وجہ سے محجوب (محروم) ہو، وہ خود محجوب ہوتے ہوئے دوسرے کو بھی محجوب کر دیتا ہے، مثلاً میت کے ورثہ

میں دو بھائی، باپ اور ماں ہیں، تو یہاں باپ کی وجہ سے دو بھائی محجوب ہیں، مگر یہ بھائی خود محجوب ہوتے ہوئے بھی ماں کو محجوب کر دیتے ہیں، یعنی ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ثلث سے کم ہو کر سدس ہو گیا۔

فائدہ:

یہ بات سمجھ لیں کہ محجوب کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ بالکل محروم ہو جائے، کچھ بھی نہ ملے، اور دوسرا یہ کہ اس کا مقررہ حصہ کم ہو جائے، مذکورہ مثال میں بھائیوں کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہو گیا۔

⑥٥ لا المحروم بالرق، والقتل مباشرة ....إلخ: أي: لا يحجب المحروم... یہ بھی ایک قاعدہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میت کی میراث سے اس لئے محروم ہے کہ غلام ہے، یا اس نے اپنے مورث کو براہ راست[1] (مباشرۃ اپنے ہاتھ سے) قتل کیا ہے، یا اس کا اور مورث کا دین مختلف[2] ہے، یا ملک مختلف[3] ہے، تو ایسا محروم شخص دوسرے کو محجوب نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ معدوم کے درجے میں ہے، مثلاً باپ مر گیا، اس کا بیٹا غلام ہے، اور پوتا آزاد ہے، تو میراث پوتے کو ملے گی، بیٹا پوتے کو محجوب نہیں کر سکتا۔

> ⑥٦ وَالْكَافِرُ يَرِثُ بِالنَّسَبِ وَالسَّبَبِ، كَالْمُسْلِمِ ⑥٧ وَلَوْ حُجِبَ أَحَدُهُمَا: فَبِالْحَاجِبِ ⑥٨ لَا بِنِكَاحٍ مُحَرَّمٍ ⑥٩ وَيَرِثُ وَلَدُ الزِّنَا، وَاللِّعَانِ بِجِهَةِ الْأُمِّ فَقَطْ ⑧٠ وَوُقِفَ لِلْحَمْلِ حَظُّ ابْنٍ ⑧١ وَيَرِثُ إِنْ خَرَجَ أَكْثَرُهُ، فَمَاتَ، لَا أَقَلُّهُ ⑧٢ وَلَا تَوَارُثَ بَيْنَ الْغَرْقَى وَالْحَرْقَى ⑧٣ إِلَّا إِذَا عُلِمَ تَرْتِيبُ الْمَوْتَى.

ترجمہ: اور کافر میراث لیتا ہے نسب اور سبب کی وجہ سے، جیسے مسلمان۔ اور اگر محجوب ہو جائے ایک (جہت) تو (میراث لے گا) حاجب (جہت) سے۔ نہ کہ حرام نکاح سے۔ اور میراث لے گا زنا اور لعان کا بچہ صرف ماں کی جہت سے۔ اور موقوف رکھا جائے گا حمل کیلئے بیٹے کا حصہ۔ اور میراث لے گا اگر نکلا اس کا اکثر حصہ، پھر مر گیا، نہ کہ اس کا کمتر حصہ۔ اور وراثت نہیں ہوگی ڈوب کر اور جل کر مرنے والوں کے درمیان۔ مگر جب معلوم ہو جائے مرنے والوں کی ترتیب۔

تشریح:

⑥٦ والكافر يرث بالنسب، والسبب كالمسلم: مسئلہ یہ ہے کہ میراث کے سلسلے میں کافر مسلمان کی طرح ہے، لہٰذا جس طرح مسلمان نسب کی وجہ سے بھی وارث بنتا ہے جیسے بیٹا باپ کا وارث بنتا ہے، اسی طرح کافر بھی نسب کی وجہ سے وارث

---

① مباشرۃ قتل سے مراد قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطاء اور قتل جاری مجری خطاء ہے۔ ان چاروں صورتوں میں اگر وارث نے اپنا مورث قتل کر دیا تو وارث میراث سے محروم ہو جائے گا، البتہ قتل بالسبب کی وجہ سے محروم نہیں ہوگا۔ ② مثلاً میت مسلمان ہے، اور اس کا وارث کافر ہے، یا اس کے برعکس ہے۔ ③ مثلاً میت کافر ہے، اس کا تعلق امریکہ سے ہے اور اس کا بیٹا کافر ہے، اس کا تعلق برطانیہ سے ہے۔

بن سکتا ہے، اور جس مسلمان سبب کی وجہ سے بھی وارث بنتا ہے، جیسے بیوی نکاح کے سبب شوہر کی وارثہ بنتی ہے، اسی طرح کافر بھی سبب کی وجہ سے وارث بن سکتا ہے، کیونکہ وراثت معاملات میں سے ہے، اور معاملات میں مسلمان اور کافر (ذمی) برابر ہوتے ہیں۔

۵۷ **ولو حُجب أحدُهما: فبالحاجب:** أي: لو حُجب أحدُ السببين بالآخر: فيرث بالسبب الحاجب. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کافر میں وارث بننے کی دو ایسی جہتیں جمع ہوئیں کہ اگر یہ دو جہتیں دو آدمیوں میں جمع ہو جائیں تو ایک حاجب (محروم کرنے والا) اور دوسرا محجوب (محروم) ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں کافر حاجب جہت سے میراث لے گا، مثلاً ایک کافر نے اپنی ماں سے نکاح کیا اور اس سے بچہ ہو گیا، پھر ماں مرگئی، تو بچے میں دو جہتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ ماں کا بیٹا ہے، اور دوسرا یہ کہ وہ ماں کے بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا) ہے، ظاہر ہے کہ بیٹے کی جہت حاجب اور پوتے کی جہت محجوب ہے، لہٰذا اگر بچے میں بیٹے ہونے کی جہت کا اعتبار کیا جائے تو وہ ماں کا وارث بنے گا، اور اگر اس میں پوتے ہونے کی جہت کا اعتبار کیا جائے تو وارث نہیں ہوگا، تو ہم حاجب یعنی بیٹے ہونے کی جہت کا اعتبار کر کے بچے کو وارث بنائیں گے، کیونکہ حاجب جہت اولیٰ و بہتر ہے محجوب جہت سے۔

۵۸ **لا بنكاحٍ محرّمٍ:** أي: لا يرث الكافر بنكاح محرّم. مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر نے حرام نکاح کیا تو اس کی وجہ سے وہ میراث نہیں پائے گا، مثلاً کسی کافر نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا اور پھر بیٹی مرگئی، تو کافر نکاح کے سبب شوہر کی جہت سے میراث نہیں پائے گا، بلکہ باپ کی حیثیت سے میراث لے گا، کیونکہ اسلامی قانون میں حرام نکاح کا اعتبار نہیں ہے، اور میراث اسلامی قانون کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۵۹ **ويرث ولدُ الزنا، واللعانِ بجهة الأم فقط:** حرام زادہ اور وہ بچہ جس کی وجہ سے لعان ہوا ہے، وہ صرف ماں کی جہت سے وارث ہوگا، نہ کہ باپ کی جہت سے، لہٰذا اگر اس بچے کا باپ، یا دادا، یا چچا وغیرہ (باپ کا رشتہ دار) مر گیا تو بچہ اس کا وارث نہیں ہوگا، اور اگر بچے کی ماں، نانا، نانی وغیرہ (ماں کا رشتہ دار) مر گیا تو بچہ اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس بچے کا نسب باپ سے منقطع ہو کر ماں سے ملحق ہو گیا ہے، لہٰذا اس کی وراثت بھی صرف ماں کی جہت سے ہوگی۔

۶۰ **ووُقف للحمل حظُّ ابنٍ:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت کی بیوی حاملہ ہے، اور ورثہ میراث تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو حمل کو لڑکا شمار کر کے اس کا حصہ موقوف رکھا جائے، پیدائش کے بعد اگر واقعی وہ لڑکا تھا تو ٹھیک، اور اگر لڑکی تھی تو لڑکی کا حصہ دیا جائے اور اگر مرا ہوا پیدا ہوا تو اس کا حصہ پھر سے ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

مگر اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ حمل کی پیدائش تک میراث تقسیم نہ کی جائے، تا کہ اس کا وارث ہونا نہ ہونا، یا مرد ہونا یا عورت ہونا ظاہر ہو جائے۔ لیکن اگر پیدائش سے پہلے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہیں تو حمل کو لڑکا فرض کر کے مسئلہ نکالیں، پھر لڑکی فرض کر کے نکالیں جس صورت میں اس کا حصہ زیادہ بنتا ہے وہی حصہ اس کیلئے موقوف رکھا جائے۔ كذا في أحسن الفتاویٰ: ۹/۳۰۰

۶۱ **ويرث إن خرج أكثرُه، فمات، لا أقلُّه:** اگر کسی بچے کے بدن کا اکثر حصہ ماں کے پیٹ سے زندہ ہو کر نکلا،

اور پھر مر گیا تو وہ اپنے مورث سے میراث پائے گا، اور اگر اس کا کمتر حصہ نکلا اور مر گیا تو میراث نہیں پائے گا، کیونکہ میراث پانے کا دارو مدار زندہ پیدا ہونے پر ہے، اور بدن کا اکثر حصہ کُل بدن کا قائم مقام ہے، لہٰذا اکثر حصے کا زندہ پیدا ہونا ایسا ہے جیسے سارا زندہ ہو کر نکلے۔

۵۲ ولا توارث بين الغرقى، والحرقى: غرقى جمع ہے غريق کی، پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔ حرقى جمع ہے حريق کی، آگ میں جل کر مرنے والا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً باپ اور بیٹا دونوں بیک وقت پانی میں ڈوب کر مر گئے، یا آگ میں جل کر مر گئے، تو ان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، کیونکہ وراثت جاری ہونے کی شرط یہ ہے کہ مورث پہلے مر جائے، جبکہ یہاں معلوم نہیں کہ کس کی موت پہلے واقع ہوئی، لہٰذا وراثت جاری نہیں ہوگی۔

۵۳ إلا إذا عُلم ترتيب الموتى: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ یعنی مگر یہ کہ مرنے والوں کی ترتیب معلوم ہو کہ پہلے یہ مرا پھر وہ مرا، تو اس صورت میں میراث جاری ہوگی، کیونکہ وراثت جاری ہونے کی شرط موجود ہے۔

۵۴ وَذُوْ رَحِمٍ، وَهُوَ قَرِيْبٌ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ، وَلَا عَصَبَةٌ ۵۵ وَلَا يَرِثُ مَعَ ذِي سَهْمٍ، وَلَا عَصَبَةٍ ۵۶ سِوٰى أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ؛ لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَيْهِمَا ۵۷ وَتَرْتِيْبُهُمْ كَتَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ ۵۸ وَالتَّرْجِيْحُ بِقُرْبِ الدَّرَجَةِ ۵۹ ثُمَّ بِكَوْنِ الْأَصْلِ وَارِثًا ۶۰ وَعِنْدَ اخْتِلَافِ جِهَةِ الْقَرَابَةِ فَلِقَرَابَةِ الْأَبِ ضِعْفُ قَرَابَةِ الْأُمِّ ۶۱ وَإِنْ اتَّفَقَ الْأُصُوْلُ: فَالْقِسْمَةُ عَلَى الْأَبْدَانِ ۶۲ وَإِلَّا: فَالْعَدَدُ مِنْهُمْ، وَالْوَصْفُ مِنْ بَطْنٍ اِخْتَلَفَ.

ترجمہ: اور (ورثہ) ذورحم ہیں، یہ وہ رشتہ دار ہے جو نہ حصہ والا ہے اور نہ عصبہ ہے۔ اور میراث نہیں پاتا حصہ والے، اور عصبہ کے ساتھ۔ سوائے زوجین میں سے ایک کے ساتھ، ان پر رد نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور ان کی ترتیب عصبات کی ترتیب کی طرح ہے۔ اور ترجیح درجہ کے قرب کی وجہ سے ہے۔ پھر اصل کے وارث ہونے سے ہے۔ اور قرابتِ جہت کے اختلاف کے وقت باپ کی قرابت والے کیلئے دوگنا ہے ماں کی قرابت والے سے۔ اور اگر متفق ہوں اصول تو تقسیم ابدان پر ہوگی۔ ورنہ عدد ان سے ہوگا اور وصف اس بطن سے ہوگا جس میں اختلاف ہوا ہے۔

تشریح: ذوی الأرحام

۵۴ وذو رحمٍ، وهو قريب ليس بذي ....الخ: یہ عطف ہے مسئلہ نمبر (۲) میں ذوي فرض پر، أي: هم ذو رحمٍ. اس عبارت میں ذوی الأرحام کی تعریف بتا رہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ذو رحم میت کا وہ رشتہ دار ہے جو نہ حصہ والا (ذوی الفروض) ہے اور نہ عصبہ ہے، جیسے نواسہ، نانا، بھانجا وغیرہ، ان کا نہ کوئی حصہ مقرر ہے اور نہ عصبات میں سے ہیں۔

۵۵ ولا يرث مع ذي سهمٍ، ولا عصبة: ذوی الأرحام کا حکم یہ ہے کہ وہ ذوی الفروض اور عصبہ کے ساتھ میراث

نہیں لے سکتے، لہٰذا اگر میت کے ورثہ میں ذوی الفروض یا عصبہ موجود ہوں تو ذورحم کو میراث نہیں ملے گی، کیونکہ ذوی الفروض اور عصبات میت سے زیادہ قریب ہیں ذوی الأرحام کی بہ نسبت، لہٰذا میت کا ترکہ سب سے پہلے ذوی الفروض کو دیا جائے گا، اگر ان سے کچھ بچ گیا تو عصبات کو دیا جائے گا، اور اگر عصبات موجود نہ ہوں تو بچا ہوا مال واپس ذوی الفروض پر رد کیا جائے گا، ذوی الأ حام کو کچھ نہیں ملے گا۔

۵۱ **سوی أحد الزوجين؛ لعدم الرد عليهما:** یہ ما قبل سے استثناء ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ذوی الفروض کے ہوتے ہوئے ذوی الأرحام کو کچھ بھی نہیں ملے گا، سوائے شوہر اور بیوی میں سے ایک کے، یعنی اگر ذوی الفروض میں سے صرف شوہر ہے، یا صرف بیوی ہے تو اس کے ہوتے ہوئے بھی ذوی الأرحام کو میراث ملے گی، اس لئے کہ شوہر اور بیوی ایسے ذوی الفروض ہیں جن پر بچا ہوا مال دوبارہ رد نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا ان کو مقررہ حصہ دینے کے بعد اگر مال بچ گیا تو وہ عصبات کو دیا جائے گا، اور اگر عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الأرحام کو ملے گا۔

۵۰ **وترتيبهم كترتيب العصبات:** مسئلہ نمبر (۳۷) میں عصبات کے درجات کی جو ترتیب بیان ہوئی وہی ترتیب ذوی الأرحام میں بھی ہے، لہٰذا ذوی الأرحام کا سب سے پہلے درجے میں میت کے فروع ہیں، جیسے نواسے اور نواسیاں، دوسرے درجے میں میت کے اصول ہیں، جیسے نانا اور جدہ فاسدہ، تیسرے درجے میں میت کے ماں باپ کے فروع ہیں، جیسے بھانجا اور بھتیجی، چوتھے درجے میں میت کے دادا اور دادی کے فروع ہیں، جیسے پھوپھی، ماموں، خالہ وغیرہ۔

۵۱ **والترجيح بقرب الدرجة:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مختلف ذوی الأرحام جمع ہو جائیں تو سب سے پہلے ان میں ترجیح قرب درجہ کی بناء پر ہوگی، لہٰذا جس کا درجہ قریب ہو اس کو ترجیح دے کر وارث بنایا جائے گا، اور جس کا درجہ دور ہو وہ محروم ہوگا، مثلاً اگر نواسی اور پڑنواسی دونوں موجود ہوں تو نواسی کو ترجیح ہوگی، کیونکہ اس کا درجہ قریب ہے، اور قریب کے ہوتے ہوئے بعید کا حق نہیں بنتا۔

۵۰ **ثم بكون الأصل وارثا:** أي: ثم الترجيح بكون.... یعنی اگر مختلف ذوی الأرحام درجہ قرابت میں برابر ہوں تو دوسرے نمبر پر ان میں اصل کے وارث ہونے کی بناء پر ترجیح ہوگی، یعنی جس ذورحم کا اصل وارث ہے اس کو ترجیح ہوگی اور جس ذورحم کا اصل وارث نہیں ہے وہ محروم ہوگا، مثلاً بنت بنت الابن (پوتی کی بیٹی) اور بنت بنت البنت (نواسی کی بیٹی) دونوں موجود ہیں اور درجہ میں بھی دونوں برابر ہیں، تو بنت بنت الابن کو ترجیح دے کر اُسے وارث بنایا جائے گا، کیونکہ اس کی اصل (بنت الابن) میت کی وارث ہے، جبکہ بنت بنت البنت کی اصل (بنت البنت) وارث نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ جس کا اصل وارث ہو اس کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

۵۵ **وعند اختلاف جهة القرابة: فلقرابة الأب....إلخ:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مختلف ذوی الأرحام درجہ قرابت میں بھی برابر ہیں، اور اصل کے وارث ہونے نہ ہونے میں بھی برابر ہیں، البتہ جہت قرابت میں اختلاف ہے، یعنی ایک ماں کی جہت سے میت کا رشتہ دار ہے، اور دوسرا باپ کی جہت سے رشتہ دار ہے، تو باپ کی جہت سے رشتہ دار کو دوگنا ملے گا ماں کی جہت کے رشتہ دار سے، اس کی صورت یہ ہے:

میتـــــــــــــ

بنت	بنت
بنت (صالحہ)	ابن (سلیم)
ابن (خالد)	بنت (خالدہ)

خالد ماں کی جہت سے رشتہ دار ہے، اس کو ایک حصہ ملے گا، اور خالدہ باپ کی جہت سے رشتہ دار ہے، اسے دو حصے ملیں گے۔

⓫ **وإن اتـفـق الأصـول: فالقسمة على الأبدان:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذوی الأ رحام درجہ قرابت میں برابر ہوں، اور اصل کے وارث ہونے نہ ہونے میں بھی برابر ہوں، اور جہت قرابت میں بھی برابر ہوں، یعنی ان کے اصول متفق ہیں، سب ماں کی جہت سے رشتہ دار ہیں، یا سب باپ کی جہت سے رشتہ دار ہیں، تو ایسی صورت میں میراث کی تقسیم ان کے بدن (ذات) کے مطابق ہوگی، وہ یہ کہ مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک حصہ ملے گا، اس کی صورت یہ ہے:

میتـــــــــــــ

بنت	بنت	بنت
ابن	ابن	ابن
ابن (کریم)	بنت (صالحہ)	بنت (خالدہ)
۲	۱	۱

یہاں کریم، صالحہ، اور خالدہ تمام چیزوں میں برابر ہیں، لہٰذا ان کے بدن (ذات) کے مطابق تقسیم کر کے کریم کو دو، صالحہ اور خالدہ کو ایک ایک حصہ دیا گیا۔

⓬ **وإلّا: فالعدد منهم، والوصف من بطن اختلف:** أي: وإن لا يتفق الأصول: فالعدد.... یہ مسئلہ نمبر (۶۰) کی مزید وضاحت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر ذوی الأ رحام درجہ قرابت میں برابر ہوں، اصل کے وارث ہونے نہ ہونے میں بھی برابر ہوں، مگر اصول میں برابر نہ ہوں، ایک کی اصل ماں ہے اور دوسرے کا اصل باپ ہے، تو ایسی صورت میں میراث تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تعداد ذوی الأ رحام کی معتبر ہوگی، اور مرد وعورت ہونے کا وصف اس بطن (پشت) میں معتبر ہوگا جہاں اختلاف واقع ہوا ہے، اس کی صورت یہ ہے:

میتـــــــــــــ

بطن اول ← بنت — بنت

بطن ثانی ← بنت — ابن

بطن ثالث ← بنت — بنت

ابن (شریف) ، ابن (اکرم) — بنت (حلیمہ)

۱ — ۱

اس مثال میں مرد اور عورت کا اختلاف بطن ثانی میں آیا، لہٰذا اسی بطن میں ذوی الأ رحام (شریف، اکرم، حلیمہ) کی تعداد کے مطابق میراث تقسیم ہوگی، تو بطن ثانی کی بنت کی اولاد میں چونکہ دو فروع (شریف اور اکرم) ہیں، لہٰذا ان کو دو بنات سمجھا جائے گا، اور بطن

بطن ثانی میں ابن کی اولاد میں چونکہ ایک نواسی (حلیمہ) ہے، لہٰذا اس نواسی کو ایک ابن سمجھا جائے گا، حاصل یہ کہ بطن ثانی میں دو بنات اور ایک ابن جمع ہوئے، اور ان میں میراث نصف نصف تقسیم ہوگی، ایک حصہ دونوں بنات کو اور ایک حصہ ابن کو ملے گا، پھر بطن ثانی کے حصے ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوئے، لہٰذا ذوی الارحام میں بھی شریف اور اکرم دونوں کو ایک حصہ ملا، کیونکہ وہ دونوں گویا دو بنات ہیں، اور حلیمہ کو بھی ایک حصہ ملا، کیونکہ وہ گویا ابن ہے۔

⑬ وَالْفُرُوْضُ نِصْفٌ، وَرُبْعٌ، وَثُمْنٌ، وَثُلُثَانِ، وَثُلُثٌ، وَسُدُسٌ ⑭ وَمَخَارِجُهَا اِثْنَانِ لِلنِّصْفِ، وَأَرْبَعَةٌ، وَثَمَانِيَةٌ، وَثَلَاثَةٌ، وَسِتَّةٌ لِسَمِيِّهَا ⑮ وَاثْنَا عَشَرَ، وَأَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ بِالْاِخْتِلَاطِ ⑯ وَتَعُوْلُ بِزِيَادَةٍ ⑰ فَسِتَّةٌ إِلَى عَشْرَةٍ وِتْرًا، وَشَفْعًا ⑱ وَاثْنَا عَشَرَ إِلَى سَبْعَةَ عَشَرَ وِتْرًا ⑲ وَأَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ إِلَى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ.

ترجمہ: اور مقررہ حصے نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس ہیں۔ اور ان کے مخارج دو ہے نصف کیلئے اور چار، آٹھ، تین اور چھ ہیں اپنے ہم نام کیلئے۔ اور بارہ اور چوبیس ہیں خلط ملط ہونے سے۔ اور (مخارج) عول ہوجاتے ہیں زیادتی سے۔ پس چھ (کا عول ہوتا ہے) دس تک طاق اور جفت ہوکر۔ اور بارہ (کا عول ہوتا ہے) سترہ تک طاق ہوکر۔ اور چوبیس (کا عول ہوتا ہے) ستائیس تک۔

تشریح: **فروض اور مخارج**

⑬ والفروض نصف، وربع، وثمن، و ....إلخ: شریعت میں ورثہ کیلئے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں وہ کل چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث، سدس۔ ان کو فُروض کہتے ہیں، یہ فَرْض کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: مقرر حصہ۔

⑭ ومخارجها اثنان للنصف، وأربعة، وثمانية، و ....إلخ: سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ مذکورہ چھ حصوں میں سے ہر حصہ کسی عدد سے نکلتا ہے، مثلاً سدس نکلتا ہے چھ سے، یعنی چھٹا حصہ دینے کیلئے اس چیز کے چھ حصے کئے جائیں گے، اور اسی طرح ربع نکلتا ہے چار سے، ثلثان نکلتے ہیں تین سے، تو جو حصہ جس عدد سے نکلے وہ عدد اس حصے کا مخرج کہلاتا ہے، لہٰذا سدس کا مخرج چھ ہے، ثمن کا مخرج آٹھ ہے، ربع کا مخرج چار ہے، اسی طرح اور بھی۔ عبارت میں سمیّ کے معنی ہیں: ہم نام، مثلاً سدس کا ہم نام ستة ہے، ثمن کا ہم نام ثمانية ہے، ثلث کا ہم نام ثلاثة ہے، ربع کا ہم نام أربعة ہے۔

مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ نصف کا مخرج دو ہے، یعنی کسی چیز کا نصف دینے کیلئے اس چیز کے دو حصے کیے جائیں گے۔ نصف کا کوئی ہم نام نہیں ہے، اس وجہ سے مصنفؒ نے اس کی تصریح کردی۔ اور ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس میں سے ہر ایک کا مخرج اس کا ہم نام ہے، لہٰذا ربع کا مخرج أربعة ہے، ثمن کا ثمانية ہے، ثلثان اور ثلث دونوں کا ثلاثة ہے، اور سدس کا مخرج ستة ہے۔

⑮ واثنا عشر، واربعة وعشرون بالاختلاط: مذکورہ چھ حصے جب آپس میں مل کر خلط ملط ہوجائیں تو ان کا مشترک مخرج کبھی بارہ بن جاتا ہے، اور کبھی چوبیس بن جاتا ہے، اس بارے میں تین باتیں یاد رکھیں:

(۱) اگر نصف مل گیا ثلثان یا ثلث یا سدس یا ان سب کے ساتھ تو مشترک مخرج چھ ہوگا۔

(۲) اگر ربع مل گیا 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 بارہ ہوگا

(۳) اگر ثمن مل گیا 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 چوبیس ہوگا۔

ایک صورت ملاحظہ فرمائیں:

میت مخرج ۲۴

زوجہ	بنتان	ام
ثمن	ثلثان	سدس
۳	۱۶	۴

یہاں ثمن مل گیا ہے ثلثان اور سدس کے ساتھ، اس لئے مخرج ۲۴ ہوگیا، یعنی میت کا سارا مال ۲۴ حصوں پر تقسیم کر کے تین حصے زوجہ کے، ۱۶ حصے بیٹیوں کے، اور چار حصے ماں کو ملیں گے۔

⑯ وتعول بزيادة: عال، يعول، عولًا کے معنی ہیں: اوپر چڑھنا، زیادہ ہوجانا۔ مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ چھ مخارج بعض اوقات زیادتی کی وجہ سے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ورثہ کو ملنے والے حصوں کا مجموعہ زیادہ ہوجاتا ہے، اور مخرج ان سے چھوٹا رہ جاتا ہے، اس لئے مجبوراً مخرج کو بھی بڑھ کر زیادہ کر دیتے ہیں، مثلاً

میت مخرج ۶ عول ۸

زوج	بنتان	ام
نصف	ثلثان	سدس
۳	۴	۱

یہاں قاعدہ[①] کے مطابق مخرج چھ ہے، مگر ورثہ کو ملنے والے حصوں (۳،۴،۱) کا مجموعہ آٹھ بن جاتا ہے، اس لئے مجبوراً مخرج میں بھی زیادتی کر کے اسے ۶ سے بڑھا کر ۸ کردیا، اس کو کہتے ہیں عول۔

⑰ فستة إلى عشرة وترا، وشفعا: یعنی اگر مخرج چھ ہو تو اس کا عول دس تک ہوسکتا ہے، طاق بھی جفت بھی، مثلاً کبھی ۷، کبھی ۸، کبھی ۹، اور کبھی ۱۰ تک عول ہوتا ہے۔

⑱ واثنا عشر إلى سبعة عشر وترا: اگر مخرج بارہ ہو تو اس کا عول سترہ تک ہوسکتا ہے طاق ہو کر، مثلاً کبھی ۱۳، کبھی ۱۵، کبھی ۱۷ تک عول ہوتا ہے۔

① قاعدہ مسئلہ نمبر (۶۵) میں بیان ہوا کہ اگر نصف مل گیا۔۔۔

⑲ وأربعة وعشرون إلى سبعة وعشرين: اگر مخرج چوبیس ہو تو اس کا عول صرف ستائیس بن سکتا ہے۔ البتہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چوبیس کا عول کبھی ۳۱ بھی ہو سکتا ہے، مگر یہ جمہور کا مسلک نہیں ہے۔

⑳ وَإِنْ انْكَسَرَ حَظُّ فَرِيقٍ: ضُرِبَ وَفْقُ الْعَدَدِ فِي الْفَرِيضَةِ إِنْ وَافَقَ ㉑ وَإِلَّا: فَالْعَدَدُ فِي الْفَرِيضَةِ ㉒ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجٌ ㉓ وَإِنْ تَعَدَّدَ الْكَسْرُ، وَتَمَاثَلَ: ضُرِبَ وَاحِدٌ ㉔ وَإِنْ تَدَاخَلَ: فَالْأَكْثَرُ ㉕ وَإِنْ تَوَافَقَ: فَالْوَفْقُ ㉖ وَإِلَّا: فَالْعَدَدُ فِي الْعَدَدِ، ثُمَّ، وَثُمَّ، ثُمَّ الْمَبْلَغُ فِي الْفَرِيضَةِ، وَعَوْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر ٹوٹ جائے کسی فریق کا حصہ تو ضرب دی جائے گی عدد (رؤس) کے وفق کو مخرج میں، بشرطیکہ توافق ہو۔ ورنہ عدد (رؤس کو ضرب دی جائے گی) مخرج میں۔ پس حاصل ضرب مخرج ہے۔ اور اگر متعدد ہو جائے کسر، اور تماثل ہو، تو ضرب دی جائے گی ایک کو۔ اور اگر تداخل ہو تو بڑے کو (ضرب دی جائے گی)۔ اور اگر توافق ہو تو وفق کو (ضرب دی جائے گی)۔ ورنہ عدد (رؤس) کو عدد (رؤس) میں، پھر (عدد رؤس میں)، اور پھر (عدد رؤس میں ضرب دے کر)، پھر ٹوٹل کو مخرج میں اور اس کے عول میں (ضرب دی جائے گی)۔

تشریح: تصحیح

⑳ وإن انكسر حظ فريق: ضرب وفق....إلخ: یہاں سے مصنف رحمہ اللہ تصحیح کے قواعد بیان فرما رہے ہیں۔ تصحیح سمجھنے سے پہلے چند باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

✪ بعض اوقات ورثہ کے ایک فریق (جماعت) کو مشترک حصے ملتے ہیں، اور وہ حصے اس فریق کے افراد پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے، اس میں کسر (ٹکڑے) آتی ہے، مثلاً پانچ بیٹیوں کو آٹھ حصے ملتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آٹھ پورے پورے پانچ پر تقسیم نہیں ہو سکتے، لازماً اس میں کسر آجاتی ہے، اس کسر کو ختم کرنا تصحیح کہلاتا ہے۔

✪ دو عددوں کے درمیان نسبت کی چار قسمیں ہیں: تماثل، تداخل، توافق، تباین۔ (۱) تماثل یہ ہے کہ دو عدد آپس میں بالکل برابر ہوں، جیسے چار اور چار، ایسے دو عددوں کو متماثلین کہتے ہیں۔ (۲) تداخل یہ ہے دو عددوں میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو، اور بڑا چھوٹے پر پورا پورا تقسیم ہو جائے، جیسے ۱۰ اور ۲، ایسے دو عددوں کو متداخلین کہتے ہیں۔ (۳) توافق یہ ہے کہ دو عددوں میں سے ایک چھوٹا اور دوسرا بڑا ہو، بڑا چھوٹے پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا، مگر ایک تیسرا عدد ان دونوں کو تقسیم کر دیتا ہے، جیسے ۶ اور ۹، ان دونوں کو ۳ تقسیم کر دیتا ہے، ایسے دو عددوں کو متوافقین کہتے ہیں۔ (۴) تباین یہ ہے کہ دو عددوں میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو، نہ بڑا چھوٹے پر پورا پورا تقسیم ہوتا ہے، اور نہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو تقسیم کر سکتا ہے، جیسے ۵ اور ۷، ایسے دو عددوں کو متباینین کہتے ہیں۔

✪ عادِاعظم پر تقسیم کرنے سے جو جواب آئے اس کو ''وفق'' کہتے ہیں، مثلاً ۱۲، اور ۱۸ کو ۲، ۳ اور ۶ میں سے ہر ایک تقسیم کردیتا ہے، ان اعداد میں سب سے بڑا تقسیم کرنے والا عدد ۶ ہے، پس ۶ عاداعظم ہے ۱۲ اور ۱۸ کیلئے، اور ۱۲ کو ۶ پر تقسیم کرنے سے جواب آتا ہے ۲، تو ۱۲ کا وفق ۲ ہے، اور ۱۸ کو تقسیم کرنے سے جواب آتا ہے ۳، تو ۱۸ کا وفق ۳ ہے۔

✪ تصحیح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک ہی فریق میں کسر کو ختم کرنا ہو۔ (۲) ایک سے زیادہ فریقوں میں کسر کو ختم کرنا ہو۔

✪ عبارت میں العدد سے مراد ہے عدد روٴس (یعنی ورثہ کے افراد کی تعداد)، اور الفریضة سے مراد ہے مسئلے کا اصل مخرج۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر ایک ہی فریق کے حصے میں کسر آجائے تو اگر عدد روٴس اور حصوں کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو عدد روٴس کے وفق کو مخرج میں ضرب دی جائے، اور پھر ہر ہر فریق کے حصے میں بھی ضرب دی جائے، اس طرح کسر ختم ہوجائے گی، مثلاً:

میت ۶×۵=۳۰

ام	اب	بنات ۱۰
سدس	سدس	ثلثان
۱×۵	۱×۵	۴×۵
۵	۵	۲۰

یہاں مخرج ۶ ہے، اس میں سے بنات کے فریق کو پہلی مرتبہ چار حصے ملے، ظاہر ہے کہ ۱۰ پر چار پورے پورے تقسیم نہیں ہوسکتے، اور چونکہ ۴ اور ۱۰ کے درمیان توافق ہے، دونوں کا عاداعظم ۲ ہے، لہٰذا عدد روٴس (یعنی ۱۰) کے وفق ۵ کو سب سے پہلے مخرج (۶) میں ضرب دے کر ۳۰ کردیا، اور پھر وفق کو ہر ہر فریق کے حصے سے بھی ضرب دی، اس لئے بنات کے حصے ۲۰ ہو گئے، جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، باپ کے حصے ۵، اور ماں کے حصے بھی ۵ ہوگئے۔

۱ وإلّا: فالعدد في الفريضة: أي: وإلّا يكون توافق: فالعدد.... یعنی ماقبل صورت میں اگر عدد روٴس اور حصوں کے درمیان توافق نہ ہو، بلکہ تباین ہو تو عدد روٴس کو مخرج میں اور تمام حصوں میں ضرب دی جائے، مثلاً:

میت ۶×۳=۱۸

اخوات خیفیہ ۳	جدہ	زوج
ثلث	سدس	نصف
۲×۳	۱×۳	۳×۳
۶	۳	۹

یہاں تین اخوات اور ان کے ۲ حصوں میں تباین ہے، اس لئے عدد روٴس کو پہلے مخرج (۶) میں، اور پھر تمام حصوں میں ضرب دی، اس طرح اخوات کے ۲ حصے ۶ ہوگئے، جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں۔

۲ فالمبلغ مخرج: یعنی پرانے مخرج میں ضرب دینے سے جو جواب آتا ہے وہ نیا مخرج بن جاتا ہے، جیسے مذکورہ مثال میں پرانے مخرج (۶) میں ضرب دینے سے نیا مخرج ۱۸ بن گیا۔

وإن تعدد الكسر، وتماثل: ضرب واحدٌ: یہاں سے تصحیح کی دوسری قسم کو بیان فرما رہے ہیں۔ تماثل میں ضمیر کا مرجع **عدد الروؤس** ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کئی فریقوں میں کسر آجائے، اور ہر فریق کے عدد روؤس کا دوسرے فریق کے عدد روؤس کے ساتھ تماثل کی نسبت ہو، تو ان میں کوئی ایک عدد روؤس کو مخرج اور تمام حصوں سے ضرب دی جائے، مثلاً:

میت ۳×۳=۹

بنات ۳	أعمام ۳
ثلثان	عصبہ
۳×۲	۳×۱
۶	۳

یہاں تین بنات کو ۲ حصے ملے، ظاہر ہے کہ ۲ کو ۳ پر پورا پورا تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اور اسی طرح تین چچوں کو ایک حصہ ملا ہے، اس میں بھی کسر ہے، اور دونوں عدد روؤس (۳ اور ۳) میں تماثل ہے، لہٰذا کسی ایک کو لے کر مخرج اور تمام حصوں میں ضرب دینے سے کسر ختم ہوجائے گی، تین بنات کو ۶ حصے ملیں گے، اور تین چچوں کو ۳ حصے ملیں گے۔

وإن تداخل: فالأكثر: یعنی مذکورہ صورت میں اگر عدد روؤس کے آپس میں تداخل کی نسبت ہو تو ان میں سے جو بڑا ہو اس کو لے کر مخرج اور تمام حصوں سے ضرب دی جائے، مثلاً:

میت ۱۲×۱۲=۱۴۴

زوجات ۴	جدات ۳	أعمام ۱۲
ربع	سدس	عصبہ
۱۲×۳	۱۲×۲	۱۲×۷
۳۶	۲۴	۸۴

یہاں عدد روؤس (۴-۳-۱۲) کے درمیان تداخل ہے، اور ان میں سب سے بڑا ۱۲ ہے، لہٰذا اسی کو مخرج اور پھر تمام حصوں میں ضرب دے کر کسر کو ختم کر دیا۔

وإن توافق: فالوفق: یعنی مسئلہ نمبر (۷۳) کی صورت میں اگر عدد روؤس کے آپس میں توافق ہو تو کسر ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے عدد روؤس کے وفق کو دوسرے عدد روؤس میں ضرب دیں گے، اس سے جو جواب آئے گا اس کے اور تیسرے عدد روؤس کے درمیان اگر توافق ہے تو اس جواب کو تیسرے عدد روؤس کے وفق میں ضرب دیں گے، اور اگر تباین ہے تو کُل عدد روؤس میں ضرب دیں گے، اس سے جو جواب آئے گا اس کے اور چوتھے عدد روؤس کے درمیان اسی طرح نسبت دیکھ کر ضرب دیں گے، پھر اس سے جو جواب آئے گا اس کے اور پانچویں عدد روؤس کے درمیان نسبت دیکھ کر ضرب دیں گے، اس طرح آخر میں جو جواب آئے گا اس کو اصل مخرج اور تمام حصوں میں ضرب دے کر کسر کو ختم کیا جائے گا، مثلاً:

میت ۴۳۲۰=۱۸۰×۲۴

زوجات ۴	بنات ۱۸	جدات ۱۵	أعمام ۶
ثمن	ثلثان	سدس	عصبہ
۱۸۰×۳	۱۸۰×۱۶	۱۸۰×۴	۱۸۰×۱
۵۴۰	۲۸۸۰	۷۲۰	۱۸۰

یہاں پہلے عددرؤس (۴) اوران کے حصوں (۳) کے درمیان تبائن ہے، اس لئے عددرؤس (۴) کو لے کرمحفوظ کرلیا، پھر دوسرے عددرؤس (۱۸) اوران کے حصوں (۱۶) کے درمیان چونکہ تداخل ہے اس لئے عددرؤس (۱۸) کے وفق (۹) کوبھی محفوظ کرلیا، پھر تیسرے عددرؤس (۱۵) اوران کے حصوں (۴) کے درمیان چونکہ تبائن ہے، اس لئے عددرؤس (۱۵) کومحفوظ کرلیا، پھر چوتھے عددرؤس (۶) اوران کے حصے (۱) کے درمیان چونکہ تبائن ہےاس لئے عددرؤس (۶) کومحفوظ کرلیا۔

اس کے بعد چاروں محفوظ اعداد (۴،۹،۱۵،۶) کے درمیان نسبتیں دیکھیں، تو معلوم ہوا کہ ۴ اور ۶ کے درمیان توافق ہے، اس لئے ۴ کو ۶ کے وفق (۳) میں ضرب دی، جس سے ۱۲ جواب آیا، پھر ۱۲ اور ۹ کے درمیان نسبت دیکھی، تو وہ توافق ہے، اس لئے ۱۲ کو ۹ کے وفق (۳) میں ضرب دی، جس سے ۳۶ جواب آیا، پھر ۳۶ اور ۱۵ میں نسبت دیکھی تو وہ توافق ہے، اس لئے ۳۶ کو ۱۵ کے وفق (۵) میں ضرب دی، جس سے ۱۸۰ جواب آیا، پھر ۱۸۰ کو اصل مخرج (۲۴) میں ضرب دی، جس سے ۴۳۲۰ جواب آیا، پھر ۱۸۰ کو تمام حصوں سے بھی ضرب دی، جس کا حاصل یہ نکلا کہ چار زوجات کو ۵۴۰ حصے ملے، جواُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، اوراٹھارہ بنات کو ۲۸۸۰ حصے ملے، جواُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، اور پندرہ جدات کو ۷۲۰ حصے ملے، جواُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، اور چھ چچوں کو ۱۸۰ حصے ملے، جواُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں۔

● **وإلّا: فالعدد في العدد، ثم، وثم، ثم المبلغ في الفريضةِ، وعولها:** أي: وإن لا يكون التوافق:

فالعدد... یعنی اگر عددرؤس کے آپس میں توافق نہ ہو، بلکہ تباین ہوتو کسرختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے عددرؤس کو دوسرے میں ضرب دی جائے، پھر جو جواب آئے اس کو تیسرے عددرؤس میں ضرب دی جائے، پھر جو جواب آئے اس کو چوتھے میں، پھر اسی طرح چلتے چلتے آخر میں جو جواب آئے اس کو اصل مخرج میں ضرب دی جائے۔ اور اگر مسئلہ میں عول ہوتو عول میں ضرب دی جائے، اور اسی طرح آخری جواب کو تمام حصوں سے ضرب دی جائے، مثلاً:

میت ۵۰۴۰=۲۱۰×۲۴

زوجات ۲	جدات ۶	بنات ۱۰	أعمام ۴
ثمن	سدس	ثلثان	عصبہ
۲۱۰×۳	۲۱۰×۴	۲۱۰×۱۶	۲۱۰×۱
۶۳۰	۸۴۰	۳۳۶۰	۲۱۰

یہاں مذکورہ طریقے کے مطابق پہلے عددرؤس (یعنی ۲) اوران کے حصوں (۳) کے درمیان چونکہ تباین کی نسبت ہے، اس لئے

عدد رؤس (۲) کو محفوظ کرلیا، پھر دوسرے عدد رؤس (۶) اور ان کے حصوں (۴) کے درمیان چونکہ توافق کی نسبت ہے، اس لئے عدد رؤس (۶) کے وفق (۳) کو محفوظ کرلیا، پھر تیسرے عدد رؤس (۱۰) اور ان کے حصوں (۱۶) کے درمیان بھی چونکہ توافق ہے، اس لئے عدد رؤس (۱۰) کے وفق (۵) کو محفوظ کرلیا، پھر چوتھے عدد رؤس (۷) اور ان کے حصے (۱) کے درمیان بھی چونکہ تباین ہے، اس لئے عدد رؤس (۷) کو محفوظ کرلیا۔

اس کے بعد تمام محفوظ اعداد (۲،۳،۵،۷) کے درمیان جب نسبت دیکھی تو سب کے آپس میں تباین ہے، اس لئے پہلے (یعنی ۲) کو دوسرے (۳) میں ضرب دی، جس سے ۶ جواب آیا، پھر ۶ کو ۵ میں ضرب دی، جس سے ۳۰ جواب آیا، پھر ۳۰ کو ۷ میں ضرب دی، جس سے ۲۱۰ جواب آیا، پھر ۲۱۰ کو اصل مخرج (۲۴) میں ضرب دی، جس سے ۵۰۴۰ جواب آیا، اور پھر ۲۱۰ کو تمام حصوں میں بھی ضرب دی، جس سے تمام فریقوں میں کسر ختم ہوگئی۔

حصوں کو عدد رؤس پر تقسیم کرکے دیکھ لیں، اگر مسئلہ میں عول ہو تو آخری حاصلِ ضرب، یعنی ۲۱۰ کو عول میں ضرب دیں، اور پھر تمام حصوں میں ضرب دی جائے۔

● وَمَا فَضَلَ يُرَدُّ عَلَى ذَوِي الْفُرُوْضِ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ، إِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ ● فَإِنْ كَانَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ جِنْسًا وَاحِدًا: فَالْمَسْأَلَةُ مِنْ رُؤُوْسِهِمْ، كَبِنْتَيْنِ، أَوْ أُخْتَيْنِ ● وَ إِلَّا: فَمِنْ سِهَامِهِمْ ● فَمِنْ اِثْنَيْنِ: لَوْ سُدُسَانِ ● وَثَلَاثَةٍ: لَوْ ثُلُثٌ وَسُدُسٌ ● وَأَرْبَعَةٍ: لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ ● وَخَمْسَةٍ: لَوْ ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ، أَوْ نِصْفٌ وَسُدُسَانِ، أَوْ نِصْفٌ وَثُلُثٌ.

ترجمہ: اور جو بچ جائے اس کو لوٹایا جائے گا ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے بقدر، سوائے زوجین پر۔ تو جن پر لوٹایا جا رہا ہے اگر وہ ایک جنس ہیں تو مسئلہ ان کے حصوں سے ہوگا، جیسے دو بیٹیاں، یا دو بہنیں۔ ورنہ ان کے حصوں سے ہوگا۔ پس دو سے ہوگا اگر دو سدس ہوں۔ اور تین سے ہوگا اگر ثلث اور سدس ہوں۔ اور چار سے ہوگا اگر نصف اور سدس ہوں۔ اور پانچ سے ہوگا اگر دو ثلث اور سدس ہوں، یا نصف اور دو سدس ہوں، یا نصف اور ثلث ہوں۔

تشریح: ردّ کا بیان

● **وما فضل: يُردّ على ذوي الفروض .....إلخ:** یہاں سے ردّ کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ اس بارے میں دو باتیں ذہن نشین کیجئے:

① میراث کی تقسیم میں سب سے پہلے ذوی الفروض کے حصے دیے جاتے ہیں، ان سے جو بچ جائے وہ عصبات کو دیا جاتا

ہے، اگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بچا ہوا مال دوبارہ ذوی الفروض کو دیا جاتا ہے، ذوی الفروض کو دوبارہ بچا ہوا مال دینے کو ردّ کہا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ ذوی الفروض کل بارہ ہیں، ان میں سے زوج اور زوجہ کو دوبارہ بچا ہوا مال نہیں دیا جاتا، ان کو "من لا یُردُّ علیه" کہتے ہیں۔ باقی دس ذوی الفروض کو بچا ہوا مال دوبارہ دیا جاتا ہے، یعنی ان پر ردّ کیا جاتا ہے، ان کو "من یُرد علیه" کہتے ہیں۔

عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ دوبارہ ذوی الفروض پر ردّ کیا جاتا ہے ان کے حصوں کے مطابق، یعنی جس کو پہلی مرتبہ تقسیم میں جتنا حصہ ملا ہے اس کو بچے ہوئے مال میں سے بھی اتنا ہی دیا جائے گا، مثلاً جس کو پہلی مرتبہ سدس ملا ہے اب بچے ہوئے مال میں سے بھی سدس ہی ملے گا، البتہ زوجین اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کو پہلی مرتبہ دینے کے بعد بچے ہوئے مال میں سے کچھ نہیں ملے گا، یعنی ان پر ردّ نہیں کیا جاتا۔

﴿۵﴾ فإن كان من يُردّ عليه جنسا واحدا.....إلخ: پہلے یہ سمجھ لیں کہ ردّ کی دو صورتیں ہیں: (۱) ورثہ میں من لا یُردّ علیه نہیں ہیں، صرف من یُردّ علیه ہیں۔ (۲) ورثہ میں من لا یُرد علیه اور من یُردّ علیه دونوں موجود ہیں۔

پہلی صورت کی پھر دو قسمیں ہیں: ﴿۱﴾ من یُردّ علیه سب ایک جنس سے ہوں، مثلاً سب بیٹیاں ہیں، یا سب بہنیں ہیں۔ ﴿۲﴾ من یُردّ علیه کا تعلق الگ الگ جنس سے ہو، مثلاً کچھ بیٹیاں، کچھ بہنیں ہیں اور کچھ اور ہیں۔

متن کی عبارت میں پہلی صورت کی پہلی قسم کا بیان ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے ورثہ میں صرف من یُردّ علیه ہوں، اور ان کا تعلق ایک ہی جنس سے ہو، تو ردّ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے رؤس (افراد) کے مطابق مسئلہ کا مخرج بنایا جائے، مثلاً میت کی صرف دو بیٹیاں ہیں، یا صرف دو بہنیں ہیں، تو شروع ہی سے مسئلے کا مخرج دو بنایا جائے، مثلاً:

میتہ — مخرج ۲

بنت	بنت
۱	۱

حقیقت میں تو یہاں مسئلے کا مخرج ۳ بنتا ہے، ۳ میں سے دو ثلث دو بیٹیوں کو دے کر ایک ثلث بچ جاتا ہے، جس کیلئے ردّ کی ضرورت ہے، یعنی باقی ایک ثلث بھی دو بیٹیوں کو دیا جائے گا، اور ردّ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہی سے مخرج دو بنایا جائے، ہر بیٹی کو ایک ایک حصہ دیا جائے۔ یہی صورت دو بہنوں کی بھی ہے۔

﴿۵﴾ وإلّا: فمن سهامهم: أي: وإن لا تكون الورثة جنسا واحدا: فمن سهامهم. یہ پہلی صورت کی دوسری قسم کا بیان ہے، یعنی اگر ورثہ میں صرف من یُرد علیه ہیں، اور الگ الگ جنس سے ہوں تو ردّ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسئلے کا مخرج ان کے حصوں سے بنایا جائے، مثلاً:

میتہ — ۶ ردّ ۴

بنت	ام
نصف	سدس
۳	۱

یہاں قاعدہ کے مطابق مخرج چھ بن گیا، جس میں سے نصف (یعنی ۳) بنت کو، اور سدس (یعنی ۱) ماں کو مل گیا، مگر چھ میں سے دو حصے بچ گئے جن کیلئے ردّ کی ضرورت ہے، اس لئے بنت اور امّ کے حصوں کو جمع کر کے ان سے نیا مخرج (یعنی ۴) بنادیا، اور میت کا سارا مال چار حصوں پر تقسیم کر کے تین بنت کو اور ایک امّ کو دیا گیا، اب ردّ کی ضرورت نہیں رہی۔

⓾ فمن اثنين لو سدسان: أي: فالمسئلة من اثنين لو اجتمع سدسان: یہ پچھلے مسئلے کی ایک اور مثال ہے، یعنی اگر کسی مسئلہ میں دو سدس جمع ہو جائیں تو مسئلے کا مخرج دو ہوگا، مثلاً

میت ۶ ردّ ۲

جدہ	اخت اخیافیہ
سدس	سدس
۱	۱

یہاں دو سدس جمع ہوئے، اصل مسئلہ تو چھ سے بنتا ہے، ایک سدس جدہ کو اور ایک سدس اخت کو ملتا ہے، جس میں سے ۴ حصے بچ جاتے ہیں، لہٰذا ان کیلئے ردّ کی ضرورت ہے، اس لئے جدہ اور اخت کے حصے جمع کر کے ان سے نیا مخرج ۲ بنادیا۔

⑧١ وثلاثة لو ثلث وسدس: یہ مسئلہ نمبر (۷۹) کی دوسری مثال ہے، یعنی اگر مسئلہ میں ثلث اور سدس جمع ہو جائیں تو مخرج تین سے ہوگا، مثلاً

میت ۶ ردّ ۳

اخ اخیافی ۳	جدہ
ثلث	سدس
۲	۱

یہاں ثلث اور سدس جمع ہوئے، اور قاعدہ کے مطابق مخرج ۶ بنتا ہے، جس میں سے دو حصے (ثلث) بھائیوں کو اور ایک حصہ جدہ کو ملا، مگر تین حصے بچ گئے، اس لئے ردّ کی ضرورت پیش آئی، لہٰذا بھائیوں اور جدہ کے حصوں کو جمع کر کے نیا مخرج ۳ بنادیا۔

⑧٢ وأربعة لو نصف وسدس: یہ مذکورہ مسئلے کی تیسری مثال ہے، یعنی اگر کسی مسئلہ میں نصف اور سدس جمع ہو جائیں تو مخرج چار ہوگا، مثلاً:

میت ۶ ردّ ۴

بنت ۱	بنت الابن
نصف	سدس
۳	۱

یہاں نصف اور سدس جمع ہوئے مخرج ۶ بن گیا، مگر ردّ کر کے حصوں (۳۔۱) کے مطابق نیا مخرج ۴ بنادیا۔

⑧٣ وخمسة لو ثلثان وسدس، أو نصف .... إلخ: یہاں بھی مسئلہ نمبر (۷۹) کی تین اور مثالیں دی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

◈ اگر کسی مسئلہ میں دو ثلث اور سدس جمع ہو جائیں تو مخرج پانچ سے بنے گا، مثلاً:

مسئلہ ۶ ردّ ۵
میت

ام	بنات ۲
سدس	ثلثان
۱	۴

یہاں دوثلث اور سدس جمع ہوئے، قاعدہ کے مطابق مخرج ۶ بن گیا، پھر ردّ کر کے حصوں (۴۔۱) سے نیا مخرج ۵ بنا دیا۔

◈ اگر کسی مسئلہ میں نصف اور دو سدس جمع ہو جائیں تو اس صورت میں بھی نیا مخرج ۵ ہوگا، مثلاً:

مسئلہ ۶ ردّ ۵
میت

ام	بنت الابن	بنت
سدس	سدس	نصف
۱	۱	۳

◈ اگر کسی مسئلہ میں نصف اور ثلث جمع ہو جائیں تو بھی نیا مخرج ۵ ہوگا، مثلاً:

مسئلہ ۶ ردّ ۵
میت

ام	اخت عینیہ
ثلث	نصف
۲	۳

⑭ وَلَوْ مَعَ الْأَوَّلِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ: أَعْطِ فَرْضَهُ مِنْ أَقَلِّ مَخَارِجِهِ، ثُمَّ اقْسِمِ الْبَاقِي عَلَى مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ، كَزَوْجٍ وَثَلَاثِ بَنَاتٍ ⑮ وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ: فَإِنْ وَافَقَ رُؤُوسَهُمْ، فَاضْرِبْ وَفْقَ رُؤُوسِهِمْ فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ، كَزَوْجٍ وَسِتِّ بَنَاتٍ ⑯ وَإِلَّا: فَاضْرِبْ كُلَّ عَدَدِ رُؤُوسِهِمْ فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ، كَزَوْجٍ وَخَمْسِ بَنَاتٍ.

ترجمہ: اور اگر پہلی قسم کے ساتھ وہ ہے جس پر ردّ نہیں ہوتا، تو اس کو اپنا حصہ دے دو اس کے کمتر مخرج سے، پھر باقی کو تقسیم کر و ان پر جن پر ردّ کیا جاتا ہے، جیسے شوہر اور تین بیٹیاں۔ اور اگر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے تو اگر توافق ہو ان کے رؤس کے ساتھ تو ضرب دو ان کے رؤس کے وفق کو اس کے حصے کے مخرج میں جس پر ردّ نہیں کیا جاتا، جیسے شوہر اور چھ بیٹیاں۔ ورنہ ضرب دو ان کے کل عدد رؤس کو اس کے حصے کے مخرج میں جس پر ردّ نہیں کیا جاتا، جیسے شوہر اور پانچ بیٹیاں۔

تشریح:

⑭ ولو مع الأول من لا يُردّ عليه: أعط ... إلخ: یہاں سے ردّ کی دوسری صورت کا بیان ہے، یعنی ورثہ میں من يُردّ عليه اور من لا يُردّ عليه دونوں موجود ہوں، اس صورت کی پھر دو قسمیں ہیں: (۱) من يُردّ عليهم میں سے صرف

ایک جنس کے ساتھ من لا یُردّ علیہ ہو، عبارت میں الأول سے یہی ایک جنس مراد ہے۔ (۲) من یُردّ علیھم کی مختلف اجناس کے ساتھ من لا یُردّ علیہ ہو، مسئلہ نمبر (۸۷) میں الثاني سے یہی مختلف اجناس مراد ہیں۔

عبارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر من یُردّ علیھم میں سے ایک ہی جنس کے ورثہ موجود ہوں اور ان کے ساتھ من لا یُردّ علیہ بھی ہو، تو ردّ کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے من لا یُردّ علیہ (زوج یا زوجہ) کا حصہ اس کے کمتر مخرج سے دیدیا جائے، پھر جو بچے گا اس کو من یُردّ علیھم کے رؤس کے مطابق تقسیم کیا جائے، جیسے شوہر اور تین بیٹیوں کی صورت میں، مثلاً:

میت ۴ باقی ۳

زوج	بنات ۳
ربع	ثلثان
۱	۳

یہاں زوج کو ربع ملتا ہے، اور اس کا کمتر مخرج ۴ ہے، اس لئے ۴ کو مخرج بنا کر اس سے زوج کو ایک دے دیا، اور جو باقی بچ گیا (یعنی تین) اس کو بنات کے رؤس (یعنی تین) کے مطابق پورے پورے تقسیم کر کے ہر بنت کو ایک ایک حصہ دیا گیا۔

⑩ وإن لم یستقم، فإن وافق رؤوسھم: فاضرب وفق ...إلخ: وافق میں ضمیر کا مرجع باقي ہے۔ یعنی مذکورہ صورت میں اگر من لا یُردّ علیہ کو دینے کے بعد باقی بچے ہوئے حصے من یُردّ علیھم پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے، تو اگر باقی بچے ہوئے اور من یُردّ علیھم کے عدد رؤس (افراد) کے درمیان توافق[1] ہے، تو عدد رؤس کے وفق کو من لا یُردّ علیہ کے حصے کے مخرج میں ضرب دو، جو جواب آئے گا اس کو مخرج بنا کر سب کو حصے دیئے جائیں گے، جیسے شوہر اور چھ بیٹیوں کی صورت میں، مثلاً:

میت ۴ باقی ۳ ‏۴×۲=۸

زوج	بنات ۶
ربع	ثلثان
۱	
۲	۶

یہاں سب سے پہلے شوہر کو کمتر مخرج (یعنی ۴) سے ایک حصہ دیا گیا، اور ۳ باقی بچ گئے، اب ظاہر ہے کہ ۳ من یُردّ علیھم (یعنی چھ بنات) پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے، اس لئے عدد رؤس (۶) کو باقی (۳) پر تقسیم کرنے سے عدد رؤس کا وفق ۲ نکل آیا، پھر اسی وفق (۲) کو من لا یُردّ علیہ (شوہر) کے حصے کے مخرج (۴) میں ضرب دی، جس سے ۸ جواب آیا، پھر ۸ کو مخرج بنا کر اس سے ۲ حصے شوہر کو دیئے، اور ۶ حصے بنات کو دیئے، جو ان پر پورے پورے تقسیم ہو سکتے ہیں۔

⑪ وإلّا: فاضرب کلَّ عددِ رؤوسھم في مخرج ...إلخ: أي: وإن لا یوافق: فاضرب... یعنی مذکورہ صورت میں اگر باقی بچے ہوئے حصوں اور من یُردّ علیھم کے عدد رؤس کے درمیان توافق نہ ہو بلکہ تباین ہو، تو کُل عدد رؤس کو من لا

---

① یہاں توافق کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم کرنے سے وفق نکل آئے گا، خواہ حقیقتاً توافق ہو، یا تداخل ہو کہ بڑا عدد چھوٹے پر تقسیم ہو سکے۔

يُرَدّ عليه (شوہر) کے حصے کے مخرج میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو مخرج بنایا جائے، جیسے شوہر اور پانچ بیٹیوں کی صورت میں، مثلاً:

مسئلہ ۴ باقی ۳ ۴×۵=۲۰

زوج	بنات ۵
ربع	ثلثان
۱	
۵	۱۵

یہاں باقی (۳) اور من یُرَدّ علیہم (بنات) کے عدد رؤس (۵) کے درمیان تباین ہے، اس لئے کُل عدد رؤس کو من لا یُرَدّ علیہ (شوہر) کے حصے کے مخرج (۴) میں ضرب دی، جس سے ۲۰ جواب آیا، اور پھر ۲۰ مخرج بنا کر اس سے ۵ شوہر کو، اور ۱۵ بنات کو دیے، جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہو سکتے ہیں۔

⑰ وَلَوْ مَعَ الثَّانِي مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ: فَاقْسِمْ مَا بَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ عَلٰى مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ، كَزَوْجَةٍ وَأَرْبَعِ جَدَّاتٍ، وَسِتِّ أَخَوَاتٍ لِأُمٍّ ⑱ وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ: فَاضْرِبْ سِهَامَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ، كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ، وَتِسْعِ بَنَاتٍ، وَسِتِّ جَدَّاتٍ ⑲ ثُمَّ اضْرِبْ سِهَامَ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ فِي مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ، وَسِهَامَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِيمَا بَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ ⑳ وَإِنِ انْكَسَرَ: فَصَحِّحْ، كَمَا مَرَّ.

ترجمہ: اور اگر دوسری قسم کے ساتھ وہ ہے جس پر ردّ نہیں کیا جاتا، تو جس پر ردّ نہیں کیا جاتا اس کے حصے کے مخرج سے جو بچے اس کو تقسیم کرو جس پر ردّ کیا جاتا ہے اس کے مسئلہ (حصوں) پر، جیسے بیوی، چار جدات اور چھ اَخیافی بہنیں۔ اور اگر (باقی) پورا پورا تقسیم نہ ہو جائے تو ضرب دو من یُرَدّ علیہ کے حصوں کو من لا یُرَدّ علیہ کے حصے کے مخرج میں، جیسے چار بیویاں، نو بیٹیاں اور چھ جدات۔ پھر ضرب دو من لا یُرَدّ علیہ کے حصوں کو من یُرَدّ علیہ کے مسئلہ (حصوں) میں، اور من یُرَدّ علیہ کے حصوں کو (ضرب دو) باقی بچے ہوئے میں من لا یُرَدّ علیہ کے حصے کے مخرج سے۔ اور اگر کسر آ جائے تو تصحیح کرو جیسے گزر چکا۔

تشریح:

⑰ ولو مع الثاني من لا يُرَدّ عليه: فاقسم ...... إلخ: یہ ردّ کی دوسری صورت کی دوسری قسم کا بیان ہے، کہ من یُرَدّ علیہم اور من لا یُرَدّ علیہ سب ہوں، اور من یُرَدّ علیہم مختلف اجناس سے ہوں، الثاني سے یہی مختلف اجناس کے من یُرَدّ علیہم مراد ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مختلف اجناس کے من یُرَدّ علیہم کے ساتھ من لا یُرَدّ علیہ بھی ہے، تو ردّ کرنے کا

طریقہ یہ ہے کہ من لا یُرد علیه کو دینے کے بعد جو بچے گا اس کو من یُرد علیهم کے حصوں پر تقسیم کرو، جیسے ایک زوجہ، چار جدات اور چھ اُخیافی بہنوں کی صورت میں، مثلاً:

میت ۴ باقی ۳ ۱۲×۴=۴۸

زوجہ	جدات ۴	اُخوات اُخیافیہ ۶
ربع	سدس	ثلث
۱	۱	۲
۱۲	۱۲	۲۴

یہاں سب سے پہلے زوجہ کیلئے کمتر مخرج ۴ کو نکال کر اُسے ایک دے دیا، اور تین باقی بچ گئے، اس کے بعد ۳ کو مــن یُــرد عــلیهــم (جدات اور اُخوات) کے حصوں پر تقسیم کر دیا، ان کے حصے بھی ۳ ہیں، کیونکہ جدات کا سدس چھ میں سے ایک ہے، اور اُخوات کا ثلث ۶ میں سے ۲ ہے، ایک اور ۲ کا مجموعہ ۳ بن جاتا ہے، لہٰذا باقی ۳ کو ان پر پورا پورا تقسیم کر کے جدات کو ایک دیا، اور اُخوات کو ۲ دیئے، یہاں تک ردّ کا عمل ختم ہو گیا۔

اب آگے تصحیح کی ضرورت ہے، اس لئے کہ چار جدات پر ایک حصہ پورا تقسیم نہیں ہوتا، اور چھ اُخوات پر ۲ حصے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ جدات کے عدد رؤس (۴) اور ان کے حصے (ایک) کے درمیان تباین ہے، اس لئے عدد رؤس (۴) کو محفوظ کر لیا، پھر اُخوات کے عدد رؤس اور ان کے حصے (۲) کے درمیان چونکہ تداخل ہے، اور ۶ کو ۲ پر تقسیم کرنے سے ۶ کا وفق ۳ نکلتا ہے، اس لئے ۳ کو بھی محفوظ کر لیا، پھر دونوں محفوظ عددوں (۴-۳) کو ایک دوسرے میں ضرب دی، جس سے ۱۲ جواب آیا، پھر ۱۲ کو پرانے مخرج (۴) سے ضرب دی، جس سے ۴۸ جواب آیا، پھر ۴۸ میں سے ۱۲ بیوی کو دیئے، اور چار جدات کو ۱۲ دیئے، جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں، اور چھ اُخوات کو ۲۴ حصے دیئے، جو اُن پر تقسیم ہو سکتے ہیں۔

⓫ وإن لم يستقم: فاضرب سهام من يُرد عليه ....إلخ: يستقم میں ضمیر کا مرجع مابقي ہے، یعنی مذکورہ صورت میں اگر باقی بچا ہوا مـن يُرد عليهم کے حصوں پر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے تو ردّ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مـن يُرد عليهم کے حصوں کو من لا يُرد عليه کے مخرج میں ضرب دو، اس سے جو جواب آئے گا وہ سب کیلئے مخرج ہوگا، جیسے چار بیویوں، نو بیٹیوں اور چھ جدات کی صورت میں، مثلاً:

میت (۸ باقی ۷) (۱۲×۴=۴۸) (۳۶×۴۰=۱۴۴۰)

زوجات ۴	بنات ۹	جدات ۶
ثمن	ثلثان	سدس
۱		
۵×۱	۷×۴	۷×۱
۳۶×۵	۳۶×۲۸	۳۶×۷
۱۸۰	۱۰۰۸	۲۵۲

یہاں کمتر مخرج (۸) سے زوجات کو ایک دینے کے بعد ۷ بچ گئے، اور یہ من یُـرد علیهـم (بنات اور جدات) کے حصوں پر

پورا پورا تقسیم نہیں ہوسکتا، کیونکہ بنات کے ثلثان چھ میں سے ۴ بن جاتے ہیں، اور جدات کا سدس چھ میں ایک ہے، اور ۴ اور ایک کا مجموعہ ۵ ہے، جس پر باقی بچا ہوا (۷) تقسیم نہیں ہوسکتا، ان میں تباین ہے، اس لئے من یُرد علیھم کے حصوں کے مجموعہ (۵) کو من لا یُرد علیه کے مخرج (۸) میں ضرب دی، جس سے ۴۰ جواب آیا، اور یہ سب کیلئے مخرج ہوگیا۔ عمل کا بقیہ حصہ اگلے مسئلے میں ہے۔

⓼⓽ ثم اضرب سهام من لا يُردُّ عليه في مسألة....إلخ: مذکورہ صورت میں جب سب کا مشترک مخرج ۴۰ نکل آیا، تو اس میں سے ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے من لا یُرد علیه کے حصے (ایک) کو من یُرد علیھم کے حصوں (۵) میں ضرب دو، ظاہر ہے کہ ایک کو پانچ میں ضرب دینے سے ۵ جواب آتا ہے، تو یہی ۵ زوجات کا حصہ ہے۔

اس کے بعد من یُرد علیھم کے حصوں کو من لا یُرد علیه کے مخرج سے باقی بچے ہوئے (۷) میں ضرب دو، یعنی بنات کے ۴ حصوں کو ۷ میں ضرب دے کر اس سے بنات کا حصہ ۲۸ بن جاتا ہے، اور پھر جدات کے حصے (ایک) کو ۷ میں ضرب دے کر ان کا حصہ ۷ بن گیا۔

⓽⓪ وإن انكسر: فصحح، كما مر: یعنی مذکورہ صورت میں اگر حصے عدد رؤس پر پورے پورے تقسیم نہ ہوسکے اس میں کسر آجائے تو گزرے ہوئے اصول کے مطابق تصحیح کا عمل کرو، مثلاً مذکورہ مثال میں ۵ حصے ۴ زوجات پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوسکتے، ان میں تباین ہے، اور ۲۸ حصے بھی ۹ بنات پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوسکتے، ان میں بھی تباین ہے، اور ۷ حصے بھی ۶ جدات پر پورے تقسیم نہیں ہوسکتے، ان میں بھی تباین ہے، لہٰذا سب میں اعداد رؤس کو لے لیا، پھر زوجات کے عدد رؤس (۴) اور جدات کے عدد رؤس (۶) میں چونکہ توافق ہے، اس لئے ۶ کے وفق (۳) کو ۴ میں ضرب دی، جس سے ۱۲ جواب آیا، پھر ۱۲ اور بنات کے عدد رؤس (۹) میں چونکہ توافق ہے، اس لئے ۱۲ کے وفق (۴) کو ۹ سے ضرب دی، جس سے ۳۶ جواب آیا۔

پھر ۳۶ کو مخرج (۴۰) سے بھی ضرب دی، جس سے ۱۴۴۰ جواب آیا، اور ۳۶ کو تمام حصوں میں بھی ضرب دی، جس سے زوجات کو ۱۸۰ حصے ملے، جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، اور بنات کو ۱۰۰۸ حصے ملے جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں، اور جدات کو ۲۵۲ حصے ملے جو اُن پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں۔

⓽①وَإِنْ مَاتَ الْبَعْضُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ: فَصَحِّحْ مَسْأَلَةَ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ، وَأَعْطِ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ، ثُمَّ صَحِّحْ مَسْأَلَةَ الْمَيِّتِ الثَّانِي، وَانْظُرْ بَيْنَ مَا فِي يَدِهِ مِنَ التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ وَبَيْنَ التَّصْحِيحِ الثَّانِي ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ ⓽② فَإِنِ اسْتَقَامَ مَا فِي يَدِهِ مِنَ التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ عَلَى التَّصْحِيحِ الثَّانِي: فَلَا ضَرْبَ، وَصَحَّتَا مِنْ تَصْحِيحِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ ⓽③ وَإِنْ لَا يَسْتَقِمْ، فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ: فَاضْرِبْ وَفْقَ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي

كُلِّ التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ ⓬ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُبَايَنَةٌ: فَاضْرِبْ كُلَّ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ، فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجُ الْمَسْأَلَتَيْنِ.

ترجمه: اور اگر بعض (ورثہ) مر گئے تقسیم سے پہلے، تو تصحیح کرو پہلی میت کے مسئلہ کو اور دے دو ہر وارث کا حصہ، پھر تصحیح کر دو دوسری میت کا مسئلہ، پھر دیکھو تصحیح اول سے جو دوسری میت کے ہاتھ میں ہے اس کے درمیان اور تصحیح ثانی کے درمیان تین نسبتوں کو۔ پس اگر برابر ہو جائے جو اس کے ہاتھ میں ہے تصحیح اول سے تصحیح ثانی پر تو ضرب نہیں ہوگی، اور دونوں (مسئلے) صحیح ہیں پہلی میت کی تصحیح سے۔ اور اگر برابر نہ ہو سکے تو اگر ان کے درمیان موافقت ہو تو ضرب دو دوسری تصحیح کے وفق کو پہلی تصحیح کے کُل میں۔ اور اگر ان کے درمیان مباینت ہے تو ضرب دو کُل دوسری تصحیح کو پہلی تصحیح میں، پس حاصلِ ضرب مخرج ہے دونوں مسئلوں کیلئے۔

تشریح: مناسخہ

⓫ **وإن مات البعض قبل ....الخ:** یہاں سے مناسخہ کے مسائل بیان فرما رہے ہیں۔ مناسخہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جائے اور اس کی میراث تقسیم کرنے سے پہلے ہی ورثہ میں سے کوئی مر جائے، اور اپنا حصہ اپنے وارثوں کیلئے چھوڑ دے، تو اس کے حصے کو اس کے ورثہ کی طرف منتقل کرنے کو **مناسخة** کہتے ہیں۔ مناسخہ کے عمل میں دو باتوں کا خیال رکھیں: (۱) پہلی میت کے ورثہ میں سے جس کا انتقال ہو جائے اس کے نام کے نیچے ◡ کا نشان لگایا جاتا ہے۔ (۲) مناسخہ کے عمل میں ہر وارث کا نام لکھنا ضروری ہے۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کا انتقال ہو جائے تو مناسخہ کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے پہلی میت کی میراث کیلئے تصحیح کرو، یعنی مکمل حل کر دو، اس کے ورثہ میں سے ہر وارث کو اپنا اپنا حصہ دے دو۔ اس کے بعد دوسری میت کا مسئلہ حل کر کے اس کے ہر وارث کو حصہ دے دو۔ اس کے بعد دوسری میت کو پہلے مسئلے میں جو حصہ ملا ہے (یعنی ما في اليد) اس کے اور دوسرے مسئلے کے مخرج کے درمیان نسبت دیکھو، تو آپ کو تین نسبتوں میں سے کوئی ایک نسبت نظر آئے گی:

﴿۱﴾ یا تو **ما في اليد** اور دوسرے مسئلے کے مخرج کے درمیان استقامۃ (تماثل) ہوگا، یعنی **ما في اليد** اور دوسرے مسئلے کا مخرج برابر سرابر ہوں۔ ﴿۲﴾ یا تو ان کے درمیان توافق ہوگا۔ ﴿۳﴾ اور یا ان کے درمیان تباین ہوگا۔ تفصیل اگلے مسئلوں میں ہے۔

⓬ **فإن استقام ما في يده من التصحيح الأول على ....الخ:** **استقام** سے مراد ہے: برابر ہونا، تماثل۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر **ما في اليد** (دوسری میت کو پہلی میت سے جو حصہ ملا ہے) اور دوسرے مسئلے کے مخرج کے درمیان تماثل ہو، تو کسی ضرب اور کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس پہلی میت کے مسئلے کا جو مخرج ہے اس سے دونوں مسئلے حل ہو جاتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے:

میت ۶

زوج (حمید)	ام (فاطمہ)	عم (خالد)
نصف	ثلث	عصبہ
۳	۲	۱

حمید کا انتقال ہوا، تو سب سے پہلے اس کا مسئلہ بناتے ہیں:

میتہ ۳

ابن (لطیف)	ابن (احمد)	ابن (عمران)
۱	۱	۱

یہاں دیکھیں کہ پہلے مسئلے میں حمید کا ما في اليد ۳ ہے، اور دوسرے مسئلے کا مخرج بھی ۳ ہے، دونوں میں تماثل ہے، اس لئے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ہم تمام زندہ وارثوں کو جمع کر کے ان کو الأحياء (زندے) کے نیچے لکھ لیتے ہیں، مثلاً:

الأحياء

فاطمہ	خالد	لطیف	احمد	عمران
۲	۱	۱	۱	۱

۹۳ وإن لم يستقم، فإن كان بينهما موافقة: فاضرب ....إلخ: بينهما میں ضمیر کا مرجع ما في اليد اور التصحيح الثاني ہے، یعنی اگر ما في اليد اور دوسرے مسئلے کے مخرج کے درمیان برابری (تماثل) نہیں ہے، بلکہ توافق ہے، تو دوسرے مسئلے کے مخرج کا وفق نکال کر اس کو پہلے مسئلے کے مخرج میں ضرب دو، حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا، مثال یہ ہے:

میتہ ۴ ۲۰=۵×۴ ۱۲۰=۶×۲۰

زوجہ (بشریٰ)	أخت علاتیہ (عقیلہ)	أعمام ۵
ربع		عصبہ
۵×۱	۵×۲	۵×۱
۶×۵	۱۰	۶×۵
۳۰		۳۰

اس مسئلہ میں کسر آئی، کیونکہ پانچ چچوں پر ایک حصہ پورا تقسیم نہیں ہوسکتا، اس لئے تصحیح کرتے ہوئے چچوں کے عدد رؤس (۵) کو مخرج (۴) اور تمام حصوں سے ضرب دی، جس سے مخرج ۲۰ ہوگیا، زوجہ کو ۵، اخت علاتیہ کو ۱۰، اور چچوں کو ۵ حصے ملے۔ پھر اخت علاتیہ (عقیلہ) کا انتقال ہوا، اب اس کے ورثہ کا مسئلہ بناتے ہیں۔

میتہ ۱۲

زوج (اکرم)	ام (صالحہ)	بنت (کریمہ)	عم (محمود)
ربع	سدس	نصف	عصبہ
۳×۵	۲×۵	۶×۵	۱×۵
۱۵	۱۰	۳۰	۵

یہاں پہلے مسئلے کے ما في اليد (۱۰) اور دوسرے مسئلے کے مخرج (۱۲) کے درمیان توافق ہے، اس لئے دوسرے مسئلے کے مخرج (۱۲) کے وفق (۶) کو پہلے مسئلے کے کُل مخرج (۲۰) میں ضرب دی، حاصل ضرب ۱۲۰ آیا، یہ دونوں مسئلوں کا مشترک مخرج ہو جائے گا، پھر تمام زندوں کو الأحياء کے نیچے لکھ کر ۱۲۰ ان پر قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۹۵) میں ہے۔

۹۴ وإن كان بينهما مباينة: فاضرب كلَّ التصحيح الثاني ....إلخ: اگر ما في اليد اور دوسرے مسئلے کے

مخرج کے درمیان تباین ہو، تو مناسخہ کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے مسئلے کے کل مخرج کو پہلے مسئلے کے کل مخرج میں ضرب دی جائے، حاصل ضرب دو مسئلوں کا مشترک مخرج ہوگا، مثال یہ ہے:

میت ۶   ۶×۵=۳۰

زوج (خالد)	ام (عالیہ)	عم (حمید)
نصف	سدس	عصبہ
۳	۲×۵	۱×۵
	۱۰	۵

خالد کا انتقال ہوگیا، اب اس کے وارثوں کا مسئلہ بناتے ہیں۔

میت ۵

ابن (حامد)	ابن (لطیف)	ابن (احمد)	ابن (عمر)	ابن (اشرف)
۱×۳	۱×۳	۱×۳	۱×۳	۱×۳
۳	۳	۳	۳	۳

یہاں پہلے مسئلے کے مافی الید (۳) اور دوسرے مسئلے کے مخرج (۵) میں تباین ہے، اس لئے دوسرے مسئلے کے مخرج کو پہلے مسئلے کے مخرج میں ضرب دی، جس کا جواب ۳۰ آیا، یہ دونوں مسئلوں کا مشترک مخرج ہے، اب تمام زندہ وارثوں کو الأحياء کے نیچے لکھ کر ہر ایک کو قاعدہ کے مطابق حصہ دیں گے، جیسا کہ مسئلہ نمبر (۹۵) میں ہے۔

> ⑮ وَاضْرِبْ سِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ فِي التَّصْحِيحِ الثَّانِي، أَوْ فِي وَفْقِهِ، وَسِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِي فِي نَصِيبِ الْمَيِّتِ الثَّانِي، أَوْ فِي وَفْقِهِ ⑯ وَيُعْرَفُ حَظُّ كُلِّ فَرِيقٍ مِنَ التَّصْحِيحِ بِضَرْبِ مَا لِكُلٍّ مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ فِيمَا ضَرَبْتَهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ ⑰ وَحَظُّ كُلِّ فَرْدٍ بِنِسْبَةِ سِهَامِ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى عَدَدِ رُؤُوسِهِمْ مُفْرَدًا، ثُمَّ يُعْطَى بِمِثْلِ تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوبِ لِكُلِّ فَرْدٍ.

ترجمہ: اور ضرب دو پہلی میت کے ورثہ کے حصوں کو دوسرے مسئلے کی تصحیح (مخرج) میں، یا اس کے وفق میں، اور دوسری میت کے ورثہ کے حصوں کو دوسری میت کے حصے میں، یا اس کے وفق میں۔ اور معلوم کیا جاسکتا ہے ہر فریق کا حصہ تصحیح کرنے سے ضرب دینے سے اس کو جو ہر ایک کیلئے ہے اصل مخرج سے اس میں جس کو تو نے ضرب دی ہے اصل مخرج میں۔ اور ہر فرد کا حصہ (معلوم کیا جاسکتا ہے) نسبت کرنے سے ہر فریق کے حصوں کے اصل مخرج سے ان کے عدد روس کی طرف اکیلے ہو کر، پھر دیا جائے گا اسی نسبت کی مثل مضروب (عدد) سے ہر فرد کو۔

تشریح: ⑮ واضرب سهام ورثة الميت الأول ....الخ: یعنی مسئلہ نمبر (۹۴) میں تمام زندہ وارثوں کا حصہ معلوم

کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی میت کے تمام ورثہ کے حصوں کو دوسرے مسئلے کے مخرج میں ضرب دو، پھر دوسری میت کے ورثہ کے حصوں کو دوسری میت کے حصے (یعنی ما في اليد) میں ضرب دو، جیسے مسئلہ نمبر (۹۴) کی مثال میں پہلی میت کے تمام ورثہ کے حصوں کو ۵ سے ضرب دی، اور پھر دوسری میت کے ورثہ کے حصوں کو ما في اليد (۳) سے ضرب دی، تمام زندہ وارثوں کے حصے یوں ظاہر ہوئے:

۳۰ مشترک مخرج

الأحیاء

عالیہ	حمید	حامد	لطیف	احمد	عمر	اشرف
۱۰	۵	۳	۳	۳	۳	۳

عبارت میں أو في وفقه کا تعلق مسئلہ نمبر (۹۳) سے ہے، یعنی اس مسئلہ میں تمام زندہ وارثوں کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی میت کے ورثہ کے حصوں میں دوسرے مسئلے کے مخرج کے وفق کو ضرب دی، اور پھر دوسری میت کے ورثہ کے حصوں کو دوسری میت کے حصے (ما في اليد) کے وفق میں ضرب دو، جیسے مسئلے نمبر (۹۳) کی مثال میں پہلی میت کے ورثہ کے حصوں کو ٦ سے ضرب دی، اور پھر دوسری میت کے ورثہ کے حصوں کو ما في اليد کے وفق (۲) سے ضرب دی، اب تمام زندہ وارثوں کے حصے یوں ظاہر ہوئے:

۱۲۰ مشترک مخرج

الأحیاء

بشریٰ	أعمام ۵	اکرم	صالحہ	کریمہ	محمود
۳۰	۳۰	۱۵	۱۰	۳۰	۵

⑯ ويُعرف حظُّ كلّ فريق من التصحيح بضرب ما لكلّ ....إلخ: اس مسئلے کا تعلق مناسخہ سے نہیں ہے، بلکہ تصحیح سے ہے، اس لئے بعض شراح نے فرمایا ہے کہ اولیٰ وبہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ کو تصحیح کے مسائل میں ذکر فرماتے۔ مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تصحیح ہو جائے وہاں کل مخرج سے کسی ایک فریق کے حصے کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس فریق کو اصل مخرج (پرانے مخرج) سے جو حصہ ملا ہے اس کو اس عدد میں ضرب دو جس کو آپ نے اصل مخرج میں ضرب دیا ہے، حاصل ضرب سے اس فریق کا حصہ معلوم ہو جائے گا، مثال یہ ہے:

میت ۲۴   ۵۰۴۰=۲۱۰×۲۴

زوجات ۲	بنات ۱۰	جدات ٦	اعمام ۷
ثمن	ثلثان	سدس	عصبہ
۲۱۰×۳	۲۱۰×۱٦	۲۱۰×۴	۲۱۰×۱
٦۳۰	۳۳٦۰	۸۴۰	۲۱۰

یہاں مسئلے کا اصل مخرج چوبیس ہے، اس میں سے زوجات کو ۳، بنات کو ۱٦، جدات کو ۴ اور أعمام کو ایک حصہ ملا۔ پھر تصحیح کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ ہر فریق کے حصے اس کے عدد روٴس پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے، مثلاً دو زوجات پر تین حصے تقسیم نہیں ہو سکتے، اسی طرح اور بھی ہیں۔

اور تصحیح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے زوجات کے عدد روٴس (۲) اور ان کے حصوں (۳) میں چونکہ تباین ہے، اس

لئے عددروس (۲) کو محفوظ کرلیا، پھر بنات کے عددروس (۱۰) اوران کے حصوں میں نسبت دیکھی، وہ توافق ہے، اس لئے عددروس کے وفق (۵) کو محفوظ کرلیا، پھر جدات کے عددروس (۶) اوران کے حصوں (۴) میں بھی چونکہ توافق ہے، اس لئے ان کے عددروس کے وفق (۳) کو بھی محفوظ کرلیا، پھر أعمام کے عددروس (۷) اوران کے حصے (ایک) کے درمیان چونکہ تباین ہے، اس لئے عددروس (۷) ہی کو محفوظ کرلیا۔ اس کے بعد تمام محفوظ اعداد (۲۔۵۔۳۔۷) کے درمیان چونکہ تباین ہے، اس لئے سب کو ایک دوسرے سے ضرب دی، مثلاً:

۲×۵= حاصل ۱۰

۱۰×۳= حاصل ۳۰

۳۰×۷= حاصل ۲۱۰

سب سے آخر میں ۲۱۰ کا عدد حاصل ہوا، یہ وہ عدد ہے جس کو اصل مخرج (۲۴) میں ضرب دی، اس سے نیا مخرج ۵۰۴۰ حاصل ہوا۔ اب ہر فریق کا وہ حصہ جو اس کو اصل مخرج سے ملا تھا، اسی عدد (۲۱۰) میں ضرب دینے سے اس فریق کا حصہ معلوم ہوجائے گا، مثلاً زوجات کے ۳ حصوں کو ۲۱۰ میں ضرب دینے سے ان کا حصہ ۶۳۰ معلوم ہوا، اسی طرح بنات کا حصہ ۳۳۶۰، جدات کا حصہ ۸۴۰ اور أعمام کا حصہ ۲۱۰ معلوم ہوا۔

۹۵ وحظُّ كلِّ فرد بنسبة سهام كلِّ فريق من أصل ...إلخ: أي: يُعرف حظُّ كلِّ فرد... یعنی مذکورہ صورت میں جب ہر فریق کا حصہ معلوم ہوگیا، اب ہر فرد کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس فریق کو اصل مخرج سے جو حصہ ملا ہے اس کی نسبت اسی فریق کے عددروس کے ساتھ معلوم کی جائے، حصے اور عددروس کے درمیان جو نسبت ہو مضروب عدد میں سے اسی نسبت کی مثل کے ساتھ ہر فرد کو حصہ دیا جائے گا، مثلاً ماقبل مسئلے میں زوجات کے فریق کو اصل مخرج (۲۴) سے ۳ حصے ملے ہیں، ہم نے ان ۳ حصوں اور زوجات کے عددروس (۲) کے درمیان نسبت دیکھی تو وہ ایک اور ڈیڑھ کی نسبت ہے، یعنی ایک اور ڈیڑھ کے درمیان جو نسبت ہے وہی نسبت ۳ اور ۲ کے درمیان بھی ہے۔ اب اسی نسبت کے مطابق اصل مخرج میں جس عدد کو ہم نے ضرب دی تھی یعنی ۲۱۰، اس مضروب عدد کا ڈیڑھ گنا ایک زوجہ کا حصہ بنتا ہے، اور ۲۱۰ کا ڈیڑھ گنا ۳۱۵ بنتا ہے، اور یہی ایک زوجہ کا حصہ ہے۔

اور اسی طرح بنات کے حصے (۱۶) اوران کے عددروس (۱۰) کے درمیان نسبت ایک اور تین پانچویں ($1\frac{3}{5}$) کی ہے، لہٰذا عدد مضروب (۲۱۰) اور اس کے پانچ میں سے تین، ایک بنت کا حصہ ہے، اور یہ ۳۳۶ بنتا ہے۔

اور اسی طرح جدات کے حصوں (۴) اوران کے عددروس (۶) کے درمیان دو تہائیاں ہے، لہٰذا عدد مضروب (۲۱۰) کی دو تہائیاں ایک جدہ کا حصہ ہے، اور وہ ۱۴۰ چالیس ہے۔ اور اسی طرح أعمام کے حصے (ایک) اوران کے عددروس (۷) کے درمیان ایک ساتواں ($\frac{1}{7}$) ہے، لہٰذا عدد مضروب (۲۱۰) کا ساتواں ایک چچا کا حصہ ہوگا، اور وہ ۳۰ ہے۔

☆☆☆

۹۸ وَإِنْ أَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ، أَوِ الْغُرَمَاءِ: فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ مِنَ التَّصْحِيحِ فِي كُلِّ التَّرِكَةِ، ثُمَّ اقْسِمِ الْمَبْلَغَ عَلَى التَّصْحِيحِ ۹۹ وَمَنْ صَالَحَ مِنَ الْوَرَثَةِ عَلَى شَيْءٍ: فَاجْعَلْهُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ، وَاقْسِمْ مَا بَقِيَ عَلَى سِهَامِ مَنْ بَقِيَ.

ترجمہ: اور اگر تمہارا ارادہ ہو ترکہ تقسیم کرنے کا ورثہ یا غرماء کے درمیان تو ضرب دو ہر وارث کے حصوں کو مخرج میں سے کُل ترکہ میں، پھر حاصل ضرب کو تقسیم کرو مخرج پر۔ اور جس نے صلح کی ورثہ میں سے کسی چیز پر تو اس کو قرار دے کہ گویا تھا ہی نہیں، اور باقی مال کو تقسیم کرو باقی رہنے والوں کے حصوں پر۔

تشریح:

۹۸ وإن أردت قسمة التركة بين.... إلخ: حاصل یہ ہے کہ اگر میت کا ترکہ ورثہ کے درمیان یا غرماء کے درمیان تقسیم کرنا ہو، تو ورثہ کے درمیان تقسیم کرنے اور ہر وارث کا حق معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وارث کو مخرج سے جو حصہ ملا ہے اس کو کُل ترکہ میں ضرب دی جائے، اس سے جو حاصل ہوگا اس کو مخرج پر تقسیم کر دیا جائے، تقسیم کا جو حاصل نکلے گا وہ ہر وارث کا معین حق ہے، مثلاً:

میتہ ٦ عول ٨

زوج	ام	اخت عینیہ ٢
نصف	سدس	ثلثان
٣	١	٤

اب فرض کریں کہ میت کا کُل ترکہ پچیس ہزار (٢٥٠٠٠) روپے ہے، اس میں سے ہر وارث کا کتنا حق بنتا ہے؟ اس کیلئے سب سے پہلے زوج کا حصہ (٣) کُل ترکہ (٢٥٠٠٠) میں ضرب دیتے ہیں، جس سے ٧٥٠٠٠ حاصل نکلا، پھر اس حاصل کو مخرج (٨) پر تقسیم کرتے ہیں، جس سے ٩٣٧٥ حاصل ہوا، معلوم ہوا کہ زوج کا حصہ یہی ہے۔ اسی طرح اُم کے حصے (ایک) کو کُل ترکہ میں ضرب دی، تو ٢٥٠٠٠ ہی حاصل نکلا، پھر اس کو مخرج (٨) پر تقسیم کرنے سے ٣١٢٥ جواب آیا، معلوم ہوا کہ یہی اُم کا حصہ ہے۔ اور اسی طرح ایک اخت کے حصے (٢) کو ترکہ میں ضرب دینے سے ٥٠٠٠٠ جواب آیا، پھر اس کو مخرج (٨) پر تقسیم کرنے سے ٦٢٥٠ جواب آیا، اور یہی ایک بہن کا حصہ ہے۔

اگر ترکہ کو غرماء کے درمیان تقسیم کرنا ہو تو غرماء ورثہ کی طرح ہوں گے، اور ہر ایک کا دَین میراث کے حصے کی طرح ہوگا، اور کُل دَین مخرج کی طرح ہوگا، لہٰذا تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر ایک کے دَین کو کُل ترکہ میں ضرب دے کر اس کے حاصل کو کُل دَین پر تقسیم کیا جائے، تقسیم کا جو حاصل نکلے گا وہ ہر غریم کا حق ہے۔

۹۹ ومن صالح من الورثة على شيء: فاجعله كأن.... إلخ: اس مسئلہ میں تخارج کا بیان ہے، وہ یہ ہے کہ ورثہ

میں سے کوئی وارث صلح کر کے اپنا حق چھوڑ دے، اور اس کے عوض میں کوئی اور چیز لے لے۔

اس صورت میں میراث تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو وارث صلح کر کے نکل گیا ہے اس کو یوں فرض کیا جائے جیسے اس کا وجود ہی نہیں، اور باقی مال کو باقی ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ واللہ أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب.

والحمد لله الّذي بنعمته تتمّ الصالحات، والصلاة والسلام على سيّدنا محمّد سيّد من مضى ومن هو آت، وعلى آله وأصحابه أولي الفضل والكرامات.

تمّ بحمد الله تسويدُ هذه الصفحات يوم الجمعة، قُبيل صلاة الجمعة، سنة ۱۴۳۳ھ ۱۹ من صفر المظفر

كتبه بيمينه: عبدهٗ عبدالرحمٰن الكاكري

☆☆☆





کتابیات

احقر نے لکھنے کے دوران مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے:

(۱)......القرآن الكريم.

(۲)......الدّر المختار. علامة محمد بن علي بن محمد الحصكفي رحمه الله ۱۰۸۸ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(۳)......الفتاوىٰ التاتارخانية. علامة ابن العلاء أنصاري رحمه الله ۷۸٦ هـ [قديمى كتب خانه، كراتشي]

(۴)......الفقه الإسلامي وأدلته. علامة وهبة زحيلي رحمه الله ۱٤۳۷ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(۵)......الفقه الحنفي. أسعد محمد سعدي صاغرجي رحمه الله [إدارهٔ إسلاميات، لاهور]

(٦)......القاموس الفقهي. خالد سيف الله رحماني صاحب. حفظه الله تعالى. [زمزم پبلشرز]

(۷)......القاموس الفقهي. سعدي أبوجيب رحمه الله [دارالفكر، بيروت]

(۸)......القاموس الوحيد. مولانا وحيد الزمان كيرانوي رحمه الله ۱٤۱۵ هـ [إدارهٔ إسلاميات]

(۹)......القول الرّاجح. مفتي غلام قادر نعماني. حفظه الله تعالى.

(۱۰)......الموسوعة الفقهية. وزارة الأوقاف لحكومة كويت. [إسلامک فقه اکيڈمی، انڈیا]

(۱۱)......الهداية. برهان الدين أبوالحسن مرغيناني رحمه الله ۵۹۳ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(۱۲)......أحسن الفتاوىٰ. مولانا مفتي رشيد أحمد لدهيانوي رحمه الله [ايچ ايم سعيد، كراچی]

(۱۳)......أحسن المسائل. (اردو ترجمه) مولانا محمود أحسن نانوتوي رحمه الله ۱۳۱۲ هـ [ايچ ايم سعيد، كراچی]

(۱۴)......أحسن الهداية. مولانا مفتي عبدالحليم قاسمي بستوي رحمه الله [مكتبة رحمانيه]

(۱۵)......إسلام اور جديد معاشي مسائل. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني. حفظه الله تعالى [إدارهٔ إسلاميات]

(۱۶)......إسلام كا قانون إجاره. مولانا مفتي زبير أشرف عثماني. حفظه الله تعالىٰ [إدارة المعارف]

(۱۷)......إسلام كا معاشرتي نظام. حكيم محمود أحمد ظفر رحمه الله

(۱۸)......إسلام كا نظام أوقاف. مولانا خليل أحمد أعظمي صاحب. حفظه الله تعالىٰ [إدارهٔ إسلاميات]

(۱۹)......أشرف الهداية. مولانا جميل أحمد سكروڈوي رحمه الله. [دارالإشاعت، كراچی]

(۲۰)......إعلاء السنن. علامة ظفر أحمد عثماني تهانوي رحمه الله. ۱۳۹٤ هـ [دارالفكر، بيروت]

(۲۱)......إمداد الأحكام. علامة ظفر أحمد عثماني تهانوي رحمه الله ۱۳۹٤ هـ. مولانا مفتي عبدالكريم صاحب متهلوي رحمه الله. ۱۳٦۸ هـ [مكتبة دارالعلوم، كراچی]

(۲۲)......إمداد الفتاوىٰ. مولانا حكيم الأمة أشرف علي تهانوي رحمه الله ۱۳٦۲ هـ [مكتبة دارالعلوم، كراچی]

(۲۳)......بدائع الصنائع. إمام علاء الدين كاساني رحمه الله ۵۸۷ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(۲۴)......تقرير ترمذي. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالىٰ [ميمن إسلامک بكس]

(٢٥)......تكملة فتح الملهم. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالى [مكتبة دار العلوم، كراچی]

(٢٦)......تكملة البحر الرائق. علامة شيخ محمد بن حسين بن علي الطوري ١١٣٨ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(٢٧)......جواهر الفقه. مفتي أعظم پاكستان مولانا مفتي محمد شفيع رحمه الله ١٣٩٦ هـ [مكتبة دار العلوم، كراچی]

(٢٨)......حاشية الشلبي على تبيين الحقائق. [دار الإشاعة العربية، كوئته]

(٢٩)......حاشية مولانا إعزازعلي. مولانا محمد إعزازعلي رحمه الله ١٣٧٤ هـ [إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی]

(٣٠)......درس ترمذي. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالى [مكتبة دار العلوم، كراچی]

(٣١)......ردّالمحتار على الدر المختار. ابن عابدين، محمدأمين بن عمر شامي رحمه الله ١٢٥٢ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(٣٢)......رمزالحقائق. محمود بن أحمد بدر الدين العيني رحمه الله ٨٥٥ هـ [إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی]

(٣٣)......زبدة المناسک مع عمدة المناسک. حضرت مولانا رشيدأحمد گنگوهي رحمه الله [سعيد، ايچ، ايم كمپنى]

(٣٤)......زر کا تحقیقی مطالعه. مولانا مفتي ڈاکٹرعصمت الله صاحب. حفظه الله تعالى [إدارة المعارف]

(٣٥)......سنن ترمذي. محمد بن عيسىٰ الترمذي رحمه الله ٢٧٩ هـ [قديمى كتب خانه]

(٣٦)......سنن نسائي. إمام أبوعبدالرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله ٣٠٣ هـ [قديمى كتب خانه]

(٣٧)......سنن أبي داؤد. سليمان بن أشعث السجستاني رحمه الله ٢٧٥ هـ [مكتبة رحمانيه]

(٣٨)......شرکت ومضاربت عصر حاضرمیں. مولانا ڈاکٹرعمران أشرف عثماني. حفظه الله تعالى [مكتبه معارف القرآن]

(٣٩)......صحيح البخاري. إمام محمد بن اسماعيل البخاري رحمه الله. ٢٥٦ هـ [قديمى كتب خانه]

(٤٠)......صحيح مسلم. إمام مسلم بن الحجّاج القشيري رحمه الله ٢٦١ هـ [قديمى كتب خانه]

(٤١)......فتاویٰ حقانيه. شيخ المشائخ مولانا عبدالحق صاحب رحمه الله [دار العلوم حقانية اكوڑه خٹک]

(٤٢)......فتاویٰ دارالعلوم ديوبند. مولانا مفتي عزيز الرحمٰن رحمه الله [دار الإشاعت، كراچی]

(٤٣)......فتاویٰ عثماني. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالى [مكتبة معارف القرآن]

(٤٤)......فتاویٰ محمودية. مولانا مفتي محمودحسن گنگوهي رحمه الله ١٣٧١ هـ [مكتبة فاروقية، كراچی]

(٤٥)......فتاویٰ هندية. جماعة من العلماء الأعلام رحمهم الله. [مكتبة رحمانية]

(٤٦)......فتح القدير. علامة كمال الدين محمد بن عبدالواحد ابن الهمام رحمه الله ٨٦١ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

(٤٧)......فقه البيوع. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالى [مكتبة معارف القرآن]

(٤٨)......فقهي مقالات. شيخ الإسلام مولانا مفتي محمّد تقي عثماني صاحب. حفظه الله تعالى [ميمن اسلامک پبلشرز]

(٤٩)......كشف الباري. أستاذ العلماء شيخ المشائخ حضرت مولانا سليم الله خان. رحمه الله [مكتبة فاروقية، كراچی]

(٥٠)......كفايت المفتي. مولانا مفتي كفايت الله دهلوي رحمه الله ١٣٧٢ هـ [مكتبة دار الإشاعت، كراچی]

(٥١)......مفتاح المناسک. مولانا محمد إلياس كوهاٹي رحمه الله [مكتبه ام القرىٰ]

(٥٢)......منحة الخالق على البحر الرائق. ابن عابدين، محمدأمين بن عمر شامي رحمه الله ١٢٥٢ هـ [مكتبة رشيدية، كوئته]

﴿اشاریہ سے متعلق چند اہم ہدایات﴾

①...... نبی کریم ﷺ کا نام نامی ''حضور ﷺ'' سے تلاش کیا جائے۔

②...... مسئلہ کو حروف تہجی کے اعتبار سے تلاش کیا جائے، مثلاً ''زکوۃ'' کو ''ز'' میں تلاش کریں۔

③...... مسئلہ کو تلاش کرنے کیلئے کتاب/باب اور مسئلہ نمبر پر بھی جا سکتے ہیں، اور جلد/صفحہ نمبر پر بھی جا سکتے ہیں۔

④...... ایک ہی مسئلہ کو متعدد حروف کے تحت بھی تلاش کر سکتے ہیں، مثلاً ''کنایہ طلاق'' کو حرفِ کاف کے تحت بھی تلاش کر سکتے ہیں، اور ''طلاقِ کنایہ'' کے عنوان سے حرفِ طاء کے تحت بھی تلاش کر سکتے ہیں۔

⑤...... اگر ایک عنوان سے آپ کا مطلوبہ مسئلہ نہ ملے تو اس سے ملتے جلتے دوسرے عنوان سے تلاش کریں۔

⑥...... عربی الفاظ کو اردو معنی کے اعتبار سے تلاش کیا جائے، مگر یہ کہ اردو لفظ غیر مستعمل ہو تو عربی لفظ ہی کو تلاش کیا جائے، جیسے عُقر، صاع، لقطہ وغیرہ۔

⑦...... وہ اردو الفاظ جو فقہی عبارات میں غیر مشہور ہوں ان کیلئے عربی الفاظ استعمال کیے گیے ہیں، مثلاً ''سور'' کیلئے ''خنزیر'' کا لفظ، ''سود'' کیلئے ''رِبا'' کا لفظ، ''خون بہا'' کیلئے ''دیت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

⑧...... ایک حرف کے تحت تمام الفاظ کی ترتیب میں بھی الف بائی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

⑨...... مترادف الفاظ میں سے جو لفظ زیادہ مشہور ہو اسی کو لیا گیا ہے، مثلاً باندی، کنیز اور لونڈی میں سے ''باندی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

☆☆☆

ت

☆☆☆

ف

ق

ل

ن